قال تعالیٰ فلولا نفر من کل فرقة منهم طائفة لیتفقهوا فی الدین

مولفه

شیخ الشیوخ عالم ربانی غوث صمدانی واقف اسرار قرآنی
علامہ امام سید عبدالوہاب شعرانی شافعی نور اللہ قبرہ و رضی عنہ

موسومہ

مواہب رحمانی

جلد ترجمہ اردو دوم

میزان شعرانی

مترجمہ

جناب مولانا مولوی محمد حیات صاحب سنبھلی سلمہ الولی

حسب ایما

جناب شیخ الٰہی بخش و محمد جلال الدین حامی دین متین تاجران کتب لاہور

بازار کشمیری
در مطبع گلزار ہند سٹیم پریس لاہور میں باہتمام [illegible] پرنٹر کے چھپا

شکریہ

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یشکر اللہ من لم یشکر الناس

چونکہ اس نادر ونایاب کتاب میزان شعرانی کے اردو ترجمہ کے
اصل محرک عالیجناب مولانا مولوی حکیم محمد ابراہیم صاحب رانذیری سلمہ اللہ تعالےٰ
(سابق خطیب جامع سورتی رنگون) ہوئے ہیں اس لئے انکا شکریہ
ہم سب اہل اسلام کیجانب سے لازمی ہے۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء۔ ناظرین جب
اس ترجمہ کے فوائد سے محفوظ ہوں تو اسکے اصل مولف اور ناچیز مترجم
اور جملہ معاونین خصوصا جناب حکیم صاحب موصوف اور اسکے طبع
میں ساعی بننے والوں کیواسطے فلاح دارین کی دعا فرماویں۔

عاجز محمد حیات غفرلہ
سنبھلی مرادآبادی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

المجلد الثانی

کتاب زکوٰۃ کے بیان میں

مسائل اجماعیہ

علما کا اس پر اتفاق ہے کہ زکوٰۃ ارکان اسلام میں سے ایک رکن ہے اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ زکوٰۃ چار نوعوں میں واجب ہے۔ چوپائے، جنس نقود، اسباب سوداگری، وہ چیزیں جو پائی جاتی ہیں وہ پھل اور کھیتیاں جو من چاہے طریقہ سے ذخیرہ بنائی جاسکیں۔ اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ زکوٰۃ آزاد مسلمان بالغ عقل والے پر واجب ہے۔

اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ زکوٰۃ واجب ہونے میں ایک سال مال پر گذر جانا شرط ہے۔ مگر حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دو قول مروی ہیں۔ ایک یہ کہ مال کے مالک بنتے ہی واجب ہو جاتی ہے پھر جب ایک سال گذر جائے (دوبارہ) واجب ہوتی ہے۔

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو جب کوئی عطیہ دیا جاتا فی الفور اُس کی زکوٰۃ ادا فرما دیتے۔ اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ زکوٰۃ کا نکالنا بغیر نیت کے صحیح نہیں اور امام اوزاعیؒ نے فرمایا کہ نیت کی ضرورت نہیں۔

اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ جو شخص بخل کی وجہ سے زکوٰۃ روک لے اُس سے جبراً لے لی جائے اور اُس کو سزا دی جائے۔

اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ مال میں سوا زکوٰۃ کے اور کچھ واجب نہیں۔ اور مجاہدؒ و شعبیؒ کا قول ہے کہ جب کھیتی کاٹی جائے تو واجب ہے کہ کچھ بالیں مساکین کے واسطے ڈال دی جائیں۔ اسی طرح جب کھجوریں کاٹی جائیں تو کچھ پھل فقراء کے لئے ڈالنا واجب ہے۔

یہاں تک مسائل متفق علیہا کا بیان ہوا

مسائل اختلافیہ

پہلا مسئلہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک مکاتب غلام پر صرف اُس کی کھیتی میں دسواں حصہ واجب ہے نہ کسی اور میں حالانکہ امام مالک اور امام شافعی رضی اللہ عنہما کے نزدیک اُس پر زکوٰۃ واجب ہی نہیں۔ اسی طرح ابو ثورؒ کا قول یہ ہے کہ اس پر ہر قسم کے مال میں زکوٰۃ واجب ہے۔ پس پہلے قول میں تشدید اور دوسرے میں تخفیف اور تیسرا مشدد ہے۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ جب مکاتب اپنے آقا کی غلامی سے آزاد ہونا چاہ رہا ہے تو وہ سزاوار تشدید ہے کہ اُس کی کاشت میں دسواں حصہ واجب ہو (جس طرح جنایت کرنے میں عقوبت اُسی پر واجب ہوتی ہے) اگرچہ جب تک اُس پر ایک درہم بھی بدل کتابت کا باقی رہے گا اُس وقت تک اُس میں رقیت (غلامی) باقی رہے گی۔

دوسرے قول کی وجہ اس کی مِلک شرعی کا ناقص ہونا ہے۔ پس حق تعالےٰ نے اُسپر صدقہ فرمایا کہ اُس کے مال میں زکوٰۃ واجب نہیں کی تاکہ وہ اس مال کو اپنی گردن چھوڑانے میں صرف کرے اور بندوں کی غلامی سے نکل کر خالص غلام بنجائے جو حق تعالےٰ کا غلام ہے کیونکہ وہی مالک حقیقی ہے۔

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ خدا تعالےٰ کو اس سے غیرت ہوتی ہے کہ اُس کی معین مِلک میں کوئی اُس کا بندہ شریک ہو۔

اور تیسرے قول کی وجہ اُسپر سخت تشدید کرنا ہے اِس وجہ سے کہ اُس میں شانِ تکبر پیدا ہوگئی۔ اور اگر وہ خدا تعالےٰ کے حضور میں متواضع اور منکسر ہوتا تو اُس کے بندوں کا بندہ بنے رہنے پر راضی نہ رہتا۔ اِسی لئے خدا تعالےٰ نے بدل کتابت کے علاوہ اُسپر زکوٰۃ بھی واجب کر دی اظہار غضب کے واسطے۔

دوسرا مسئلہ تینوں اماموں کے نزدیک حالت اسلام میں جسقدر زکوٰۃ واجب ہوجاتی ہے وہ مرتد ہوجانے سے ساقط نہیں ہوتی۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ ساقط ہوجاتی ہے۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ تعلق زکوٰۃ کا مال سے ہے جو اصل دین سے خارج ہونے سے قبل التزام احکام شرعیہ کے وقت اُس کی مِلک تھا۔ پس جس طرح اصل دین مِٹ گیا تو اُس کی فروع بھی معدوم ہوگئیں۔ پس اگر دوبارہ مسلمان ہوجائے تو ہر چیز پر اُس کا مقتضا مبنی ہوگا پس صحیح ہوگا۔ واجب الذمہ زکوٰۃ کا خدا تعالےٰ کے اس قول کے عموم میں داخل ہونا کہ قُل لِّلَّذِينَ كَفَرُوا إِن يَنتَهُوا يُغْفَرْ لَهُم مَّا قَدْ سَلَفَ ترجمہ۔ کہدو کافروں سے اگر باز آجاویں تو انکا گذشتہ (گناہ) بخشدیا جائے،، لہٰذا معلوم ہوا کہ اُسپر زکوٰۃ کا واجب ہونا از روئے سختی کے ہے۔

اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ زکوٰۃ روح اور مال کے پاک کرنے کا آلہ ہے جسکو خدا تعالےٰ نے اپنے ایماندار بندوں کے مال میں شفقتاً واجب کیا ہے تاکہ اُس میں اور اُس کے مال میں گندگی نہ آجائے۔ لہٰذا مرتد کی شان کے مناسب زکوٰۃ کا اُسپر واجب نہ ہونا ہے تاکہ اِس سے شارع کی روگردانی اور اُسپر غضبناک ہونا ظاہر ہو۔ اس لئے کہ مرتد اصلی کافر سے برے حال میں ہے وجہ یہ ہو کہ اُس نے اسلام کو اختیار کرکے پھر ترک کر دیا۔ نیز یہ کہ زکوٰۃ اصل (اسلام) کے تابع ہے۔

تیسرا مسئلہ تینوں اماموں کے نزدیک بچے اور مجنون کے مال میں زکوٰۃ واجب ہے ولی کو چاہئے کہ دونوں کے مال سے زکوٰۃ ادا کرے۔ اور صحابہؓ کی ایک جماعت کا یہی قول ہے حالانکہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک ان کے مال میں زکوٰۃ نہیں البتہ ان کی کاشت میں دسواں حصہ واجب ہے۔ اِسی طرح امام اوزاعیؒ اور امام ثوریؒ کے نزدیک فی الفور لیکن اُسوقت ادا کی جائے جب تک بچہ بالغ اور مجنون عاقل نہ ہوجائے۔ پس پہلا اور تیسرا قول مشدد ہے اور دوسرے میں کچھ تخفیف ہے۔

اور پہلے اور تیسرے قول کی وجہ احتیاط کو لینا اور اس قاعدہ پر عمل کرنا ہے کہ جسپر کچھ واجب ہو اور وہ خود اُس کی ادائگی سے عاجز ہو تو اُس میں کسی نائب کو بنا دینا جائز ہے بشرطیکہ خود اُس کی اجازت ہو یا حاکم کی۔

اور دوسرے قول کی وجہ بچے اور مجنون کی طرف خطاب کا متوجہ نہ ہونا ہے کیونکہ وہ مکلف ہی نہیں اور زکوٰۃ کی ادائگی کو اوزاعیؒ اور ثوریؒ کے نزدیک بالغ یا عاقل ہوجانے تک مؤخر کرنا اس لئے بہتر ہے کہ وہ خود اپنی خوشی سے ادا کرے۔ برخلاف کاشت کے دسویں حصہ کے اس لئے کہ اکثر نفوس ایسی سخاوت کرتے ہیں۔

چوتھا مسئلہ امام شافعی اور امام احمد رضی اللہ عنہما کے نزدیک اگر کوئی شخص نصاب کا مالک ہوگیا۔ پھر اُس کو درمیان سال میں فروخت کر دیا یا کسی چیز سے بدل لیا اگرچہ جنس مختلف ہو تو سال پورا نہ گذرا حالانکہ امام ابو حنیفہ

رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ چاندی اور سونے میں مبادلہ کر لینے سے سال منقطع نہیں ہوتا اور چوپایوں میں منقطع ہو جاتا ہے۔ اسی طرح امام مالک رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اگر ہم جنس سے مبادلہ کیا تو سال منقطع نہ ہوا۔ ورنہ دونوں روائتیں ہیں پس پہلا قول زکوٰۃ واجب نہ ہونے کی وجہ سے مخفف ہے۔ اور دوسرے قول میں ایک اعتبار سے تشدید ہے اور ایک اعتبار سے تخفیف اور تیسرا قول مفصل ہے۔ اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ جس شخص نے مبادلہ کر لیا یا فروخت کر دیا اُس پر یہ صادق نہیں ہے کہ اُس کے نصاب پر ایک سال گذر گیا اس لئے زکوٰۃ واجب نہیں اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے قول کی وجہ یہ ہے کہ جس شخص نے سونے یا چاندی کے ساتھ مبادلہ کیا تو ایسا ہے کہ گویا مبادلہ ہی نہیں کیا۔ کیونکہ وہ ہر حال میں خالص نقد ہی بخلاف چوپایوں کے۔ اور امام مالک رضی اللہ عنہ کے قول کی وجہ ہماری تقریر سابق سے معلوم ہو سکتی ہے پس سوچلو۔

پانچواں مسئلہ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رضی اللہ عنہما کے نزدیک اگر نصاب کا کچھ حصہ سال کے تمام ہونے سے پہلے ضائع ہو گیا یا ضائع کر دیا تو سال منقطع ہو گیا حالانکہ امام مالک اور امام احمد رضی اللہ عنہما کا قول یہ ہے کہ اگر ضائع کرنا زکوٰۃ سے بھاگنے کی نیت سے ہو تو سال منقطع نہ ہوا بلکہ اگر آخر سال میں پورا نصاب حاصل ہو جاوے زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہو گا۔ پس پہلا قول زکوٰۃ واجب نہ ہونے کی وجہ سے مخفف ہے اور دوسرے قول میں تفصیل کی دونوں شقیں لینے کی صورت میں تشدید ہے۔

چھٹا مسئلہ امام شافعی رضی اللہ عنہ کا جدید اور راجح قول اور امام احمد رضی اللہ کی دو روایتوں میں سے ایک روایت یہ ہے کہ غصب کیا ہوا مال اور گم شدہ مال اسی طرح انکار کیا ہوا مال جب لوٹ آوے تو گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ ادا کیجاوے حالانکہ امام ابوحنیفہ اور صاحبین رضی اللہ عنہم کا اور امام شافعی رضی اللہ عنہ کا قدیم قول یہ ہے کہ نئے سرے سے سال شروع کیا جائے۔ اور گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ واجب نہیں اور امام احمد رضی اللہ عنہ کی دوسری روایت یہی ہے۔ اسی طرح امام مالک رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ صورت مذکورہ میں صرف ایک سال کی زکوٰۃ واجب ہے۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے اور تیسرے میں کچھ تخفیف ہے اور ہر مذہب کی ایک وجہ ہے۔

ساتواں مسئلہ امام شافعی رضی اللہ عنہ کی ظاہر روایت یہ ہے کہ وہ قرض جو کل نصاب کو یا کچھ نصاب کو گھیرے ہوئے ہو تو وہ وجوب زکوٰۃ کو منع نہیں کرتا حالانکہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول اور یہی امام شافعی رضی اللہ عنہ کا قول قدیم ہے یہ ہے کہ منع کرتا ہے۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے اور تمام اقوال کی وجوہ ظاہر ہیں۔

آٹھواں مسئلہ امام شافعی رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ زکوٰۃ عین مال میں واجب ہوتی ہے نہ واجب فی الذمہ حالانکہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ اُسکا تعلق ذات سے ہے جسطرح جنایت کا تعلق گردن سے ہوتا ہے (یعنی ذات انسان سے) اور مال کا کوئی حصہ اُس کی ملک سے خارج نہیں ہوتا مگر مستحق زکوٰۃ کو دیدینے کے بعد اور امام احمد رضی اللہ عنہ سے اقوال ظاہرہ کے بارہ میں ایک روایت یہی منقول ہے۔ اسی طرح امام مالک رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ زکوٰۃ کا تعلق ذمہ سے ہے اور مال کا ایک حصہ زکوٰۃ کے بدلہ میں گرو رہتا ہے۔ اگرچہ اُسے جائز ہے کہ اُس کے سوا دوسرے حصہ کو زکوٰۃ میں دے۔ پس پہلا قول اسوجہ سے کہ عین مال میں واجب ہے مشدد ہے اور دوسرے قول میں اسوجہ سے کہ زکوٰۃ کا تعلق ذات سے ہے تخفیف ہے اور اسوجہ سے کہ اُس کا تعلق ذمہ مکلف سے ہے کہ اُس سے روز قیامت میں زکوٰۃ کا حساب لیا جائے گا اسی طرح تیسرے قول میں اس وجہ سے کہ حصہ مال کا زکوٰۃ کے عوض میں اُس کے ادا کرنے تک مرہون رہتا ہے تشدید ہے اور ان تمام اقوال کی وجوہ ظاہر ہیں۔

نواں مسئلہ امام ابوحنیفہ اور امام مالک اور امام شافعی رضی اللہ عنہم کے نزدیک زکوٰۃ نکالنے سے پہلے نیت ادائگی

کرلینا جائز نہیں حالانکہ امام احمد رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ نیت کا ادا زکوۃ کے مقارن ہونا مستحب ہو اور اگر تھوڑی سی دیر پہلے نیت کرلی تو جائز ہے اور اگر بہت دیر پہلے کی تو جائز نہیں جس طرح طہارت، حج، نماز، (کہ ان سب کی نیت ان کے ساتھ ہونی چاہیے یا تھوڑی سی دیر پہلے) اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت یہ منقول ہے کہ نیت کا ادا کے متصل ہونا لازم ہے یا قدر واجب نکالکر جدا کر دینے کے وقت نیت ہو (تو وہ بھی کافی ہو) پس پہلا قول مشدد ہے۔ اسی طرح تیسرا اور دوسرے قول میں تخفیف ہے۔

پہلے قول کی وجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ انما الاعمال بالنیات ترجمہ "سوا اس کے نہیں کہ (اعتبار) اعمال (کا) نیتوں سے ہوتا ہو" پس بندہ اپنے تمام افعال و اعمال میں نیت کا مکلف ہوا۔ لہذا کسی عمل کے ایک جز میں نیت کرلینا کافی نہ ہوگا اگرچہ وہ جز کثیر ہی کیوں نہ ہو اور اسی سے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی دوسری روایت کی وجہ بھی معلوم ہو سکتی ہے۔

اور اس کی وجہ کہ تھوڑی دیر پہلے نیت کرلینا جائز ہے یہ ہے کہ جو کسی شے کے قریب ہو اس کا حکم اس شے کا سا ہوتا ہے۔

اس تمام کی توضیح یہ ہے کہ نیت کا مفہوم خالص کرنا ہے تو جب نیت عمل سے جدا ہوگی تو اخلاص نہیں پایا جا سکتا اور جب اخلاص نہ پایا گیا تو اس کی زکوۃ مقبول نہ ہوگی۔

دسواں مسئلہ امام مالک اور امام شافعی رضی اللہ عنہما کے نزدیک جس شخص پر زکوۃ واجب ہو اور وہ اس کے ادا کرنے پر قدرت رکھتا ہو تو اس کو ادائیگی میں تاخیر کرنا جائز نہیں ہے اور اگر تاخیر کر دی تو ضمان دیگا۔

اور ایسے شخص کا اگر مال تلف ہو جائے تو زکوۃ ساقط نہیں ہوتی حالانکہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ "تلف ہو جانے سے زکوۃ ساقط ہو جاتی ہو اور اس پر ضمان لازم نہیں" اسی طرح امام احمد رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہو کہ ادا پر قادر ہونا شرط نہیں ہے نہ وجوب زکوۃ کی نہ ضمان کی۔ اور جب ایک سال گذرنے کے بعد مال تلف ہو جائے تو اس کے ذمہ زکوۃ قرار پاگئی خواہ ادا زکوۃ پر قادر ہو یا نہیں۔ پس پہلا قول مشدد ہو اور دوسرا مخفف اور تیسرا بہ نسبت پہلے کے مخفف ہے اور ان تمام اقوال کی وجوہ ظاہر ہیں۔

گیارھواں مسئلہ تینوں اماموں کے نزدیک جس شخص پر زکوۃ واجب ہو اور وہ اس کے ادا کرنے سے پہلے فوت ہو جائے تو اس کے ترکہ سے وصول کر لی جائے حالانکہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ زکوۃ موت سے ساقط ہو جاتی ہے۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے۔

پہلے قول کی وجہ اس زکوۃ کو پورے طور پر ادا کرکے جو میت کے ذمہ ثابت ہو چکی ہے اس کو جلدی سے بری الذمہ کر دینا ہے۔ دوسرے قول کی وجہ اس مال کے ورثہ کا فقرا پر مقدم ہونا ہے مگر یہ کہ ورثا خود چاہیں کہ زکوۃ ادا کر دی جائے اور پھر وہ منجملہ ان لوگوں کے ہو جن کی اجازت کا اعتبار ہوتا ہے کیونکہ وارث لوگ میت سے بہت وابستہ ہیں اور انکا وارث ہونا خاموں خاں ہے برخلاف فقرا کے۔

اور ہو سکتا ہے کہ پہلے قول کو اس میت پر محمول کیا جائے جو پرہیزگار ہو بشرطیکہ اس کے وارث بھی ایسے ہی ہوں اور دوسرے قول کو اس کے خلاف پر اور اللہ تعالیٰ زیادہ جاننے والا ہے۔

بارھواں مسئلہ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رضی اللہ عنہما کے نزدیک جو شخص زکوۃ سے بھاگنے کا ارادہ کرے مثلاً اسطرح کہ اپنے مال میں سے کچھ ہبہ کر دے یا فروخت کر دے پھر اسے سال سے قبل خرید لے تو زکوۃ اس سے ساقط ہو گئی اگرچہ گناہگار ہوا حالانکہ امام مالک اور امام احمد رضی اللہ عنہما کا قول یہ ہے کہ ساقط نہیں ہوتی پس پہلا قول مخفف ہے

اور دوسرا مشدد۔

پہلے قول کی وجہ اُس شخص کو اسپر محمول کرتا ہے کہ وہ اپنی فاسد نیت کو مال معین کے ازالہ سے پہلے متغیر کر دے گا۔
اور دوسرے قول کی وجہ اُس نیت کو اپنے حال پر باقی رکھنے والا سمجھتا ہے۔ اللہ عزوجل کو دھوکہ دینے کے لئے (نعوذ باللہ)

تیرھواں مسئلہ تینوں اماموں کے نزدیک سال گذرنے سے پہلے زکوٰۃ ادا کرنا بشرطیکہ نصاب موجود ہو جائز ہے حالانکہ امام مالک رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ یہ جائز نہیں پس پہلا قول مخفف ہے اور دوسرا مشدد
دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ زکوٰۃ کو پہلے ادا کرنا ایسا ہے جیسے نماز کو پہلے (وقت سے) ادا کرنا اور سال کا تمام ہو جانا ایسا ہے جیسے وقت نماز کا موجود ہو جانا۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ زکوٰۃ کو ادا کر دینا اچھا کام ہے اور سال کے تمام ہونے کی شرط صاحب مال پر توسع کرنا ہے اور جب اُس نے خود ہی سال تمام ہونے سے قبل ادائے زکوٰۃ کو اختیار کیا تو اُسے روکا نہ جائے گا۔ برخلاف وقت سے پہلے نماز پڑھنے کے کہ یہ اس لئے جائز نہیں کہ وقت نماز کی صحت کے واسطے شرط ہے جیسا کہ کتب فقہ میں ثابت ہو چکا ہے دوسرے یہ کہ اسکا نفع فقرا کو نہیں پہونچتا برخلاف زکوٰۃ کے۔ اور اللہ تعالےٰ زیادہ جاننے والا ہے۔

باب جانوروں کی زکوٰۃ کے بیان میں

مسائل اجماعیہ

ایمہ کا اتفاق ہے کہ چوپایوں مین زکوٰۃ واجب ہے اور وہ اونٹ ہے اور گائے ہے اور بکری ہے یہ شرط ہے کہ نصاب پورا ہو اور ملک تمام ثابت ہو اور سال گذر چکا ہو اور مالک آزاد مسلمان ہو اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ اونٹ میں پہلا نصاب پانچ ہین اور اس میں زکوٰۃ ایک بکری ہے اور دس اونٹوں میں دو بکریاں اور پندرہ اونٹوں میں تین بکریاں اور بیس اونٹوں میں چار بکریاں اور جب پچیس ہو جائیں تو ایک بنت مخاض ہے (یعنی ایک برس کی اونٹنی جسپر دوسرا سال شروع ہو) اور جب چھتیس ۳۶ ہو جائیں تو ایک بنت لبون ہے (یعنی دو برس کی اونٹنی جسپر تیسرا سال شروع ہو) اور جب چھیالیس ۴۶ ہو جائیں تو ایک حقہ ہے (یعنی تین برس کی اونٹنی جو چوتھے سال میں لگی ہو) اور جب اکسٹھ ہو جائیں۔ آخر اُس مضمون تک جس کی احادیث صحیحہ میں تصریح وارد ہے۔ حدیث ہے جس کا وجوب فی الذمہ ثابت ہے اُس کا ادا کرنا تمام علماء کے نزدیک بلا اختلاف کے واجب ہے اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ بختی (وہ اونٹ کہ عربی اور عجمی سے مل کے پیدا ہوا ہو) اور عربی (وہ اونٹ جسکے ماں باپ دونوں عربی ہوں) نر اور مادہ اس حساب میں سب یکساں ہیں۔ اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ تیس ۳۰ گایوں سے کم میں زکوٰۃ نہیں۔ ہاں حضرت ابن مسیب رضی سے روایت ہے کہ ہر پانچ گایوں میں ایک بکری ہے تیس تک جس طرح اونٹوں میں اسی طرح اسپر بھی اتفاق ہے کہ گایوں میں پہلا نصاب تیس ۳۰ ہے اور اس میں ایک تبیع ہے (یعنی ایک سال کا بچہ) اور جب چالیس ہو جائیں تو ایک مسنہ ہے (یعنی گائے کا دو برس کا بچہ بچھڑا یا بچھیہ) اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ بکریوں کا نصاب چالیس ۴۰ ہے اور اُس میں ایک بکری ہے۔ پھر اس سے زائد میں کچھ نہیں۔ یہانتک کہ ایکسو اکیس ۱۲۱ ہو جائیں تو پھر اُن میں دو بکریاں ہیں۔ اور دوسو ایک ۲۰۱ میں تین بکریاں ہیں چارسو تک اور چارسو میں چار بکریاں ہیں پھر ہر سیکڑے میں ایک بکری بڑھتی رہے گی۔ اور بھیڑ اور بکری اس بارہ میں برابر ہیں اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ گھوڑے اگر تجارت کے لئے تیار کئے گئے ہوں تو اُن کی قیمت میں زکوٰۃ واجب ہے

بشرطیکہ وہ بقدر نصاب ہو۔ اِسی طرح اِسپر بھی اتفاق ہے کہ خچروں اور گدھوں میں اگر سوداگری کے واسطے ہوں زکوٰۃ واجب ہے۔ یہانتک وہ مسائل ہوئے جو اس باب میں مجمع علیہا مجھ کو ملے۔

مسائل اختلافیہ

پہلا مسئلہ امام ابو حنیفہ اور امام شافعی رضی اللہ عنہما کے نزدیک جب کسی کے پاس پانچ اونٹ ہوں اور اُن میں سے ایک اونٹ زکوٰۃ میں دیدے تو کافی ہے۔ حالانکہ امام مالک اور امام احمد رضی اللہ عنہما کا قول یہ ہے کہ کافی نہیں۔ اور جب پچیس ۲۵ اونٹ ہو جائیں اور اُس کے مال میں بنت مخاض ہو نہیں اور نہ بنت لبون ہو تو امام مالک رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ اُسے وہی دینا ہوگا حالانکہ امام شافعی اور امام احمد رضی اللہ عنہما کا قول یہ ہے کہ اُن دونوں میں سے کوئی سا خرید لے اُس کو اختیار ہے۔ اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ اُسپر بنت مخاض یا اس کی قیمت ضروری ہے۔ پس علماء اس مسئلہ میں مخفف اور مشدد دیکھتے ہیں لیکن یہ ظاہر ہے کہ جو اُسی حد پر ٹھیرا ہے جو حدیث میں وارد ہے وہ اُس سے بہتر ہے جو اُس کی سوا دوسرے جانور یا قیمت دینے کو جائز کہتا ہے۔ اگرچہ دوسرا جانور قیمت میں اس سے بڑھا ہوا ہو۔ جو شارعؑ نے دینے کو فرمایا ہے اسکی نظیر وہ ہے جو علماء نے اُس شخص کے بارہ میں فرمایا ہے جو بعد نماز عدد معین سے زیادہ تسبیح پڑھے۔

دوسرا مسئلہ امام ابو حنیفہ اور امام مالک رضی اللہ عنہ کے نزدیک جب دو شخص ایک نصاب کے مالک ہوں اور اپنا مال مخلوط کرلیں تو کسی پر بھی زکوٰۃ واجب نہیں۔ حالانکہ امام شافعی رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ دونوں پر زکوٰۃ واجب ہے یہانتک کہ اگر چالیس بکریاں سو آدمیوں میں مشترک ہوں تب بھی زکوٰۃ واجب ہے۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے اور اس باب کے باقی مسائل پر چونکہ لوگوں کا عمل چھوٹ گیا ہے اس لئے ہم بخوف طوالت اُنہیں ترک کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالے زیادہ جاننے والا ہے۔

باب پیداوار کی زکوٰۃ کے بیان میں

مسائل اجماعیہ

ائمہ کا اِسپر اتفاق ہے کہ نصاب پانچ وسق ہے اور وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے (اور صاع چار مُد کا اور مُد ایک رطل اور اُس کے تہائی حصہ کا ہوتا ہے) اور اِسپر بھی اتفاق ہے کہ اُس میں ایک عشر (دسواں حصہ) واجب ہے۔ اگر اُسکو بارش یا نہر کے پانی سے سیراب کیا ہو اور جو ڈول یا پُر کے ذریعہ سے سیراب کیا ہو اُس میں دسویں حصہ کا آدھا ہے اسی طرح اُس میں جو خرید ے ہوئے پانی سے سیراب ہو۔ اور پھلوں اور کھیتوں میں نصاب ہے مگر امام ابو حنیفہ کے نزدیک کیونکہ اُنکے نزدیک کوئی نصاب معتبر نہیں بلکہ ہر تھوڑے اور بہت میں دسواں حصہ واجب ہے۔

قاضی عبدالوہاب نے فرمایا ہے کہ " اور کہا جا سکتا ہے کہ امام موصوف نے اس بارہ میں اجماع کے خلاف کیا ہے "۔

اور اِسپر بھی اتفاق ہے کہ روئی میں زکوٰۃ نہیں۔ البتہ امام ابو یوسف رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ اُس میں بھی زکوٰۃ واجب ہے۔ اور اِسپر بھی اتفاق ہے کہ جب پھل اور دانوں کا عشر ادا کر چکے اور وہ اُس کے بعد چند سال تک بطور ذخیرہ جمع رہیں تو دوبارہ اُس میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ اور امام حسن بصری رحمہ کا قول یہ ہے کہ جب اِسپر ایک سال گذر جایا کرے گا

دسواں حصہ واجب ہو جائے گا۔ مسائل اجماعیہ ختم ہوئے۔

مسائل اختلافیہ

پہلا مسئلہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک ہر اُس شے میں جو زمین سے پیدا ہو کھیتی یا پھل دسواں حصہ واجب ہے خواہ آسمان کے پانی سے زمین کو سینچا ہو یا پُر اور ڈول وغیرہ سے سوا لکڑی اور گھانس اور اُس بانس کے جو فارسی کہلاتا ہے۔ حالانکہ امام شافعی اور امام مالک رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ ہر اُس چیز میں جس کا ذخیرہ قُوت بنایا جائے دسواں حصہ واجب ہے۔ جیسے گیہوں اور جو اور چانول اور کھجور اور انگور کے پھل۔ اسی طرح امام احمد رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ ہر اُس چیز میں جو پالی جائے اور ذخیرہ بنائی جائے دسواں حصہ واجب ہے خواہ پھل ہوں یا کھیتیاں۔ یہاں تک کہ اُن کے نزدیک بادام میں واجب ہے اور رکھوپے میں نہیں اور امام شافعی اور امام مالک رضی اللہ عنہما اور امام احمد رضی اللہ عنہ کے باہمی اختلاف کا ثمرہ یہ ہوا کہ امام احمد رضی اللہ عنہ کے نزدیک تلوں اور بادام اور پستوں میں اور السی و زیرہ اور رائی کے تخم میں عُشر واجب ہے اور امام شافعی اور امام مالک رضی اللہ عنہما کے نزدیک واجب نہیں اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی مخالفت کا ثمرہ یہ ہے کہ اُن کے نزدیک تمام سبزیوں میں زکوۃ واجب ہے اور باقی تینوں اماموں کے نزدیک اُن میں بالکل زکوۃ نہیں۔ پس پہلے قول میں تشدید ہے اور دوسرے میں تخفیف اور تیسرا اشد ہے اور ہر مذہب کا شاہد حدیث ہے۔ لہذا محتاج توجہ نہیں۔

دوسرا مسئلہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول اور امام مالک رضی اللہ عنہ کی دو روایتوں میں سے مشہور روایت یہ ہے اور یہی امام شافعی رضی اللہ عنہ کے دو قولوں میں سے ایک قول ہے کہ زیتون میں زکوۃ واجب ہے۔ حالانکہ امام احمد رضی اللہ عنہ کی دو روایتوں میں سے مشہور روایت یہ ہے کہ واجب نہیں یہی امام مالک کی دوسری روایت اور امام شافعی رضی اللہ عنہ کا دوسرا راجح قول ہے۔ پس پہلا قول مشدد ہے اور دوسرا مخفف۔

پہلے قول کی وجہ زیتون کی اکثر ضرورت پڑتا ہے۔ کیونکہ زیتون سالن ہے لہذا غذا کے مشابہ ہوا۔

دوسرے قول کی وجہ اُسکا بعینہ غذا نہ ہونا ہے اس لئے اُس کی لوگوں کو بہت حاجت نہیں پڑتی جس طرح کھجور اور کشمش کہ اس کی حاجت بہت پڑتی ہے، پس اس کو جان لو

تیسرا مسئلہ امام ابوحنیفہ اور امام احمد رضی اللہ عنہما کے نزدیک شہد میں دسواں حصہ ہے حالانکہ امام مالک رضی اللہ عنہ اور امام شافعی رضی اللہ عنہ کا قول جدید اور راجح یہ ہے کہ شہد میں زکوۃ نہیں۔ پھر امام احمد اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہما باہم مختلف ہوئے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ شہد اگر خراجی زمین میں کا ہے تو اس میں دسواں حصہ نہیں اور امام احمد رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ شہد میں مطلقاً دسواں حصہ ہے (خواہ کیسی زمین کا ہو) اور امام احمد رضی اللہ عنہ کے نزدیک شہد کا نصاب تین سو ساٹھ ۳۶۰ رطل ہے بغدادی رطل سے۔ اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک تھوڑے اور بہت سب میں دسواں حصہ واجب ہے۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا خراجی زمین کے شہد میں دسواں حصہ واجب نہ ہونے کا قول مخفف ہے اور امام احمد رضی اللہ عنہ کا قول مشدد ہے اسی طرح نصاب کے بارہ میں امام احمد رضی اللہ عنہ کا قول تخفیف والا ہے۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ شہد کی مکھی وہ اشیا جمع کر کے بحفاظت رکھتی ہے جو زمین سے نکلتی ہیں۔ لہذا شہد اُن دانوں کی مثل ہوا جو کھیتی سے پیدا ہوتے ہیں یا مثل پھلوں کی۔

دوسرے قول کی وجہ وہ ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے وارد ہوا ہے کہ آپ نے شہد میں معافی دی ہے بغرض توسیع امت پس اُس میں زکوۃ کا واجب ہونا بڑے لوگوں کے ساتھ خاص ہے اور نہ واجب ہونا چھوٹے درجہ کے لوگوں کے ساتھ اسی طرح امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا یہ قول کہ "تھوڑے اور بہت سب میں زکوۃ واجب ہے" بڑے درجہ کے لوگوں کے ساتھ خاص ہے۔ کیونکہ بعض احادیث میں مطلق شہد میں دسواں حصہ نکالنے کا حکم ہے)۔

اور امام احمد رضی اللہ عنہ کا قول چھوٹے درجہ کے لوگوں کے ساتھ خاص ہے۔

چوتھا مسئلہ حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ کے نزدیک ہر جنس میں زکوۃ واجب ہونے کے لئے علیٰحدہ نصاب ضروری ہے پس ایک جنس کو دوسری جنس کے ساتھ نہ ملائیں گے۔ حالانکہ امام مالک رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ نصاب کامل کرنے کے لئے جو کو گیہوں کے ساتھ ملا سکتے ہیں اسی طرح بعض دالوں کو بعض کے ساتھ ملا سکتے ہیں۔ اور اس بارہ میں امام احمد رضی اللہ عنہ سے مختلف روایات منقول ہیں۔ پس پہلا قول مخفف ہے اور دوسرا مشدد۔

پہلے قول کی وجہ اس بارہ میں کسی صحیح نص کا وارد نہ ہونا ہے۔ دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ تمام اجناس غذائیں ہیں اس لئے وہ سب گویا ایک شے ہیں۔

زکوۃ واجب ہونے کے لئے علیٰحدہ نصاب ضروری ہے یا نہیں

پانچواں مسئلہ تینوں اماموں کے نزدیک اگر پھلوں کا درست ہو جانا مالک کو ظاہر ہو جائے تو اُن کا درختوں پر اندازہ لگانا مسنون ہے کیونکہ اس میں مالک اور فقراء دونوں پر عنایت ہے۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ اندازہ لگانا جائز نہیں پس پہلا قول مشدد ہے اور دوسرا مخفف۔

پہلے قول کی وجہ ظاہر ہے۔ دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ تخمینہ ہے کبھی اُس میں غلطی بھی ہو جاتی ہے۔ لہذا اندازہ لگانے میں لگانے والے کو غلطی ہی ہے نہ فقراء کو نہ مالک کو۔ اور ہو سکتا ہے کہ پہلے قول کو اُس شخص پر محمول کیا جائے جو اندازہ لگانے میں ماہر ہو جس کو اکثر غلطی نہیں ہوتی اور دوسرا قول اُس پر جو اکثر غلطی کرتا ہو جس طرح یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پہلا قول تقوے والے لوگوں پر محمول کیا جائے اور دوسرا عوام الناس پر اور اس زمانہ کے لوگ تو کھجور اور انگور کی زکوۃ بھی نہیں دیتے جیسا کہ مصر میں دیکھا جاتا ہے۔

درختوں پر ہوئے پھلوں کا تخمینہ لگانا

چھٹا مسئلہ امام مالک اور امام احمد رضی اللہ عنہما کا اور امام شافعی رضی اللہ عنہ کے مذہب میں راجح قول یہ ہے کہ خراجی زمین میں خراج کے ساتھ عشر بھی واجب ہے اس وجہ سے کہ خراج کا تعلق ذات زمین سے ہے اور عشر کا تعلق اُس کے غلہ اور آمدنی سے حالانکہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ خراجی زمین میں صرف دسواں حصہ واجب ہے اور کسی انسان پر عشر اور خراج دونوں جمع نہیں ہو سکتے اور رہی یہ شکل کہ کھیتی ایک شخص کی ہے اور زمین دوسرے کی تو اُس وقت امام شافعی رضی اللہ عنہ کے نزدیک کھیتی کے مالک پر عشر واجب ہوگا۔ اسی طرح امام مالک اور امام احمد اور امام ابویوسف اور امام محمد رضی اللہ عنہم کے نزدیک۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک مالک زمین پر عشر واجب ہے۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے۔

اور رہی اس کی وجہ کہ جب کھیتی ایک شخص کی ہو اور زمین دوسرے کی تو دسواں حصہ مالک کاشت پر کیوں واجب ہے سو وہ دونوں قولوں میں مشترک ہے کیونکہ زمین سے جس طرح مالک مستفید ہوا ہے اسی طرح مالک کاشت بھی۔

خراج کے ساتھ خراجی زمین پر عشر کا واجب ہونا اور نہ ہونا

ساتواں مسئلہ تینوں اماموں کے نزدیک جب مالک زمین۔ زمین کو اُجرت پر اُٹھا دے تو اُس کی کاشت کا دسواں حصہ کاشتکار پر لازم ہوگا۔ حالانکہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ مالک زمین پر لازم ہوگا۔ پس ہر قول میں ایک اعتبار سے تشدید ہے اور ایک اعتبار سے تخفیف اور دونوں قولوں کی توجیہہ وہی ہے جو ابھی گذری

…زمین کو کرایہ… دے تو عشر… پر لازم ہے

آٹھواں مسئلہ امام شافعی اور امام احمد رضی اللہ عنہما کے نزدیک جسوقت کسی مسلمان کی ایسی زمین ہو جسپر خراج نہیں۔ پھر وہ اُس زمین کو کسی ذمی کے ہاتھ فروخت کر دے تو اوس پر خراج لازم ہے اور نہ اُس کی پیداوار میں سے دسواں حصہ۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ اُس پر خراج واجب ہے اسی طرح امام ابو یوسف رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ اُسپر دو عشر واجب ہیں اسی طرح امام محمد رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ صرف ایک عُشر واجب ہے۔ علیٰ ہذا القیاس امام مالک رضی اللہ عنہ کا قول کہ اُسکا ذمی کے ہاتھ فروخت کرنا صحیح نہیں پس پہلا قول مخفف اور دوسرا خراج واجب قرار دینے کی وجہ سے مشدد ہے اور تیسرا دو عُشر واجب ہونے کی وجہ سے مشدد ہے اور چوتھے میں تخفیف ہے اور پانچواں بالکل مشدد ہے۔ پہلے قول کی وجہ زمین کو اُسی حال پر باقی رکھنا ہے جو مسلمان کی ملک کے وقت تھا۔ پس ذمی پر خراج نہیں لازم کیا جائیگا کہ مسلمان کی شوکت دوچند ہو جائے۔

دوسرے قول کی وجہ ذمی کے حال کی رعایت کرنا ہے اُس پر ذلت۔ اور زمین مذکور کے مالک ہو جانے پر خواری پیدا کرنی ہے۔ اور امام ابو یوسف اور امام محمد رضی اللہ عنہما کے قول کی وجہ بھی اسی سے ظاہر ہوتی ہے۔ اور امام مالک رضی اللہ عنہ کا زمین مذکور کے فروخت کرنے کے بارہ میں جو قول ہے اُس کی وجہ یہ ہے کہ (زمین مذکور کے فروخت کرنے کی شکل میں) کفار کو اُس کے مالک بنا دینے کی وجہ سے اُنہیں ہم پر غالب کر دینا اور اُن کی بات بڑھا دینے میں اُن کی مدد ہے۔ برخلاف اُس کے کہ وہ معہ ادائگی خراج کے زمین میں کاشت کرے۔ کیونکہ وہ مسلمانوں کی زیر حکومت ہے اور وارد ہوا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم انصار کے بعض مکانات میں تشریف لے گئے تو وہاں آپ نے کھیتی کا ہل (جس سے زمین جوتتے ہیں) دیکھا تو فرمایا کہ یہ کسی قوم کے مکانوں میں نہیں داخل ہوتا مگر اُن پر ذلت ضرور طاری کرتا ہے یعنی اُس خراج کی وجہ سے جو کاشت کی زمین پر ہوتا ہے اور اگر زمین انسان کی اپنی ملک ہو تو اُس کے مکان میں ذلت داخل نہیں ہوتی کیونکہ وہ اپنی ذاتی ملک میں بلا خراج کاشت کرتا ہے۔ اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ زیادہ جاننے والا ہے۔

باب چاندی اور سونے کی زکوٰۃ کے بیان میں

مسائل اجماعیہ

اماموں کا اتفاق ہے کہ سونے اور چاندی کے سوا باقی جواہرات میں زکوٰۃ نہیں جیسے موتی اور پنا۔ اور تمام فقہا کے نزدیک مشک اور عنبر میں بھی زکوٰۃ نہیں اور حضرت حسن بصریؒ اور حضرت عمر بن عبد العزیزؒ سے منقول ہے کہ عنبر میں خُمس (پانچواں حصہ) واجب ہے اور امام ابو یوسف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ موتی اور یاقوت اور عنبر میں خمس واجب ہے کیونکہ یہ سب معدنیات ہیں اس لئے رکاز (خزانے یا کان) کی مثل ہوئیں اور عنبریؒ سے مروی ہے کہ تمام اُن اشیا میں جو دریا سے نکلتی ہیں زکوٰۃ واجب ہے۔

اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ سونے میں پہلا نصاب بیس ۲۰ مثقال ہیں اور چاندی کا نصاب دوسو ۲۰۰ درہم ہیں خواہ سکہ دار ہوں ڈھلے ہوئے یا ڈلا ہو جو ابھی گلایا نہ گیا ہو پس جب مقدار مذکور کو پہونچ کر ایک سال اُس پر گذر جائے تو اُس میں چالیسواں حصہ واجب ہے اور حضرت حسنؒ سے روایت ہے کہ سونے میں جب تک وہ چالیس مثقال تک نہ پہونچے کچھ نہیں ہے۔

اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ سونے اور چاندی کے برتن بنانا اور اُنکو کام میں لانا حرام ہے اور اُن کے اندر زکوٰۃ واجب ہے،

یہانتک وہ مسائل ہوئے جو میں نے اس باب میں اجماعی پائے۔

مسائل اختلافیہ

پہلا مسئلہ تینوں اماموں کے نزدیک نصاب سے جسقدر زائد ہو اُس میں حساب سے زکوٰۃ واجب ہے۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ دوسو درہم یا بیس مثقال سے زائد میں اُسوقت تک زکوٰۃ واجب نہیں جب تک وہ زیادتی چالیس درہم یا چار دینار تک نہ پہونچ جائے پھر اگر چالیس درہم ہو جائیں تو اُن میں ایک درہم واجب ہے اُس کے بعد اسی طرح ہر چالیس درہم میں ایک درہم بڑھتا جائے گا۔

اور اگر چار دینار ہو جائیں تو اُن میں دو قیراط واجب ہیں۔ پس پہلا قول مشدد ہے اور دوسرا مخفف۔

پہلے قول کی وجہ اتباع شارع اور زکوٰۃ کا فقیر پر واجب نہ ہونا اور غنی پر واجب ہونا ہے پس اگر یہ بات نہ ہوتی کہ انسان سونے کے بیس مثقال سے یا چاندی کے دوسو درہم سے مالدار ہو جاتا ہے تو اُس پر ہرگز زکوٰۃ واجب نہ ہوتی اور اس قائل نے فقرا کے واسطے احتیاط کو ملحوظ رکھا ہے کہ نصاب سے زائد میں زکوٰۃ کو واجب کیا ہے اور بڑھوت میں جو دو نصابوں کے درمیان ہو معافی نہیں دی۔ اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا نصاب سے زائد میں چالیس تک پہونچنے کا قول مخفف ہے اور سونے کے اول نصاب میں حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کا یہی قول ہے جیسا کہ گذرا پھر زکوٰۃ کے واجب ہونے میں اس کا کچھ فرق نہیں کہ مالک نصاب عوام الناس میں ہو یا اہل کشف میں سے۔ (بلکہ دونوں پر واجب ہے) ہاں بعض صوفیہ کا اس میں اختلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ "زکوٰۃ صرف اُسی پر واجب ہے جو خدا تعالےٰ کے مالک ہونے کے باوجود اپنی ملک بھی سمجھتا ہے اور جو کشف اور یقین دونوں طرح اپنی ملک نہیں سمجھتا اُسپر زکوٰۃ واجب نہیں۔ (انتھٰی)

اور امر حق یہ ہے کہ زکوٰۃ انبیا علیہم السلام پر واجب ہے چہ جائیکہ اُن کے ماسوا پر۔ وجہ یہ ہے کہ ہر انسان میں دعویٰ ملک کا جز پایا جاتا ہے اس لئے کہ وہ زمین میں خلیفہ بنا کر بھیجا گیا ہے اور اگر ایسا نہ ہو تو نہ اُس کا عتق صحیح ہو نہ خریدنا اور بیع کرنا اور نہ کچھ اور کیونکہ یہ تمام امور ربّ سے صحیح نہیں ہوتے مگر محض اسوجہ سے کہ اُس کی طرف ملک کی نسبت ہے بس بچاؤ تم اپنے آپ کو غلطی سے اور ظاہر شریعت کو چھوڑ دینے سے۔

دوسرا مسئلہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور امام مالک رضی اللہ عنہ کا قول اور امام احمد رضی اللہ عنہ کی دو روایتوں میں سے ایک روایت یہ ہے کہ نصاب کو کامل کرنے کے لئے سونا چاندی کے ساتھ ملایا جائے۔ حالانکہ ایک قائل کا یہ قول ہے کہ نہ ملایا جائے۔ پس پہلا قول ملانے کی وجہ سے زکوٰۃ واجب ہونے میں مشدد ہے اور دوسرا قول اُس میں مخفف ہے۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ یہ تمام اشیا ایک مال ہیں اگرچہ جنس میں مختلف ہیں۔

دوسرے قول کی وجہ حد وار دپر ٹھیرجانا کہ سونے اور چاندی میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی مگر اسوقت کہ جب اُن میں سے ہر ایک بقدر نصاب ہو۔

پھر وہ لوگ جو ملانے کے قائل ہیں باہم مختلف ہیں کہ آیا سونے کو چاندی کے ساتھ ملا کر نصاب کو دوسرے کے ساتھ مکمل کیا جائے یا قیمت سے۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ قیمت کرکے ملایا جائے اور یہی قول امام احمد رضی اللہ عنہ کا ہے اور اس کی مثال یہ ہے کہ کسی کے پاس ایکسو درہم اور پانچ دینار ہیں جن کی قیمت ایکسو درہم ہوتی ہے تو اُن میں زکوٰۃ واجب ہوگی اور امام مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نصاب کی تکمیل نہ ہوگی مگر ہم جنس سے تو جب غیر جنس کو ملا کر نصاب کامل کیا گیا تو

ق واجب نہ ہوگی اور اُس کی توجیہ ظاہر ہے جو گذشتہ بیان سے نکلتی ہے۔

قرض کے اندر زکوۃ واجب ہونے میں اختلاف۔

مسئلہ امام ابوحنیفہ اور امام احمد رضی اللہ عنہما کے نزدیک جس شخص کا کسی ایسے شخص پر قرض ہو جو اقرار کرتا ہو مگر ٹالتا اور ادائیگی میں ڈھیل کرتا ہو تو اُسپر زکوۃ نکالنا اُس وقت واجب ہے کہ جب وہ قرض کا قبضہ نکہ امام شافعی رضی اللہ عنہ کا قول جدید یہ ہے کہ اُس پر ہر برس کی زکوۃ نکالنا لازم ہے اگر قرض پر قابض اِس طرح امام مالک رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ اس پر قرض کی زکوۃ واجب ہی نہیں اگرچہ برسوں تک باقی رہی اُس کا قبضہ کرلے (اس کے بعد) صرف ایک سال کی زکوۃ ادا کرے خواہ وہ کسی فروخت کردہ شے کی قیمت ہو یا قرض اور ایک جماعت کا قول ہے کہ قرض مین زکوۃ واجب نہیں یہاں تک کہ اسکا قابض ہو جائے (اُسکے بعد) کرے اور نئے سرے سے ایک سال اُس وقت سے شمار کرے۔ اُسی جماعت میں سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ حضرت ابن عمر اور حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہما ہیں اور امام شافعی رضی اللہ عنہ کا قدیم قول بھی یہی ہے اور امام ابویوسف ہیں۔ پس پہلا قول اور تیسرا قول جو ان کے موافق ہے مخفف ہے اور دوسرا قول مشدد ہے۔

لی وجہ یہ ہے کہ قرض ضائع شدہ مال کی مانند ہے پس صاحب قرض نہیں جانتا کہ آیا یہ قرض مجھے وصول ہوگا کبھی مانع پیش آجاتا ہے اگرچہ مقروض مقر ہو۔ مثلاً چور اگر مقروض کے تمام مال کو چرا لے اور یہ قول اُن چھوٹے لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے جن کے یقین میں ضعف ہے برخلاف امام شافعی رضی اللہ عنہ کے قول کے کیونکہ وہ کے ساتھ مخصوص ہے جنکا ایمان قوی اور یقین مستحکم ہو کہ اُسے حق تعالٰے کی ذات سے اُمید ہو کہ میں محروم نہ رکھا مجھے اسپر دوچند اور سہ چند جزا ملے گی۔ اسی طرح امام مالک رضی اللہ عنہ کا قول چھوٹے درجے کے لوگوں کے ہر اور رہی اس کی وجہ کہ بعد قابض ہو جانے کے صرف ایک سال کی زکوۃ ادا کرے وہ یہ ہے کہ قرض درصل بتر اس کے تصرف میں نہ تھا اس لئے کہ وہ اس میں خرید و فروخت کا تصرف نہیں کر سکتا تھا تو گویا قرض اُسکو دوم تھا۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے قبضہ کے بعد جو تمام گذشتہ زمانہ کی زکوۃ نکالنے کو فرمایا ہے تو اُنہوں ظ کیلئے ہے جیسا کہ گذرا۔

صدقہ کی ہوئی شے کو خریدنے کی کراہت اور اُس بیع کی صحت میں اختلاف۔

مسئلہ امام ابوحنیفہ اور امام مالک اور امام شافعی رضی اللہ عنہم کا قول اور امام احمد رضی اللہ عنہ کی دو روایتوں میں سے زیادہ ظاہر روایت یہ ہے کہ انسان کو مکروہ ہے کہ اپنے صدقہ کو خریدے اور اگر اس نے صحیح ہو جائے گا۔ حالانکہ امام مالک اور امام احمد کے اصحاب کا ایک قول یہ ہے کہ بیع صحیح نہیں بلکہ باطل ہو گی ل صدقہ کے خریدنے اور اس خرید کے صحیح ہونے میں مخفف ہے اور دوسرا قول اور پہلے قول میں کراہت کی و اپنی ملک سے خارج کرکے فقرا اور مساکین اور باقی آٹھ قسموں میں سے کسی کو دیدینے کے بعد اپنی طرف کو ٹالنے سے بچنا ہے۔ اور یہ قول چھوٹے درجہ کے لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے جسطرح بیع کی باطل ہونے کا قول بڑے درجہ کے لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے۔

مقروض کو حساب قرض اگر بقدر قرض زکوۃ دینا جائے تو اسکی متو میں اختلاف۔

مسئلہ تینوں اماموں کے نزدیک اگر کسی مالدار آدمی کا کسی ایسے شخص پر قرض ہو جو مستحق زکوۃ ہو اور قرض کی مقدار زکوۃ کی مقدار کے مساوی ہو تو اُسے یہ جائز نہیں کہ اُس قرض کو زکوۃ میں محسوب کرے۔ بلکہ یہ کرے بقدر قرض زکوۃ میں سے دیدے پھر اُسکو مقروض قرض میں واپس کر دے۔ حالانکہ امام مالک رضی اللہ عنہ کہ محسوب کر دینا بھی جائز ہے پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے اور پہلا قول اُن چھوٹے درجہ کے ساتھ خاص ہے جن سے اس کا ڈر ہے کہ کہیں وہ انکار کرکے حاکموں کے پاس مقدمہ نہ لے جائیں اور اسپر حلف مقروض نے قرضہ ادا نہیں کیا۔ اور دوسرا قول ان بڑے درجہ کے لوگوں کے ساتھ خاص ہے جن سے اسکا ڈر نہیں۔

مسئلہ مذکور میں امام مالک کے قول کا بیع کے ایک دوسرے قول کی نظیر ہونا۔

یہ مسئلہ امام مالک رضی اللہ عنہ کے اُس قول کی نظیر ہے کہ (اُن کے نزدیک) بیع بالتعاطی (یعنی قیمت دیدینا اور چیز بغیر کسی ایسے لفظ کے بولے ہوئے جو بیع پر دلالت کرے صحیح ہے جیسا کہ آجائے گا۔

کیونکہ یہ قول بڑے درجہ کے لوگوں کے ساتھ خاص ہے۔ برخلاف امام شافعی رضی اللہ عنہ کے اس قول کے کہ بیع لفظ کے صحیح نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہ قول چھوٹے درجہ کے لوگوں کے ساتھ خاص ہے اور ایسے لوگ اِس زمانہ میں بکثرت ہیں جو خرید فروخت کرتے ہیں اور پھر انکار کر جاتے ہیں اور حلف اُٹھا لیتے ہیں۔

اور باریتعالے کا ارشاد ہے (وَاَشْهِدُوا اِذَا تَبَايَعْتُمْ) ترجمہ" اور گواہ کر لو جب باہم خرید و فروخت کرو" پس اگر لفظ نہ بولا جائے گا تو بیع کی شہادت کیونکر صحیح ہوگی اس کو خوب سمجھ لو۔

زیور کی زکوۃ کا بیان

چھٹا مسئلہ امام شافعی رضی اللہ عنہ کے دو قولوں میں سے اصح قول اور امام احمد رضی اللہ عنہ کا یہ قول ہے میں زکوۃ واجب نہیں وہ زیور جو مباح ہو سونے اور چاندی سے بنایا گیا بشرطیکہ وہ پہننے عاریۃً دینے کے کام میں آتا ہو۔ حالانکہ امام شافعی رضی اللہ عنہ کا دوسرا قول یہ ہے کہ اس میں زکوۃ واجب پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔

جو زیور کرایہ پر دینے کے لئے تیار کیا جائے اُسکی زکوۃ میں اختلاف

ساتواں مسئلہ امام شافعی رضی اللہ عنہ کا قول اور امام مالک رضی اللہ عنہ کی دو روایتوں میں سے مشہور یہ ہے کہ اگر کسی آدمی کے پاس زیور ہو جو عورتوں کو کرایہ پر دینے کے واسطے تیار کیا گیا ہو تو اُ زکوۃ نہیں۔ حالانکہ بعض اصحاب مالکؒ وجوب کے قائل ہیں اور ائمہ شافعیہ میں سے امام زہری کا یہی قول اس بنا پر کہ اُن کے نزدیک کرایہ کے واسطے زیور بنانا درست نہیں۔ پس پہلا قول مخفف ہے اور دوسرا مشدد دونوں قولوں کی وجہ ظاہر ہے۔

تلواروں پر سونے اور چاندی کا پانی پھیرنا

آٹھواں مسئلہ اماموں کا قول ہے کہ تلواروں پر سونے اور چاندی کا پانی پھیرنا جائز نہیں۔ حالانکہ بعض ابی حنیفہ رضی اللہ عنہ اس کے جواز کے قائل ہیں۔

امام محمدؒ کے مکان کی چھتیں سونے کے پانی کر مزین تھیں۔

اور جب امام شافعی رضی اللہ عنہ امام محمدؒ بن حسن رضی اللہ عنہ کے مکان میں تشریف لے گئے تو اُس کی چھتوں کو کے پانی سے مزین پایا۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ یہ مال کا ضائع کرنا ہے مگر یہ کہ اجتہاد کر کے ایسا کیا جائے اور شاید امام محمدؒ بن حسن رضی نے جو ایسا کیا تھا وہ اسی اجتہاد کے سبب تھا۔

دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ ایسا کرنے سے کرایہ مکان کا زائد وصول ہوتا ہے۔ بالخصوص اُس وقت کہ جب و بیواؤں اور یتیموں اور نابینوں پر وقف ہو اور اللہ تعالے زیادہ جاننے والا ہے۔

ہ میزان کے حاشیہ کی کتاب میں لاتجب غلط دار ہوے ہو

باب تجارت کے مال کی زکوۃ کے بیان میں

مسائل اجماعیہ

تجارتی اسباب میں بالاتفاق زکوۃ واجب ہے

علماء کا اتفاق ہے کہ تجارت کے سامان میں زکوۃ واجب ہے اور امام داؤدؒ سے مروی ہے کہ کسب کے اسباب بھی زکوۃ ہے۔ اسی طرح اس پر بھی اتفاق ہے کہ تجارتی اسباب میں چالیسواں حصہ واجب ہے۔ مسائل اجماعیہ جسقدر میں

سوداگری کے
غلام میں اختلا

ئے۔

مسائل اختلافیہ

مسئلہ | تینوں اماموں کے نزدیک جب کوئی شخص سوداگری کے لئے غلام خریدے تو اُس پر سال تمامی کے وقت
اُس کی طرف سے فطرہ بھی واجب ہوگا اور زکوۃ سوداگری کی بھی۔ حالانکہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے
فطرہ ساقط ہے۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے۔
س کی وجہ یہ ہے کہ زکوۃ غلام میں دو اعتبار سے واجب ہوتی ہے لہذا دونوں کے اکٹھا واجب ہونے سے کوئی مانع
ے قول کی وجہ یہ ہے کہ غلام مال تجارت میں شمار ہے اس لئے مالک غلام پر دو زکوتیں جمع نہیں ہو سکتیں لیکن اگر
نکالے تو منع نہ کیا جائے گا۔

مسئلہ | امام ابوحنیفہ اور امام شافعی اور امام احمد رضی اللہ عنہم کے نزدیک اگر تجارتی اسباب میں بڑھوتی کی
اُمید کیجاتی ہو اور اُس کے بازار میں گراں ہو جانے کا انتظار کیا جاتا ہو تو اُسے ہر برس کوتا جائے
کے موافق اُس کی زکوۃ دیجائے حالانکہ امام مالک رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ نہ اُسے ہر برس کوتا جائے اور
زکوۃ ادا کیجائے اگرچہ وہ اسباب برسوں باقی رہے یہانتک کہ اُسے سونے اور چاندی کے عوض فروخت کرے
ت صرف ایک برس کی زکوۃ ادا کرے۔ مگر یہ کہ خریدنے یا فروخت کرنے کے سال کو جانتا ہو تو اُس وقت اُسی سال کا
ٹھیرا لے اور پھر اُس میں اپنے پاس کے تمام مال کی قیمت کا اندازہ کرے اور اُس کی زکوۃ دے مع نقد کی زکوۃ کی اگر
س ہو۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے اور دونوں کی وجہ ظاہر ہے کیونکہ اخراج زکوۃ کی کیفیت میں کوئی
دنہیں۔

مسئلہ | امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول اور امام شافعی رضی اللہ عنہ کے اقوال کثیرہ میں سے ایک قول یہ ہے کہ
جب نصاب سے کم قیمت میں تجارتی مال خریدا تو سال کی دونوں طرفوں میں نصاب کا اعتبار ہوگا۔ حالانکہ
ضی اللہ عنہ اور امام شافعی رضی اللہ عنہ کا دوسرا قول یہ ہے کہ سال میں کامل نصاب ہونا ضروری ہے پس
یں تخفیف ہے باعتبار اثناء سال میں نصاب کے کم ہونے کے کیونکہ زکوۃ اُس پر واجب نہ ہوگی اور تشدید ہے مستحقین
ں وجہ سے کہ زکوۃ نہ نکلے گی۔ اور دوسرا قول بھی مستحقین زکوۃ پر مشدد ہے بوجہ نہ نکالے جانے زکوۃ کے مگر صرف اُسی وقت
سال میں نصاب کامل رہے اور اُس قول میں صاحب مال پر تخفیف ہے اس لئے کہ اُس پر زکوۃ واجب نہیں اگر
میان سال میں کم ہو جائے۔
وجہ انعقاد اور وجوب زکوۃ کے وقتوں کا اعتبار کرنا ہے پس اُن دونوں وقتوں سے حکم متجاوز نہ ہوگا۔
ل کی وجہ اطلاق تصرف اور عدم انضباط امر اور دوام ربح کے قاعدہ پر مبنی ہے لوگوں پر توسیع کی غرض سے اور
اس کوئی نص احد امرین کا نہیں ہے۔

مسئلہ | امام مالک اور امام احمد رضی اللہ عنہما کا قول یہ ہے کہ تجارت کی زکوۃ قیمت سے تعلق رکھتی ہے حالانکہ امام
شافعی رضی اللہ عنہ کے دو قولوں میں سے ایک قول یہ ہے کہ وہ مال سے متعلق ہے تعلق شرکت کا سا۔ اور
ہے کہ مثل تعلق رہن کے ہے اور ایک قول میں ہے کہ ذمہ کے ساتھ متعلق ہوتی ہے۔ اور تمام اقوال کی وجہ ظاہر
اللہ تعالٰی زیادہ جاننے والا ہے۔

باب کان کی زکوٰۃ کے بیان میں

مسائل اجماعیہ

علماء کا اتفاق ہے کہ کان کی زکوٰۃ میں سال شرط نہیں ہے مگر امام شافعی رضی اللہ عنہ کے ایک قول میں۔
اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ خزانہ وغیرہ میں سال کا اعتبار ہے اور اسپر بھی اتفاق ہو کہ کان میں نصاب معتبر ہے سوا
ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے کہ انہوں نے فرمایا کہ نصاب معتبر نہیں بلکہ اُس کے تھوڑے اور بہت میں پانچواں حصہ وا
اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ خزانہ میں نصاب معتبر نہیں ہے سوائے امام شافعی رضی اللہ عنہ کے کہ اُن کے نزدیک
وجوب کی شرط ہے۔ یہانتک وہ مسائل ہوئے جو اس باب میں اجماعیہ مجھے ملے۔

مسائل اختلافیہ

پہلا مسئلہ امام مالک رضی اللہ عنہ اور امام شافعی رضی اللہ عنہ کا مشہور قول یہ ہے کہ کان میں قدر واجب
حصہ ہے۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ اور امام محمد رضی اللہ عنہما کا قول یہ ہے کہ پانچواں حصہ وا
پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشددہ ہے

دوسرا مسئلہ امام مالک اور امام شافعی رضی اللہ عنہما کے نزدیک کان کی زکوٰۃ سونے اور چاندی کے سا
ہے پس اگر کان سے اُس کے سوا کچھ اور نکلے (مثلاً) جواہرات تو اُس میں کچھ واجب نہیں
حالانکہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ کان کا حق ہر اُس شے سے متعلق ہے جو زمین سے خارج
منجملہ اُن اشیاء کے جو آگ سے مڑ جاتی ہیں جیسے لوہا، اور رانگ، نہ فیروزہ وغیرہ کے ساتھ اسی طرح امام اح
کا قول یہ ہے کہ مڑنے والے اور نہ مڑنے والے دونوں کے ساتھ متعلق ہے جیسے سرمہ۔ پس پہلا قول مخفف
دوسرے میں تشدید اور تیسرا قول بالکل مشدد ہے۔
پہلے قول کی وجہ سونے اور چاندی کے جوہر کا صفا ہونا اور اُنکا۔ واج کثیر ہونا ہے گویا کہ وہ دونوں سکہ دا
دوسرے قول کی وجہ ہر مڑنے والی شے پر کان کا اطلاق ہوتا ہے۔
تیسرے قول کی وجہ مطلق نفع اُٹھانا ہے اور ہر قول کے لئے ایک وجہ ہے۔ اور اُس کے مصرف کا اندازہ کرنا
پر موقوف ہے۔ پس اُسے جائز ہے کہ کان والوں سے اس شے کو لے لے جو بیت المال کے لئے زیادہ موزوں
ڈر ہے کہ کہیں کان والے زیادہ مالدار ہو کر طالب سلطنت نہ ہو جائیں، اور اُسے لشکروں پر نہ خرچ کرنے لگیں
سے فساد پیدا ہو۔ اور تمام تعریف اُس خدا کے لئے ہے جو تمام عالم کا پروردگار ہے اور اللہ تعالےٰ زیادہ جا

باب فطرہ کی زکوۃ کے بیان میں

مسائلِ اجماعیہ

صدقہ فطرہ باتفاق ائمہ اربعہ واجب ہے اور اصمؒ اور اسمعیل بن علیہؒ کا قول ہے کہ وہ مستحب ہے۔ اور اسپر اتفاق ہے کہ جس پر صدقہ فطر واجب ہے اسپر اُس کی صغیر السن اولاد اور اُس کے مسلمان غلاموں کیطرف سے زکوۃ دینا بھی ضروری ہے جسطرح اس پر اتفاق ہے کہ صغیر اور کبیر تمام طرف سے صدقہ فطر واجب ہے۔ اور حضرت علی بن ابی طالبؓ سے روایت ہے کہ صدقہ فطر ہر اُس شخص پر واجب ہے جو نماز اور روزے کی طاقت رکھتا ہو۔ اور سعیدؓ بن مسیب سے منقول ہے کہ صدقہ فطر صرف اُسی پر واجب ہے جو روزہ رکھے اور نماز پڑھے۔

اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ صدقہ فطر عید سے دو روز پہلے دیدینا جائز ہے۔ اور ائمہ اربعہ کے اسپر متفق ہونے کی وجہ کہ صدقہ فطر واجب ہے یہ ہے کہ وہ روزہ دار کو فحش گوئی سے پاک کرتا ہے اور اُن چیزوں سے جو روزہ میں واقع ہوتی ہیں اُس صفت صمدانیت کی تعظیم کی غرض سے جس کے نام کے ساتھ روزہ دار عادت پذیر ہوا ہے۔

اور اصمؒ کے قول کی وجہ یہ ہے کہ بندے کی عبادت نقص سے سالم نہیں رہ سکتی۔ چاہے اکابر میں سے ہو یا چھوٹے درجہ کے لوگوں میں سے ماسوا انبیاء علیہم السلام کے۔ پس اس لئے صدقہ فطر مستحب ہوا۔ اور ہو سکتا ہے کہ وجوب کی علت ودیانت کی بجائے جو مستحب کی بیان کی گئی لہذا صدقہ فطر اُس کے حق میں واجب ہے جس کی عبادت خلل ناک رہتی ہو۔ اور انبیاء علیہم السلام اور اُن کے وارثین کے حق میں مستحب۔ پس خوب سمجھ لو۔

اور اس قول کی وجہ کہ صدقہ فطر ہر صغیر و کبیر پر واجب ہے شارع علیہ السلام کا اس کی تصریح فرمانا ہے۔ اور حضرت علی اور حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہما کی قول کی وجہ نماز اور روزے پر قیاس کرنا ہے کیونکہ انکو تمیز دار اور بلوغ پر قدرت رکھنے والا ادا کرتا ہے۔

اور اس کی وجہ کہ صدقہ فطر کو عید سے صرف دو روز پہلے ادا کرنا درست ہے اس مدت کا عید سے نزدیک ہونا ہے اور جو چیز کسی شے کے نزدیک ہوتی ہے اُس کو اُسی شے کا حکم دیدیا جاتا ہے پس عید کا دن گویا کہ وقت نماز (نماز پر) قادر بنا نیوالا ہے۔

اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ صدقہ فطر وجوب کے تاخیر کر دینے سے ساقط نہیں ہوتا بلکہ قرض رہتا ہے جب تک ادا نہ کرے یہانتک مسائل اجماعیہ ختم ہوئے۔

مسائل اختلافیہ

پہلا مسئلہ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ اور جمہور کا قول یہ ہے کہ صدقہ فطر واجب ہے نہ فرض کیونکہ اُن کے نزدیک فرض واجب سے زیادہ موکد ہوتا ہے۔ پس پہلا قول تشدد اور دوسرے میں تخفیف ہے۔

پہلے قول کی وجہ سنت محمدیہ (علی صاحبہا الصلوۃ والسلام) کی تعظیم قرآن شریف کی سی تعظیم کرنا ہے اس اعتبار سے جس چیز کا وہ حکم کرے وہ مرتبہ میں ایسی ہے جسکا قرآن شریف حکم کرے اسکی بجا آوری کے واجب ہونے میں۔
دوسرے قول کی وجہ حق تعالےٰ کے اُس حکم میں جو اُس نے اپنی کتاب میں کیا ہے اور اس حکم میں جو رسول خدا صلی اللہ

علیہ وسلم نے کیا ہے فرق کرنا ہے۔
اور یہ اصطلاح امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی بہت اچھی ہے۔ کیونکہ خود رسول کریم علیہ السلام انکی اسپر تعریف فرماتے ہیں بوجہ اس کے کہ مرتبہ حق تعالیٰ کا بندے سے بہت بلند ہے اگرچہ وہ نہیں بولتے ہیں اپنی طرف سے پس یہ نظر ہے اس کی کہ انبیاء علیہم السلام کے واسطے دعا کرنے کے لئے لفظ صلوٰۃ مخصوص کیا گیا ہے۔ اگرچہ لغت میں اس کے معنے جمع ہی کے ہیں۔ اس سے مقصد اُن کی شان کو بڑھانا او رترحم علی الاولیاء اور ترحم علی الانبیاء میں لفظاً فرق کرنا ہے۔ پس خوب سمجھ لو۔

دوسرا مسئلہ امام مالک اور امام شافعی اور امام احمد رضی اللہ عنہم کے نزدیک صدقہ فطر اُن دو شخصوں پر واجب ہے جو ایک غلام مشترک میں شریک ہوں۔ اور امام احمد رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ دونوں شریکوں میں ہر ایک کے حصہ کی جانب سے پورا صاع ادا کرے۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ غلام کی طرف سے ان دونوں شریکوں پر صدقہ فطر واجب نہیں۔ پس پہلے قول میں تشدید ہے اور امام احمد رضی اللہ عنہ کی دو روایتوں میں سے ایک روایت مشدد ہے اور تیسرا قول مخفف ہے۔
پہلے قول کی وجہ ایک قسم کی احتیاط کو لینا ہے۔ دوسرے قول کی وجہ پوری احتیاط کو لینا ہے۔ اور تیسرے قول کی وجہ حدیث میں عبد سے وہ غلام مراد لینا ہے جو صرف ایک شخص کی ملک میں ہو اگرچہ معنے مشترک غلام کو بھی شامل ہیں۔ پس خوب سمجھ لو۔

تیسرا مسئلہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ مولیٰ پر اس کے کافر غلام کی طرف سے زکوٰۃ دینا لازم ہے حالانکہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ صرف مسلمان غلام کی طرف سے واجب ہے پس خوب سمجھ لو۔
پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے۔
پہلے قول کی وجہ بعض احادیث میں غلام کا مطلق ہونا ہے اس لئے وہ کافر کو بھی شامل ہے۔
دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ زکوٰۃ پاکی ہے اور کافر اہل تطہیر میں سے نہیں ہے۔ حالانکہ شارع علیہ السلام نے احادیث میں تصریح کی ہے پس اس قول کے قائل نے مطلق کو مقید پر محمول کیا ہے اور یہ شارع کے ساتھ ادب کرنے کے لحاظ سے ہے اور عارفین میں سے اہل کمال کا یہی مسلک ہے۔ کیونکہ وہ مطلق کو اپنے موقعہ میں رکھتے ہیں اور مقید کو اپنے موقعہ میں اس غرض سے کہیں شارع علیہ السلام کے ساتھ اپنا مشرع بننا لازم نہ آجائے۔

چوتھا مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ خاوند پر بیوی کی طرف سے صدقہ فطر واجب ہے جس طرح اُس کا خرچ اُس کے ذمہ لازم ہے۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ کا قول یہ ہے کہ خاوند پر بیوی کی طرف سے فطرہ واجب نہیں۔ پس پہلا قول خاوند پر مشدد ہے اور دوسرا اُس پر مخفف اور عورت پر مشدد ہے۔
پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ زوجیت کمال موافقت کی علت ہے اور اخلاق حسنہ کے مناسب نہیں ہے کہ خاوند بیوی کو ظاہری یا باطنی پلیدی سے پاک کرنے کے لئے مال خرچ کرنے کی تکلیف دے۔
دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ اس زکوٰۃ کا خطاب عورت سے ہے اس لئے کہ اُس زکوٰۃ کا دینی نفع عورت ہی کی طرف لوٹتا ہے۔ اگرچہ اولیٰ یہ ہے کہ خاوند بیوی کی طرف سے زکوٰۃ دے اس خدمت کے بدلہ میں کہ عورت نے رمضان میں اس کی وجہ سے یا اپنے آپ کو دکھلا کر نفس کی سیری کر دینے کی وجہ سے مرد کی نیچی نگاہ رکھنے میں اعانت کی ہے پس خوب سمجھ لو۔

پانچواں مسئلہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ جو شخص بعض اُسکا آزاد ہو اور بعض غلام تو اُس کی طرف

فطرہ نہ خود اُسپر واجب ہی نہ اُس کے نصف کے مالک پر۔ حالانکہ امام شافعی اور امام احمد رضی اللہ عنہما کا قول یہ ہے کہ آدھا فطرہ اُسی پر آزادی کے عوض میں واجب ہے اسی طرح امام مالک رضی اللہ عنہ کی دو روایتوں میں سے ایک یہ ہے کہ مالک پر نصف فطرہ واجب ہے اور غلام پر کچھ نہیں۔ اسی طرح امام ابو ثور رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ ہر ایک پر (مالک اور غلام سے) ایک ایک صاع واجب ہے۔ پس پہلا قول مخفف ہے اور دوسرے میں تشدید ہے۔ اور یہی مراد امام مالکؒ کے قول مذکور سے ہے اور تیسرا قول مشدد ہے۔

پہلے قول کی وجہ ظاہر ہے کیونکہ مولیٰ تمام غلام کا مالک نہیں اور زکوٰۃ کی وضع اسطرح ہوئی ہے کہ وہ تمام انسانوں سے ادا کیجائے۔

دوسرے قول کی وجہ انصاف کی رعایت رکھنا ہے اور وہ یہ ہی ہے کہ مولیٰ اپنے حصہ کی بقدر غلام کی طرف سے زکوٰۃ دے کیونکہ غلام کا کوئی مال ہی نہیں تاکہ وہ خود اپنی طرف سے ادا کرے

تیسرے قول کی وجہ احتیاط کو لینا ہے۔

چھٹا مسئلہ امام مالک اور امام شافعی اور امام احمد رضی اللہ عنہم کا قول یہ ہے کہ زکوٰۃ فطرہ کے واجب ہونے میں اس کا اعتبار نہیں ہے کہ ادا کنندہ چاندی کے نصاب کا مالک ہو اور وہ دو سو درہم ہیں بلکہ اُنہوں نے بیان کیا ہے کہ ہر وہ آدمی کہ اُس کے خود اور جس کا عید کے دن اُسپر خرچ واجب ہے اُس کے قوت سے بچ رہے جو مقدار میں زکوٰۃ فطرہ کی برابر ہو تو اُسپر صدقہ فطر واجب ہے۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ صدقہ فطر صرف اُسی پر واجب ہے جو نصاب کامل کا کہ اُس کے مکان اور غلام اور گھوڑے اور ہتیار سے بچ رہے مالک ہو۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے۔

پہلے قول کی وجہ صدقہ فطر میں جسقدر مال ادا کیا جاتا ہے اُس کا ایک تھوڑی سی شے ہونا ہے اس لئے یہ شرط نہ کیا جائے گا کہ اُس کا صاحب مالک نصاب ہو۔ برخلاف چالیسویں حصہ کے چاندی میں کیونکہ بعض اوقات نفوس اُس سے بخل کر جاتے ہیں۔

دوسرے قول کی وجہ صدقہ فطر کو اعتبار ملک نصاب میں نقد کی زکوٰۃ کے ساتھ لاحق کرنا ہے لیکن اگر ایسا شخص ادا کردے جو نصاب سے کم کا مالک ہو تو کچھ مضائقہ نہیں۔

ساتواں مسئلہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ صدقہ فطر مہینہ شوال کی پہلی تاریخ کے طلوع فجر سے واجب ہوتا ہے۔ حالانکہ امام احمد رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ شوال کی شب کے شروع ہونے کے وقت غروب آفتاب سے واجب ہوتا ہے۔ اسی طرح امام مالک اور امام شافعی رضی اللہ عنہما کا قول یہ ہے کہ شب عید کے آفتاب غروب ہو جانے سے واجب ہوتا ہے کہ یہ دونوں کا قول راجح ہے اور دونوں قولوں کی وجہ ظاہر ہے۔

آٹھواں مسئلہ اماموں کا اِسپر اتفاق ہے کہ صدقہ فطر کو روز عید سے مؤخر کرنا جائز نہیں۔ حالانکہ ابن سیرینؒ اور نخعیؒ کا قول یہ ہے کہ اُس سے تاخیر کرنا جائز ہے۔ امام احمد رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ "اور میں اُمید کرتا ہوں کہ اس میں کچھ مضائقہ نہ ہوگا"۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے۔

پہلے قول کی وجہ روز عید کو پنجگانہ نماز پر قیاس کرنا ہے۔ دوسرے قول کی وجہ اس بارہ میں کسی نص کا وارد نہ ہونا ہے کہ جس سے یوم عید کی تخصیص کا وجوب سمجھا جائے۔ جیسا کہ یہ قائل کہتا ہے۔

اور رہی یہ حدیث کہ اغنوهم عن الطواف فی هذا الیوم ترجمہ "لاپرواکردو اُن کو اس دن پھرنے سے" تو یہ اُسکے نزدیک استحباب پر محمول ہے۔

نواں مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ صدقہ فطر پانچ قسموں سے ادا کرنا جائز ہے گیہوں، جو، کھجور، کشمش، پنیر، جبکہ وہ قوت بنایا جاتا ہو حالانکہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ پنیر کے اندر خود دینا کافی نہیں۔ ہاں اس کی قیمت دیدی جائے۔ اور امام شافعی رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ ہر وہ شئے جس میں عشر واجب ہو تو اس کو صدقہ فطر میں دے سکتے ہیں جیسے چاول۔ اور جوار چنا وغیرہ۔ پس پہلے اور تیسرے قول میں تخفیف ہے اور دوسرے میں تشدید ہے۔

دسواں مسئلہ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کا قول یہ ہے کہ آٹا اور ستو کافی نہیں حالانکہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ اگر خود انہیں دو چیزوں کو ادا کرے تو کافی ہے اور ائمہ شافعیہ میں سے امام انماطی رحمۃ اللہ علیہ کا یہی قول ہے۔ اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فطرہ کی قیمت دیدینے کو بھی جائز رکھا ہے۔ پس پہلا قول فطرہ ادا کرنے والے اور فقرا پر تشدید ہے اور دوسرے میں تخفیف ہے اور تیسرا بالکل مخفف ہے۔

پہلے قول کی وجہ اس بارہ میں جو کچھ وارد ہے اُسی پر اقتصار کرنا ہے۔

دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ آٹا اور ستو فقرا پر اسہل ہیں بہ نسبت دانوں کے اور یہ اس وجہ سے کہ عید کا دن خوشی کا روز ہے پس مالدار لوگ عید کے دن خوشی میں ہوتے ہیں بوجہ اس کے کہ وہ اُسدن کھانے کی اشیا تیار کرنے سے بے پروا ہوتے ہیں اس لئے کہ اُن کے خدام موجود ہیں۔ اس بنا پر انہیں اپنے قوت کے حاصل کرنے میں تعب اور مشقت اُٹھانے کی ضرورت نہیں پڑتی جس سے اُن کی کمال خوشی میں نقصان پڑے۔ برخلاف فقرا کے کہ وہ جب غلہ لیتے ہیں تو عادتاً اس کے چھاننے اور صاف کرنے اور پیسنے اور گوندھنے اور روٹی بنانے کے محتاج ہوتے ہیں۔ اور یہ اُمور عید کے دن لوگوں کے کمال سرور کو مکدر کرنے والے ہیں۔

اور پہلا قائل کہتا ہے کہ جب شارع علیہ السلام کو یہ بات معلوم ہوئی تو مشقت کو اغنیاء اور فقرا کے مابین تقسیم فرما دیا پس مالداروں پر نصف مشقت رہی اور فقرا پر نصف۔ آخر یہی انصاف ہے۔ اور اگر مالدار فقیروں کو تیار شدہ کھانا دیں جس میں کچھ مشقت نہ ہو تو فقرا کے لئے خوشی حاصل کرانے میں زیادہ قریب ہوگا۔ اور جس نے قیمت دینے کو جائز کہا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ فقیر اس صورت میں مختار ہو جائیں گے کہ چاہے وہ غلہ خریدیں یا بازار سے تیار شدہ کھانا لے لیں۔ پس یہ قول اس لحاظ سے مالدار اور فقیر دونوں پر مخفف ہے کیونکہ عید کا دن کھانے اور پینے اور جماع اور خدا تعالےٰ کو یاد کرنے کا دن ہے۔ پس کھانا تو لوگوں کے اجسام کو خوش کرتا ہے اور خدا تعالیٰ کی یاد اُن کی ارواح کو خوش کرتی ہے تو اس سے کامل خوشی اجسام اور ارواح کو حاصل ہوتی ہے۔

اور ہم نے ایک مرتبہ جمعہ کی شب میں اس کا ذائقہ چکھا ہے۔ کہ ہم کھاتے تھے اور خدا کو یاد کرتے تھے اُس وقت ہم کو ایسی خوشی حاصل ہوئی کہ ایسی خوشی عمر بھر نہ ہوگی۔ اور جس کو شک ہو تجربہ کر لے لیکن اس کے بعد کہ اُس کا قلب رعونت اور میل کچیل سے پاک صاف ہو گیا ہو۔ یہ وہ حکمت ہے جو آٹے اور غلہ وغیرہ کے دینے میں اس وقت مجھے ظاہر ہوئی۔

اور میں نے سیدی علی خواص رضی اللہ عنہ سے سنا ہے کہ عید کے دن مالداروں سے فقرا و مساکین کے واسطے بھلائی اور اکرام کی زیادتی مطلوب ہوتی ہے اور اسی وجہ سے شارع علیہ السلام نے والد پر واجب کیا ہے کہ وہ اپنے ایسے بچے کی طرف سے جو ابھی روزہ کی طاقت نہیں رکھتا ہے صدقہ فطر ادا کرے مساکین پر توسیع کرنے کی غرض سے ورنہ

نہاں روزہ ہی نہیں رکھا گیا جو (بغیر ادا صدقہ) مابین زمین و آسمان معلق رہے (انتہی)، اور اللہ تعالیٰ زیادہ جاننے والا ہے۔

گیارھواں مسئلہ امام مالک اور امام احمد رضی اللہ عنہما کا قول یہ ہے کہ صدقہ فطر میں کھجوروں کا دینا گیہوں سے افضل ہے حالانکہ امام شافعیؒ کا قول یہ ہے کہ گیہوں افضل ہے اسی طرح امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ افضل وہ ہے جس کی قیمت زائد ہو۔ پس پہلا قول مخفف ہے اُن لوگوں کے حال پر محمول ہے جن کے پاس کھجوریں گیہوں سے زیادہ اور اُن کے ادا کرنے میں آسانی ہو۔

اور دوسرا قول اُن لوگوں پر محمول ہے جن کے پاس گیہوں کھجوروں سے زیادہ ہوں اور اُنکا ادا کرنا آسان ہو۔

اور تیسرے قول کی وجہ زیادہ قیمت کی چیز کا لحاظ کرنا ہے کیونکہ قیمت کا زیادہ ہونا یہ بتلاتا ہے کہ وہ شئے کھانے میں زیادہ لذیذ ہوگی اس لئے کہ جو چیز شدید اللذت اور کثیر المنفعت ہوتی ہے وہی گراں ہوتی ہے۔

بارھواں مسئلہ تینوں اماموں کا یہ قول ہے کہ صدقہ فطر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے صاع سے بقدر ایک صاع کے واجب ہے خواہ وہ اقسام مذکورہ خمسہ میں سے کوئی سی قسم ہو۔

حالانکہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ گیہوں سے نصف صاع بھی کافی ہے پس پہلا قول مثل مشدد کے ہے اور دوسرا مثل مخفف کے ہے اور ہر ایک کی وجہ پیروی کرنا ہے شارع علیہ السلام کے اقوال وارده کی۔ اور آپ کے اصحاب کے افعال کی کیونکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ایک گروہ نے گیہوں کے نصف صاع کو جَو کے دو صاعوں کی برابر قرار دیا ہے۔ پس اگر وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارہ میں کوئی دلیل نہ دیکھتے تو ہرگز اس کا قول نہ کرتے کیونکہ یہ حضرات بہ نسبت تمام لوگوں کے دین میں رائے زنی کرنے سے زیادہ بعید ہیں۔

اور جس نے کہا ہے کہ حضرت معاویہؓ اہل اجتہاد میں سے ہیں تو اُس نے کہا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ انہوں نے اپنے اجتہاد سے ایسا کیا ہو۔

تیرھواں مسئلہ امام شافعی رضی اللہ عنہ اور آپکے جمہور اصحاب کا قول یہ ہے کہ صدقہ فطر کے مصارف آٹھ قسم کے لوگ ہیں جسطرح زکوٰۃ کے۔ حالانکہ امام اصطخریؒ کا قول یہ ہے کہ فقراء اور مسافرین میں سے تین کو دیدینا بھی جائز ہے۔ بشرطیکہ زکوٰۃ دینے والا خود ادا کرتا ہو اور اگر وہ امام کو دیدے تو اُسپر اقسام ثمانیہ کو عام کرنا لازم ہے۔ اس لئے کہ زکوٰۃ اُس کے ہاتھ میں کثرت سے ہوتی ہے اس وجہ سے سب قسموں کو دینا اُسپر کچھ دشوار نہیں۔ حالانکہ امام مالک اور امام ابوحنیفہ اور امام احمد رضی اللہ عنہم کا یہ قول ہے کہ صرف ایک فقیر کو دیدینا بھی جائز ہے۔

علماء کا قول ہے کہ ایک جماعت کا فطرہ ایک مسکین کو بھی دے سکتے ہیں اور علامہ ابن منذرؒ اور ابو اسحاق شیرازیؒ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ پس پہلا قول مشدد ہے اور دوسرے میں تخفیف ہے اور تیسرا مخفف ہے۔ اسی طرح اُس کے بعد کا۔ اور تمام اقوال کی وجوہ ظاہر ہیں۔

چودھواں مسئلہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ صدقہ فطر کو رمضان سے قبل ادا کر سکتے ہیں۔ حالانکہ امام شافعی رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ اُس سے قبل نہیں دے سکتے مگر رمضان کے شروع میں۔ اسیطرح امام مالک اور امام احمد رضی اللہ عنہما کا قول یہ ہے کہ وقت وجوب سے مقدم کرنا درست نہیں۔ پس پہلا قول مخفف ہے اور دوسرے میں تخفیف ہے اور تیسرا مشدد ہے۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ جس نے صدقہ فطر کو وجوب سے مقدم کیا اُس نے فقرا پر فضل کرنے میں جلدی کی۔ اس لئے وہ منع نہ کیا جائے گا۔ اور شارع علیہ السلام نے وقت وجوب کے تعین سے سکوت فرمایا ہے جسطرح اُس کی انتہا کے وقت سے سکوت کیا ہے۔ پس عید کے روزے سے پہلے ادا کرنا اور رمضان کے شروع میں ادا کرنا اور رمضان سے قبل ادا کرنا ہر طرح جائز ہے۔

دوسرے قول کی وجہ احتیاط کو لینا ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ ادا فطرہ صحیح ہونے کے لئے عید کا دن شرط ہو جیسے پنجگانہ نماز کے لئے اوقات۔ جب جمع بین الصلوۃ نہ کی جائے اور تمام تعریف اُس خدا کو ہے جو تمام عالم کا پروردگار پروردگار ہے۔

باب صدقات کی تقسیم کے بیان میں

مسائل اجماعیہ

چاروں اماموں کا اسپر اتفاق ہے کہ زکوۃ کا نکالنا مسجد بنانے یا میت کی تکفین کرنے کے لئے جائز نہیں ہے اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ فرض صدقہ بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب کو لینا حرام ہے اور وہ پانچ شاخہائے قبیلہ ہیں۔

اولاد علیؓ، اولاد جعفرؓ، اولاد عباسؓ، اولاد عقیلؓ، اولاد حرثؓ بن عبد المطلب۔

اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ غارمین وہ لوگ ہیں جو مقروض ہیں۔ اور اسپر بھی کہ ابن سبیل سے مراد مسافر ہے یہ وہ مسائل ہیں جو اس باب میں مجھے اجماعی ملے۔

مسائل اختلافیہ

پہلا مسئلہ تینوں اماموں کے نزدیک جائز ہے کہ صدقات اُن آٹھ قسموں میں سے جو آیت میں مذکور ہیں ایک قسم کو دیدئے جائیں۔ حالانکہ امام شافعی رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ آٹھوں قسموں کو پورا کرنا لازم ہے۔ اگر امام تقسیم کرے اور آنجگہ قسم عامل بھی موجود ہو ورنہ سات اقسام پر تقسیم کئے جائیں۔ پس اگر بعض اقسام موجود نہ ہوں تو جسقدر موجود ہوں اُنپر تقسیم کئے جائیں۔

اور اگر مستحقین زکوۃ شہر ہی میں منحصر ہوں تو مالک تمام اقسام کو دیوے بشرطیکہ مال اُن تمام اقسام کو پورا ہو سکے ورنہ تین قسموں کو دینا واجب ہے۔ اور اگر شہر میں اقسام موجود نہ ہوں تو دوسرے شہر میں دینا واجب ہے۔

پس پہلا قول مخفف ہے اور دوسرا مشدد۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ آیت میں جنس مراد ہے۔ دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ مقصود تمام اقسام کو پہونچانا ہے اور اس میں احتیاط زیادہ ہے۔

دوسرا مسئلہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ (المولفۃ قلوبھم) کا حکم منسوخ ہے اور امام احمد رضی اللہ عنہ سے ایک روایت یہی ہے اور امام مالک رضی اللہ عنہ کا مشہور مذہب یہ ہے

کہ (المؤلفۃ قلوبھم) کے واسطے اب جبکہ مسلمانوں کو اُن سے لاپرواہی ہو گئی کوئی حصہ نہ رہا اور دوسری روایت یہ ہے کہ جب کسی شہر یا قریہ میں ایسے لوگوں کی ضرورت ہو (یعنی مسلمان کمزور ہوں) تو امام اُن کو ادا کرے کیونکہ علت موجود ہے۔ حالانکہ امام شافعی رضی اللہ کے اقوال میں سے قول اظہر یہ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اُن لوگوں کو حصہ دیا جائے اور اُنکا حصہ منسوخ نہیں ہوا۔ اور امام احمد رضی اللہ عنہ سے دوسری روایت یہی ہے۔ پس پہلے اور دوسرے قول میں تشدید ہے اور تالیف قلوب جن کی کیجائے اُنپر تضییق ہے اور امام شافعی رضی اللہ عنہ کا قول اُنپر مخفف ہے۔

اور پہلے قول اور اُس کے موافق کی وجہ یہ ہے کہ جو لوگ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد اسلام قبول کریں وہ اختیار اور رضامندی پر محمول ہیں (یعنی اپنی خوشی سے مسلمان ہوئے) لہذا ایسی شے کے اعطاء کی ضرورت نہیں جو اُن کے قلب کی تالیف کرے۔

دوسرے قول کی وجہ (المؤلفۃ قلوبھم) کا مطلق ہونا ہے۔ اِس لئے اُس سے وہی لوگ مراد نہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایمان لائے پس ہر اُس شخص کو دینا چاہئے جو کسی زمانہ میں ایمان قبول کرے اس لئے کہ وہ ضعیف القلب اور ہر حال میں ناقص ہے یہ بہت مشکل ہے کہ اُسکا قلب ایسا ہو جیسا پیدائشی مسلمان کا پس خوب سمجھ لو۔

اور ہمارے زمانہ میں ایک یہودی آدمی مسلمان ہوا تو اُس کی طرف مسلمانوں نے بھلائی کے ساتھ بالکل توجہ نہ کی (یعنی اُس کی مالی خدمت نہ کی) تو وہ کہنے لگا کہ میں اپنے اسلام لانے میں بڑا نادم ہوا۔ کیونکہ میں عیالدار ہوں اور یہود نے مجھ پر ظلم کیا ہے اور مسلمان میری طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ پس اگر میں کارکنوں میں سے ایک ایسے شخص سے سفارش نہ کرتا جس کے پاس وظیفہ لکھا جاتا ہے تو ضرور مرتد ہو جاتا۔

تیسرا مسئلہ امام مالک اور امام شافعی رضے اللہ عنہما کا قول یہ ہے کہ عامل (محصّل) جو کچھ صدقات سے لیوے وہ زکوۃ میں سے سمجھا جائے گا نہ اُس کے کام کے بدلے سے۔ حالانکہ اُن کے سوا دوسرے دو کا قول یہ ہے کہ اُس کے کام کے بدلے سے سمجھا جائے گا پس پہلے قول میں اقسام ثمانیہ پر تخفیف ہے اور دوسرے قول میں محصّل پر تشدید ہے اور اُس کو لوگوں کے میل لینے سے پاک رکھنا ہے پس وہ اپنی مزدوری کا حصہ لے گا نہ صدقہ (خیرات)

چوتھا مسئلہ تینوں اماموں کے نزدیک یہ جائز نہیں کہ صدقات وصول کرنے والا غلام ہو اور نہ یہ کہ قرابت داروں میں سے ہو نہ یہ کہ کافر ہو حالانکہ امام احمد رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ جائز ہے۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے۔

دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ محصل صدقات مزدور ہے اِس لئے اُس کا آزادی اور اسلام میں کامل ہونا ضرور نہیں۔

امام احمد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سوائے اِس کے نہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا عباسؓ کے صاحبزادہ کو محصل بننے سے منع فرمایا اور یہ ارشاد فرمایا کہ میں نہیں پسند کرتا کہ تم کو لوگوں کے گناہ دھونے کا کام سپرد کر دوں اس کی وجہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی شرافت تھی استحبابی طور پر نہ بطریق وجوب۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ غلام کے لئے اُس کے مولیٰ کا دیا ہوا خرچ کافی ہے اور قرابت دار لوگ اشراف ہیں لہذا اُن کی بزرگی ثابت کرنے کے لئے محصل بننے سے اُن سب کو منع کیا جائے گا۔ جس طرح زکوۃ مفروضہ کے لے جانے سے

منع کئے جاتے ہیں۔ اور کافر میں اس کی صلاحیت ہی نہیں کہ وہ مسلمانوں کا حاکم بنے اور اسی وجہ سے علماء کا فتویٰ ہے کہ کافر کو مظالم اور خراج کا تحصیلدار یا محرر یا محاسب بنانا حرام ہے۔

پانچواں مسئلہ ائمہ کا قول ہے کہ قرآن مجید میں رقاب سے مراد وہ غلام ہیں جن کے مالکوں نے یہ کہدیا ہو کہ بقدر مال دے دو تم آزاد ہو پس اُنکا حصہ اُنہیں دیدیا جائے تاکہ وہ اُسے اپنے آزاد ہونے کے بدلے میں مالک کو دیدیں۔ حالانکہ امام مالک رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ رقاب سے مراد غلام ہیں اِس لئے صدقات میں سے کوئی حصہ اُنہیں دینا جائز نہیں۔ ہاں یہ کیا جائے کہ زکوٰۃ کے مال سے ایک غلام خرید کر آزاد کر دیا جائے اور یہی ایک روایت ہے امام احمد رضی اللہ عنہ سے پس پہلا قول مخفف ہے اور دوسرا مشدد اور دونوں قولوں میں سے ہر ایک کی وجہ ہے۔

چھٹا مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ مراد اس لفظ آیت سے کہ فی سبیل اللہ وہ لوگ ہیں جو غازی ہیں حالانکہ امام احمد رضی اللہ عنہ کی دو روایتوں میں سے اظہر روایت یہ ہے کہ حج بھی اس میں داخل ہے پس پہلا قول مشدد ہے کیونکہ اس میں احتیاط ہے۔ وجہ یہ کہ ظاہر رائے میں ذہن غازیوں ہی کی طرف جاتا ہے۔ دوسرا قول مخفف ہے بوجہ اِس کے کہ حجاج پر زکوٰۃ کا مال خرچ کرنا جائز ہے اور دونوں قولوں میں سے ہر ایک کی ایک وجہ ہے۔

ساتواں مسئلہ تینوں اماموں کے نزدیک اگر قرضدار مالدار ہو تو اُس کے لئے مال زکوٰۃ میں سے کچھ نہ خرچ کیا جائے۔ حالانکہ امام شافعی رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ باوجود مالدار ہونے کے بھی اُسپر خرچ کیا جائے۔

پس پہلا قول قرضدار پر مشدد ہے اور دوسرا مخفف۔

پہلے قول کی وجہ حدیث اور قرآن اور قرائن کے ظاہر پر عمل کرنا ہے۔ کیونکہ اِن سب سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ جو شخص اپنے مال سے قرض ادا کر سکتا ہو وہ امداد کا محتاج نہیں ہے اور زکوٰۃ سے غرض یہ ہے کہ وہ محتاج پر خرچ کیجائے دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ شارع علیہ السلام نے قرضدار کو مسلمانوں کی مصالح میں مطلق رکھا ہے۔ لہذا اُنکو زکوٰۃ کے مال سے دیا جائے گا تاکہ آئندہ وہ خود اور اُس کے غیر مصالح مسلمین میں مال خرچ کرنے پر آمادہ اور جری ہوں۔

اِس لئے کہ اکثر انسان ایسے ہوتے ہیں کہ اپنے قرضہ کو پہلے نہیں ادا کرتے تاکہ باہمی اصلاح ہو مثلاً اُس وقت کہ جب اُس کے اور لوگوں کے درمیان قرابت یا نسبت کا تعلق نہ ہو۔ بالخصوص جبکہ وہ لوگ اسپر اس کا شکریہ نہ ادا کریں یا اور بُرائی کریں۔ بلکہ بسا اوقات کہدیتا ہے کہ میں خدا سے توبہ کرتا ہوں جو آئندہ کبھی بھی ایسے شخص پر احسان کروں کہ اُس کا مستحق نہ ہو۔ اور حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ کے کلام میں ہے کہ ہر دشمنی کی جڑ بھلائی کا منہ تک پہونچتا ہے۔ اور اللہ تعالےٰ زیادہ جاننے والا ہے۔

آٹھواں مسئلہ امام ابو حنیفہ اور امام مالک رضی اللہ عنہما کے نزدیک ابن سبیل وہ شخص ہے جو سفر میں گذر جائے نہ وہ جو سفر کا عزم کر رہا ہو۔ اور امام احمد رضی اللہ عنہ کی دونوں روایتوں میں سے مشہور تر روایت بھی یہی ہے۔ حالانکہ امام شافعی رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ ابن سبیل دونوں قسم کے لوگ ہیں۔ سفر میں گذر جانے والے اور اس کا عزم کرنے والے۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ درحقیقت محتاج وہی آدمی ہے جو سفر میں گذر گیا پس اُس کے ضروریات میں خرچ کرنا احوط ہے برخلاف عازم سفر کے کیونکہ کبھی سفر کا ارادہ کرتا ہے اور پھر کسی مانع کی وجہ سے ملتوی کر دیتا ہے۔ پس ضرورت پڑتی ہے کہ ایسے شخص سے زکوٰۃ واپس لے کر اُس شخص کو دیجائے جو ضرورتمند ہو منجملہ باقی اقسام ہشتگانہ کے اور پہلے قول کے قائل کو اِس طرح جواب دیا گیا ہے کہ اکثر جو شخص سفر کا ارادہ کرتا ہے وہ سفر کرتا ہی ہے۔

نواں مسئلہ امام ابوحنیفہ اور امام احمد رضی اللہ عنہما کے نزدیک آدمی کو جائز ہے کہ اپنی تمام زکوٰۃ ایک شخص کو دیدے۔ بشرطیکہ جسے دے وہ مالدار اور وہ غلام نہ ہو جسے مال کے بدلے میں آزاد کیا ہو۔ حالانکہ امام شافعی رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ وہ لوگ جن کو زکوٰۃ دیجائے وہ ہر قسم سے کم از کم تین ہوں۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ آیہ انما الصدقات للفقراء والمساکین میں لفظ فقراء سے جو جمع کا صیغہ ہے جنس مراد ہے۔ لہذا جو فقیر ہو اُسے زکوٰۃ دیجائے اگرچہ ایک ہی ہو۔

دوسرے قول کی وجہ احتیاط کا لینا ہے کیونکہ احتمال ہے کہ مساکین اور عاملین اور بعد والے لوگوں سے انکی ہر قسم سے ایک ایک جماعت مراد ہو نہ فرد واحد۔

دسواں مسئلہ امام مالکؒ کا قول اور شافعیؒ کے دونوں قولوں میں سے قول اظہر اور امام احمد کی دونوں روایتوں میں سے ظاہر روایت یہ ہے کہ زکوٰۃ کا دوسرے شہر کی طرف منتقل کرنا جائز نہیں۔ اور امام مالکؒ نے اُس صورت کو مستثنے کیا ہے کہ دوسرے شہر کے لوگوں کو کوئی سخت حاجت پڑ جائے کہ اُس وقت امام ان لوگوں کی طرف غور اور اجتہاد کے بعد منتقل کر سکتا ہے۔ اور امام احمد نے نقل زکوٰۃ حرام ہونے میں یہ شرط ٹھیرائی ہے کہ ایسے شہر کی طرف منتقل کیجائے کہ جہاں تک جانے میں نماز کا قصر کیا جائے اور جس شہر سے منتقل کیجائے وہاں زکوٰۃ کے مستحق موجود نہ ہوں۔ اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ زکوٰۃ کا منتقل کرنا مکروہ ہے مگر اُس صورت میں کہ اپنے حاجتمند عزیز و قریب یا اُس قوم کی طرف منتقل کرے جو اُس کے شہر والوں سے زیادہ حاجتمند ہیں کہ اس وقت مکروہ نہیں۔ پس پہلے قول میں شرط مذکور کی وجہ سے تشدید ہے اور دوسرے میں تخفیف۔ پس میزان کے دونوں مرتبے برابر ہو گئے۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ صاحب زکوٰۃ اپنے شہر کے فقراء و مساکین کو چھوڑ کر اُن کے غیر کو دیگا حالانکہ پورا سال اُن کو اُس کے انتظار میں گذر چکا ہو تو انکا دل ٹوٹے گا (انکی سال بھر کی اُمید پہ پانی پڑ جائے گا)۔

دوسرے قول کی وجہ مذکورین کے دل ٹوٹنے کیطرف توجہ کرنا ہے اور اگر کیجائے تو وہ تفضل اور احسان کے طور پر ہے نہ بطریق وجوب کیونکہ مقصود اُن اقسام کو زکوٰۃ کا ادا کرنا ہے جو آیت میں مذکور ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کہ صدقۃ توخذ من اغنیائھم فترد علی فقرائھم ترجمہ "مالداروں سے صدقہ لیکر فقراء پر تقسیم کر دیا جائے" دونوں قولوں کی شہادت دیتا ہے کیونکہ فداہ ابی و امی علیہ السلام کا یہ فرمان کہ "فترد علی فقرائھم" دونوں جگہ کے فقراء کو شامل ہے خواہ وہ صاحب زکوٰۃ کے شہر کے باشندے ہوں یا دوسرے شہر کے کیونکہ وہ بھی مسلمان فقیر ہیں۔

گیارھواں مسئلہ چاروں ائمہ اور اُنکے سوا سب کا یہ قول ہے کہ کافر کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں حالانکہ امام زہری اور

ابن شبرمہ نے جزیہ دینے والوں کو زکوٰۃ کا دینا جائز کہا ہے۔ اسی طرح مذہب امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ میں جزیہ دینے والے کو صدقہ فطر اور کفارات کا دیدینا جائز ہے۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہو۔ پس میزان کے دونوں مرتبوں کی طرف رجوع ہوگیا۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ زکوٰۃ پاک کنندہ ہے اس لئے اس کے مناسب صرف وہی مقام ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی جگہ ہے نہ کفار جو موجودہ حالت میں حق تعالیٰ کے غضب کا مورد ہیں اگرچہ احتمال ہے کہ خاتمہ اچھا ہو جائے اسی وجہ سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ صدقۃ توخذ من اغنیائھم فترد علے فقرائھم یعنی مسلمانوں کے مالدار لوگوں سے صدقہ لیکر اُن کے فقراء پر رد کیا جائے،، اور جزیہ دیکر رہنے والے کافر لوگ ہمارے فقراء میں سے نہیں ہیں کیونکہ دین مختلف ہے۔

اور کلام زہری اور ابن شبرمہ کی وجہ یہ ہے کہ زکوٰۃ مسلمانوں کا میل ہے اس لئے کفار کو دینا جائز ہے کیونکہ وہ لوگ میل سے مناسبت رکھتے ہیں یہ ہی جو بعض اہل تقوے نے محاصل وغیرہ مال کھانے کو مکروہ بتلایا ہے اور لکھا ہے کہ یہ کفار کے میل ہیں اور اُنکا وہ کسب ہے جیسے اُنہوں نے سُود اور معاملات فاسدہ کے ذریعہ سے حاصل کیا ہے۔ اور یہ بھی کہا ہے کہ سلف صالحین خود اُن میں سے کچھ نہیں کھاتے تھے البتہ چوپایوں کی خوراک اور خدام کے خرچ میں لے آتے تھے اس سے غرض یہ ہوتی تھی کہ اُن اصول سے اجتناب مستحب اور اُنکا استعمال مکروہ ہے۔ نہ یہ کہ اُن سے اجتناب واجب اور استعمال حرام ہے۔ (انتھی)

اور موافق اُسی تقریر کے جو مذہب ابی حنیفہ رضی اللہ عنہ میں ہم نے بیان کی۔ حدیث شریف میں لفظ (فقرائھم) سے یا فقراء بنی آدم مراد ہیں یا زکوٰۃ ادا کرنے والے کے شہر کے فقراء خواہ وہ مسلمان ہوں یا کافر۔ اور ہو سکتا ہے کہ جس نے کافر کو زکوٰۃ دینا جائز رکھا ہے اُس نے صرف اپنے اجتہاد سے کہا ہو پس اسکو خوب سمجھ لو۔

بارھواں مسئلہ اُس غنی کے بارہ میں جس کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ کا قول یہ ہے کہ وہ وہ شخص ہے جو نصاب کا مالک ہو خواہ کسی مال کے نصاب کا۔ حالانکہ امام مالک رضی اللہ عنہ کا مشہور قول یہ ہے کہ غنی وہ شخص ہے جو چالیس درہم کا مالک ہو اور قاضی عبدالوہاب کا قول ہے کہ امام مالک رضی اللہ عنہ نے اس کے بارہ میں کوئی حد معین نہیں کی کیونکہ اُنہوں نے فرمایا ہے کہ زکوٰۃ اُس شخص کو دیجائے کہ جس کے پاس مکان ہو اور خادم اور وہ چوپایہ جس کی اُسے ضرورت ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ اُس شخص کو زکوٰۃ ادا کی جاسکتی ہو جس کے پاس چالیس درہم ہوں اور یہ بھی کہا ہے کہ عالم کو صدقات کا لینا درست ہے۔ اگرچہ وہ غنی ہو۔ اور امام شافعی رضی اللہ عنہ کا مذہب یہ ہے کہ کافی ہونے کا اعتبار ہے۔ پس عالم کے پاس اگر بقدر کفایت نہ ہو تو لینا درست ہے اگرچہ اُس کے پاس چالیس درہم ہوں۔ یا اس سے بھی زائد۔ اگر بقدر کفایت موجود ہو تو درست نہیں اگرچہ وہ چالیس درہم سے قلیل ہی ہوں جیسا کہ اُن کی مذہبی کتابوں میں ثابت ہے۔ اور امام احمد رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ غنی وہ شخص ہے جو پچاس درہم یا اُنکی قیمت کی برابر سونے کا مالک ہو اور امام موصوف سے دوسری روایت یہ ہے کہ غنی وہ شخص ہے جس کے پاس کوئی ایسی شے ہو جو اُسے ہمیشہ کے واسطے کافی ہو۔ خواہ وہ سوداگری ہو یا زمینداری یا کاریگری یا کچھ اور۔ پس پہلا قول اغنیاء پر مخفف ہے اور دوسرے میں اُن پر تشدید ہے اور تیسرا قول مفصل ہے اور چوتھا اغنیاء پر بہت مخفف ہے۔ پس میزان کے دونوں مرتبوں کی طرف رجوع ہوگیا۔

پہلے قول کی وجہ ابواب زکوٰۃ میں سے بڑی قسم زکوٰۃ پر قیاس کرنا ہے کیونکہ اس میں غنی وہی ہوتا ہے جو نصاب کا مالک

ہ وہ چوپائے ہوں یا اناج یا نقود۔ اس لئے کہ اگر ایسا غنی نہ ہوگا تو وہ ضرور فقیر ہوگا کہ اُسپر زکوۃ واجب ہوگی۔

سرے قول کی وجہ یہ ہے کہ انسان چالیس درہم سے مالدار ہوجاتا ہے کیونکہ شرع سے اِس مقدار کا اکثر مواقع ں اعتبار کیا ہے۔ جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ من صلی اربعون شخصا لا یشرکون باللہ یئا غفر لہ یعنی جس میت پر چالیس آدمی نماز پڑھیں کہ وہ خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناتے ہوں تو وہ بخشا جائے گا۔" ں یہ عدد کثرت شفعاء کی حد قرار دیا گیا ہے۔ اور سورہ قصص میں جو ارشاد ہے کہ واٰتیناہ من الکنوز ما ن مفاتحہ لتنوء بالعصبۃ اولی القوۃ ترجمہ" اور ہم نے اُس کو (قارون کو) اتنے خزانے دے رکھے تھے کہ اُس کی کنجیوں سے بھکتے تھے کئی زور آور مرد۔" اُس سے بھی چالیس کا عدد مراد ہے اور اسی سے پڑوسی ے حق کا اعتبار ہے اور وہ ہر جانب سے چالیس مکان ہوتے ہیں۔

سرے قول کی وجہ یہ ہے کہ مالداری سے کفایت ہی مراد ہے پس ہر وہ شخص جس کے پاس کوئی ایسی شے ہو جو ں کے لئے کافی ہو اور لوگوں سے سوال کی ضرورت نہ پڑے وہ غنی ہے۔

تھے قول کی وجہ یہ ہے کہ پچاس درہم کی مقدار ہے جو آدمی کے لئے کافی ہے کہ سوال کی ضرورت نہیں پڑتی اور ن تمام اقوال میں سے ہر قول کے واسطے ایک ایک وجہ ہے کیونکہ ہر وہ شے جس میں شارع علیہ السلام کی طرف ے کوئی تصریح نہ پائی جائے اس کے اندر علماء اپنی اپنی نظر اور عقول کے لحاظ سے چلتے ہیں۔ اور چالیس اور یاس کا ذکر احوال سلف کی بنا پر ہے کیونکہ اُن میں سے کوئی اسقدر سے زیادہ دنیا کا طلبگار نہیں ہوتا تھا۔ ر نہ آجکل تو عیالدار آدمی کو سو درہم بھی کافی نہیں نہ راہ تجارت میں اور نہ خرچ اولاد میں۔ پس اسکو خوب سمجھ لو

رھواں مسئلہ امام ابو حنیفہ اور امام مالک رضی اللہ عنہما کا قول یہ ہے کہ اُس شخص کو زکوۃ دینا درست ہے جو اپنی قوت اور تندرستی کے سبب سے کسب کی قدرت رکھتا ہے۔ حالانکہ امام شافعی ر امام احمد رضی اللہ عنہما کا قول یہ ہے کہ یہ جائز نہیں۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔

ہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ جس کے پاس مال نہ ہو وہ فقراء سے زیادہ نزدیک ہے اگر کسب پر قادر ہو اور اس کی ئید حق تعالےٰ کے اس قول سے ہوتی ہے کہ یاایھا الناس انتم الفقراء الی اللہ ترجمہ" اے لوگو تم اللہ کے تاج ہو" یعنی اس کے فضل کے۔ پس کوئی آدمی اللہ کا محتاج ہونے سے غنی نہیں۔ اور ہم نے آیت میں اللہ تعالےٰ کے فضل کے طرف حاجتمندی مراد لی نہ ذات خداوندی کی طرف کیونکہ حق تعالیٰ کی ذات استغناء کا سبب ہیں بلکہ استغناء اُس شے سے حاصل ہوسکتا ہے جو اُس کی وجہ سے ہے نہ خود اُس سے پس اسکو خوب سمجھ لو۔ یونکہ حق تعالیٰ کی شان میں ادب یہ ہی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ بندہ جب بھوکا ہوتا ہے اور حق تعالیٰ سے اپنی رفع ضرورت سوال کرتا ہے تو وہ اُسکو چپاتیاں دلوا دیتا ہے تو معلوم ہوا کہ غنی بھوک کو بذریعہ چپاتی ہی کے دفع کرتا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض کا وجود بعض کے ساتھ معلق اور بعض کے وجود کو بعض کے لئے مسخر اور بعض کو بعض کے ساتھ مربوط فرمایا ہے اگرچہ تمام امور اُسی سے اور اُس کے حکم سے اور اُس کے موجود کرنے سے ہوتے ہیں۔ پس خوب سمجھ لو۔

وسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ جو شخص کسب پر قادر ہوگا اُسکو لوگوں کا میل کچیل لینا جلال نہ ہوگا تاکہ وہ اُس سے پاک رہے۔ یہ قول بڑے لوگوں ہمت والوں کے ساتھ مخصوص ہے اور پہلا قول چھوٹے درجے کے لوگوں کے ساتھ

خاص ہے جن میں احتیاط کم ہوتی ہے۔

چودھواں مسئلہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول اور امام احمد رضی اللہ عنہ کی دو روایتوں میں سے ایک یہ ہے کہ جس نے کسی آدمی کو زکوۃ دیدی پھر معلوم ہوا کہ وہ غنی تھا تو وہ زکوۃ ادا ہوگئی حالانکہ امام مالک رضی اللہ عنہ کا قول اور امام شافعی رضی اللہ عنہ کے دو قولوں میں سے قول اظہر یہ ہے کہ وہ زکوۃ ادا نہ ہوئی اور امام احمد رضی اللہ عنہ کی دوسری روایت بھی یہی ہے۔ پس پہلا قول مخفف ہے اور دوسرا مشدد لہذا میزان ان کے دونوں مرتبوں کی طرف رجوع ہوگیا۔

پہلے قول کی وجہ اس گمان کے غلبہ کا کافی ہونا ہے کہ وہ شخص (جسے زکوۃ دی ہے) فقیر ہے۔

دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ یقین ضروری ہے اور ایسے گمان کا کچھ اعتبار نہیں جس کا خطا ہونا ظاہر ہے۔

پندرھواں مسئلہ تینوں اماموں کا اس پر اتفاق ہے کہ زکوۃ والدین کو دینی جائز نہیں اگرچہ اوپر تک چلے جائیں (یعنی دادا، پردادا وغیرہ اسی طرح دادی، پردادی وغیرہ) اور نہ اولاد کو دینی جائز ہے اگرچہ نیچے تک چلے جائیں (یعنی لڑکا، پوتا، پرپوتا وغیرہ۔ اسی طرح لڑکی، پوتی، پرپوتی وغیرہ)۔ حالانکہ امام مالک رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ دادا اور دادی اور پوتوں کو زکوۃ دینی جائز ہے کیونکہ امام مذکور کے نزدیک ان سب کا نفقہ ساقط ہوگیا۔ پس پہلا قول مشدد ہے اور دوسرا مخفف۔ لہذا میزان کے دونوں مرتبوں کی طرف رجوع ہوگیا۔

اور پہلے قول کی وجہ والدین اور اولاد کو لوگوں کا میل دینے سے بچانا اور ان کو اس سے برتر جاننا ہے۔ بنی ہاشم اور بنو عبدالمطلب پر قیاس کر کے کیونکہ زکوۃ کا ان کے لئے حرام ہونا ان کے شرف اور ان کی ذوات کی تقدیس و ارواح کو پاک رکھنے کی وجہ سے ہے۔ ورنہ اگر وہ اس کے محتاج ہوں تو ان پر اموال زکوۃ سے خرچ کیا جائے گا۔ جیسا کہ امام سبکیؒ نے اس پر فتوے دیا ہے۔ اسی طرح ایک گروہ نے ان کی موافقت کی ہے۔ بعض علماء کا قول ہے کہ وقت حاجت انکو اس وقت زکوۃ کا دینا جائز ہے کہ وہ جب زکوۃ کے سوا ہبہ اور ہدیہ وغیرہ کے ذریعہ سے غنی نہ بنائے جاسکیں۔ کیونکہ ان کے جد امجد علیہ الصلوۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ (زکوۃ نہ محمدؐ کے لئے حلال ہے اور نہ آل محمدؐ کیلئے) لیکن امام سبکیؒ کے فتوے کی تائید اس حدیث کے مفہوم سے ہوتی ہے ان لکم فی خمس الخمس ما یکفیکم ترجمہ "بیشک تمہارے لئے خمس خمس میں اسیقدر جائز ہے جو تم کو کافی ہو" (خمس خمس سے مال غنیمت کے پانچویں حصہ کا پانچواں حصہ مراد ہے)۔

اور نیز والدین اور اولاد کا خرچ اغنیاء پر محض احساناً اور نیز واجب ہے اس لئے وہ اس نفقہ کی وجہ سے لوگوں کے میل لینے سے لا پرواہیں۔ حالانکہ اولاد پر والدین کا کچھ احسان نہیں جیسا کہ اس حدیث سے اشارہ ہوتا ہے کہ انت ومالک لابیک ترجمہ "تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے"۔

دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ جو شخص رشتہ میں دور اور قریب رشتہ داروں کی وجہ سے ساقط النفقہ ہوگیا ہو اسکا حکم غیر رشتہ دار کا سا ہے اس لئے اس کو زکوۃ دیجائے۔ پس اس کو خوب سمجھ لو۔

سولھواں مسئلہ تینوں اماموں کا قول اور امام احمد رضی اللہ عنہ کی دو روایتوں میں سے ایک روایت یہ ہے کہ جو شخص اپنے وارث کو مثلاً بھائی، چچا اور ان کی اولاد کو زکوۃ دے اس کو منع نہ کیا جائے گا۔ حالانکہ امام احمد رضی اللہ عنہ کی دو روایتوں میں سے اظہر روایت یہ ہے کہ یہ جائز نہیں۔ پس پہلا قول مخفف اور

دوسرا مشدد ہے لہذا میزان کے دونوں مرتبوں کی طرف رجوع ہو گیا۔

پہلے قول کی وجہ اُن پر خرچ کرنے کے حکم کا موکد نہ ہونا ہے جیسے اصول و فروع پر خرچ کرنے کا حکم موکد ہے)۔ بلکہ بہت مرتبہ غنی رشتہ دار اُن پر احسان کرنے کی وجہ سے مخل ہو جاتا ہے تو وہ لوگ اجنبی لوگوں کی طرح ہو جاتے ہیں اس لئے اُن کو زکوۃ دیجائے۔

دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ شارع علیہ السلام کا عزیز رشتہ داروں پر خرچ کرتے رہنے کی ترغیب دینا قریب رشتہ دار کو زکوۃ لینے کی حاجت پڑنے سے باز رکھے گا۔ پس دونوں قول دو حالتوں پر محمول ہیں کیونکہ جو شخص ایسا ہو اُس کے رشتہ داروں نے صلہ رحمی کرتے رہنے کی وجہ سے اُس کو زکوۃ لینے سے بے پروا کر دیا تو اُسکو زکوۃ لینا درست نہیں اور جس کو اُس کے رشتہ داری نے زکوۃ لینے سے غنی نہ بنایا یعنی اُس کے ساتھ صلہ رحمی نہ کی تو اُس کے لئے زکوۃ لینا حلال ہے۔

سترھواں مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ کسی غلام کو زکوۃ دینا جائز نہیں حالانکہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا یہ قول ہے کہ غیر کے غلام کو زکوۃ دینا درست ہے بشرطیکہ اُس کا مولےٰ فقیر ہو۔

پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ غلام کا خرچ بذمہ مولیٰ واجب ہے۔ اس لئے اُس کو حاجت زکوۃ لینے کی نہیں۔

دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ کبھی مولے کا دیا ہوا خرچ غلام کو کافی نہیں ہوتا ہے۔ جیساکہ بخیل سوداگروں میں اکثر یہ بات پائی جاتی ہے باوجودیکہ غلام بھی اکثر ایسے دنی ہوتے ہیں کہ وہ لوگوں کا میل کچیل کھانے سے اجتناب نہیں کرتے ہیں پس زکوۃ اُس کے حق میں ایسی ہے جیسے پچھنے لگانے والے کی مزدوری کہ وہ پانی سینچنے والی اونٹنیوں اور غلام باندیوں کے کھلانے کے کام میں لائی جا سکتی ہے۔

اٹھارواں مسئلہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول اور امام احمد رضی اللہ عنہ کی دو روایتوں میں سے ایک یہ ہے کہ مالدار بیوی کو زوج کا زکوۃ دینا درست نہیں حالانکہ امام شافعی رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ جائز ہے اور امام مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ اگر عورت کی زکوۃ خاوند اُس کے خرچ اور نفقہ کے کام میں لاوے تو جائز نہیں اور اگر اُس کے نفقہ کے سوا دوسروں کے خرچ کے کام میں لاوے جیسے دوسری بیوی کی فقیر اولاد وغیرہ تو درست ہے۔ پس پہلا قول مشدد ہے اور دوسرا مخفف اور تیسرا مفصل لہذا میزان کے دونوں مرتبوں کی طرف رجوع ہو گیا۔

انیسواں مسئلہ امام مالک رضی اللہ عنہ کا قول اور امام احمد رضی اللہ عنہ کی دو روایتوں میں سے اظہر یہ ہے کہ بنو عبد المطلب کو زکوۃ دینا درست نہیں حالانکہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ اُن کو دینا درست ہے۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے۔ اور یہی گفتگو بنو ہاشم کے غلاموں کے بارہ میں ہے کہ امام ابوحنیفہ اور امام احمد رضی اللہ عنہما کے نزدیک اُن کو زکوۃ دینا حرام ہے اور امام مالک اور امام شافعی رضی اللہ عنہما کے مذہب میں سے بھی اصح یہی ہے اور یہ میزان کے دونوں مرتبوں کی طرف رجوع کرتا ہے۔

پہلے قول کی وجہ بنو عبد المطلب کو بنو ہاشم پر قیاس کرنا ہے۔ دوسرے قول کی وجہ اُن کو اُنپر قیاس نہ کرنا ہے کیونکہ بنو عبد المطلب کا اتصال رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے کمزور ہے اگرچہ وہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی

نہ ایام جاہلیت میں جدا ہوئے نہ زمانہ اسلام میں۔
اور غلاموں کو زکوٰۃ حرام ہونے کی وجہ شرف بخشنا ہے جو رسول کریم علیہ السلام کے اِس فرمان سے مفہوم ہوتا ہے کہ مولی القوم منھم" قوم کا غلام اُنہیں میں سے ہے" یعنی اگرچہ بالکل اُنہیں میں شامل نہیں ہوجاتا۔
دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ غلاموں کے نسبتی شرف سے اسقدر اتصال نہیں ہوسکتا جیسا کہ اُن کے سردار ون کا ہے۔ علاوہ اس کے یہ ہے کہ صدقہ اُن کے لئے اُسی وقت حرام ہے کہ جب وہ اُس خمس خمس کیوجہ سے غنی بنجائیں جو اُنہیں دیا جاتا ہے اور جب اُنہیں خمس خمس نہ دیا جائے تو اُن کو زکوٰۃ درست ہے۔ مگر وہ شخص مستثنے ہے جس کے پاس ہدایا اور نفلی صدقات بطور احسان کے کافی آتے ہوں۔
اور میں نے سیدی علی خواص رضی اللہ عنہ سے سنا ہے کہ بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب پر صدقہ کا حرام ہونا بطور تعظیمی حرمت کے ہے تاکہ وہ لوگوں کے میل سے پاک وصاف رہیں اور اگر وہ لے لیں تو اُن پر کچھ گناہ نہیں (انتہیٰ)
اور اس میں ایک شبہ ہے وہ یہ کہ ممکن ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ لینے کو تکلیفی حرمت کے ساتھ منع فرمایا ہو تو وہ اگر لیں گے تو گناہگار ہونگے۔ اور اللہ تعالےٰ زیادہ جاننے والا ہے۔

کتاب روزوں کے بیان میں

مسائل اجماعیہ

علماء کا اسپر اتفاق ہے کہ رمضان شریف کے روزے مسلمانوں پر فرض واجب ہیں اور اِس میں کچھ شک نہیں کہ وہ منجملہ ارکان اسلام کے ایک عظیم الشان رکن ہے اور چاروں اماموں کا اسپر اتفاق ہے کہ رمضان شریف کے روزے ہر مسلمان بالغ، عاقل، طاہر، مقیم، روزہ کی قدرت رکھنے والے پر واجب ہیں اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ حائضہ اور نفاس والی عورت پر روزہ رکھنا حرام ہے۔ اور اگر وہ روزہ رکھ لیں تو صحیح نہ ہوگا بلکہ اُس کی قضا لازم ہوگی۔ اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ حاملہ اور دودھ پلانے والی عورت کو روزہ افطار کرنا حلال ہے بشرطیکہ اُن دونوں کو اپنی جان اور اپنے بچوں کو ضرر رسانی کا اندیشہ ہو لیکن اگر روزہ رکھ لیں تو صحیح ہوجائیگا اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ مسافر اور مریض جس کے تندرست ہوجانے کی اُمید ہو دونوں افطار کرسکتے ہیں اور اگر روزہ رکھیں تو وہ بھی صحیح ہے اور اگر روزہ رکھنا ضرر رسان ہو تو مکروہ ہے۔ اور بعض اہل ظاہر کا قول ہے کہ سفر کی حالت میں روزہ صحیح نہیں ہوتا اور امام اوزاعی کا قول ہے کہ افطار کرنا مطلقاً افضل ہے۔ یعنی اس لئے شارع علیہ السلام نے سفر کے اندر روزہ رکھنے میں بھلائی کی نفی فرمائی ہے اور ارشاد فرمایا ہے کہ لیس من البر الصیام فی السفر ترجمہ "نہیں ہے بھلائی کی بات روزہ رکھنا سفر میں"۔ اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ وہ بچہ جو روزہ کی طاقت نہیں رکھتا اور وہ مجنون جو کبھی ہوش میں نہیں آتا روزہ رکھنے کے مخاطب نہیں ہیں۔ لیکن بچہ جب سات برس کا ہوجائے تو اُس کو روزہ رکھنے کا حکم کیا جائے گا۔ اور جب دس برس کا ہوجائے تو مار کر روزہ رکھایا جائے اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ رمضان شریف کے روزے چاند دیکھ لینے یا ماہ شعبان کے تیس ۳۰ دن پورے ہوجانے

واجب ہو جاتے ہیں۔ اور اماموں کا اسپر بھی اتفاق ہے کہ شعبان کا چاند ایک شخص کی شہادت سے ثابت نہیں ہوتا
اور ابو ثورؒ کا قول ہے کہ ایک کی شہادت بھی مقبول ہے۔ اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ جب چاند کسی ایسے شہر میں نظر آجائے
جو بلند زمین پر آباد ہے تو تمام دنیا کے مسلمانوں پر روزہ واجب ہے۔ مگر اصحاب امام شافعی رضی اللہ عنہ نے اسکو
صحیح کہا ہے کہ اُس شہر کے نزدیک والے شہر پر واجب ہے نہ بعید والے پر اور چاروں اماموں کا اسپر بھی اتفاق
ہے کہ نجوم کا حساب جاننے والے اور منازل قمر کے پہچان لینے کا کچھ اعتبار نہیں مگر ایک صورت میں جو قاضی ابن شریح
سے مروی ہے بہ لحاظ ماہر حساب کے۔ اور چاروں اماموں کا اسپر بھی اتفاق ہے کہ روزہ رمضان شریف میں نیت
واجب ہے اور روزہ بغیر نیت کے صحیح نہیں ہوتا اور امام عطا اور امام زفر کا قول ہے کہ روزہ رمضان شریف نیت کا
محتاج نہیں۔ اور اسپر بھی تمام کا اجماع ہے کہ اُس شخص کا روزہ صحیح ہے جس نے صبح کی ہو حالت جنابت میں لیکن ایسے
شخص کو مستحب یہ ہے کہ طلوع فجر سے پہلے غسل کرلے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت سالم بن عبد اللہ کا قول
اس کے خلاف ہے کہ اُس شخص کا روزہ باطل ہے اُسکو چاہیے کہ شام تک رُکا رہے اور پھر اس کی قضا کرے۔ اور
حضرت عروہ اور حضرت حسن رضی اللہ عنہما کا قول یہ ہے کہ اگر کسی عذر کی وجہ سے غسل کو موخر کیا تو اُس کا روزہ باطل نہوگا
اور اگر بغیر عذر کے موخر کیا تو باطل ہوگا اور امام نخعی کا قول ہے کہ اگر فرض روزہ میں جنابت پیش آوے تو روزہ
قضا کرے۔

اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ روزہ دار کے لیے غیبت و دروغ گوئی سخت مکروہ ہیں۔ اگرچہ حکماً روزہ صحیح ہے۔ اور
امام اوزاعی کا قول ہے کہ روزہ باطل ہو جاتا ہے۔ اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ جس روزہ دار نے یہ سمجھ کر کچھ کھالیا
کہ آفتاب غروب ہو گیا یا ابتک طلوع فجر نہیں ہوئی پھر بعد میں اس کے خلاف ظاہر ہوا تو اُسپر قضا واجب ہے
اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ جس روزہ دار کو قے ہو جاوے اُس کا روزہ افطار نہیں ہوا۔ امام حسن بصریؒ کا اسمیں
خلاف ہے۔ اور اس پر بھی اجماع ہے کہ جس نے رمضان شریف میں باوجود روزہ دار ہونے کے قصداً بلا عذر
ہم بستری کی تو وہ گنہگار ہوا اور اُس کا روزہ باطل ہوا اور بقیہ دن میں اُس کو شام تک رُکے رہنا چاہیے۔
اور اُسپر بڑا کفارہ لازم ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک غلام آزاد کرے اور اگر غلام نہ پاوے دو مہینے لے پے در پے
روزے رکھے۔ اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاوے اور امام مالکؒ نے فرمایا ہے کہ کفارے
میں آدمی کو اختیار ہے (کہ ان تینوں میں سے کوئی حکم بجا لاوے) اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ کفارہ اُسی وقت
واجب ہے کہ جب رمضان شریف کو ادا کرے۔ البتہ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ رمضان
شریف کی قضا میں بھی کفارہ واجب ہے اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ جس شخص نے باوجود تندرست اور مقیم ہونے کے
اگر ماہ رمضان کے کسی دن میں قصداً کھالیا تو اُسپر قضا بھی واجب ہے اور باقی دن تک رُکے رہنا بھی (شام تک
نہ کھانا نہ پینا وغیرہ) اور اسپر بھی اتفاق ہے جس نے کوئی روزہ رمضان شریف کا قصداً کھا کر فاسد کر دیا تو اُسپر
بجائے اُس کے صرف ایکدن کی قضا واجب ہے اور ربیعہؒ کا قول ہے کہ بارہ دن سے کم قضا نہ کرے اور ابن مسیبؒ
کا قول ہے کہ ہر روز کے عوض ایک مہینہ روزے رکھے اور امام نخعی کا قول کہ ایکدن کی قضا نہیں ہو سکتی مگر ایکہزار
دن کے روزوں سے۔ اور حضرت علیؓ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اس کی قضا تمام دنوں
کے روزوں سے بھی نہ ہوگی اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ اُس شخص کا روزہ صحیح نہیں جسپر تمام دن بیہوشی طاری
رہے اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ جس کے کچھ روزے رمضان کے جاتے رہے ہوں اور پھر وہ اُن کی قضا نکر سکا

اور مر گیا تو اُس سے نہ مواخذہ ہوگا اور نہ اُس پر کچھ گناہ ہوگا۔ اور امام طاؤس رح اور امام قتادہ رح کا قول ہے کہ ہر دن کے بدلہ میں ایک مسکین کو کھانا کھلانا واجب ہے اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ چاند کی تین راتوں میں روزہ رکھنا مستحب ہے اور وہ تیرہ اور چودہ اور پندرہ تاریخ ہیں۔ یہانتک وہ مسائل ہوئے جو میں نے اِس باب میں جمع پائے اور اُن علماء کے اقوال کی توجیہ عنقریب آجائے گی جنہوں نے اس باب میں ائمہ اربعہ کا خلاف کیا ہے انشاء اللہ تعالیٰ۔ رہے وہ مسائل جن میں اختلاف ہے سو اُن میں سے

مسائل اختلافیہ

پہلا مسئلہ امام احمد رضی اللہ عنہ کا قول اور امام شافعی رضی اللہ عنہ کے دو قولوں میں سے قول مرجح یہ ہے کہ حاملہ اور دودھ پلانے والی عورت جب بچے کے خوف سے افطار کریں تو اُن پر ہر دن کے عوض قضا بھی لازم ہے اور کفارہ ایک مُد۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ اُنپر کفارہ لازم نہیں۔ اِسی طرح ابن عمر رض اور ابن عباس رض کا قول یہ ہے کہ کفارہ واجب ہے نہ قضا۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف اور تیسرے میں کچھ تخفیف ہے۔ لہذا میزان کے دونوں مرتبوں کی طرف رجوع ہوگیا۔ پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ یہ ایسا افطار ہے جس سے اپنی والدہ کے ساتھ بچے نے بھی نفع حاصل کیا ہے۔

دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ کفارہ کا موضع گناہ کا ارتکاب ہے نہ ماموراتِ شرعیہ یا امرِ مباح کا۔

تیسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ اُن دونوں پر مشقت کا برداشت کرنا اور افطار نہ کرنا واجب ہے۔ کیونکہ احتمال ہے کہ شاید روزہ بچہ کو مضر ہو پس اِسی وجہ سے کفارہ اِن دونوں پر واجب ہوا نہ قضا۔ وجہ یہ کہ روزہ اُن سے ساقط ہوگیا افطار کو ترجیح دینے کی وجہ سے۔ پس اِس کو خوب سمجھ لو۔

دوسرا مسئلہ تینوں اماموں کے نزدیک جس نے روزہ کی حالت میں صبح کی پھر مسافر ہوگیا۔ تو اُسپر افطار کرنا جائز نہیں حالانکہ امام احمد رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ اُسکو افطار کر لینا درست ہے اور اِسی کو امام غزالی نے پسند کیا ہے۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے۔

پہلے قول کی وجہ حضر کو غالب کرنا ہے۔ دوسرے قول کی وجہ سفر کو غالب رکھنا ہے۔ لہذا میزان کے دونوں مرتبوں کی طرف رجوع ہوگیا۔

تیسرا مسئلہ امام ابوحنیفہ اور امام احمد رضی اللہ عنہما کا قول یہ ہے کہ مسافر جب حالت افطار میں اپنے مقام پر آجائے یا مریض اچھا ہوجائے یا بچہ بالغ ہوجائے یا کافر مسلمان ہوجائے یا حائضہ عورت پاک ہوجائے اور دن باقی ہو تو اِن سب کو لازم ہے کہ باقی دن میں (کھانے پینے وغیرہ سے) رُکے رہیں حالانکہ امام مالک اور امام شافعی رضی اللہ عنہما کا صحیح قول یہ ہے کہ یہ لازم نہیں صرف مستحب ہے۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے لہذا میزان کے دونوں مرتبوں کی طرف رجوع ہوگیا۔

پہلے قول کی وجہ اس عذر کا زائل ہوجانا ہے جو افطار کو مباح کرتا تھا۔ پس اُسپر روزہ رکھنا لازم ہے اگرچہ وہ حساب میں نہ آئے گا۔ رمضان شریف کی حرمت اِسکی مقتضی ہے۔ یہی گفتگو باقی گذشتہ مسائل میں ہے۔

دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ رُکے رہنا روزہ کے قاعدے سے خارج ہے کیونکہ روزہ کچھ دن کا اور افطار باقی کا

نہیں کرتا۔ اِس لئے اُسکو رُکے رہنا بطریق استحباب کہا جاسکتا ہے نہ بطور وجوب اسکو خوب سمجھ لو۔

وتھا مسئلہ تینوں اماموں کے نزدیک مرتد جب مسلمان ہوجائے تو اُسپر اُن روزوں کی قضا واجب ہے جو حالت ارتداد میں اس سے فوت ہوگئے ہیں۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ جب نہیں پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے۔ لہذا میزان کے دونوں مرتبوں کی طرف رجوع ہوگیا۔

لے قول کی وجہ اُسپر سختی کرنا ہے کیونکہ وہ اسلام کا ذائقہ چکھنے کے بعد مرتد ہوگیا۔

سرے قول کی وجہ یہ ہے کہ وہ شخص حالت ارتداد میں روزہ کے حکم کا مخاطب نہ تھا اس لئے کہ وہ کافر تھا۔ حق تعالےٰ فرمایا ہے کہ قل للذین کفروا ان ینتھوا یغفر لھم ما قد سلف "کہدو (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اُن لوگوں سے جو کافر ہوگئے ہیں کہ اگر وہ باز آجائیں تو اُن کے گذشتہ گناہ معاف کردے جائیں" پس خوب سمجھ لو۔

پنچواں مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ بچہ کا روزہ صحیح ہوجاتا ہے حالانکہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ صحیح نہیں۔ پس پہلا قول روزہ کے بارہ میں اس اعتبار سے ہے کہ وہ بچہ استحبابی طور پر مخاطب ہے جیسے فمن تطوع خیرا فھو خیر لہ "پس جو نفلی طور پر خیر کا مرتکب ہو تو وہ اُس کے لئے بہتر ہے"۔ اور دوسرا قول پہلے کی بہ نسبت مخفف ہے کہ اُس کا روزہ صحیح نہیں کیونکہ روزہ رکھنا ایک صمدانی صفت ہے کہ بچہ اُس کے ارتکاب اور ادا کرنے کی عادتًا طاقت نہیں رکھتا برخلاف بالغ کے کیونکہ حق تعالےٰ اُس کو ایسی قوت عطا فرماتا ہے جو اُس کو روزہ کے ادا کرنے کی مدد دیتی ہے۔

ر امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ کھانے اور پینے سے روزہ رکھنا مشروع نہیں ہوا مگر نفس اس شہوت کے توڑنے کے لئے جو تمام سال بار بار کھانے کی وجہ سے پیدا ہوگئی ہے اور وہ بچہ جس کی عمر مثلاً سات سال کی ہو اُس جامعی شہوت سے بعید ہے جو کھانے کی وجہ سے پیدا ہوگئی ہو اس لئے اُس کا روزہ قریب قریب لغو اور عبث ہوگا۔ برخلاف مراہق کے (جو بلوغ کے قریب ہو) پس خدا تعالیٰ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے کہ کس قدر نیک سمجھ سے کام لیتے تھے اور اللہ تعالےٰ باقی تمام اماموں سے بھی راضی رہے۔

ٹا مسئلہ امام ابوحنیفہ رضہ اور امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ جب مجنون اچھا ہوجائے تو اُسپر فوت شدہ روزوں کی قضا واجب نہیں۔ حالانکہ امام مالک رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ واجب ہے اور احمد رضی اللہ عنہ سے ب روایت یہی ہے۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔ اور دونوں کی وجہ ظاہر ہے۔

اتواں مسئلہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے اور یہی مذہب امام شافعی رضہ میں سے اصح ہے کہ وہ مریض جس کے تندرست ہونے کی اُمید نہ ہو اور شیخ کبیر پر روزہ واجب نہیں البتہ دونوں پر صرف فدیہ جب ہے۔ حالانکہ امام مالک رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ اُن پر روزہ ہے نہ فدیہ۔ اور امام شافعی رضہ کا ایک قول یہی ہے۔ ر امام ابوحنیفہ اور امام احمد رضی اللہ عنہما کے نزدیک ہر دن کے عوض میں گیہوں یا کھجور کا نصف صاع فدیہ ہے اور امام فعی رضہ کے نزدیک ہر دن کے بدلہ میں ایک مُد ہے۔ پس پہلے قول میں دونوں مسئلوں کے اندر تشدید ہے اور دوسرا قول ن مسئلوں میں مخفف ہے۔ اور دونوں کی وجہ ظاہر ہے۔

ٹھواں مسئلہ تینوں اماموں کا قول اور امام احمد کی بھی دو روایتوں میں سے ایک روایت یہ ہے کہ جب تیس تاریخ کی شب میں مطلع ہلال سے ورے ابر یا گرد و غبار چاند دیکھنے سے مانع ہوجائے تو روزہ واجب ں۔ حالانکہ امام احمد رضی اللہ عنہ سے اظہر روایت یہ ہے کہ اُن کے اصحاب کے نزدیک اُس شخص پر روزہ واجب

اُنہوں نے کہا ہے کہ ایسی صورت میں یہ متعین ہے کہ روزہ رمضان شریف کی نیت ہو۔ پس پہلا قول روزہ کے ترک کرنے

مخفف ہے۔ اور دوسرا اُس کے بجلانے میں مشدد ہے۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ روزہ کا وجوب صرف یا کسی دلیل سے ہوتا ہے یا گواہوں سے یا مشاہدہ سے اور یہاں

اس میں سے کچھ بھی نہیں پایا گیا۔

دوسرے قول کی وجہ احتیاط کو لینا ہے۔ اور یہ قول اُن اہل کشف کے ساتھ خاص ہے جو باوجود ابر کے چاند

دیکھ لیتے ہیں جیسا کہ اس کی اصحاب امام احمد رضی اللہ عنہ کا قول شہادت دیتا ہے وہ یہ کہ روزہ دار

کے متعین ہے کہ (صورت مذکورہ میں) رمضان شریف کی نیت سے روزہ رکھے کیونکہ تعین نیت باوجود (چاند

کے اندر) تردد ہونے کے صحیح نہیں ہو سکتا۔

اور سیدی علی خواص رضی اللہ عنہ اور اُنکی زوجہ اسی روش پر تھیں کہ دونوں بذریعہ کشف اُس شے کو معلوم کر لیتے

جو ابر کے اندر مخفی ہوتی تھی۔ اور شیاطین کو مقید کئے جاتے ہوئے اور کنوؤں اور دریاؤں میں پھینکے جاتے ہوئے

دیکھ لیتے تھے۔ اور شہر کے اکثر لوگ افطار کئے ہوتے تھے اور یہ ظاہر ہے کہ شیاطین صرف رمضان شریف کی ہی

میں مقید کئے جاتے ہیں۔ مگر مخالف کہہ سکتا ہے کہ ممکن ہے شیاطین ماہ شعبان کی اخیر شب میں مقید کئے جاتے ہیں

(رمضان شریف کی آمد کی برکت سے) کہ جب رمضان شریف آئے تو وہ مقید کئے ہوئے ہوں جس طرح ا

مسلمانوں کو شعبان کے مہینہ میں بہکاتا ہے اور گناہوں کا وسوسہ ڈالتا ہے جو رمضان شریف میں وہ کر

پس خوب سمجھ لو۔

نواں مسئلہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ اگر مطلع صاف ہو تو ہلال رمضان کے ثبوت کے واسطے ا

کثیر جماعت کی شہادت ہونی چاہئے جن کی خبر سے یقین آجائے اور ابر کی صورت میں صرف ایک

عادل کی شہادت سے بھی ثبوت ہو جاتا ہے خواہ مرد ہو یا عورت، آزاد ہو یا غلام۔ حالانکہ امام مالک رضی اللہ

کا قول یہ ہے کہ اس صورت میں بھی دو عادلوں کی ضرورت ہے۔ اسی طرح امام شافعی رضی اللہ عنہ کی دو روا

میں سے اظہر روایت یہ ہے کہ صرف ایک عادل کی شہادت سے ثبوت ہو جاتا ہے۔ پس پہلا قول مشدد ہے اور دو

میں پہلے سے کم تشدید ہے اور تیسرے میں تخفیف ہے۔

اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ آسمان جب صاف ہو گا تو کثیر جماعت کو چاند نظر آجائے گا برخلاف ابر کی صورت کے

وقت اکثر لوگوں پر یہ پوشیدہ رہتا ہے اس لئے صرف ایک ہی پر اکتفا کیا جائے گا جس طرح امام شافعیؒ اور امام احمدؒ

قولوں میں سے قول اظہر یہی ہے اور امام مالک رضی اللہ عنہ کے قول کی وجہ یہ ہے کہ دو عادلوں کی شہادت میں

زیادہ ہے کیونکہ یہ اُن کے نزدیک شہادت کے باب سے ہے نہ روایت کے باب سے برعکس امام شافعیؒ او

احمدؒ کے دو قولوں میں سے راجح قول کے۔ پس امام ابو حنیفہ اور امام مالک رضی اللہ عنہما نے رمضان شریف

روزہ کی شان کو نماز کی شان سے بڑھایا ہے کیونکہ رمضان شریف کا مہینہ قابل عظمت ہے۔ کیونکہ اُن دونوں

نزدیک وقت نماز کے ہو جانے میں صرف ایک شخص عادل کی شہادت کافی ہے اور رمضان شریف کی شرافت سے

جسم انسان میں جو شیطان کے جانے کے راستے ہیں وہ بند کر دئے جاتے ہیں بشرطیکہ غیبت اور اُن چیزوں

روزہ کو توڑ چھوڑ نہ دیا ہو جو احادیث میں وارد ہیں کہ وہ روزہ کو توڑ دیتی ہیں۔ برخلاف نماز کے کہ اُس

میں ہمارے واسطے یہ وارد نہیں ہوا کہ وہ ڈھال ہے کہ اُسکو شیطان سے بچنے کا ذریعہ بنایا جاتا ہے جسطرح روزہ

بارہ میں یہ وارد ہوا ہے کیونکہ جو شخص حقیقی روزہ رکھتا ہے اُسپر کسی گناہ گار کا بس نہیں چلتا۔ پس اس کو خوب سمجھ لو۔

دسواں مسئلہ چاروں اماموں کا مذہب یہ ہے کہ جس نے تنہا چاند دیکھ لیا تو اُس کو روزہ رکھنا چاہئے پھر اگر اُسی شخص نے شوال کا چاند دیکھ لیا تو اُس کو پوشیدہ طور پر افطار کرنا چاہئے حالانکہ امام حسنؒ اور ابن سیرینؒ کا مذہب یہ ہے کہ صرف اُس کے تنہا کے چاند دیکھ لینے سے روزہ واجب نہیں۔ پس پہلا قول روزہ دار پر مخفف ہے لیکن ثبوت کے اعتبار سے مشدد ہے اور دوسرا قول پہلے کا برعکس۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ مقصود چند عادلوں یا دو عادل یا صرف ایک عادل کی شرط لگانے سے حصول یقین ہے اور اُسکو خود دیکھ لینے سے کامل یقین ہو گیا۔ اگرچہ دوسرے لوگ اُس کے قول کا یقین نہ کریں۔

دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ کبھی حس غلطی کر جاتا ہے کہ جسطرح مرۃ صفرا کے مزاج والا کہ وہ شہد کو کڑوا محسوس کرتا ہے پس اُسکا ذوق تو صحیح ہے لیکن (فی نفسہ) حکم غلط ہے۔ اس کو خوب سمجھ لو۔

گیارھواں مسئلہ تینوں اماموں کے نزدیک یوم شک کا روزہ رکھنا صحیح نہیں۔ حالانکہ امام احمد رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ اگر اُس روز آسمان صاف ہو تو صحیح نہیں بلکہ مکروہ ہے اور اگر صاف نہ ہو بلکہ ابر ہو تو روزہ رکھنا واجب ہے۔ پس پہلا قول احتیاط میں مشدد ہے اس خوف سے کہ کہیں رمضان میں غیر رمضان نہ داخل ہو جائے۔ اور دوسرا قول مخفف ہے کیونکہ اس دن روزہ رکھنا مشروع نہیں۔ لیکن امام احمد رضی اللہ عنہ کا قول معمول بہ بنانا زیادہ بہتر ہے روزہ کے اعتبار سے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ واقع میں رمضان ہی ہو اور ضرورت کی وجہ سے نیت میں جو تردد ہوتا ہے وہ بخشدیا جائے گا۔ اور ایک زائد روزہ کچھ مضر نہ ہوگا۔

بارھواں مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ جب چاند دِن میں دیکھا جائے تو وہ آیندہ رات کا سمجھا جائیگا۔ حالانکہ امام احمد رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ اگر وہ زوال سے پہلے پہلے دیکھا گیا ہے تو گذشتہ رات کا ہے ورنہ اُس میں دونوں روایتیں ہیں۔ پس پہلا قول اس وجہ سے مخفف ہے کہ گذشتہ دن کی قضا لازم نہیں اور دوسرا قول گذشتہ دن کی قضا کے واجب ہونے میں مفصل ہے اور دونوں قولوں کی وجہ ظاہر ہے۔ اسی طرح امام احمد رضہ کی اُن دونوں روایتوں میں گفتگو ہے جو زوال کے بعد دیکھنے کے بارہ میں ہیں۔

تیرھواں مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ نیت میں تعین ضروری ہے حالانکہ امام ابو حنیفہ رضہ یہ فرماتے ہیں کہ تعین شرط نہیں ہے۔ بلکہ اگر مطلق روزہ یا نفلی کی نیت کرے تب بھی جائز ہے۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے۔ لہٰذا میزان کے دونوں مرتبوں کی طرف رجوع ہو گیا۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ تعیین منجملہ اُس اخلاص کے ہے جس کا حکم کیا گیا ہے۔

دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ مقصود یہ ہے کہ رمضان میں روزہ کا وجود پایا جائے جو ضد ہے افطار کی تاکہ مکلف اپنے ذمہ سے بری ہو جائے۔

چودھواں مسئلہ تینوں اماموں کے نزدیک رمضان کے روزہ کی نیت کا وقت غروب آفتاب کے وقت سے طلوع فجر ثانی تک کے درمیان درمیان ہے۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ رات سے نیت کرنا واجب نہیں بلکہ جائز ہے کہ رات سے نیت کرے اور اگر رات سے نیت نہ کی تو زوال سے پہلے پہلے نیت کر لینا کافی ہے۔ اور یہی گفتگو نذر معین کے روزہ میں ہے۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرے میں تخفیف ہے۔ لہٰذا میزان کے دونوں مرتبوں کی طرف رجوع ہو گیا۔

پہلے قول کی وجہ احتیاط کو لینا اور باقی اعمال شرعیہ پر قیاس کرنا ہے۔ کیونکہ وضع نیت کی اس طرح ہے کہ عبادت اول ہو سوا اُن کے جو مستثنے ہیں۔
دوسرے قول کی وجہ اثنا صوم میں نیت کے وجود پر اکتفا کرنا ہے جبکہ اکثر حصہ دن کا نہ گذر چکا ہو۔ جیسے نفلی روزہ میں اور اس قول کا قائل فجر سے تھوڑی دیر پہلے نیت کرنے کو مستحب قرار دیتا ہے نہ واجب۔ کمال کے حاصل کرنے کے لئے نہ روزہ کے صحیح ہونے کے لئے۔ پس سمجھ لو۔

پندرہواں مسئلہ

تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ روزہ رمضان کے لئے ہر شب میں علیحدہ نیت کی ضرورت ہے۔ حالانکہ امام مالک رضی اللہ کا قول یہ ہے کہ ماہ رمضان کی پہلی رات میں صرف ایک مرتبہ نیت کر لینا کافی ہے کہ میں تمام مہینہ کے روزے رکھونگا۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے۔ اور پہلے قول کی وجہ نماز پر قیاس کرنا ہے۔ اسواسطے کہ ہر نماز ایک علیحدہ عبادت ہے۔ پس یہی گفتگو ہر دن کے روزہ میں ہے۔ بالخصوص جبکہ ہر دو دنوں کے درمیان رات واقع ہوتی ہے کیونکہ بسا اوقات رات میں کھانا اور پینا اور جماع وغیرہا بھی ہوتا ہے جو روزہ کو باطل کر دیتا ہے۔ اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ شروع مہینہ سے آخر مہینہ تک ایک ہی عمل ہے (لہذا ایک ہی نیت کافی ہے) پس پہلا قول مخفف ہے اور ضعیف لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے اور دوسرا قول ان اولیاء اللہ کے ساتھ مخصوص ہے جنکو شروع مہینہ سے آخر مہینہ تک اللہ تعالے کے حضور میں حاضر رہنے کے لئے صرف ایک مرتبہ نیت کر لینا کافی ہے کیونکہ ان میں جب کوئی پہلی رات میں نیت کرے گا تو اس کی حضوری ہمیشہ رہے گی اور رات کا درمیان میں آجانا کچھ مخل نہ ہوگا۔ پس خوب سمجھ لو۔

سولھواں مسئلہ

تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ زوال سے قبل نیت کر لینے سے نفلی روزہ صحیح ہو جاتا ہے۔ حالانکہ امام مالک رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ دن میں نیت کرنے سے صحیح نہیں ہوتا جسطرح واجب اور اسی کو امام مزنی رح نے اختیار کیا ہے۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے اور پہلے قول کی وجہ اتباع شارع ع ہے کیونکہ آپ نے نوافل میں اُمت پر تخفیف کی ہے اور دوسرے قول کی وجہ نفل میں مثل فرض کی احتیاط کرنا ہے اس وجہ سے کہ ان میں سے ہر ایک شرعاً مامور بہ ہے۔ اور فرمایا ہے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص رات سے نیت نہ کرے پس نہیں ہے روزہ اُس کا ،، اور اس میں نفل بھی داخل ہے کیونکہ لفظ روزہ کا مطلق ہے اور ہو سکتا ہے کہ پہلا قول چھوٹے درجہ کے لوگوں کے ساتھ مخصوص ہو اور دوسرا بڑے درجہ کے لوگوں کے ساتھ پس خوب سمجھ لو۔

سترھواں مسئلہ

چاروں اماموں کا قول یہ ہے کہ جنبی کا روزہ صحیح ہے حالانکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور سالم بن عبداللہ رض کا قول یہ ہے کہ اُس شخص کا روزہ باطل ہے جیسا کہ شروع باب میں گذرا اور اُس کو چاہیے کہ شام تک رُکا رہے اور پھر قضا کرے۔ اسی طرح حضرت عروہ اور امام حسنؒ کا قول یہ ہے کہ اگر بلا عذر غسل میں تاخیر کی ہے تو اس کا روزہ باطل ہے۔ اسی طرح امام نخعی کا قول یہ ہے کہ اگر روزہ فرض ہے تو قضا کرے۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا قول مشدد ہے اور تیسرا قول مفصل ہے۔ لہذا میزان کے دونوں مرتبوں کی طرف رجوع ہو گیا۔ اور پہلے قول کی وجہ تقریر ہے شارع علیہ السلام کی اُس شخص پر جس نے حالت جنابت میں صبح کی حالانکہ وہ روزہ سے تھا اور آپ نے اُس کو قضا کا حکم نہیں فرمایا۔ اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ روزہ خدا کی صفت کے مشابہ ہے اس لئے ضرور ہے کہ روزہ دار شیاطین کی صفات سے پاک ہو۔ اور جنبی آدمی شیطان کی حضوری میں ہوتا ہے جب تک غسل نہیں کرتا۔ لہذا جسطرح اس کی نماز باطل ہے جو خدا تعالیٰ کی خاص حضوری سے خارج ہو جائے

اسی طرح اُس شخص کا روزہ بھی باطل ہے جو اللہ تعالیٰ کی حضوری سے نکل کر شیاطین کی حضوری میں موجود ہو۔ اسی سے قول مفصل کی وجہ بھی معلوم ہو سکتی ہے۔ رہی امام نخعی کی قول کی وجہ سو وہ یہ ہے کہ فرض سے خروج جائز نہیں برخلاف نفل کے (کہ اس سے خروج جائز ہے) یہی وجہ ہے کہ فرض کی قضا میں اُس وقت تشدد کیا جاتا ہے کہ جب وہ علیٰ وجہ الکمال نہ ادا کیا جائے۔ پس پہلا قول چھوٹے درجہ کے لوگوں کے ساتھ خاص ہے اور دوسرا بڑے درجہ کے لوگوں کے ساتھ۔ اسی طرح وہ اقوال جو دوسرے کے موافق ہیں۔

اٹھارھواں مسئلہ امام اوزاعی کا قول یہ ہے کہ غیبت اور جھوٹ سے روزہ باطل ہو جاتا ہے۔ حالانکہ باقی ائمہ کا قول یہ ہے کہ روزہ تو ہو جاتا ہے مگر ناقص ہوتا ہے پس پہلا قول اکابر کیساتھ خاص ہے اور دوسرا چھوٹے درجہ کے لوگوں کے ساتھ اور آج کل اسی قسم کے لوگ زیادہ ہیں کیونکہ ان پر کوئی ایسا دن نہیں گذرتا جو غیبت اور جھوٹ سے خالی ہو۔ اور اسی وجہ سے بعض فقرا تمام رمضان خلوت میں رہتے ہیں تاکہ غیبت کرنے یا اُس کے سننے سے محفوظ رہیں۔

اُنیسواں مسئلہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ اور اکثر مالکیہ اور شافعیہ کا قول یہ ہے کہ روزہ سے نکلنے کی نیت کر لینا روزہ کو باطل نہیں کرتا حالانکہ امام احمد رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ باطل کر دیتا ہے۔ پس پہلا قول مخفف اور چھوٹے درجہ کے لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے اور دوسرا قول مشدد اور اکابر کے ساتھ مخصوص ہے۔

بیسواں مسئلہ امام مالکؒ اور امام شافعی رض کا قول یہ ہے کہ قصداً قے کرنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ قے سے روزہ نہیں ٹوٹتا مگر جبکہ منہ بھر کر ہو۔ اسی طرح امام احمد رض سے مشہور روایت یہ ہے کہ قے روزہ کو نہیں توڑتی مگر اُسوقت جبکہ حد سے زیادہ ہو۔ اسی طرح امام حسن رض کا قول یہ ہے کہ جب دفعۃً قے آجائے تو توڑ دیتی ہے۔ پس پہلا قول اور جو اُس کے نزدیک ہے مشدد ہے اور امام حسن کا قول مشدد ہے۔ پہلے قول کی وجہ اس کی دلیل کا ثابت ہونا ہے کہ جو شخص قصداً قے کرے وہ مفطر ہو گیا اور وہاں اس کی کچھ تفریق نہیں کہ کم ہو یا زیادہ اور دوسرے قول اور اُس کے موافق کی وجہ یہ ہے کہ قے بالذات تو مفطر ہے نہیں بلکہ اسی وجہ سے مفطر ہے کہ وہ معدے کو طعام سے خالی کر دیتی ہے اس لئے جسم اسقدر کمزور ہو جاتا ہے کہ بسا اوقات اُس مرض کے خوف کی وجہ سے جو فطر کو مباح کرتا ہے افطار تک پہونچا دیتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ امام احمد اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہما نے قے کثیر میں منہ بھرنا یا زیادہ کو شرط ٹھیرایا ہے کیونکہ ایک یا دو لقمہ کی وجہ سے جسم کے اندر اتنا ضعف نہیں آتا جو افطار تک پہونچا دے۔ اور یہی وہ علت ہے جو قے کے مفطر ہونے میں ظاہر ہے جس طرح پچھنے لگانے سے افطار ہو جانے کے بیان میں عنقریب آجائے گا اس لحاظ سے کہ ہر ایک قے اور پچھنے لگانا بہت مرتبہ جسم کو اسقدر کمزور کر دیتا ہے کہ حکما اور اہل شریعت افطار کرنے کو واجب کہدیتے ہیں تاکہ روح فنا ہونے سے یا اس ضرر سے محفوظ رہے جس کی عادتاً طاقت نہیں ہوتی ہے اور امام حسن رضی اللہ عنہ کے قول کی وجہ ظاہر ہے کیونکہ اکثر قے اسقدر کھا پی لینے سے پیدا ہوتی ہے جس کی شارع ؑ نے اجازت نہیں دی اور وہ حاجت سے زائد ہے۔ کیونکہ اگر وہ بقدر حاجت کھا دے تو اُس کے اندر سے قے بر آمد نہ ہو پس فطر ہو جانے کا قول زیادہ اولیٰ ہے احتیاط پر عامل ہونے کی حیثیت سے لہذا اس روزہ کی قضا ہونی چاہیے جس میں قے آئی ہے کیونکہ جب انسان کا معدہ خالی ہو جاتا ہے تو خواہش کھانے کی ہوتی ہے اور روزہ پر کھانے کو ترجیح دینے لگتا ہے اس لئے اُسکا حکم مثل مکروہ کی ہے۔ اور مکروہ عبادت کا حکم ظاہر ہے۔ لہذا علما احتیاط میں مبالغہ کرنے اور توسط میں میان

درمیان ہیں۔

اکیسواں مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ اگر روزہ دار کے دانتوں میں کچھ کھانا رہگیا اور تھوک اُس کو بہا لے گیا تو مفطر نہ ہوگا بشرطیکہ اُس کے نکالنے سے عاجز ہو چکا ہو اور اگر اُس کو نگل گیا تو روزہ باطل ہو جائے گا۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ روزہ باطل نہ ہوگا اور بعض علما نے اُس کا چنے کے دانہ کی برابر اندازہ بیان کیا ہے اور بعض نے تل کی برابر پس پہلا قول افطار نہ ہونے میں مخفف ہے بشرطیکہ اُس کے باہر نکالنے سے عاجز آگیا ہو۔ اور نگلنے کی صورت میں افطار ہو جانے کی وجہ سے مشدد ہے۔ اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ اتنا سا کھانا جسم میں اسقدر قوت نہیں پیدا کرتا جو روزہ کی حکمت کے منافی ہو کیونکہ کھانا حرام ہونے کی اصل وجہ یہ ہے کہ کھانا معاصی اور غفلات کی طرف توجہ اور خواہش پیدا کرتا ہے اور چنے یا تل کی برابر کھانا بدن کے اندر اس میں سے ذرہ بھی پیدا نہیں کرتا۔ لیکن جب علما نے یہ دیکھا کہ اتنی مقدار کی تعیین نہیں ہو سکتی جو خواہش پیدا نہ کرے تو اُنہوں نے بالکل ہی کھانے کو حرام کہدیا کیونکہ آخر علما شریعت کے بارہ میں رسول کریم علیہ التسلیم کے امین ہیں ہر زمانہ میں اور کاٹیں میں سے کسی کو جائز نہیں کہ مثل تل کو بھی استعمال میں لادیں۔ علما کے ساتھ ادب ملحوظ ہونے کی وجہ سے جیسا کہ اُس کا بیان عنقریب اُس مسئلہ میں آجائے گا جہاں سلائی کے سر ذکر کے اندر ڈالنے یا کان میں دوا ڈالنے سے روزہ کے افطار کا بیان ہوگا اور اس تحریم کو تحریم حریم کہا جاتا ہے (یعنی احاطہ کی تحریم مطلب یہ کہ احتیاط کی وجہ سے حرمت ہوگئی کہ مبادا اُسقدر کھانا بھی روزہ کو نہ توڑ دے) اور یہ قسم تحریم کی حدیث سے ماخوذ ہے اس حدیث سے کہ کالراعی یرعی حول الحمی یوشک ان یقع فیہ ترجمہ "مثل چرنے والے کی کہ چرتا ہے گرد چراگاہ کے قریب ہے کہ واقع ہو جائے چراگاہ میں" اور علما نے جو کچھ کیا بہت اچھا کیا اللہ تعالیٰ اُن سے راضی رہے۔ اور اس کی نظیر ناف اور گھٹنے کے درمیان کسی عضو سے نفع حاصل کرنا ہے اگرچہ اصلی حرام تو مباشرت ہوتا ہے کیونکہ اُس مقام میں ایسا خون ہوتا ہے جو ذکر کو مضر ہوتا ہے جیسا کہ تجربہ میں آچکا ہے پس اسکو خوب سمجھ لو۔

بائیسواں مسئلہ تینوں اماموں کے نزدیک حقنہ افطار کر دیتا ہے سوا امام مالک رضی اللہ عنہ کی ایک روایت کے اسی طرح کان اور پیشاب گاہ کے اندر کسی چیز کا ٹپکانا اور ناک کے اندر کسی شے کا پہونچانا مفطر ہے۔ مگر امام شافعی رض کے نزدیک کیونکہ دوسرے ائمہ کا اس بارہ میں میں نے کوئی قول نہیں دیکھا۔ پس پہلا قول حقنہ کے اقوال میں سے مشدد ہے اور امام مالک رض کی روایت مخفف ہے۔ پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ پہنچانا کے مقام یا پیشاب گاہ کے راستہ سے کسی دوا کا اندر پہونچانا کبھی بدن کے اندر اسقدر طاقت پیدا کرتا ہے کہ جو روزہ کی حکمت کے منافی ہے۔ اور امام مالک کی روایت کی وجہ یہ ہے حقنہ بدن کو کمزور کر دیتا ہے اس وجہ سے کہ معدہ کی اندر کی چیز خارج ہو جاتی ہے۔ اس لئے مفطر نہیں اور صاحب اس روایت کا اس لفظ کے کہ انہا تفطر، یہ معنی بیان کرتا ہے کہ حقنہ اُس شخص کے افطار کا سبب ہو جاتا ہے جس کے حقنہ کیا جاتا ہے کیونکہ حقنہ سے معدہ میں کوئی ایسی شے باقی نہیں رہتی جس کے ساتھ قوت ہاضمہ مشغول ہو اس وجہ سے کہ آنتوں میں تکلیف ہونے لگتی ہے۔ یہانتک کہ ہر انسان مفطر ہو جاتا ہے پس اُس کے لئے فطر مباح ہو جاتا ہے۔

اور بعض علما کا قول جو یہ ہے کہ اگر روزہ دار ایسے پتھر کو نگل جائے جس میں سے ذرا بھی ہضم نہ ہو۔ یا اپنے کان میں سلائی ڈالے یا اپنے حلق میں تاگا ڈال کر نکال لے تو روزہ اُس کا ٹوٹ جاتا ہے پس یہ از قسم سد باب ہے۔

کیونکہ یہ چیزیں نہ لغت میں مطعوم کہلائی جاتی ہیں نہ شرع اور عرف میں اور نہ اِن سے بدن میں کچھ قوت پیدا ہوتی ہے۔

(اگر تم کہو) کہ کیا عالم کو ایسی چیزوں کا دیانۃً استعمال جائز ہے جو ایسی خواہش پیدا نہیں کرتیں جو روزہ کے منافی ہے۔

(تو جواب یہ دیں گے) کہ جائز نہیں اُن علماء کے ساتھ ادب کرنے کی وجہ سے جو روزہ ٹوٹنے کا فتوےٰ دیتے ہیں۔ اِس لئے کہ ممکن ہے کہ شاید علۃ ٹوٹنے کی کچھ اور ہو سوائے شہوت اور خواہش پیدا کرنے کے۔ پس خوب سمجھلو

تیئیسواں مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ پچھنے لگوانا روزہ نہیں توڑتا حالانکہ امام احمد رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ توڑ دیتا ہے۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ روزہ کی حالت میں اُس شے کا استعمال منع ہے جو شہوت اور خواہش کو قوی کرے نہ کہ جو ضعیف اور کمزور کرے اور اس قائل نے بیان کیا ہے کہ امام احمد رضی اللہ عنہ کی دلیل میں یہ تاویل ہے کہ مراد مفطر سے وہ شے ہے کہ جس کو فطر میں دخل تام ہو۔ تو وہ شخص جس نے پچھنے لگوائے ظاہر ہے کہ اُسکا روزہ ٹوٹ گیا۔ اور جو پچھنے لگانے والا ہے اُس کو اِس لئے منع کیا گیا ہے تاکہ وہ آیندہ کسی کے روزہ کے افطار کا سبب پیدا نہ کرے اور اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ جسم خون کے نکل جانے سے کمزور اور ضعیف ہو جاتا ہے بالخصوص اُس وقت کہ جب روزہ دار کا پہلے ہی سے خون کم ہو پس روزہ افطار ہو جانا محض پچھنے لگانے کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اس وجہ سے کہ مآل اُسکا افطار ہوتا ہے۔

چوبیسواں مسئلہ اماموں کا اِسپر اتفاق ہے کہ اگر کسی نے ایسے وقت کھایا کہ طلوع فجر میں شک تھا اُس کے بعد ظاہر ہوا کہ فجر طلوع ہو چکی تھی تو روزہ اُس کا باطل ہوا حالانکہ حضرت عطاء رضہ اور امام داؤد، اور اسحاق کا مذہب یہ ہے کہ اُسپر قضا واجب نہیں اور امام مالک رضہ سے منقول ہے کہ اگر وہ روزہ فرض ہو تو قضا کرے پس پہلا قول مشدد اور دوسرے میں تخفیف ہے اور تیسرا مفصل ہے

پہلے قول کی وجہ اُس کا قصور کرنا ہے کہ اُس نے باوجودیکہ رات کا وجود یقینی تھا پھر کھا ہی لیا۔

دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ کھانے سے اُسی وقت رُکنا ضروری ہے کہ جب طلوع فجر ظاہر ہو جائے۔

تیسرے قول کی وجہ روزہ میں احتیاط کرنا ہے برخلاف نفل کے کیونکہ اُس کو تو رکھ کر توڑ دینا بھی جائز ہے اور بالکل چھوڑ دینا بھی۔ بعض ائمہ کے نزدیک پس اِس کو خوب سمجھ لو۔

پچیسواں مسئلہ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رضی اللہ عنہما کا قول یہ ہے کہ روزہ دار کو سرمہ لگانا مکروہ نہیں حالانکہ امام مالک رضہ اور امام احمد رضی اللہ عنہ کے نزدیک مکروہ ہے بلکہ اگر حلق میں سرمہ کا مزہ پائے تو اُس وقت روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ اور ابن ابی لیلیٰ رحہ اور ابن سیرین رحہ کا قول یہ ہے کہ سرمہ سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرے میں تشدید اور تیسرا بالکل مشدد ہے اور تینوں قولوں کی وجوہ ظاہر ہیں۔

چھبیسواں مسئلہ تینوں اماموں کا قول ہے کہ روزہ میں قصداً ہمبستری ہو جانے کی وجہ سے جو کفارہ لازم آتا ہے وہ اِس ترتیب سے ہے کہ پہلے غلام آزاد کرے اگر طاقت نہ ہو تو مساکین کو کھلائے اگر طاقت نہ ہو تو روزے رکھے حالانکہ امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ کھانا کھلانا زیادہ بہتر ہے اور کفارہ میں

اختیار ہے کہ جو چاہے ادا کرے پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے۔
پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ آزاد کرنا اور کھانا کھلانا بہ نسبت روزے رکھنے کے زیادہ سخت ہے اور اُس کے اندر کامل تکفیر ہے۔
دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ کھانا کھلانے میں بہت سے فقرا اور مساکین کا نفع ہے بر خلاف غلام آزاد کرنے اور روزے رکھنے کے بالخصوص موسم قحط سالی میں

ستائیسواں مسئلہ امام شافعی اور امام احمد رضی اللہ عنہما کا قول یہ ہے کہ کفارہ خاوند پر واجب ہے ہمبستری کی صورت میں، حالانکہ امام ابوحنیفہ اور امام مالک رضی اللہ عنہما کا قول یہ ہے کہ دونوں پر کفارہ واجب ہے۔ اور اگر ماہ رمضان میں دو روز ہمبستری کی تو امام مالکؒ اور امام شافعی رحؒ کے نزدیک دو کفارے لازم ہیں اور امام ابوحنیفہ رحؒ فرماتے ہیں کہ اگر پہلے کفارہ نہ دے چکا ہو تو ایک ہی کفارہ ادا کرے۔ اور اگر ایک ہی دن میں دو دفعہ ہمبستر ہوا تو دوسری دفعہ وطی کرنے کی وجہ سے کوئی کفارہ لازم نہیں اور امام احمد رضؒ کا قول یہ ہے کہ اُس پر دوسرا کفارہ لازم ہے۔ اگرچہ پہلے کی طرف سے کفارہ ادا کر چکا ہو۔ پس پہلا قول خاوند پر مشدد اور زوجہ پر مخفف ہے اور دوسرا دونوں پر مشدد ہے کیونکہ نفع اُٹھانے اور لذت پانے میں دونوں شریک ہیں جو روزے کی حکمت کے منافی ہیں۔
اور اُس کے بعد کے دونوں قول امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ کے تشدید و تخفیف میں اسی پر قیاس کئے جا سکتے ہیں علما کا بیان ہے کہ کفارہ کے اندر حکمت یہ ہے کہ وہ عذاب واقع ہونے سے باز رکھتا ہے اُس شخص کو جو ایسی گستاخی کرتا ہے جس کا تعلق صرف اللہ تعالیٰ سے ہو یا اللہ اور مخلوق دونوں سے تو گویا کفارہ اُس کے واسطے مثل سائبان کی ہے جو اُس کے عذاب پہونچنے سے باز رکھتا ہے۔ جس طرح اسباب کی وجہ سے مسببات معلق رہتے ہیں۔

اٹھائیسواں مسئلہ چاروں اماموں کا اسپر اتفاق ہے کہ کفارہ اسی وقت واجب ہوتا ہے کہ جب رمضان کو ادا کرتے وقت ہمبستر ہو حالانکہ عطا رضؒ اور قتادہؒ کا قول یہ ہے کہ قضاء رمضان میں بھی واجب ہے۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔
پہلے قول کی وجہ لوگوں میں ماہ رمضان کی عزت اور حرمت کو خراب کر دینا ہے بر خلاف قضاء رمضان میں ہمبستری کرنے کے۔ کیونکہ اُس صورت میں بظاہر علانیہ حرمت میں کوئی نقص لازم نہیں آیا ہے اگرچہ حق تعالیٰ کے نزدیک قضاء اور ادا دونوں یکساں ہیں پس اسکو خوب سمجھ لو۔

انتیسواں مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ اگر ہمبستری کرتے کرتے طلوع فجر ہو گئی پھر فوراً اپنا بگاڑ کو نکال لیا تو اُسکا روزہ باطل نہ ہوا۔ حالانکہ امام مالک رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ باطل ہو گیا۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔
پہلے قول کی وجہ ظاہر ہے اور دوسرے قول کی وجہ نکالتے وقت لذت اور مزے کا پانا ہے تو گویا نکالنا بھی بقیہ جماع کا ہے جیسا کہ اکثر لوگوں کی یہی شان ہوتی ہے پس وہ نکالنے کے وقت مثل اُس شخص کی ہے جو بعد طلوع فجر کے بھی ہمبستری میں لگا رہے اور اس کی تائید اس سے خوب ہوتی ہے جو ابو ہاشم نے اُس کی نظیر بیان کی ہے اور وہ زمین مغصوبہ کی پیداوار ہے کہ وقت پیدائش وہ حرام سے حاصل ہوئی ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ پہلا قول اُن بڑے درجہ کے لوگوں کے ساتھ خاص ہو جو اپنی خواہشات پر قابو یافتہ ہیں اور دوسرا قول اُن چھوٹے درجہ کے لوگوں

کے ساتھ مخصوص ہو کہ جن پر اُن کی خواہشات قابو یافتہ ہوتی ہیں۔ پس اس کو خوب سمجھ لو۔

تیسواں مسئلہ امام ابو حنیفہ رضہ امام شافعی رضہ کا قول اور امام احمد رضہ کی دو روایتوں میں سے ایک روایت یہ ہے کہ بوسہ لینا روزہ دار کو حرام نہیں مگر اُس وقت کہ جب اُس کی شہوت کو تحریک ہوتی ہو۔ حالانکہ امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ ہر حالت میں حرام ہے پس پہلا قول مخفف اور بڑے درجہ کے لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے اور دوسرا قول مشدد اور چھوٹے درجہ کے لوگوں کے ساتھ خاص ہے مقصود اس سے سد باب ہے۔

اکتیسواں مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ اگر بوسہ لینے سے مذی برآمد ہو گئی تو روزہ افطار نہیں ہوا حالانکہ امام احمد رضی اللہ عنہ کا مسلک یہ ہے کہ افطار ہو گیا۔ اسی طرح اگر شہوت کی نظر سے دیکھا اور انزال ہو گیا تو تینوں کے نزدیک افطار نہ ہوا۔ اور امام مالکؒ یہ فرماتے ہیں کہ افطار ہو گیا۔ پس پہلا قول دونوں مسئلوں میں مخفف ہے اور دوسرا مشدد ہے۔

اور پہلے مسئلہ میں پہلے قول کی وجہ منی کا نہ آنا ہے اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ مذی میں بھی قریب منی ہی کی طرح لذت ہوتی ہے۔

اور دوسرے مسئلہ میں پہلے قول کی وجہ مباشرت کا نہ پایا جانا ہے اور دوسرے قول کی وجہ اُس لذت کا پایا جانا ہے جو حکمت صوم کے منافی ہے اور اگر یہ نہ ہوتا کہ اس قسم کی نظر مباشرت کے مشابہ ہے تو اُس سے منی کا خروج کیوں ہوتا۔

بتیسواں مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ مسافر کو افطار کرنے کی صورت میں کھانا اور پینا اور ہمبستری کرنا سب جائز ہے۔ حالانکہ امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ ہمبستری جائز نہیں اور جب مسافر فطار میں ہمبستری کرے گا اُسپر کفارہ لازم ہو گا۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرے میں تشدید ہے۔

پہلے قول کی وجہ شارع علیہ السلام کے فرمان کا مطلق ہونا ہے کہ مسافر کے لئے افطار جائز ہے پس اس کے اندر تمام اُن اُمور کی اجازت ہوئی جن سے افطار ہو جاتا ہے۔

دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ جو امر وقت حاجت اور ضرورت کے جائز کیا جاتا ہے وہ بقدر ضرورت رہتا ہے۔ اور چونکہ مسافر کھانے پینے کا حاجتمند ہوتا ہے اس لئے اُس کو اُس کی اجازت دیدی برخلاف ہمبستری کے کیونکہ وہ محض خواہش ہوتی ہے جو قوت کو کمزور کر دیتی ہے اور دن میں اُس سے اس طرح بھی استغنا ہو سکتا ہے کہ رات میں کر لے پھر دن ہی کی کیا ضرورت ہے۔

تینتیسواں مسئلہ امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کا قول یہ ہے کہ جس نے رمضان کے دن میں افطار کیا حالانکہ وہ مقیم تھا اُس پر کفارہ لازم ہے اور قضا بھی اور امام شافعی رضہ کے دو قولوں میں سے قول فرگج اور امام احمد رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ اُسپر کفارہ لازم نہیں۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے۔

دوسرے قول کی وجہ شارعؑ کی طرف سے کسی نص کا وارد نہ ہونا ہے جس سے ثابت ہوتا کہ اس سے کفارہ لازم ہوتا ہے۔

اور پہلے قول کی وجہ سختی کرنا ہے کیونکہ اُس نے حرمت رمضان میں نقص پیدا کر دیا۔ حالانکہ شارعؑ نے علماء کو اپنے بعد شریعت کا امین قرار دیا ہے اور انکو حکم کیا ہے کہ اپنے اجتہاد کے موافق عمل کریں۔ پس خوب سمجھ لو۔

چونتیسواں مسئلہ

تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ جس نے بھول کر کھا پی لیا تو اُس کا روزہ فاسد نہ ہوا حالانکہ امام مالک رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ اُس کا روزہ فاسد ہوا اور اُس کی قضا لازم ہے پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔

پہلے قول کی وجہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ "جو شخص بھولے سے کھا پی لے تو سوائے اِس کے نہیں کہ اُس کو اللہ تعالےٰ نے کھلایا پلایا ہے"۔

دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ اُس کا بھول جانا تحفظ کی دلیل ہے اگرچہ شریعت نے اُس سے گناہ کو اُٹھا دیا ہے مثلاً اُس کی ایک نظیر یہ ہے کہ کسی نے بھولکر دوسرے شخص کا کھانا کھا لیا اور اِس کے سوا اور نظائر ہیں۔ مگر وہ امر جو قصداً کھا پی لینے سے پیدا ہوتا ہے وہ بھولکر کھا لینے کی صورت میں بھی حاصل ہے۔ یعنی اُس خواہش کا پیدا کرنا جو روزہ کے منافی ہے۔ اور ہوسکتا ہے کہ پہلے قول کو عام اشخاص پر حمل کیا جائے اور دوسرے کو خواص پر۔ پس خدا تعالیٰ امام مالک رضہ پر رحم کرے کہ اُنہوں نے کسقدر دقّت نظر سے کام لیا۔ اور رحم فرمائے باقی مجتہدین پر کہ وہ کسقدر اُمت محمدیہ پر وسعت کو محبوب رکھتے ہیں۔

پینتیسواں مسئلہ

چاروں اماموں کا قول یہ ہے کہ رمضان میں اگر کسی دِن کا روزہ کھا پی لینے سے فاسد ہو جائے تو اُس کی بجائے صرف ایک دِن کی قضا لازم ہے۔ حالانکہ حضرت ربیعہ رضہ کا قول یہ ہے کہ اُسکی قضا بارہ دِن روزے رکھنے سے ہوگی۔ اسی طرح ابن مسیبؒ کا قول یہ ہے کہ ہر دِن کے عوض ایک ماہ کے روزے رکھے اسی طرح امام نخعی رح کا قول یہ ہے کہ اُس کی قضا کی یہی صورت ہے کہ ایک ہزار روزے رکھے۔ اسی طرح حضرت علیؓ اور ابن مسعودؓ کا قول یہ ہے کہ اُس کی قضا تمام عمر روزے رکھنے سے بھی نہیں ہوتی۔ پس پہلا قول مخفف اور اُسکو بعد والے میں تشدید ہے اور تیسرا قول بالکل مشدد ہے اور چوتھا اشد ہے۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ شارع علیہ السلام نے افطار کرنے والے پر سوائے اُس دِن کی قضا کے اور کچھ لازم کرنے سے سکوت فرمایا ہے۔ اور بقیہ اقوال کی وجہ اُس شخص پر سختی کرنا ہے کہ اُس نے بلا عذر روزہ کو کیوں فاسد کر دیا پھر ہر مجتہد نے اپنے اجتہاد کے موافق سختی کی اُس کی سزا کی نیت سے۔ اور حضرت علیؓ اور ابن مسعودؓ کے قول کی وجہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے روزہ کے واسطے وہی دِن مشروط کیا تھا تو اگر ابد الآباد تک روزے رکھتا رہے تو بھی اُس کو نہیں پا سکتا کیونکہ جب روزہ رکھے گا وہ اصلی شرعی وقت کا غیری ہوگا اور اِس کی نظیر ہم پہلے نماز میں بیان کر چکے ہیں اور اُس پر اِس آیت سے استدلال کر چکے ہیں کہ ان الصلوٰۃ کانت علی المومنین کتاباً موقوتا جس طرح ہم یہاں حضرت علیؓ اور ابن مسعودؓ کے قول کو اُس حدیث سے استدلال کرسکتے ہیں جو اس میں وارد ہے کیونکہ اُس دن کی قضا جس میں افطار کیا ہے مثل اُس دِن کے ہوگی نہ عین اُس کا پس اِس کو خوب سمجھ لو۔

چھتیسواں مسئلہ

امام ابوحنیفہ رضہ اور امام شافعی رحمہ کا قول یہ ہے کہ جس نے بھولکر کھا پی لیا یا جماع کر لیا اُس کا روزہ باطل نہ ہوا حالانکہ امام مالک رحمہ کا قول یہ ہے کہ باطل ہوگیا۔ اسی طرح امام احمدؒ کا قول یہ ہے کہ ہمبستر ہونے سے باطل ہوتا ہے نہ کھانے پینے سے اور جماع کی وجہ سے کفارہ بھی واجب ہے۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے اور تیسرا مفصل ہے۔

پہلے قول کی وجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ "جس نے بھول کر کھا پی لیا۔ حالانکہ وہ روزہ سے تھا تو کچھ حرج نہیں کیونکہ اُس کو خدا تعالیٰ نے کھلایا پلایا ہے" (انتہی) اور ظاہر ہے کہ جسے خدا تعالیٰ کھلا دے پلا دے اُس کا روزہ

…ی نہ ہوگا کیونکہ جب شارع ؑ نے کھانے سے منع فرمایا پھر اُس کے قدرت و اختیار کے بغیر کھانا پیٹ میں ڈالدیا تو وہ
…نہی عنہ کے نہ ہوگا۔ پس گویا کہ وہ مکلف نہی سے مستثنے ہوگیا۔ اور دراصل اِس بھولنے والے کے حق میں نہی منسوخ
…ں کیونکہ قصد اُس کا ہے نہیں اور بھول جانے کی وجہ سے عزت رمضان شریف میں کوئی نقص لازم نہیں آتا اور
…مالک رضہ کے قول بالبطلان کی علت اُس شخص کو تحفظ میں قاصر سمجھنا ہے جیسا کہ اُس کی توضیح عنقریب گذر چکی ہے
…امام احمد کے قول کی وجہ یہ ہے کہ روزہ دار سے ہمبستری کا وقوع بعید ہے۔ کیونکہ اکثر لوگ اس سے بچتے ہیں
…س وجہ سے کہ روزہ دار سے اُس کا وقوع بعد ایسے مقدمات کے ہوگا جو اُسے روزہ کی یاد دہانی کر دیں گے
…خواہش کی کمزوری جو بھوک سے پیدا ہوتی ہے پس آلہ کا انتشار بہت دشواری سے ہوگا برخلاف اس کے جو بھولکر
…لے کیونکہ اس کا وقوع تو بار بار ہوتا رہتا ہے اور جماع میں یہ بات نہیں ہے۔

۲۷ …ئیسواں مسئلہ

امام ابوحنیفہ رضہ اور امام مالک رضہ کا قول اور امام شافعی رضہ کے دو قولوں میں سے وہ قول جو
امام شافعی رضہ کے نزدیک مرجح ہے یہ ہے کہ اگر کوئی روزہ دار مکرہ اور مجبور بنا کر کھلایا
…یا گیا، یا عورت کو زبردستی ہمبستری پر قادر کیا تو اُنکا روزہ باطل نہ ہوا۔ حالانکہ امام نوویؒ کے نزدیک اصح
…ہے کہ باطل ہوگیا اور امام شافعی رضہ کا قول اخیر یہی ہے۔ اسی طرح امام احمد رضہ کے نزدیک ہمبستری کی صورت میں
…ں ہے نہ کھانے کی صورت میں۔ پس پہلا قول مخفف ہے اکراہ کے قاعدہ کے بموجب اور دوسرے میں تشدید ہے اس
…لئے کہ ایسے امور میں اکراہ بہت نادر ہے۔ اور تیسرے قول کی وجہ یہ کہ جماع بہت سخت ممنوع شے ہے اور وہ روزہ
…بہت منافی ہے اور اس جگہ جماع کے اندر چند اسرار اور رموز ہیں جنکو اہل دل والے ہی جانتے ہیں کتاب میں اُنکا
…یں ہو سکتا۔

۲۸ …ٹھائیسواں مسئلہ

امام ابوحنیفہ رضہ اور امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر اتفاق سے کلی کرتے وقت یا ناک میں
پانی دیتے ہوئے بغیر مبالغہ کے پیٹ کے اندر پانی چلا گیا تو اُس کا روزہ باطل ہوا۔ حالانکہ
…شافعی رضہ کے دو قولوں میں سے مرجح قول یہ ہے کہ باطل نہ ہوا اور یہی امام احمد فرماتے ہیں۔ پس پہلا قول مشدد اور
…مخفف ہے۔

…ے قول کی وجہ یہ ہے کہ صورت مذکورہ میں پانی کا اندر چلا جانا ایک ایسے امر کی وجہ سے ہوا ہے جس کی اجازت
…ہے۔

…قول کی وجہ روزہ کی احتیاط کو ترک کر دینا ہے کیونکہ کلی وغیرہ کرنا اُس خاص طریقہ کے ساتھ مشروط ہے کہ پانی
…کی طرف سبقت نہ کر جائے اور اگر اُسکو خوف تھا اور پھر کلی کی اور ناک میں پانی دیا اور اُس کے پیٹ کی طرف پانی
…یا تو روزہ اُس کا باطل ہے۔

۲۹ …سواں مسئلہ

امام مالک رضہ اور امام شافعی رضہ اور امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ جسپر رمضان شریف کی قضا
لازم تھی اور اُس نے باوجود قدرت کے اُس کو موخر کر دیا یہانتک کہ دوسرا رمضان آگیا تو
…باوجود قضا کے ہر دن کے بدلے میں دو رطل کا صدقہ لازم ہے۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے
…س کو تاخیر جائز ہے اور کفارہ بھی لازم نہیں۔ اِسی کو امام مزنی رح نے اختیار کیا ہے اور تینوں اماموں نے فرمایا
…تاخیر قضا کی جائز نہیں۔ پس پہلا قول پہلے مسئلہ میں مشدد ہے اور دوسرا مخفف اور تینوں ائمہ کا قول عدم جواز
…میں مشدد ہے اور اقوال ثلاثہ کی وجوہ ظاہر ہیں۔

تیسواں مسئلہ ۳۰

تینوں اماموں کے نزدیک شوال کے چھ روزے مستحب ہیں حالانکہ امام مالک رضہ یہ فرماتے ہیں کہ مستحب نہیں اور امام موصوف نے موطا میں فرمایا ہے کہ میں نے اپنے شیوخ میں کسی کو یہ روزے رکھتے ہوئے نہیں دیکھا اور مجھے خوف ہے کہ یہ روزے فرض نہ سمجھ لئے جائیں (انتہی)

پس پہلا قول بوجہ استحباب کے مشدد ہے اور اُس کی وہ حدیث ہے جو وارد ہوئی ہے کہ شوال کا روزے رکھنے والا صائم دہر کی مثل ہے اور دوسرا قول عدم استحباب کی وجہ سے مخفف ہے۔ اُس کی علت وہی ہے جو انہوں نے ذکر کی اور اگرچہ امام مالک رضہ کا یہ فرمانا باوجودیکہ حدیث وارد پر مطلع ہو جانے کے ہے تو ہو سکتا ہے کہ اُن کے نزدیک وہ حدیث درجہ صحت تک نہ پہونچی ہو۔ اِس لئے اُس پر عمل کو ترک کر کے اپنے اجتہاد سے یہ بات نکالی کہ ترک اِس سنت کا اولےٰ ہے اُس کے کرنے سے کیونکہ حدیث مردی ضعیف ہے اور ساتھ ہی اِس کا بھی خوف ہے کہ مبادا لوگ اُس کی فرضیت کا اعتقاد راسخ نہ کریں اگرچہ زمانہ دراز کے بعد کریں اس کی نظیر وہ ہے جو نصاریٰ کو اُن کے زیادہ روزے رکھنے میں واقع ہوا اور حدیث صحیح مرفوع میں ہے کہ (البتہ ضرور قدم بقدم چلوگے تم اُن لوگوں کے جو تم سے پہلے گذرے ایک ایک بالشت اور ایک ایک گز) صحابہ نے عرض کیا یا رسول خدا یہود اور نصاریٰ کے۔ آپ نے فرمایا پھر کس کے اس کو خوب سمجھ لو۔

اکتیسواں مسئلہ ۳۱

امام اعظم ابوحنیفہ رضہ اور امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ فرائض معینہ کے بعد کوئی چیز طلب علم سے افضل نہیں اُس کے بعد جہاد کا مرتبہ ہے۔ حالانکہ امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ جسمانیہ اعمال میں نماز سب سے افضل ہے اسی طرح امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ میں فرائض کے بعد جہاد کے سوا کسی شے کو افضل نہیں جانتا اور اقوال مذکورہ میں سے ہر قول کے لئے حدیث و قرآن میں دلائل ہیں پس ضرور ہے کہ ہر قول اپنے مقابل سے تخفیف یا تشدید کے ساتھ لاحق ہو۔

اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ علم تمام دین کی میزان ہے کیونکہ اگر علم نہ ہو تو نہ ہم مراتب اعمال کو جان سکتے ہیں اور نہ یہ کہ کونسی چیز کس پر فضیلت رکھتی ہے۔ اور جہاد کے افضل اعمال ہونے کی دلیل بعد طلب علم کے یہ ہے کہ جہاد کلمہ کفر کو توڑ دیتا ہے اور تکمیل احکام دینیہ اور اظہار شعائر اسلام کا راستہ کھول دیتا ہے اور نماز کے افضل اعمال بدنیہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اُس کے اندر حق تعالیٰ سے سرگوشی اور مجالست ہوتی ہے اور اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے اُس کے اندر تمام عبادات علویہ و سفلیہ کو جمع فرما دیا ہے جیسا کہ اسے اہل کشف خوب جانتے ہیں واللہ تعالیٰ اعلم۔

بتیسواں مسئلہ ۳۲

امام شافعی رضہ اور امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ جو شخص نفلی روزے یا نفلی نماز میں شروع ہو تو اُس کو اُن کا قطع کرنا جائز ہے اور کفارہ بھی لازم نہیں اور نہ اُس پر قضا ہے لیکن اگر اُن کو پورا کرے تو مستحب ہے حالانکہ امام ابوحنیفہ اور امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ اُنکا پورا کرنا واجب ہے اسی طرح امام محمد بن حسن کا قول یہ ہے کہ اگر نفلی روزہ رکھنے والا اپنے کسی بھائی کے ہاں گیا اور اُس نے اُس پر قسم کھائی تو افطار کرے قضا کرے

پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔

پہلے قول کی وجہ وہ ہے جو وارد ہوا ہے کہ نفلی روزہ رکھنے والا اپنے نفس کا مالک ہے تو اگر چاہے روزہ رکھے اور چاہے افطار کرے۔ پس جب شارع نے بندہ کو افطار اور عدم افطار کا اختیار دیدیا تو اُس پر اتمام لازم نہیں۔ اور اتمام کے واجب ہونے کی وجہ حق تعالےٰ کی حرمت کو اس سے بالاتر سمجھنا ہے کہ بندہ نے جو رابطہ اُس کے ساتھ پیدا کر لیا اُسکو توڑ ڈالے اور اُسکی تائید رسول کرم علیہ التسلیم کے اُس قول سے خوب ہوتی ہے جو آپ نے اُس شخص کے جواب میں فرمایا جس

سوال کیا تھا کہ "مجھ پر اس کے سوا کچھ اور بھی لازم ہے یعنی نماز پنجگانہ کے علاوہ"، تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ نہیں یہ کہ نفل پڑھے تو یعنی نفلی نماز میں شروع ہو جاوے۔ مطلب یہ کہ شروع ہو جانے کی وجہ سے لازم ہو جائے گی۔ اور جب تک اس میں داخل نہ ہوگا اُس وقت تک لازم نہیں۔ پس پہلا قول عوام کے ساتھ مخصوص ہے اور دوسرا اکابر و خواص کے ساتھ جس طرح عام مخلوق کی نیکیاں خواص و مقربین کے واسطے سیئات اور بُرائیاں ہوتی ہیں پس اسکو خوب سمجھ لو۔

تینتیسواں مسئلہ امام ابو حنیفہ رض اور امام مالک رض کا قول یہ ہے کہ تنہا جمعہ کے دن روزہ مکروہ نہیں۔ حالانکہ امام شافعی رض اور امام احمد رض اور امام ابو یوسف اسکو مکروہ فرماتے ہیں پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ روزہ بندہ کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور میں کھڑے ہونے کی استعداد کو قوی کر دیتا ہے جس کی نماز جمعہ اور بقیہ دن اور آیندہ شب میں ضرورت پڑتی ہے کیونکہ یوم جمعہ اہل کشف کے نزدیک یوم عرفہ کی مثل ہے اور یہ قول اُن چھوٹے درجہ کے لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے جن کو کھانا اور پینا اس سے محجوب کر دیتا ہے کہ وہ یہ سمجھیں کہ ہم اپنے پروردگار کے حضور میں حاضر ہیں۔

دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ یوم جمعہ یوم عید ہے اور عید کے دن روزہ نہیں ہوتا کیونکہ اُس دن یہ ہی مقصود ہوتا ہے کہ بندہ افطار کرے اور یہ قول اُن بڑے درجہ کے لوگوں کے ساتھ خاص ہے جو اسرار شریعت کو سمجھتے ہیں کیونکہ جمعہ کے روز تمام قلوب حق تعالیٰ کے پاس جمع ہوتے ہیں اور ارواح کے لئے یہ ہی قوت بس ہے کیونکہ جسم روح سے جھگڑا کرتا ہے اور جسمانی غذا مانگتا ہے اور سکون نہیں پاتا مگر کھانا کھانے اور پانی پینے سے اور یہ انتہا درجہ کا سرور ہے جس طرح یہ حدیث اشارہ کرتی ہے کہ "روزہ دار کے لئے دو فرحتیں ہیں ایک افطار کے وقت دوسرے پروردگار سے ملاقات کرنے کے وقت"، پس اکابر میں سے جو شخص روزہ رکھے گا اُس کا سرور کم ہو جائے گا پس ہر مقام کے لئے علیحدہ لوگ ہیں اور اس جگہ اسرار ہیں جنکا ذائقہ اللہ والے ہی جانتے ہیں کتاب میں لکھے نہیں جا سکتے ہیں۔

چونتیسواں مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ روزہ دار کو مسواک کرنا مکروہ نہیں۔ حالانکہ امام شافعی رض کا قول یہ ہے کہ بعد زوال کے مکروہ ہے اور اصحاب امام شافعی رض میں سے متاخرین نے عدم کراہت کو پسند کیا ہے پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ بھوک کے وقت جب منہ میں بدبو نہ ہو مسواک کرنے سے میل پیدا ہوتا ہے اور وہ دانتوں کی زردی یا سیاہی کا نام ہے۔ پھر اُس کے منہ کی بدبو پاس والے کو تکلیف پہونچاتی ہے اور بر تقدیر مکروہ ہونے کے مسواک یقینی ہے کیونکہ یہ ممکن ہے کہ لوگوں سے تکلیف کا دور کرنا ایسے فضائل سے مقدم ہے جنکا مرتکب قصور وار ثابت ہو۔

دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ بدبو منہ کی عبادت سے پیدا ہوئی ہے اس لئے اس کا دور کرنا مناسب نہیں اور پہلا قائل جواب دیتا ہے کہ روزہ ایک صفت صمدانی ہے اور ایسی صفت والے کو ضرور ہے کہ وہ مقدس اور جسماً اور معنًا دونوں طرح پاک رہے۔ اور اسی وجہ سے شارع علیہ السلام نے غیبت اور چغلی میں تشدد فرمایا ہے جبکہ روزہ دار اُس کا مرتکب ہو کیونکہ مفطر کیا بنسبت روزہ والے کو اس کا ارتکاب زیادہ قبیح اور حرام ہے یہی مراد اُن کے اس قول سے ہے کہ اور مستحب ہے یہ کہ روزہ والا اپنی زبان کو غیبت سے محفوظ رکھے واللہ اعلم۔

باب اعتکاف کے بیان میں

مسائل اجماعیہ

اماموں کا اتفاق ہے کہ اعتکاف مشروع ہے اور اِس میں شک نہیں کہ وہ خدا تعالیٰ سے قربت کا سبب ہے اور اسپر بھی کہ وہ ہر وقت مستحب ہے اور رمضان شریف کے اخیر عشرہ میں زیادہ افضل ہے تاکہ شب قدر کو تلاش کیا جائے اور اسپر بھی کہ اعتکاف بغیر نیت کے صحیح نہیں اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ معتکف کو ایسے امور کے لئے جو ضروری ہیں مثلاً قضاء حاجت، غسل جنابت، وغیرہ مسجد سے باہر نکلنا جائز ہے۔ اور اسپر بھی کہ اگر ایسی مسجد میں اعتکاف کیا ہو جہاں جمعہ نہ پڑھا جاتا ہو اور جمعہ کا دن آجائے تو اُس کے لئے نکلنا واجب ہے۔ اور اسپر بھی کہ اگر معتکف نے قصداً اپنی بیاہتا سے مباشرت کرلی تو اُس کا اعتکاف باطل ہو جائے اور کفارہ لازم نہ ہو۔ اور حسن بصری رح اور زہری رح کا قول یہ ہے کہ اُسپر کفارہ یمین لازم ہے۔ اسی طرح اسپر بھی اتفاق ہے کہ صبح سے رات تک بالکل چپ رہنا مکروہ ہے۔ امام شافعی رح فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے نذر مانی کہ اعتکاف میں چپ رہونگا تو اُسکو چاہئے کہ کلام کرے اور اُسپر کفارہ نہیں۔ اسی طرح اسپر بھی اتفاق ہے کہ معتکف کے لئے نماز اور قرأت قرآن اور ذکر خدا مستحب ہے اور اسپر بھی کہ اُسکو جائز نہیں کہ کوئی تجارت کرے یا کوئی صنعت و حرفت کرتا رہے۔ یہانتک وہ مسائل ہوئے جنمیں نے اس باب میں متفق علیہا پائے رہے وہ جن میں اختلاف ہے سو اُن میں سے

پہلا مسئلہ تینوں اماموں کا قول ہے کہ شب قدر بالخصوص ماہ رمضان ہی میں ہے۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ یہ فرماتے ہیں کہ وہ تمام سال میں ہوتی ہے پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے۔ پہلے قول کی وجہ وہ احادیث ہیں جو ماہ رمضان کے ساتھ تخصیص کی وارد ہیں اور کوئی ایک حدیث بھی ہمکو ایسی نہیں پہونچی جس سے ثابت ہوتا کہ غیر رمضان شریف میں بھی ہوتی ہے۔

دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ مراد شب قدر سے جنس ہے لیکن اُس کا ظہور رمضان شریف میں اکثر ہوتا ہے کیونکہ روزہ کی وجہ سے لوگوں کا پردہ باریک ہو جاتا ہے۔ اور جو شخص اُس کے دیکھنے کا دعوے کرے اُس کی سچائی کی دلیل یہ ہے کہ وہ تمام شریعت کی مقادیر اُس رات میں جان لے اور بطور الہام اُنکا ایسا ماہر ہو جائے کہ کتب شریعت کی مطالعہ کی بھی اُسے حاجت نہ رہے۔

اور میں نے سیدی علی خواص رح کو فرماتے سنا ہے کہ شب قدر ہر وہ رات ہے جس میں بندے کو اللہ تعالیٰ سے قرب حاصل ہو اور یہی منشاء اُس شخص کا ہے جو کہتا ہے کہ تمام سال ہوتی رہتی ہے۔ اور مجھے میرے بھائی شیخ افضل الدین نے خبر دی ہے کہ اُنھوں نے اُس کو ماہ ربیع الاول اور رجب میں دیکھا اور فرمایا کہ خدا تعالیٰ کے اِس قول کے معنے کہ انا انزلناہ فی لیلۃ القدر یہ ہیں کہ ”ہم نے قرآن کو اُس رات میں نازل کیا ہے جو قرب کی رات ہے“ پس ہر وہ رات جس میں قرب حاصل ہو وہ شب قدر ہے اور اِسی سے علماء میں سے اُس کے قول کی بھی تائید ہوتی ہے جو کہتا ہے کہ شب قدر تمام سال کی راتوں میں پھرتی رہتی ہے تاکہ اِس شرف کے حاصل کرنے میں تمام

تیں برابر ہو جائیں کیونکہ حق تعالیٰ کی تجلی ہمیشہ ہوتی رہتی ہے جیسا کہ اہل کشف اس کو خوب جانتے ہیں۔ اور
امام جنکے معاصرین میں سے امام سعید بن عبد اللہ ازدی سے منقول ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا کہ جب رات کا ایک ثلث باقی رہتا ہے اُس وقت ہر روز حق تعالیٰ آسمان دنیا پر نازل ہو کر ارشاد فرماتا
ہے کہ کیا کوئی مانگنے والا ہے تاکہ میں دوں اُسکو اور کیا کوئی مصیبت اور تکلیف میں ہو تاکہ آرام دوں میں اُسکو
آخر تک جس طرح حدیث میں وارد ہے۔ فرمایا جب شب جمعہ ہوتی ہے تو اُس روز حق تعالیٰ غروب آفتاب ہی سے
آسمان دنیا پر تشریف لے آتا ہے اور امام کے نماز فجر سے فارغ ہونے تک موجود رہتا ہے (انتہیٰ) تو بعض لوگوں
کو گمان ہو جاتا ہے کہ یہی رات وہ شب قدر ہے جو علماء میں مشہور ہے اور درحقیقت ایسا نہیں ہوتا بلکہ وہ ایک
دوسری شب قدر ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے علماء کا مقولہ ہے کہ جب ماہ رمضان میں عشرہ اخیرہ کی کوئی طاق رات
شب جمعہ کے موافق ہو جائے تو وہ شب قدر ہوتی ہے حالانکہ وہ مثل شب قدر ہوتی ہے نہ بعینہ تو دیکھنے والا یہ سمجھتا ہے
کہ یہ وہی شب قدر ہے اس بنا پر جتنے اقوال علماء اُس کے بارہ میں ہیں وہ سب صحیح ہیں اور ابن عطیہ نے اپنی تفسیر میں
امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ شب قدر اُٹھالی گئی اور یہ قول مردود ہے (انتہیٰ) اور حق یہ ہے
کہ مراد امام صاحب کی یہ ہے کہ وہ شب قدر جس میں قرآن شریف نازل ہوا تھا اُٹھالی گئی ورنہ امام اعظم جیسے
عالم عالم پر اُس کے حکم مخفی نہ تھے کیونکہ منجملہ اہل کشف کے ہیں اور اہل کشف کا سب کا اجماع ہے کہ وہ مقدمات
قیامت تک باقی رہے گی پس اس کو خوب سمجھ لو۔

دوسرا مسئلہ امام مالک رضہ اور امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ اعتکاف صرف مسجد ہی میں صحیح ہوتا ہے اور
جامع مسجد میں ہو تو اولےٰ اور افضل ہے حالانکہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے
کہ اعتکاف صحیح نہیں مگر اُس مسجد میں جس میں نماز جمعہ ہوتی ہو اور امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ اعتکاف صحیح نہیں مگر
اُس مسجد میں جس میں نماز جمعہ ہوتی ہو اور حضرت خدیفہ فرماتے ہیں کہ اعتکاف صحیح نہیں مگر تینوں مساجد میں۔ پس پہلا
قول مخفف اور دوسرے میں کچھ تشدید اسی طرح تیسرے میں اور چوتھا قول مشدد ہے۔
پہلے قول کی وجہ معتکف کو مسجد کے اندر حق تعالیٰ کے خاص حضور میں اطمینان قلب نصیب ہوتا ہے۔ کیونکہ مسجد
بیت اللہ کے نام سے مشہور ہے اور مخصوص ہے۔ پس اگر اُس مسجد میں جماعت اور جمعہ ہوتا ہو تو اور بھی زیادہ اطمینان
نصیب ہو گا۔ بالخصوص ان تینوں مسجدوں میں۔ اور میں نے سیدی علی خواص رضی اللہ عنہ کو فرماتے سنا ہے کہ ہو سکتا ہے
مساجد ثلاثہ یا اُس مسجد کی قید لگانا جس میں جمعہ یا جماعت کی نماز ہوتی ہو چھوٹے درجہ کے لوگوں کے ساتھ مخصوص
ہو جو اپنی جمعیت ثلاثہ میں سخت امداد کے محتاج ہوتے ہیں اور مطلق مسجد کی قید لگانا اکابر کے ساتھ خاص ہو۔
پس اسکو خوب سمجھ لو۔

تیسرا مسئلہ امام شافعی کا قول جدید یہ ہے کہ عورت کو اپنے گھر کی مسجد میں اعتکاف مکروہ ہے اور وہ وہ جگہ
ہے جو نماز کے واسطے جدا کر دی گئی ہو۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ اور امام شافعی رضہ کا قول قدیم یہ ہے کہ
افضل یہ ہے کہ عورت اپنے گھر کی مسجد میں اعتکاف کرے بلکہ دوسری جگہ اُس کا اعتکاف مکروہ ہے۔ پس پہلے قول
میں تشدید اور دوسرا مخفف ہے۔
پہلے قول کی وجہ اتباع شارع ؑ ہے کیونکہ ہم کو نہیں پہونچا کہ شارع علیہ السلام یا آپ کی عیال میں سے کسی نے غیر
مسجد میں اعتکاف کیا ہو۔ (یعنی مسجد اور جماعت کے سوا)

دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ عورت کو اپنے گھر کی مسجد میں اعتکاف کرنے سے اُس کے ستر میں نقص نہ ہوگا اور اُس حدیث پر قیاس کرکے جو عورتوں کے اپنے گھروں کے اندر نماز پڑھنے کی مسجد میں پڑھنے پر فضیلت کے بارہ میں وارد ہوئی ہیں اس علت سے کہ نماز اور اعتکاف دونوں کے اندر اطمینان قلب مطلوب ہوتا ہے پس خوب سمجھ لو۔

اور میں نے سیدی علی خواص رضی اللہ عنہ سے سنا ہے کہ درحقیقت اُس شخص کے درمیان جو عورت کے اعتکاف کو اُس کے گھر کی مسجد میں منع کرتا ہے اور اُس کے جو جائز کہتا ہے کوئی اختلاف نہیں کیونکہ جواز اعتکاف شیاطین کی اُن بندیوں کے ساتھ مخصوص ہے جن کے باہر نکلنے سے کوئی خرابی حاصل ہوتی ہو اور عدم جواز اُن بندیوں خدا کے ساتھ مخصوص ہے جن کے باہر نکلنے سے کوئی خرابی نہیں پیدا ہوتی جس طرح حضرت رابعہ بصری اور حضرت سفیانہ رضی اللہ عنہما۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ کی باندیوں کو اُس کی مساجد سے مت روکو۔ پس خوب سمجھ لو۔ کیونکہ شیطان کی باندیاں افعال قبیحہ کی وجہ سے روکی گئیں جسطرح ارشاد ہے کہ تعس عبد الدنیا والدرھم ہلاک ہو جیو دینار اور درہم کا بندہ۔ اور خدا تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی اس کی نظیر ہے کہ عینا یشرب بہا عباد اللہ یعنی وہ بندے جنکو خدا تعالیٰ کے ساتھ خصوصیت ہے۔

چوتھا مسئلہ امام ابو حنیفہ رضہ اور امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ جب خاوند اپنی بیوی کو اعتکاف کی اجازت دیدے پھر وہ اُس میں شروع ہو جاوے تو خاوند کو جائز نہیں کہ بیوی کو اُس کے پورا کرنے سے منع کرے حالانکہ امام شافعی رضہ اور امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ اُسے اُس کی اجازت ہے۔ پس پہلا قول زوج پر مشدد ہے اور اکابر کے ساتھ مخصوص ہے اور دوسرا قول اُسپر مخفف ہے اور اصاغر کے ساتھ مخصوص ہے۔

پہلے قول کی وجہ حق تعالےٰ کے اُس دربار کی تعظیم کو غالب کرنا ہے جس میں اُس کی بیوی داخل ہوگئی۔

دوسرے قول کی وجہ اپنے نفس کے حق اور حصہ کو مقدم کرنا ہے کیونکہ انسان زیادہ محتاج اور اُس کا حال بہت کمزور ہے اور وہ جانتا ہے کہ حق تعالےٰ اپنے بندوں کی طاعات اور عبادات سے بالکل مستغنی ہے اور لوگوں کا اُس کے دربار عالی شان کی طرف متوجہ ہونا اور اُس سے پشت پھیرنا اُس کے نزدیک دونوں برابر ہیں اور اُس کا اپنی طرف متوجہ ہونے کو بہ نسبت پشت دینے کے ترجیح دینا صرف ایک ایسی مصلحت کی وجہ سے ہے جو اُنہیں کی طرف عود کرتی ہے ورنہ حق تعالیٰ کا فی نفسہ کوئی فائدہ نہیں ہے پس خوب سمجھ لو۔

پانچواں مسئلہ امام ابو حنیفہ رضہ اور امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ اعتکاف بغیر روزہ کے جائز نہیں حالانکہ امام شافعی یہ فرماتے ہیں کہ جائز ہے پس پہلا قول مشدد اور چھوٹے درجہ کے لوگوں کے ساتھ خاص ہے کیونکہ جب وہ افطار کرتے اور خواہشات کے متناول ہوتے ہیں تو پھر اعتکاف کے اندر اطمینان قلب سے وہ قاصر رہتے ہیں اور دوسرا قول مخفف اور اُن بڑے درجہ کے لوگوں کے ساتھ خاص ہے جو باوجود افطار کرنے کے پھر بھی حق تعالےٰ کے ساتھ جمعیت قلب پر قدرت رکھتے ہیں اور اُس کی اصلی وجہ یہ ہے کہ خاص لوگ بقدر ضرورت کھاتے ہیں اس لئے اُن کا افطار کرنا دربار خداوندی کے مشاہدہ سے اُن کے قلوب پر حجاب کی تاثیر نہیں کرسکتا۔ پس اسکو خوب سمجھ لو۔

چھٹا مسئلہ امام مالک رضہ کا قول اور امام احمد رضہ کی دو روایتوں میں سے ایک روایت یہ ہے کہ اعتکاف بغیر ایک دن کے صحیح نہیں۔ حالانکہ امام شافعی رضہ کا قول اور امام احمد رضہ کی دوسری روایت یہ ہے کہ اُس کے لئے کوئی اندازہ معین نہیں۔ بعض دن کا بھی اعتکاف صحیح ہے۔ لہذا پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے۔

اور پہلے قول کی وجہ جو اصاغر کے ساتھ خاص ہے یہ ہے کہ حضور قلب کا حاصل کرنا اور مختلف میدانوں سے پھیر کر دلکو

…ذات پر جمع کرنا غالباً ایک پورے دن کے بغیر نہیں ہوسکتا تو درحقیقت اعتکاف تو غروب سے ذرا دیر پہلے ہوگا
…دن اُس کے لئے شل دہلیز کی ہے۔

…دوسرے قول کی وجہ جو کہ اکابر کے ساتھ مخصوص ہے کہ اکثر اکابر کا قلب حاضر رہتا ہے اِس لئے اُن کو اپنے
…ندہ دلوں کو جمع کرنے کے لئے طویل زمانہ کی حاجت نہیں بلکہ صرف اعتکاف کی نیت کرتے ہی جمعیت حاصل ہوجائے گی
…یہی اعتکاف کی حقیقت ہے کیونکہ وہ دراصل دربار خداوندی کے مشاہدہ کی طرف دل سے متوجہ رہنا ہے اسطرح
…درمیان میں پردہ حائل نہ ہو جیسا کہ حضرت عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ کا مقام ہے کیونکہ وہ فرماتے ہیں کہ مجھے
…تیس سال ہوئے ہیں کہ میں حق تعالےٰ سے کلام کرتا ہوں اور لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ میں اُن سے کلام کرتا ہوں (انتہیٰ)
…پہلے نے اصاغر کی رعایت کی ہے اور دوسرے نے اکابر کے حال کی۔

…نواں مسئلہ چاروں اماموں کا قول سوائے امام احمد کی ایک روایت کے یہ ہے کہ جس نے کسی معین مہینہ کے اعتکاف کی نذر مانی تو اُسے لازم ہے کہ وہ پے درپے ادا کرے اور اگر ایک دن میں بھی خلل
…ے گا تو جسقدر چھوٹ جائیں گے اُن کی قضا کرنی پڑے گی اور امام احمد رضہ یہ فرماتے ہیں کہ اُس کو نئے سرے سے ادا
…لازم ہوگا اور اگر مطلق کسی مہینہ کے اعتکاف کی نذر مانی تو اُسے جائز ہے کہ خواہ پے درپے ادا کرے یا متفرق طور
…امام شافعی رضہ اور امام احمد رضہ کے نزدیک اور امام ابوحنیفہ رضہ اور امام مالک یہ فرماتے ہیں کہ اُس کو پے درپے
…کرنا لازم ہے۔ اور امام احمد رضہ کی دو روایتوں میں سے ایک روایت یہی ہے پس مسئلہ اولےٰ کے پہلے قول
…کچھ تشدید ہے اور امام احمد کا قول مشدد ہے اور دوسرے مسئلہ میں پہلا قول مخفف اور اُس کے اندر دوسرا مشدد
…اور تمام اقوال کی وجوہ کتب فقہ میں ظاہر ہیں۔

…واں مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ اگر کسی معین دن کی بدون اُس کی رات کے اعتکاف کی نیت کی تو صحیح ہے حالانکہ امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ بغیر رات کو دن کی طرف ملائے صحیح نہیں اور اگر
…نے پے درپے دو دن کے اعتکاف کی نیت کی تو اُس کو اُن دو دنوں کے ساتھ اُن کی درمیان کی رات میں
…اعتکاف کرنا لازم نہ ہوگا حالانکہ امام ابوحنیفہ رضہ کا قول اور امام شافعی رضہ کے دو قولوں میں سے صحیح یہ ہے کہ اُس کو
…رات کا اعتکاف بھی لازم ہوگا پس پہلے مسئلہ میں پہلا قول صرف دن کے اعتکاف کرنے کی وجہ سے مخفف ہے۔ اور
…دوسرا قول اُس میں مشدد ہے اور یہی حکم دوسرے مسئلہ میں ہے۔ لہٰذا تخفیف اکابر کے ساتھ مخصوص ہے اور تشدید
…چھوٹے درجہ کے لوگوں کے ساتھ جن کے قلوب دنیا کے صحراؤں میں پراگندہ رہتے ہیں۔

…ں مسئلہ امام ابوحنیفہ رضہ اور امام مالک کا قول یہ ہے کہ اگر کسی نے جامع مسجد کے سوا کسی اور مسجد میں اعتکاف کیا اور پھر نماز جمعہ کے لئے نکلا تو اعتکاف اُس کا باطل نہ ہوا۔ حالانکہ امام شافعی رضہ کے دو قولوں
…سے اصح یہ ہے کہ باطل ہوا۔ مگر ہاں اگر وقت نیت اعتکاف کے نکلنے کو شرط کرلیا ہو۔ (تو باطل نہ ہوا) پس پہلا
…مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔

…قول کی وجہ اُس کے قائل کا یہ گمان کرنا ہے کہ جس وقت سے معتکف جامع مسجد کے لئے نکلا ہے اُس وقت سے
…تعالےٰ کے سامنے حاضر رہا یہاں تک کہ جامع مسجد میں داخل ہوگیا۔

…دوسرے قول کی وجہ اُس کے قائل کا گمان یہ ہے کہ مسجد سے خارج ہوتے ہی وہ حضوری منقطع ہوگئی۔
…خلاصہ اُس دم کہ جب معتکف خود اپنی اس حالت کی خبر ہمکو دیدے پس خوب سمجھ لو۔

دسواں مسئلہ

امام شافعی رضہ اور امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر معتکف نے بستی میں کسی حادثہ کی وجہ
جانے کی شرط کرلی ہو مثلاً مریض کی عیادت اور جنازہ کے ساتھ جانا تو یہ اُس کے وا
درست ہے اور اُسکا اعتکاف باطل نہ ہوگا۔ حالانکہ امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ یہ فرماتے ہیں کہ باطل ہو جا
پس پہلا قول مخفف ہے اور اکابر کے ساتھ مخصوص ہے اور دوسرا قول مشدد اور چھوٹے درجہ کے لوگوں
ساتھ مخصوص ہے جیسی کہ اُس کی توجیہ اُس کی نظیر میں گذر چکی۔

گیارھواں مسئلہ

امام ابوحنیفہ کا قول اور امام شافعی رضہ کے دو قولوں میں سے اصح قول یہ ہے کہ
نے اگر پیشاب گاہ کے سوا دوسرے جسم سے مباشرت کی اور انزال ہو گیا تو اعتکاف
باطل ہوا۔ حالانکہ امام مالک رضہ اور امام شافعی رضہ کا قول اخیر یہ ہے کہ ہر صورت میں باطل ہوا خواہ انزال
پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے اور پہلا قول چھوٹے درجہ کے لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ
صورت میں نرمی برتی گئی کہ جب انزال نہ ہو برخلاف اکابر کے۔ اور ہو سکتا ہے کہ اس کے برعکس ہو پس اکا
نرمی برتی جاوے بوجہ انزال کے کیونکہ وہ اپنے نفوس کے مالک ہوتے ہیں۔ برخلاف چھوٹے درجہ کے لوگو
کے کیونکہ اُن میں کے بعض صرف جماع کی لذت سے دربار خداوندی سے محجوب ہو جاتے ہیں اگرچہ انزال نہ

بارھواں مسئلہ

تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ معتکف کے واسطے نہ خوشبو مکروہ ہے اور نہ عمدہ لبا
حالانکہ امام احمد رضہ کا قول اُس کے مکروہ ہونے کا ہے۔ پس پہلا قول مخفف اور دو
مشدد ہے۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ معتکف دربار خداوندی میں مثل محروم کے ہے اور اُس کے واسطے خوش عیشی مناسب نہ
اور دونوں مرتبوں میں سے ہر ایک کے لئے علیحدہ لوگ ہیں اور وہ حق تعالےٰ کے سامنے عزتدار ہوتے
فرمانبرداری کی عزت کی وجہ سے جسطرح امرا مجلس ہوتے ہیں اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ حق تعالیٰ کے سامنے
ہوتے ہیں یا تو اس وجہ سے کہ اُن کے قلوب پر ہیبت ظاہر ہوتی ہے یا اس وجہ سے کہ اکثر زمانہ وہ مخالف شر
اُمور میں مشغول رہتے ہیں۔ لیکن جمہور انبیاؑ اور علما اور اولیا جب کبھی نماز یا اعتکاف میں مشغول ہوتے ہیں
حق تعالےٰ کے سامنے ذات اور صفت دونوں اعتبار سے ذلیل ہوتے ہیں یعنی اُن کے لباس اور نفوس وغیرہ
پر دلالت کرتے ہیں۔ پس خوب سمجھ لو۔

تیرھواں مسئلہ

امام مالک اور امام احمد رضی اللہ عنہما کا قول یہ ہے کہ معتکف کو یہ مناسب نہیں کہ کسی کو قر
شریف یا حدیث وفقہ کی تعلیم دے۔ حالانکہ امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعی رضہ کے نزدیک
یہ مستحب ہے اور امام مالک رضہ و امام احمد رضہ کے قول کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ قرآن اور حدیث کی تعلیم و تعلم میں تکرار
جدال اور اشکالات کرنے پڑتے ہیں اور رفع صوت کی ضرورت پڑتی ہے اور یہ اشیاء اکثر قلب کو مقصود
سے پراگندہ کر دیتی ہیں جو اعتکاف سے مراد ہے کیونکہ اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ قلب ذکر خداوندی میں مشغول
اور تو اُس کے سوا کسی اور کو نہ پکڑے۔ اسی وجہ سے اس پر اتفاق ہے کہ تلاوت قرآن اور ذکر خدائے وحدہٗ
نماز مستحب ہے۔ کیونکہ ان سب چیزوں کا خدا تعالیٰ کے سوا کسی اور سے تعلق نہیں (اگر کوئی سوال کرے) کہ قرآن
کا پڑھانا جسطرح قلب کو پراگندہ کرتا ہے۔ اسیطرح قرآن شریف کا پڑھنا بھی اس لئے کہ ذہن اُس کے معانی
متوجہ ہوتا ہے۔ پس کوئی آیت پڑھنے والے کو جنت و مافیہا کی طرف لیجاتی ہے تو وہ اُسی کا دل سے مشاہدہ کر

لگتا ہے اور کوئی آیت دوزخ وما فیہا کی طرف لیجاتی ہے تو اُس وقت اُسی کا دل سے مشاہدہ کرنے لگتا ہے اور کوئی آیت طلاق کے معنے یا عدت کے یا میراث کے معنی کی طرف لے جاتی ہے اور جو شخص قرآن شریف کے مطالب سمجھتا ہوگا اُس کو اِن اُمور سے ہرگز چارہ نہیں ہے۔

(تو جواب یہ ہے) کہ یہ وہ مقام ہے جس پر اکثر لوگ پہونچ جاتے ہیں اس لئے یہ چھوٹے درجہ کے لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے اس لحاظ سے اُن کی فکر کا معانی اور مطالب قرآن کی طرف چلا جانا اُن کے اُس مقام میں کچھ موثر نہیں برخلاف اکابر کے کیونکہ وہ اِن اُمور مذکورہ کی وجہ سے شہود حق تعالیٰ میں پراگندہ دل ہوجاتے ہیں اِس لئے یہ اُن کے خاص مقام میں تاثیر کرتے ہیں۔ لہٰذا خلاصی کی کوئی صورت نہیں رہتی مگر یہ کہ اکابر اکابرین کے مرتبوں اور مقامات کی راہ اختیار کی جائے اور وہ وہ حضرات ہیں کہ جو اپنی عقول اور افکار قرآن شریف اور ذکر خداوندی کی طرف مبذول رکھتے ہیں اور بایں ہمہ صاحب کلام سے جُدا نہیں ہوتے۔

اور میں نے سیدی علی خواص رضہ سے سنا ہے کہ قرآن کو لفظ قرآن کے ساتھ اسی وجہ سے موسوم کیا گیا ہے کہ وہ مشتق ہے لفظ قرء سے جس کے معنی جمع ہونے یا کرنے کے ہیں۔ پس ایک گروہ ایسا ہے کہ وہ اس کی تلاوت سے اپنے آپ کو اُن احکام پر جمع کرتا ہے جو اُس میں ہیں اور معانی پر اور عبرتوں پر اور توبیخات وقوارع اور زواجر وآداب پر اور ایک گروہ ایسا ہے کہ اُس کی تلاوت سے اپنے آپ کو صرف حق تعالیٰ وحدہٗ پر جمع کرتا ہے۔ اور ایک گروہ ہے جو اُس کی تلاوت سے باوجود حق تعالیٰ پر جمع کرنے کے اُن جمیع اُمور مذکورہ کا مشاہدہ بھی کرتا ہے غرض وہ حضرات نہ حق تعالیٰ کی وجہ سے احکام سے غافل ہوتے ہیں نہ احکام کی وجہ سے حق تعالیٰ سے۔ یہ حق تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔ پس اس کو جان لو۔

کتاب حج کے بیان میں

مسائل اجماعیہ

علماء کا اجماع ہے کہ حج ایک رکن ہے منجملہ ارکان اسلام کے اور وہ فرض ہے کہ ہر مسلمان بالغ، عاقل، سکت والے پر تمام عمر میں ایک مرتبہ واجب ہوتا ہے اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ جسپر حج واجب تھا اور اُس نے اُسکی ادائگی کا وقت نہ پایا اور مرگیا تو اُس سے فرض ساقط ہوگیا۔ اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ نابالغ پر حج واجب نہیں اور اگر اُس نے قبل بلوغ حج کرلیا تو اُس سے فرض حج ساقط نہ ہوا۔ اور اسپر بھی کہ جو شخص توشہ اور سواری کا مالک نہ ہو لیکن پیدل چلنے کی طاقت رکھتا ہو اور کسی ایسی صنعت سے واقف ہو جس سے خرچ کی بقدر کما سکتا ہو اُس کے لئے حج کرنا مستحب ہے۔ اور اسپر بھی کہ حج کرنے کے واسطے رہائشی مکان کا فروخت کرنا ضروری نہیں۔ اور اسپر بھی کہ حج فرض میں میت کی طرف سے نائب درست ہے اور اسپر بھی کہ طواف کرچکنے کے بعد عمرہ میں حج کو داخل کرنا جائز نہیں اور ائمہ اربعہ کا اسپر اتفاق ہے کہ حج تمتع کرنے والا اگر حاضرین مسجد حرام میں سے نہ ہو تو اسپر دم واجب ہے۔ اسیطرح حج قران کرنے والے پر اور وہ ایک بکری ہے اور طاؤس اور امام داؤد کا قول یہ ہے کہ حج قران کرنے والے پر دم واجب

نہیں آیا ان تک وہ مسائل ہوئے جومیں نے اس باب میں اجماعیہ پائے۔

مسائل اختلافیہ

پہلا مسئلہ امام ابوحنیفہ رہ اور امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ عمرہ سنت ہے نہ فرض حالانکہ امام احمد رضہ اور امام شافعی رضہ کے دو قولوں میں سے مرجح یہ ہے کہ وہ مثل حج کی فرض ہے پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ عمرہ کے افعال افعال حج کے ضمن میں آجاتے ہیں تو گویا مستقلاً عمرہ ادا کرنا حج کی طرف منتقل ہوگیا۔ اور دوسرے قول کی وجہ اس آیت کے ظاہری معنی پر عمل کرنا ہے کہ واتموا الحج والعمرة للہ یعنی حج اور عمرہ دونوں کو کامل طور پر ادا کرو۔ تو عمرہ کے واسطے ترجیح کرنے کو کافی نہ سمجھا۔ بعض علمانے دونوں قولوں میں اسطرح تطبیق دی ہے کہ حج کے مہینوں میں عمرہ کرنا مستحب ہے اور اُن کے سوا دوسرے مہینوں میں عمر بھر میں ایک دفعہ واجب ہے تو عمرہ حج کے مہینوں میں ایسا ہے جسطرح طہارت کبری کے ساتھ طہارت صغری ادا کیجائے حالانکہ وہ اس میں داخل ہوتی ہے۔ پس اگر بندہ چاہے تو صرف حج کو عمرہ کے لئے کافی سمجھے اور اگر چاہے تو حج کے ساتھ اُسکو بھی ادا کرے اس حیثیت سے کہ وہ ایک خاص قسم کی عبادت ہے (انتہی) اور اس مین ایک بات ہے اُسکو سوچلو۔ مترجم کہتا ہے شاید اسطرف اشارہ ہو کہ امام ابوحنیفہ رضہ کسی زمانہ میں اُس کے وجوب کے قائل نہیں اور ممکن ہے کہ اسطرف کنایہ ہو کہ طہارت کبری یعنی غسل جنابت وغیرہ کے لئے طہارت صغری یعنی وضو لازم نہیں ہے۔ واللہ علم

دوسرا مسئلہ ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ ہر وقت بغیر تعیین عدد کے عمرہ ادا کرنا درست ہے حالانکہ امام مالک رضہ کا قول ہے کہ ایک سال میں دو دفعہ عمرہ کرنا مکروہ ہے۔ پس پہلا قول تعیین اور انحصار نہ ہونے کی وجہ سے مخفف ہے اور اکابر کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور دوسرا قول مشدد واصاغر کے ساتھ مخصوص ہے اور اُسکی تعلیل اور تبدیل برعکس بھی ہوسکتی ہے تو پہلا قول حق میں چھوٹے درجہ کے لوگوں کے ہوا اور دوسرا قول اکابر کے حق میں جنکا مقام ادب کامل کا ہے خدا تعالیٰ کے ساتھ کیونکہ وہ حضرات حق تعالیٰ کے خاص دربار میں داخل ہونیسے حیا کرتے ہیں مگر صرف ایک سال یا ایک ماہ میں ایک دفعہ برخلاف چھوٹے درجہ کے لوگوں کے کیونکہ اُن میں سے بعض حق تعالیٰ کے دربار میں داخل ہوتے ہیں اور خلرج ہوتے ہیں حالانکہ اُس کے آداب وطریق سے بالکل ناواقف ہوتی ہیں پس وہ ایسے ہوتے ہیں کہ گویا داخل ہی نہیں ہوئے۔ اس لئے اُن کا بار بار عمرہ ادا کرنا مطلوب ہے اور یہ بہت بعید ہے کہ اُن کو اس بار بار عمرہ کے ادا کرنے سے وہ حالات حاصل ہو جائے جو اکابر کو صرف ایک دفعہ کر لینے سے حاصل ہوجاتی ہے لہذا معلوم ہوا کہ ہر امام نے ایک ایک حکمت کو لے لیا ہے چنانچہ اُن میں سے بعض نے اصاغر کے حال کی رعایت کی ہے اور بعض نے اکابر کے حال کی اور اصاغر کے حال کی رعایت کرنا زیادہ بہتر ہے کیونکہ اُنکا راستہ وہی ہے جس میں بڑے بڑے لوگ ہوکر گذرے ہیں۔

اور امام مالک رضہ نے جو ایک سال میں دو مرتبہ عمرہ کو مکروہ کہا ہے اُس کی وجہ یہ ہے کہ وہ یا جواز تکرار کی دلیل سے مطلع نہ ہوئے یا اسکا خوف کیا ہے کہ کہیں عمرہ ادا کرنے والے کے قلب میں بیت اللہ شریف کی حرمت کم نہ ہو جائے کیونکہ جب وہ ایکسال میں دو مرتبہ اُس کو دیکھے گا تو قدر میں ضرور انحطاط پیدا ہوگا۔ برخلاف سال میں ایک دفعہ ادا کرنے کے کیونکہ عمرہ ادا

کرنے والے کے قلب میں ہر سال نئی تعظیم بیت اللہ کی پیدا ہو جایا کرے گی جیسا کہ تجربہ میں آچکا ہے۔ اور یا ہر مہینہ میں نئی وقعت پیدا ہو جایا کرے گی جس طرح امام مالک رضہ کے بعض اصحاب کا قول ہے تو یہ اُس کی نظیر ہو گئی جیسے حج کرنے والے کے بارہ میں وارد ہوا ہے کہ ہر پانچ سال کے بعد بیت اللہ کی عظمت اُس کے قلب میں جدید پیدا ہو گی۔ پس خوب سمجھ لو۔

تیسرا مسئلہ

ائمہ رضہ کا قول یہ ہے کہ اُس شخص کو حج کی طرف سبقت کرنا افضل ہے جس پر واجب ہے اور اگر بعد وجوب کے تاخیر بھی کر دی تو امام شافعی رضہ کے نزدیک جائز ہے۔ کیونکہ اُن کے نزدیک حج کا وجوب فی الفور نہیں ہے۔ بلکہ علی التراخی ہے۔ اور ائمہ ثلاثہ یہ فرماتے ہیں کہ علی الفور واجب ہے اور جب واجب ہو جائے تو ہرگز تاخیر نہ کرے۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے لیکن پہلا قول چھوٹے درجہ کے لوگوں کے ساتھ خاص ہے جو ضرورتمند اور حوادث دنیویہ کے پابند ہوتے ہیں اور دوسرا قول اُن اکابر کے ساتھ مخصوص ہے جنکا کسی سے علاقہ نہیں اور یا اُن کے حجاب اُٹھائے گئے ہیں کیونکہ ایسے حضرات اس سے حیا کرتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ کے حکم میں تاخیر ہو اور ہم کو خبر پہونچی ہے کہ جب وقت اللہ تعالےٰ نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ کو ختنہ کرنے کا حکم فرمایا آپ نے فوراً بسولے سے ختنہ کر لیں۔ لوگوں نے عرض کیا حضرت آپ نے اتنا صبر بھی نہ کیا کہ اُسترہ بھی مل جاتا تو اُس سے ختنہ کرتے۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ اللہ تعالےٰ کے حکم میں تاخیر کرنا بہت سخت ہے (انتہیٰ)

چوتھا مسئلہ

امام شافعی رضہ اور امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ جو شخص بعد قدرت کے فوت ہو گیا اُس سے حج ساقط نہ ہو گا بلکہ اُس کے راس المال سے حج کرنا ضروری ہو گا خواہ وہ وصیت کرے یا نہ کرے جس طرح فرض ہوتا ہے حالانکہ امام ابو حنیفہ رضہ اور امام مالک کا قول یہ ہے کہ موت سے اُس کا حج ساقط ہو گیا اور وارثوں پر لازم نہیں کہ وہ اُس کی طرف سے حج کریں مگر اس صورت میں کہ جب وصیت کر گیا ہو تو اُس وقت ثلث مال سے حج کرا دیں۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے۔ اور دونوں قولوں کی وجہ ظاہر ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ پہلا قول خواص کے حق میں ہو اور دوسرا معمولی لوگوں کے حق میں۔

پانچواں مسئلہ

امام ابو حنیفہ رضہ اور امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ میت کی طرف سے جو حج کرایا جائے اُس کے اہل کے مکانوں سے شروع ہو حالانکہ امام مالک رضہ یہ فرماتے ہیں کہ جہاں سے وصیت کی ہو اسیطرح امام شافعی رضہ کے مذہب میں سے راجح قول یہ ہے کہ میقات سے کرایا جائے پس پہلا قول اور دوسرا قول مشدد ہے۔ اور تیسرا مخفف اور وہی قول اکثر لوگوں کے حال کے مناسب ہے کیونکہ اپنے اہل سے احرام باندھ کر جانے والے بہت کم ہیں اور جس وقت سلطان قابنیائی نے حج کیا تھا تو اُس نے مصر کے پہاڑی قلعہ سے احرام باندھا تھا پس لوگوں نے اُس کو بہت نادریات خیال کیا۔

چھٹا مسئلہ

ائمہ ثلاثہ رضہ کا قول یہ ہے کہ نابالغ بچہ کا حج اُس کے ولی کی اجازت کے ساتھ صحیح ہے بشرطیکہ لڑکا عاقل اور صاحب تمیز ہو اور جو تمیز دار نہ ہو اُس کی طرف سے اُس کا ولی احرام باندھے۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ کا قول یہ ہے کہ نابالغ بچہ کا احرام حج کے لئے صحیح نہیں۔ پس پہلا قول نابالغ بچہ کا حج صحیح ہو جانے میں مخفف ہے اور اُس کی دلیل احادیث صحیحہ میں اور دوسرا قول اس میں مشدد ہے اور اُس کی وجہ فعل حج کو بڑا سمجھنا اور ادائے مناسک میں مشقت کی کثرت ہے اور نیز یہ کہ اکثر لوگ دور دراز شہروں سے سفر کر کے حج کو جاتے ہیں اور نابالغ بچہ حق تعالیٰ کی ذات عالیہ کے مناسب جو کامل تعظیم ہے اُسکو پورا نہیں کر سکتا کیونکہ

حج حق تعالیٰ کی بہت بڑی جلوہ گاہوں میں سے ہے اس لئے وہ نہیں ادا ہوگا مگر اُس شخص سے جو حق تعالیٰ کی معرفت میں کامل ہو اسی وجہ سے صوفیہ کا مقولہ ہے کہ حج کرنے سے بیت اللہ کے صاحب (اللہ) کو پہچان لے پھر حج کر اور یہی وجہ ہے کہ تمام عمر میں صرف ایک مرتبہ واجب ہے پس خوب سمجھ لو۔

ساتواں مسئلہ

ائمہ ثلاثہ رہ کا قول یہ ہے کہ اُس شخص کا حج مکروہ ہے جو راہ میں سوال کرنے کا محتاج ہو۔ حالانکہ امام مالک رہ کا قول یہ ہے کہ اگر اُس کو سوال کرنے کی عادت ہے تو اُس پر حج واجب ہے پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے اور امام مالک رہ کا قول انتہا درجہ کی تحقیق ہے کیونکہ اُس کے اندر دونوں قولوں میں جمع ہونا لازم آگیا پس اُسے حج مکروہ ہوگا جو منجملہ عزت دار لوگوں کے ہے جیسے علما اور بزرگان دین اور علاوہ ان کے جو بھی اصحاب مراتب ومدارج میں سے ہو۔ اور ذیل کے لوگوں کے حق میں مکروہ نہ ہوگا۔ علی ہذا القیاس اُن کے لئے بھی جو فقیر ہیں اور دنیا اور اہل دنیا سے علیحدہ رہتے ہیں (اگر کوئی سوال کرے کہ توشہ اور سواری اور راستہ کا خرچ شرط کرنے میں کیا فائدہ ہے اور ہو سکتا ہے کہ خرچ اور توشہ اُس سے کم ہو جاوے مثلاً اُس سے گر پڑے یا چور چرالے یا سواری مرجائے۔)

تو جواب یہ ہے کہ فائدہ اس میں یہ ہے کہ جو شخص توشہ اور سواری پالیگا تو اُسکا سفر ایسا ہوگا گویا کہ شارع کی تحت نظر ہے اِس لئے سزاوار ہوگا کہ اُسکو آفات وبلیات سے بچایا جاوے اور اگر باایں ہمہ بھوک اور پیاس اور مصیبت میں انتقال کر جائے تو خدا تعالیٰ کا فرمانبردار مرے گا اور برخلاف اُس کے جو بغیر توشہ اور سواری کے حج کو جائے اور بھوک ومصیبت میں انتقال کرے تو وہ عاصی اور نافرمان مرے گا اور شارع صرف اُسی شخص کا ذمہ دار ہے جو اُس کے زیر حکم ہو۔ کیونکہ ایسا شخص اگرچہ اُس کی سواری فوت ہو جائے یا اُس کا خرچہ چوری ہو جائے اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری میں ہے۔ پس وہ ضرور کسی ایسے شخص کو تابعدار کرے گا جو راستہ میں اس کے خرچہ کا کفیل ہو جائے اپنے پروردگار کا ادب کرکے پس لایق ہے کہ پہلے بندہ توشہ اور سواری حاصل کرے۔ اُس کے بعد اس خدا تعالیٰ پر بھروسہ کرے جو سواری میں طاقت کا پیدا فرمانے والا ہے اور خرچہ اور توشہ کا بخشنے والا ہے نہ اُس کے سوا دوسرے پر۔ اور یہ اس باب سے ہے کہ کہا جاتا ہے پہلے سوچ اور سمجھ اُس کے بعد بھروسہ کر پس معلوم ہوا کہ فقیر کو مناسب نہیں کہ وہ باوجود نادار ہونیکے صرف اس بھروسہ پر حج کو چلدے کہ اللہ تعالیٰ راستہ میں کام بنا دیگا۔ اور یہ خیال کرے کہ اللہ تعالیٰ مجھے ضائع نہ کرے گا کیونکہ اس میں شارع کی مخالفت لازم آتی ہے اور فرمایا ہے حق تعالیٰ نے (وتزودوا فان خیر الزاد التقویٰ) "اور توشہ تیار کرو پس بیشک بہتر توشہ تقویٰ ہے" آگے فرماتے ہیں واتقون یا اولی الالباب یعنی "اے سمجھ دار لوگو مجھ سے ڈرو" تو جسمانی توشہ کا حکم فرمایا جو کھانا ہے اور روحانی کا بھی جو تقوےٰ ہے اور اسکا بھی کہ وہ توشہ حلال اور خالص خدائے کریم کے لئے ہونا چاہئے کیونکہ فاتقون یا اولی الالباب کے معنی یہ ہیں کہ توشہ اور حج کے اعمال میں مجھ سے ڈرو۔

(اگر کوئی کہے کہ بعض مشائخ سلف حالانکہ منجملہ اکابر کے شمار کئے جاتے تھے اور پھر حج کے لئے بغیر توشہ اور سواری کے نکل جاتے تھے اور یہ ادب میں نقص کی دلیل ہے) تو جواب یہ ہے کہ شاید یہ فعل اُن سے کامل ہونے کے قبل سرزد ہوا ہوگا۔ علاوہ بریں یہ ہے کہ وہ حضرات سفر حج وغیرہ کے واسطے اُس وقت نکلتے تھے بغیر توشہ اور ربانی کے کہ پہلے حضر میں اپنے نفس سے بہت مرتبہ ریاضت اور مشقت کرا لیتے تھے۔ بسا اوقات چالیس روز اور اس سے بھی زیادہ دنوں تک بھوکے رہتے تھے اور نہ کھانے کی انہیں خواہش ہوتی تھی نہ پینے کی تو ایسے شخص پر جسکا یہ حال ہو

کوئی اعتراض نہیں ہوا سوائے اس کے کہ اُس نے درجہ کمال کو چھوڑ دیا جوازمیں کوئی شبہ نہیں۔ اور اگر یہ بات نہوتی کہ وہ اپنے نفس سے راضی ہوتے ہیں اور یہ جانتے ہیں کہ کھانے پینے کی ضرورت نہ پڑے گی تو وہ ہرگز بغیر توشہ کے نہ نکلتے اگرچہ لوگ انہیں حکم بھی کرتے کیونکہ اُن کی رائے حماقت آمیز ہوتی بلکہ وہ اُسکا انکار کرتے۔

اور میرے بھائی شیخ افضل الدین نے مصر سے حج کیا تھا اور صرف چار چپاتیاں ہمراہ تھیں تو ہر منزل پر ایک چپاتی کھا لیتے تھے۔ پس اپنے آپ کو اس سے بچاؤ کہ ہر ایک شخص پر ایک ہی حکم جاری کر دیا فقرا پر اعتراض کا دروازہ کھولدو۔ ہاں اسوقت مناسب ہے کہ جب اُن کے حال کی خوب تفتیش کرلو۔ واللہ اعلم۔

آٹھواں مسئلہ ائمہ ثلاثہ رضہ کا قول ہے کہ اُس شخص کا حج صحیح ہے جو اُس راستہ میں خدمت پر مزدور رکھا گیا ہو حالانکہ امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ اُس کا حج صحیح نہیں پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ جو شخص لوگوں کی خدمت کے لئے سفر کرے اُس نے اللہ تعالےٰ اور بندوں کے دونوں کے حقوق کو جمع کر لیا۔ اور یہ قول اُن اکابر کے ساتھ مخصوص ہے جو اپنے اعمال کے ساتھ خواہ وہ دُنیویہ ہوں یا دینیہ صرف خدا تعالیٰ ہی کا قصد کرتے ہیں اور اُن کو ایک حق دوسرے حق سے معرض نہیں بناتا اور ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ خدمت اکثر انہیں اوقات میں کرنی پڑتی ہے جو اعمال مناسک سے خالی ہوتے ہیں پس اُس کے کسب میں کوئی شبہ نہیں اور نہ اُس کے عمل حج میں کسی اور فعل کی شرکت ہے لہذا کراہت کیوں ہو خوب سوچلو۔

دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ وہ اصاغر کے حال پر محمول ہے جن کا قصد طلب دنیا کی طرف مشغول ہوتا ہے۔ اور آجکل اکثر لوگوں کا یہی حال ہے پس بعض اماموں نے تو اکابر کے حال کی رعایت کی اور بعض نے اصاغر کے حال کی جسطرح نوکری پیشہ اور حمال وغیرہ۔

نواں مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ اگر کسی چوپائے کو غصب کر کے اُس پر چڑھکر حج کو گیا یا مال کو غصب کر کے اُس سے حج ادا کیا تو وہ حج صحیح ہے اگرچہ گناہگار ہوگا حالانکہ امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ اُس کا حج صحیح نہیں اور کافی نہ ہوگا اگر کیا پس پہلے قول میں تخفیف ہے اور دوسرا مشدد۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ حرمت افعال حج کے علاوہ ایک امر خارجی کی وجہ سے ہے۔ لہذا وہ بطلان حج کی تاثیر نہیں کرسکتا اور یہ قول چھوٹے درجہ کے لوگوں کے ساتھ خاص ہے اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے فعل میں گناہگار ہے اور گناہگار پر حق تعالیٰ کا غضب ہے اس لئے وہ راضی نہ ہوگا مگر اُس وقت کہ وہ تائب ہو جائے اور توبہ اُسی وقت صحیح ہوگی کہ اُس کا حق ادا کر دے اور جب کی توبہ صحیح نہ ہوگی اُس کو حق تعالیٰ کے دربار میں داخل ہونا صحیح نہ ہوگا اگر وہ مکہ شریف میں داخل ہو بھی گیا تو وہ ایسا ہوگا جیسے ابلیس لعین مسجد میں داخل ہو جائے تو وہ اگرچہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں موجود ہے مگر ملعون ہے پس خوب سوچلو۔ اور یہ قول اکابر کے ساتھ مخصوص ہے۔

دسواں مسئلہ ائمہ ثلاثہ رضہ کا قول یہ ہے کہ اُس شخص پر حج واجب نہیں ہے جسپر راستہ کی حفاظت کرنے کی اجرت لازم ہو حالانکہ امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر وہ تھوڑی سی ہو تو واجب ہے بشرطیکہ دشمن کا خوف نہ ہو پس پہلا قول مخفف ہے اور دوسرا مفصل اور دونوں قولوں کی وجہ ظاہر ہے اور ہوسکتا ہے کہ پہلا قول اُن لوگوں کے حال پر محمول ہو جو دنیا کو آخرت پر مقدم جانتے ہیں اور دوسرا اُن کے مخالفین پر اور اللہ تعالیٰ کسی نفس کو وسعت سے باہر بات کی تکلیف نہیں دیتا۔

گیارھواں مسئلہ ہر دو اماموں کا قول یہ ہے کہ حج کے لئے دریا کا سفر کرنا واجب ہے جبکہ وقت غالب

سلامتی ہو حالانکہ امام شافعی رض کے دو قولوں میں سے ایک یہ ہے کہ واجب نہیں۔ پس پہلے قول میں تشدید ہے اور دوسرا مخفف

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ وہ شخص عادتاً استطاعت والا ہے۔

اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ دریا کے طوفان سے امن اور بے خوفی نہیں ہوتی۔ اور کبھی اسقدر باد تند کسی سال میں چلنے لگتی ہے کہ جتنے لوگ کشتی میں ہوتے ہیں سب غرق ہو جاتے ہیں اور کسی کو معتبر خبر اس کی نہیں ہوتی کہ آیندہ سال کیا وقوعہ ہوگا۔ کیونکہ پانچ سال برابر سواری اچھی طرح صحیح سالم پہونچتی ہے اور اتفاق سے اسی سال میں غرق ہو جاتی ہے برخلاف خشکی کے کہ اگر راستہ میں عاجز بھی ہو جائے گا تو اور حجاج اور بادیہ نشینیاں لوگ اس کو مل جائنگے جو اسے اٹھا کر لیجائیں گے۔ اور ہو سکتا ہے کہ پہلا قول اُن لوگوں پر محمول ہو جن کو حق تعالیٰ نے یقین اور توکل کی قوت عنایت فرمائی ہے اور دوسرا اُن لوگوں پر جو اس کی ضد ہیں۔

بارھواں مسئلہ ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ جو شخص اپنے آپ حج کرنے سے عاجز ہو جائے بوجہ کسی مرض کے جس کے اچھے ہونے کی اُمید نہ ہو یا بوجہ لنج ہو جانے کے یا بوجہ سخت بوڑھا ہو جانے کے اور اسقدر وہ مال کا مالک ہو جس سے اُس شخص کے کرایہ وغیرہ کا انتظام ہو سکے جو اُس کی طرف سے حج کرنے کو جائے تو اُسپر حج فرض ہے۔ پس اگر اُس نے روانہ کیا تو وہ فرض اُس کے ذمہ باقی رہا۔ حالانکہ امام احمد رض کا قول یہ ہے کہ اُسپر حج واجب نہیں اور حج صرف اُسی پر واجب ہے جو بنفس نفیس ادا کرنیکی طاقت رکھے پس پہلا قول فرض کے باقی رہنے کی وجہ سے مشدد ہے اور دوسرا مخفف۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ حج اصاغر کے حق میں نیابت کو قبول کرتا ہے جس طرح وہ کہتے ہیں (لعلی اراھم او اریٰ من یراھم ترجمہ" تاکہ میں انکو دیکھ لوں یا اُس کو جو اُنہیں دیکھ لے" جب کہ وہ اُس مشقت کے تحمل سے عاجز ہو جائے جو اُس کے دربار محبوب کی طرف سفر کرنے میں واقع ہوگی۔

دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ عاشقوں کو صرف سلام کا پہونچا دینا یا قاصد بھیجدینا تسلی بخش اور شافی نہیں ہو سکتا بالخصوص اُس وقت کہ جب حج سے مقصود اعظم اُن ذوات کا پاک کرنا ہے جو اُن درگاہوں میں واقع ہوتی ہیں اور قائم مقام کا پاک ہو جانا اُس شخص کے لئے کافی نہیں ہو سکتا جس نے اُس کو اُجرت پر حج کے لئے روانہ کیا ہے۔ بلکہ اکابر پر لازم ہے کہ وہ بذات خود اُس دربار میں جاویں اگرچہ راستہ میں مرجاویں کیونکہ حق تعالےٰ فرماتا ہے "جو شخص اپنے گھر سے اللہ اور اُس کے رسول کی طرف ہجرت کی نیت سے نکلا پھر اُس کو راہ میں موت نے پکڑ لیا تو اُس کا اجر اللہ تعالیٰ پر واجب ہو گیا" پس خوب سمجھ لو۔ اور کسی شاعر نے کہا ہے۔ ؎

فو اللہ ما یشفی الفلیل رسالۃ ولا یشتکے شکوی المحب رسول

ترجمہ "پس قسم ہے خدا کی نہیں شفا دیسکتا پیاسے کو پیغام بھیجنا اور اظہار شکایت کا قاصد مثل خود مشتاق کے نہیں کر سکتا"

تیرھواں مسئلہ ائمہ اربعہ کا قول ہے کہ جس شخص نے کسی سے اُجرت پر حج کرایا تو حج اُسی کی طرف سے ہوگا جس کی طرف سے کیا گیا حالانکہ امام ابو حنیفہ رض کی ایک روایت ہے کہ حج، حج کرنے والے کا ہوگا اور جس نے حج کرایا اُس کو خرچہ دینے کا ثواب ہوگا۔ پس پہلا قول مجوج عنہ سے مخفف ہے اور دوسرے میں تشدید ہو اور ان دونوں قولوں کی توجیہیں پہلے دونوں قولوں کے قریب ہیں۔ پس خوب سمجھ لو۔

چودھواں مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ نابینا کو اگر کوئی لیجانے والا ملجائے تو اُسکو خود حج کرنا ضروری ہوگا اور اُسکو نائب بنانا درست نہ ہوگا۔ حالانکہ امام حنیفہ رض کا قول یہ ہے کہ اُس کے

مال ہیں سے حج کرانا ضروری ہوگا اس لئے وہ حج کرنے کا نائب بنا سکتا ہے پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے اور اُن دونوں قولوں کی وجہ وہی ہے جو اُن سے پہلے دونوں کی ہے جیسے اصاغر نائب بنا سکتے ہیں اور اکابر خود حج کریں اپنی ذوات کے پاک کرنے کے لئے۔

پندرھواں مسئلہ امام ابوحنیفہ رضہ اور امام احمد رضہ کا قول اور امام شافعی رضہ کے دو قولوں میں سے صحیح یہ ہے کہ حج تطوع (نفلی) میں میت کی طرف سے نائب بنانا جائز نہیں۔ برخلاف حج فرض کے کیونکہ اُس میں بالاتفاق درست ہے جیسا کہ شروع باب میں گذر چکا۔ حالانکہ امام شافعی رضہ کا قول آخیر یہ ہے کہ حج نفلی میں بھی نائب بنانا درست ہے میت کی طرف سے پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ حج فرض کے ترک کرنے میں رخصت نہیں ہے پس جو شخص اپنے آپ ادا کرنے سے عاجز ہو جائے اُس کو نائب بنانا درست ہے برخلاف حج نفلی کے کہ جس کا ضرورت بھی نہیں اور بلکہ باوجود قدرت کے اُس کا ترک جائز ہے۔

اور دوسرے قول کی وجہ امام شافعی رضہ کی یہ ہے کہ حج ہر حال میں قربت ہے تو اُس میں نیابت کا جائز رکھنا مثل فرض کی بوجہ دونوں میں قربت پائے جانے کے ہے اگرچہ وہ دونوں وجوب اور استحباب میں الگ الگ ہیں۔

سولہواں مسئلہ امام شافعی رضہ کا قول اور امام احمد رضہ کی دو روایتوں میں سے اشہر روایت یہ ہے کہ جس سے اب تک حج فرض ساقط نہیں ہوا اُسکو غیر کی طرف سے حج کرنا جائز نہیں پس اگر کسی پر حج فرض تھا اور اُس نے دوسرے کی طرف سے ادا کیا تو وہ اُس کا اپنا فرض ادا ہوگا۔ حالانکہ امام احمد رضہ کی دوسری روایت ہے کہ اُس کا احرام ہی منعقد نہ ہوگا نہ اپنی طرف سے نہ غیر کی۔ اسی طرح امام ابوحنیفہ رضہ اور امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ جائز ہے مگر کراہت کے ساتھ پس پہلے قول میں تشدید ہے اور امام احمد رضہ کی روایت ثانیہ مشدد ہے اور تیسرا قول مخفف ہے۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ حج کا حکم پہلے بندہ کے فرض کی طرف رجوع ہوتا ہے تاکہ وہ اُس سے سبکدوش ہو جائے جس کی اُسے تکلیف دی گئی ہے پس جب اپنے فرض کو پورا کر چکے تو اُسے دوسرے کی طرف سے حج کرنا درست ہے۔

اور امام احمد رضہ کی روایت کی وجہ یہ ہے کہ غیر شخص کی طرف سے احرام کی نیت کرنا باوجودیکہ اُسپر فرض باقی ہو قواعد شریعت سے خارج ہے اور ہر وہ عمل جو قواعد شریعت سے خارج ہو وہ مطلقاً مردود ہے کیونکہ وہ بالکل صحیح نہیں اور یا ناقص ہے جس طرح نماز (بعض صورتوں میں) ناقص ہوتی ہے۔

تیسرے قول کی وجہ اُس نہی کو جو اُس کے اندر وارد ہے کراہت پر محمول کرتا ہے نہ حرمت پر۔ کیونکہ یہ اُس قبیلہ سے ہے کہ جیسے بندہ شرعی قربتوں کو اختیار کرے اور بعض لوگوں نے کراہت کا انکار کیا ہے جس وقت بندہ اپنے بھائی کے لئے اِس غرض سے قربت اختیار کرے کہ تا کہ بھائیوں کا حق قائم رکھو نہ اطاعت وعبادت سے اعراض کرنے کی نیت سے پس خوب سمجھ لو۔

سترھواں مسئلہ امام شافعی رضہ اور امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ جس شخص پر حج فرض ہو اُسے یہ جائز نہیں کہ وہ نفلی حج کرے۔ پس اگر ایسے شخص نے نفلی حج کا احرام باندھا تو فرض کی طرف رجوع کرے گا۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رضہ اور امام مالک کا قول یہ ہے کہ ایسے شخص کو نفل حج کرنا جائز ہے اور اُس کا احرام نیت اور قصد کے مطابق ہوگا۔ اور امام عبدالوہاب مالکی رضہ کا قول یہ ہے کہ میرے نزدیک یہ جائز نہیں

کیونکہ حج ہمارے نزدیک علی الفور واجب ہے لہٰذا وہ مضیق ہوا جس طرح نماز کا وقت مضیق ہے (یعنی تنگ)۔ پس پہلا قول مشدد ہے اور دوسرا مخفف اور دونوں قولوں کی توجیہیں اُن سے معلوم ہو سکتی ہیں جو اس کی نظیریں ابھی گذری ہیں۔

اٹھارھواں مسئلہ

ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ اِن تینوں کیفیتوں کے ساتھ جو مشہور ہیں حج کرنا مکروہ نہیں۔ (جس طرح چاہے ادا کرے) اور وہ یہ ہیں حج افراد، حج تمتع، حج قران۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رض مکی آدمی کے لئے قران اور تمتع کو مکروہ کہتے ہیں۔ پس پہلا قول مخفف ہے اور دوسرے میں کچھ تشدید ہے۔

پہلے قول کی وجہ شارع علیہ السلام سے تینوں کیفیتوں کا عقلاً اور تقریراً ثابت ہونا ہے اور اُن میں سے کسی کیفیت کے ساتھ حج کرنے کی نہی ثابت نہیں۔

دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ مکی شخص کو تمتع اور قران کی حاجت نہیں کیونکہ اُس کو راحت اور آرام ہے اور ان کے بجا لانے میں کوئی مشقت نہیں اُٹھانی پڑتی۔ برخلاف آفاقی شخص کے۔ اور علماء شریعت کے امین قرار دئے گئے ہیں۔ پس اُنکو مجاز ہے کہ ہر شے میں تنگی یا فراخی قرار دیں بشرطیکہ وہ از روئے قواعد شرعیہ مردود نہ ہو۔ پس خوب سمجھ لو۔

اُنیسواں مسئلہ

ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ افراد قران اور تمتع سے افضل ہے۔ حالانکہ امام احمد رض کا قول اور امام شافعی رض کے دو قولوں میں سے ایک یہ ہے کہ تمتع افراد سے افضل ہے۔ پس پہلا قول مشدد ہے اور اکابر کے ساتھ مخصوص ہے اور دوسرا قول مخفف اور اصاغر کے ساتھ مخصوص ہے اور آجکل اکثر لوگ ایسے ہی ہیں کیونکہ اُن کے ابدان اور ایمان زمانہ حج اور افراد کی مشقت کے تحمل سے کمزور ہیں باوجود انشراح قلب کے اور اسوجہ سے کہ متمتع کو حج مبرور کے حاصل کرنے پر اعانت ملتی ہے اور دلیل کے لحاظ سے بعض اصحاب امام شافعی رض نے اسی کو اختیار کیا ہے اور میں نے اپنے بھائیوں میں سے ایک شخص کو دیکھا کہ اُس نے حج افراد کے واسطے احرام باندھا تو اُسکا سر اور منہ ورم کر گیا اور وہ حج کے اندر عبرت بنگیا اور وہ نادم ہوا۔ اور یہ سردی کے زمانہ کا واقعہ ہے تو قائل کا یہ قول کہ افراد افضل ہے اس صورت میں ہے کہ اُس کو مشقت شدیدہ کا سامنا کرنا نہ پڑے۔

بیسواں مسئلہ

امام ابو حنیفہ رض اور امام مالک رض کا قول ہے کہ طواف اور وقوف عرفہ سے پہلے عمرہ میں حج کو داخل کر دینا صحیح ہے حالانکہ امام احمد رض کا قول اور امام شافعی رض کے دو قولوں میں سے ایک قول یہ ہے کہ یہ جائز نہیں برخلاف اِس کے کہ بعد طواف کے داخل کیا جائے کہ یہ بالاتفاق درست ہے جیساکہ شروع باب میں گذر چکا کیونکہ اُس نے مقصود کو پورا کر دیا پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ بندہ نے فعل عمرہ بجا لانے کی وجہ سے اپنی نیت کو حق تعالیٰ کے ساتھ مربوط کر دیا لہٰذا اُسکو دوسری عبادت (حج) کے لئے بدل دینا مناسب نہیں اگرچہ وہ عبادت اس سے افضل ہو جس طرح یہ جائز نہیں کہ جب فرض ظہر میں داخل ہو جائے تو پھر اُس نماز کو فرض عصر بنا دے اور نہ یہ جائز ہے کہ نماز نفل شروع کر کے پھر اُسکو فرض بنا دے۔

دوسرے قول کی وجہ ایسے امور میں نرمی برتنا ہے یا ایک عمرہ کا فعل حج میں داخل ہے اور اس سے کچھ زیادتی بھی ہے اور حدیث میں وارد ہے کہ عمرہ قیامت تک حج میں داخل ہو گیا۔ اور اس جگہ چند اسرار ہیں جنکو اللہ والے ہی جانتے ہیں کتاب میں مذکور نہیں ہو سکتے۔

اکیسواں مسئلہ

ائمہ اربعہ کا قول یہ ہے کہ حج قران کرنے والے پر دم واجب ہے جسطرح تمتع کا دم ہوتا ہے

ور وہ بکری ہے۔ حالانکہ طاؤس رح اور داؤد رح کا قول یہ ہے کہ اُس پر دم واجب نہیں اسی طرح بعض ائمہ کا قول یہ ہے
کہ اُس پر بدنہ واجب ہے۔ پس پہلے قول میں تشدید اور دوسرا مخفف اور تیسرا مشدد ہے۔
پہلے قول کی وجہ قران کے ساتھ نفع حاصل کرنا ہے جسطرح تمتع سے حاصل ہوتا ہے۔ باعتبار زمانہ احرام کے قریب ہونے
کے کہ ہر فعل دو فعلوں کے قائم مقام ہوتا ہے۔
دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ اس بارہ میں کوئی امر وارد نہیں ہوا جس طرح حج تمتع میں وارد ہوا ہے۔
تیسرے قول کی وجہ قران کرنے والے پر سختی کرنا ہے حالانکہ بدنہ اسپر سہل ہے۔ اور یہ قول اکابر کے ساتھ خاص ہے،
اور حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے بصرہ سے برہنہ سر برہنہ پا حج کیا تھا پھر اُن سے مساجد عائشہ رض میں فضیل بن
عیاض ملے تو وہ فرمانے لگے کہ تمنے پاؤں میں جوتہ یا کوئی سواری کیوں نہ لی تو حضرت سفیان رح نے جواب دیا کہ اے
فضیل کیا بھاگا ہوا غلام اس کو غنیمت نہ جانے کہ جب وہ بعد بھاگ جانے کے اپنے مولیٰ سے مصالحت کے لئے آئے اور
اس کو زمین میں نہ دھنسا دیا جائے حالانکہ اسی کا سزاوار ہو۔ بلکہ اور سوار اور جوتی پوش بنکر آئے۔ قسم ہے خدا کی اگر میں
سر کے بل سجدہ کرتا تو بھی تھوڑا تھا۔ یہ کیا چیز ہے کہ میں اللہ تعالیٰ سے مصالحت کرنے کے لئے برہنہ پا اور پیادہ پا آیا ہوں
اور اے فضیل تم ہی بتلاؤ کہ کیا غلام کو مناسب ہے کہ جب وہ اپنے آقا سے صلح کرنے آئے تو سوار ہو کر آئے۔ (انتہیٰ)

انیسواں مسئلہ امام شافعی رض کا قول اور امام احمد رض کی ایک روایت یہ ہے کہ حاضرین مسجد حرام سے وہ لوگ
مراد ہیں جو مکہ سے مسافت قصر سے کم کے رہنے والے ہوں حالانکہ امام ابو حنیفہ کا قول یہ ہے کہ وہ
وہ لوگ ہیں جو میقات اور حرم کے درمیان کے باشندے ہوں۔ اسی طرح امام مالک رض کا قول یہ ہے کہ وہ مکہ اور ذی طوی
کے باشندے ہیں۔ پس پہلا قول اُن لوگوں کے ساتھ خاص ہے جو اللہ تعالیٰ اور اُس کے دربار کی کامل تعظیم کرنے والے
ہیں اور جب وہ حرم سے مسافت قصر سے کم کے رہنے والے ہوں تو ہمیشہ یہ سمجھتے رہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر
رہتے ہیں۔
اور دوسرا قول بہت بڑے درجہ کے لوگوں کے ساتھ خاص ہے کیونکہ بعض میقات مسافت قصر سے زائد ہیں اور تیسرا
قول اُن چھوٹے درجہ کے لوگوں کے ساتھ خاص ہے کہ یہ تعظیم اُن کے قلوب میں صرف اُسی وقت قائم ہوتی ہے کہ جب
وہ مکہ یا اُس کے لواحقات میں ہوں اور حق تعالیٰ نے حاضرین مسجد حرام سے دم کو ساقط فرما دیا ہے کیونکہ وہ اُس کی درگاہ
کے ایسے ہیں جیسے مجلس سلطان کے امیر ہوتے ہیں کہ اُن کو اُن اُمور کی تکلیف نہیں دیجاتی جن کی خارجین مجلس کو دیجاتی ہے
اور اسجگہ اسرار ہیں جنھیں اہل اللہ ہی جانتے ہیں کتاب میں اُنکا ذکر نہیں ہو سکتا۔

بیسواں مسئلہ امام ابو حنیفہ رض اور امام شافعی رض کا قول یہ ہے کہ حج کے احرام کی وجہ سے دم تمتع واجب ہوتا
ہے حالانکہ امام مالک رض کا قول یہ ہے کہ واجب نہیں جب کہ جمرہ عقبہ کی رمی کرنے اور
اول وقت جواز ذبح کا سو اُس کے بارہ میں امام ابو حنیفہ رض اور امام مالک رض فرماتے ہیں کہ ہدی کو ذبح کرنا
یوم نحر سے قبل جائز نہیں اور امام شافعی رض کا قول یہ ہے کہ اُس کا وقت عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد ہے پس پہلا
قول پہلے مسئلہ میں مشدد ہے اور دوسرا اُس میں مخفف ہے اور پہلا قول دوسرے مسئلہ میں کچھ مخفف ہے اور دوسرا
کچھ تشدید ہے اس اعتبار سے کہ اُس میں ذبح کے اندر تاخیر کی ہے جبکہ اُس نے تقدیم کا ارادہ کیا ہو اور دونوں
قولوں کی وجہ ظاہر ہے۔

اکیسواں مسئلہ امام مالک رض اور امام شافعی رض کا قول یہ ہے کہ تین دن کے روزے رکھنے اُس شخص کو

جائز نہیں جس کی ہدی گم ہوگئی ہو مگر اُس وقت کہ جب حج کا احرام باندھ چکے حالانکہ امام ابو حنیفہ رضہ کا قول اور امام احمد رضہ کی دو روایتوں میں سے ایک روایت یہ ہے کہ اُسی روز جائز ہیں جبکہ وہ صرف عمرہ کا احرام باندھ لے پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ "ثلاثۃ ایام فی الحج" دونوں قولوں کی شہادت دیتا ہے کیونکہ عمرہ بھی حج اصغر ہے۔

پچیسواں مسئلہ

امام ابو حنیفہ رضہ کا قول اور امام شافعی رضہ کے دو قولوں میں سے قول اظہر یہ ہے کہ اُن تین دِن کے روزے ایام تشریق میں جائز نہیں حالانکہ امام مالک رضہ کا قول اور امام شافعی رضہ کا قول قدیم یہ ہے کہ جائز ہیں یہی امام احمد رضہ کی ایک روایت ہے۔ پس پہلا قول نہ روزے رکھنے میں مشدد ہے اس وجہ سے کہ لوگ اس روز ایام عید کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی ضیافت اور مہمانی میں ہوتے ہیں اور مہمان کو یہ مناسب نہیں کہ وہ میزبان کی اجازت بغیر روزہ رکھے اور اللہ تعالیٰ نے اجازت کی کہیں تصریح نہیں فرمائی اور حدیث میں وارد ہے کہ "ایام منی ایام اکل وشرب وبعال" ترجمہ حج کے دِن کھانے اور پینے اور جماع کے ہیں" اور اس کی وجہ یہی ہے کہ تاکہ لوگ سرور اور مسرور ہیں کمال تک پہونچ جائیں کیونکہ اجسام کو سرور بغیر افطار کے حاصل نہیں ہوتا اس لئے حق تعالیٰ نے چاہا کہ حاجیوں کی ارواح کو اسطرح سرور پہونچائے کہ وہ اُس کے دربار عالی شان میں ہیں اور اجسام کو کھانے اور پینے سے (انتہی)۔

اور جو کچھ ہم نے ذکر کیا اُس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے کہ للصائم فرحتان فرحۃ عند الافطار وفرحۃ عند لقاء ربہ یعنی "روزے دار کو دو خوشی ہیں ایک افطار کرنے کے وقت دوسری اُس وقت جب وہ اپنے پروردگار سے ملاقات کرے گا" تو اجسام کی فرحت اور خوشی تو افطار کی وجہ سے ہوئی اور ارواح کی فرحت اللہ تعالیٰ کی ملاقات یعنی بندہ کے قلب سے پردہ اٹھ جانے کے وقت خواہ حالت زندگی میں یا بعد مرنے کے۔

توضیح اس کی یہ ہے کہ جب اُس کا حجاب اُٹھ جائے گا تو اپنے پروردگار کو شہ رگ سے بھی قریب پاوے گا۔ پس اس قرب جو کچھ بندہ کو سرور دربار یا اُس دربار میں فرحت حاصل ہوگی اُس کا اندازہ سوائے حق تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا۔

رہا امام مالک اور اُن کے موافقین کا قول کہ ایام تشریق میں تینوں روزے درست ہیں تو وہ اُن چھوٹے درجہ کے لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے جن کی ارواح حق تعالیٰ کے مشاہدہ سے حجاب میں پڑی ہیں پس اُن کی ارواح کی غذائیں بھی قوت ہیں اور اجسام کی بھی۔ لہذا اُن کو مناسک حج ادا کرنے سے سخت کمزوری لاحق ہوتی ہے بایں کہ اس کے اندر اُس سے بری لذت ہونے کی طرف سبقت ہے جو اُن پر حق تعالیٰ نے لازم قرار دی ہے یعنی روزہ حج کے اندر معلوم ہوا کہ ہر امام کی ایک دلیل ضرور ہے اگرچہ اُس کے مقلدین پر پوشیدہ رہتی ہے۔ پس خوب جان لو۔

چھبیسواں مسئلہ

ائمہ ثلاثہ کا قول ہے کہ وقوف یوم عرفہ فوت ہو جانے کی وجہ سے تین دِن کے روزے فوت نہیں ہوتے۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ روزے تو ساقط نہیں ہوتے مگر ہدی اُس کے ذمہ لازم ہوتی ہے۔ اور امام شافعی رضہ کا راجح قول یہ ہے کہ وہ اِس کے بعد روزے رکھے اور اُن روزوں کو موخر کرنا اچھا نہیں ہے لیکن اگر موخر کیا تو سوائے قضا کے کچھ واجب نہیں۔ اور امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر عذر کی وجہ سے موخر کیا تو خیر ورنہ بلا عذر کی صورت میں دم لازم آتا ہے۔ اسی طرح اگر ہدی کو ایک سال سے دوسری سال تک موخر کیا تو بھی دم لازم ہے پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔ یہی گفتگو دوسرے مسئلہ میں ہے اور یہ ہی تیسرے میں۔

قول کی وجہ مسئلہ اولیٰ میں یہ ہے کہ یوم عرفہ ارکان حج کا اخیر نہیں ہے اور باری تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ فصیام ثلٰثۃ ایام فی الحج یعنی تین دن کے روزے ایام حج میں لازم ہیں،، اور اُس کے بعد کے قول کی وجہ ظاہر ہے۔

ستائیسواں مسئلہ امام شافعی رضہ کے دو قولوں میں سے صحیح قول یہ ہے کہ سات دن کے روزے رکھنے کا وقت وہ ہے کہ جب اپنے اہل کی طرف رجوع کرے۔ یہی امام احمد فرماتے ہیں حالانکہ امام شافعی رضہ کا دوسرا قول یہ ہے کہ رجوع سے قبل بھی جائز ہیں پھر اُس کے جواز کے وقت میں دو صورتیں ہیں ایک تو جب مکہ سے نکلے۔ یہی قول امام مالک رضہ کا ہے اور دوسرا جب حج سے فارغ ہو اگرچہ مکہ ہی میں مقیم ہو اور یہی قول امام ابوحنیفہ رضہ کا ہے۔ پس پہلے قول میں تخفیف ہے اور ظاہر قرآن بھی یہی بتلاتا ہے اور دوسرے میں تشدید ہے۔
پہلے قول کی وجہ یہ ہے باریتعالےٰ کا یہ قول کہ اذا رجعتم اُس کے معنی یہ ہیں کہ جب سفر حج سے واپس ہونے میں شروع ہو جاؤ اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ مراد یہ ہے کہ اعمال حج سے فارغ ہو جیسا کہ کتب اصول فقہ میں ثابت ہے۔

اٹھائیسواں مسئلہ امام مالک رضہ اور امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ تمتع کرنے والا جب اعمال عمرہ سے فارغ ہو جائے تو حلال ہو جاتا ہے خواہ ہدی کو لے گیا ہو یا نہ لے گیا ہو۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رضہ اور امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر ہدی کو لے گیا ہے تو اُسے حلال ہونا اُس وقت تک جائز نہیں جب تک یوم نحر نہ آجائے۔ پس وہ احرام پر باقی رہے گا۔ پھر حج کا احرام باندھ کر عمرہ پر داخل کرے گا لہٰذا قران کرنے والا بن جائے گا اُس کے بعد دونوں سے حلال ہو پس پہلا قول مخفف ہے اور دوسرے میں تشدید ہے اور دونوں قولوں کی وجہ ظاہر ہے۔

باب میقاتوں کے بیان میں

مسائلِ اجماعیہ

ائمہ اربعہ رضہ کا اتفاق ہے کہ حج کا احرام ماہ شوال سے پہلے درست نہیں اور اسپر بھی کہ جتنی جگہیں میقات ہیں ان کے اہل کے لئے بھی اُن کے لئے بھی جو اُن پر ہو کر گذریں اگرچہ اُدھر کا رہنے والا نہ ہو جیسا کہ احادیث صحیحہ اسپر دلالت کرتی ہیں اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ جو شخص میقات پر پہونچ جائے اُس کو اُس سے بغیر احرام کے متجاوز ہونا جائز نہیں اور اسپر بھی کہ جو بغیر احرام کے تجاوز کر گیا اُس کو میقات کی طرف لوٹنا اور وہاں سے احرام باندھنا لازم ہے اور نخعی رحہ اور حضرت حسن بصری رحہ سے منقول ہے کہ اُن دونوں نے فرمایا کہ احرام میقات سے مستحب ہے واجب نہیں پس اُسپر لوٹنا واجب ہوا اور موقعہ خطرناک یا وقت تنگ ہو گیا تو اُسپر میقات سے بغیر احرام کے گذر جانے کی وجہ دم لازم ہے۔ اور حضرت سعید بن جبیر سے منقول ہے کہ اُس کا احرام منعقد نہ ہوگا اور حضرت حسن رحہ اور نخعی رحہ کے قول کی وجہ یہ ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے میقاتوں کو بیان فرمایا اور یہ نہیں فرمایا کہ اُس جگہ سے احرام باندھنا واجب ہے یا مستحب تو احتمال استحباب کا بھی ہے امت پر توسیع کی نیت سے اور احتمال ہے کہ واجب ہو احتیاطاً عمل کرنے کی نیت سے اور سعید بن جبیر کے قول کی وجہ یہ ہے کہ یہ عمل سنت کے خلاف ہے لہٰذا رد کیا جائے گا۔

مسائل اختلافیہ

پہلا مسئلہ ائمہ ثلاثہ رضہ کا قول یہ ہے کہ حج کے احرام کا وقت ذی الحجہ کے آخر تک رہتا ہے۔ حالانکہ امام شافعی یہ فرماتے ہیں کہ صرف ذی الحجہ کی دس رات تک رہتا ہے۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔
پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ شارع نے اس کی تصریح نہیں فرمائی کہ انتہا احرام کے لئے ذی الحجہ کی دس تاریخ معین ہے۔ جب تاخیر احرام کی یوم عید کی صبح تک جائز ہے تو آخر ماہ تک بھی تاخیر درست ہے اور جو چیز کسی کے قریب ہوتی ہے اُسی کا حکم دیدیا جاتا ہے اور اس میں امت پر جسقدر فراخی کی گئی ہے وہ مخفی نہیں ہے۔
اور دوسرے قول کی وجہ اُسپر عمل کرنا ہے جسپر نبی صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ اور تابعینؒ اور اُنکے بعد والے امام رح کیونکہ ہمکو نہیں پہونچا کہ اُن میں سے کسی نے کبھی بھی یوم نحر کی فجر کے بعد حج کا احرام باندھا ہو لہذا اُسی حد پر ٹھیرنا جسپر وہ اور اصحابؓ تھے زیادہ بہتر ہے۔ اگرچہ علماء نفی نفسہ شریعت اور اُمت کے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد میں

دوسرا مسئلہ ائمہ ثلاثہ رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر اشہر حج کے علاوہ دوسرے زمانہ میں حج کا احرام باندھا تو عمرہ کے لئے وہ ہے اور حج درست ہو جائے گا حالانکہ اصحاب امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ وہ عمرہ نہ حج اسی طرح امام داؤد کا قول یہ ہے کہ کچھ بھی نہ ہوگا (نہ عمرہ نہ حج) پس پہلا قول مجرم مذکور پر مخفف ہے کیونکہ حج درست ہوگا۔ اور دوسرے قول میں تشدید ہے باعتبار حج کے درست نہ ہونے کے اور تیسرا قول مشدد ہے۔
پہلے قول کی وجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہر قول پر عملدرآمد ہے کہ انما الاعمال بالنیات ترجمہ "سوا اِس کے نہیں کہ اعمال نیتوں کے ساتھ معتبر ہوتے ہیں" اور وہاں شارع علیہ السلام کی طرف سے اُس سے منع کی تصریح نہیں ہاں صرف میقات کے بیان کی تصریح ہے تو ہوسکتا ہے کہ یہ مستحب ہو نہ واجب۔
دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ اصحاب شافعی رضہ نے صحت انعقاد حج کے لئے میقات کو شرط قرار دیا ہے پس جب حج نہ ہوا تو وہ عمرہ ہی ہوگا کیونکہ وہ حج اصغر ہے تو اس کا حکم ایسا ہوا جیسے کسی نے وقت آنے سے پہلے نماز کی تحریمہ باندھی یہ سمجھ کر کہ وقت ہو گیا پھر ظاہر ہوا کہ وقت نہ تھا تو وہ فرض نفل بن جائیں گے تاکہ اُس دربار عالی کی حرمت میں فرق نہ آئے۔
تیسرے قول کی وجہ ظاہر ہے کیونکہ امام داؤد ظاہر پر عمل کرتے ہیں۔

تیسرا مسئلہ امام ابوحنیفہ کا قول یہ ہے کہ افضل یہ ہے کہ اپنے گھر سے احرام باندھے۔ حالانکہ اُن کے سوا ہیں کہ افضل احرام میقات سے باندھنا ہے اور یہی وہ قول ہے جسکی امام نووی نے تصحیح کی امام شافعی رضہ کے دو قولوں میں سے پس پہلا قول مشدد اور اکابر کے ساتھ مخصوص ہے اور دوسرا قول مخفف اصاغر کے ساتھ مخصوص ہے جیسا کہ اس کا بیان اس سے پہلے باب میں گذرا۔

چوتھا مسئلہ ائمہ ثلاثہ رضہ کا قول یہ ہے کہ جو شخص مکہ معظمہ میں بغیر احرام کے داخل ہوا اس پر قضا لازم نہیں امام ابوحنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ اُس پر قضا لازم ہے۔ مگر اُس وقت کہ جب مکہ کا باشندہ ہو پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔
پہلے قول کی وجہ شارع کی طرف سے اس بارہ میں کسی تصریح کا نہ ہونا ہے لہذا حکم اختیار پر رہا یعنی جو تطوعاً

حلے تو کچھ مضائقہ نہیں اور جو نہ باندھے تو اس پر کچھ گناہ نہیں جس طرح مسجد میں داخل ہونے کے نفل تحیۃ المسجد
دلیل ہے کہ جسطرح مسجد اللہ عزوجل کا دربار ہے اسی طرح حرم مکہ بھی۔
رے قول کی وجہ یہ ہے کہ اس دربار میں بغیر احرام کے داخل ہونا اُس کی حرمت کو گھٹا دینا ہے لہذا اُس پر قضا لازم
ہی گئی تاکہ تدارک مافات ہو جائے کیونکہ اُس نے بے ادبی کی تھی۔ اور یہ قول اُن اکابر کے ساتھ خاص ہے
جو خاص ادب مطلوب ہوتا ہے برخلاف عام لوگوں کے مثلاً خدمتگار اور نوکر چاکر وغیرہ پس خوب سمجھ لو۔

باب احرام اور اُسکے ممنوعات کے بیان میں

مسائل اجماعیہ

چاروں اماموں کا اسپر اتفاق ہے کہ محرم کو اچھے کپڑے پہننا مکروہ ہے اور اسپر بھی کہ مرد کو سِلے ہوئے کپڑے اور سر کو ڈھکنا حرام ہے کیونکہ احرام اُس کا اسی کے اندر ہوا ہے اور تمام بدن میں ہر جگہ سِلے ہوئے کپڑے کا استعمال ناجائز ہے کچھ فرق نہیں خواہ کرتہ ہو یا پاجامہ یا ٹوپی یا جبہ یا موزہ اور ہر وہ سِلا ہوا کپڑا جو تمام بدن پر ہو اسیطرح عمامہ وغیرہ بھی حرام ہے۔ اسی طرح اسپر بھی اتفاق ہے کہ محرم کو ہمبستری حرام ہے علیٰ ہذا القیاس بوسہ اور شہوت کے ساتھ چھونا اور نکاح کرنا اور نکاح کرانا اور شکار کو مار ڈالنا اور خوشبو کا استعمال کرنا اور بالوں ناخنوں کا دور کرنا اور سر اور ڈاڑھی میں کوئی سا تیل ڈالنا اور عورت اِن تمام امور میں مثل مرد کی ہے صرف فرق ہے کہ وہ سِلا ہوا کپڑا پہن سکتی ہے اور اُسکو سر ڈھکنا چاہیے اور چہرہ کو کھولنا لازم ہے کیونکہ اُسکا احرام اُسی میں ہے۔ اور اسپر بھی اجماع ہے کہ محرم کو یہ جائز نہیں کہ عقد نکاح اپنے لئے کرے یا دوسرے کے لئے اور اُس کی سبب میں کھانا بھی درست نہیں اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ اگر بھول کر یا بوجہ ناواقفی کے شکار کو مار ڈالا تو فدیہ واجب۔
یہ مسائل اجماعیہ ختم ہوئے۔

مسائل اختلافیہ

مسئلہ ائمہ ثلاثہ رحمہ کا قول یہ ہے کہ احرام کے واسطے خوشبو لگانا مستحب ہے حالانکہ امام مالک رحمہ کا قول یہ ہے کہ یہ جائز نہیں مگر ہاں ایسی خوشبو ہو جو دیر تک باقی نہ رہے۔ اگر باقی رہنے والی خوشبو لگائے جو احرام باندھنے کے بعد بھی محسوس ہوتی ہو تو اُس کا دھونا واجب ہے۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔
قول کی وجہ پیروی کرنا ہے۔
رے قول کی وجہ تحصیل راحت کا بالکل دروازہ بند کر دینا ہے کیونکہ اگر احرام باندھنے کے لئے خوشبو لگائے گا وہ ایسا ہو گا جیسا کہ بعد احرام کے خوشبو لگائی۔ کیونکہ شارع نے مطلق خوشبو لگانے کو منع فرمایا ہے باینکہ ہر

خوشبودار چیز میں اتنی خوشبو تو ضرور ہوگی جس سے درمیان مٹی کی بو کے امتیاز ہوگا۔
(اگر کوئی کہے) کہ کس لئے محرم کو خوشبو کا استعمال حرام ہے باوجودیکہ وہ شخص اللہ تعالیٰ کے خاص دربار میں ہے جسطرح
کے وقت اور جمعہ کے وقت مستحب ہے (تو جواب یہ ہے) کہ یہ اس حدیث کی وجہ ہے کہ (المحرم اشعث واغبر
یعنی "محرم آدمی پراگندہ بال اور گرد آلودہ ہوتا ہے"، کیونکہ محرم سے ذلت اور مسکنت اور حق تعالیٰ سے شرمند
اظہار اور اُسکا حق تعالےٰ سے معافی اور پہلوتہی کا طلب کرنا مطلوب ہے اس خوف سے کہ کہیں سزا میں جلدی نہ
جسطرح حدیث میں وارد ہوا ہے کہ سید آدم علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب بلاد ہند سے پیدل چلکر ح
تو حق تعالیٰ نے عرفات میں اُن کی توبہ قبول کی اور اُس جگہ یہ کلمات استغفار تلقین فرمائے کہ (ربنا ظلمنا ا
وان لم تغفر لنا وترحمنا لنکونن من الخسرین) ترجمہ "اے پروردگار ہمارے ہم نے اپنے نفسوں پر ظلم
اور اگر تو نے ہماری مغفرت نہ فرمائی تو ہم ضرور خسارہ پانیوں میں سے ہونگے"، اور میں نے سیدی علی خواص رضی ا
عنہ سے سنا ہے کہ حج میں جس کا حجاب اُٹھا دیا جائے اُس کو اپنے پروردگار سے شرمندگی اور حیا کرنی ضرور ہے
یہانتک کہ بندہ اس کو دوست جاننے لگے کہ زمین اُس کو نگل جائے اور خدا تعالےٰ کے سامنے ہونے سے محجوب ہو
اور جسکا یہ مرتبہ ہو وہ ضرور خوشبو سے اعراض کرے گا اسی طرح اور اُن چیزوں سے جو دربار رضامندی میں یا
خداوندی سے بے خوفی کے وقت لوگ استعمال کرتے ہیں جسطرح نماز جمعہ کا وقت کیونکہ اُس وقت حق تعالیٰ کا جب
جمال سے مخلوط ہوتا ہے صرف جمال ہی نہیں ہوتا پس اُس کے حال سے کیا نسبت جو نہ جانتا ہو کہ حق تعالےٰ اُس
راضی ہوا ہے یا نہیں اُس کے حال کو جو یقین کرتا ہے یا گمان کہ حق تعالےٰ اُس سے راضی ہو گیا۔ پس خوب سمجھ لو۔

دوسرا مسئلہ ائمہ ثلاثہ رضہ کا قول یہ ہے کہ احرام کا انعقاد دو رکعتیں احرام کی پڑھتے ہی ہو جاتا ہے۔ حالانکہ ا
شافعی رضہ کے دو قولوں میں سے اصح یہ ہے کہ محرم ہوتا ہے جب اُس کی سواری اُسکو لیکر چلے
اگر پیادہ چلنے والا ہے تو اُس وقت محرم بنے گا جب اُس راستہ کی طرف متوجہ ہو جائے۔ پس پہلا قول مشدد او
دوسرا مخفف ہے۔
پہلے اور دوسرے قول کی وجہ اتباع اور تقریر رسول کریم علیہ التسلیم ہے لیکن پہلا قول اکابر کے لئے اولےٰ ہے ا
دوسرا اصاغر کے لئے۔

تیسرا مسئلہ ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ انعقاد احرام کا نیت سے ہوتا ہے پس اگر بغیر نیت کے تلبیہ پڑھا تو احرام منعقد
حالانکہ امام داؤد کا قول یہ ہے کہ صرف تلبیہ سے منعقد ہو جاتا ہے۔ اسی طرح امام ابو حنیفہ کا قول یہ
کہ نیت اور تلبیہ الخ دونوں سے ہوتا ہے یا صرف نیت کے ساتھ ہدی لیجانے سے پس پہلے قول میں تشدید اور دوسرا مخفف
اور تیسرا مشدد ہے۔
پہلے قول کی وجہ پیروی کرنا ہے کیونکہ ارشاد ہے کہ "انما الاعمال بالنیات"، اور لبیک اللہم لبیک کے معنے پکار پہونچ
یعنی ہم حاضر ہوئے ہیں تیرے حضور میں بعد حاضر ہونے کے۔ پس پہلی حاضری تو اُسوقت ہوئی تھی جب ہم ا
آباء میں تھے اور دوسری اس وقت جو حج کر رہے ہیں۔ پس حاضری احرام کے اندر معدوم ہے کیونکہ وہ ابتک م
نہ ہوا تاکہ حاضر ہوتا۔
دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ تلبیہ میں اظہار حاضری ہے برخلاف نیت کے کیونکہ وہ منجملہ افعال قلوب کے ہے اگرچہ
نیت کو زبان سے کہہ لینا مستحب ہے۔ تیسرے قول کی وجہ علماء کے اختلاف سے نکلجانا ہے پس جب نیت اور تلبیہ دو

واکے یا نیت کے ساتھ سوق ہدی کی تو انعقاد متحقق ہو گیا پس خوب سمجھ لو۔

چوتھا مسئلہ امام ابو حنیفہ رض اور امام مالک رض کا قول یہ ہے کہ تلبیہ واجب ہے۔ حالانکہ امام شافعی رض اور امام احمد رض کا قول ہے کہ وہ سنت ہے اور امام ابو حنیفہ رض نے اُسوقت واجب کہا ہے کہ جب اُس نے سوق ہدی کی ہو اور اگر سوق ہدی کے ساتھ احرام کی نیت بھی کی ہو تو محرم ہو جائے گا اگرچہ تلبیہ نہ بھی ہوا اور امام مالک رض اُس کے مطلقاً وجوب کا قول کیا ہے اور اُس کے ترک کرنے کی صورت میں دم واجب کیا ہے۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے۔

لے قول کی وجہ یہ ہے کہ تلبیہ حج کی علامت ہے جس طرح نماز میں تکبیر تحریمہ ہوتی ہے۔

وسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ حاضری صرف نیت سے حاصل ہو چکی کیونکہ اُس نے نیت اُسی وقت کی ہے کہ اُس سے پیشتر ق تعالیٰ کی پکار اور دعوت کی اجابت کر چکا ہوا ہے۔ اور امام ابو حنیفہ رض کے قول کی وجہ یہ ہے کہ جسوقت سوق ہدی کی ہو تو تلبیہ اسوجہ سے واجب ہے کہ تاکہ نیت مؤکد ہو جائے کیونکہ جس نے سوق ہدی مع نیت کی ہو تو اُس کی اجابت ؤکد ہو چکی لہذا وہ محتاج تلبیہ نہیں اور وجوب دم کی وجہ یہ ہے کہ اگر تلبیہ کو چھوڑ دیا تو حج کی علامت کا ترک کرنا لازم یا جس طرح نماز میں ابعاض ہوتے ہیں (یعنی سنن مؤکدہ وغیرہ) پس جیسے بعض کے ترک کی صورت میں جبر نقصان سجدہ سہو کیا جاتا ہے اسی طرح تارک تلبیہ جبر نقصان دم سے کرے پس خوب سمجھ لو۔

پانچواں مسئلہ ائمہ ثلاثہ رض کا قول یہ ہے کہ رمی جمرہ عقبہ کے وقت تلبیہ بند کر دے۔ حالانکہ امام مالک رض کا قول یہ ہے کہ عرفہ کے دن زوال کے بعد سے بند کر دے پس پہلا قول تلبیہ میں مشدد ہے اور دوسرا س میں مخفف ہے۔

لے قول کی وجہ یہ ہے کہ رمی جمرہ عقبہ کیوجہ سے وہ محرم حلال ہونے میں شروع ہو گیا گویا افعال حج سے اب پھر رہا ہے ور یہ بات ظاہر ہے کہ تلبیہ افعال حج کی طرف متوجہ ہونے کے وقت مناسب ہے نہ اُن سے پھرنے کے وقت۔

وسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ حج میں مہتم بالشان وقوف عرفہ ہے جیسا کہ حدیث الحج عرفۃ (حج عرفہ کا نام ہے) وارد ہے پس خوب سمجھ لو۔

چھٹا مسئلہ امام ابو حنیفہ رض اور امام شافعی رض کا قول یہ ہے کہ محرم کو درست ہے کہ وہ ایسی شے کا اپنے اوپر سایہ کرے جو اُس کے سر سے تماس نہ کرے مثلاً کجاوہ وغیرہ حالانکہ امام مالک رض اور امام احمد رض کا قول یہ ہے کہ یہ درست نہیں اور اُن نزدیک اُس پر فدیہ لازم ہے پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔

لے قول کی وجہ یہ ہے کہ ایسی صورت میں سر کا ڈھکنا لازم نہیں آتا۔

وسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ یہ سر کے ڈھکنے کے حکم میں ہے اس دلیل سے کہ نفع حاصل کیا جاتا ہے اور آفتاب یا سردی ے بچا جاتا ہے اور محرم کی شان یہ ہے کہ وہ پراگندہ حال اور گرد آلودہ ہو اور صورت مذکورہ سایہ لینے کی غبار سے نع ہے اور ہو سکتا ہے کہ پہلا قول معمولی لوگوں پر محمول ہو اور دوسرا خواص پر جس طرح اس کے برعکس بھی توجیہ ممکن ہو س منع اُس شخص کے حق میں ہے جو قرائن سے یہ نہ جانتا ہو کہ حق تعالیٰ اُس سے راضی ہے یا نہیں اور اباحۃ اُس کے میں جو حق تعالیٰ کے اُس سے راضی ہونے کو محسوس کر گیا ہو لہذا جو آدمی اپنے معاصی کی کثرت اور حق تعالیٰ کے اُس پر ہونے کو مشاہدہ کر رہا ہو اُس حال کے مناسب پراگندہ حالی اور گرد آلودگی ہے اور جو حق تعالیٰ کے راضی ہونے کو شاہدہ کر رہا ہو اُن حال کے مناسب سایہ کرنا ہے جس کا ذکر ہوا پس خوب سمجھ لو۔

ساتواں مسئلہ ائمہ ثلاثہ رض کا قول یہ ہے کہ محرم پر اُس وقت فدیہ لازم ہے کہ جب وہ اپنے مونڈھے میں جبہ

پہن لے اور ہاتھوں کو آستینوں میں نہ ڈالے۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ اُس پر فدیہ واجب نہیں
پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے۔

پہلے قول کی وجہ احتیاط کو لینا ہے کیونکہ ہر وہ کپڑا جس میں سر داخل کر دیا جائے اُس کا نام پہننا ہوتا ہے۔

دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ یہ ایسا پہننا ہے جس سے کچھ آرام حاصل نہیں ہوتا اس لئے فدیہ میں اُس پر تخفیف کی گئی

آٹھواں مسئلہ امام شافعی رضہ اور امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ فدیہ اُس شخص پر واجب نہیں جو تہبند نہ ہونے کے وقت پاجامہ پہن لے۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رضہ اور امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ اُس پر فدیہ واجب ہے پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ ستر عورت ایک ایسا امر ہے جس کی ضرورت سِلے ہوئے کپڑے کے ترک سے زائد ہے لہٰذا پاجامہ کا پہننا ایسا ہوا کہ اس میں کچھ آرام نہیں۔ نیز یہ ہے کہ عدم ترکیب خداوندی کا مشاہدہ اکابر کے ساتھ مخصوص ہے اور اُس دربار میں ہر شخص اُس کے بسیط ہونے کا مشاہدہ نہیں کرتا کیونکہ اُس دربار میں بہ نسبت بقا کے فنا کا مشاہدہ غالب ہوتا ہے پس ایسا حال ہوا جسطرح صفت اپنے موصوف سے خطاب کرے۔

دوسرے قول کی وجہ احتیاط پر عمل کرنا ہے کیونکہ پاجامہ پہننے والے پر یہ بات صادق ہے کہ اُس نے سِلے ہوئے کپڑے کو پہنا۔ اور اُس ترکیب کے مشاہدہ میں مشغول ہوا ہے جو اُس دربار میں مناسب نہ تھی لہٰذا فدیہ اِس نقصان کا کفارہ ہو جائے گا کہ اُس نے مقام مشاہدہ بسائط کی طرف ترقی کو ترک کر دیا اور اس جگہ چند اسرار ہیں جنکو اہل اللہ جانتے ہیں کتاب میں اُن کا ذکر نہیں ہو سکتا۔

نواں مسئلہ ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ جسکو نعلین نہ ملیں اُسے موزوں کا پہننا درست ہے بشرطیکہ اُنہیں ٹخنوں کے نیچے سے کاٹ دیا ہو اور اُس پر فدیہ نہیں برخلاف امام ابو حنیفہ رضہ کے کہ اُن کے نزدیک فدیہ ہے
پس پہلا قول مخفف ہے اور جس نے فدیہ واجب کیا ہے اُس کا قول مشدد ہے اور اس مسئلہ میں دونوں قول کی وجہ اُس سے پہلے مسئلہ کی توجیہ سے معلوم ہو سکتی ہے۔

دسواں مسئلہ امام شافعی رضہ اور امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ مرد کو اپنا چہرہ ڈھکنا حرام نہیں۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رضہ اور امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ یہ حرام ہے۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔

پہلے قول کی وجہ کوئی نص کا اس کی نہی کے بارہ میں وارد نہ ہونا ہے۔

دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ ڈھاٹے وغیرہ سے منہ کا چھپانا آرام و زینت کا حاصل کرنا ہے اور محرم پراگندہ حال اور گرد آلودہ ہوتا ہے اور نیز یہ ہے کہ رحمت الٰہی بندہ کے منہ کے سامنے ہوتی ہے جب وہ اپنے منہ کو ڈھکتا ہے تو رحمت اُس چیز پر واقع ہوتی ہے جو اُس کے چہرہ کو ڈھکتی ہے اور پھر جدا ہو جاتی ہے نہ چہرہ کے بشرہ پر جو اس سے کبھی جدا نہ ہوگا جس طرح اس کی توضیح اُس مقام میں ہے جہاں نماز کے اندر ڈھاٹا باندھنے کا بیان ہے۔

گیارھواں مسئلہ ائمہ ثلاثہ رضہ کا قول یہ ہے کہ محرم کو بدن اور کپڑے میں خوشبو لگانا حرام ہے حالانکہ امام ابو حنیفہ کا قول یہ ہے کہ کپڑے کے ظاہر پر خوشبو لگانا درست ہے نہ بدن پر اور اُسکو اگر وغیرہ کی دھونی لینا جائز ہے اسی طرح تمام خوشبوؤں کا سونگھنا۔ پس پہلے قول میں تشدید اور دوسرے میں تخفیف ہے
پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ عرف میں کپڑے اور بدن کو خوشبو لگانا ایک ہی بات ہے آرام حاصل کرنے کے اعتبار سے

کچھ فرق نہیں۔
دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ کپڑا آدمی کے ساتھ اسطرح لازم نہیں جسطرح اُس کا جسم بلکہ اُسکو کبھی اُتار دیتا ہے اور کبھی پہن لیتا ہے۔

بارھواں مسئلہ

امام ابو حنیفہ اور امام مالک کا قول یہ ہے کہ محرم کو خوشبودار کھانا کھانا جائز ہے اور اسپر فدیہ بھی نہیں اگرچہ اُس کی خوشبو ظاہر ہو حالانکہ امام شافعی رضہ اور امام احمد رح کا قول یہ ہے کہ خوشبو کا کھانے میں استعمال کرنا ایسا ہی ہے جیسا بدن اور کپڑے میں کچھ بھی فرق نہیں۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے اور وجہ دونوں کی ظاہر ہے۔

تیرھواں مسئلہ

ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ مہندی خوشبو میں داخل نہیں حالانکہ امام ابو حنیفہ رضہ یہ فرماتے ہیں کہ وہ بھی خوشبو ہے کہ اُس میں فدیہ واجب ہوتا ہے۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔
پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم مہندی کی خوشبو ناپسند فرماتے تھے اور اگر وہ اچھی ہوتی تو ناپسند ہرگز نہ ہوتی کیونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ پاکیزہ چیز کو پسند فرمایا کرتے تھے۔
دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ بعض اعراب کے نزدیک وہ خوشبو ہے کہ وہ اُس کی بو کو پسند کرتے ہیں لہذا اُس میں فدیہ لازم ہوا۔ یا اینکہ اسقدر زینت اُس میں موجود ہی ہے جو محرم کے مناسب نہیں۔

چودھواں مسئلہ

تمام اماموں کا قول یہ ہے کہ عمدہ عمدہ تیل لگانے حرام ہیں۔ جیسے گلاب یا چنبیلی کا اور اُنکے لگانے کی صورت میں فدیہ واجب ہے اور جو اچھے نہیں ہیں جیسے سرسوں وغیرہ کے تو اُس میں اختلاف ہے۔ امام شافعی رضہ فرماتے ہیں کہ ڈاڑھی اور سر کے سوا اور کہیں اُن کا استعمال حرام نہیں اور امام ابو حنیفہ رضہ فرماتے ہیں کہ تمام بدن میں اُن کا استعمال حرام ہے اور امام مالک رضہ یہ فرماتے ہیں کہ اُن تیلوں کا اعضاء ظاہریہ جس طرح منہ، ہاتھ، پاؤں، استعمال نہ کیا جائے اور اعضاء باطنہ میں کیا جائے۔ اور حسن رح بن صالح کا قول ہے کہ اُن کا استعمال عام بدن اور سر اور ڈاڑھی میں جائز ہے پس پہلے قول میں تخفیف ہے اور دوسرا مشدد اور تیسرا مفصل اور چوتھا مخفف ہے۔
پہلے قول کی یہ وجہ یہ ہے کہ تیل جتنا سر اور ڈاڑھی میں ظاہر ہوتا ہے اتنا اور کہیں نہیں اس لئے صرف اُنہیں میں استعمال حرام ہے
دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ تیل کی وجہ سے تمام بدن میں بال ہوں یا جام زینت ظاہر ہوتی ہے حالانکہ محرم کو پراگندہ حال اور پراگندہ سر اور گرد آلودہ ہونا چاہئے اور تیل اُس کی گرد آلودگی کو دور کر دے گا اسی طرح پراگندگی بال کو
اور امام مالک رضہ کے قول کی وجہ ظاہر ہے اور حضرت حسن رح کے قول کی وجہ یہ ہے کہ وہ عمدہ شے نہیں ہے اور نہ اُس سے کوئی زینت حاصل ہوتی ہے اور کبھی حاجت اُس کی طرف مجبور کرتی ہے جبکہ پراگندگی بال حد سے بڑھ گئی ہو یا طبیعت میں خشکی بہت ہو گئی ہو اس صورت سے کہ تیل کی ضرورت پڑی اور نہ استعمال کرنے سے ضرر ہو تو اُس وقت اپنے بدن اور پیٹ کو تیل لگا دے تاکہ اپنی طبیعت کو آرام دے بعد اس کے کہ اُس کے روک لینے سے تکلیف پائی ہے بالخصوص اُس شخص کے حق میں۔
اور شارع علیہ السلام کا فعل وقت احرام کے خوشبو کا استعمال کرنا اُس کی مراعات کرنا ہے جو ہم نے ذکر کیا کیونکہ بہت مرتبہ زمانہ احرام دراز ہوتا ہے تو پراگندگی حد سے گذر جاتی ہے۔

پندرھواں مسئلہ

ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ محرم اگر نکاح کا عقد کرے تو منعقد نہ ہوگا۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ منعقد ہوجاتا ہے پس پہلا قول مشدد ہے اور اُس کی دلیل نکاح کا اطلاق جماع پر ہونا ہے اگرچہ مجازاً ہی ہو۔

اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ حقیقت نکاح تو ہمبستری ہے موجود ہوتی ہے تو جو کچھ اُس سے پہلے ہے وہ مقدمات نکاح ہیں اور وہ بعض کے نزدیک حرام نہیں ہیں اور پہلے قائل نے یہ جواب دیا ہے کہ عقد نکاح جماع میں واقع ہونے کی دھلیز ہے لہذا وہ حرام ہے جسطرح حائضہ عورت کے ناف اور گھٹنے کے درمیان سے نفع اُٹھانا حرام اور دونوں قول دو حالوں پر محمول ہیں کیونکہ جو شخص وقوع جماع کا خوف کرتا ہو مثلاً وہ جوان جس میں لڑکپن ہے اُس کے واسطے عقد نکاح حرام ہے اور جو خوف نہ کرتا ہو مثلاً وہ بوڑھا جس کی آتش خواہش بجھ گئی ہو اُس کے لئے حرام نہیں۔ پس اسکو خوب سمجھ

سولھواں مسئلہ

ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ محرم کو اپنی عورت کا رجوع کر لینا جائز ہے حالانکہ امام احمد کا قول ہے کہ جائز نہیں پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ رجوع کرنا اُس عورت کے حکم میں ہے جو عصمت میں موجود ہے کیوں کہ اُس کے حق میں احکام نکاح باقی ہیں۔

دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ مطلقہ رجعیہ اجنبی عورت کے حکم میں ہے اس دلیل سے کہ اگر عورت کے اندر رجوع نہ کرے تو بغیر دوسری طلاق کے وہ دوسرے شخص سے نکاح کر سکتی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ مطلقہ رجعیہ میں دو اعتبار ہیں ایک اعتبار زوجہ کی ہونا اور ایک بائن ہو جانے کا پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔ پس خوب سمجھ لو۔

سترھواں مسئلہ

امام شافعی رضہ اور امام احمد کا قول یہ ہے کہ اگر شکار کو خطا سے قتل کر دیا تو اُس کے قتل سے جزا اور اُس کے مالک کو اگر وہ کسی کی ملک میں ہو قیمت دینی لازم ہوگی حالانکہ امام مالک رضہ اور امام ابوحنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ مملوک شکار کی وجہ سے بدلہ لازم نہیں ہوتا۔ اسی طرح امام داؤد کا قول یہ ہے کہ شکار کو خطا سے قتل کر دینے میں بدلہ لازم نہیں آتا پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے اسی طرح تیسرا۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ اُس خاص دربار میں مخلوق کی ملک کمزور ہے اور ظاہری حکم حق تعالیٰ کا ہے اسوجہ سے واجب ہے کہ اُس کے دربار میں کسی جانور کو قتل نہ کیا جائے اُس کی بزرگی کی وجہ سے۔

دوسرے قول کی وجہ بندے کی ملک کا اُس دربار میں اعتبار کرنا ہے اس دلیل سے کہ بندے کو اُس میں تصرف کرنا درست ہے مثلاً اُس کی بیع وغیرہ۔ اور امام داؤد کے قول کی وجہ یہ ہے کہ حدیث میں خطاکار سے گناہ کا اُٹھ جانا ثابت ہے

اٹھارھواں مسئلہ

امام مالک رضہ اور امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ اُس پر بدلہ لازم نہیں جس نے شکار کا کھوج دیا ہو اگرچہ اُس کے قتل پر مدد کرنا حرام ہے حالانکہ امام ابوحنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ شخص پر دونوں میں سے کامل بدلہ لازم ہوگا یہاں تک کہ اگر ایک گروہ محرموں کا ہو اور اُن کو ایک شخص خواہ محرم ہو یا حلال شکار کا پتہ دے تو اُن میں سے ہر شخص پر پورا بدلہ لازم ہوگا۔ پس پہلے قول میں تخفیف اور دوسرا مشدد۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ دلالت اور پتہ بتانا خود ارتکاب کی برابر نہیں ہو سکتا۔

دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ دلالت اپنے فعل کی برابر ہے اور رفتہ میں اس کی بہت نظیریں ہیں جسطرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ افطر الحاجم والمحجوم "پچھنے لگانے والا اور لگوانے والا دونوں مفطر ہو گئے" پس اسکو خوب سمجھ لو۔

انیسواں مسئلہ امام مالک رحؒ اور امام شافعی رحؒ کا قول یہ ہے کہ محرم کو اُس جانور کا گوشت حرام ہے جو اُس کے واسطے شکار کیا گیا ہو۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ کا قول یہ ہے کہ حرام نہیں بلکہ جب پہلے وہ شکار کی ضمانت ادا کر دے اور بعد میں اُسے کھا دے تو اُسپر کوئی اور بدلہ بھی لازم نہیں اور امام احمد نے فرمایا ہے کہ واجب ہے۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف اور تیسرے میں تشدید ہے اور تینوں اقوال کی وجوہ ظاہر ہیں۔

بیسواں مسئلہ ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ جب شکار کھایا نہ جاتا ہو اور نہ ایسے جانور سے پیدا ہو جس کا گوشت کھایا جاتا ہے تو محرم پر اُس کا قتل کر دینا حرام نہیں۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ کا قول یہ ہے کہ حرام ہے حرام کی وجہ سے ہر جنگلی جانور کا قتل کرنا اور اُس کے قتل سے بدلہ لازم ہوتا ہے سوائے ریچھ کے۔ پس پہلے قول میں تخفیف اور دوسرے میں تشدید ہے۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ غیر ماکول جانور کی محرم کے واسطے حرمت نہیں کیونکہ عادتاً شکار اُس کا کیا جاتا ہے جو کھایا جاتا ہے لہذا حرمت کا حکم اُسی جانور کی طرف رجوع کرے گا۔

دوسرے قول کی وجہ نہی کا وارد ہونا ہے شکار سے اور اُس کے قتل سے قرآن شریف میں محرم کے لئے اور ریچھ کو مستثنیٰ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ جانور قلیل النفع ہے کیونکہ نہ کھایا جاتا ہے اور نہ اُسپر لادا جاتا ہے اور نہ وہ کھیتی کی حفاظت کرتا ہے اور نہ چوپایوں کی۔ پس خوب سمجھ لو۔

اکیسواں مسئلہ امام شافعی کا قول یہ ہے کہ محرم جب خوشبو یا تیل بھولکر لگائے یا اُس کی حرمت سے ناواقفی کی وجہ سے تو اُسپر کفارہ لازم نہیں۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ کا قول یہ ہے اسی طرح امام مالک کا کہ اُسپر فدیہ واجب ہے۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔

پہلے قول کی وجہ اُس کا نسیان یا جہالت کی وجہ سے معذور ہونا ہے۔ دوسرے قول کی وجہ اُس کا معذور نہ سمجھا جانا ہے کیونکہ اُس نے خیال کیوں نہ کیا۔ پس خوب سمجھ لو۔

بائیسواں مسئلہ ائمہ اربعہ کا قول یہ ہے کہ جس نے بھولے سے کرتہ پہن لیا تو اُسے سر کی طرف سے نکالے حالانکہ بعض شافعیہ کا قول یہ ہے کہ اُسکو چیر پھاڑ کر دے۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔

پہلے قول کی وجہ اس محرم کے ساتھ نرمی برتنا ہے کیونکہ ممکن ہے شاید فقیر ہو کہ اُسے اس کرتے کے سوا دوسرا کپڑا نہ ملے اور اس کا تکلف بھاوہ کر بیچ چکا یعنی سر کی طرف سے نکالدیا۔ دوسرے کی وجہ بہت جلدی کرنا ہے اُس سے نکلنے میں جس کی خدا تعالےٰ نے مانعت فرمائی ہے اگر اُس کا تمام مال ہی کیوں نہ تلف ہوجائے چہ جائیکہ صرف کپڑے کا پھٹ جانا کیونکہ خدا تعالےٰ کے نزدیک تمام دنیا مچھر کے پر کے برابر بھی وزن نہیں رکھتی اور یہ قول بڑے درجہ کے لوگوں پر محمول ہے اور پہلا چھوٹے درجہ کے لوگوں پر۔

تئیسواں مسئلہ ائمہ ثلاثہ رحؒ کا قول ہے کہ اگر سر کے یا اور کہیں کے بال مُنڈائے یا ناخن کترے بھولے سے یا جہالت و ناواقفی سے تو اُسپر فدیہ واجب نہیں حالانکہ امام شافعی رحؒ کے دو قولوں میں سے قول مرجح یہ ہے کہ اُسپر فدیہ لازم ہے پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔ اور دونوں قولوں کی وجہ تیل یا خوشبو بھولے سے یا ناواقفی کی وجہ سے لگا لینے کے حکم کی توجیہ سے معلوم ہو سکتی ہے جیسا کہ گذرا۔

چوبیسواں مسئلہ ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ محرم نے اگر بھول کر یا ناواقفی سے ہمبستری کی تو اُسپر کفارہ لازم ہے۔ حالانکہ امام شافعی رحؒ کے دو قولوں میں سے راجح یہ ہے کہ اُسپر کفارہ نہیں ہے اور نہ اُس کی وجہ سے اُس کا حج فاسد ہوتا ہے

پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے دوسرے قول کی وجہ ظاہر ہے کیونکہ وہ جہالت یا نسیان کی وجہ سے فی الجملہ معذور ہے اور پہلے قول کی وجہ اس کی کثرت اور قلت تحفظ ہے اور محرم سے اس کا وقوع بعید ہونا اس لئے کہ احرام کے واسطے ایک قسم کی ہیبت اور عزت ہے جو محرم کو فعل منہی عنہ سے روکتی ہے بالخصوص اس وجہ سے کہ احرام کا وقوع بہت نادر اور عمر بھر میں بہت قلیل ہوتا ہے اس لحاظ سے اس کی ہیبت بہ نسبت اُن عبادات کے کم ہوئی جو مکرر مکرر وقوع میں آتے رہتے ہیں۔

پچیسواں مسئلہ ائمہ ثلاثہ رحمہ کا قول یہ ہے کہ محرم کو حلال آدمی کے بال مونڈنا اور ناخن کترنا جائز ہیں اور کچھ فدیہ وغیرہ بھی واجب نہیں۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رحمہ کا قول یہ ہے کہ جائز نہیں اور اگر کیا تو اس پر صدقہ لازم ہے۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ اُس میں محرم کے واسطے کوئی تحصیل راحت نہیں ہے۔ دوسرے کی وجہ شارع عم کا محرم کو مطلقاً بال مونڈنے اور ناخن کترنے سے منع فرمانا ہے جو دوسرے کے مونڈنے اور کترنے کو بھی شامل ہے جس طرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ "افطر الحاجم والمحجوم" اور ہو سکتا ہے کہ اس سے نہی فرمانے کی کوئی اور علت ہو جسکو ہم نہ جانتے ہوں۔ اسی وجہ سے احتیاطاً امام ابوحنیفہ نے اُس پر فدیہ لازم کیا۔

چھبیسواں مسئلہ ائمہ ثلاثہ رحمہ کا قول یہ ہے کہ محرم کو مہندی اور ریشہ خطمی کے ساتھ غسل کرنا جائز ہے حالانکہ امام ابوحنیفہ کا قول یہ ہے کہ یہ جائز نہیں اور اگر کیا تو فدیہ لازم ہوگا۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے اور اُن میں سے ہر ایک کی ایک ایک وجہ ہے اور ہو سکتا ہے کہ پہلے قول کو عوام کے حال پر حمل کیا جائے اور دوسرا خواص کے حال پر جو اپنے نفوس کے لئے احتیاط لیتے ہیں اور ہر اُس شے سے بھاگتے ہیں جس میں تھوڑی سی بھی تحصیل منفعت ہوتی ہے۔

ستائیسواں مسئلہ ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ جب محرم کے ہاتھوں پر میل لگ جائے تو اُس کا ازالہ درست ہے۔ حالانکہ امام مالک رحمہ کا قول یہ ہے کہ اس کی وجہ سے اُسے صدقہ دینا پڑے گا۔ پس پہلا قول مخفف ہے اور دوسرے قول میں تشدید ہے اور وجہ ہر ایک کی ظاہر ہے

اٹھائیسواں مسئلہ ائمہ اربعہ کے نزدیک محرم کو سر پر پتھر کا لگانا مکروہ ہے۔ حالانکہ سعید بن مسیبؓ بالکل انکار کرتے ہیں۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔

پہلے قول کی وجہ سر پر کا زینت ہونا ہے اس لئے مکروہ ہے اور حرام نہیں۔

دوسرے قول کی وجہ ہر اُس فعل میں جو محرم کے منافی ہو احتیاط سے کام لینا ہے۔

اُنتیسواں مسئلہ ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ فصد کرانے سے محرم پر کچھ لازم نہیں آتا۔ اسی طرح پچھنے لگوانے سے۔ حالانکہ امام مالک رحمہ اُس میں صدقہ کا قول کرتے ہیں۔ پس پہلا قول مخفف ہے اور دوسرے میں تشدید ہے

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ فصد کرنا ایسا ہے جیسے مرض کے لئے دوا کرنا اس لئے اُس سے صدقہ لازم نہ ہوگا۔ کیونکہ اس بارہ میں کوئی نص وارد نہیں ہوئی۔ دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ اس میں تخفیف ہے مرض کی تو گویا کہ یہ تحصیل منفعت ہے کیونکہ وہ عافیت سے لذت پائے گا یا الم میں خفت ہوگی جب وہ فصد یا حجامت کرائے گا اس لئے صدقہ اُس کے واسطے کفارہ بن جائے گا۔ اور اللہ تعالے زیادہ جاننے والا ہے۔

باب اُن چیزوں میں جو ممنوعاتِ احرام سے واجب ہوتی ہیں

مسائلِ اجماعیہ

ائمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ سر منڈانے کا کفارہ اختیار پر محمول ہے چاہے بکری ذبح کرے چاہے چھ مسکینوں کو کھانا کھلائے ہر مسکین کو نصف صاع یا تین دِن کے روزے رکھے۔ اسی طرح اس پر بھی اتفاق ہے کہ عقدِ احرام دو حالتوں میں وطی کرنے سے مرتفع نہیں ہوتا اور امام داؤدؔ نے کہا ہے کہ مرتفع ہو جاتا ہے (اگر کوئی کہنے والا کہے) کہ اِس کی کیا وجہ ہے کہ جب محرم اپنے حج کو جماع سے فاسد کر دے تو تم اُس کو احرام جدید پیدا کرنے کا حکم کیوں نہیں کرتے جس وقت وقت میں بھی گنجائش ہو مثلاً عرفہ کی رات میں جماع کریں (پس جواب یہ ہے) کہ اس پر اجماع واقع ہو گیا ہے کہ اُس کا خرق درست نہیں ہے اور شاید اس کا سبب اُس پر سختی کرنا ہے نہ کچھ اور۔ اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ مکہ کا کبوتر مضمون بہ قیمت ہوتا ہے اور امام داؤدؔ نے کہا ہے کہ اُس کا کچھ بدلہ نہیں۔ اسی طرح اس پر بھی اتفاق ہے کہ جس نے کوئی شکار قتل کر کے ایک اور شکار قتل کر دیا اُس پر دو بدلے واجب ہونگے۔ اور امام داؤدؔ نے کہا کہ اُس پر دوسرے شکار کے بدلہ میں کچھ واجب نہیں۔ اسی طرح اس پر بھی اتفاق ہے کہ درخت کو کاٹنا حرام ہے اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ دواؔ اور چارہؔ کے سوا حرم کی گھانس کا کاٹنا حرام ہے۔ اسی طرح اس پر بھی اتفاق ہے کہ حرم مدینہ کے درخت کو کاٹنا بھی حرام ہے اسی طرح اُس کے شکار کو قتل کرنا۔ یہانتک مسائل اتفاقیہ ختم ہو گئے۔

مسائلِ اختلافیہ

پہلا مسئلہ امام ابو حنیفہ رضہ کا قول اور امام احمد کی دو روایتوں میں سے ایک روایت یہ ہے کہ فدیہ صرف ربع سر کے بال منڈانے سے واجب ہوتا ہے حالانکہ امام مالکؔ کا قول یہ ہے کہ فدیہ نہیں واجب ہوتا مگر اسقدر منڈانے سے کہ جس سے سر کی کلفت دور ہو جائے اسی طرح امام شافعیؔ کا قول یہ ہے کہ تین بالوں کے منڈنے سے بھی فدیہ واجب ہے۔ اور امام احمد سے بھی یہی ایک روایت ہے۔ پس پہلے قول میں تشدید ہے اور دوسرا تخفیف و تشدید دونوں کا احتمال رکھتا ہے اور تیسرا قول غایت احتیاط میں ہے۔

پہلے قول کی وجہ وضو میں مسح کرنے پر قیاس کرنا ہے اور دوسرے قول کی وجہ تکلف کا دور ہو جانا ہے خواہ ثلث حصہ سے ہو یا ربع سے یا تین ربعوں سے اور مثل اس کی اور جو کچھ اس سے زیادہ ہو تو وہ حرام ہے۔ اور تیسرے قول کی وجہ ظاہر ہے۔

دوسرا مسئلہ امام شافعی رضہ اور امام احمد کا قول یہ ہے کہ اگر محرم نے نصف سر صبح کے وقت منڈایا اور نصف شام کو تو اس پر دو کفارے لازم ہیں برخلاف خوشبو اور لباس کے متفرق یا پے در پے استعمال کرنے کی صورتوں میں۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ کا قول یہ ہے کہ تمام ممنوعات ماسوا شکار کے قتل کے اگر مجلس واحد میں ہوں تو اس پر ایک کفارہ ہے خواہ پہلی مرتبہ کا کفارہ ادا کر چکا ہو یا نہ اور اگر مختلف مجالس میں ہوں تو ہر مجلس کے لئے علیحدہ کفارہ لازم ہے

مگر اُس صورت میں کہ تکرار کسی اور علت کی وجہ سے ہوئی ہو مثلاً کسی مرض کی وجہ سے۔ اور امام مالک رضہ نے شکار کے بارہ میں یہ ہی فرمایا ہے۔ اور غیر شکار میں امام شافعی رضہ کے قول کے موافق ہیں۔
پہلے قول کی وجہ سر منڈانے میں احتیاط کو لینا ہے اور امام ابو حنیفہ رضہ کے قول کی وجہ ذہن کا اسطرف جانا ہے کہ فدیہ اُسی وقت واجب ہوگا کہ جب کامل طور پر تحصیل راحت ہوگی اور وہ تمام سر کا منڈانا ہے خواہ وہ ایک مجلس میں ہو یا مختلف مجالس میں۔ اور امام مالک رضہ کے قول کی وجہ معلوم ہے۔

تیسرا مسئلہ امام شافعی رضہ اور امام احمد کا قول یہ ہے کہ جس نے حج یا عمرہ میں حلال ہونے سے قبل وطی کر لی اُس کا حج فاسد ہوا اور اُس پر بدنہ واجب ہے اور فاسد حج میں گذر جانا ضروری ہے اور پھر اُس کی قضا علی الفور واجب ہے۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر جماع وقوف عرفہ سے پہلے کیا ہے تو اُس کا حج فاسد ہوا اور ایک بکری لازم ہے اور اگر بعد وقوف عرفہ کے کیا ہے تو حج فاسد نہ ہوا لیکن بدنہ واجب ہے اور امام مالک کا قول ظاہر امام شافعی رضہ کی مثل ہے۔ پس پہلے قول میں بدنہ کی وجہ سے تشدید ہے۔ اور دوسرے قول امام ابو حنیفہ رضہ میں بکری کی وجہ سے تخفیف ہے اور وجہ دونوں قولوں کی ظاہر ہے۔ اور اس کے فدیہ اشکال اور اُس کا جواب شروع باب میں گذر چکا ہے۔

چوتھا مسئلہ امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کا قول یہ ہے کہ جماع کرنے والے مرد اور عورت دونوں کے لئے ضروری ہے کہ وطی کے مقام پر متفرق ہو جاویں اور یہ اُن کے لئے مستحب ہے حالانکہ امام مالک رضہ اور امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ یہ اُن پر واجب ہے۔ پس پہلا قول مخفف اور اُن لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے جن کی خواہش ضعیف ہے اور دوسرا قول مشدد اور اُن لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے جنکی شہوت قوی ہے۔

پانچواں مسئلہ امام ابو حنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ جس نے جماع کیا اور پھر جماع کیا حالانکہ پہلے کا کفارہ ادا نہیں کیا تھا تو اُس کو ایک بکری کا صدقہ لازم ہے مگر یہ کہ ایک ہی مجلس میں مکرر ہو۔ حالانکہ امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ دوسری وطی کی وجہ سے کچھ لازم نہیں۔ اسی طرح امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ ایک کفارہ واجب ہوتا ہے اسی طرح امام احمد یہ فرماتے ہیں کہ اگر پہلے کا کفارہ ادا کر چکا ہے تو دوسری وطی کی وجہ سے بدنہ لازم ہے پس پہلے قول میں شرط کی وجہ سے تخفیف ہے اور دوسرا قول مخفف ہے اور تیسرا بدنہ کی وجہ سے مشدد ہے۔
پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ دوسری وطی ایسی ہے جیسی پہلی کا تتمہ اور اسی لئے اُس میں تخفیف کی وجہ سے بکری لازم ہے۔
اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ حکم صرف پہلی وطی کے ساتھ دائر ہے اور اسی وجہ سے امام شافعی رضہ نے اُن دونوں میں ایک کفارہ واجب کیا ہے اور امام احمد کے قول کی وجہ ظاہر ہے۔ اور مفصل ہے۔

چھٹا مسئلہ ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ جب شہوت کے ساتھ بوسہ لیا یا پیشاب گاہ کے سوا اور مقام میں وطی کی اور انزال ہوگیا تو اُس کا حج فاسد نہ ہوا۔ لیکن امام شافعی رضہ کے قول میں اُس پر بدنہ واجب ہے۔ اسی طرح امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ اُسکا حج فاسد ہے اور اُس پر بدنہ لازم ہے۔ پس پہلے قول میں تخفیف اور دوسرا مشدد ہے۔
پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ شارع نے اس کی تصریح نہیں فرمائی کہ بوسہ لینا اور غیر فرج میں وطی کرنا فرج میں وطی کرنیکا حکم رکھتا ہے پس اسی وجہ سے اُسکا حج فاسد نہ ہوگا اور رہا بدنہ کا وجوب تو اُس کی وجہ منی کے نکلنے سے تلذذ کا حاصل ہونا ہے۔
دوسرے قول کی وجہ اس کو پیشاب گاہ میں وطی کرنے کے ساتھ لاحق کرنا ہے سد باب کی غرض سے اور انزال کی وجہ سے چونکہ معنے وطی کے پائے گئے پس خوب سمجھ لو۔

ساتواں مسئلہ ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ ہدی کا مکہ سے یا حرم سے خریدنا درست ہے حالانکہ امام مالک کا قول یہ ہے کہ حل سے ہدی کو لیجانا ضروری ہے۔ پس پہلے قول میں تخفیف اور دوسرے میں تشدید ہے پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ ہدی کو خرید کر مساکین حرم پر تقسیم کر دینا اسی کو ہدی کہتے ہیں۔ چاہے لیجانا اور سوق نہ پایا جائے کیونکہ مقصد اسی سے حاصل ہو جاتا ہے۔ دوسرے قول کی وجہ قول باری تعالیٰ کے ظاہر پر عمل کرنا ہے کیونکہ ارشاد ہے کہ "ھدیًا بالغ الکعبۃ" ایسی ہدی ہو جو کعبہ تک پہونچنے والی ہو۔ تو یہ اسکو مقتضی ہے کہ وہ کسی ایسی جگہ سے آئی ہو کہ جو حرم سے خارج اور دور ہو۔

آٹھواں مسئلہ ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ جب ایک شکار کے قتل کرنے میں ایک جماعت شریک ہو جائے۔ تو ان سب پر ایک جزا لازم ہوتی ہے حالانکہ امام ابو حنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ ہر واحد پر ایک ایک کامل جزا لازم ہے۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔

پہلے قول کی وجہ اس صورت پر قیاس کرنا ہے کہ اگر ایک انسان کو چند آدمی ملکر قتل کریں اور پھر دیت پر صلح ہو جائے تو ان تمام پر صرف ایک دیت لازم ہوتی ہے۔ دوسرے قول کی وجہ اس پر قیاس کرنا ہے کہ وہ تمام لوگ اس مقتول کے قصاص میں قتل کئے جائیں گے۔ اس دلیل سے کہ دونوں قتل ایسے ہیں جن کی اللہ تعالےٰ نے اجازت نہیں دی۔ پس خوب سمجھلو

نواں مسئلہ ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ کبوتر اور اس کے جو قایم مقام ہے اس کے ضمان میں بکری لازم ہے۔ حالانکہ امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ مکہ شریفہ کا کبوتر قیمت اس کا ضمان ہے۔ اسی طرح امام داؤد کا قول یہ ہے کہ کبوتر میں بدلہ نہیں جسطرح شروع باب میں گذرا پس پہلے قول میں تشدید اور دوسرے میں تخفیف ہے اور وجہ دونوں کی ظاہر ہے۔ اور رہا امام داؤد کا قول سو اس کی وجہ یہ ہے کہ شارع علیہ السلام سے اس بارہ میں کوئی حکم نہیں پہنچا

دسواں مسئلہ ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ حج قران والے پر وہی لازم ہے جو حج افراد والے پر ان صورتوں میں ہے جو جنایت کے ارتکاب کی ہیں اور وہ صرف ایک ہی کفارہ ہے حالانکہ امام ابو حنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ اسپر دو کفارے لازم ہیں اسی طرح ایک شکار کے قتل کرنے میں دو بدلے لازم ہیں۔ پس اگر اپنے احرام کو فاسد کر دیا تو قضا میں حج قران لازم ہوگا اور کفارہ اور دم قران اور دم قضا بھی اور یہی قول امام احمد رضہ کا ہے۔ پس پہلا قول مسئلہ قارن میں مخفف ہے اور دوسرا اس میں مشدد ہے۔ اور پہلا قول مسئلہ قتل شکار میں بھی مشدد ہے۔ اسی طرح گفتگو اس میں ہے کہ محرم اپنے احرام کو فاسد کر دے کہ وہ قول مشدد ہے اور دونوں قولوں کی وجہ ظاہر ہے۔

گیارھواں مسئلہ سوائے امام شافعی رضہ کے قول راجح کے تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ جب حلال آدمی باہر سے گیا ہوا داخل حرم میں شکار پاوے تو اسے اسکا ذبح کرنا درست ہے اور تصرف بھی جائز ہے۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ یہ جائز نہیں پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔ کیونکہ امام ابو حنیفہ رضہ کے نزدیک اس میں کچھ فرق نہیں کہ شکار نفس حرم میں موجود ہو یا باہر سے اس میں داخل ہو گیا ہو۔ دونوں قسم شکاروں کا احترام ضروری اور یکساں ہے اور یہ دوسرا قول اکابر اہل ادب کے ساتھ مخصوص ہے اور پہلا قول چھوٹے درجہ کے لوگوں کے ساتھ

بارھواں مسئلہ امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ حرم کے بڑے درخت کے کاٹنے سے ایک گائے لازم ہے اور چھوٹا کاٹنے میں ایک بکری۔ حالانکہ امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ اسپر چھوٹا درخت کاٹنے میں کچھ لازم نہیں مگر ہاں اپنے فعل کا گناہگار ہوگا۔ اسی طرح امام ابو حنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ ایسے درخت کو کاٹنا جسے لوگوں نے اگایا

اور لگایا ہو کوئی بدلہ واجب نہیں اور اگر بلا واسطہ آدمی کے خدا تعالےٰ نے اُگایا ہو تو اُسپر بدلہ لازم ہے۔ پس پہلے قول میں تشدید اور احتیاط کے ساتھ عمل کرنا ہے اور دوسرے میں تخفیف ہے کیونکہ کسی کو مناسب نہیں کہ اُس شے میں تغیر پیدا کرے جس میں حوادث کے ہاتھ کو کچھ دخل نہ ہو کیونکہ اُس کی نسبت ظاہر نظر میں حق تعالیٰ کی طرف ہے۔ پس اسی وجہ سے ائمہؒ نے اُن کے احترام میں تشدد کیا ہے۔ برخلاف اُس کے کہ جس میں حوادث کے ہاتھ نے بھی دخل دیا ہو کہ ظاہر نظر میں لوگوں کی طرف نسبت کیا جاتا ہے۔ پس خوب سمجھ لو۔

تیرھواں مسئلہ ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ گھانس کا کاٹنا چارہ اور دوا کے لئے درست ہے۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ جائز نہیں۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ جس وقت حضرت رسول خداؐ کے چچا عباسؓ نے اذخر گھاس کو مستثنےٰ کرکے فرمایا الا الاذخر یا رسول اللہ" تو آپ نے بھی جواب میں فرمایا کہ "الا الاذخر" یعنی اذخر مستثنےٰ ہے۔ تو اسی پر اور گھاس کو بھی قیاس کرینگے اسی طور سے کہ اگر کاٹی جاوے تو بعد میں اور پیدا ہو جاوے اور اگر توڑی جاوے تو ایسی نہ ہو جس طرح درخت بس خوب سمجھ لو۔

چودھواں مسئلہ امام ابوحنیفہؒ کا قول اور امام شافعی رضہ کا قول جدید یہ ہے کہ مدینہ طیبہ کے درخت کو کاٹنا حرام ہے۔ لیکن اگر کاٹ لیا تو ضمان لازم نہیں اسی طرح مدینہ کے شکار کا قتل بھی حرام ہے حالانکہ امام مالکؒ اور امام احمدؒ کا قول اور امام شافعی رضہ کا قول قدیم یہ ہے کہ اُس کا ضمان لازم ہے مثلاً یہ کہ قاتل کا سامان لے لیا جائے اسی طرح درخت کاٹنے والے کا۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرے قول میں تشدید ہے اس وجہ سے کہ دونوں کی حرمت وارد ہو چکی ہے اور اللہ زیادہ جاننے والا ہے۔

باب حج اور عمرہ کی صفت میں

مسائل اجماعیہ

ائمہ اربعہ کا اسپر اجماع ہے کہ جو شخص مکہ میں داخل ہو تو اُسے اختیار ہے خواہ دن میں داخل ہو یا رات میں۔ اور امام نخعی رحہ اور اسحاق کا قول یہ ہے کہ رات میں داخل ہونا افضل ہے اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ صفا سے مروہ تک جانا اور پھر صفا کی طرف لوٹنا دو مرتبہ شمار کیا جائے گا اور ابن جریر طبری کا قول ہے کہ جانا اور لوٹنا ایک مرتبہ محسوب ہوگا اور ائمہ شافعیہ میں سے ابوبکر صیرفی بھی اسی کے موافق ہیں اور جماہیر فقہا ائمہ اربعہ کے موافق ہیں اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ جب یوم عرفہ یوم جمعہ کے ساتھ موافق ہو جائے تو جمعہ کی نماز نہ پڑھیں اور یہی حکم منیٰ کے بارہ میں ہے۔ ہاں ظہر کی دو دو رکعتیں پڑھیں اور ان ائمہ کی موافقت اس بارہ میں عامہ فقہا نے کی ہے۔ اور امام ابو یوسف رحہ کا قول کہ عرفہ کے روز جمعہ پڑھا جاوے۔ قاضی عبدالوہاب کا قول ہے کہ امام ابو یوسف رحہ نے اس مسئلہ کے بارہ میں خلیفہ رشید کے سامنے امام مالکؒ سے سوال کیا تو امام مالک رضہ نے جواب دیا کہ مدینہ میں ہمارے جوانوں کا یہ خیال ہے کہ عرفہ میں جمعہ نہیں اور اہل حرمین شریفین کا اسی پر عمل ہے اور وہ اس کو غیر سے زیادہ جانتے ہیں اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ مزدلفہ میں شب کو رہنا

ہے اور رکن نہیں۔ اور امام نخعی رح اور شعبی رح سے منقول ہے کہ رکن ہے اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ مزدلفہ میں مغرب اور
ں کی نماز اکٹھی عشا کے وقت پڑھی جاویں۔ اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ رمی واجب ہے۔ اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ وہ
طلوع کے مستحب ہے۔ اور اسپر بھی کہ جسوقت ہدی نفلی ہو تو وہ اُس کی ملک میں باقی رہتی ہے تصرف کر سکتا ہے اُسمیں
ں طرح چاہے جبتک ذبح نہ کرے۔ اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ طواف افاضہ رکن ہے۔ اور اسپر بھی کہ تینوں جمروں کی
ں ایام تشریق میں بعد زوال آفتاب کے اسطرح کہ ہر جمرہ پر سات کنکریاں مارے واجب ہے اور ابن ماجشون نے
ہے کہ جمرہ عقبہ کی رمی ارکان حج میں سے ہے کہ کوئی شخص بغیر اُس کے ادا کئے حلال نہیں ہو سکتا۔ یہانتک مسائل
عیہ جو ملے ختم ہوئے۔ اور امام نخعی رح اور اسحاق کا جو قول ہے کہ مکہ میں رات کے وقت داخل ہونا افضل ہے اُسکی
یہ ہے کہ داخل ہونے والا یہ سمجھے کہ میں مجرم ہوں جسپر بادشاہ کا عتاب ہے اور لوگ اُس کو بیڑیوں میں جکڑ کر لائے
ں تاکہ بادشاہ کے حضور میں پیش کریں اور تمام لوگ اس انتظار میں کھڑے ہیں کہ دیکھیں اس مجرم کے ساتھ کیا
لہ ہوتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ایسے شخص کے لئے رات میں داخل ہونا ستر کے لحاظ سے بہتر ہے اور ابن جریر کے
ں کی وجہ احتیاط کو لینا ہے کیونکہ مقصود صفا سے ابتدا کرنا ہے چلنے میں اُس کے بعد مروہ میں چلنا ہے پس علماء نے سات
ں سے اول مرتبہ کو مقصود ٹھیرایا ہے اور ابن جریر نے ہر مرتبہ کو مطلوب ٹھیرایا ہے لہذا متقی کے لئے اسپر عمل مناسب
ہے تاکہ اختلاف سے باہر ہو جاوے اور ابو یوسف رح کے قول کی وجہ کہ اُن کو عرفہ میں جمعہ کی نماز پڑھنی چاہیے
اسطرح منی میں یہ ہے کہ یہ عید کا دن ہے جس میں گناہوں کی بخشش ہوتی ہے۔ پس مناسب ہے کہ لوگ وہاں جمعہ کی
پڑھیں کیونکہ اُن کا وقت گناہوں سے پاک ہونے کا ہے اس لئے اُنپر دو عیدیں جمع ہیں لہذا اگر وہ نماز جمعہ
ہیں تو ممانعت نہیں۔ کیونکہ شارع ع کی طرف سے اس کے بارہ میں کوئی نہی وارد نہیں۔ اور کلام جمہور کی وجہ یہ ہے
اسکے لئے شارع ع کی طرف سے کوئی حکم ثابت نہیں اس لئے جمعہ کا نہ پڑھنا لوگوں پر اخف ہوگا اور اہل کشف کا بیان
ہے کہ اصل تنگی نہ کرنا ہے کیونکہ یہی وہ امر ہے جس کی طرف جنت میں لوگوں کی انتہا ہوگی۔ یہی وجہ ہے جو تنگی کا اٹھانا اصل ہے
حکم تنگی کیساتھ ہو وہ خلاف اصل ہے انتہا۔ مع حرج اصل کے ساتھ دائر ہے اور دائر مع الحرج خلاف اصل کے ساتھ دائر ہے انتہی
اس کی وجہ کہ مزدلفہ میں شب گذارنا رکن ہے شارع علیہ السلام کا اس کی تصریح کرنا اور اس کی وجہ سے شعار
کا ظاہر ہونا ہے اور یہی گفتگو جمرہ اور عقبہ کی رمی میں ہے کیونکہ ظہور شعار اُس کی رمی میں باقی جمرات کی رمی سے
دہ ہے پس خوب سمجھ لو۔

مسائل اختلافیہ

پہلا مسئلہ

امام شافعی رض کا قول ہے کہ جو شخص بغیر ارادہ حج مکہ میں داخل ہو تو اُسے مستحب ہے کہ وہ حج یا عمرہ کا
احرام باندھ لے۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رض کا قول یہ ہے کہ جو شخص میقات سے باہر کا رہنے والا ہے اُسے
لئے یہ جائز نہیں کہ وہ بغیر احرام کے میقات کے اندر داخل ہو۔ اسی طرح امام مالک رض کا قول اور امام شافعی رض
قول قدیم یہ ہے کہ میقات سے بغیر احرام کے تجاوز کرنا ناجائز ہے اور نہ مکہ میں بغیر احرام کے داخل ہونا روا ہے
ہاں اگر بار بار داخل ہونا پڑے جسطرح لکڑہارا اور شکاری کو ضرورت پڑتی ہے۔ پس پہلا قول مخفف اور اصاغر
کے ساتھ مخصوص ہے اور دوسرا مشدد اور اکابر کے ساتھ مخصوص ہے اور تیسرے قول میں تخفیف ہے۔ اور ہو سکتا ہے

کہ استحباب اکابر کے حق میں ہو اور وجوب اصاغر کے حق میں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اکابر کے قلوب ہمیشہ حق تعالےٰ کے دربار میں گوشہ نشین رہتے ہیں اور حج وعمرہ کا احرام زیادہ سے زیادہ انکو یہ فائدہ دے گا کہ حسبقدر حضوری اُن کو میسر ہے اُس سے کچھ زیادتی ہو جائے گی۔ برخلاف اصاغر کے کہ اُن کے قلوب دربار خداوندی سے محجوب رہتے ہیں لہٰذا جب اُس جگہ وارد ہوں تو دربار خداوندی میں داخل ہونا اُن کے لئے ضروری ہے اس سے بچنے کی غرض سے کہ مبادا دربار الٰہی کی ہتک حرمت نہ ہو جائے۔ پس خوب سمجھ لو۔

دوسرا مسئلہ ائمہ کا قول یہ ہے کہ بیت اللہ کے دیکھنے کے وقت دعا کرنا مستحب ہے اور یہ کہ طواف قدوم سنت ہے کہ اس کا جبر نقصان دَم سے نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ بیت اللہ کے دیکھنے کے وقت دعا کے لئے ہاتھ اٹھانا مستحب نہیں اور طواف قدوم واجب ہے کہ اُس کا جبر دَم سے ہو سکتا ہے۔ پس پہلے قول میں استحباب دعا و رفع الیدین کی وجہ سے تشدید ہے اور دوسرے قول میں اسکو ترک کی وجہ سے تخفیف ہے اور طواف قدوم میں تشدید ہے۔ پہلے قول کی وجہ پیروی کرنا ہے اور دوسرے قول کی وجہ امام مالک رضہ کو اس بارہ میں کسی نص کا نہ ملنا ہے اور طواف قدوم کے ترک کی صورت میں وجوب دَم کا قول اپنے اجتہاد سے کیا ہے اور اُس کی وجہ ظاہر ہے کیونکہ وہ خانہ کعبہ کے شعائر میں سے ہے۔

تیسرا مسئلہ ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ طہارت اور ستر عورت صحت طواف کی شرط ہے اور جو شخص طواف کرتے میں بے وضو ہو جائے اُسے لازم ہے کہ وضو کرے اور پھر جہاں سے چھوڑا ہے وہیں سے شروع کرے۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ طہارت شرط نہیں ہے۔ پس پہلا قول مشدد ہے۔ اُس کی دلیل پیروی کرنا ہے اور دوسرا قول مخفف ہے اور اُس کی دلیل اجتہاد ہے۔ اور پہلے قول کی وجہ آنحضرت ص کا فرمان ہے کہ طواف بمنزلہ نماز کی ہے خبردار بیشک خدا تعالےٰ نے اس کے اندر بولنے کو حلال کیا ہے پس نہیں مستثنےٰ کیا مگر کلام کو تو معلوم ہوا کہ طہارت ویسی ہی ہے جسطرح نماز کے لئے اور رہا یہ کہ پے در پے حرکات کرنی پڑتی ہیں سو اُنکا مستثنےٰ کرنا صحیح نہیں کیونکہ طواف درحقیقت چلنے ہی کو کہتے ہیں تو اگر وہی مستثنےٰ کر دیا جائے تو طواف کی صورت باطل ہو جائے۔

اور میں نے سیدی علی خواص رضہ سے سنا ہے کہ اللہ تعالےٰ کے دربار میں کھڑے ہونے والے کو ستر ضروری ہے خواہ وہ طواف ہو یا نماز ہو لیکن نماز کے اندر چلنا صرف دل کے ساتھ ہوتا ہے کیونکہ استقبال واجب ہے اور اول سے آخر تک اُس کے سامنے رہنا ضروری ہے برخلاف طواف کے کہ اُس کے اندر چلنا جوارح کے ساتھ ہوتا ہے قلب کے علاوہ جسطرح کوئی اپنے گناہوں سے بھاگ کر ایسے شخص کی طرف جاتا ہو جو اُسے عذاب سے بچالے پس خوب سمجھ لو۔

اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ بیت اللہ کا طواف کرنے والا ایسا ہوگا جیسا کوئی محدث بحدث اصغر مسجد میں بیٹھا ہو اور یہ جائز ہے۔ پس اسی وجہ سے امام ابو حنیفہ رضہ نے طواف میں طہارت کے شرط نہ ہونے کا قول کیا ہے اگرچہ طہارت عمدہ اور اچھی شے ہے پس سمجھ لو۔

چوتھا مسئلہ ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ حجر اسود پر سجدہ سنت ہے جس طرح بوسہ لینا بلکہ وہ بوسہ لینا ہے مع کچھ زیادتی کے حالانکہ امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ اس پر سجدہ کرنا بدعت ہے۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے۔ پہلے قول کی وجہ پیروی کرنا ہے دوسرے قول کی وجہ اس کے قائل کو اُس حدیث کا نہ پہونچنا ہے جو سجدہ کی بارہ میں وارد ہے لہٰذا اُسی پر توقف کیا جائے گا جو کچھ شارع ع سے پہونچا ہے فقط یعنی بوسہ دینا۔

پانچواں مسئلہ امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ رکن یمانی کا استلام کرے نہ بوسہ دے حالانکہ امام ابو حنیفہ رضہ کا قول

ہے کہ استلام نہ کرے اسی طرح امام مالک رض کا قول یہ ہے کہ استلام کرے اور لیکن اپنے ہاتھ کا بوسہ نہ لے بلکہ ہاتھ کو اپنے ہ پر رکھ دے۔ اسی طرح امام احمد رض کا قول یہ ہے کہ اُس کا بوسہ لے۔ پس تمام امام استلام اور تقبیل میں درمیان تخفیف ر تشدید کے ہیں اور اُس کی حکمت جو ذکر کیا گیا نہیں ذکر کی جا سکتی مگر دو بدو کیونکہ وہ منجملہ اسرار کے ہے۔

چھٹا مسئلہ ائمہ کا قول یہ ہے کہ وہ دو رکن شامی جو حجر اسود کے متصل ہیں استلام نہ کئے جائیں۔ حالانکہ ابن عباس رض اور ابن زبیر رض اور جابر رض کا قول یہ ہے کہ استلام کیا جاوے۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے پہلا قول اُن چھوٹے درجہ کے لوگوں کے ساتھ خاص ہے جو راز کچھ نہیں پا سکتے۔ مگر حجر اسود اور رکن یمانی میں۔ اور دوسرا ں اُن بڑے درجہ کے لوگوں کے ساتھ خاص ہے جو راز کو پاتے ہیں اور راز کسی جہت کے ساتھ مخصوص نہیں خانہ کعبہ کی مخصوص ں بلکہ تمام کا تمام ہی مدد ہے اور راز ہے۔ لیکن بعض راز ایسے ہیں جو خاص اور عام دونوں کو ظاہر ہوتے ہیں اور ں صرف خواص کے ساتھ مخصوص ہیں اور مجھے اُس فقیر نے خبر دی ہے جس پر میں اعتماد کرتا ہوں کہ جس وقت اُس نے ہ سے مصافحہ کیا تو کعبہ نے بھی اُس سے مصافحہ کیا اور جب اُس نے کلام کیا تو اُس نے بھی کلام کیا اور اُس نے شعر ہے تو اُس نے بھی شعر خوانی کی اور دونوں نے شکر حق تعالیٰ ادا کیا کیونکہ اہل کشف کا اجماع ہے کہ وہ زندہ ہے اور ں نے اُسے جماد اور بے جان سمجھا تو وہ اسرار حج سے محجوب رہا کیونکہ نطق و معانی کا اجسام کے بولنے سے زیادہ عجیب ہو یحیح ابن خزیمہ میں وارد ہے کہ روزے اور قرآن شریف قیامت کے دن بندے کی شفاعت کریں گے تو روزے کہیں گے ے پروردگار میں نے اس کو شہوت سے دور رکھا اور قرآن کہے گا کہ اے پروردگار میں نے اسکو رات کے سونے سے ور رکھا تو خدا تعالیٰ اُن کی شفاعت قبول فرمائے گا۔

شیخ محی الدین بن عربی کا قول ہے کہ جب اُنہوں نے حج کیا تو شاگرد بنا اُن کا کعبہ اور شیخ نے اُس کو مقامات کی طرف دی جو پہلے ہمکو حاصل نہ تھے اور اُس نے شیخ کی خدمت کی۔ اور یہی وجہ ہے جو اہل اللہ نے حج کے ارادہ کرنیوالے پر وری قرار دیا ہے کہ وہ پہلے کسی کامل عارف راہِ خدا کے ہاتھ پر سلوک طے کرے تاکہ پھر ہر چیز کی زندگی کو دیکھنے لگے ں کے بعد حج کرے۔ اور مجھے سیدی علی خواص نے خبر دی ہے کہ جب اُنہوں نے خانہ کعبہ کا طواف کیا تو اُس نے اُنکو کی (انتہی)۔

ساتواں مسئلہ ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ اکڑ کر چلنا سنت ہے اسی طرح اضطباع سنت ہے۔ حالانکہ امام مالک رض کا قول یہ ہے کہ اضطباع ثابت نہیں اور میں نے کسی کو اضطباع کرتے نہیں دیکھا۔ پس پہلا قول مشدد دوسرا مخفف ہے پہلے قول کی وجہ پیروی کرنا ہے۔ اور دوسرے قول کی وجہ امام مالک کا اس فعل کو دیکھنا ہے تو اُنہوں ان کیا کہ اگر یہ فعل سنت ہوتا تو بعض لوگ تو اُس کو کرتے اور امام مالک رض اُسے دیکھتے۔

تقدیر اس کے کہ امام مالک رض کو اضطباع والی حدیث پہونچی ہو۔ ہو سکتا ہے کہ وہ ایسے چلتے ہوں کہ جب علت زائل ہو گئی بھی جاتا رہا کیونکہ وہ علت کہ جسکی وجہ سے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو اضطباع اور اکڑ کر چلنے کا حکم تھا وہ آپ کی حیات طیبہ میں ہی زائل ہو چکی تھی اور وہ قریش کے اس گمان کا خلاف کرنا تھا کہ اصحاب رسول اللہ اللہ علیہ وسلم میں (نعوذ باللہ) سستی اور کمزوری ہے جس سے اُنکی آنکھوں میں اصحاب کی تحقیر لازم آتی تھی اور جب ن نے اضطباع (کل گتی) کر کے اکڑ کر چلنا شروع کیا تو قریش نے اپنے اُس باطل گمان سے رجوع کر لیا اور پھر کہنے چستی میں ہرن جیسے ہیں۔ لیکن پہلا قول حق تعالیٰ کے ساتھ ادب کے اعتبار سے اظہر ہے کیونکہ ممکن ہے کہ شارع سلام نے باوجود اُس کی علت زائل ہو جانے کے پھر بھی اُس کے دوام کا قصد فرمایا ہو اور اس کی کوئی اور

علت ہو۔

(اگر کہا جاوے) کہ مرتبہ میں حق کے نزدیک عاجزی اور ضعف کا اظہار، قوت کے اظہار سے زیادہ اولیٰ اور اعلیٰ ہے۔

(تو جواب یہ ہے) کہ یہ صحیح ہے لیکن وہ قوت کا اظہار اس غرض سے کرتے ہیں کہ کہیں اُن کے ساتھ ہنسی نہ کریں اگرچہ پھر بھی وہ حق تعالیٰ اور اپنے درمیان انتہا درجہ کے کمزور ہوتے ہیں۔ اور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے تکبر سے چلنے کی ممانعت فرمائی ہے مگر دارالحرب میں اُس کو جائز فرمایا ہے۔ اسی طرح لڑائی کے وقت سفید ڈاڑھی کو سیاہ کرنے کی اجازت دی ہے حالانکہ لڑائی کے سوا اور اوقات میں اس کی ممانعت فرمائی ہے۔ پس خوب سمجھ لو۔

آٹھواں مسئلہ ائمہ اربعہ کا قول یہ ہے کہ حج کرنے والا اگر اضطباع اور اکڑ کر چلنے کو چھوڑ دے تو اُس پر کچھ واجب نہیں۔ حالانکہ حضرت حسن بصری رح اور ابن ماجشون کا قول یہ ہے کہ اُس پر دم واجب ہے۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔ پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ وہ سنت ہے اور دوسرے قول کی وجہ یہ کہ وہ اجتہاد کی وجہ سے واجب ثابت ہے اور ہر ایک مسئلے کے لئے لوگ علیحدہ علیحدہ ہیں۔

نواں مسئلہ جماہیر علماء کا قول یہ ہے کہ طواف میں قرآن شریف پڑھنا مستحب ہے۔ حالانکہ امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ مکروہ ہے۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا اُس میں تلاوت نہ کرنے کی وجہ سے مشدد ہے۔ پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ قرآن شریف تمام اذکار میں افضل ہے اس لئے خدا تعالیٰ کے دربار میں اُس کا پڑھنا زیادہ بہتر ہے جس طرح نماز میں اس دلیل سے کہ طواف کا مثل نماز کی ہونا حدیث میں وارد ہے لہٰذا اُس کے اندر حق تعالےٰ سے اُس کے ازلی اور قدیم کلام کے ساتھ سرگوشی کرنا اعظم ہے اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ جو ذکر کسی محل کے ساتھ مخصوص ہوتا ہے اُس کا حاصل اُس ذکر کی طرف لوٹتا ہے جو مخصوص نہیں اگرچہ افضل ہی کیوں نہ ہو۔ اُس پر قیاس کر کے جو علماء نے اذکار نماز کے بارہ میں کہا ہے بلکہ رکوع میں تو قرآن شریف پڑھنے کی ممانعت آئی ہے۔ پس خوب سمجھ لو۔

دسواں مسئلہ امام ابو حنیفہ رح کا قول اور امام شافعی رضہ سے مرجوح روایت یہ ہے کہ طواف کی دونوں رکعتیں واجب ہیں۔ حالانکہ امام مالک رض اور امام احمد رض کا قول اور امام شافعی کی ارجح روایت یہ ہے کہ وہ سنت ہے۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے اور اُن میں سے ہر ایک کی ایک وجہ ہے کیونکہ جب شارع ع کسی فعل کو کرے اور واجب یا مستحب ہونا ظاہر نہ فرماوے تو مجتہد کو درست ہے کہ مستحب قرار دے اُمت پر تخفیف کی غرض سے اور یہ بھی درست ہے کہ اُسے واجب قرار دے اُن کی احتیاط کا لحاظ کر کے۔ پس خوب سمجھ لو۔

گیارھواں مسئلہ امام مالک رضہ اور امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ سعی کرنا حج کا رکن ہے۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رضہ کے نزدیک اور امام احمد رضہ کی دو روایتوں میں سے ایک یہ ہے کہ واجب ہے اگر چھوٹ جاوے، تو اُس کا جبر نقصان دم سے ہو سکتا ہے۔ اسی طرح امام احمد کی دوسری روایت یہ ہے کہ سعی مستحب ہے۔ پس پہلا قول بالکل مشدد ہے اور دوسرے میں کچھ تشدید ہے اور تیسرا مخفف ہے۔

پہلے قول کی وجہ وہ احادیث ہیں جو اس بارہ میں صحیح ثابت ہوئی ہیں۔ اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ سعی حج ظاہر شعائر میں داخل نہ ہے جسطرح رمی کرنا اور مزدلفہ میں رات کو رہنا۔ اور تیسرے قول کی وجہ خدا تعالیٰ کے قول پر ظاہرا عمل کرنا ہو کہ فمن حج البیت او اعتمر فلا جناح علیہ ان یطوف بھما ومن تطوع خیرا فان اللہ شاکر علیم۔ پس خدا تعالیٰ کے ان الفاظ میں کہ فلا جناح علیہ ان یطوف بھما اُس تنگی کو دور کرتا ہے جو لوگوں کو سعی کا امر کرنے سے پہلے تھی۔ بالخصوص اس وجہ سے کہ باری تعالیٰ اس کے بعد فرماتا ہے کہ فمن تطوع خیرا تو گویا سعی کو منجملہ اُن

ہو رکے قرار دیا گیا جن کے ساتھ تفضیل اور تنفل کیا جاتا ہے۔ اور پہلے اور دوسرے کا جواب یہ ہے کہ جو چیز منع کئے جانی
بعد جائز ہوتی ہے وہ واجب ہوتی ہے اور اُسپر واجب کا اطلاق خدا تعالیٰ کی طاعت ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے جسطرح
پر خیر کے لفظ کا اطلاق کیا جاتا ہے کیونکہ جو اُسے بجالایا گویا اُس نے حق تعالیٰ کی اطاعت کی

رھواں مسئلہ — ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ سعی کے صحیح ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ابتدا صفا سے ہو۔ حالانکہ
امام ابوحنیفہ کا قول یہ ہے کہ عکس کرنے میں بھی کچھ ہرج نہیں کہ مروہ سے ابتدا کریں اور صفا
پر ختم پس پہلا قول مشدد ہے اور اُس کے لئے ظاہر کتاب وسنت شاہد ہے اور دوسرا قول مخفف ہے اور اُس کے لئے
اُن کتاب وسنت شہادت دیتی ہے اور وہ یہ کہ مراد اور مقصود اُنکا طواف کرنا ہے چاہے ابتدا صفا سے کرے یا مروہ سے
سطرح امام مالک رحہ وضو کے اندر ترتیب میں کہتے ہیں کہ وہ شرط نہیں ہے اور مقصود یہ ہے کہ اعضا کو دھولے اُس کے
بعد نماز میں داخل ہو۔ خواہ پاؤں چہرہ سے پہلے دھولے یا بعد میں دھو دے۔ اور لیکن صفا سے ابتدا کرنا مستحب ہے
اس شخص کے نزدیک جو اُس کے وجوب کے قائل نہیں۔ کیونکہ شارع ع سے اسی طرح ثابت ہے نہ یہ عکس اور ابن عباس
فرمایا ہے کہ میں نے نبی کریم علیہ التسلیم سے سوال کیا کہ صفا سے ابتدا کرنی چاہئے یا نہیں تو آپ نے فرمایا کہ اُس سے ابتدا
کرو جس سے خدا نے ابتدا کی ہے، یعنی جسکو پہلے ذکر فرمایا ہے۔ پس خوب سمجھ لو

رھواں مسئلہ — ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ وقوف عرفہ میں دن اور رات کو جمع کرنا مستحب ہے حالانکہ امام مالک رحہ
کا قول اُس کے وجوب کا ہے۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔
پہلے اور دوسرے قول کی وجہ پیروی کرنا ہے اور اس میں وجوب اور استحباب دونوں کا احتمال ہے۔ لیکن وجوب کا قول
احوط ہے کیونکہ عرفہ کی شب کو اُس دن سے موخر کیا ہے اس لئے وہ وقوف کے وقت میں شمار کی جائے گی جب تک طلوع
فجر نہ ہو۔ پس عرفہ کی شب کے لئے دعا کا ایک حصہ ہے اور کبھی دن تنگ رہجا تا ہے جب آدمی اپنے تمام عمر کے کئے ہوئے
گناہ یاد کرنے لگتا ہے یا صرف اُسی سال کے یا اُن کے گناہ شمار کرتا ہے جن کی وہ شفاعت کرانے والا ہے مسلمانوں میں
سے لہذا اُس شب میں وقوف متعین ہو گیا حتیٰ کہ اپنے گناہوں کی یاد سے فارغ ہو جائے اگرچہ فجر تک ہو کیونکہ شارع
علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ "الحج عرفۃ"، تو جو شخص عرفہ سے جدا ہو جائے اس حالت میں کہ اُسپر کوئی گناہ ہو جسر
سے توبہ نہ کی ہو تو وہ شفاعت کا محتاج ہے کہ لوگوں سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک سفارش کرا دے اور یہ بات اُن
اکابر کے لئے جو آبرو اور عزت والے ہیں شاق ہے برخلاف اصاغر کے کہ اُنکے لئے غروب سے پہلے بھی واپس ہو جانا درست
ہے کیونکہ اُن کو دوسروں کی شفاعت پر بھروسہ ہے اپنے لئے بھی اور اپنے ساتھیوں کے لئے بھی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل
معرفت دو قسم کے ہیں ایک اکابر دوسرے اصاغر تو اکابر تو شفاعت کرنے والے کے محتاج نہیں اور اصاغر محتاج ہیں اور
عرفہ میں شفاعت کرنے والوں کے ساتھ مجتمع ہوا ہوں اور اُنہوں نے میرے واسطے دعا کی ہے۔

وھواں مسئلہ — ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ وقوف عرفہ میں پیدل چلنا اور سوار ہو کر دونوں برابر ہیں حالانکہ امام
احمد رحہ کا قول اور امام شافعی کا قول قدیم یہ ہے کہ سوار ہونا افضل ہے۔ پس پہلا قول مخفف
چھوٹے درجہ کے لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے اور دوسرا مشدد اور بڑے درجہ کے لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے
پہلے قول کی وجہ دونوں باتوں میں سے ایک کی ترجیح کے بارہ میں کسی نص کا نہ وارد ہونا ہے۔ دوسرے قول کی وجہ
اس طرف اشارہ کرنا ہے کہ فضل اللہ تعالیٰ کا ہے کہ اُس نے اپنے دربار کی طرف سوار کر کے بلایا۔ اور شکر اُس سے زیادہ
ہے جو اُس کے دربار میں پیدل چلکر آئے کیونکہ اسے بہت مرتبہ حق تعالیٰ پر بھروسہ ہو جاتا ہے۔

اور میں نے سیدی علی خواصؒ سے رسول خدا کے سوار ہو کر طواف کرنے کی حکمت دریافت کی تو انہوں نے جواب دیا کہ اس میں یہ حکمت تھی کہ اُن کو مومنین دیکھ کر اقتدا کریں اور کاملین دیکھکر عبرت پکڑیں اور میں نے شیخ الاسلام شیخ ذکریا سے اس کی حکمت دریافت کی تو انہوں نے بھی اسی کی مثل جواب دیا کہ آنحضرت صلی اللہ وسلم کا سوار ہو کر طواف کرنا دو باتوں کا احتمال رکھتا ہے یا تو اسوجہ سے کہ تاکہ لوگ آپکو دیکھ لیں اور اپنے واقعات حج کے بارہ میں فتوے طلب کریں۔ اور یا یہ وجہ تھی کہ تاکہ لوگ جان لیں کہ وہ حق تعالیٰ کی قدرتی ہتیلی پر اُٹھائے ہوئے آئے ہیں تاکہ اُس کا فضل اپنے اوپر ظاہر کریں

پندرھواں مسئلہ

ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ اگر مزدلفہ میں نماز مغرب اور عشاء کو جمع نہ کیا بلکہ ہر نماز کو اپنے وقت میں ادا کیا تو نماز درست ہو گئی۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ کا قول یہ ہے کہ جائز نہیں۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ جمع کرنا مستحب ہے اور دوسرے کی یہ کہ واجب ہے۔ اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا ایسا کرنا وجوب کا محتمل ہے۔ اور احتمال ہے کہ مستحب ہو اور مستحب کی مخالفت جائز ہے نہ واجب کی۔

سولھواں مسئلہ

ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ جمرات کی رمی بغیر پتھروں کے جائز نہیں حالانکہ امام ابوحنیفہ رحمہ کا قول یہ ہے کہ ہر اُس شے سے جائز ہے جو زمین کی جنس سے ہو۔ اسی طرح امام داؤد کا قول یہ ہے کہ ہر شے کے ساتھ جائز ہے پس پہلا قول مشدد ہے اور اُس کی دلیل پیروی کرنا ہے: اور دوسرے میں تخفیف ہے اور تیسرا مخفف ہے۔ پہلے قول کی وجہ پیروی کرنا ہے۔ اور دوسرے اور تیسرے کی وجہ یہ ہے کہ مقصود شیاطین کو زخمی کرنا ہے جسوقت کہ ہر کنکری کی وقت رمی کرنے والے کے دل میں شیطان دین کے خلاف خطرات پیدا کرتا ہے موافق عدد خواطر سبعہ کے کہ اُن میں سے ایک ایک کنکری کے وقت۔ ایک ایک گذرتا ہے چنانچہ جسوقت ذات خدا وندی میں انکار کا خطرہ ڈالتا ہے تو واجب ہے کہ اس پر افتقار الی المرجح کی کنکری مارے۔ یعنی لازم آئے گا کہ خدا مرجح کا محتاج ہو۔ اور حالانکہ وہ اپنے وجود میں واجب لذاتہ ہے۔ اور جب خدا تعالیٰ کے جوہر ہونے کا خطرہ ڈالے تو اُسپر افتقار الی التحیز والوجود بالغیر کی کنکری مارے۔ یعنی یہ بتلادے کہ اگر وہ جوہر ہو تو حیز کا محتاج اور اپنے وجود میں دوسرے کا محتاج ہوگا۔ اور جب جسمیۃ باری تعالیٰ کا خطرہ ڈالے تو افتقار الی الاداۃ والترکیب والابعاد کی رمی لازم ہے۔ یعنی یہ بتلادے کہ اگر خدا تعالیٰ جسم ہو تو اُسکو مرکب اور طویل و عریض و عمیق کہنا پڑے گا جو اُس کے وجوب کے خلاف ہے۔ اور جب خدا تعالیٰ کے عرض ہونے کا خطرہ ڈالے تو افتقار الی المحل والحدوث کی کنکری سے اُسپر رمی کرنا لازم ہے۔ یعنی خدا تعالیٰ اگر عرض ہو لازم آئے گا کہ محل کا محتاج اور حادث ہو۔ اور جب وہ خدا تعالیٰ کے علت موجبہ ہونے کا خطرہ ڈالے تو پھر اُسپر اس دلیل سے رمی کرے کہ اگر وہ علت موجبہ ہوگا تو چونکہ علت اور معلول وجود میں مساوی ہوتے ہیں اس لئے لازم آئے گا کہ معلولات خدا کے ساتھ موجود تھے اور حالانکہ خدا تعالیٰ کے ساتھ کوئی شے نہ تھی اور جب خدا تعالیٰ کے اثر طبیعی ہونیکا خطرہ ڈالے تو اُس پر چھٹی کنکری کے ساتھ رمی کرے اور اُس دلیل سے خطرہ کو باطل کرے کہ اگر ایسا ہوگا تو اُس کیطرف کثرت کی نسبت لازم آئے گی کیونکہ ہر طبیعت اجسام طبعیہ کے موجود کرنے میں ایک اور شے کی محتاج ہے اس لئے کہ طبیعت فاعل اور منفعل دونوں کے مجموعہ کا نام ہے یعنی حرارت اور برودت اور رطوبت و یبوست اور ان تمام کا اجتماع لذاتہ تو ہو نہیں سکتا۔ اسی طرح افتراق بھی اور ان کا وجود بھی حار اور بارد اور یابس و رطب کے ضمن میں ہے۔ اور جب وہ عدم کا دل میں خطرہ ڈالے اور کہنے لگے کہ جب یہ بھی نہیں اور وہ بھی نہیں اور تمام اشیاء مذکورہ کو شمار کرے

تو پھر معلوم ہوا کہ کچھ بھی نہیں (یعنی خدا کا وجود ہی ہے) تو بس ساتویں کنکری کے ساتھ رمی واجب ہے کیونکہ ممکنات میں اُسکا پایا جاتا اُس کے ہونے کی دلیل ہے کیونکہ معدوم شے کا کوئی اثر نہیں ہوتا اور ہر کنکری کے وقت اللہ اکبر کہنے کی حکمت وہی شبہ ہے جو شیطان دل میں ڈالتا ہے جیسا کہ اس کی توضیح میں اپنی کتاب اسرار العبادات میں لکھ چکا ہوں تو بس جب ابلیس پر لوہے یا رانگ یا پیتل یا لکڑی سے رمی کیجائے تو شیطان کو زخمی کرنا اُس میں بھی موجود ہے جب وہ اُسے لگے۔

پس خوب سمجھلو

سترھواں مسئلہ

امام شافعی اور امام احمد کا قول یہ ہے کہ رمی کا وقت نصف رات سے شروع ہو جاتا ہے تو اگر کوئی آدھی رات کے بعد رمی کرے تو درست ہے۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ اور امام مالک کا قول یہ ہے کہ صرف صبح صادق کے بعد سے جائز ہے۔ اسی طرح مجاہد اور نخعی رح اور ثوری رح کا قول یہ ہے کہ طلوع شمس سے پہلے جائز نہیں۔ پس پہلا قول مخفف ہے اور دوسرے میں کچھ تشدید ہے اور تیسرا بھی ایسا ہی ہے اور اِن تمام اقوال کی توجیہ صرف وہ بدوا اُس کے اہل سے ذکر کیجا سکتی ہے کیونکہ منجملہ اسرار کے ہے۔

اٹھارھواں مسئلہ

ائمہ ثلاثہ رض کا قول یہ ہے کہ تلبیہ اول کنکری پر موقوف کر دینا چاہیے جس وقت جمرہ عقبہ کی رمی کریں۔ حالانکہ امام مالک رض کا قول یہ ہے کہ عرفہ کے دن زوال کے وقت سے موقوف کر کر

پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔

اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ اجابت تو شب مزدلفہ میں حاصل ہو چکی اور اب صرف احرام سے حلال ہونا باقی ہے لہذا اب تلبیہ مناسب نہیں اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ عرفہ کے دن زوال سے ایک لحظ بعد اجابت حاصل ہو گی کیونکہ حج میں وقوف عرفہ ہی ایک مہتم بالشان امر ہے۔ پس خوب سمجھ لو۔

اُنیسواں مسئلہ

ائمہ ثلاثہ کا قول ہے کہ یوم نحر (دسویں تاریخ) کے افعال میں ترتیب مستحب ہے تو پہلے جمرہ عقبہ کی رمی کرے پھر ذبح کرے پھر سر منڈائے پھر طواف کرے۔ حالانکہ امام احمد رض کا قول یہ ہے کہ یہ ترتیب واجب ہے۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔ اور دونوں قولوں کی ایک ایک وجہ ہے جسپر اتباع دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ افعال اسی ترتیب سے ادا کئے تھے تو اب احتمال ہے کہ یہ ترتیب واجب ہو اور احتمال ہے کہ مستحب ہو لیکن ضعفاء کے حق میں استحباب افضل ہے کیونکہ حدیث میں وارد ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم یوم نحر جس چیز کی تقدیم و تاخیر سے سوال کئے جاتے تھے تو جواب یہ دیتے تھے کہ "افعل ولا حرج" یعنی اب ادا کرلے ترتیب کا خلاف ہوا اس میں کچھ حرج نہیں۔

بیسواں مسئلہ

امام اعظم ابو حنیفہ رض کا قول یہ ہے کہ سر چوتھائی حصہ منڈانا واجب ہے۔ حالانکہ امام مالک رض کا قول یہ ہے کہ تمام سر منڈانا واجب ہے یا اکثر حصہ سر کا منڈالے تو بھی کافی ہے۔ اسی طرح امام شافعی رض کا قول یہ ہے کہ صرف تین بال منڈانے واجب ہیں اور افضل یہ ہے کہ تمام سر منڈادے۔ پس پہلے قول تخفیف اور دوسرے میں تشدید اور تیسرا بالکل مخفف ہے۔ اور پہلا قول اُن لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے جو مقام عبودیت میں متوسط ہیں اور دوسرا عوام الناس کے ساتھ مخصوص ہے اور تیسرا اکابر عارفین کے ساتھ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ سر منڈانا اُس سرداری کے تابع ہے جو اُس کے اندر موجود ہے جس کا ذکر کیا گیا۔ پس جسقدر سرداری ہلکی ہو گی اُسی قدر سر منڈانے میں تخفیف ہو گی

پس خوب سمجھ لو۔

اکیسواں مسئلہ

ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ مونڈنے والا داہنی جانب سے شروع کرے۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رض کا قول

یہ ہے کہ بائیں جانب سے شروع کرے تو اُنھوں نے مونڈنے والے کی داہنی جانب کا لحاظ کیا نہ اُس کی جو مُنڈاتا ہے۔
اور پہلے قول کی دلیل پیروی کرنا ہے اِس وجہ سے کہ اِس میں تکریم ہے اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ یہ پلیدی کا دور کرنا ہے اِس لئے ابتدا بائیں جانب سے مناسب ہے اور یہ دونوں قول ایسے ہیں جیسے مسواک کرنے میں تھے تو جس نے مسواک کرنے کو تکریم متصور کیا اُس نے کہا اپنے داہنے ہاتھ سے مسواک کرے۔ اور جس نے اسکو پلیدی کا دور کرنا خیال کیا اُس نے بائیں ہاتھ سے کرنے کو بتلایا۔

بائیسواں مسئلہ

ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ جس کے سر پہ بال نہ ہوں اُسے سر پہ اُسترہ پھروانا مستحب ہے۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ کا قول یہ ہے کہ یہ مستحب نہیں پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے اور پہلے قول کی و
یہ ہے کہ سرداری ہر ذات کے ساتھ قائم ہے اور سر منڈوانا اُسی سرداری کے دور کرنے کے لئے ہے تو جب بال نہ ہوں تو جلد پر اُسترہ پھرانا سرداری کے دور کرنے میں منڈوانے کے قائم مقام ہو جائے گا۔ اگرچہ سرداری کا اصلی مقام قلب ہے نہ کہ سر۔ پس خوب سمجھ لو۔
دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ شارع ؑ نے منڈانے کا حکم صرف اُسی کو دیا ہے جس کے سر پر بال ہوں اور وہ اُسترہ سے زائل ہوں اور جلد پر اُسترہ پھیرنے سے ظاہر میں کسی شے کا ازالہ نہ ہوگا تو اُسترہ پھیرنے میں کوئی فائدہ نہیں۔ پس خوب سمجھ لو۔

تیئیسواں مسئلہ

ائمہ کا قول یہ ہے کہ ہدی کا ہانک لے جانا مستحب ہے اور اُس کی صورت یہ ہے کہ اپنے ساتھ کوئی چوپایہ لے جائے تاکہ اُسے ذبح کرے اسی طرح ہدی کا اشعار کرنا بھی جبکہ وہ اونٹ یا گائے ہو تو کوہان کے داہنے پہلو میں کرے یہ امام شافعی رح اور امام احمد رح کا قول ہے اور امام مالک رح کا قول یہ ہے کہ بائیں جانب میں کرے۔ اور امام ابوحنیفہ رح کا قول یہ ہے کہ اشعار حرام ہے۔ پس پہلے اور دوسرے قول کی دلیل اتباع ہے اور تیسرے کی وجہ یہ ہے کہ اشعار ظاہرا ہدی کو عیب دار کر دیتا ہے اور اُس کی ظاہری صورت باطل ہو جاتی ہے
اور پہلے قائل نے اِس کا جواب یہ دیا کہ اشعار میں اسطرف اشارہ ہے کہ حج میں حق تعالےٰ کے حکم کی تابعداری کا کامل اعتقاد ہے اور اس طرف کہ اگر انسان خدا تعالےٰ کے راضی کرنے کے لئے خود کو ذبح کر ڈالے تو یہ بہت کم ہے چہ جائیکہ حیوان کو ذبح کرے جو اسی واسطے پیدا کیا گیا ہے کہ ذبح کیا جائے اور کھایا جائے

چوبیسواں مسئلہ

ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ بکری کے قلادہ لٹکانا مستحب ہے یعنی وہ جوتے ڈالدینا حالانکہ امام مالک رح کا قول یہ ہے بکری کے قلادہ ڈالنا مستحب نہیں قلادہ صرف اونٹ کے لئے ہے۔ پس پہلا قول استحباب تقلید کی وجہ سے مخفف ہے اور دوسرا مشدد۔ پہلے قول کی وجہ اتباع ہے اور امام مالک رح کے قول کی وجہ یہ ہے کہ شیاطین کی مخالفت بکریوں سے نہیں ہوتی برخلاف اونٹوں کے (کہ ان سے ہوتی ہے) لہذا اونٹ کے جوتے کا ڈالنا شیاطین کو جوتوں سے ہٹانے کی طرف کنایہ ہو جائے گا برخلاف بکریوں کے۔

پچیسواں مسئلہ

ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ ہدی اگر نذر مانی ہوئی ہو تو نذر ماننے سے ملکیت زائل ہو جاتی ہے اور وہ مساکین کے لئے ہو جاتی ہے۔ لہذا وہ نہ فروخت کی جا سکتی ہے اور نہ بدلی جا سکتی ہے۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رح کا قول یہ ہے کہ اُس کا فروخت کرنا بھی جائز ہے اور بدل دینا بھی۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے۔
اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ نذر ماننے والے کا پورا کرنے کو لازم کر لینا اُس کے لئے اکرام اور تعظیم کی بات نہیں ہے بلکہ یہ تو اس کے واسطے اور عذاب ہے۔ اسوجہ سے کہ اُس نے اپنے اوپر اُس شے کو واجب کر لیا جو خدا تعالیٰ نے اُس پر واجب نہیں کی۔ (نعوذ باللہ) وصف تشریع شارع کا مقابلہ کیا۔ لہذا نذر کی وجہ سے اس ہدی کو اپنی ملک سے خارج کر دینا عذاب کے

بچنے میں سبقت کی علامت ہوگی تاکہ اُس کا پروردگار اُس سے راضی ہو جائے کیونکہ اُس نے منہی عنہ کا ارتکاب کیا ہے۔ اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ مقصود یا تو اُس شے کو ملک سے نکال دینا ہے جس کی نذر مانی ہے یا اُس کی برابر قیمتی دوسری شے کو۔ پس سمجھ لو۔

چھبیسواں مسئلہ ۲۶

ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ اُس دودھ کا پی لینا درست ہے جو ہدی کے بچہ سے بچ رہے۔ حالانکہ امام احمد کا قول اُس کے عدم جواز کا ہے۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔ پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ نذر حقیقت میں اُس شے کے اندر واقع ہوئی ہے جو اُس کے جسم میں ثابت ہے اور اُسکے کوئی شے قائم مقام نہ بن سکی اور جس کی قائم مقام کوئی چیز ہو سکے اور اُس کی نظیر موجود ہو اُس کے ساتھ نفع حاصل کرنے میں کوئی ہرج نہیں۔

دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ دودھ بھی نذر میں داخل ہے جس طرح فروخت کئے ہوئے چوپائے میں اُس کے تھنوں کا دودھ بھی داخل ہوتا ہے۔ پس خوب سمجھ لو۔

ستائیسواں مسئلہ

امام شافعی رض کا قول یہ ہے کہ جو دم واجب ہوتے ہیں اُن کا کھانا حرام ہے۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رض کا قول یہ ہے کہ حج قران اور تمتع کے دم کو کھا سکتے ہیں۔ اسیطرح امام مالک رض کا قول یہ ہے کہ تمام اُن دموں کو کھا سکتے ہیں جو واجب ہیں سوائے شکار کے بدلہ اور اُس فدیہ کے جو تکلیف کیوجہ سے مجبور ہو کر کوئی محظور کام کر کے دیا جائے (مثلاً جوؤں کی وجہ سے سر منڈایا جائے)۔ پس پہلا قول مشدد اور اکابر کے ساتھ مخصوص ہے اور دوسرے قول میں تخفیف اور وہ متوسطین لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے اور تیسرا قول مخفف اور عوام کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور شکار کے بدلہ اور فدیہ مذکورہ کو مستثنیٰ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ پہلے میں تو شکار پر جنایت کرنے کا کفارہ ہے اور دوسرے میں یہ وجہ ہے کہ محرم نے احرام مذکور کی مدت کو حج افراد کی مدت سے کم کر کے کچھ نفع اُٹھا لیا۔ پس خوب سمجھ لو۔

اٹھائیسواں مسئلہ

ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ رات میں ذبح کرنا مکروہ ہے۔ حالانکہ امام مالک رض کا قول یہ ہے کہ یہ بالکل باطل ہے جائز ہی نہیں۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے اور دونوں قولوں کی وجہ فقہ میں ثابت ہے

انتیسواں مسئلہ

ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ عمرہ کرنے والے کیلئے بہتر مقام ذبح کرنے کا مروہ پہاڑی ہے اور حاجی کیلئے منی ہے۔ حالانکہ امام مالک رض کا قول یہ ہے کہ عمرہ کرنے والے کو سوائے مروہ کے اور کسی جگہ ذبح کرنا جائز ہی نہیں اور نہ حاجی کو سوائے منی کے۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔ اور دونوں قولوں کی دلیل پیروی اور اتباع نبی کریم ؐ ہے اور وہی اتباع امام مالک رض کے وجوب کے اجتہاد کا منشا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ قول پہلے قول سے احوط ہے پس سوچ لو۔

تیسواں مسئلہ

ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ طواف رکن کا وقت شب دہم کے نصف سے ہے اور افضل وقت روز دہم کی چاشت کا ہے اور انتہا کی کوئی حد نہیں۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ کا قول یہ ہے کہ اُس کا شروع وقت طلوع صبح صادق ہے۔ اور آخر ایام تشریق کا دوسرا دن اور اگر کسی نے اُس سے بھی تیسرے دن تک موخر کر دیا تو اُس پر دم لازم ہے۔ پس پہلے قول میں تخفیف اور دوسرے میں تشدید ہے۔

اکتیسواں مسئلہ

ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ جمرات کی رمی میں اُس جمرہ سے رمی کرنی واجب ہے جو مسجد

خیف کے متصل ہے اُس کے بعد درمیانی جمرہ کے اُس کے بعد جمرہ عقبہ کی۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر اس کے برعکس رمی کرے تو لوٹا دے اور اگر نہ لوٹائی تو اسپر کچھ لازم نہیں۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرے میں تخفیف ہے۔ اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ اُس جمرہ کے ساتھ ابتدا کرنے میں جو مسجد خیف سے متصل ہے امر وارد ہے اور ہر وہ عمل جو امر شارع علیہ السلام کے موافق نہ ہو وہ مردود ہے۔ اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ یہ عمل اگرچہ کمال اتباع کے لحاظ سے مردود ہے لیکن فی نفسہ مقبول ضرور ہے گو کچھ تفصیل کے ساتھ ہی سہی۔ پس خوب سمجھ لو۔

بتیسواں مسئلہ ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ محصب میں اترنا مستحب ہے۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ کا قول یہ ہے کہ وہ حج کا ایک نسک ہے۔ اور یہی قول حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا ہے۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وادی محصب میں تشریف لیجانا دونوں امروں کا احتمال رکھتا ہے۔

تینتیسواں مسئلہ ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ اگر دوسرے دن واپس گیا یہاں تک کہ آفتاب غروب ہوگیا تو اُسکو شب گذارنا واجب ہے اور پھر صبح کو رمی کرنا۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ کا قول یہ ہے کہ طلوع فجر سے قبل چلا جا جائز ہے۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا اخف ہے۔

چونتیسواں مسئلہ امام شافعی رضہ اور امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ عورت جب طواف افاضہ سے قبل حائضہ ہو جائے تو واپس نہ جائے یہانتک کہ پاک ہو جائے اور طواف کرلے اور اونٹ والے کو یہ لازم نہیں کہ وہ اونٹ کو اُس عورت کی وجہ سے روکے رکھے بلکہ لوگوں کے ساتھ جاسکتا ہے اور دوسرے کسی شخص کو سوار کرالے۔ حالانکہ امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ اُسکو اونٹ روکنا ضروری ہے مدت حیض سے زیادہ روز تک اور زیادتی کی حد تین روز ہیں۔ اسی طرح امام ابوحنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ طواف میں طہارت شرط نہیں ہے تو وہ طواف کرکے لوگوں کے ساتھ شریک ہوسکتی ہے۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرے میں تشدید اور تیسرا اخف ہے اور امام بارزی نے اُن عورتوں کو جو حالت حج میں حیض والی ہو جائیں یہی فتوے دیا ہے اور ائمہ شافعیہ رضہ کی ایک جماعت سے نقل کیا ہے۔

پینتیسواں مسئلہ ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ طواف رخصت واجب ہے منجملہ واجبات حج کے مگر اُس کے لئے جو مکہ میں مقیم ہو۔ کیونکہ اُس کے لئے رخصت نہیں۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ طواف مقیم ہونے سے ساقط نہیں ہوتا۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے اور یہی احوط ہے کیونکہ رخصت افعال حج سے ہے نہ خانہ کعبہ سے۔ اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ زیادہ جاننے والا ہے۔

باب گھیرے جانے کے بیان میں

مسائل اجماعیہ

ائمہ اربعہ کا اسپر اتفاق ہے کہ جسکو کسی دشمن نے وقوف عرفہ یا طواف کعبہ سے یا صفا اور مروہ میں سعی کرنے سے روکدیا اور کوئی دوسرا راستہ ایسا موجود ہے جس سے مقصود تک پہونچ سکتا ہے تو اُسے اُس راستہ کا قصد کرنا لازم ہے۔

خواہ نزدیک کا ہو یا دور کا اور اُس کو حلال نہ ہونا چاہئے۔ پس اگر اُس راستہ سے چلا اور حج فوت ہوگیا اور دوسرا راستہ ہی نہ تھا تو اُسے چاہئے کہ حلال ہو جائے اسطرح کہ افعال عمرہ کے بجالاوے۔ یہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ہے۔ اور امام ابوحنیفہ کا قول یہ ہے کہ حلال ہونے کی یہ شرط ہے کہ دشمن وقوف عرفہ اور طواف کعبہ سے مانع ہوا ور اگر صرف ایک سے مانع ہوا تو حلال ہونا جائز نہیں۔ اسیطرح ابن عباس رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر دشمن کافر ہو تو حلال نہ ہو۔ پس پہلے قول میں تخفیف اور دوسرے میں تشدید اور تیسرے میں بھی تشدید ہے۔

(اگر کوئی کہے) کہ اس کی کیا وجہ کہ جب وہ اپنے اختیار سے محصور نہیں ہوا تو اُس پر ہدی کیوں لازم ہے کیونکہ یہ تو تقدیری امر ہے اور کفارات کی وضع اِس لئے ہوئی ہے کہ وہ اُسوقت لازم ہوتے ہیں کہ بندہ ایسا کام کرے جس سے اُس کے پروردگار کی نافرمانی لازم آتی ہو (تو جواب یہ ہے) کہ بات یوں ہی ہے اور اس کی توضیح اسطرح ہے کہ بندہ حق تعالی کے دربار میں حاضر ہونے سے صرف اس وجہ سے روکا جاتا ہے کہ اُس کے اندر سرداری اور تکبر ہے جس کی وجہ سے اُس پر حق تعالی کے اُس خاص دربار کے اندر داخل ہونے کی صلاحیت نہیں کہ جو حرم مکی ہے لہذا ہدی ایسے ہوئی جیسے عند الضرورت کسی کو ہدیہ دیا جاتا ہے۔ کیونکہ اُس وقت ہدیہ دینا سہل ہوتا ہے اور خدا تعالی کے اس فرمان میں اسیطرف اشارہ ہے کہ (ولا تحلقوا رؤسکم حتی یبلغ الھدی محلہ) "اور مت منڈاؤ اپنے سروں کو جب تک ہدی اپنے موقعہ میں نہ پہنچ جائے"

کیونکہ سر کا منڈانا تکبر اور سرداری کے دور کرنے کی طرف اشارہ ہے جو دخول دربار سے مانع تھے۔ (اگر کوئی کہنے والا کہے) کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم تو تکبر سے معصوم تھے اسی طرح سرداری کے پسند کرنے سے اور جب آپکو مشرکوں نے روکا اُس وقت آپ صحابہ رضہ کے ہمراہ تھے (تو جواب یہ ہے کہ) یہ اُمت کو حکم شرعی تبلانے کے واسطے تھا تو آنحضرت نے جو اپنے آپ کو اور لوگوں جیسے حکم پر ٹھیرایا یہ آپ کی تواضع تھی اور پھر اس جگہ اور بھی چند وجوہ ہیں جنکو ہم صرف دو بدو ذکر کرسکتے ہیں کیونکہ یہ مسئلہ منجملہ مسائل منصورین صلاح کے ہے کہ جسکے ساتھ خاص خاص فقراء کو فتوے دیا جاسکتا ہے۔ اور اللہ تعالے زیادہ جاننے والا ہے۔

مسائل اختلافیہ

پہلا مسئلہ

امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ محرم حلال ہونے کی نیت سے حلال ہوسکتا ہے اور ذبح کرنے سے اور سر منڈانے سے بھی۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ ذبح کرنا صحیح نہیں جب تک ٹھیر ہو جاوے ہاں صرف حرم میں ذبح کرنا صحیح ہے تو کسی مرد کا اُس وقت تک انتظار کرے کہ جب تک وہ وہاں ذبح کرے پھر اُسی وقت حلال ہو جاوے۔ اسی طرح امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ حلال ہو جائے اور اُس پر ذبح کرنا اور سر منڈانا کچھ بھی واجب نہیں پس پہلے قول میں تشدید ہے اور دوسرا مشدد اور تیسرا مخفف ہے۔

اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ طریقہ مذکورہ کے ساتھ حلال ہونے میں حق تعالی کی تعظیم ہے جسطرح نماز سے باہر ہونے کے وقت نیت کرنا۔

دوسرے قول کی وجہ ظاہر حدیث پر عمل کرنا ہے اُن دموں پر قیاس کرکے جو کسی حرام کے ارتکاب اور واجب کے ترک کرنے سے واجب ہوتے ہیں اور یہ دونوں قول اکابر کے ساتھ خاص ہیں۔ اور امام مالک رضہ کا قول چھوٹے درجہ کے لوگوں کے ساتھ خاص ہے۔

دوسرا مسئلہ امام شافعی رض کے دو قولوں میں سے اظہر قول یہ ہے کہ اگر فرض حج سے حلال ہو تو قضا واجب ہے ورنہ نفلی کی قضا واجب نہیں۔ حالانکہ امام مالک رض کا قول یہ ہے کہ اگر فرض حج میں احرام باندھنے سے پہلے محصر ہو جائے تو فرض اُس سے ساقط ہو جاتا ہے اور اُس شخص پر قضا لازم نہیں جب کا حج نفلی ہو اسی طرح امام ابوحنیفہ رض کا قول یہ ہے کہ ہر حال میں قضا لازم ہے خواہ فرض ہو یا نفل۔ اور امام احمد رض کی دو روایتوں میں سے ایک روایت یہی ہے پس پہلے قول میں تشدید اور دوسرے میں تخفیف اور تیسرا مشدد ہے۔

پہلے قول کی وجہ فرض حکم کی تعظیم کرنا ہے بالخصوص جب اُس کا التزام کر لیا جائے اور اُس میں داخل ہو جائے برخلاف نفل کے۔ اور امام مالک رض کے قول کی وجہ یہ ہے کہ جو شخص محرم ہونے سے پہلے محصر ہو جائے تو گویا اُس کے لئے اِس سال استطاعت ہی حاصل نہ ہوئی۔ لہٰذا اُس سے فرض ساقط ہو گیا۔ اور امام ابوحنیفہ رض کے قول اور امام احمد کی دو روایتوں میں سے ایک روایت کی وجہ یہ ہے کہ حکم حج کی تعظیم ضروری ہے اِس دلیل سے کہ حج سے فساد کے بعد خارج ہونا درست نہیں ہوتا۔ بلکہ فاسد حج کے افعال کو پورا کرنا اور پھر قضا لازم ہوتی ہے اگرچہ وہ حج فی نفسہ نفل ہے۔

تیسرا مسئلہ امام شافعی رض کا قول یہ ہے کہ نفلی حج کے محصر پر مرض کی وجہ سے قضا لازم نہیں مگر اُس وقت کہ جب حلال ہونے کو شرط کر لے۔ حالانکہ امام مالک رض اور امام احمد رض کا قول یہ ہے کہ مرض کی وجہ سے حلال نہیں ہو سکتا۔ پس پہلے قول میں تخفیف ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اِس قول کی پیروی کی وجہ سے جو آپ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ (اللھم محلی حیث حبستنی) "اے خدا میں اُسی جگہ حلال ہوں گا جہاں تو مجھے روک دے گا"

اور دوسرے قول میں تشدید اور تیسرا مخفف ہے۔ اور اُن دونوں قولوں کی وجہ یہ ہے کہ مرض ایک عذر ہے جس طرح دشمن۔ اور امام مالک رض اور امام احمد رض نے اِس کا جواب یہ دیا ہے کہ اُس کو نائب بنانا ممکن ہے برخلاف اُس شخص کے جس کو دشمن نے بند کیا ہو اور جواب اشکال سے خالی نہیں ہے۔

چوتھا مسئلہ ائمہ اربعہ کا اِس پر اتفاق ہے کہ اگر غلام اپنے مولا کی اجازت بغیر احرام باندھ لے تو مولا کو اُس کے حلال کر دینے کا استحقاق ہے۔ حالانکہ اہل ظاہر کا قول یہ ہے کہ اُس کا احرام ہی منعقد نہیں ہوتا۔ اور باندی غلام کی مثل ہے مگر جب اُس کا خاوند ہو تو اُس وقت مولیٰ کے ساتھ خاوند کی اجازت بھی ضروری ہے۔ اسی طرح امام محمد بن حسن رض کا قول یہ ہے کہ مولا کے ساتھ خاوند کی اجازت ضروری نہیں۔ پس پہلا قول مولیٰ پر مخفف ہے اور دوسرا اس پر اخف ہے۔ کیونکہ اُس قول میں غلام کو حلال کرنے کی حاجت نہیں اور اِس کی وجہ کہ مولا کے ساتھ خاوند کی اجازت کا اعتبار ضروری ہے یہ ہے کہ مولیٰ رقبہ اور گردن کا مالک ہے اور خاوند کا اُس سے نفع اٹھانا ایک امر عارضی ہے اور اس کی وجہ کہ خاوند کی اجازت بھی ضروری ہے یہ ہے کہ خاوند وقت احرام نفع اٹھانے کا مالک تھا اور احرام باندھ لینے کے بعد اُس کا استحقاق باطل کر دیا)

پانچواں مسئلہ ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ عورت کا فرض حج کے لئے بغیر خاوند کی اجازت کے احرام باندھنا جائز ہے حالانکہ امام شافعی رض کے دو قولوں میں سے قول مرجح یہ ہے کہ اُس کے لئے اِس کی اجازت نہیں جب تک اُس سے دریافت نہ کر لے پس پہلا قول مخفف ہے اور اُس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حق آدمی کے حق پر مقدم ہے بالخصوص حج کہ جو عمر بھر میں صرف ایکدفعہ واجب ہے۔ اور دوسرا قول خاوند کے حق میں مشدد ہے اور

اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ایام حج میں غلبۂ شہوت سے تنگ اور کمزور ہو جائے گا اور ہو سکتا ہے کہ پہلا قول اکابر پر محمول ہو جو اپنی خواہشات پر قدرت رکھتے ہیں۔ اور دوسرا چھوٹے درجہ کے لوگوں کے ساتھ خاص ہو جو اپنی خواہشات کے زیر اثر ہیں اور یہی گفتگو عورت کے حج سے حلال ہونے کے بارہ میں ہے جب احرام منعقد ہو جائے کیونکہ امام شافعی رضہ کے دو قولوں میں سے ایک یہ ہے کہ اُسے عورت کو حلال کر دینے کا حق ہے اور امام مالک رضہ اور امام ابو حنیفہ رضہ فرماتے ہیں کہ مرد کو عورت کے حلال کرنے کا استحقاق نہیں اسی طرح قاضی عبدالوہاب مالکی نے تصریح کی ہے۔ اسی طرح مرد کو حق ہے کہ عورت کو نفلی حج کی ابتدا کرنے سے منع کرے پھر اگر اُس حج کا احرام باندھ لے تو امام شافعی رضہ کے نزدیک عورت کو حلال کرنا جائز ہے اور حلال کرنے کے جواز کی وجہ ظاہر ہے کیونکہ بعض ائمہ میں سے وہ ہیں جنہوں نے حج کی حرمت کا لحاظ کیا ہے اور بعض وہ جنہوں نے حق زوج کی رعایت کی ہے اس لئے کہ خاوند کا حق مشاحت پر مبنی ہے۔

باب قربانی اور عقیقہ کے بیان میں

مسائل اجماعیہ

اماموں کا اس پر اتفاق ہے کہ قربانی کرنا قانون شرع میں مشروع ہے اختلاف صرف اُس کے وجوب میں ہے اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ قربانی کے جانور میں تھوڑا سا مرض جواز کے مانع نہیں ہوتا اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ زیادہ مرض مانع ہے کیونکہ اُس سے گوشت میں فساد آجاتا ہے۔ اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ کھلی ہوئی خارشت اسی طرح کانا پن مانع جواز ہے۔ اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ کان کٹا ہوا کافی نہیں اور اسی طرح دُم کٹا ہوا کیونکہ گوشت کا ایک جزو فوت ہو گیا۔ اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ نذر مانی ہوئی قربانی سے کھانا جائز نہیں۔ اسی طرح اس پر بھی اتفاق ہے کہ قربانی اور ہدی کے گوشت کا فروخت کرنا ناجائز ہے نذر کی ہو یا نفلی۔ اسی طرح چمڑہ کا فروخت کرنا۔ برخلاف امام نخعی رح اور امام اوزاعی کے جیسا کہ باب میں آنے والا ہے۔ اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ اونٹ اور گائے ایک عدد سات آدمیوں کی طرف سے کافی ہوتی ہے۔ اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ عقیقہ ذبح کرنے کا وقت ولادت کا ساتواں روز ہے۔ اسی طرح اس پر بھی اتفاق ہے کہ بچہ کے سر کو عقیقہ کا خون نہ چھوانا چاہئے۔ اور امام حسن کا قول یہ ہے کہ اُس کے خون سے بچہ کے سر کو خوب چپڑ کرنا چاہئے۔ مسائل اجماعیہ ختم۔

مسائل اختلافیہ

پہلا مسئلہ ائمہ ثلاثہ رضہ اور صاحبین رضہ کا قول یہ ہے کہ قربانی کرنا سنت موکدہ ہے۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ شہر والوں مقیم لوگوں پر واجب ہے اور اُس کے واجب ہونے میں نصاب کا اعتبار ہے۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا وجوب کے لحاظ سے مشدد اور نصاب کے اعتبار سے مخفف ہے۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ وہ بلا جس کے رفع کرنے کے لئے قربانی شروع ہوئی ہے جو دنہیں ہے کیونکہ اکابر کو خدا تعالیٰ نے تمام مخالف اُمور سے پاک کر دیا ہے اور اُنکو اُس نے اپنے ساتھ حُسن ظن عطا فرمایا ہے۔

اور دوسرے قول کی وجہ بندے کا یہ دیکھنا ہے کہ محض مخالفات شرع میں ایک دن پڑ جانے سے یا ماموراتمیں کسی کوتاہی کی وجہ سے سال بھر تک بلاؤں کے نزول کا مستحق ہو جاتا ہے۔ لہٰذا ایسے شخص کو مناسب ہے کہ اُسپر قربانی واجب ہو۔ اور پہلی شخص کے مرتبہ کے مناسب قربانی کا مستحب ہوتا ہے اور قربانی کے بارہ میں اُسپر تاکید آئی ہے اس وجہ سے کہ وہ اپنے نفوس کو تہمت لگاتے ہیں۔ پس اسکو خوب سمجھ لو۔

دوسرا مسئلہ امام شافعی رہ کا قول یہ ہے کہ دسویں تاریخ طلوع شمس کے وقت سے ذبح کا وقت شروع ہوتا ہے۔ بشرطیکہ نماز عید پڑھنے اور دو خطبوں کی مقدار وقت گذر جائے خواہ امام نماز پڑھے یا نہ پڑھے۔ حالانکہ ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ ذبح کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ امام نماز اور خطبہ عید پڑھ چکے۔ مگر امام ابوحنیفہ رضہ فرماتے ہیں اس بات کی لوگوں کو اجازت ہے کہ وہ صبح صادق کے بعد ذبح کر دیں اور عطار رح کا قول یہ ہے کہ صرف آفتاب کے طلوع ہو جانے سے وقت ذبح کا شروع ہو جاتا ہے۔ پس پہلا قول وقت کے داخل ہونے میں مشدد ہے اور اُس کی دلیل پیروی کرنا ہے اور دوسرے قول میں کچھ تشدید ہے مگر گاؤں والوں کے حق میں (کہ اُنپر تخفیف ہے) اور اس کی وجہ یہ کہ تاکہ وقت شروع ہونے اور کھانا پکانے میں ایسی گنجائش ہو جائے کہ جب وہ نماز اور خطبین میں شامل ہو کر واپس آئیں تو کھانا تیار پائیں۔ پس اگر امام ابوحنیفہ رضہ صبح صادق کے شروع ہونے سے ابتدارِ وقت ذبح کے قائل نہ ہوتے تو وہ لوگ جب نماز اور خطبین سے فارغ ہو کر آتے تو کھانا اُن کا زوال کے بعد تیار ہوتا تو اہل شہر تو کھاپی کر مزے اُڑاتے اور گاؤں کے لوگ فکر میں رہتے جب تک تیار نہ ہوتا تو یہ ظاہر ہے کہ عید کا روز لہو لعب اور خوشی کا روز ہے۔ پس وقت ذبح کا طلوع صبح صادق سے شروع ہونا اُن کے خطبین اور نماز سے فارغ ہو کر واپس آنے کو ٹھیک کر دے گا۔ لہٰذا خدا تعالیٰ امام ابوحنیفہ رضہ پر رحم فرمائے کہ اسرار شریعت کے سمجھنے میں کسقدر طویل الباع تھے۔

تیسرا مسئلہ امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ قربانی کا آخری وقت ایام تشریق کا آخری دِن ہے۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رضہ اور امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ قربانی کا آخری وقت ایام تشریق میں سے دوسرے دِن کا آخری حصہ ہے۔ اسی طرح سعید بن جبیر کا قول یہ ہے کہ شہریوں کے واسطے صرف یوم نحر (دسویں) کو ذبح کرنا درست ہے۔

اسی طرح امام نخعی کا قول یہ ہے کہ ماہ ذی الحجہ کے آخیر تک قربانی کی تاخیر ہو سکتی ہے۔ پس پہلا قول مخفف ہے اور دوسرے میں کچھ تخفیف ہے اور تیسرا مشدد اور چوتھا بہت مخفف ہے۔ اور چاروں اقوال کی وجوہ ظاہر ہیں۔ اور اُن احادیث و آثار کے تابع ہیں جو اس بارہ میں وارد ہیں

چوتھا مسئلہ ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ قربانی واجب ہو تو ایام تشریق کے چلے جانے سے اُس کا ذبح کرنا فوت نہ ہوگا۔ بلکہ اُس کو چاہئے کہ ذبح کر دے اور یہ اُس کی قضا ہو جائے گی۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ ذبح کرنا فوت ہو جائے گا۔ بلکہ اُس کو چاہئے کہ زندہ جانور فقراء پر تقسیم کر دے۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔

اور پہلے اور دوسرے کی وجہ یہ ہے کہ واجب میں ایک اعتبار سے تشدید ہے اور ایک اعتبار سے تخفیف بلحاظ ذبح کو ایام تشریق کے ساتھ مقید کرنے اور نہ کرنے کے۔

پانچواں مسئلہ امام شافعی رضہ اور امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ اُس کے لئے جو قربانی کا ارادہ کرے عشرہ

ذی الحجہ میں سر نہ منڈانا اور ناخن نہ کتروانا مستحب ہے جب تک قربانی نہ کرلے اور اگر اُس نے ایسا کرلیا تو یہ مکروہ ہوگا اور امام ابوحنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ ایسا کرنا مباح ہے اور مکروہ نہیں اور نہ مستحب ہے۔ اسی طرح امام احمدؒ کا قول یہ ہے کہ ایسا کرنا حرام ہے۔ پس پہلا قول مخفف ہے وجوب نہ ہونے کی وجہ سے اور امام احمد کا قول مشدد ہے اور امام ابوحنیفہ رضہ کا قول اخف ہے۔

پہلے قول کی وجہ اتباع ہے اور استحباب اور تحریم اور کراہت سب کی شہادت دیتا ہے کیونکہ ادنیٰ مرتبہ امر کا استحباب ہے اور مخالفت امر کا اعلیٰ مرتبہ تحریم ہے۔ اور امام ابوحنیفہ رضہ کے قول کی وجہ یہ ہے کہ کراہت تحریم ہر ایک کے واسطے ایک خاص دلیل کی ضرورت ہے جیسا کہ اصول کی کتابوں میں ثابت ہے۔

چھٹا مسئلہ ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ اگر کسی نے کسی خاص معین جانور کی قربانی کو لازم کیا جس میں کوئی عیب نہ تھا بعد میں اُس کے اندر ایسا عیب پیدا ہوگیا جو مانع جواز نہیں تو اُس کی قربانی کافی ہے۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ ناجائز ہے۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے لہٰذا پہلے قول کو چھوٹے درجہ کے لوگوں پر حمل کیا جائے گا۔ اور دوسرے کو اُن اکابر پر جو خدا تعالیٰ کے ادب میں باریک بیں ہیں۔

ساتواں مسئلہ ائمہ اربعہ کا قول یہ ہے کہ جانور کا اندھا ہونا مانع جواز ہے۔ حالانکہ بعض اہل ظاہر کا قول یہ ہے کہ یہ منع نہیں۔ پس پہلا قول مشدد اور اُن اکابر کے ساتھ خاص ہے جو اُس سے حیا کرتے ہیں کہ حق تعالیٰ سے بذریعہ ایسی شے کے قرب حاصل کریں جو عیب دار ہو۔ اور دوسرا قول مخفف اور اُن چھوٹے درجہ کے لوگوں کے ساتھ خاص ہے جو صرف اُسی عیب کا لحاظ کرتے ہیں جس سے گوشت میں نقص آجائے۔

آٹھواں مسئلہ ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ سینگ ٹوٹا جانور مکروہ ہے حالانکہ امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ وہ جائز نہیں۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔ اور دونوں امر دو حالوں پر محمول ہیں اکابر اور اصاغر کے لحاظ سے۔

نواں مسئلہ امام مالک رضہ اور امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ لنگڑا جانور جائز نہیں۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رضہ یہ فرماتے ہیں کہ جائز ہے۔ پس پہلا قول مشدد اور اکابر اہل تقویٰ کے ساتھ مخصوص ہے اور اُن اہل ثروت کے ساتھ جو صحیح سالم جانور قربانی کرنے کی طاقت رکھتے ہیں اور دوسرا مخفف اور اصاغر کے ساتھ خاص ہے

دسواں مسئلہ امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ وہ جانور جائز نہیں جس کی تھوڑی سی دُم کٹی ہوئی ہو۔ حالانکہ امام موصوف کے متاخرین اصحاب کا مختار یہ ہے کہ جائز ہے۔ یا اُس کے خلاف امام ابوحنیفہ اور امام مالک رضہ کا قول ہے کہ اگر کم حصہ جاتا رہا ہے تو کافی ہے۔ اور اگر اکثر حصہ جاتا رہا ہے تو کافی نہیں ہے اور امام مالک سے اُس جانور کے بارہ میں جس کی ایک ثلث سے زائد ضائع ہوگئی ہے دونوں روایتیں منقول ہیں پس پہلا قول مشدد اور اکابر کے ساتھ مخصوص ہے اور اُس کے بعد کا مخفف اور اصاغر کے ساتھ مخصوص ہے۔

گیارھواں مسئلہ ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ مسلمان کو جائز ہے کہ وہ اپنی قربانی کو ذبح کا کوئی نائب مقرر کرے مگر ذمی کو نائب کرنا مکروہ ہے۔ حالانکہ امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ ذمی کو نائب بنانا بالکل ناجائز ہے اور اگر کیا تو قربانی نہ ہوگی۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔

پہلے قول کی وجہ ذمی کا اہل ذبح ہونا ہے فی الجملہ۔ اور امام مالک کے قول کی وجہ یہ ہے کہ قربانی کا جانور حق تعالیٰ سے نزدیکی کا سبب ہے تو یہ ہرگز مناسب نہیں کہ کافر اُس کے ذبح کرنے میں واسطہ ہو اور اسجگہ کافر اور مشرک کے بارہ میں

چند اسرار ہیں اور اُن کی تفریق کتاب میں مندرج نہیں ہو سکتی۔

بارھواں مسئلہ ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ اگر بکری کو قربانی کی نیت سے خریدا تو صرف اس سے وہ قربانی نہ ہو جائے گی۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رض کا قول یہ ہے کہ ہو جائے گی۔ پس پہلا قول مخفف اور چھوٹے لوگوں کے ساتھ خاص ہے اور دوسرا مشدد اور اکابر کے ساتھ مخصوص ہے۔

تیرھواں مسئلہ امام شافعی رض کا قول یہ ہے کہ ذبیحہ پر قصداً یا سہواً بسم اللہ کا ترک کر دینا مضر نہیں۔ حالانکہ امام احمد رض کا قول یہ ہے کہ جس ذبیحہ پر قصداً ترک کیجائے اُس کا کھانا مکروہ ہے اور اگر سہواً چھوڑ دیجائے تو اُس میں دونوں روایتیں ہیں اور یہی قول امام مالک کا ہے اور اُن سے ایک اور روایت ہے تیسری کہ مطلقاً جائز ہے خواہ قصداً چھوڑے یا سہواً اور اُن کے اصحاب کا مذہب جیسا کہ قاضی عبدالوہاب نے بیان کیا ہے یہ ہے کہ جو شخص بغیر تاویل قصد کر کے ذبیحہ پر بسم اللہ چھوڑ دے اُسکو کھانا درست نہیں حالانکہ امام ابو حنیفہ رض کا قول یہ ہے کہ ذبح کرنے والا جب قصداً بسم اللہ کو ترک کر دے تو اُس کا ذبیحہ نہ کھایا جائے اور اگر سہواً چھوٹ جائے تو کھا سکتے ہیں۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا اُس کے بعد کا مفصل ہے سوا امام مالک کی تیسری روایت کے کیونکہ وہ پوری مخفف ہے۔ اور جو کہتا ہے کہ جس جانور پر بسم اللہ نہ پڑھی جائے خواہ سہواً ہی۔ اُس کا کھانا جائز نہیں اسکی دلیل خدا تعالیٰ کے اس فرمان کے ظاہری معنے ہیں کہ (ولا تاکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ) اگرچہ مفسرین کے نزدیک یہ آیت اُس شخص کے حق میں ہے جو بتوں اور تھانوں کے نام پر ذبح کرے اور جس نے مطلقاً متروک التسمیہ کو خواہ عمداً ہی ہو جائز الاکل کہا ہے عمل بقرائن احوال کیا ہے۔ کیونکہ مسلمان صرف اللہ تعالیٰ ہی کے نام پر ذبح کیا کرتا ہے۔ بتوں اور تھانوں کا اُس کے دل میں خطرہ بھی نہیں گذرتا اور ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ تمام اُن چیزوں میں بسم اللہ پڑھنا مستحب ہے جس میں شارع ؑ نے بسم اللہ پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ اور اسکا خلاف سوائے اہل ظاہر کے اور کسی نے نہیں کیا۔ لہذا اکابر اور اصاغر کے لحاظ سے تخفیف اور تشدید ہو گئی۔ پس خوب سمجھ لو۔

چودھواں مسئلہ امام شافعی رض کا قول یہ ہے کہ ذبح کے وقت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنا مستحب ہے۔ حالانکہ امام احمد رض کا قول یہ ہے کہ یہ مشروع نہیں۔ اسی طرح امام ابو حنیفہ اور امام مالک رض کا قول یہ ہے کہ ذبح کے وقت درود شریف پڑھنا مکروہ ہے۔ ائمہ ثلاثہ رض کا قول یہ ہے کہ وقت ذبح یہ پڑھنا مستحب ہے اللھم ھذا منک ولک فتقبل منی۔ اور امام ابو حنیفہ کا قول یہ ہے کہ پڑھنا بھی مکروہ ہے۔ پس پہلے مسئلہ میں پہلا قول مشدد ہے اور اُس کی دلیل اتباع ہے اور دوسرا مخفف اور اس کی دلیل بعض صحابہ کا قول ہے اور تیسرا قول ترک کرنے میں مشدد ہے اور اُسکی وجہ ذبح کے وقت غیر اللہ کو اللہ کے ساتھ شریک کرنے سے دور رہنا اور جو شخص بتوں کے نام پر ذبح کرتا ہے اُس کی مشابہت سے بھاگنے میں مبالغہ کرنا ہے پس خوب سمجھ لو اور وقت ذبح کے کلمات مذکورہ پڑھنے کے استحباب کی وجہ اس بارہ میں خدا تعالیٰ کے فضل کو ظاہر کرنا ہے۔ یعنی یہ ذبیحہ تیرے فضل سے ہے اور وہ تیرے ہی لئے ہے جب وقت تو نے مجھے اُس کا مالک بنا دیا اور وہ تیری ملک سے خارج نہیں اس لئے میں نے اُسے تیرے بندوں کے واسطے ذبح کر دیا۔ اور اُس کے کہنے کی کراہت اس لئے ہے کہ اُس میں ایک ایسے امر کا ابہام ہے جسکا اندراج کتاب میں نہیں ہو سکتا۔ پس خدا تعالیٰ امام ابو حنیفہ رض پر رحم فرمائے کہ اُنکا علم کسقدر باریک تھا۔

پندرھواں مسئلہ ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ نفلی قربانی میں سے کھانا مستحب ہے حالانکہ بعض علماء کا قول کھانے کے وجوب کا ہے پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔ پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ قربانی کے مشروع ہونے کی وجہ قربانی کرنے والے سے بلا کو دفع کرنا ہے۔ اسی طرح اُس کے اہل وعیال اور اُس کے گھر کے تمام مسلمانوں سے۔ اور یہ بات مروت میں داخل ہے کہ صاحب قربانی اُس بلا میں اور لوگوں کے شریک ہو اور یہ قول اصاغر کے ساتھ مخصوص ہے اور وجوب اُن اکابر کے ساتھ خاص ہے جو مخلوق کے احسان کا بوجھ اپنے اوپر برداشت نہیں کر سکتے اور اس میں افضلیت کے بارہ میں امام شافعی رضہ کے دو قول ہیں ایک یہ کہ ایک تہائی کھا دے اور ایک تہائی ہدیہ کرے اور ایک تہائی کا صدقہ۔ اور دوسرا قول جو اُن کے اصحاب کے نزدیک مرجح ہے یہ ہے کہ اس کے تمام کا صدقہ کرے مگر ایک لقمہ رہنے دے جسکو کھا کر برکت حاصل کرے۔

سولھواں مسئلہ ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ جس قربانی کی نذر مانی ہو یا نفلاً کی ہو اُس کے چمڑے کا فروخت کرنا جائز نہیں حالانکہ امام نخعی رح کا قول یہ ہے اور یہی امام اوزاعی کا ہے کہ اُسے خانہ داری کے اسباب کے عوض فروخت کرنا درست ہے جو عاریۃً دئے جا سکتے ہیں جس طرح کلہاڑی اور ہانڈی اور چھاج اور چھلنی اور ترازو۔ پس پہلا قول مشدد اور اکابر و اہل نفع کے ساتھ مخصوص ہے اور دوسرا قول مخفف اور اصاغر کے ساتھ خاص ہے جو حاجتمند ہیں۔ اور امام ابوحنیفہ رضہ سے بھی یہ مروی ہے اور امام عطار نے فرمایا ہے کہ قربانیوں کی چمڑوں کو دراہم وغیرہ کے بدلہ میں بیچنا کوئی بُرا نہیں ہے (انتہیٰ)، اور اس کی وجہ امام عطار کو اس بارہ کی نہی کا نہ پہونچنا ہے پس خوب سمجھ لو۔

سترھواں مسئلہ ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ اونٹ افضل ہے اُس کے بعد گائے پھر بکری۔ حالانکہ امام مالک کا قول یہ ہے کہ افضل بکری ہے پھر اونٹ پھر گائے اور دونوں قولوں کی وجہ معروف ہے کیونکہ اونٹ میں گوشت بہت ہوتا ہے اور بکری پاکیزہ شئے ہے۔ لہٰذا پہلے قول کو فقراء اور مساکین پر محمول کیا جائیگا اور دوسرے کو اکابرین دنیا اور خوشحال لوگوں پر۔ پس ہر شخص اُس کی قربانی کرے جو اُسے میسر ہو۔ اور واجب ہے کہ اُسی سے کھا دے۔

اٹھارھواں مسئلہ ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ اونٹ اور گائے میں سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں خواہ وہ لوگ علیحدہ علیحدہ ہوں یا ایک گھر کے ہوں۔ حالانکہ امام مالک کا قول یہ ہے کہ اُس وقت درست ہے جب قربانی نفلی ہو اور لوگ ایک گھر کے ہوں۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرے میں کچھ تشدید ہے۔

انیسواں مسئلہ امام مالک اور امام شافعی کا قول یہ ہے کہ عقیقہ کرنا مستحب ہے۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رضہ یہ فرماتے ہیں کہ مباح ہے مستحب نہیں کہتے۔ اسی طرح امام احمد رضہ کی دو روایتوں میں سے مشہور تر یہ ہے کہ عقیقہ سنت ہے اور دوسری روایت میں واجب ہے اور امام احمد رضہ کے بعض اصحاب نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ اور امام حسن اور داؤد کا یہی مذہب ہے پس پہلا اور تیسرا قول مخفف ہے اور دوسرا اخف ہے اور چوتھا مشدد ہے اور ظاہر ادلہ جسطرح وجوب کی شہادت دیتے ہیں اسی طرح استحباب کی بھی اور ہر ایک کے لئے علیحدہ لوگ ہیں پس استحباب اُن متوسطین کے ساتھ مخصوص ہے جو بعض سنتوں کو ترک کر کے اپنے نفوس کو آرام دیتے ہیں۔ اور وجوب اُن اکابر کے ساتھ خاص ہے جو اس کی وجہ سے اپنے نفوس کی پکڑ کرتے ہیں اور اباحت چھوٹے درجہ کے لوگوں کے ساتھ خاص ہے۔

بیسواں مسئلہ ائمہ ثلاثہ رحمہ کا قول یہ ہے کہ عقیقہ میں لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کیطرف سے ایک بکری حالانکہ امام مالک رحمہ کا قول یہ ہے کہ لڑکے کی طرف سے ایک بکری ذبح کیجائے جس طرح لڑکی کی طرف سے۔ پس پہلے قول میں تشدید ہے اور دوسرے میں تخفیف۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے لڑکے کو وراثت میں دو لڑکیوں کی بجائے قرار دیا ہے۔ اسی طرح شہادت وغیرہ میں بھی۔ دوسرے قول کی وجہ اس روح کا لحاظ کرنا ہے جو جسم کی تدبیر کرتی ہے اور وہ ایک ہی ہے جسکو نہ مذکر کہہ سکتے ہیں نہ مؤنث پس اگر اس امر کا مشاہدہ کرنے والا لڑکے کی طرف سے دو بکریاں ذبح کر دے تو وہ از روے احتیاط اور مطابق حدیث ہوگا۔

اکیسواں مسئلہ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا قول یہ ہے کہ عقیقہ کے جانور کی ہڈیاں نہ توڑی جائیں اور اس کو بڑے بڑے اجزا پکائے جائیں بچہ کی سلامتی پر نیک فالی لینے کے لئے۔ حالانکہ اُن کے سوا اوروں کا قول یہ ہے کہ ہڈیوں کو توڑ دینا مستحب ہے پستی اور انکساری اور بشریت کی حرارت ٹھنڈی ہو جانے پر نیک فالی حاصل کرنے کے لئے اور اللہ تعالیٰ زیادہ جاننے والا ہے۔

باب نذر کے احکام میں

مسائل اجماعیہ

ائمہ کا اسپر اتفاق ہے کہ نذر اگر خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری ہو تو اسکا پورا کرنا واجب ہے اور اگر نافرمانی ہو تو اُسکا پورا کرنا واجب نہیں۔ اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ عیدین اور ایام حیض میں روزہ رکھنے کی نذر ماننا صحیح نہیں۔ اگر کسی نے نذر مانی کہ عید کے دن روزہ رکھونگا اور روزہ رکھ لیا تو صحیح ہو گیا مگر یہ فعل حرام ہوا۔ امام ابو حنیفہ رحمہ کے نزدیک۔ اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ اگر کسی نے دس دن کے روزوں کی نذر مانی تو پے در پے یا متفرق طور پر ہر طرح رکھنا جائز ہے۔ پہلا قول اجماع کے ساتھ خاص ہے اور دوسرا اکابر اہل احتیاط کے ساتھ۔ یہ مسائل اجماعیہ تھے۔

مسائل اختلافیہ

پہلا مسئلہ ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ نافرمانی کی نذر ماننے سے کفارہ لازم نہیں آتا۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رحمہ کی دو روایتوں میں سے ایک یہ ہے کہ نذر منعقد ہو جاتی ہے مگر اُس کا کرنا حرام ہوتا ہے اور اُس کی وجہ سے کفارہ لازم ہوتا ہے۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے۔

پہلے قول کی وجہ اس صورت میں کفارہ واجب ہونے کے متعلق کسی حدیث کا وارد نہ ہونا ہے۔

دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ معصیت کی نذر ہے لہذا خود معصیت ہے۔ اگرچہ اُس کو فعلیت میں نہ لاوے لہذا وہ گناہگار ہوا پس کفارہ اُس پر واجب ہونا مناسب ہے تاکہ اس معصیت کے کرنے کی نیت کا گناہ اُس سے دور ہو جائے

دوسرا مسئلہ

امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر کسی نے اپنے خود یا اپنے لڑکے کے ذبح کرنے کی نذر مانی تو اسپر کچھ لازم نہیں۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رضہ کا قول اور امام احمد رضہ کی دو روایتوں میں سے ایک یہ ہے کہ نکو ایک بکری کا ذبح کرنا لازم ہوگا - اور یہی قول امام مالک رضہ کا ہے - اسی طرح امام احمد رضہ سے دوسری روایت ہے کہ اُسپر قسم کا کفارہ لازم ہوگا - پس پہلا قول مخفف اور دوسرے اور تیسرے میں تشدید ہے۔

پہلے قول کی وجہ اس بارہ میں کسی نص کا وارد ہونا ہے۔

ر دوسرے اور اُس کے بعد کے قول کی وجہ یہ ہے کہ یہ معصیت ہے - لہذا اُس میں قیاس یہ ہے کہ بکری ہونی چاہیئے ن دموں پر قیاس کرکے جو حج میں کسی حرام کے ارتکاب سے لازم ہوتے ہیں یا کفارہ قسم کا ہونا چاہیئے قسم پر قیاس کرکو یے اُس میں قسم کھانے والا حانث ہو جائے۔

سرا مسئلہ

ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ جس نے مطلق نذر مانی تو وہ صحیح ہے - اور امام شافعی رضہ کا قول ثانی جو اصح ہے یہ ہے کہ صحیح نہیں یہاں تک کہ اُسکو معلق کرے یعنی نذر ندکو رکو کسی شرط یا صفت پر - پس پہلا قول مخفف اور ر امام شافعی رضہ کا دوسرا قول تشدید والا ہے۔

لے قول کی وجہ خدا تعالیٰ کے ساتھ ادب کا طریق اختیار کرنا ہے کہ اُس دربارسے بغیر ایسی شے کے حاصل ہوئے ں پرا جر ملے جُدا نہ ہو - کیونکہ جدا ہونے والا شل بخیل کرنے والے کی ہے لہذا اُس کی مثال ایسی ہوئی جیسے کسی نے طلق نماز نفل کی بغیر تعیین نیت کی تو اُس کی نماز صحیح ہو جاتی ہے۔

وسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ نذر کی وضع اسی طرح ہوئی ہے کہ وہ کسی شرط یا صفت کے ساتھ معلق ہو پس خوب سمجھلو۔

چوتھا مسئلہ

ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ جس نے اپنے غلام کو ذبح کرنے کی نذر مانی اُسپر کچھ لازم نہیں - حالانکہ امام احمد رضہ کی دو روایتوں میں سے ایک یہ ہے کہ اُسپر بکری لازم ہے اور دوسری روایت یہ ہے ۔۔ اُسپر کفارہ قسم لازم ہے - پس پہلا قول مخفف اور دوسرے میں تشدید ہے - اور اسی جیسی توجیہہ ابھی گذر چکی ہے۔

پانچواں مسئلہ

امام ابوحنیفہ رضہ اور امام مالک کا قول یہ ہے کہ جس نے حج کی نذر مانی اُسپر صرف اُس کا پورا کردینا لازم ہے - حالانکہ امام شافعی رضہ کے دو قولوں میں سے ایک یہ ہے کہ اُسپر صرف کفارہ لازم ہے ر دوسرا قول یہ ہے کہ اُسے اختیار ہے خواہ اُسے پورا کرے یا کفارہ قسم دے - پس پہلا قول مشدد اور دوسرے ر اُس کے بعد کے میں کچھ تشدید ہے۔

چھٹا مسئلہ

امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ جس نے کسی قربت کی نذر مانی مثلاً یہ کہا کہ اگر میں فلاں شخص سے کلام کروں تو مجھپر روزہ یا صدقہ لازم ہے تو اُسے اختیار ہے چاہے اُسے پورا کرے یا کفارہ قسم دیدے - حالانکہ م ابوحنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ اُس کو ہر حال میں پورا کرنا ضروری ہے اور کفارہ کافی نہ ہوگا - اسی طرح امام مالک رضہ ر امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ اُسے کفارہ کافی ہوگا - اور کہا جاتا ہے عمل اسی پر ہے - پس پہلے قول میں تخفیف ہے اور وسرا مشدد اور تیسرا اُس کے قریب ہے - اور تینوں قولوں کی وجہ کتب فقہ سے ظاہر ہے اور منشا اُس کا اچھا دیکھو۔

ساتواں مسئلہ

امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ جس نے اپنے مال کو صدقہ کرنے کی نذر مانی اُسپر تمام مال کا صدقہ لازم ہے - حالانکہ اصحاب ابوحنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ اپنے تمام مال کو ثلث کا استحباباً صدقہ ے - اور دوسرا قول اُن کا یہ ہے کہ اپنی ہر سلوک شے کا صدقہ کرے - اسی طرح امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ تمام موال مذکورہ کے ثلث کا صدقہ کرے - اسی طرح امام احمد رضہ کی دو روایتوں میں سے ایک روایت یہ ہے کہ اپنے

تمام اموال کے ثلث کا صدقہ کرے اور ایک روایت میں یہ ہے کہ متکلم کی نیت کی طرف رجوع کیا جائے گا اگر اُس نے کوئی معین مال مراد لیا ہے تو اُسی کا اعتبار ہو گا۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرے میں تخفیف ہے اور اُس کے بعد کا اُس کے قریب ہے اُن تمام اقوال کی وجوہ مشہور ہیں اور ان سب میں اجتہاد کی طرف رجوع ہے۔

آٹھواں مسئلہ امام مالکؒ اور امام احمد رضہ کا قول اور امام شافعی رضہ کے دو قولوں میں سے اصح یہ ہے کہ جس نے مسجد حرام میں نماز پڑھنے کی نذر مانی تو اُسی مسجد میں پڑھنا متعین ہو گیا اور یہی حکم مسجد نبوی یا مسجد اقصےٰ میں ہے۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ نماز کسی حالت میں کسی مسجد کے ساتھ مخصوص نہیں ہوتی۔ پس پہلا قول مشدد ہے اور اُن چھوٹے درجہ کے لوگوں کے ساتھ خاص ہے جو مساجد میں فضیلت کے اعتبار سے تفاوت کا مشاہدہ کرتے ہیں جسطرح کہ بعض مساجد کی بعض سے فضیلت احادیث میں وارد ہے اور دوسرا مخفف ہے اور اُن بڑے لوگوں کے ساتھ خاص ہے جو تمام مساجد کو فضیلت میں برابر دیکھتے ہیں۔ اس اعتبار سے کہ سب کی نسبت خدا تعالیٰ کی طرف ہے چنانچہ ارشاد ہے " و ان المساجد للہ "۔ نہ اُس فضیلت کے اعتبار سے جو خدا تعالیٰ نے مکلف کے واسطے مساجد ثلثہ میں رکھی ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ اول قول کے قائل اصل میں اسی مرتبہ کا مشاہدہ کرتے ہوں۔ پھر بعد میں اُس سے بڑھکر اُس فضیلت کا بھی مشاہدہ کرنے لگے ہوں جو میں وارد ہے لہذا وہ محض برابری کے قائلین سے زیادہ کامل ہوئے۔

اور اس کی نظیر حق تعالیٰ کے نام ہیں کوئی نہیں کہتا خدا کا رحیم نام اُس کے منتقم نام سے افضل ہے کیونکہ تمام اسماء ایک ہی ذات کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ پس یہ ہی قول مساجد کی خدا تعالیٰ کیطرف نسبت کرنے میں ہے اور جو کچھ فضیلت حدیث میں وارد ہیں تو اُس کا رجوع بندہ کی طرف ہے اس اعتبار سے کہ اُس کے قلب میں اُس کی عظمت قائم ہو یا اس اعتبار سے کہ بندہ کے لئے اُس میں خدا تعالیٰ نے ثواب مقرر فرمایا ہے اس کے سوا اور کوئی اعتبار نہیں۔

نواں مسئلہ ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ اگر معین روز میں روزہ رکھنے کی نذر مانی پھر کسی عذر کی وجہ سے افطار کر لیا تو اُس کی قضا لازم ہو گی۔ حالانکہ امام مالک کا قول یہ ہے کہ اگر مرض کی وجہ سے افطار کیا ہے تو قضا لازم ہے۔ پس پہلے قول میں تشدید ہے اور وہ اکابر کے ساتھ خاص ہے۔ اور دوسرے میں تفصیل کی وجہ سے تخفیف ہے اور وہ اصاغر کے ساتھ خاص ہے

اور پہلے قول کی وجہ نذر کو فرض پر قیاس کرنا ہے جو خدا تعالیٰ کے اس قول میں ہے کہ فمن کان منکم مریضا او علیٰ سفر فعدۃ من ایام اخر ترجمہ "پس جو شخص تم میں سے مریض ہو یا سفر پر تو گنتی ہے دوسرے دنوں سے "، اس دلیل جامع سے کہ دونوں میں وجوب موجود ہے۔

دوسرے قول کی وجہ نذر کا درجہ فرض سے کم ہونا ہے کیونکہ نذر اُن چیزوں میں سے ہے جن کو بندہ اپنے آپ اپنے اوپر واجب کرتا ہے نہ وہ جسکو حق تعالیٰ واجب کرتا ہے اور اس میں شک نہیں کہ حق تعالیٰ نے جو اُسے نذر کے پورا کرنے کا حکم فرمایا ہے وہ محض اُس کو عذاب دینے کی غرض سے فرمایا ہے اس وجہ سے کہ اُس نے شارع علیہ السلام کے ساتھ تشریع میں مزاحمت کر کے اُس کی بے ادبی کی اسی وجہ سے اُس کے بارہ میں نہی آئی ہے۔ اور بعض محققین نے نذر کو منجملہ اُن فضولیات کے شمار کیا ہے جس سے نہی آئی ہے اور حق تعالیٰ نے اُن لوگوں کی کہیں تعریف نہیں فرمائی جو نذروں کو پورا کرتے ہیں مگر اس اعتبار سے کہ اُس کو پورا کر کے تدارک نقص کر دیا نہ اس کی ابتدا کے اعتبار سے۔ پس خوب سمجھ لو۔

غفرلہ ولوالدیہ

سواں مسئلہ امام مالک رضؒ اور امام احمد رضہ کا قول ہے کہ اگر بیت حرام کو قصد کی نذر کی اور نیت میں کچھ تھا نہیں نہ حج نہ عمرہ یا بیت اللہ کی طرف چلنے کی نیت کی تو اُسے لازم ہے کہ حج یا عمرہ کے ارادہ سے جاوے ور اُس کو اپنے اہل کے مکان سے چلنا لازم ہے۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ اُسپر کچھ لازم نہیں۔ مگر سا صورت میں کہ جب بیت اللہ کی طرف پیدل چلنے کی نذر مانی ہو اور اگر اُس کی طرف قصد اور مطلق چلنے کی نذر نی تو لازم نہیں۔ پس پہلا قول مشدد ہے اور دوسرے میں تخفیف ہے اور دونوں میں سے ہر ایک کی اکابر اور صاغر لحاظ سے ایک ایک وجہ ہے۔

یارھواں مسئلہ امام شافعی رضہ کے دو قولوں میں سے ایک اور امام ابوحنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ جسنے مسجد نبوی یا مسجد اقصٰے کی طرف پیدل چلنے کی نذر مانی تو اُس کی نذر منعقد نہ ہوگی۔ حالانکہ امام مالک رضؒ ر امام احمد رضہ اور امام شافعی کا دوسرا قول یہ ہے جو مرجح بھی ہے کہ منعقد ہوجائے گی اور اُس کی بجا آوری زم ہوگی۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے اور مساجد کے تفاوت اور تساوی کی توجیہ عنقریب گذر چکی ہے اُسکو دیکھ لو۔

رھواں مسئلہ امام ابوحنیفہ رضہ اور امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر کسی مباح فعل کی نذر مانی مثلاً یہ کہا کہ اللہ کے لئے مجھپر اپنے مکان کی طرف چلنا ہے یا اپنے گھوڑے پر سوار ہونا یا اپنے کپڑے کو پہننا تو اُسپر یہ واجب نہیں۔ حالانکہ امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ اُسپر قسم کا کفارہ لازم ہے جب وہ خلاف کرے اگرچہ س پر اُس فعل کا کرنا واجب نہیں۔ اسی طرح امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ اس کہنے سے نذر منعقد ہوجائے گی لیکن سے اختیار رہیگا خواہ اُسے پورا کرے یا کفارہ دیدے۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرے میں تشدید اور تیسرے میں تخفیف ہے اور اِن تمام اقوال کی وجوہ اُن کے قائلین کے اجتہاد کی طرف رجوع کرتی ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتاب کھانوں کے بیان میں

مسائل اجماعیہ

علماء کا اسپر اتفاق ہے کہ چوپایوں کے گوشت حلال ہیں (یعنی اونٹ، گائے، بکری، بھیڑ وغیرہ کا)۔ اور اسپر ی اتفاق ہے کہ جس پرند کا پنجہ نہ ہو وہ حلال ہے علی ہذا القیاس اسپر بھی اتفاق ہے کہ نجاست خور جانور (مثلاً رغی، بط وغیرہ) جب روک لی جائے اور اُسے پاک چیز کھانے کو دیجائے یہانتک کہ نجاست کی بو جاتی رہے تو وہ امام احمد کے نزدیک حلال ہے اور جو اسکو حرام نہیں کہتا اُس کے نزدیک اُسوقت کراہت جاتی رہتی ہے جسطرح ائمہ لاثہ۔ اُنہوں نے بیان کیا ہے کہ اونٹ اور گائے کو چالیس روز تک بند رکھنا چاہئے۔ (اگر وہ نجاست کھاتے ہیں) اور بکری کو سات دن اور مرغی کو تین دن۔ اور اس پر بھی اجماع ہے کہ اضطرار کی حالت میں مردار ے کھانا جائز ہے۔ اسیطرح اسپر بھی اتفاق ہے کہ گھی یا زیتون یا اُن کے سوا اور روغنوں میں چوہا گر جائے اُس کو ور اُس کے ارد گرد کے روغن کو پھینک دیا جائے تو باقی کا کھانا حلال ہو جاتا ہے۔ اسیطرح اسپر بھی اتفاق ہے کہ جب

باغ کا احاطہ ہو تو اُس کے مالک کی بغیر اجازت کھانا حرام ہے۔ یہ مسائل اجماعیہ تھے۔

مسائل اختلافیہ

پہلا مسئلہ امام شافعی رح اور امام احمد رح، امام ابو یوسفؒ، امام محمد رح کا قول یہ ہے کہ گھوڑوں کا گوشت کھانا حلال ہے۔ حالانکہ امام مالک رح اُسے مکروہ کہتے ہیں اور اُنکے اصحاب حرام۔ اور یہی قول امام ابو حنیفہ رح کا ہے۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرے میں تشدید اور تیسرا مشدد ہے۔

اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ گھوڑا بڑے بڑے مالداروں کے نزدیک ایک نایاب شے ہے اور کراہت کی وجہ یہ ہے گھوڑے، گائے، بکری وغیرہ سے عمدگی میں کم ہیں۔ اور تحریم کی وجہ یہ ہے کہ اُنکی نسل منقطع ہو جانے کا اندیشہ ہے اُن کو مباح کر دینے کی صورت میں پھر جہاد کی تیاری میں کمزوری آجائے گی جس طرح اس طرف خدا تعالیٰ کے اس قول میں اشارہ ہے کہ "واعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ ومن رباط الخیل"، کیونکہ رباط کا حکم اُن کے بقا کو متقاضی ہے اور اُنکے ذبح نہ کرنے کو۔ اگرچہ اُن کے گوشت کا کھانا فی الجملہ حلال ہے۔ پس خوب سمجھ لو۔

دوسرا مسئلہ ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ خچروں اور بستی کے گدھوں کا کھانا حرام ہے۔ حالانکہ امام مالک کا قول یہ ہے کہ وہ کراہت مطلقہ کے ساتھ مکروہ ہے اور اُن کے محققین اصحاب کے نزدیک حرام ہے۔ اور امام حسن کا قول یہ ہے خچروں کا گوشت کھانا حلال ہے اور ابن عباسؓ نے فرمایا ہے کہ بستی کے گدھوں کا کھانا حلال ہے۔ پس پہلا اور تیسرا قول مشدد ہے اور دوسرے میں تخفیف اور چوتھا مخفف ہے۔ اور تمام اقوال کی وجہ ظاہر ہیں لوگوں کی اختلاف طبائع پر محمول ہیں تو جس کو ان میں سے کھانا اچھا معلوم ہو تو اُس کے لئے کچھ حرج نہیں اور جسکو اُس کا کھانا پسند نہ ہو تو اُسے یہ مناسب نہیں۔ کیونکہ اُسے کھانے کی صورت میں غالباً جسمانی ضرر کا اندیشہ ہوتا ہے۔

تیسرا مسئلہ ائمہ ثلاثہ کا اسپر اتفاق ہے کہ ہر کیلے دار درندہ اور پنجہ دار پرندہ کہ جسکی وجہ سے دوسرے پر حملہ کرے جس طرح شکرہ، بحری، باز، شاہین، اسی طرح ہر وہ جانور جس کا پنجہ نہ ہو مگر مُردار کھاتا ہو جیسے کرگس اور گد اور کوا سفید یا کالا سوائے کھیتی کے کوے کے (کہ وہ حلال ہے) حرام ہیں۔ اسیطرح امام مالک کا قول اِن سب کے مطلقاً حلال ہونے کا ہے۔ پس پہلا قول مشدد اور امام مالک کے قول میں کچھ تخفیف ہے۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ یہ جانور طبائع سلیمہ کو پسند نہیں ہیں اور یہ کہ ان میں سختی ہے اس لحاظ سے کہ یہ دوسرے جانوروں پر سختی کرتے اور دوسرے جانوروں کو مغلوب کرتے ہیں کہ پھر اُسپر ذرا بھی رحم نہیں کھاتے۔ لہٰذا اُسی جیسی سختی اُن کے قلوب میں بھی پیدا ہوگی جو انہیں کھائیں گے۔ اور جب بندے کا قلب سخت ہو جاتا ہے تو پھر وہ کسی نصیحت کی طرف مائل نہیں ہوتا اور گدھے کی شکل ہو جاتا ہے یہی وجہ ہے جو شیروں اور درندوں کی کھالوں پر بیٹھنے کی ممانعت آئی ہے۔ کیونکہ قلب میں سختی پیدا کرتا ہے جیسا کہ اس کا تجربہ ہو چکا ہے۔ اور اُس کے حرام ہونے کی وجہ جو مردار کھاتا ہے یہ ہے کہ وہ خبیث بنایا گیا ہے۔ اور امام مالک رح کے قول کی وجہ یہ ہے کہ بعض لوگ اُسے اچھا جانتے ہیں لہٰذا اُن کے لئے اُن جانوروں کا کھانا مباح ہوا کیونکہ غیر پسندیدہ جانور کے کھانے کی حرمت طب کے اعتبار سے ہے اس لئے کہ جو شے کہ نفس اُس کی خواہش نہ کرے بطی الہضم ہوتی ہے لہٰذا امراض پیدا کرتی ہے۔ برخلاف اُس کے جسکو نفس پسند کرتا ہو کہ اگر اُسے کھائے تو وہ ہضم نہیں ہوتی سریع الہضم ہوتی ہے۔ پھر جسقدر اشتہا اس کی طرف زیادہ ہوگی اُتنی ہی سریع الہضم ہوگی۔ پس خوب سمجھ لو۔

تھا مسئلہ

ائمہ ثلاثہ کا مشہور قول یہ ہے کہ جن کے قتل کی ممانعت ہے اُنکا کھانا مکروہ نہیں جس طرح خُطّاف۔ (مترجم کہتا ہے کہ یہ مشہور کالے رنگ کی چڑیا ہے اسکو زوار الہند اور عصفور الجنۃ بھی کہتے ہیں یہ دور ...از کا سفر محض اس لئے کرتی ہے کہ تاکہ آدمیوں کے پاس رہے حیوۃ الحیوان میں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام جب جنت ...باہر کئے گئے تو اُنہیں وحشت ہوئی حق تعالیٰ نے خُطّاف کو بھیجا وہ اُن کے پاس رہنے لگی وحشت دور کرنے کے لئے۔ حدیث ...ہے کہ خطاف کی تسبیح اُسکا الحمد للہ پڑھنا ہے یعنی سورۂ فاتحہ انہی وجوہ سے نہی وارد ہوئی۔) اور ہُد ہُد اور چمگادڑ ...طوطا اور مور۔ حالانکہ امام شافعی رضہ کے دو قولوں میں سے مرجح قول یہ ہے کہ یہ سب حرام ہیں۔ پس پہلا قول مخفف ...دوسرا مشدد ہے۔ پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ اگر ان جانوروں کا کھانا تکلیف دہ ہوتا تو رسول خدا ان کے ...سے نہی کیوں فرماتے۔ دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ اِن کے قتل کی نہی ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کا کھانا ...ل ہو۔ ہو سکتا ہے کہ کھانا حرام ہو جسطرح شکاری کتا (کہ کھانا حرام ہے اور قتل ناجائز) اور چوپائے پس خوب سمجھلو

...نواں مسئلہ

ائمہ کا قول یہ ہے کہ ہر کیلہ دار درندہ جس کے ذریعہ سے دوسروں پر حملہ کرتا ہو حرام ہے جس طرح شیر اور تیندوا اور بھیڑیا اور ہاتھی اور ریچھ اور بلّی سوائے امام مالک کے کہ اُنہوں نے اِن تمام کو ...ل کہا ہے مگر کراہت کے ساتھ۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ دوسرے قول کو حاجتمندوں ...ل کیا جائے اور پہلے کو اہل ثروت اور غنی لوگوں پر پس خوب سمجھ لو۔

...تا مسئلہ

صاحب تعجیز کا قول یہ ہے کہ زرافہ (یہ ایک جانور ہے جس کے پاؤں چھوٹے اور ہاتھ لمبے ہوتے ہیں۔ سر اونٹ کی طرح سینگ بیل کا سا ہوتا ہے) حرام ہے۔ حالانکہ امام سبکی نے فتاوی حلبیہ میں لکھا ہے ...تا رہے کہ وہ کھایا جائے۔ اور ہو سکتا ہے کہ ایک قول ضرورتمندوں کے لئے ہو اور دوسرا بے ضرورتمندوں ...لئے۔

...توال مسئلہ

امام شافعی رضہ اور امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ لومڑی اور بجّو حلال ہے۔ حالانکہ امام مالک کا قول اُنکے گوشت کے مکروہ ہونے کا ہے۔ اسی طرح امام ابو حنیفہ رضہ کا قول اُنکے حرام ...نے کا ہے۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرے میں تشدید اور تیسرا مشدد ہے اور اِن تمام کی وجوہ ظاہر ہیں۔ اور ...ب کا رجوع اجتہاد کی طرف ہے۔

...واں مسئلہ

امام مالک رضہ اور امام شافعیؒ کا قول ریچھ اور جنگلی چوہے کے مباح ہونے کا ہے۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رضہ کا قول اُن کے مکروہ ہونے کا ہے۔ اسی طرح امام احمد رضہ کا ریچھ کے گوشت حلال ...ے کا قول ہے۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رضہ اُنہیں مکروہ کہتے ہیں۔ اسیطرح امام احمد رضہ کے نزدیک ریچھ کا گوشت مباح ...ر جنگلی چوہے میں دونوں روایتیں ہیں۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرے میں تشدید ہے۔ اسی طرح اُس کے ...الے ہیں۔

...ا مسئلہ

ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ تمام حشرات ارض کا کھانا حرام ہے جسطرح چوہا اور مکھی اور گینڈا اور حالانکہ امام مالک کا قول اُن کے مکروہ ہونے کا ہے نہ حرام ہونے کا۔ اور ہو سکتا ہے کہ یہ ...الوں پر محمول ہوں۔

...ال مسئلہ

ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ ٹڈی ہر حال میں مردار کھائی جا سکتی ہے۔ حالانکہ امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ ٹڈی جو اپنی موت سے بغیر پکڑے ہوئے مر گئی ہو اُس کا کھانا ناجائز ہے۔ پس پہلا

قول مخفف اور دوسرے میں تفصیل ہے۔

گیارھواں مسئلہ امام مالک اور امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ سیہی کا کھانا حلال ہے۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ اور امام احمد اسے حرام کہتے ہیں۔ اسی طرح امام مالک کا قول یہ ہے کہ جب خلد اور سانپ ذبح کرلئے جائیں اور خلد ایک چارپایہ ہے جو اندھا ہوتا ہے اور چوہے کے مشابہ ہے (ہندی چھچھوندر) پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد اور تیسرا مفصل ہے۔ اور دونوں قولوں کی وجہ ظاہر ہے۔

بارھواں مسئلہ امام ابوحنیفہ رضہ اور امام احمد رضہ کا اور امام شافعی رضہ کے دو قول میں سے اصح یہ ہے کہ آ... حرام ہے حالانکہ امام مالک یہ فرماتے ہیں کہ صرف مکروہ ہے۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرے میں تخفیف ہے۔

تیرھواں مسئلہ امام ابوحنیفہ رضہ کا قول اور امام شافعی رضہ کے دو قولوں میں سے صحیح قول یہ ہے کہ جنگلی بلی حرام ہے حالانکہ امام مالک کا قول یہ ہے کہ وہ مکروہ ہے۔ اسی طرح امام احمد کی دو روایتوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ مباح ہے اور دوسری روایت یہ ہے کہ وہ حرام ہے۔ پس پہلا اور چوتھا قول مشدد ہے اور دوسرے میں تخفیف اور تیسرا مخفف ہے اور ان تمام اقوال کی وجوہ مجتہدین کو اجتہاد کی طرف رجوع کرتی ہیں۔

چودھواں مسئلہ امام ابوحنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ دریائی جانوروں میں سے صرف مچھلی کھانی جائز ہے اور وہ جو اُس کی جنس سے ہوں۔ حالانکہ امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ مچھلی کے سوا کیکڑا اور پانی کا کتا اور مینڈک اور دریا کا خنزیر بھی جائز ہے۔ مگر خنزیر اُن کے نزدیک مکروہ ہے۔ اور یہ بھی منقول ہے کہ امام مالک نے اُس میں توقف کیا ہے۔ اسی طرح امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ دریا کے تمام جانور کھائے جاسکتے ہیں سوائے ناکہ اور مینڈک اور کوسج اور اُن کے نزدیک مچھلی کے سوا اور جو جانور ہیں اُن کو ذبح کرنے کی حاجت ہے جسطرح دریا کا خنزیر اور انسان۔ اسی طرح بعض اصحاب امام شافعی کا قول یہ ہے اور وہی اُن کے نزدیک صحیح ہے کہ دریا کے تمام جانور کھائے جائیں اور بعض نے کہا کہ سوائے مچھلی کے کچھ نہ کھایا جائے اور بعض نے کہا کہ پانی کا خنزیر اور اُس کا کتا نہ کھایا جائے اور اُس کا چوہا اور نہ اُسکا بچھو اور نہ اُسکا سانپ اور تمام وہ ناجائز ہیں جن کی مثال خشکی کے جانوروں میں ملتی ہے۔ اور بعض شافعیہ نے اُس کو ترجیح دی ہے کہ تمام دریائی جانور حلال ہیں سوائے ناکہ اور کچھوے اور مینڈک اور سانپ اور کیکڑے کے۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرے قول اور اُسکے بعد والے میں تخفیف ہے اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ ظاہر آیات و احادیث صرف مچھلی کے حلال ہونے کو بتلاتے ہیں کیونکہ وہی ایک عمدہ شے ہے کہ خدا تعالیٰ نے اُس کے ساتھ ہم پر احسان فرمایا ہے۔ اور امام مالک کے قول کی وجہ خدا کے اس قول پر عمل کرنا ہے کہ احل لکم صید البحر لہذا اُس میں سوائے خنزیر کے سب داخل ہوگئے یہانتک کہ خنزیر بھی داخل ہوگیا اور یہ امر اس پر مبنی ہے کہ احکام یا نام پر دائر ہوتے ہیں یا ذات پر۔

امام مالک سے خنزیر کے بارہ میں سوال کیا گیا کہ کیا وہ حلال ہے تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ وہ حرام ہے پھر اُن سے کہا گیا کہ وہ تو دریا کے جانوروں میں سے ہے تو انہوں نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے خنزیر کے گوشت کو حرام فرمایا اور تم اسکا نام بھی خنزیر ہی رکھتے ہو اور باقی اقوال کی وجوہ ظاہر ہیں۔ اور کتب فقہ میں مذکور ہیں۔

پندرھواں مسئلہ ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ نجاست خور کے گوشت کو کھانا مکروہ ہے۔ گائے ہو یا بکری وغیرہ حالانکہ امام احمد کا قول اُن کے گوشت اور دودھ اور انڈوں کے حرام ہونے کا ہے

پس پہلے قول میں تخفیف ہے اور وہ حاجتمند لوگوں کے ساتھ خاص ہے اور دوسرا قول مشدد اور اہل ثروت لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے

سولھواں مسئلہ امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ اضطراب کی حالت والے کو مردار کا کھانا جائز ہے مگر واجب نہیں حالانکہ اُن کے سوا اوروں کا قول یہ ہے کہ واجب ہے۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے اس قاعدہ کی بنا پر کہ پہلے وہ ممنوع تھا اور پھر وہ جائز ہوا اور واجب ہوا۔

پہلے قول کی وجہ مردار کی جانب حرمت کو ترجیح دینا ہے۔

دوسرے قول کی وجہ بندے سے اُس شے کے دفع کرنے کی جانب کو رعایت رکھنا ہے جو اُسے ہلاک کر دے۔ پس پہلا قول اکابر متقین مشدد دین کے ساتھ خاص ہے اور دوسرا اصاغر کے ساتھ خاص ہے تو گویا اکابر کی زبان حال یوں کہتی ہے کہ ہمیں مردار کے کھانے کو ترک کرنا چاہیے تاکہ ہمارے پیٹ نجاست کے کھانے سے بچے رہیں اس اعتبار سے کہ وہ اللہ کے ہاتھ کی طرف دیکھنے کا محل ہے جیسا کہ وارد ہے۔ اور گویا کہ اصاغر کی زبان حال یوں کہتی ہے کہ اپنی جان کے بچانے کو ملحوظ رکھنا اس اعتبار سے کہ وہ میرے پاس خدا تعالیٰ کی امانت ہے نجاست کھانے کی رعایت سے زیادہ بہتر ہے کیونکہ خدا تعالیٰ عالم کے زوال سے اُس کی بقا کو زیادہ پسند کرتا ہے خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ " ولا تلقوا بایدیکم الی التہلکۃ " اور دوسری جگہ ارشاد ہے کہ " فان جنحوا للسلم فاجنح لہا "۔ اور پہلے گذر چکا ہے کہ داؤد علیہ السلام نے جب بیت المقدس بنایا تو جب کچھ بناتے تو وہ گر جاتا پھر اُنہوں نے خدا تعالیٰ سے شکایت کی تو خدا تعالیٰ نے اُن کی طرف وحی بھیجی کہ میرے گھر کی تعمیر ایسے شخص کے ہاتھوں سے قائم نہیں ہو سکتی جس نے خونریزی کی۔ تو سلیمان علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے خدا کیا یہ تیری راہ میں نہ تھی یعنی جہاد کی وجہ سے خونریزی ہوئی۔ تو خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ ہاں مگر کیا وہ میرے بندے نہ تھے (انتہیٰ)۔

سترھواں مسئلہ امام ابو حنیفہ کا قول اور امام شافعی رضہ کے دو قولوں میں سے ایک یہ ہے کہ حالت اضطرار والے کو پیٹ بھرنا جائز نہیں صرف جان بچانے کے لائق کھانا چاہیے۔ حالانکہ امام مالک کا قول اور امام احمد کی دو روایتوں میں سے ایک یہ ہے کہ پیٹ بھر سکتا ہے۔ اسی طرح امام شافعی رضہ کے دو قولوں میں سے قول مرجح یہ ہے کہ اگر اُسے حلال شے سے عنقریب ملجانے کی توقع ہو تو صرف بقدر جان کی حفاظت کے کھانا جائز ہے اسی طرح امام شافعی کا یہ بھی قول ہے کہ راستہ بھٹک جانے والے کو پیٹ بھرنا جائز ہے اور یہ بھی کہ کچھ بطور توشہ کے لے لے۔ پس پہلے قول میں تشدید ہے اور وہ اکابر کے ساتھ خاص ہے اور دوسرے قول میں تخفیف ہے اور وہ اُن اصاغر کے ساتھ خاص ہے جو بھوک کی سختی پر قادر نہیں۔ اور امام شافعی رضہ کے قول راجح کی دلیل اس قاعدے پر عمل کرنا ہے کہ جو چیز ضرورت کے لئے جائز ہوتی ہے وہ بقدر ضرورت رہتی ہے اور اُس میں سے توشہ بنا لینے کی جواز کی وجہ اپنے لئے احتیاط کو لینا ہے۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ بعد میں کھانے کو کچھ نہ ملے یہانتک کہ موت کو جھانکنے لگے۔

اٹھارھواں مسئلہ امام مالک اور امام شافعی رضہ کے اکثر اصحاب اور اصحاب امام ابو حنیفہ کی ایک جماعت کا قول یہ ہے کہ حالت اضطراب والا جب مردار کو پاوے یا دوسرے کے کھانے کو تو اُسے چاہیے کہ غیر کے کھانے کو کھاوے اگر غیر غائب ہو اس شرط کہ اُسے تاوان دیدے اور مردار کو چھوڑ دے۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ کی ایک جماعت اور بعض اصحاب امام شافعیؒ کا قول یہ ہے کہ مردار کو کھالے۔ پس پہلا قول مردار سے پرہیز کرنے میں مشدد ہے اور دوسرا مال غیر سے پرہیز کرنے میں مشدد ہے۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ غالب بندے کا اپنے طعام کو حالت اضطرار والے کے لئے دیدینے میں نرمی کرتا ہے اور اُس کے دینے میں توقف نہ کرتا لہذا مال غیر کو کام میں لانا مردار پر مقدم ہوا۔

دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ مردار میں دنیا اور آخرت کی کسی مخلوق کا استحقاق نہیں ہے لہذا اُس کا کھانا طعام غیر سے ہلکا ہوا اور اگر کسی مرض کے پیدا ہونے کا اندیشہ پیدا کیا جائے تو دوا کرنے سے اُمید شفا ہے انشاء اللہ تعالےٰ اور یہ واقعہ اصحاب احوال میں سے ایک شخص پر گزر چکا ہے مقام خلیج میں جن دنوں پانی نہ تھا کہ وہ ایک مردار رغن کو کاٹ رہے تھے تو میں نے اُن پر غصہ سے نظر ڈالی تو مجھے اُنہوں نے جواب دیا کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ اُس وقت سے پناہ مانگ کہ فقیر مردار کو اُن اموال پر ترجیح دے جو لوگوں کے قبضوں میں ہیں (انتہیٰ)۔

انیسواں مسئلہ

ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ بنے والا تیل اگر نجس ہو جائے تو اُس کا پاک کرنا متعذر ہے اور اسکی قیمت حرام ہے حالانکہ بعض ائمہ کا قول یہ ہے کہ تیل دھونے سے پاک ہو جاتا ہے۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے۔ اسی طرح اس پر بھی اتفاق ہے کہ اُس تیل کو جلانا جائز ہے۔ حالانکہ امام شافعی رحمہ کا قول یہ ہے کہ اُسے جلانا بھی جائز نہیں۔ لہذا اِن دونوں مسئلوں میں مانع کے قول کو اہل ثروت پر محمول کیا جائے گا۔ جو مالدار اور غنی لوگ ہیں۔ اور جائز کرنے والے کے کلام کو اہل ضرورت پر حمل کیا جائے گا۔

بیسواں مسئلہ

امام ابو حنیفہ رحمہ اور امام شافعی کا قول اُن چربیوں کے مباح ہونے کا ہے جن کو خدا تعالیٰ نے یہود پر حرام کیا تھا جبکہ اُس چربی والے جانور کو کسی یہودی نے خود ذبح کیا ہو۔ حالانکہ امام مالک کا قول ایک روایت میں یہ ہے کہ وہ چربی حرام ہے اور دوسری روایت میں یہ ہے کہ وہ مکروہ ہے اور ایسی ہی دو روایتیں امام احمد رحمہ سے منقول ہیں اور امام احمد رحمہ کی ایک جماعت نے اُس کے حرام ہونے کو پسند کیا ہے اور ایک نے مکروہ ہونے کو اور اُنہیں میں سے حربی ہیں۔ پس پہلا قول مخفف اور اُس کے مقابل حرمت والا مشدد اور کراہت والے میں کچھ تخفیف ہے اور اِن تمام اقوال کی توجیہ ظاہر ہے۔

اکیسواں مسئلہ

امام ابو حنیفہ رحمہ کا قول یہ ہے کہ جو شخص شراب پینے کی طرف مضطر ہو بوجہ پیاس کے کہ پانی نہ ملے) یا بوجہ دوا کے (کہ اُس کے سوا کسی شے سے آرام نہ ہو) تو اُسے اُس کا پینا جائز ہے اور یہ اقوال امام شافعی میں سے ایک قول ہے۔ حالانکہ امام شافعی رحمہ کا ارجح قول مطلقاً منع ہونے کا ہے۔ اسی طرح اُن کا دوسرا قول یہ ہے کہ پیاس کی وجہ سے جائز ہے اور دوا کرنے کے لئے جائز نہیں۔ اور ایک جماعت نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد اور تیسرا مفصل ہے۔ اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ ضرورتیں ممنوعات کو مباح کر دیتی ہیں۔

دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے شراب پینے کو حرام کیا ہے اور اس کی تصریح نہیں فرمائی کہ پیاس یا دوا کے لئے جائز ہے تو یا تو ہم پینے سے توقف کریں گے یا ہم پی لیں گے۔ لیکن اُس کی اباحت سے قطع نظر کر کے اور پھر اُس سے توبہ اور استغفار کر لیں گے۔ اور ہو سکتا ہے کہ اباحت اصاغر کے حال پر محمول ہو اور منع ہونا اکابر کے حال پر اور اسکی وجہ کہ دوا کے لئے منع ہے نہ پیاس کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ "ان اللہ لم یجعل شفاء امتی فیما حرم علیہا"۔ ترجمہ۔ بیشک خدا تعالےٰ نے میری اُمت کے لئے اُس شے میں شفا نہیں رکھی جسکو اُس پر حرام کیا ہے۔

بائیسواں مسئلہ

ائمہ ثلاثہ رحمہ کا قول یہ ہے کہ جو کسی دوسرے کے باغ میں گذرے اور اُسکی باڑھ نہ بندھی ہو تو اُسکے میوے بلا ضرورت کھا سکتا ہے مگر مالک سے اجازت لیکر۔ اور اگر ضرورت مند ہو تو

(بلا اجازت) کھالے اور بعد میں ضمان دیدے۔ حالانکہ امام احمد کی دو روایتوں میں سے ایک یہ ہے کہ اُسے بلا غرامت کھالینا مباح ہے اور اُسپر ڈانڈ بھی کچھ نہیں۔ اسی طرح اُن سے دوسری روایت کہ وقت ضرورت مباح ہے اور ڈانڈ نہیں۔ پس پہلا قول مشدد ہے اور دین کے اعتبار سے اُسی میں احتیاط زیادہ ہے اور دوسرا مخفف اور وہ عوام الناس کے ساتھ خاص ہے۔

تیئیسواں مسئلہ ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ جب کوئی مسلمان کسی مسلمان کے گاؤں میں گذرے تو گاؤں والے کو اُس کی مہمانی مستحب ہے بشرطیکہ اُس گاؤں میں بازار نہ ہو اور اُسے بازار کی ضرورت بھی نہ ہو اور واجب نہیں۔ حالانکہ امام احمد رضہ کا قول اُس مہمانی کے وجوب کا ہے صرف ایک رات۔ اور تین رات تک مستحب ہے۔ اور جب واجب سے باز رہے گا تو اُسپر فرض ہو جائے گا۔ پس پہلا قول مخفف اور ضعیف لوگوں کے ساتھ خاص ہے۔ اور دوسرا اشد داور ربات والے لوگوں کے ساتھ خاص ہے۔

اور مہمان کے اپنے حق مہمانی کو طلب کرنے کی وجہ اپنے بھائیکو کرم اور اعزاز سکھلانا اور اُس کے ذمہ دوستوں کے حقوق سے بری کرنا ہے پھر یہ بہت بڑی لالچ کی بات ہے کہ جب وہ حق میزبان کے ذمہ مرتب ہوچکا تو اُسے معاف کر دے

چوبیسواں مسئلہ ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ سب سے اچھا کسب کشت کاری اور پیشہ وری ہے۔ حالانکہ امام شافعیؒ کے دو قولوں میں سے اظہر قول یہ ہے کہ افضل کسب تجارت ہے اور دونوں قولوں کی وجہ ظاہر ہے۔ اور اخلاص وکثرت منافع کی طرف راجع ہے جو لوگوں کی طرف متعدی ہو۔ اور حدیثیں ہر ایک کے موافق دلائل موجود ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتاب شکار اور ذبیحوں کے بیان میں

مسائل اجماعیہ

ائمہ کا اسپر اتفاق ہے کہ وہ ذبیحے جو معتبر ہیں اُس مسلمان کا ذبیحہ ہے جو عاقل ہو کہ اُس سے ذبح کا کام اچھی طرح ہو سکے خواہ مرد ہو یا عورت۔ اسی طرح اسپر بھی اتفاق ہے کہ جو کفار اہل کتاب نہیں ہیں اُن کا ذبیحہ حرام ہے۔ اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ ذبح ہر اُس شے سے درست ہے جو خون کو بہا دے اور حلقوم اور مری کو کاٹ دے: چھری ہو یا تلوار یا لوہا یا آئینہ یا پتھر یا بانس جس کی دھار ہو اور وہ اِس طرح کاٹ سکے جس طرح ہتیار تیز کر دہ کاٹ دیتا ہے۔ اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ اگر سر کو جدا کر دیا تو وہ مذبوح حرام نہ ہوگا۔ البتہ سعید بن مسیبؒ نے فرمایا کہ حرام ہو جائے گا۔ اور اس قول کی وجہ یہ ہے کہ اس طرح ذبح کرنا ذبح مشروع کے طریقہ پر نہیں ہے۔ اسیطرح اسپر بھی اتفاق ہے کہ اونٹ کو اسطرح ذبح کرنا سنت ہے کہ اونٹ کو کھڑا کر کے پاؤں باندھ کر سینہ کے اوپر برچھا مارے۔ اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ گائے اور بکری کو لٹا کر ذبح کرے۔ اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ سکھائے ہوئے شکاری جانوروں سے شکار کرنا جائز ہے جیسے کتا، چیتا، اور بحری اور شاہین، اور باز، نہ کتا سیاہ (کہ اُس کا شکار امام احمد رضہ کے نزدیک حلال نہیں جیسا کہ عنقریب آجائے گا۔ اور حضرت ابن عمر رضہ اور مجاہد سے منقول ہے کہ

شکار صرف کتے ہی سے جائز ہے اور اگر کسی پرندہ پر تیر مارا اور وہ زخمی ہو کر زمین پر گر گیا پھر اُس نے اُسے مردہ پایا تو وہ باتفاق ائمہ اربعہ حلال ہے۔ یہ مسائل اجماعیہ ختم ہوئے۔

مسائل اختلافیہ

پہلا مسئلہ ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ دانت اور ناخن سے ذبح کرنا جائز نہیں حالانکہ امام ابوحنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر دانت اور ناخن ذبح کرنے والے سے جدا ہوں تو اُس وقت صحیح ہے۔ پس پہلا قول مشدد اور اُس کی دلیل ہے ان سے ذبح کرنے میں نہی کا وارد ہونا ہے۔ اور دوسرے قول میں تخفیف ہے اور اسکی وجہ جس وقت وہ ذبح کرنے والے سے جدا ہوں یہ ہے کہ وہ اُس وقت خون خوب بہا سکیں گے برخلاف انہیں دونوں کے جبکہ وہ ذبح کرنے والے کے ساتھ متصل ہوں کہ اُس وقت اُن کی حرکت ایسی کمزور ہوگی کہ حلقوم اور مُری کو نہ کاٹ سکیں گے جس کی وجہ سے حیوان کو سخت تکلیف ہوگی اور ذبح میں جلدی نہ ہو سکے گی حالانکہ اس کا حکم کیا گیا ہے۔ یہاں تک کہ بعض علماء نے بیان کیا ہے کہ ذبح کرنے میں چھری کو نہ اُٹھا دے۔ اور اگر اُٹھا کر پھر لوٹا دی تو ذبیحہ حرام ہوگیا۔ پس اس کو خوب سمجھ لو۔

دوسرا مسئلہ امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ ان چار چیزوں کا کاٹ دینا ضرور ہے۔ ایک حلقوم دوسرا مری تیسرا اور چوتھا گردن کی دونوں رگیں حالانکہ امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ صرف حلقوم اور مری ہی کا کاٹنا واجب ہے۔ اسی طرح امام ابوحنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ ان چاروں میں سے تین کا کاٹ دینا واجب ہے۔ پس پہلے قول میں تشدید اور دوسرا مخفف اور اُس کے بعد والے میں تخفیف ہے اور وجہ دونوں کی ظاہر ہے کیونکہ دونوں صورتوں میں سے ہر ایک کے اندر وہ خون خارج ہوتا ہے جس کا ذبیحہ میں باقی رہنا نقصان دیتا ہے اگرچہ دیر ہی میں نکلے۔

تیسرا مسئلہ امام ابوحنیفہ رضہ اور امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر حیوان کو گدی سے ذبح کیا اور اُس میں کچھ ٹھیری ہوئی زندگی باقی رہگئی اُس کے حلقوم کو کاٹنے کے وقت تو وہ حلال ہے ورنہ نہیں۔ اور ٹھیری ہوئی زندگی کی پہچان یہ ہے کہ خون خارج ہونے کے وقت جانور سخت حرکت کرے۔ اور امام مالک اور امام احمد نے فرمایا کہ وہ کسی حال میں حلال نہیں۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے اور پہلے قول کی وجہ مشہور ہے۔ دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ وہ ذبح کے شرعی طریق کے خلاف ہے۔

چوتھا مسئلہ ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ اگر اُس جانور کا نحر کر دیا جسکو ذبح کرنا چاہئے تھا یا اس کا عکس کیا تو وہ حلال ہے مگر کراہت کے ساتھ۔ حالانکہ امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر اونٹ کو ذبح کیا اور بکری کا نحر اور ضرورت کچھ نہ تھی تو وہ نہ کھایا جاوے اور بعض اصحاب امام مالک رضہ نے اس کو کراہت پر محمول کیا ہے۔ پس پہلے قول میں تخفیف اور دوسرے میں تشدید ہے اگر اُسے کراہت پر محمول نہ کیا جائے۔ اور تحریم کی وجہ یہ ہے کہ اسطرح ذبح کرنا مشروع نہیں۔ اور جو عمل شریعت کے موافق نہ ہو وہ صحیح نہیں۔ لہذا حلال نہ ہوا۔

پانچواں مسئلہ ائمہ ثلاثہ رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر کسی ماکول جانور کو ذبح کیا پھر اُس کے پیٹ میں مردہ بچہ پایا تو اسکا کھانا حلال ہے۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ کا قول یہ ہے کہ حلال نہیں۔ پس پہلا قول مخفف اور اُن لوگوں کے

حال پر محمول ہے جو اُس کے کھانے سے خوش ہوں اور ساتھ ہی اس حدیث پر عمل کرنا ہے کہ پیٹ کے بچہ کا ذبحہ اس کی ماں کا ذبح کرنا ہے۔

اور دوسرے میں تشدید ہے اور وہ اُن پر محمول ہے جو اُس کے کھانے سے خوش نہ ہوں۔

چھٹا مسئلہ

ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ سکھائے ہوئے کتے کا شکار جائز ہے خواہ وہ سیاہ ہو یا اور کسی رنگ کا اسی طرح اور اُن شکاری جانوروں کا شکار جو سکھائے ہوئے ہوں۔ حالانکہ امام احمد رض کا قول یہ ہے کہ سیاہ کتے کا شکار درست و حلال نہیں۔ اسی طرح حضرت ابن عمر رض اور مجاہد رض کا قول یہ ہے کہ صرف کتے کا شکار جائز ہے اور کسی شکاری کا نہیں۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرے میں تشدید اسی طرح تیسرے میں اور سیاہ کتے کو مستثنیٰ کرنے کی وجہ وہ ہے جو حدیث میں وارد ہے کہ شیطان ہوتا ہے اور شکار شیطان کا ناپاک ہے کیونکہ اُس کے ساتھ کوئی کتاب نہیں اور اُس کے ساتھ کوئی کتاب ہوتی (یعنی وہ کتابی ہوتا) تو اُس کا شکار حلال ہوتا جس طرح اُس کا ذبیحہ۔ پس اِس کو خوب سمجھ لو۔ اور حضرت ابن عمر اور مجاہد کے قول کی وجہ یہ ہے کہ حدیث میں صرف کتے کا شکار وارد ہے۔ اگرچہ کتے سے مراد ہر وہ جانور ہے جس میں کلب پایا جائے (یعنی کتے کی طرح بھونکنا اور حملہ کرنا) لہٰذا تمام درندوں کو بھی شامل ہے۔ باوجودیکہ حدیث میں ایسا وارد ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ درندہ کا نام کتا بھی ہے چنانچہ وارد ہے کہ (اے خدا تو اُس پر اپنے کتوں میں سے کوئی کتا مسلط فرما تو خدا تعالےٰ نے اُس پر ایک درندہ کو مسلط فرمایا جو اُسے نگل گیا)

ساتواں مسئلہ

ائمہ ثلاثہ کا قول ہے کہ باوجود کتے کے سکھائے ہونے کے یعنی اس کے کہ جب اُسے شکار پر چھوڑے تو وہ اُس کی تلاش میں لگ جاوے اور جب وہ اُس سے منع کرے تو رُک جاوے اور جب اُسے بلاوے تو آجاوے۔ یہ بھی شرط ہے کہ جب وہ شکار کو پکڑ لے تو شکاری کے لئے روکے رکھے۔ اور اُس کے اور شکار کے درمیان تخلیہ کر دے (کہ شکاری اُس شکار کا جو چاہے کرے) حالانکہ امام مالک کا قول یہ ہے کہ یہ شرط نہیں۔ پس پہلے قول میں تخفیف اور دوسرے میں تشدید ہے۔

دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ اُن پہلی تین باتوں سے شکاری مرد کی تابعداری پائی گئی تو گویا اُن شرطوں کے ہوتے ہوئے اگر وہ جانور شکار کرے گا تو ایسا ہوگا کہ خود شکاری مرد نے شکار کیا۔

اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ کمال تابعداری اُسی وقت پائی جائے گی کہ جب وہ شکار کو شکاری مرد کے لئے روکے رکھے۔ اور اُس کے اور اُس کے درمیان تنہائی کر دے اور خود اُس میں سے نہ کھاوے۔

آٹھواں مسئلہ

امام ابوحنیفہ رض اور امام احمد رض کا قول یہ ہے کہ جانور شکاری کے واسطے ضرور ہے کہ اُس سے اُن شرط کا وجود چند مرتبہ ہو چکا ہو اُس وقت اُس کا نام سکھایا ہوا رکھا جائے گا۔ اور اس کی تعداد کم سے کم دو مرتبہ ہے۔ حالانکہ امام مالک رض اور امام شافعی رض کا قول یہ ہے کہ یہ صرف ایک مرتبہ سے بھی پایا جاسکتا ہے۔ پس پہلے قول میں تشدید اور دوسرا مخفف ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ پہلا قول اہل تقویٰ پر محمول ہو اور دوسرا غیروں پر۔

نواں مسئلہ

امام شافعی رض کا قول یہ ہے کہ جانور کو شکار پر چھوڑنے کے وقت بسم اللہ پڑھنا مستحب ہے۔ اور اگر اُسے چھوڑ دیا چاہے قصداً ہی تو حرام نہ ہوگا۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رض کا قول ہے کہ اگر اُسے یاد ہو تو بسم اللہ پڑھنا ضرور ہے۔ پس اگر اُسے قصداً چھوڑ دیا تو حلال نہ ہوگا۔ ہاں اگر بھولے سے چھوڑ دے تو حلال ہے۔ اسی طرح امام مالک رض کا قول یہ ہے کہ اگر قصداً ترک کیا تو حلال نہیں اور اگر بھول کر چھوڑا تو اُس میں دونوں روایتیں ہیں

اسی طرح امام احمد رضہ کی بہت سی روایتوں میں سے اظہر روایت یہ ہے کہ اگر کتے کو چھوڑنے یا تیر پھینکنے کے وقت بسم اللہ کو ترک کیا تو اُس شکار سے مطلقاً کھانا حلال نہیں خواہ قصداً ترک کیا ہو یا بھول کر۔ اسی طرح امام داؤد اور شعبی رحہ اور ابو ثور کا قول یہ ہے کہ مباح ہونے کے لئے بسم اللہ پڑھنا مستحب ہے ہر حالت میں پس اگر اُسے چھوڑ دیا خواہ قصداً یا بھول کر تو وہ ذبیحہ نہ کھایا جائے۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا اور چوتھا مشدد اور تیسرا مفصل ہے اور احادیث تمام اقوال کی شہادت دیتی ہیں کیونکہ بسم اللہ کا حکم فرمانا وجوب اور استحباب دونوں کو شامل ہے۔

دسواں مسئلہ ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ اگر کتے نے شکار پر حملہ کیا اور اُسے قتل نہ کیا پھر مالک نے اُسے پایا اس حال میں کہ اُس کے اندر ٹھیری ہوئی جان بھی باقی تھی لیکن وہ اتنی دیر زندہ نہ رہا کہ وہ اُسے ذبح کر لیتا اور مر گیا تو حلال ہے۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ حلال نہیں۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا اور چوتھا مشدد ہے اور اہل تقویٰ کے ساتھ لائق دوسرا قول ہے اور اُن کے سوا غیر اہل تقوے کے ساتھ پہلا قول لائق ہے۔

گیارھواں مسئلہ امام ابو حنیفہ اور امام مالک کی دو روایتوں میں سے مشہور یہ ہے اور امام شافعی کے دو قولوں میں سے اصح قول بھی یہی ہے کہ اگر شکاری جانور نے اپنے بوجھ سے شکار کو قتل کر ڈالا تو وہ حلال ہے۔ حالانکہ امام احمد اور امام ابو یوسف اور امام محمد وغیرہ کا قول یہ ہے کہ وہ حلال نہیں۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے اور محتاجوں کے ساتھ پہلا قول مناسب ہے۔ اور اہل ثروت کے ساتھ دوسرا۔

بارھواں مسئلہ امام ابو حنیفہ رضہ کا قول اور امام شافعی رضہ کے دو قولوں میں سے مرجح قول یہ ہے اور یہی امام احمد رضہ کا ہے کہ اگر سکھایا ہوا کتا شکار سے کچھ کھالے تو وہ حرام ہو جاتا ہے۔ اسی طرح وہ بھی جو اس سے شکار کیا ہو اگرچہ اُس سے کھایا نہ ہو۔ حالانکہ امام مالک رضہ کا قول اور امام شافعی رضہ کا دوسرا قول یہ ہے کہ وہ حلال ہے۔ پس پہلا قول مشدد اور اہل تقوے کے ساتھ خاص ہے اور دوسرا مخفف اور معمولی لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے۔

تیرھواں مسئلہ امام شافعی رضہ کے دو قولوں میں سے اصح قول اور امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر شکار کے تیر مارا یا اُس پر کتے کو چھوڑا اور اُس نے حملہ کیا اور مالک سے غائب ہو گیا۔ پھر اُسے مردہ پایا اور زخم بھی ایسا ہے کہ اُس سے مر سکتا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نہ مرے اور بچ جائے تو وہ حلال نہ ہو گا۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر اُسے اُسی روز پایا تو حلال ہے اور اگر بعد میں پایا تو حلال نہیں۔ اور امام شافعی رضہ کی ایک جماعت نے حلت کو اختیار کیا ہے۔ کیونکہ اس بارہ میں صحیح حدیث وارد ہے۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مفصل ہے۔

چودھواں مسئلہ ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ اگر جال لگایا میں اُس میں شکار پھنسکر مر گیا تو وہ حلال نہیں ہے حالانکہ امام ابو حنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر اُس میں کوئی ہتھیار ہو اور وہ اپنی دھار سے قتل کر دے تو وہ حلال ہے۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرے میں تخفیف ہے

پندرھواں مسئلہ ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ اگر کوئی مانوس جانور وحشی ہو جائے اور پھر اُس کے ذبح پر قدرت نہ رہے تو اس کو جہاں سے قادر ہو وہاں سے ذبح کرے جس طرح وحشی جانور کے ذبح کرنے کا حکم ہے۔ حالانکہ امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ اُس کو حلق یا سینہ کے اوپر گاہی کر ذبح کرے۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے اور دونوں قولوں کی وجہ ظاہر ہے۔

سولھواں مسئلہ امام شافعی رضہ کا قول اور امام احمد رضہ کی دو روایتوں میں سے ایک یہ ہے کہ اگر شکار کے تیر مارا اور اُس کے دو ٹکڑے کر دیئے تو وہ دونوں ٹکڑے ہر حال میں حلال ہیں۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ وہ دونوں حلال نہیں مگر اُس وقت کہ دونوں ٹکڑے برابر ہوں۔ اسی طرح امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر اکثر ہو تو حلال ہے اور دوسرا حلال نہیں۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرے میں تشدید اور تیسرا مفصل ہے اور ان تمام اقوال کی وجوہ اجتہاد مجتہدین کی طرف واقع ہے۔

سترھواں مسئلہ امام شافعی رضہ کا قول اور امام مالک رضہ کی دو روایتوں میں سے ایک یہ ہے کہ اگر کتے کو شکار پر چھوڑا پھر اُسے ڈانٹا تو وہ نہ رکا بلکہ اور دوڑنے میں زیادتی کی تو اُسکا کھانا حلال نہیں حالانکہ امام ابوحنیفہ اور امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ وہ حلال ہے۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے۔ اور دونوں قولوں کی وجوہ ظاہر ہیں۔

اٹھارھواں مسئلہ ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ اگر شکار مالک کے ہاتھ سے غائب ہو جائے تو اُس کی ملک اُس سے زائل نہ ہوگی۔ حالانکہ امام احمد کا قول یہ ہے کہ جب خشکی میں دور بھاگ جائے تو ملک زائل ہو جائے گی پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مفصل ہے۔ اور ہر ایک کے لئے ایک ایک وجہ ہے جو مجتہدین کے اجتہاد کے تابع ہے۔

انیسواں مسئلہ ائمہ ثلاثہ رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر خشکی کے پرندہ کا شکار کیا اور اُسے اپنے حلقہ میں کر لیا پھر وہ دوسرے کے پنجرے میں چلا گیا تو اگر وہ پھر اُس کے حلقہ اور پنجرہ میں لوٹ آئے تو اُس کی ملک میں پھر آجائے گا (ورنہ نہیں) پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مفصل ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔

اور اب ہم بیوع اور اُس کے بعد کے ابواب مثلاً نکاح اور جراح وغیرہ آخر ابواب فقہ تک کے بیان کرنے میں شروع ہوتے ہیں۔ اس طرح سے کہ مسائل اختلافیہ اور اُن کی توجیہات میں بہت اختصار کریں گے۔ تاکہ کتاب دراز اور لوگوں پر لکھنا دشوار نہ ہو جائے اور اب کہتا ہوں وباللہ التوفیق والہدایہ وھو حسبی ونعم الوکیل۔

کتاب بیع و فروخت کے احکام میں

مسائل اجماعیہ

علماء کا اسپر اتفاق ہے کہ بیع حلال ہے اور سود حرام۔ اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ بیع ہر بالغ عاقل مختار تصرف کے مالک سے صحیح ہے اور اسپر بھی کہ مجنون کی بیع صحیح نہیں۔ اس باب میں اجماعیہ مسائل مجھے اسیقدر ملے۔

مسائل اختلافیہ

پہلا مسئلہ امام شافعی رضہ اور امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ نابالغ بچہ کی بیع صحیح نہیں۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رضہ

کا قول یہ ہے کہ جب وہ بیع کے اندر تمیز رکھتا ہو تو صحیح ہے۔ یہی امام احمد کا قول ہے لیکن امام ابو حنیفہ رحمۃ بیع کے انعقاد کے لئے یہ شرط فرماتے ہیں کہ اُس کا ولی پہلے اجازت دے چکا ہو اور امام احمد رضہ انعقاد بیع کے لئے صرف ولی کی اجازت شرط کرتے ہیں (خواہ پہلے سے ہو یا بعد میں) پس پہلا قول مشدد اور دوسرے میں بوجہ اجازت مذکورہ کے شرط ہونے کے تخفیف ہے۔

پہلے قول کی وجہ خدا تعالیٰ کے ظاہر قول پر عمل کرنا ہے کہ ولا تؤتوا السفہاء اموالکم التی جعل اللہ لکم قیاما الآیۃ۔ اور بیع وشراء کا تصرف کرنا معنی میں بیوقوفوں کو مال دیدینے کے ہے کیونکہ خرید و فروخت مال خرچ کرنے کو مستلزم ہے اور علت جامعہ اُن دونوں کے درمیان عقل کا نقصان ہے جو بغیر شرعی طریقہ کے مال کو ضائع کرنے میں واقع کرنے والا ہے۔

دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ مدار عمل کا اس صورت میں ولی کی اجازت پر ہے نہ نابالغ پر لہذا بیع صحیح ہوئی کیونکہ نابالغ اس شکل میں دلال کی مثل ہے اور درحقیقت عاقد اور ہے۔

دوسرا مسئلہ

ائمہ ثلاثہ رضہ کا قول یہ ہے کہ زبردستی کئے گئے آدمی کی بیع صحیح نہیں۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رضہ کا قول اُس کی صحت کا ہے۔ پس پہلا قول مشدد ہے اور اُس کی دلیل احادیث صحیحہ میں جو اس بارہ میں وارد ہیں۔ اور دوسرا قول مخفف ہے اور اُس کی وجہ ظاہر حال کو لینا ہے کیونکہ ہمیں اکراہ اور زبردستی کے صحیح ہونے پر اطلاع نہیں کیونکہ اُس کا رجوع اُس بات کی طرف ہے جو بندے کے دل میں ہے۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ ضرب یا قید کے تحمل پر قادر ہو برخلاف اُس کے جو اُس نے ہم پر اپنا عاجز ہونا ظاہر کیا۔ اور اُس نے بیع کی تصریح ہم پر اس لئے کی ہو کہ اُس نے اس میں اپنے لئے کچھ مصلحت اور حظ پایا ہو بالخصوص اُس وقت کہ جب قیمت کا حالت مختاری میں قبضہ کرے لہذا ہم بھی اُس کی موافقت کریں گے تاکہ وہ ظالم کی ایذا قید وغیرہ سے خلاصی حاصل کرے اور گناہ صرف ظالم پر قرار دیں گے نہ خریدار پر اور جب خریدار اُس کے مجبور کئے جانے کو جان چکا ہو تو گناہ کا اُس کے ساتھ لاحق کرنا صحیح ہے۔

تیسرا مسئلہ

امام شافعی رضہ کے دو قولوں میں سے مرجح قول اور امام احمد رضہ اور امام ابو حنیفہ رضہ کی دو روایتوں میں سے ایک یہ ہے کہ تعاطی کی بیع درست نہیں (یعنی ایک پیسہ دینا اور چیز اٹھا لینا بغیر نرخ کئے اور زبانی بات چیت کے جبکہ معلوم ہو کہ وہ ایک پیسہ کو دیتا ہے) حالانکہ امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ وہ بیع منعقد ہو جاتی ہے اور اسی کو ابن صلاح اور نووی اور شافعیہ کی ایک جماعت نے اختیار کیا ہے۔ اور امام شافعی کا دوسرا قول اور امام ابو حنیفہ رضہ اور امام احمد رضہ سے دوسری روایت بھی یہی ہے۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے

پہلے قول کی وجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے کہ "اس کے سوا نہیں کہ بیع رضامندی سے ہوئی چاہئے" اور رضامندی ایک پوشیدہ امر ہے لہذا اُس لفظ کا اعتبار کیا جائے گا جو اُس رضامندی پر دلالت کرے بالخصوص اُس وقت کہ جب ابعد میں خریدار اور بائع کے درمیان نزاع واقع ہو اور مقدمہ حاکم کے پاس لیجائیں کیونکہ اُس دم حاکم گواہوں کی گواہی کے ساتھ فیصلہ نہیں کر سکتا بوجہ اس کے کہ اُنہوں نے کچھ سنا ہی نہیں اور یہ کہنا اُن کا کافی نہیں ہو سکتا کہ ہم نے مثلاً اس کو دینار دیتے اور بائع کو گدھا دیتے دیکھا تھا۔

اور امام مالک رضہ کے قول کی وجہ اور جو اُن کے موافق ہیں اُن کی یہ ہے کہ ایسی باتوں میں قرینہ ہی کافی ہے اور وہ بائع کا مشتری کو مبیع دینا ہے اور مشتری کا بائع کو ثمن دینا اور بائع کا اُن سے لے لینا اور اگر وہ رضامند نہ ہوتا تو یہ

دین دین کیونکر ہو سکتا اور یہ قول اکابر اہل دین کے ساتھ مخصوص ہے جو جھوٹا دعوے کبھی نہیں کرتے۔ اور اپنے بھائی کے لئے پورے حصہ کا خیال رکھتے ہیں جیسا کہ سلف صالحین کا دستور تھا۔

پہلا قول سو وہ اُن دنیا داروں کے ساتھ خاص ہے جو اپنے کو اپنے بھائیوں پر اختیار کرتے ہیں بلکہ بسا اوقات اُنکی شہادت کو رد کرتے ہیں جو حق شہادت بیان کرتا ہے اور اپنے مخالف کے گواہوں میں جرح کرتے ہیں۔

چوتھا مسئلہ بعض اماموں کا قول یہ ہے کہ معمولی اشیا میں تلفظ کی ضرورت نہیں جسطرح روئی ہے اور ساگ وغیرہ ہیں اگرچہ وہ گڈی بندھی ہوں۔ حالانکہ بعض کا قول اُس کے شرط ہونے کا ہے۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔ موافق اُس کی جو ابھی (بڑی چیز) کی بیع میں گذر چکا ہے اور معمولی اور بڑی شے کی شناخت کا معیار یہ ہے کہ جس شے کے اندر لوگ حکام کے پاس مقدمہ لیجانے کے محتاج ہوتے ہیں وہ شے عظیم ہے اور جس میں یہ بات نہ ہو وہ حقیر اور معمولی شے ہے۔

پانچواں مسئلہ ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ ایسے لفظ سے بیع ہو جاتی ہے جو چاہنے پر دلالت کرے جیسے (یوں کہے) کہ میرے ہاتھ فروخت کر دے یا یہ چیز مجھ سے خرید لے وہ جواب دے کہ میں فروخت کرتا ہوں خرید تا ہوں۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ بیع بالکل منعقد نہیں ہوتی۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔

پہلے قول کی وجہ خریدار یا بائع کے خواہشمند ہونے سے غرض کا حاصل ہونا ہے اس لئے کہ دونوں صورتوں میں جواب ضرور ہے ہی۔

دوسرے قول کی وجہ خواہشمند کی طرف عادتًا دھوکا اور کھوٹ کی طرف نسبت کرنا ہے کیونکہ بہت مرتبہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر اس بیع میں کوئی عیب نہ ہوتا تو دوسرے سے لینے کو ہرگز نہ کہتا بلکہ صبر کرتا یہانتک کہ دوسرا آدمی خود ہی اُس سے طلب کرتا جیسا کہ بازاروں میں یہ بات مشہور ہے اور ہو سکتا ہے کہ پہلے کو اکابر اہل علم و دین پر محمول کیا جائے جو اپنے بھائی کے لئے پورے حصہ کا خیال رکھتے ہیں۔ اور دوسرے قول کو اس کے خلاف پر جیسا کہ لوگ بعض بعض کو قرائن اور تجربہ سے پہچان لیتے ہیں۔

چھٹا مسئلہ امام شافعی رضہ اور امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ جب بیع منعقد ہو جائے تو بائع اور مشتری میں سے ہر ایک کو مجلس کا خیار باقی رہتا ہے جب تک جدا نہ ہوں یا بیع کے لازم ہونے کو اختیار نہ کر لیں۔ پس اگر ایک نے لزوم بیع کو اختیار کر لیا تو دوسرے کو اختیار باقی رہتا ہے یہانتک کہ مجلس سے جدا ہو یا وہ بھی لزوم بیع کو اختیار کر لے۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رضہ اور امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ بائع و مشتری کو مجلس کا اختیار حاصل نہیں ہوتا پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔ پہلے قول کی وجہ یہ حدیث ہے کہ البیعان بالخیار مالم تیفرقا او یقول احدھما اخترت ترجمہ "بائع و مشتری کو اختیار رہتا ہے جب تک جدا نہ ہوں یا اُن میں سے ایک یہ نہ کہدے کہ میں نے لزوم بیع کو اختیار کر لیا"

دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ بیع تو صرف خرید و فروخت کے الفاظ ختم ہونے سے لازم ہو چکی اور اب خیار مجلس کی حاجت نہ رہی۔ اور ہو سکتا ہے کہ پہلا قول اُن چھوٹے درجہ کے لوگوں کے ساتھ خاص ہو جن میں سے ہر ایک اپنے نفس کے لئے پورے حصہ کا خیال رکھتا ہے لہذا شارع علیہ السلام نے اُن پر رحم فرمایا چونکہ اُن کی نظر کوتاہ تھی اور لزوم بیع میں ہر ایک کو تردد تھا تو اُن میں سے ہر ایک کے لئے مجلس کا اختیار عطا کیا۔

جس طرح دوسرے قول کو اُن اکابر پر محمول کر سکتے ہیں جن میں سے ہر ایک اپنے بھائی کے لئے پورے حصہ کا خیال رکھتا اور ایسے لوگ (واقع میں) خیار مجلس کے محتاج نہیں۔ کیونکہ اُن میں اگر کسی کو بھی پورا حصہ حاصل ہوگیا تو دوسرے کو پشیمانی حاصل ہونے کا خطرہ نہیں بلکہ (برخلاف) وہ اس سے خوش ہوگا۔ پس اس کو خوب سمجھ لو۔

ساتواں مسئلہ امام ابوحنیفہ رض اور امام شافعی رض کا قول یہ ہے کہ تین روز تک اختیار کا شرط کر لینا جائز ہے اور اُس سے زیادہ کا جائز نہیں۔ حالانکہ امام مالک کا قول یہ ہے کہ جسقدر دنوں کے اختیار کی حاجت پڑے دینا جائز ہے اور اس کا اختلاف اموال پر ہے۔ پس وہ میوے جو ایکدن سے زیادہ نہیں رہ سکتے اُن کے اندر ایک دن سے زیادہ کا اختیار جائز نہیں اور وہ گاؤں جس سے اچھی طرح آگاہی تین دن نہیں نہ ہو سکے اُس کے اندر تین دن سے زیادہ تک اختیار شرط کرنا درست ہے۔ حالانکہ امام احمد رض اور امام ابو یوسف رح اور امام محمد رض کا قول یہ ہے کہ جتنے دنوں کے اختیار پر اُن دونوں کا اتفاق ہو جائے اُتنے روز تک ثابت رہے گا جسطرح وعدہ (قیمت دینے کا) پس پہلے قول میں تشدید ہے اور اُن دلائل کا اتباع ہے جو اس بارہ میں صحیح صحیح وارد ہیں اور دوسرے قول میں تخفیف اور تیسرا مخفف ہے۔ اور دوسرے اور تیسرے قول کی وجہ اجتہاد مجتہد کی طرف راجع ہے باعتبار لوگوں کے اختلاف مراتب کے کہ بعض تو دنیوی امور کی تعظیم کرتے ہیں اور بعض انہیں ذلیل سمجھتے ہیں۔ اسیطرح بعض تو اپنے بھائیوں کے لئے پورے حصہ کا خیال کرتے ہیں اور بعض اپنے لئے جسطرح اس کی تفصیل خیار مجلس میں گذری

اٹھواں مسئلہ ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ اگر رات تک اختیار شرط کیا جائے تو رات اختیار میں داخل نہ ہوگی حالانکہ امام ابوحنیفہ رض کا قول یہ ہے کہ اس میں رات بھی داخل ہوگی۔ پس پہلے قول میں تشدید اور دوسرے میں تخفیف اور توسیع ہے۔

نواں مسئلہ ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ جب اختیار کی مدت ختم ہو جائے تو بیع لازم ہو جاتی ہے یعنی پھر فسخ بیع کا اختیار نہیں رہتا اور نہ اجازت بیع کا۔ حالانکہ امام مالک کا قول یہ ہے کہ محض مدت گذر جانے سے بیع لازم نہیں ہوتی بلکہ اختیار کرنا یا اجازت دینا ضرور ہے۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرے میں تشدید اور دینی احتیاط ہے۔

دسواں مسئلہ ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ اگر کسی شے کو اس شرط پر فروخت کیا کہ اگر تین روز کے اندر اندر قیمت کا تقبضہ نہ کرایا تو بیع نہ ہوگی تو وہ بیع فاسد ہے اور اُس کی وجہ شرط کا فاسد ہونا ہے اور یہی اُس میں ہے کہ جب بائع نے کہا کہ میں تیرے ہاتھ اس شرط پر فروخت کرتا ہوں کہ اگر تین روز کے بعد میں نے قیمت تجھ کو واپس کر دی تو ہمارے درمیان بیع نہ ہوگی۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رض کا قول یہ ہے کہ یہ بیع صحیح ہے اور پہلا قول مخفف مشتری کو اختیار ثابت کرنے کے لئے ہوگا اور دوسرا قول صرف بائع کو خیار ثابت کرنے کے لئے۔ اسی طرح تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ مدت اختیار کے اندر اُسے قیمت سپرد کرنا لازم نہیں۔ حالانکہ امام مالک کا قول یہ ہے کہ لازم ہے۔ پس پہلا قول پہلے دونوں مسئلوں میں مشدد ہے اور امام ابوحنیفہ رض کا قول اُن دونوں میں مخفف ہے۔ اور تیسرے مسئلہ میں پہلا قول مخفف ہے اور دوسرا اُس میں مشدد ہے۔ اور تینوں مسئلوں کی توجیہ کتب فقہ میں ظاہر ہے۔

گیارھواں مسئلہ ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ جسے اختیار ثابت ہوتا ہے اُسے اجازت ہے کہ چاہے اپنے صاحب کے سامنے بیع کو فسخ کرے یا اُس کے پیچھے۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رض کا قول یہ ہے کہ اُسے صرف اپنے صاحب کے سامنے ہی فسخ کرنے کا اختیار ہے۔ پس پہلے قول میں تخفیف اور دوسرا مشدد ہے۔

...قول کی وجہ یہ ہے کہ جب اُس کا صاحب اختیار دینے پر راضی ہوا ہے تو گویا اُس نے اُسے اجازت دی ہے کہ ...ن چاہے فسخ کر دے لہذا فسخ کے وقت سامنے ہونے کی حاجت نہیں۔

...دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ ہو سکتا ہے اُس کے سامنے اس کی کوئی اور بات سمجھ میں آجائے تو امام ابوحنیفہ رض ...ت فسخ کو ملحوظ رکھا ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ پہلے قول کو اُن بڑے لوگوں پر محمول کیا جائے جو اپنے بھائی کے لئے پورے ...کا خیال رکھتے ہیں اور دوسرا اُن لوگوں پر جو پہلوں کے خلاف ہیں۔

...ھواں مسئلہ

امام ابوحنیفہ رض اور امام شافعی رض کا قول یہ ہے کہ جب بیع کے اندر مجہول خیار شرط کیا جائے تو شرط اور بیع دونوں باطل ہوتے ہیں۔ حالانکہ امام مالک کا قول یہ ہے کہ جائز ...ر اُس کی اسقدر مدت معین کیجائے گی جتنی عادتاً اُس شئے کے اندر اختیار کی ہوتی ہے۔ اسی طرح امام احمد رض ...اہر قول یہ ہے کہ دونوں صحیح ہیں اسی طرح ابن ابی لیلی کا قول یہ ہے کہ بیع صحیح ہے اور شرط باطل۔ پس پہلا قول ...د اور دوسرے میں تخفیف اور تیسرا مخفف اور چوتھا مفصل ہے۔

...قول کی وجہ یہ ہے کہ شرط فاسد ہونے سے خریدنا اور فروخت کرنا بھی فاسد ہوتا ہے اور امام مالک رض کے ...کی وجہ ظاہر ہے۔ اور امام احمد رض کے قول کی وجہ طریق اجتہاد ہے جو انہیں حاصل ہوا اور ابن ابی لیلے کے قول ...جہ یہ ہے کہ بیع تو صیغہ سے منعقد ہو چکی اور لازم بھی ہو گئی۔ لہذا اس میں اب کوئی شرط فاسد موثر نہیں ہو سکتی۔ پھر ...ت ہے کہ یہ سب اجتہاد مجتہدین کی طرف رجوع کرتا ہے کیونکہ اُن کی کوئی اور دلیل نہیں پاتا۔

...ھواں مسئلہ

ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ جسکو خیار تھا اگر وہ مرجائے تو اُس کا حق وارثوں کی طرف منتقل ہوگا حالانکہ امام ابوحنیفہ رض کا قول یہ ہے کہ خیار کا حق مرجانے سے ساقط ہو جاتا ہے اور ...کے اندر اندر مشتری کی طرف ملک لوٹ جاتی ہے اگر میت بائع ہو۔ اور اس کی توجیہہ معہ اُس کی تفریقوں اور ...ملوں کے کتب فقہ میں مذکور ہے۔ پس ہم اُس کو ذکر کے طوالت کو سر پر نہیں لیتے۔

...ھواں مسئلہ

ائمہ ثلاثہ رض کا قول یہ ہے کہ مدت خیار میں لونڈی سے بائع کو ہمبستر ہونا درست ہے اور خریدار کو یہ درست نہیں۔ حالانکہ امام احمد رض کا قول یہ ہے کہ اُس سے ہمبستر ہونا نہ بائع ...ست ہے نہ خریدار کو۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔

...قول کی وجہ یہ ہے کہ لونڈی سے بائع کی ملکیت کا دور ہو جانا اُسی وقت ثابت ہوگا جب مدت گذر جائے تو گویا ابھی تک ...ی ملک میں ہے اور خریدار کو ہمبستری ممنوع ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جب تک اُس لونڈی کا حمل سے بری ہونا نہ ظاہر ہو ...وقت تک حلت میں توقف ہے اور وہ اب تک ظاہر نہیں۔ اور امام احمد رض کے قول کی وجہ یہ ہے کہ ہمبستری ...عد اسی وقت درست ہے کہ جب ملک صحیح ہو جائے اور مدت خیار میں ملک ثابت نہیں ہوئی۔ پس خوب سمجھ لو۔ ...سبحانہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ اتم والحمد للہ رب العالمین۔

باب اِس بارہ میں کہ کِس کی بیع جائز ہے کِس کی نہیں

مسائل اجماعیہ

علماء کا اسپر اتفاق ہے کہ معین چیز کی جو پاک ہو بیع جائز ہے اور اسپر بھی کہ ام الولد کی بیع ناجائز ہے۔ امام داؤ
کا اس میں اختلاف ہے اور یہی قول حضرت علی رضہ اور حضرت ابن عباس رضہ کا ہے۔ اسی طرح اسپر بھی اتفاق ہے
کہ اُس چیز کی بیع ناجائز ہے جس کے سپرد کرنے پر قدرت نہ ہو جس طرح وہ پرند جو ہوا میں ہو اور وہ مچھلی جو دریا میں
ہو اور وہ غلام جو بھاگا ہوا ہو، خلاف ہے۔ حضرت ابن عمر رضہ کا کہ وہ بھاگے ہوئے غلام کی بیع کو جائز سمجھتے ہیں۔ اور
حضرت عمر بن عبدالعزیز اور ابن ابی لیلی سے منقول ہے کہ اِن دونوں نے اُس پرند کی بیع کو جو ہوا میں ہو اور اُس
مچھلی کی بیع کو جو بڑے حوض میں ہو جائز کہا ہے اگرچہ اُس مچھلی کے اور پرندہ کے پکڑنے میں بڑی تکلیف اُٹھانے کی ضرورت
ہو۔ اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ مشک کی بیع درست ہے اسی طرح اُس کے نافہ کی اگر زندہ جانور سے جدا کیا گیا ہو۔ امام
شافعی رضہ کے نزدیک۔ اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ عورت کا دودھ پاک ہے۔ اور اسپر بھی کہ قرآن شریف کا خرید نا درست
ہے البتہ اختلاف اُس کے فروخت کرنے میں ہے۔ یہ وہ مسائل تھے جن میں اتفاق تھا۔

مسائل اختلافیہ

پہلا مسئلہ امام شافعی رضہ اور امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ اُس چیز کی بیع جائز نہیں جو ناپاک ہو جیسے
کتا اور خنزیر اور گوبر اور شراب۔ پس اگر کتا تلف ہو جائے یا کر دیا جائے تو اُس کی قیمت تلف
والے پر لازم نہیں۔ اسی طرح تینوں اماموں کے نزدیک ناپاک کی بیع درست نہیں۔ اگرچہ پانی سے دھو لیا ہو۔ حالا
امام ابو یوسف رح کا قول یہ ہے کہ ناپاک تیل کی بیع درست ہے۔ اگرچہ دھویا نہ گیا ہو۔ اسی طرح امام موصوف کا یہ قو
ہے کہ کتے اور گوبر کی بیع صحیح ہے اور یہ کہ مسلمان اگر ذمی سے شراب اور نبیذ تمر کو فروخت کرا دے یا خرید وا دے
تو اُسے اجرت دینا درست ہے۔ حالانکہ بعض اصحاب امام مالک کا قول یہ ہے کہ کتے کی مطلق بیع درست ہے اور بعض
کا قول یہ ہے کہ مکروہ ہے۔ اسی طرح اُن میں کے بعض یہ کہتے ہیں کہ اُس کتے کو بیچنا درست ہے جس کے پالنے کی اجاز
ہے۔ پس پہلا قول تشدد اور دوسرے میں تخفیف اور تیسرا مخفف اور چوتھے میں تشدید اور پانچواں مفصل ہے۔ اور اُ
میں سے ہر قول کی ایک وجہ ضرور ہے جس کا رجوع صاحب اجتہاد کی طرف ہے باوجود اس کے کہ نہیں کوئی دلیل ایسی
جس سے گوبر کی بیع کا ناجائز ہونا صراحتہً ثابت ہوتا ہو۔ برخلاف شراب کے۔ اور امام ابو یوسف کے اُس قول ک
کہ اگر مسلمان کسی ذمی کو شراب کے بیچنے یا خریدنے کی اُجرت کھلائے تو جائز ہے اسپر محمول کر سکتے ہیں کہ وہ یہ خیا
کرتے تھے کہ دکیل سفیر محض نہیں ہوتا اور بائع شراب پر لعنت والی حدیث بائع پر لعنت واجب کرتی ہے اور بائع یہا
ذمی ہے نہ مسلمان۔

دوسرا مسئلہ

ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ مدبر غلام کی بیع جائز ہے حالانکہ امام ابوحنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ مدبر اگر مطلق ہو تو بیع درست نہیں۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے اور پہلا قول اُن چھوٹے درجہ کے لوگوں کے ساتھ خاص ہے جو بعد مدبر بنانے کے اُس کی قیمت کے محتاج ہوتے ہیں لہذا ائمہ نے اُنپر توسیع کی کہ اُس کی بیع کو اور قیمت اپنی ضروریات میں صرف کرنے کو جائز کہدیا اُن پر رحمت کی نظر کر کے اور یہ مدبر کے آزاد ہونے سے بھی زیادہ سزاوار ہے۔

اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ مولیٰ نے مدبر بنانے کی نیت کو خدا تعالیٰ کے ساتھ مرتبط کر دیا تو پھر اُس سے رجوع جائز نہیں اور یہ قول اکابر اولیاء اللہ اور بڑے اُمراء کے ساتھ مخصوص ہے۔ پس اس کو خوب سمجھلو۔

تیسرا مسئلہ

ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ وقف کی بیع جائز نہیں۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ اسکی بیع جائز ہے جب تک حاکم کا حکم اُس کے ساتھ پیوستہ نہ ہو اس لئے کہ وقف کا حکم وصیتوں کا سا ہے پس پہلا قول مشدد اور دوسرے میں تخفیف ہے۔ اور پہلا قول اکابر کے ساتھ مخصوص ہے جیسا کہ اس سے پہلے مسئلہ میں بیان ہوا۔ اور دوسرا قول اصاغر کے ساتھ مخصوص ہے۔ پس جسطرح اُسے وصیت سے رجوع کرنا جائز ہے اسی طرح وقف سے بھی۔ بالخصوص اُس وقت کہ جب اُس کو حاجت ہو اور حاکم نے اُس کے اندر ابھی تک کوئی حکم صادر نہ کیا ہو۔

چوتھا مسئلہ

امام شافعی رضہ اور امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ عورت کے دودھ کو بیچنا جائز ہے۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رضہ اور امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ اُس کی بیع درست نہیں۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے پہلے قول کی وجہ اُس کی بیع کا ضمناً اس قول خداوندی میں داخل ہونا ہے کہ (فان ارضعن لکم فآتوھن اجورھن) یعنی اُن کے دودھ کی قیمت اور بچہ کی پرورش کی اُجرت اُن کو دو۔ پس خدا تعالیٰ کا یہ فرمان کہ اُن کو اُجرتیں دو۔ اُس کی بیع جائز ہونے کی خبر دیتا ہے۔

اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ عورت کے دودھ کی حاجت اکثر سوائے آدمیوں کے اور کسی کو نہیں پڑتی اور بڑی بھلائی کی بات ہے کہ عورت اپنے مسلمان بھائی کے بچہ کو دودھ پلاوے اور قیمت نہ لے کیونکہ نوع انسان کو شرف حاصل ہے۔

پانچواں مسئلہ

امام شافعی رضہ کا قول اور امام احمد رضہ کی دو روایتوں میں سے ایک یہ ہے کہ مکہ معظمہ کے مکانوں کا فروخت کرنا درست ہے کیونکہ صلح سے فتح ہوا ہے۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رضہ کا قول اور امام احمد کی دونوں روایتوں میں سے اصح روایت یہ ہے کہ اُن کا فروخت کرنا درست ہے نہ کرایہ پر دینا اگرچہ وہ صلح سے مفتوح ہوا ہے۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔

پہلے قول کی وجہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا عقیل کو اجازت دینا ہے مکہ کے مکانات فروخت کرنے کی جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی رضہ اور حضرت عباس رضہ نے مدینہ طیبہ کو ہجرت کی تھی۔

اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ مکہ معظمہ حق تعالیٰ کا دربار خاص ہے لہذا نہ اُس کی بیع درست ہے اور نہ کرایہ پر دینا جس طرح مسجد کی بیع اور اُسکو کرایہ پر دینا درست نہیں حق تعالیٰ کے ساتھ اس ادب کو ملحوظ کرنے کے واسطے کہ اُس کے دربار میں اُس کے ساتھ اپنی ملک بھی نہ سمجھے کیونکہ بیع دراصل اُس شخص کے لئے مشروع ہوئی ہے جو خدا عزوجل سے پردہ میں ہے اور اگر وہ پردہ اُٹھا دیا جائے تو خدا تعالیٰ کے سوا اور کچھ نہ پاوے تو پھر بیع کس کے ساتھ کرے۔ یہی وجہ ہے جو بعض صوفیہ نے فرمایا ہے کہ انبیاء اور اولیاء پر زکوۃ واجب نہیں کیونکہ اُن سے پردہ اُٹھا

مدبر وہ ہے جس کو اس کے مولیٰ نے یہ کہدیا ہو کہ تو میرے مرنے کے بعد آزاد ہے۔ مترجم

ہوا ہے۔ لہذا وہ حق تعالیٰ کے ساتھ کسی ملکیت کا مشاہدہ نہیں کرتے۔ (انتہی) اگرچہ جمہور اس کے خلاف ہیں کیونکہ پر جزو بشری کی حیثیت سے احکام کا جاری کرنا ضروری ہے پس خوب سمجھ لو۔

چھٹا مسئلہ امام شافعی کے دو قولوں میں سے مرجح قول یہ ہے کہ جو شے مملوک نہ ہو وہ بیع بغیر مالک کی اجازت کے درست نہیں۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ کا قول اور امام احمد کی دو روایتوں میں سے ایک یہ ہے کہ بیع صحیح ہے لیکن مالک کی اجازت پر موقوف ہے اور یہی قول امام شافعی رضہ کے دو قولوں میں سے قول قدیم ہے برخلاف خریدنے کے کہ وہ امام ابوحنیفہ رضہ کے نزدیک اجازت پر موقوف نہیں۔ حالانکہ امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ خرید و فروخت دونوں اجازت پر موقوف ہیں۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرے میں تخفیف اور تیسرا مخفف ہے۔ اور تمام اقوال کی توجیہ ظاہر ہے۔ کیونکہ اجازت ایسا کر دے گی کہ گویا ایسی شے کی بیع کی کہ جس کا وقت عقد مالک تھا صرف تقدیم اور تاخیر ہوگی۔

ساتواں مسئلہ امام شافعی رضہ اور امام محمد بن حسن کا قول یہ ہے کہ اس شے کی بیع مطلقاً ناجائز ہے جس کی ملکیت مستقر نہ ہوئی ہو اور اس کا قبضہ نہ ہوا ہو خواہ وہ زمین ہو یا منقول شے۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ کا قول یہ ہے کہ زمین کی بیع قبضہ سے پہلے جائز ہے۔ اسی طرح امام مالک کا قول یہ ہے کہ قبضہ سے پہلے طعام کی بیع جائز نہیں اور اس کے ماسوا کی جائز ہے۔ حالانکہ امام احمد کا قول یہ ہے کہ اگر مبیع کیلی یا وزنی یا عددی چیز ہو تو اس کو قبضہ کرنے سے پہلے بیع جائز نہیں اور اگر اس کے سوا ہو تو جائز ہے۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرے میں تخفیف اور تیسرے میں تفصیل ہے۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ شارع علیہ السلام نے اس چیز کی بیع سے منع فرمایا ہے جو مقبوض نہ ہو اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ بعد وقوع بیع قبل از قبضہ عام طور زمین کے تغیر و تبدل کا اندیشہ نہیں۔ اور امام مالک کے قول کی وجہ اکثر طعام کا متغیر ہونا ہے برخلاف اس کے سوا کے۔

اور امام احمد رضہ کے قول کی وجہ عادتاً عددی کیلی۔ وزنی کے قبضہ کا سہل ہونا ہے لہذا قبضہ کرنا اس پر دشوار نہ

آٹھواں مسئلہ ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ منقولی چیزوں میں قبضہ نقل سے ہوتا ہے اور غیر منقولی میں جس طرح زمین اور درختوں پر پھل خریدار اور اس شے کے درمیان تنہائی کر دینے سے ہوتا ہے۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ تمام چیزوں میں تنہائی کرنے سے ہوتا ہے اور دونوں قولوں کی وجہ ظاہر ہے۔

پہلا قول اس وجہ سے ہے کہ منقول چیز کا قبضہ میں داخل ہونا سہل ہوتا ہے برخلاف زمین کے۔

اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ بائع جب خریدار اور مبیع کے درمیان تنہائی کر دے تو گویا اس نے خریدار کو قادر بنا دیا پس اس سے وہ مقصود حاصل ہو گیا جو نقل سے ہوتا ہے۔

نواں مسئلہ ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ عین مجہول کی بیع ناجائز ہے جس طرح یہ کہا کہ ایک غلام غلاموں میں سے یا ایک تھان تھانوں میں سے فروخت کرتا ہوں۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ تین غلاموں میں سے کسی غیر معین غلام کی یا تین تھانوں میں سے کسی تھان کی بیع بشرط خیار درست ہے۔ نہ اس وقت کہ جب تین سے زیادہ ہوں۔ پس پہلے قول میں تشدید اور دوسرے میں تخفیف ہے اور دونوں قولوں کی وجہ ظاہر ہے۔ کیونکہ شرط خیار معاملہ کو رضامندی کی طرف لیجاتا ہے۔ تو گویا خریدار عیب کے ساتھ راضی ہو گیا ہے اگر وہاں کوئی عیب ہوا۔

...واں مسئلہ امام مالک رضہ کا قول اور امام شافعی رضہ کے دو قولوں میں سے مرجح قول یہ ہے کہ اُس چیز کی بیع درست نہیں جو عین ہو اور بائع و مشتری سے غائب ہو اور پھر اُن کا وصف بھی ظاہر نہ کیا گیا ہو ...نکہ امام ابو حنیفہ کا قول یہ ہے کہ بیع صحیح ہے اور خریدار کو اختیار رویت حاصل ہو گا۔ اور یہی قول امام احمد رحمۃ کا ...کی دو روایتوں میں سے اصح روایت کے اندر اور اصحاب امام ابو حنیفہ کا اس میں اختلاف ہے کہ جب جنس یا نوع ...نہ کیا جائے جسطرح یوں کہے کہ میں اُس چیز کو فروخت کرتا ہوں جو میری ہتھیلی میں ہے۔ پس پہلا قول مشدد اور ...سرا مخفف ہے۔

...ہو سکتا ہے کہ پہلے قول کو اُس چیز کی بیع پر حمل کیا جائے جسمیں عقد بیع اور رویت کے درمیان غالبًا تغیر و تبدل ...تا ہے۔ اور دوسرے قول کو اُس چیز پر جس میں اتنی جلد تغیر نہیں ہوا کرتا اور یہی قول بعض شوافع کا ہے۔

...ھواں مسئلہ ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ نابینا کی خرید و فروخت اور اُس کا کرایہ پر دینا اور رہن رکھنا اور ہبہ کرنا سب درست ہے مگر اُس کے واسطے چھونے کے وقت اختیار ثابت ہے حالانکہ امام شافعی رضہ ...قولوں میں سے اصح قول یہ ہے کہ اُس کی خرید و فروخت درست نہیں مگر ایسی چیز کی بیع جسے اُس نے نابینا ہونے سے ...دیکھا ہو اور وہ اُس قبیلہ سے ہو جس میں تغیر و تبدل نہیں ہوتا جسطرح لوہا۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ...پہلے قول کی وجہ یہ حدیث ہے انما البیع عن تراض ترجمہ "سوا اس کے نہیں کہ بیع صحیح رضامندی سے ہوتی ہے" ...نابینا اس کے ساتھ راضی ہو گیا۔

...دوسرے قول کی وجہ نابینا کا کھرے اور ردّی کے پہچاننے سے عاجز اور قاصر ہونا ہے تو بعض دفعہ جب دوسرا آدمی ...کی رنگت خراب ہونے سے بہت پشیمان ہو گا اور حیا و شرمندگی کے ساتھ آئے واپس کرنے کی ضرورت پڑے گی۔

...ھواں مسئلہ ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ باقلے کی بیع معہ اُس کے اوپر کے پوست کے صحیح نہیں۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ کا قول اُس کے جواز کا ہے۔ پس پہلا قول مشدد اہل تقوے کے ساتھ خاص ہے اور دوسرا ...ف اور عوام الناس کے ساتھ خاص ہے۔

...ھواں مسئلہ ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ گیہوں کو جبکہ وہ بالوں میں ہوں فروخت کرنا درست ہے۔ حالانکہ امام شافعی رضہ کے دو قولوں میں سے مرجح قول یہ ہے کہ صحیح نہیں۔ پس پہلا قول مخفف اور عوام ...کے ساتھ خاص ہے اور دوسرا مشدد اور اکابر کے ساتھ خاص ہے۔

...ھواں مسئلہ ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ شہد کی مکھیوں کا فروخت کرنا جبکہ وہ اپنے چھتہ میں نظر آ رہی ہوں درست ہے حالانکہ امام ابو حنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ شہد کی مکھی کا فروخت کرنا درست ہی ...پہلا قول مخفف اور عوام کے ساتھ مخصوص ہے اور دوسرا مشدد اور اکابر کے ساتھ مخصوص ہے اور انسان کا طور ...کے ساتھ نفع اُٹھانے ہی سے کہ اپنے صاحب کو ہبہ کر دے اور اُس کی وجہ یہ ہے کہ اُس کا انضباط نہ عدد کے ذریعہ ...ہے نہ وزن سے نہ کیل سے لہذا وہ فروخت کردہ اشیاء سے خارج ہو گئی۔

...ھواں مسئلہ ائمہ ثلاثہ رضہ کا قول یہ ہے کہ دودھ کی بیع جبکہ وہ تھن کے اندر ہو درست نہیں۔ حالانکہ امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ معین دنوں تک کے لئے اُس کی بیع درست ہے جبکہ اُس کے دودھ دینے ...معروف ہو۔ پس پہلا قول مشدد اور اُس کی دلیل اس بارہ میں حدیث صحیح ہے اور دوسرا مخفف ہے۔ اس لئے ...لوگ ایام معینہ تک کے لئے تسامح کرتے ہیں بلکہ ہم نے اُن لوگوں کو دیکھا ہے کہ جو اپنی گائے کے دودھ کو ایک ماہ کیلئے

اور زیادہ کے لئے مباح کر دیتے ہیں اور مفت دوسروں کو ہبہ کر دیتے ہیں اور پہلا قول اکابر کے ساتھ خاص ہے جو اہل تقوی ہیں اور دوسرا قول عوام الناس کے ساتھ خاص ہے جبکہ بائع کا نفس اُس سے خوش ہو۔

سولھواں مسئلہ

ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ قرآن مجید کی بیع بلا کراہت مباح ہے حالانکہ امام احمد رضہ کا قول اور امام شافعی رضہ کے دو قولوں میں سے ایک یہ ہے کہ مکروہ ہے اور ابن قیم جوزی نے اُس کے حر ہونے کی تصریح کی ہے۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے کیونکہ مبیع درحقیقت جلد اور کاغذ ہیں اور قرآن شر کچھ اوراق کے اندر حلول کئے ہوئے نہیں ہے۔

دوسرے قول کی وجہ کہ الفاظ کا معانی سے جدا ہونا متصور نہیں۔ لہذا قرآن مجید کی بیع مکروہ ہے کیونکہ تخیل کے اعتبا سے معانی قرآن اُس کے ضمن میں داخل ہیں بالخصوص جبکہ قرآن مجید کو اہل سنت والجماعت نے حقیقت کلام خدا وند قرار دیا ہو اگرچہ اُس کی گویائی ہماری زبانوں سے ہوتی ہے۔ پس اس کو خوب سمجھلو۔ اور اس سے زائد نہ کہا جاسکتا ہے اور نہ کتاب میں لکھا جاسکتا ہے

سترھواں مسئلہ

ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ انگور کی بیع شراب نچوڑنے والے کے ہاتھ کراہت کے ساتھ جائز ہے۔ حالانکہ امام احمد رضہ کا قول اُس کے صحیح نہونے کا ہے۔ پس پہلے قول میں تخفیف اور دوسر مشدد ہے۔

اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ مقاصد ہی کے ساتھ بندہ سے مواخذہ کیا جاتا ہے اور وسائل و ذرائع پس بندہ اور اُن کے درمیان حوالہ کر دیا جاتا ہے۔ لہذا یہی وجہ ہے کہ انگور کی بیع شراب بنانے والے سے حرام نہیں کیونکہ ہم اس کا قطعی یقین نہیں کہ وہ اُس کے بنانے پر قدرت پاسکے گا۔ اور حضرت حسن بصری نے فرمایا کہ انگور کی بیع شراب بنا والے کے ہاتھ کچھ مضائقہ نہیں رکھتی۔ اور حضرت سفیان ثوری رضہ فرماتے تھے کہ حلال شے کو جس کے ہاتھ چاہو فروخت کر

دوسرے قول کی وجہ دروازہ کا بند کر دینا ہے کیونکہ جو چیز حرام کا ذریعہ بنتی ہے وہ حرام ہوتی ہے اگرچہ بقصد کے اعتبار سے ہو۔ مثلاً اگر کسی انسان نے طاق میں کوئی تھان رکھا ہوا دیکھا اور یہ گمان کیا کہ عورت اجنبیہ ہے تو اُس اُس کی طرف نظر کرنا حرام ہوگا۔ پس اس کو خوب سمجھ لو۔

اٹھارھواں مسئلہ

ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ نر کدانے کی اُجرت حرام ہے حالانکہ امام مالک رضہ کا قول جواز کا ہے۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے۔

انیسواں مسئلہ

ائمہ ثلاثہ رضہ کا قول یہ ہے کہ دو بھائیوں میں بیع کے اندر تفریق کرنا جائز ہے۔ حالانکہ اما ابو حنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ جائز نہیں۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے اور اس کی ان دونوں میں سے ہر ایک کو تکلیف کا حاصل ہونا ہے اس وجہ سے کہ وہ ایسا ہو گیا جیسا کہ والدہ اور اُس کے نا بچہ کے درمیان تفریق کردیجائے۔

بیسواں مسئلہ

ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ جب کسی غلام کو آزاد کرنے کی شرط پر فروخت کیا تو بیع صحیح ہے۔ حا امام ابو حنیفہ رضہ کا مشہور قول یہ ہے کہ صحیح نہیں اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ شارع علیہ ال حصول آزادی مد نظر ہے۔ اور دوسرے قول کی وجہ احتیاط کو لینا ہے کیونکہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے بیع اور شر منع فرمایا ہے۔ تو اس قول کے قائل کو جسقدر احادیث پہنچ پائی ہوئی اُن میں آزادی کا استثنا نہیں پایا جاتا او انسان کو صرف مشروع امر کا اتباع لازم ہے۔ پس خوب سمجھ لو۔

اکیسواں مسئلہ ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ والدہ اور اُس کے نابالغ بچہ کے درمیان بیع میں تفریق کرنا حرام ہے۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رحمہ کا قول بیع کے صحیح ہونے کا ہے باوجودیکہ قبل بلوغ تفریق حرام ہے پس پہلا قول مشدد اور دوسرے میں تخفیف ہے۔

باب عقد کی تفریق اور اُن چیزوں کے بیان میں جو بیع کو فاسد کر دیتی ہیں

مسائل اجماعیہ

اسپر اتفاق ہے کہ اگر کسی نے غلام اس شرط پر فروخت کیا کہ حق ولا میرا ہوگا تو یہ صحیح نہیں اور امام اصطخری نے اصحاب شافعی رحمہ کا یہ قول منقول ہے کہ بیع صحیح ہے اور شرط باطل ہے جس طرح حضرت حسن اور ابن ابی لیلیٰ اور امام نخعی رحہ کا قول یہ ہے کہ اگر کوئی مکان اس شرط پر فروخت کیا کہ بائع (کچھ روز) اُس میں رہے گا تو وہ بیع درست ہے اور شرط فاسد ہے۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔

باب سود کے احکام میں

مسائل اجماعیہ

اسپر اتفاق ہے کہ جن اشیاء عینیہ میں ربوٰ کے حرام ہونے کی تصریح ہے وہ سات ہیں۔ سونا اور چاندی اور گیہوں اور جَو اور کھجور اور کشمش اور نمک جب تم یہ جان چکے تو سمجھو کہ تمام اہل اسلام کا اسپر اتفاق ہے کہ سونے کی سونے کے ساتھ بیع درست نہیں نہ صرف چاندی کی چاندی کے بدلے خواہ چاندی کا ڈھیلا ہو یا سکہ یا زیور۔ مگر اُسوقت کہ جب برابر سرابر ہوں اگر ایک طرف سے وزن کیا گیا تو دوسری طرف سے بھی وزن ہو اور ہاتھوں ہاتھ ہو (اُدھار نہ ہو) کیونکہ اُدھار حرام ہے۔ اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ گیہوں کی گیہوں کے بدلے اور جَو کی جَو کے بدلہ اور کھجور کی کھجور کے بدلہ اور نمک کی نمک کے بدلہ بیع اُسی وقت درست ہے کہ جب برابر سرابر ہاتھوں ہاتھ ہو اور کھجور کی بیع نمک کے ساتھ اور نمک کی کھجور کے ساتھ کم وبیشی کی صورت میں بھی درست ہے مگر ہاتھوں ہاتھ ہونا ضروری ہے اُدھار اُس میں بھی حرام ہے یہانتک وہ مسائل ختم ہوئے جو ہم نے اس باب میں اجماعیہ پائے۔

مسائل اختلافیہ

پہلا مسئلہ امام شافعی رحمہ کا قول یہ ہے کہ سونے اور چاندی میں سود حرام ہونے کی علت اُن دونو

منجملہ اثمان یا جنس اثمان کے ہونا ہے۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ اُن میں حرمت سود کی علت موزونی شے ہونا ہے لہذا تمام اُن چیزوں میں سود حرام ہوگا جو منجملہ وزنیات کے ہیں۔ اور گیہوں اور جَو اور کھجور اور کشمش میں حرمت سود کی علت کے بارہ میں امام شافعی رضہ کا قول جدید یہ ہے کہ وہ طعام بنائے جاتے ہیں (یعنی کھائے جاتے ہیں) تو اِس بنا پر اُن کے نزدیک اصح مذہب کے موافق شیرین پانی اور روغنوں میں بھی سود جاری ہوگا۔ اور اُن کا قدیم قول یہ ہے کہ یا اُس کی علت مطعوم ہونا ہے یا کیلی ہونا یا وزنی ہونا۔ اور اہل ظاہر کا قول یہ ہے کہ سود کی علت کوئی نہیں اور وہ صرف انہیں چیزوں کے ساتھ مخصوص ہے جنپر حدیث میں تصریح ہے اور امام ابوحنیفہ رضہ فرماتے ہیں کہ اُن کے اندر حرمت کی علت جنس کیلی ہونا ہے۔ اور امام مالک رضہ فرماتے ہیں کہ رزق بننا ہے۔ تو ہر اُس جنس میں جاری ہوگا جو روزی بننے کی صلاحیت رکھے اور امام احمد سے دو روایتیں ہیں ایک تو امام شافعی رضہ کے قول کی طرح ہے اور دوسری امام ابوحنیفہ رضہ کے قول کی طرح۔ اور ربیعہ کا قول یہ ہے کہ جس شے میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اُس میں سود جاری ہوتا ہے۔ لہذا (اُن کے نزدیک) ایک اونٹ کی دو اونٹوں کے بدلے بیع درست نہ ہوگی اور صحابہ رضہ کی ایک جماعت کا قول یہ ہے کہ سود صرف اُدھار کے ساتھ مخصوص ہے لہذا تفاضل اور کمی و بیشی حرام نہ ہوگی۔ (انتہی) اور اُن تمام اقوال کی توجیہ اصحاب اقوال کے نزدیک ظاہر ہے۔ پس اس کو خوب سمجھلو۔

دوسرا مسئلہ ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ بعض کھوٹے دراہم کو بعض کے ساتھ فروخت کرنا درست نہیں۔ اور یہ درست ہے کہ اُن کے ساتھ اسباب خریدے۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر کھوٹ تھوڑی ہے تو جائز ہے۔ پس پہلا قول مشدد اور اہل تقوےٰ کے ساتھ خاص ہے اور دوسرا قول مخفف اور عوام الناس کے ساتھ خاص ہے۔

تیسرا مسئلہ امام مالک رضہ اور امام شافعی کا قول یہ ہے کہ لوہے اور رانگ میں اور جو اُن کے مشابہ ہیں اُن میں سود نہیں ہے کیونکہ سونے اور چاندی میں علت سود ثمن بننا ہے جیسا کہ گذرا۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رضہ کا قول اور امام احمد کی دو روایتوں میں سے اظہر روایت یہ ہے کہ سود تانبا اور رانگ کی طرف متعدی ہوتا ہے اسی طرح اُن کی طرف جو اُن کے مشابہ ہے۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے

پہلے قول کی وجہ سود کے بیان رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا خاصکر سونے اور چاندی کو بیان فرمانا ہے نہ اُن کے سوا اور کسی شے کو۔

دوسرے قول کی وجہ اتفاقاً و احتیاطاً لوہے اور تانبے کو اُن دونوں کے ساتھ جنسیت میں لاحق کرنا ہے لہذا ان میں بھی جب ایک جنس کو دوسری جنس کی ساتھ فروخت کیا جائے گا تو جدائی سے پہلے تقابض اور حلول اور مماثلت شرط ہوگی۔

چوتھا مسئلہ ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ ماکول جانور کی بیع اُسی جنس کے جانور کے گوشت کے بدلے جائز نہیں۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ جائز ہے۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے۔ پہلے قول کی وجہ لحم ہونے کی علت کو مدنظر رکھنا ہے اور دوسرے قول کی وجہ اس طرف نظر نہ کرنا ہے تو اُن کے نزدیک جانور گوشت کی جنس سے نہ ہوگا۔ مگر اُسوقت کہ اُسے بھی ذبح کر لیا جائے اور جو اب تک ذبح نہ ہوا ہو وہ دوسری جنس سے ہے۔

پانچواں مسئلہ امام مالک رضہ اور امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ گیہوں کے آٹے کی بیع اُس کی مثل کے ساتھ

درست نہیں۔ حالانکہ امام احمد رض کا قول اُس کے جواز کا ہے۔ اسی طرح امام ابوحنیفہ رض کا قول یہ ہے کہ اگر نرمی اور سختی میں دونوں برابر ہوں تو اُن میں سے ایک کی بیع دوسرے کے ساتھ درست ہے۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف اور تیسرا مفصل ہے۔

اور اس قول کی وجہ اُن دونوں وجہوں کے مثل ہے جو اس سے پہلے مسئلہ میں مثلیت اور عدم مثلیت کے اندر گذری واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

باب اصول اور پھلوں کی بیع میں

مسائل اجماعیہ

علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ مکان کی بیع میں زمین اور تمام تعمیرات داخل ہونگی یہانتک کہ حمام بھی سوائے اُس چیز کے جو منقولی ہو جیسے ڈول اور تخت اور جو دروازے کہ نصب کئے ہوئے ہیں اور اُن کی چوکھٹیں اور کڑیاں و چھتیں اسی طرح اس پر بھی اتفاق ہے کہ جب کسی نے کوئی غلام یا لونڈی فروخت کی اور اُن دونوں پر لباس موجود ہے تو وہ لباس بیع میں داخل نہ ہوگا۔ اسی طرح اس پر بھی اتفاق ہے کہ چوپایہ کی بیع میں رسی اور نکیل اور لگام داخل نہ ہوگی۔ علی ہذا القیاس اس پر بھی اتفاق ہے کہ جب کسی نے کہا کہ میں تیرے ہاتھ اس باغ کے پھل فروخت کرتا ہوں مگر اُن میں سے چوتھائی حصہ میرا ہوگا تو یہ صحیح ہے۔ البتہ صرف امام اوزاعی سے یہ منقول ہے کہ صحیح نہیں یہانتک مسائل اتفاقیہ ختم ہوئے۔

مسائل اختلافیہ

پہلا مسئلہ ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ جب کسی نے باغ فروخت کیا اور اُس پر پیوند لگے ہوئے کھجور کے خوشے ہیں وہ بیع میں داخل ہونگے اور اگر پیوند لگے ہوئے نہیں ہیں تو وہ داخل نہ ہونگے۔ حالانکہ امام اعظم ابوحنیفہ رض کا قول یہ ہے کہ ہر حالت میں بائع کے ہونگے۔ اسی طرح ابن ابی لیلی کا قول یہ ہے کہ ہر حال میں پھل خریدار کے ہونگے۔ پس پہلا قول مفصل اور دوسرا اور تیسرا اچھہ مشدد ہیں۔

ائمہ ثلاثہ کے قول میں سے شق اول کی وجہ یہ ہے کہ خوشے ظاہر میں نظر آنے لگے لہذا بیع میں داخل ہونگے جسطرح باقی درخت ہائے کھجور۔ برخلاف شق ثانی کے۔ اور امام ابوحنیفہ رض کے قول کی وجہ یہ ہے کہ بیع درختوں پر واقع ہوئی ہے لہذا اُن کے خوشوں کو شامل نہ ہوگی خواہ ظاہر ہو چکے ہوں یا نہ۔ اور ابن ابی لیلی کے قول کی توجیہہ بھی اسی سے معلوم ہو سکتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

دوسرا مسئلہ ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ اگر کسی نے اُن پھلوں کو جو ظاہر ہو چکے ہیں اُن پھلوں کے ساتھ فروخت کیا جو ابتک ظاہر نہیں ہوئے تو بیع صحیح نہیں ہوئی۔ حالانکہ امام مالک رض کا قول یہ ہے کہ صحیح ہوگئی۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ عقد معلوم اور مجہول دونوں چیزوں کو شامل ہے اور ہو سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ غیر ظاہر پھلوں کو درخت سے نہ نکالے۔

دوسرے قول کی وجہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن کرنا ہے اور اس کی نظیر ائمہ ثلاثہ کا یہ قول ہے کہ اگر کسی نے کوئی درخت فروخت کیا اور اس میں سے کوئی ٹہنی مستثنیٰ کر لی تو یہ صحیح نہیں۔ حالانکہ امام مالکؒ کا قول یہ ہے کہ صحیح ہے۔ پس پہلا قول مشدد ہے اور دوسرا مخفف۔

پہلے قول کی وجہ اس ٹہنی کو درخت مذکور سے بغیر کم و بیشی کے کاٹ لینے کا متعذر ہونا ہے اور یہ قول اکابر اہل تقوے کے ساتھ خاص ہے اور دوسرے قول کی وجہ عادتاً اس قسم کے امور میں نرمی کرنا ہے لہذا ٹہنی کا استثناء کرنا صحیح ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم

باب دودھ روکے ہوئے جانور کی بیع اور عیب کی وجہ سے لوٹانے کے بیان میں

مسائل اجماعیہ

اس پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ اونٹ اور گائے اور بکری کا دودھ خریدار کو دھوکہ دینے کے لئے روکنا حرام ہے۔ اسی طرح اس پر بھی کہ اگر فروخت کنندہ نے خریدار سے کہا کہ مبیع کو اپنے پاس رہنے دے اور عیب کا تاوان لے لے تو خریدار کو اس پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ اور اگر یہ خریدار نے کہا ہو تو فروخت کنندہ کو اس پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح اس پر بھی اتفاق ہے کہ خریدار نے جب فروخت کنندہ سے ملاقات کی اور مبیع لوٹانے سے پہلے اسے سلام کیا تو عیب کی وجہ سے لوٹانے کا حق جو اس کو حاصل ہے ساقط نہ ہوگا۔ امام محمد بن حسن کا اس میں اختلاف ہے اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ جب کسی غلام کو اس شرط پر خریدا کہ وہ کافر ہے اور پھر بعد میں وہ مسلمان نکلا تو اسے اختیار ثابت ہوگا۔ اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ اگر کسی کا غلام کچھ مال کا مالک ہو اور پھر اس کو مالک غلام فروخت کر دے حالانکہ ہم یہ جانتے ہوں کہ یہ غلام مالک ہے تو وہ مال بیع غلام میں داخل نہ ہوگا مگر اس وقت کہ خریدار اس کے داخل ہونے کو مشروط کر لے۔ اور حضرت حسن بصری رح کا قول یہ ہے کہ صرف بیع کرنے میں اس کا مال بھی داخل ہو جائے گا۔ کیونکہ وہ غلام کا تابع ہے اور یہی امام مالک رضہ سے منقول ہے۔ یہاں تک مسائل اجماعیہ ختم ہوئے۔

مسائل اختلافیہ

پہلا مسئلہ ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ مصراۃ کی بیع میں خریدار کو اختیار ہوتا ہے کہ (یعنی اس جانور کی بیع میں جس کا دودھ فروخت کنندہ نے خریدار کو دھوکہ دینے کے لئے کئی وقت سے روک رکھا ہو۔ وہ پانہ ہو) حالانکہ امام ابوحنیفہ رضہ کا قول نہ ہونے کا ہے۔ پس پہلا قول خریدار پر مخفف اور فروخت کرنے والے پر مشدد ہے اور دوسرا برعکس ہے۔

پہلے قول کی وجہ فروخت کنندہ کی جانب سے دھوکہ دہی کا پایا جاتا ہے لہٰذا خریدار پر تخفیف ہونی چاہئے نہ بائع پر۔ اور دوسرے قول کی وجہ ظاہر ہے۔ اور یہی گفتگو تمام اُن اقوال میں ہے کہ جن میں علماء نے تشدید کی ہے کیونکہ اُن کا مقصود ایسے امور میں پڑنے سے نفرت دلاتا ہے جن میں کسی سے کسی کو ضرر رسانی یا اپنے لئے خاص کر وافر حصہ کے ملحوظ کرنیکا اندیشہ ہو۔ (انتہیٰ)

دوسرا مسئلہ امام ابو حنیفہؒ اور امام احمدؒ کا قول یہ ہے کہ عیب کی وجہ سے لوٹنا تراخی کے ساتھ ہے (یعنی اگر تاخیر ہو جائے تو مضر نہ ہوگی) حالانکہ امام مالکؒ اور امام شافعی رضؒ کا قول یہ ہے کہ فی الفور ہونا چاہئے (تاخیر درست نہیں) پہلا قول مخفف اور اُن بڑے درجہ کے لوگوں کے ساتھ خاص ہے جن سے معاملہ کرنے والے لوگ کسی بدمعاملگی کا اندیشہ نہیں کرتے اور نہ وہ اپنے آپ کو دوسروں پر نفع کیشی میں مقدم کرتے ہیں۔ اور دوسرا قول مشدد اور اُن چھوٹے درجہ کے لوگوں کے ساتھ خاص ہے جو اپنے لئے پورا حصہ لے لیتے ہیں اور اُن میں سے کوئی بھی ایسا نہیں کہ اپنے بھائی مسلمان کے واسطے حصہ وافرہ کا خیال رکھے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ نادر الاکثر لوگوں میں سے اگر کسی نے اپنے بھائی کے لئے پورے حصہ کا خیال کیا بھی تو پھر بعد میں اُس کی حالت بدل جاتی ہے۔ لہٰذا فی الفور شرط ٹھیرانا اُن کے لئے مفید ہے اور اُن کے معاملات میں احتیاط اسی کے اندر ہے۔ پس اس کو خوب سمجھ لو۔

تیسرا مسئلہ امام ابو حنیفہ اور امام شافعی رضؒ کا قول یہ ہے کہ جب کسی مبیع میں کوئی عیب پایا گیا حالانکہ خریدار اس مبیع کا اور فروخت کنندہ اُس کی قیمت کا قبضہ کر چکا ہے تو خریدار کو اختیار نہ ہوگا حالانکہ امام مالکؒ کا قول یہ ہے کہ غلام کے اندر زمانہ اختیار کی تعیین تین دن ہیں مگر اُس وقت کہ جب غلام میں جذام یا برص کا مرض ہو یا جنون۔ کیونکہ اُن کے اندر اختیار کا زمانہ ایک سال ہے لہٰذا اس صورت میں ایک سال گذر جانے کے بعد بھی اختیار ثابت ہوگا پس پہلا قول فروخت کنندہ پر مخفف اور خریدار پر مشدد ہے اور احادیث میں بھی یوں ہی وارد ہے اور دوسرا قول مفصل ہے اور کلام امام مالک رضؒ میں سے شق اول کے اندر تفصیل کی وجہ بیع کے اندر اختیار کے قاعدہ پر عمل کرنا ہے اور اُن کے کلام میں سے شق ثانی میں تفصیل کی وجہ وہ ہے جو نیز آدمی کے نکاح میں اختیار کے متعلق کہتے ہیں کہ ایک سال تک انتظار کیا جائے۔ اور نیز جب جذام اور برص اور جنون کا مرض لاحق ہو جاتا ہے تو اُس کے دور ہونے کی کم از کم مدت ایک سال ہے اُس کے بعد یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ یہ امراض مستحکم ہو گئے۔ لہٰذا اُن صورتوں میں اختیار ضرور ہونا چاہئے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب۔

باب اُن بیعوں کے بیان میں جو ممنوع ہیں

مسائل اجماعیہ

ائمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ شہری آدمی کا دیہاتی آدمی کے مال کو اُس طرح فروخت کرنا جس طرح فقہ میں اُس کی صورت مشہور ہے حرام ہے اسی طرح اس پر بھی اتفاق ہے کہ نجش حرام ہے۔ (یعنی بکتی ہوئی چیز کی لوگوں کو دھوکہ دینے کے لئے تعریف کرنا یا اُس کے نرخ کو بڑھانا تاکہ دوسرا آدمی اُس کی باتوں میں آکر خرید لے) علیٰ ہذا القیاس اس پر بھی اتفاق ہے کہ جو

چیزیں رزق بنائی جاتی ہیں اُن کا احتکار حرام ہے اور وہ یہ ہے کہ گرانی کے زمانہ میں اِس نیت سے اناج خرید کر رکھ چھوڑے کہ جب اس کی قیمت بڑھ جائے گی اُس وقت فروخت کرونگا۔ اسی طرح قرضہ کی قرضہ کے بدلہ بیع بھی حرام ہے۔ یہانتک مسائل اجماعیہ ختم ہوئے۔

مسائل اختلافیہ

پہلا مسئلہ ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ جس نے نجش کی وجہ سے دھوکہ کھایا اور اُس شے کو خرید لیا تو اُس کی بیع صحیح ہے اگرچہ دھوکہ دینے والا گنہگار رہوگا۔ حالانکہ امام مالک رض کا قول اُس بیع کے باطل ہونے کا ہے۔ پس پہلا قول نجش کے حرام ہونے میں نہ بیع کے مشدد ہے اور دوسرا قول دونوں میں مشدد ہے۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ تحریم ذات مبیع سے ایک امر خارجی کیوجہ سے آئی ہے۔

دوسرے قول کی وجہ ایسی حرکات کرنے سے سخت نفرت دلانا ہے تاکہ نجش کا جو حرام ہے بالکل دروازہ ہی بند ہوجائے اُس کی جانب یہ حدیث اشارہ کرتی ہے کہ انما البیع عن تراض یعنی اُس کے سوا نہیں کہ بیع صرف وہی ہے کہ جسمیں بائع ومشتری دونوں کی رضامندی ہو" کیونکہ جب خریدار کو یہ معلوم جائے کہ مبیع اسقدر زیادہ قیمت کی بقدر نہیں ہے جتنی دھوکہ دینے والے نے بڑھائی ہے تو وہ ہرگز اُس کے خریدنے پر راضی نہ ہو۔

دوسرا مسئلہ امام شافعی رض کا قول یہ ہے کہ بیع عینہ درست ہے اس کی تفسیر یہ ہے کہ اسباب کو اُدھار کے بدلہ میں فروخت کرے پھر اُس کے خریدنے والے سے بہ نسبت پہلے کے کم قیمت نقد دیکر خریدلے مگر مکروہ ہے۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رض اور امام مالک رض اور امام احمد رض کا قول یہ ہے کہ جائز نہیں پس پہلا قول مخفف اور عوام الناس کے ساتھ خاص ہے اور دوسرا قول مشدد اور اکابر اہل تقوٰے کے ساتھ مخصوص ہے

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ فروخت کنندہ اور خریدار نے حالت اختیار میں بیع وشرا کی ہے اور ظاہر شریعت دونوں کی صحت پر دال ہے۔

دوسرے قول کی وجہ دوسرے خریدار کی دھوکہ دہی اور اُس کی بیوقوفیوں کے ساتھ موافقت کا لحاظ کرنا ہے۔ واللہ اعلم۔

تیسرا مسئلہ امام ابوحنیفہ رض اور امام شافعی رض کا قول یہ ہے کہ نرخ میں کم وبیشی کرنا حرام ہے۔ حالانکہ امام مالک رض کا قول یہ ہے کہ جب اہل بازار میں سے کوئی ایک آدمی مخالفت کرکے کم وبیشی کرے تو اُس سے کہا جائے گا کہ تو بازار کے نرخ سے فروخت کر ورنہ ان لوگوں سے الگ چلا جا۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرے میں تخفیف ہے۔

پہلے قول کی وجہ لوگوں کے اُن اقوال پر حکومت کرنے کے دروازہ کو بند کرنا ہے کہ جن کے اندر حق تعالیٰ نے ہر طرح کے تصرف کرنے کی اجازت دی ہے اگرچہ وہ کثیر الفائدہ ہی ہو۔ اور یہ قول اُن چھوٹے درجہ کے لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے جن کے دلوں پر حب دنیا غالب ہے اور اسی قسم کے لوگ زمانہ میں اکثر پائے جاتے ہیں۔

دوسرے قول کی وجہ لوگوں پر ظلم وتعدی کے باب کو بند کرنا ہے جس کی مذمت شریعت میں اس قسم کی احادیث سے ثابت ہے کہ (لا یکمل ایمان احدکم حتی یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ) یعنی تم میں سے کسی کا اُسوقت تک ایمان

کامل نہیں ہو سکتا کہ جب تک اپنے بھائی کے لئے اُس شے کو پسند نہ کرنے لگے جسے اپنے واسطے پسند کرتا ہے"۔ اور یہ قول اُن بڑے درجہ کے لوگوں کے ساتھ خاص ہے جن پر حُبِّ دنیا غالب نہیں ہے بلکہ انہیں حق تعالیٰ نے اُس کی محبت ذمیمہ سے بالکل پاک و صاف فرما دیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

چوتھا مسئلہ

ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ زبردستی کئے گئے آدمی کی بیع درست نہیں۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رض کا قول یہ ہے کہ اگر زبردستی کرنے والا شخص بادشاہ ہے تو بیع صحیح نہیں اور اگر کوئی اور ہے تو صحیح ہے۔ پھر اگر بادشاہ نے ایک نرخ معین کر دیا ہو اس بنا پر کوئی آدمی اپنے اسباب کو اسی نرخ سے فروخت کرے حالانکہ وہ اتنے میں فروخت کرنے سے رضامند نہ ہو تو وہ زبردستی کئے گئے کے حکم میں ہے۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مفصل ہے۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ احادیث میں لفظ اکراہ (زبردستی کئے جانے) کا مطلق ہے اُس میں کوئی تفریق اس کی نہیں بادشاہ زبردستی کرے یا کوئی اور۔

دوسرے قول کی وجہ غیر بادشاہ کے اکراہ کا کمزور ہونا اور بذریعہ شریعت و سیاست کے اُس کے اکراہ کی تردید کا سہل ہونا ہے۔ برخلاف بادشاہ اعظم کے کہ اُس کی تردید سے قاضی وغیرہ بھی عاجز ہوتے ہیں جس وقت وہ اپنی رعایا میں سے کسی پر زبردستی کرتا ہے بالخصوص اگر ہم اس طرف نظر کریں کہ وہ اپنی رعایا کی بڑی رعایت اور اُن پر شفقت غایت درجہ میں رکھتا ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ کسی آدمی کو اُس کا مال فروخت کرنے پر مجبور کرنا ہی قرین مصلحت ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہٗ اتم۔

پانچواں مسئلہ

امام ابو حنیفہ رض اور امام مالک رض کا قول یہ ہے کہ کتے کی بیع معہ کراہت درست ہے۔ پس اگر کتا فروخت کیا جائے تو بیع فسخ نہ ہوگی بشرطیکہ کتے سے نفع حاصل ہو سکتا ہو۔ اور امام شافعی رض اور امام احمد رض کا قول یہ ہے کہ کتے کی بیع کسی حالت میں درست نہیں اور اگر وہ قتل کر دیا جائے یا کسی سے تلف ہو جائے تو قیمت بھی نہیں دینی پڑتی۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔ پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ اُس کی قیمت کے منع ہو جانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اُس کی بیع صحیح نہ ہو۔

اُس کی نظیر ایسی ہے جو پچھنے لگانے والے کے بارہ میں وارد ہے کہ پچھنے لگانا درست اور اُس کی کمائی مکروہ ہے۔

دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ کتے کی قیمت سے کھانے کو منع فرمانا اُس کی بیع کے عدم صحت کو مقتضی ہے۔ کیونکہ اُس کے فروخت کرنے کی حاجت بہت کم ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ کہ ہمیشہ کتوں کی کثرت رہتی ہے۔ یہاں تک کہ جمہور ائمہ اُس کے نجس اور ناپاک ہونے کے قائل ہیں۔ اور شارع علیہ السلام نے اُس کے چاٹے ہوئے برتن کو سات مرتبہ دھونے کا حکم فرمایا ہے کہ اُن میں سے ایک مرتبہ پاک مٹی سے رگڑ کے دھوے۔ اور ہو سکتا ہے کہ دونوں قولوں کو دو وقتوں پر محمول کیا جائے کہ اگر چوپائے یا مکان کی حفاظت کے لئے ضرورت ہو تو اُسے خریدنا درست ہے اور جسے نہ ہو اُسے نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم وعلمہٗ اتم۔

کیونکہ تہائی کر دینے کے بعد قبضہ کرنے میں اُسی نے کوتاہی کی۔ اور دوسرا قول مفصل ہے۔ اسی طرح تیسرا۔
اور امام مالک رحمہ کے کلام میں سے شق اول کی یہ وجہ یہ ہے کہ نقصان اگر تہائی حصہ سے کم ہو تو عادتاً خریدار اُس کے
بار کو برداشت کر لیتا ہے برخلاف پورے تہائی حصہ کے یا زیادہ کے کیونکہ اتنا بار نہیں اُٹھ سکتا ہے۔ اور امام احمد رحمہ
کلام میں سے پہلی شق کی وجہ یہ ہے کہ تہائی کر دینے کے بعد آفت آسمانی سے ضائع ہو جانا ایسا نہیں ہے کہ وہ بعد قبضہ
کے ضائع ہوئی ہو لہذا وہ فروخت کنندہ کے مال سے ضائع ہوگی۔ اور اُن کے کلام کے شق ثانی کی وجہ یہ ہے جو چیز تہائی
کر دینے کے بعد ہلاک ہوتی ہے وہ ایسی ہوتی ہے کہ گویا قبضہ کے بعد ہلاک ہوئی۔ لہذا وہ خریدار کے مال سے ضائع ہوتی ہے
کیونکہ ضائع ہونے سے پہلے بیع تو صحیح ہو ہی چکی۔ البتہ صرف تمامیت بیع کے لئے قبضہ کی ضرورت ہے۔ پس خوب سمجھلو۔

باب بیع سلم (بدنی) اور قرض دینے کے بیان میں

مسائل اجماعیہ

ائمہ کا اتفاق ہے کہ بیع سلم (بدنی) چھ شرطوں کے ساتھ صحیح ہوتی ہے۔ اوّل اُس شے کی جنس معلوم ہو، دوسرے
اُس کی صفت معلوم ہو، تیسرے اُس کی مقدار معلوم ہو، چوتھے اُس کی مدت معینہ ہو، پانچویں زرِ ثمن کی مقدار بھی معلوم ہو
چھٹے اگر وہ چیز جس کے اندر بیع سلم کی ہے ایسی ہو کہ اُس کے اُٹھانے میں خرچ یا دقت ہو تو یہ بھی متعین ہونا چاہیے کہ
بائع اُس شے کو کس جگہ ادا کرے گا۔ لیکن امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اخیر کے امر کا شرط نام رکھتے ہیں اور باقی ائمہ اس کو
لازم کہتے ہیں۔ اسی طرح ائمہ کا بھی اتفاق ہے کہ اُن کیلی اور وزنی اور مزروعات میں بیع سلم درست ہے جن کے
کا انضباط ٹھیک طرح ہو سکے۔ اسی طرح ائمہ کا بھی اتفاق ہے کہ اُن عددی اشیاء میں بھی بیع سلم درست ہے جن کے
متفاوت نہ ہوتے ہیں جسطرح اخروٹ، اور بادام، اور انڈے، سوائے امام احمد رحمہ کی ایک روایت کے اُس
میں ناجائز ہے)۔ اسی طرح ائمہ کا بھی اتفاق ہے کہ قرض دینا مستحب ہے اور ائمہ کا بھی کہ جسکا قرض ہو اُسے یہ جائز نہیں
کہ مقروض نے جو مدت ادائیگی کی مقرر کی ہو اُس سے پہلے کچھ قرض اس غرض سے ساقط کر دے کہ تاکہ باقی قرضہ
مدت معہودہ سے قبل ادا کر دے اور نہ یہ جائز ہے کہ کچھ قرضہ تو مدت معینہ سے پہلے لے لے اور بقیہ کے لئے پہلی مدت
سے بھی آگے کوئی اور مدت معین کرے اور یہ بھی ناجائز ہے کہ مدت معینہ سے پہلے بعض قرضہ کی عوض تو نقد لے اور بعض قرضہ
اور ائمہ کا بھی کہ جب مدت معینہ آجائے تو قرض خواہ کو جائز ہے کہ کچھ قرضہ لے لے اور کچھ ساقط کر دے یا کچھ اور مدت
بڑھا دے۔ یہاں تک مسائل اجماعیہ ختم ہوئے۔

مسائل اختلافیہ

پہلا مسئلہ امام ابوحنیفہ رحمہ کا قول یہ ہے کہ اُن چیزوں میں بدنی درست نہیں جن کے افراد متفاوت
ہوتے ہیں جس طرح انار، تربوز، نہ وزن کے اعتبار سے درست ہے نہ عدد کے۔ حالانکہ امام

قول کو معتبر سمجھا جائے۔ پس پہلا قول مشدد اور امام ابوحنیفہ رحمہ کا قول مخفف ہے کیونکہ وہ شے ہی موجود نہ رہی جسکی
وجہ سے قسم دلائی جائے۔ اور امام زفر اور ابو ثور کے قول کی وجہ یہ ہے کہ ظاہر حال خریدار کے موافق ہے۔ اور
شی اور ابن سریج کے قول کی وجہ یہ ہے کہ اصلی مالک تو بائع ہے (لہذا اُسی کا قول معتبر ہوگا۔)

سرا مسئلہ

امام شافعی رحمہ کے دو قولوں میں سے ایک قول یہ ہے کہ کسی نے جب کوئی معین شے فروخت کی اور خریدار نے قیمت اپنے ذمہ (اُدھار) رکھی اُس کے بعد نزاع ہوا کہ بائع نے کہا میں مبیع نہیں دونگا
ب تک قیمت کا قبضہ نہ کرلوں اور خریدار نے قیمت کے دینے میں وہی شرط لگائی جو بائع نے بیان کی تو پہلے فروخت
نندہ کو مبیع کے دینے پر مجبور کیا جائے گا۔ پھر خریدار کو قیمت دینے پر۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اور امام مالک رحمہ کا قول
ہے کہ پہلے خریدار کو مجبور کیا جائے گا۔ (قیمت دینے پر) پس پہلا قول فروخت کنندہ پر مشدد ہے کیونکہ مبیع درصل
ہی کی ہے اور دوسرا قول خریدار پر مشدد ہے کیونکہ وہ بائع کی فرع ہے۔

چوتھا مسئلہ

امام ابوحنیفہ رحمہ اور امام شافعی رحمہ کا قول یہ ہے کہ مبیع اگر کسی آفت آسمانی کی وجہ سے تلف ہوجائے اور خریدار نے ابھی تک اُس کا قبضہ نہ کیا ہو تو بیع فسخ ہوجائے گی۔ حالانکہ امام مالک اور
امام احمد رحمہ کا قول یہ ہے کہ مبیع اگر جنس کیلی یا عددی یا وزنی شے نہ ہو تو وہ خریدار کے اوپر تاوان ہوگی۔ پس
لا قول بائع پر مشدد اور دوسرا خریدار پر مشدد ہے۔
قول کی وجہ یہ ہے کہ مبیع خریدار کے قبضہ میں نہیں آئی لہذا خریدار پر قیمت کا دینا واجب نہیں کیونکہ وہ شے ہی
جس کی قیمت دیتا۔
وسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ بائع نے اُسے قبضہ کرلینے کی اجازت تو دیدی ہے گویا وہ مبیع وقت بیع ہی موجود تھی خواہ
لفظ کے ساتھ ہوئی ہو بلا لفظ کے لینا دینا ہوگیا ہو خریدار کے قبضہ میں آگئی اور وہ اُس کا محافظ بنگیا اگرچہ قبضہ نہ کیا ہو

نچواں مسئلہ

امام ابوحنیفہ رحمہ اور امام مالک رحمہ اور امام شافعی رحمہ کا قول یہ ہے کہ اگر بائع مبیع کو تلف کردے تو بیع فسخ ہوجاتی ہے جس طرح اگر آفت سے تلف ہوجائے۔ حالانکہ امام احمد رحمہ کا قول یہ ہے
بیع فسخ نہیں ہوتی بلکہ اگر وہ شے قیمت دار ہو تو فروخت کنندہ پر اُس کی قیمت لازم ہوتی ہے اور اگر مثلی شے ہو
مثل۔ پس پہلا قول فسخ ہوجانے میں مشدد ہے اور دوسرا تاوان میں مشدد ہے۔
قول کی وجہ یہ ہے کہ حقیقت میں تلف کرنے والا حق تعالیٰ ہے تو گویا وہ بھی آسمانی آفت سے تلف ہوئی۔ لہذا اُس پر
ت یا مثل دینے کا کوئی تاوان لازم نہیں ہوسکتا اور امام احمد رحمہ نے اسطرف نظر کی کہ فعل اہلاک کا ظہور تو بائع ہی سے
ہے لہذا اُس پر قیمت یا مثل دینا واجب ہوگا۔ اگرچہ بائع کا فعل درحقیقت منجملہ افعال خداوندی کے ہے۔ کیونکہ
تعالیٰ کے افعال دو قسم پر ہیں بعض بلا واسطہ اور بعض با لواسطہ۔ پس اس کو خوب سمجھ لو۔

ٹا مسئلہ

امام ابوحنیفہ رحمہ اور امام شافعی رحمہ کے دو قولوں میں سے اصح قول یہ ہے کہ مبیع اگر پھل ہوں اور اُن کے اور خریدار کے درمیان تنہائی کردی گئی ہو اُس کے بعد ضائع ہوجائیں تو خریدار
ال سے ضائع ہونگے۔ حالانکہ امام مالک رحمہ کا قول یہ ہے کہ اگر ضائع شدہ تہائی سے کم ہیں تو وہ خریدار کے
پڑے گا اور تہائی پورے یا اُس سے زائد ہیں تو وہ فروخت کنندہ پر پڑے گا۔ اسی طرح امام احمد رحمہ کا قول
ہے کہ اگر وہ پھل آسمانی آفت سے ضائع ہوئے ہوں تو اُن کا ڈانڈ خریدار پر ہے اور اگر ڈاکہ یا چوری وغیرہ
ضائع ہوئے ہوں تو اُن کا ڈانڈ فروخت کنندہ پر ہے۔ پس پہلا قول خریدار پر بار ڈالنے کی وجہ سے مشدد ہے۔

مالک رحمۃ کا قول یہ ہے کہ ہر طرح درست ہے۔ اسی طرح امام شافعی رحمۃ کا قول یہ ہے کہ وزن سے درست ہے۔ اسی طرح امام احمد رضہ کی دو روایتوں میں سے مشہور روایت یہ ہے کہ عدد سے ہر طرح بدلی درست ہے امام احمد رضہ فرماتے ہیں کہ جو چیز اصل میں وزنی ہو اُس کے اندر کیل (پیمانہ) کے ذریعہ بیع سلم جائز ہے۔ پس پہلا قول مشدد اور تشدید کی طرف مائل ہے اور دوسرا قول مخفف اور تسہیل کی طرف متوجہ ہے اور ہر قول کے لئے لوگ علیحدہ ہیں۔ اور تیسرا قول مفصل ہے۔ اور اس میں کچھ تھوڑی سی تخفیف بھی ہے۔

دوسرا مسئلہ امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ بیع سلم نقد بیع میں بھی درست ہے اور اُدھار میں بھی۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ اور امام مالک اور امام احمد کا قول یہ ہے کہ بیع سلم نقد مبیع میں صحیح نہیں ہے بلکہ اُس کے لئے ایک مدت کی ضرورت ہے اگرچہ وہ تھوڑی ہی ہو۔ پس پہلا قول مدت کی (قید) ترک کرنے کی وجہ سے مخفف ہے اور دوسرا مشدد۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ بیع سلم اصل میں بیع ہے اور بیع ہر طرح درست ہے خواہ نقد ہو یا اُدھار۔ لہذا بدلی بھی درست ہوگی۔ دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ بدلی ایسی چیز کی بیع کو کہتے ہیں جو بائع کے ذمہ واجب ہوتی ہے اور اکثر ایسی صورت میں ایک مدت ہی معین کی جاتی ہے لہذا حکم اکثری کے اعتبار سے دیا جائے گا۔

تیسرا مسئلہ امام مالک رضہ اور امام احمد رضہ اور شافعی رضہ اور جمہور صحابہؓ اور تابعین کا قول یہ ہے کہ حیوانات میں بدلی اور قرض دینا دونوں درست ہیں۔ مثلاً غلام اور چوپائے اور پرندے سوائے اُس باندی کے جس سے قرض لینے والے کو ہمبستر ہونا درست ہو حالانکہ امام ابوحنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ حیوان میں نہ بیع سلم درست ہے اور نہ قرض کا لین دین۔ اسی طرح امام مزنی اور ابن طبری کا قول یہ ہے کہ اُن باندیوں کو قرض دینا درست ہے جن سے قرض لینے والے کو ہمبستر ہونا حلال ہے۔ پس پہلا قول لوگوں پر مخفف ہے۔ اور امام ابوحنیفہ رضہ کا مشدد۔ اور امام مزنی اور ابن جریر کا قول مخفف ہے۔

پہلے قول کی وجہ اس کے اندر احادیث صحیحہ کا وارد ہونا ہے۔ دوسرے قول کی وجہ جاندار کا جلدی سے مرجانا یا بھاگ جانا یا گم جانا ہے۔ کیونکہ ایسا ہونے سے اُس کی مثل ہاتھ لگے گی نہیں جو مالک کو دیدے۔ وجہ یہ کہ ایسی اشیاء کی مثل نادر (معدوم ہے) رہی یہ بات کہ اُس سے کھرا جانور دیدے جس کا شرع میں حکم ہے تو اکثر لوگ اس کی طرف توجہ نہیں کرتے تیسرے قول کی وجہ اس کو بعید خیال کرنا ہے کہ قرض لینے والا جبکہ باندی کے نفع کا مالک ہے تو وہ اُس سے ہمبستر ہو جائے گا۔ مگر یہ اُس قول کی بنا پر ہے کہ صرف قبضہ مفید ملک نہیں ہوتا لہذا یہ تیسرا قول اُن بڑے درجہ کے لوگوں پر محمول ہے جو اہل دین ہیں۔ جس طرح اُسکا مخالف قول کمینے اور رذیل لوگوں پر محمول ہے۔

چوتھا مسئلہ امام مالک کا قول یہ ہے کہ اگر کسی نے کوئی شے فروخت کی اور خریدار نے قیمت دینے کے لئے کھیتی کٹنے کے یا نوروز آنے یا مہرگان عیدؔ آنے کا وعدہ کیا تو بیع صحیح ہے۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رضہ اور امام شافعی رضہ اور امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ یہ جائز نہیں۔ پس پہلا قول مخفف اور اُن چھوٹے درجہ کے لوگوں کے ساتھ خاص ہے۔ جو صاحب ضروریات اور حاجات اور مستحقین تخفیف ہیں اور دوسرا قول مشدد اور اہل احتیاط و تقویٰ کے ساتھ خاص ہے جو ہر معاملہ میں اپنے مسلمان بھائی کے لئے پورے حصہ کا لحاظ رکھتے ہیں۔ لہذا ایسے لوگ مدت کی پوری تعیین کے محتاج نہیں ہیں بلکہ وہ اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ ہمیشہ اُنہیں راحت اور آرام ہو۔ برخلاف اُن چھوٹے درجے کے لوگوں کے جو اپنے واسطے پورے حصہ کا لحاظ کر لیتے ہیں۔ پس اس کو خوب جان لو۔

پانچواں مسئلہ ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ بدنی گوشت میں درست ہے۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ جائز نہیں۔ پس پہلا قول مخفف ہے کیونکہ لوگوں کو اس کی ضرورت پڑتی رہتی ہے اور وہ لوگ اتنی مدت تک زندہ بھی رہتے ہیں۔ اور دوسرا قول مشدد ہے جو اُن بڑے درجہ کے لوگوں کے ساتھ خاص ہے جو گوشت کھانے میں پرہیز کرتے ہیں اور اُن کی اُمیدیں بھی کوتاہ ہوتی ہیں۔

چھٹا مسئلہ امام ابوحنیفہ رضہ اور امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ روئی میں بیع سلم جائز نہیں حالانکہ امام مالک کا قول یہ ہے کہ جائز ہے۔ اسی طرح ہر اُس شے میں درست ہے جو آگ پر پکے۔ پس پہلا مشدد اور اکابر اہل تقویٰ کے ساتھ خاص ہے اور دوسرا قول مخفف اور اُن چھوٹے درجہ کے لوگوں کے ساتھ خاص ہے جنکو مہمانوں وغیرہ کے لئے اس قسم کے معاملات کی ضرورت پڑتی ہے۔

ساتواں مسئلہ امام مالک رضہ اور امام شافعی رضہ اور امام احمد کا قول یہ ہے کہ بدنی صرف اُن چیزوں میں درست ہے جو اُس کے عقد کے وقت موجود ہوں اور ادائیگی کے وقت اُن کے موجود ہونے کا غالب گمان ہو۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ وہ درست نہیں مگر اُس وقت کہ مبیع ایسی ہو کہ وقت عقد سے لیکر مدت ادائیگی تک موجود رہے۔ پس پہلے قول میں تخفیف ہے اور اُن چھوٹے درجہ کے لوگوں کے ساتھ خاص ہے جنکو اس قسم کے معاملات کی حاجت پڑتی ہے اور صبر اُن پر دشوار ہوتا ہے۔ اور دوسرا قول مشدد اور اُن بڑے درجہ کے لوگوں کے ساتھ خاص ہے جو اپنے بھائی کے لئے احتیاط کو ملحوظ رکھتے ہیں۔ کیونکہ ہوسکتا ہے کہ شاید وہ چیز عقد بیع کے بعد معدوم ہو جائے اور پھر معدوم ہو کر ادائیگی کے وقت تک دراز ہو جائے تو اس وجہ سے مسلم الیہ کو اُس چیز کا ادا کرنا متعذر ہو جائے جس میں بدنی کی ہے۔

آٹھواں مسئلہ ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ ایسے نفیس موتیوں کے اندر بدنی ناجائز ہے جو نادر الوجود ہوں۔ حالانکہ امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ جائز ہے۔ پس پہلا قول مشدد اور اہل تقوے کے ساتھ خاص ہے اور دوسرا مخفف اور اُن عوام کے ساتھ مخصوص ہے جو حاجت کے وقت اپنے آپ کو درخت سے مار دیتے ہیں اور یہ کہدیتے ہیں کہ ہر چیز کے واسطے ایک وقت ضرور رہے۔

نواں مسئلہ امام ابوحنیفہ رضہ اور امام شافعی رضہ اور امام احمد کا قول یہ ہے کہ بیع سلم میں کسیکو شریک یا بیع تولیہ کرنا منع ہے۔ برخلاف بیع کے کہ اُس میں یہ سب درست ہیں حالانکہ امام مالک کا قول یہ ہے کہ جائز ہے۔ پس پہلا قول مشدد اور اُن اہل تقویٰ کے ساتھ خاص ہے جو بدنی کے عقد میں ضرر کا اندیشہ دیکھکر کسی اور شے کو بدنی کے ساتھ ضم نہیں کرتے اور دوسرا قول مخفف اور اُن عوام کے ساتھ خاص ہے جو اس قسم کی باتوں کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔

دسواں مسئلہ امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ قرض جب مؤجل کر دیا جائے تو دیر کر دینا لازم ہو جاتا ہے۔ حالانکہ ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ دیر کر دینا لازم نہیں ہوتا بلکہ قرضخواہ کو مجاز ہوتا ہے کہ جب چاہے اپنے قرضہ کا مطالبہ کرے۔ پس پہلا قول مشدد اور اُن لوگوں کے ساتھ خاص ہے جو وعدہ کر کے پورا کرنے کو لازم قرار دیتے ہیں اور دوسرا قول مخفف اور اُن لوگوں کے ساتھ خاص ہے جو لازم نہیں کہتے اور وہ عوام الناس ہیں۔

گیارھواں مسئلہ ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ روئی کو قرض دینا درست ہے حالانکہ امام ابوحنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ کسی وقت درست نہیں۔ پس پہلا قول مخفف اور عوام الناس کے ساتھ خاص ہے۔ اور دوسرا

متشدد اور اکابر اہل تقویٰ کے ساتھ خاص ہے جو اس کا خوف کرتے ہیں کہ مبادا یہ سود نہ ہو جائے۔

بارھواں مسئلہ دو صورتوں میں سے امام شافعی رضہ کا اصح قول یہ ہے کہ روٹی کو عدد کے حساب سے اُدھار دینا نادرست ہے البتہ وزن سے درست ہے اور امام احمد رضہ سے بھی ایک روایت یہی ہے۔ حالانکہ امام مالک کا قول یہ ہے کہ روٹی کی روٹی کے ساتھ اٹکل سے بیع درست ہے پس پہلے قول میں تشدید اور اکابر کے ساتھ خاص ہے اور دوسرے میں تخفیف اور عوام الناس کے ساتھ خاص ہے

تیرھواں مسئلہ امام شافعی رضہ اور امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ قرضخواہ کو قرضدار سے کسی چیز کا ہدیہ لینا اور اُسکا کھانا، کھانا اور اُس کے مال سے ہر قسم کا انتفاع درست ہے بشرطیکہ قرض دینے سے قبل بھی اِس قسم کے معاملات کی عادت رہی ہو۔ بلکہ امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر یہ شرط نہ بھی موجود ہو تو بھی درست ہے حالانکہ امام ابو حنیفہ رضہ اور امام مالک رضہ اُسے حرام کہتے ہیں اگرچہ قرض دیتے وقت اُن منافع کو شرط نہ کیا ہو۔ اور امام شافعی رضہ نے اِس حدیث کو کہ (کل قرض جر نفعاً فهو ربوا) (جو قرض کہ نفع حاصل کرا دے تو وہ سود ہے) اُسی پر محمول کیا ہے کہ جب وقت اقراض نفع کی شرط کر لی ہو تو پس اگر اس شرط کے بغیر ایسا ہو تو وہ ناجائز نہ ہوگا۔ اور کتاب (روضہ) میں یوں لکھا ہے کہ جب قرضدار قرضخواہ کو کوئی ہدیہ دے، تو اسکو بلا کراہت قبول کرنا درست ہے اور قرضدار کو مستحب ہے کہ وہ قرض لی ہوئی چیز سے کھری ادا کرے کیونکہ اس بارہ میں صحیح حدیث وارد ہے اور قرض خواہ کو اُس کا لینا مکروہ نہیں (انتہی)، پس پہلا قول مخفف اور عوام الناس حاجتمندوں کے ساتھ خاص ہے۔ اور دوسرا مشدد اور اہل تقوے کے ساتھ خاص ہے۔ اس کی نظیر وہ ہے جو قاضی کو ہدیہ دینے کے بارہ میں فقہا کا قول ہے اور اُس کے حکم میں تفصیل ہے۔

چودھواں مسئلہ امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر کسی کا کسی پر بیع کی وجہ سے یا ایک مدت تک قرض لے لینے کی وجہ سے قرض لازم آتا ہو تو اُسے یہ جائز نہیں کہ اُس مدت سے رجوع کر جاوے بلکہ اُس کو لازم ہے کہ اُس مدت تک صبر کرے جو اُس نے معین کی ہے۔ اسی طرح اگر کسی کا کسی پر قرض مؤجل ہو اور مدت میں زیادتی کرنی چاہے تو بھی یہی حکم ہے۔ اور یہی قول امام ابو حنیفہ کا ہے سوائے جنایت کرنے یا قرض دینے کے۔ حالانکہ امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ کسی صورت میں بھی لازم نہیں اور اُسکو جائز ہوگا کہ دوسری مدت سے پہلے ہی مطالبہ کرنے لگے کیونکہ نقد اُدھار نہیں ہو سکتا۔ پس پہلا قول مشدد اور اُن اکابر کے ساتھ خاص ہے جو وعدہ کو پورا ضرور کرتے ہیں اور دوسرا مخفف اُن عوام الناس کے ساتھ مخصوص ہے جو اپنے اقوال سے رجوع کر جاتے ہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم والحمد للہ رب العالمین۔

کتاب گرو رکھنے کے بیان میں

مسائل اجماعیہ

علما کا اتفاق ہے کہ گرو رکھنا سفر اور حضر ہر جگہ میں درست ہے۔ البتہ امام داؤد ظاہری کا یہ قول ہے کہ یہ صرف سفر

کے ساتھ مخصوص ہے اور امام داؤد کے قول کی وجہ یہ ہے کہ مسافر معدوم کی شل ہے۔ لہذا صاحب قرض کو کسی ذریعہ اعتماد کی ضرورت ہے۔ برخلاف حاضر کے کیونکہ اکثر اس کی طرف سے اطمینان قلبی ہوتا ہے۔ یہاں تک مسائل اجماعیہ ختم ہوئے۔

مسائل اختلافیہ

پہلا مسئلہ امام مالک رض کا قول یہ ہے کہ گرو کا عقد قبول کر لینے سے لازم ہو جاتا ہے اگرچہ قبضہ نہ ہوا ہو۔ لیکن رہن رکھنے والے کو اس چیز کے دینے پر مجبور کیا جائے گا۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رض اور امام شافعی رض اور امام احمد رض کا قول یہ ہے کہ گرو لازم نہیں ہوتا تاوقتیکہ مرتہن اس کا قبضہ نہ کرلے۔ پس پہلا قول گرو لینے والے پر مشدد اور رکھنے والے پر مخفف ہے اور دوسرا اس کا برعکس ہے۔ لہذا پہلے قول کو اُن سچے لوگوں پر محمول کیا جائے گا جو اپنے اقوال میں تغیر و تبدیل نہیں کرتے جس طرح اولیاء اللہ اور علماء اُمت۔

اور دوسرے قول کو اس کے خلاف اُن لوگوں پر محمول کیا جائیگا جو صرف اپنے واسطے پورے حصہ کا لحاظ کر لیتے ہیں نہ اپنے بھائی مسلمان کے لئے اور نہ وہ اپنی آخرت کے لئے احتیاط کرتے ہیں۔ پس اس کو خوب سمجھلو۔

دوسرا مسئلہ ائمہ ثلاثہ رض کا قول یہ ہے کہ مشترک چیز کو گرو رکھنا صحیح ہے۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رض کا قول یہ ہے کہ صحیح نہیں، اور تینوں اماموں کے نزدیک تعمیم ہے خواہ وہ چیز ایسی ہو جس کی تقسیم ہو سکے جس طرح زمین یا ایسی جس کی تقسیم نہ ہو سکے جیسے غلام ہر قسم کے اندر رہن درست ہے۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ مشترک چیز کی بیع درست ہوتی ہے اور جس کی بیع درست ہوتی ہے اس کا رہن رکھنا بھی درست ہوتا ہے۔

دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ ایسی چیز میں غالباً مرتہن (جس کے پاس رہن رکھا ہو) کا تصرف کرنا دشوار ہوتا ہے کیونکہ ایسے لوگ بہت کم ہیں جو بیع کی حاجت کے وقت مشترک چیز کے فروخت کرنے میں رغبت رکھتے ہوں۔ پس ائمہ میں سے بعض وہ ہیں جنہوں نے راہن کے واسطے احتیاط کو ملحوظ رکھا اور بعض وہ ہیں جنہوں نے مرتہن کی احتیاط کا لحاظ کیا

تیسرا مسئلہ امام شافعی رض کا قول یہ ہے کہ مرہون چیز کا مرتہن کے قبضہ میں ہمیشہ رکھنا شرط نہیں ہے۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رض اور امام مالک رض کا قول یہ ہے کہ شرط ہے۔ پس جس وقت کہ مرہون شے مرتہن کے قبضہ سے نکل جائے گی خواہ کسی طریقہ سے نکلے رہن باطل ہو جائے گا۔ مگر امام ابوحنیفہ رض یہ فرماتے ہیں کہ مرہون شے اگر پھر امانت یا عاریت کے طریق سے مرتہن کے قبضہ میں دوبارہ آجائے تو رہن باطل نہ ہوگا۔ پس پہلا قول راہن (رہن رکھنے والے) پر مخفف اور مرتہن (جس کے پاس رہن رکھا گیا) پر مشدد ہے۔ اور دوسرا قول پہلے سے برعکس ہے بوجہ اُس شرط کے جو امام ابوحنیفہ رض کے قول میں مذکور ہوئی۔ لیکن پہلا قول اُن عوام کے ساتھ خاص ہے جو اپنے دین میں محتاط نہیں ہیں۔ اور دوسرا قول اُن اکابر کے ساتھ مخصوص ہے جو اپنے دین میں احتیاط سے کام لیتے ہیں کیونکہ مرتہن نے مرہون شے کو صرف اپنے حق کو وصول کرنے کے لئے ذریعہ ٹھیرایا ہے۔ پس جب وہ اُس کے قبضہ سے نکل جائے گی تو ایسا ہو جائے گا گویا کوئی چیز رہن رکھی ہی نہیں تو یوں سمجھا جائے گا کہ مرتہن رہن رکھنے پر اس شرط سے راضی ہوا ہے کہ انجام اچھا رہے اور یہ اسطرح کہ جب وہ مرہون شے موجود ہوگی تو حاجت کے وقت فروخت کر ڈالے گا۔

چوتھا مسئلہ امام مالک رض کا مشہور قول اور امام شافعی رض کے اقوال میں سے راجح قول یہ ہے کہ جب کسی نے

ا غلام رہن رکھا پھر آزاد کر دیا تو اگر وہ مالدار تھا تو آزادی صحیح ہوگی اور آزاد کرنے والے پر روز آزادی کی قیمت
زم ہوگی اور وہ قیمت مرتہن کے پاس رہن رہے گی اور اگر تنگدست تھا تو آزادی صحیح نہ ہوگی اور امام مالک رح کا
وسرا قول یہ ہے کہ اگر اُس کو بجائے اُس کی مال دینے یا رہن پر جو کچھ مرتہن کا لازم ہے، وہ اُسے پورا پورا ادا کر دے
آزاد کرنا صحیح ہو جائے گا ورنہ صحیح نہیں اور امام ابو حنیفہ رح اور امام احمد رح کا قول یہ ہے کہ ہر حالت میں آزادی
یح ہے۔ لیکن امام ابو حنیفہ رح یوں فرماتے ہیں کہ مرہون غلام بصورت مولیٰ کے تنگدست ہونے کے مرتہن کے لئے اپنی
ت میں سعی کرے۔ پس پہلے اور دوسرے قول میں آزاد کنندہ پر تخفیف ہے کیونکہ اُن دونوں قولوں میں تفصیل ہے اور
را قول اُس پر اور غلام دونوں پر شدید ہے اور یہی امام ابو حنیفہ رح کا قول ہے۔

لے قول کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے قرب حاصل کرنے کے واسطے جو آزادی کا شرح صدر ہوا ہے وہ قوانین شر یعت
موافق ہونا چاہیے برخلاف تنگدست کے کہ اُس کو اکثر بذریعہ آزادی غلام حق تعالیٰ سے تقرب حاصل ہونا دشوار ہے
خصوص جبکہ اس کو غلام کی ضرورت اور حاجت ہو اور یہ قاعدہ ہے کہ جس چیز کا شرح صدر نہ ہو وہ بہ نسبت
بول ہونے کے مردود ہونے کی طرف زیادہ قریب ہے۔

سرے قول کی وجہ یہ ہے کہ مولیٰ ہی وہ شخص ہے جس نے اپنے اختیار سے آزاد کرنے کا تلفظ کیا ہے اور شارع علیہ السلام
غلاموں پر شفقت اور رحمت مدنظر ہے اس دلیل سے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے بوقت وفات ارشاد فرمایا
(الصلوٰۃ وما ملکت ایمانکم) یعنی محافظ رہو نماز پر اور اپنے غلاموں کے بارہ میں خیر کی وصیت قبول کرو۔
جو دیکھ کہ جو شخص اس آزادگی غلام کے مولا پر پڑنے کا قائل ہے وہ یہ بھی کہتا ہے کہ اگر وہ مالدار ہے تو اُس پر غلام
یمت واجب ہے اور اگر تنگدست ہے تو غلام پر اپنی قیمت واجب ہے (محنت مزدوری وغیرہ کرکے ادا کرے)۔
سا کہ گذرا لہذا مرتہن کے حق میں سے کچھ بھی فوت نہیں ہوا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

نچواں مسئلہ

امام ابو حنیفہ رح اور شافعی رح اور امام احمد رح کا قول یہ ہے کہ جب کسی نے سو روپے کے
عوض کوئی شے رہن رکھی اُس کے بعد ایک سو اور دیے اور قرض لے لئے اور چاہا کہ اُسی رہن کو
نوں قرضوں کے عوض میں کر دے تو یہ جائز نہ ہوگا۔ حالانکہ امام مالک اُسے جائز کہتے ہیں۔

ے قول کی وجہ یہ ہے کہ رہن اول قرض کے عوض میں لازم ہو چکا اور وہ شے جو رہن میں رکھی ہے پہلے سو روپے کے
بارہ میں وثیقہ ہے۔ لہذا دوسرے قرضہ کے لئے کیونکر وثیقہ بن سکتی ہے۔

سرے قول کی وجہ یہ ہے کہ مرتہن جب اُس رہن کو دونوں قرضوں کے عوض میں ٹھیرانا چاہے تو اُس کے اندر
مضائقہ نہیں) بلکہ اُسے تو یہاں تک استحقاق ہے کہ رہن کو بالکل ہی ترک کر دے بالخصوص اُس وقت کہ جب راہن اور
ن دونوں شخص منجملہ صالحین اور صادقین لوگوں کے ہوں۔

ا مسئلہ

امام مالک رح اور امام شافعی رح اور امام احمد رح کا قول یہ ہے کہ کسی حق کے عوض میں رہن رکھنا
اُس وقت تک صحیح نہیں ہوتا جب تک وہ حق واجب نہ ہو جائے۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رح کا قول
ہے کہ صحیح ہے پس پہلا قول مخفف اور اُن لوگوں کے ساتھ خاص ہے جن پر گمراہی غالب ہو۔ لہذا اُس کو اس سے روک دیا
اس شخص کے لئے اپنا مال نکالنے کا تصرف کرے کہ اس کے پاس اُس کا کوئی حق نہ ہو۔ اور دوسرا قول اُن اکابر کے
مخصوص ہے جو اپنے اموال میں اس قسم کا تصرف کرتے ہیں جس کے اندر اپنے دین کی احتیاط زیادہ پاتے ہیں۔ کیونکہ
تو اُن کے نزدیک مچھر کے پر کی برابر بھی نہیں بلکہ اگر فرض کیا جائے کہ اُن اکابر میں سے کوئی اپنے بھائی کے پاس

قبل اِس کے کہ اُس پر کوئی حق ثابت ہو کوئی چیز رہن رکھ بھی دی پھر اُسے مرتہن کھا جائے یا ضایع کر دے تو اس سے اُن کا بال بھی بیکا نہ ہو۔

ساتواں مسئلہ امام ابو حنیفہ رضہ اور امام مالک رضہ اور امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ راہن جب رہن میں یہ شرط ٹھیرائے کہ جس وقت مدت ادائیگی کی آجائے اور میں مرتہن کو قرضہ ادا نہ کروں تو وہ مرہون کو فروخت کر کے وصول کر لے تو ایسا کرنا درست نہیں ہے۔ حالانکہ امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ مرتہن کو جائز نہیں کہ وہ خود شے مرہون کو فروخت کرے۔ ہاں راہن یا اُس کا وکیل بشرط اجازت مرتہن فروخت کر سکتا ہے۔ (اس صورت میں) اگر راہن فروخت کرنے سے انکار کرے، تو حاکم اس پر سختی پکڑ کر حکم نافذ کرے گا کہ یا تو قرض ادا کر دے یا شے مرہون بیچ۔ پس پہلا قول مرتہن پر مخفف اور اُن کاملین مومنین کے ساتھ خاص ہے جو اپنے بھائی کے لئے پورے حصہ کا خیال رکھتے ہیں اور بھائی مسلمان جو اُن کے مال میں تصرف کرے وہ اُس سے پشیمان نہیں ہوتے کیونکہ اُس میں اُن کے ذمہ سے برات اور سبکدوشی ہے بلکہ وہ اُس کے تصرف کو ان کے اموال میں ایسا سمجھتے ہیں جیسا کہ وہ خود اپنے اموال میں تصرف کرتے (یعنی) دنیا اور آخرت دونوں میں پورے حصہ کے ساتھ۔

اور دوسرا قول مشدد اور اُن لوگوں کے ساتھ خاص ہے جو مذکورین کی ضد ہیں کیونکہ وہ کبھی تو یہ کہیں گے کہ مرتہن نے پورے داموں کے ساتھ بیع نہیں کی یا یہ کہیں گے کہ کھوٹے داموں کے بدلہ میں بیع کی۔ لہٰذا دونوں میں نزاع واقع ہو

آٹھواں مسئلہ امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر راہن اور مرتہن اس قرض کی مقدار میں مختلف ہو جائیں جس عوض میں رہن رکھا گیا ہے (تو اُس وقت) مرتہن کے قول کا اعتبار ہو گا مگر قسم کے ساتھ۔ مثلاً راہن تو کہے کہ میں نے پانچسو روپے کے بدلہ رہن رکھا تھا اور مرتہن کہے کہ ایک ہزار روپے کے بدلہ میں اور شے مرہون کی قیمت یا تو ایکہزار روپے ہیں یا پانچسو سے کچھ زاید۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ راہن کا قول معتبر ہو گا مگر قسم کے خواہ پانچسو بتلائے یا ایکہزار۔ اور جب راہن قسم کھا چکے تو جتنی مقدار پر قسم کھائی ہو وہ مرتہن کو دیکر شے مرہون لے لے یہی قول امام شافعی رضہ اور امام احمد رضہ کا ہے۔ پس پہلا قول راہن پر مشدد اور مرتہن پر مخفف ہے اور دوسرا اس کے برعکس ہے۔ تو بعض امام وہ ہیں جنہوں نے مال راہن کی احتیاط کا لحاظ کیا ہے اور بعض وہ جنہوں نے مال مرتہن کی احتیاط کا۔ لیکن دونوں قول اکابر اور اصاغر کے اعتبار سے مختلف ہیں کیونکہ اکابر تو دوسرں کے لئے پورے حصہ کا لحاظ کرتے ہیں اور اصاغر اس کے برعکس ہیں۔

نواں مسئلہ امام ابو حنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ مرہون اگر مرتہن سے تلف ہو جائے تو ہر حالت میں اُس کو دینا لازم ہو گا جو اُس شے کی قیمت اور اُس حق سے جس کے بدلہ میں رہن رکھا ہے کم ہو۔ حالانکہ امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ جس چیز کا ہلاک ہونا ظاہر ہو جسطرح جانور اور زمین اُس کا تو ضمان ہی مرتہن پر لازم نہیں۔ اور جس چیز کا ہلاک ہونا پوشیدہ امر ہو جسطرح نقد اور کپڑا تو اُس کے اندر مرتہن کا قول اُسوقت تک معتبر ہے جب تک راہن اُس کی تصدیق نہ کر دے۔ اسی طرح امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے اور یہی قول امام احمد رضہ کا ہے کہ مرہون مرتہن کے پاس امانت ہوتی ہے تو جسطرح باقی امانتیں بغیر دست درازی کے مضمون نہیں ہوتیں اسی طرح یہ بھی۔ اسی طرح قاضی شریح اور امام حسن بصری اور شعبی رضی اللہ عنہم کا قول یہ ہے کہ شے مرہون تمام حق کے مقابلہ میں مضمون ہوتی ہے یہانتک کہ اگر قیمت اس شے مرہون کی صرف ایک درہم ہو اور حق دس ہزار درہم پھر مرہون تلف ہو جاوے تو تمام حق ساقط ہو جائے گا۔ پس امام ابو حنیفہ رضہ کا قول مشدد اور امام مالک رضہ کا قول مفصل اور امام شافعی رضہ

امام احمد رحمہ کا مخفف ہے اور قاضی شریح اور امام حسن اور امام شعبی رضی اللہ عنہم کا سب سے زیادہ مشدد ہے اور ان میں سے ہر ایک کے قول کی وجہ صاحب فہم پر مخفی نہیں ہے۔

دسواں مسئلہ امام مالک رحمہ کا قول یہ ہے کہ مدعی جب مرہون کے ہلاک ہو جانے کا دعویٰ کرے اور شے ایسی ہے جس کے ہلاک ہونے میں خفا ہو تو اگر وہ قیمت پر اتفاق کر لیں تب تو کچھ کہنا ہی نہیں اور اگر صفت پر تو متفق ہوں لیکن قیمت میں اختلاف ہو تو ماہرین سے دریافت کیا جائے گا کہ ایسی صفت والی شے کی کیا قیمت ہوتی ہے۔ اُن کے بتانے کے موافق عمل ہوگا۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رحمہ کا قول یہ ہے کہ قیمت کے بارہ میں مرتہن کا قول معتبر ہوگا مگر مع قسم کے اسی طرح امام شافعی رحمہ کا قول یہ ہے کہ ہر حالت میں تاوان دینے والے کا قول معتبر ہوگا۔ پس پہلا قول مفصل اور دوسرا قسم کی وجہ سے مرتہن پر مشدد اور تیسرا تاوان دینے والے پر مخفف ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم

کتاب مفلس ہو جانے اور تصرف سے روکدینے میں

مسائل اجماعیہ

اماموں کا اسپر اتفاق ہے کہ تنگدست ہو جانے کے گواہ قید کئے جانے کے بعد سنے جائیں اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ اسباب جو خرید و فروخت سے روکدینے کو واجب کرتے ہیں تین ہیں نابالغی، غلام ہونا، مجنون ہونا۔ اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ لڑکا جب بالغ ہو جائے اور اب تک خوب ہوشیار و عاقل نہ ہو تو اُس کا مال اُسکے سپرد نہ کیا جائے۔ اور اسپر بھی کہ جب صاحب مال کی سلامت روی اور عقلمندی معلوم ہو جائے تو مال اُسے سونپ دیا جائے۔ یہانتک مسائل اجماعیہ ختم ہوئے۔

مسائل اختلافیہ

پہلا مسئلہ امام شافعی رحمہ اور امام مالک رحمہ اور امام احمد رحمہ کا قول یہ ہے کہ جب قرض خواہ چاہیں اور مقروض کو قرضوں نے احاطہ کر لیا ہو تو مفلس کو خرید و فروخت کے تصرف سے روکدینا حاکم کے لئے سزاوار ہے اور اُس کا حق ہے کہ مفلس کو تصرف سے منع کرے تاکہ قرض خواہوں کو ضرر نہ پہونچے اور اگر مفلس خود اپنے اموال کی بیع نہ کرے تو حاکم کو چاہئے کہ اُسکے اموال فروخت کرکے درمیان قرض خواہوں کے حصہ رسد تقسیم کر دے۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رحمہ کا قول یہ ہے کہ مفلس کو تصرف سے نہ روکا جائے بلکہ قید کر دیا جائے یہانتک کہ قرضہ ادا کرے۔ پس اگر اُس کا کچھ مال ہو تو حاکم اُس میں کچھ تصرف نہ کرے اور نہ اُسے فروخت کرے مگر جبکہ اُس کا مال دراہم ہوں اور قرض بھی دراہم ہوں تو قاضی قرضہ ادا کر سکتا ہے۔ پس پہلا قول مفلس پر اس وجہ سے کہ اُسکو اپنے مال میں تصرف کرنے سے روکدیا گیا اور یہ اس غرض سے کہ اس میں قرض خواہوں کی خیر خواہی ہے اور اُس ذمہ کا چھوٹ جانا ہے مشدد ہے اور یہ قول حاکم کے ساتھ مخصوص ہے جو نظر و بصیرت اور رعایت میں مفلس سے زیادہ کامل ہے۔

اور دوسرا قول مفلس پر قید کرنے کی وجہ سے مشدد ہے اور اس اعتبار سے کہ قبل از قید اُس کا مال فروخت کرنے کی طرف سبقت نہ کی جائے مخفف ہے اور یہ قول اُس شخص کے ساتھ مخصوص ہے جو سرکشی اور ادائیگی حق سے باز رہنے والا ہو۔

دوسرا مسئلہ امام مالک رضؓ اور امام شافعی رضؓ کے دو قولوں میں سے اظہر قول یہ ہے کہ جب مفلس کو تصرفات سے روکدیا جائے اُس کے بعد کوئی تصرف اُس کا اپنے مال میں نافذ نہ ہوگا خواہ بیع ہو یا ہبہ ہو یا غلام کا آزاد کرنا۔ حالانکہ امام احمد رضؓ سے ایک روایت یہ ہے کہ تمام تصرفات غیر نافذ ہونگے۔ مگر صرف آزادی غلام (کہ یہ نافذ ہو جائے گا) اسی طرح امام ابو حنیفہ رضؓ کا قول یہ ہے کہ اُس کو تصرفات سے نہ روکا جائے اور اگر قاضی نے روکدینے کا حکم دیا ہو تو اُس کا یہ حکم اُسوقت تک نافذ نہ ہوگا جب تک دوسرا قاضی اس کا حکم نہ دے اور جبکہ اُس کو تصرفات سے روکنا ہی صحیح نہ ہوا تو اُس کے تمام تصرفات صحیح ہونگے۔ خواہ وہ ایسے ہوں کہ اُن کے فسخ کا احتمال ہو یا نہ ہو۔ پھر اگر دوسرے قاضی نے بھی رُکنے کا حکم صادر کر دیا تو وہ تصرفات پھر بھی صحیح ہونگے جو احتمال فسخ کا نہیں رکھتے مثلاً نکاح، طلاق، غلام کو مدبر بنانا، اُسے آزاد کرنا۔ اور جو محتمل فسخ ہیں وہ باطل ہونگے جسطرح بیع، کرایہ پر دینا، ہبہ کرنا، صدقہ کرنا وغیرہ۔ پس پہلا قول مفلس پر اس وجہ سے کہ اُس کے تصرف کو اس غرض سے غیر صحیح کہا گیا تاکہ وہ اپنے قرضہ سے بری الذمہ ہو جاوے مشدد ہے اور دوسرے میں کچھ تخفیف ہے کیونکہ آزادی غلام کی صحیح ہے۔ اور تیسرا قول اس اعتبار سے کہ تصرف کر سکتا ہے مخفف ہے۔ اور رہا قرضہ سو وہ اُسی سے طلب کیا جائیگا نہ ہم سے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ پھر ہم کو کیا پڑا ہے کہ ہم اُسے ایسے اُمور سے روکیں جن سے ہمارا ذمہ اس شے میں پھنس جاوے جو ہمارا مال نہیں تاکہ ہم اُس میں تصرف کریں۔

اُس کے بعد اگر قرض خواہوں کی جانب سے ہمارا ذمہ خلاص ہو گیا تو مفلس کیطرف سے تو نہیں چھوٹ سکتے لہٰذا ہم اُکو اور اُس کے مال کو اُس قاضی کے لئے چھوڑ دیں گے جو شرع شریف کا نائب ہے تو اس میں دو مرتبے نکل آئے ایک مشدد۔ دوسرا مخفف جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو۔

تیسرا مسئلہ امام مالک رضؓ اور امام شافعی رضؓ اور امام احمد رضؓ کا قول یہ ہے کہ اگر مفلس کے پاس کچھ اسباب ہو اور مالک اسباب اُس کو پالے۔ حالانکہ مالک اسباب نے جب اُسے مفلس کے ہاتھ فروخت کیا تھا تو بائع نے قیمت میں سے کچھ بھی قبضہ نہیں کیا تھا (اور نہ ابتک کیا ہے)، اور پھر مفلس ہنوز زندہ بھی ہے تو مالک اسباب اُس کے لینے کا زیادہ مستحق ہے نہ قرض خواہ۔ لہٰذا وہی لے سکتا ہے نہ قرض خواہ۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ کا قول یہ ہے کہ مالک اسباب مثل ایک قرض خواہ کی ہے لہٰذا وہ سب ملکر اُسے آپس میں تقسیم کریں۔

پس اگر مفلس کے مرجانے کے بعد وہ اسباب مالک نے پایا اور قیمت میں سے ابتک کوئی حبہ نہیں لیا تو تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ مالک اسباب قرض خواہوں کی برابر ہوگا اور امام شافعی رضؓ کا قول یہ ہے کہ مالک ہی اُس کا حقدار ہے۔

پس پہلا قول مالک اسباب پر مخفف اور قرض خواہوں پر مشدد ہے اور دوسرا اُس کے برعکس ہے جسطرح دوسرے مسئلہ کے پہلے قول میں۔

پہلے مسئلہ میں پہلے قول کی وجہ اس بارہ میں صریح و صحیح حدیث کا وارد ہونا ہے اور اس کے اندر دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ وہ اسباب مِلک مفلس میں داخل ہو چکا لہٰذا اُس اسباب اور اُس کے دوسرے اموال میں کچھ بھی فرق نہ رہا پس مالک اسباب مثل اور لوگوں کی ہوا۔ اور شائد اس قول کے قائل کو حدیث نہ پہونچی ہوگی۔

چوتھا مسئلہ ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ مفلس اگر تصرف سے روک دیے جانے کے بعد کسی اور قرضہ کا اقرار کرے تو یہ قرضہ بھی اُس کے ذمہ میں لگ جائے گا مگر جس کے قرضہ کا اقرار کیا ہے وہ اُن قرض خواہوں کا شریک نہ بنایا جائے گا جن کی وجہ سے اُسے تصرفات سے روکا ہے۔ حالانکہ امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ وہ شریک کیا جائے گا۔ پس پہلا قول مقرلہ پر مشدد ہے اور دوسرا اُس پر مخفف ہے۔

پہلے قول کی وجہ مقرلہ (جس کے قرضہ کا بعد میں اقرار کیا ہے) کی کوتاہی ہے کہ اُس نے تفتیش کیوں نہ کرلی کہ کیا مفلس پر کسی اور کا قرض ہے یا نہیں۔

دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ تصرفات رُکنے کا حکم اُس قرضہ کو بھی شامل ہے جو اس سے پہلے لازم ہوچکا اور اُس کو بھی جو بعد میں ہو شمولیت میں تفریق کچھ بھی نہیں باوجودیکہ کبھی وہ مفلس اس اقرار مذکور میں متہم بھی کیا جاسکتا ہو

پانچواں مسئلہ امام مالک رضہ اور امام شافعی رضہ اور امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ جب حاکم کے نزدیک مفلس کا واقعی تنگدست ہونا ثابت ہو جائے تو وہ اُسے قید سے آزاد کردے اگرچہ قرض خواہوں کی اجازت نہ دی ہو اور مفلس کے قرض خواہوں کے درمیان خود حائل ہو جائے پس اس کے بعد نہ اُسے قید کرنا روا ہے اور نہ اُسکا پیچھا لینا بلکہ مہلت دیجائے یہاں تک کہ وہ مالدار ہو جائے۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ حاکم اُسے قید سے تو آزاد کردے مگر بعد آزاد کرنے کے اُس کے اور قرض خواہوں کے درمیان حائل نہ ہو بلکہ اُنکو پیچھا کرنے دے کہ وہ اُسے تصرف سے باز رکھیں اور وہ جو کچھ کما دے اُس میں سے بچا ہوا حصہ رسد تقسیم کرلیا کریں پس پہلا قول مفلس پر مخفف اور قرض خواہوں پر مشدد ہے اور دوسرا پہلے کا برعکس ہے۔ باوجودیکہ اُس میں احتیاط کو لینا اور مفلس کے ذمہ کو بری کرنے کی طرف سبقت کرنا ہے۔

چھٹا مسئلہ امام مالک رضہ اور امام شافعی رضہ اور امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ تنگدستی کے گواہ قید کئے جانے سے پہلے سنے جائیں۔ حالانکہ ظاہر مذہب امام ابوحنیفہ رضہ کا یہ ہے کہ نہ سنے جائیں مگر بعد قید کر دینے کے۔ پس پہلا قول مفلس پر مخفف اور دوسرا اُس کا عکس ہے۔ لیکن پہلے قول کو اُن تقویدار و دیندار و دینہر حمل کیا جائے گا جو حقوق مخلوقات سے ڈرتے ہیں اور دوسرے کو اُن لوگوں پر جو پہلوں کی ضد ہیں۔

ساتواں مسئلہ امام ابوحنیفہ رضہ اور امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ مفلس جب اپنی تنگدستی پر گواہ قایم کردے تو اُسے پھر قسم نہ دیجائے۔ حالانکہ امام مالک رضہ اور امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر قرضخواہ چاہیں تو اُسے قسم دیجائے۔ پس پہلا قول مفلس پر مخفف ہے اور اُن لوگوں پر محمول ہے جو دیندار تقویدار ہوں اور دوسرا اُس پر مشدد ہے اور اُن لوگوں پر محمول ہے جو پہلوں کی ضد ہوں۔

اٹھواں مسئلہ امام ابوحنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ لڑکے کا بلوغ احتلام یا انزال کی وجہ سے ہوتا ہے پس اگر یہ نہ پائے جائیں تو جب کہ اٹھارہ سال کی عمر کو پہونچ جائے۔ اور کہا گیا ہے کہ سترہ سال کو اور لڑکی کا بالغ ہونا حیض سے ہوتا ہے اور احتلام سے اور حمل سے ورنہ اُس وقت کہ جب اٹھارہ سال کی ہو جائے یا سترہ سال کی۔ حالانکہ امام مالک رضہ اور امام شافعی رضہ اور امام احمد کا قول یہ ہے کہ بلوغ پندرہ سال سے ہوتا ہے یا منی نکلنے سے یا حیض آنے سے یا حمل سے۔ پس پہلا قول مفصل ہے کہ اُس میں اس اعتبار سے تخفیف ہو کہ بہت روز تک مکلف نہ بنے گا یا نہ بنے گی اور دوسرا قول دو ٹوک ہے کہ اُس میں نس کے اندر احتیاط کو لینا ہے اور ہرایک وجہ ائمہ مجتہدین میں سے ہرایک کی اپنی اپنی تفتیش اور تلاش ہے۔

نواں مسئلہ

امام ابو حنیفہ رحمہ کا قول یہ ہے کہ زیر ناف بالوں کا اُگنا بلوغ کا حکم لگانے کو مقتضی نہیں۔ حالانکہ امام مالک رحمہ اور امام احمد رحمہ کا قول یہ ہے کہ مقتضی ہے۔ اسی طرح اصح مذہب امام شافعی رحمہ کا یہ ہے کہ کافر کے بچہ کے زیر ناف بال آجاویں تو بلوغ کا تقاضا کرتے ہیں نہ مسلمان کے۔ پس پہلا قول مکلفین پر مخفف ہے اور دوسرا اُن پر مشدد ہے اور تیسرا مفصل ہے۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ تکالیف واجبہ کا حکم کرنا ایک بڑا سخت امر ہے لہٰذا وہ اُسی وقت واجب کی جائیں گی جب اُسکا بلوغ یقینی ثابت ہو جائے۔ کیونکہ زیر ناف بالوں کا اُگنا احتمال رکھتا ہے کہ بدن کی شدت گرمی کی وجہ سے ہو۔ اور وہ جواب دیتے ہیں کہ اس بارہ میں جو حدیث وارد ہے وہ مؤول ہے۔

دوسرے قول کی وجہ مکلف کے لئے احتیاط کو لینا ہے تاکہ تکالیف کے ثواب سے فوز یاب ہو اور جب سے اپنے اوپر اُن کے واجب ہونے کا معتقد ہو جائے اُسی وقت سے اُن کی مداومت شروع کر دے اگرچہ نفس الامر میں واجب نہیں ہوئی ہوں۔

اور دوسرے قول کی وجہ ظاہر ہے کہ تاکہ جلدی سے جزیہ اُس سے لینا شروع ہو جائے اور کافر کو ذلت و خواری نصیب ہونے لگے۔

دسواں مسئلہ

امام ابو حنیفہ رحمہ امام مالک رحمہ امام احمد رحمہ کا قول یہ ہے کہ لڑکے کی سلامت روی کے یہ معنی ہیں کہ اپنے مال کی بہبودی سمجھنے لگے اور فاسق یا عادل ہونے کی کوئی شرط فقہائے مذکورین نے نہیں کی۔ حالانکہ امام شافعی رحمہ کا قول یہ ہے کہ سلامت روی دین اور مال دونوں کی بہبودی کا نام ہے اور اس بارہ میں لڑکے اور لڑکی کی کچھ تفریق نہیں ہے اور امام مالک رحمہ نے فرمایا ہے کہ لڑکی سے تصرفات سے روک ٹوک جدا نہ کی جائے گی۔ اگرچہ وہ بالغ ہو کر سلامت رو بھی ہو جائے جب تک کہ نکاح نہ کرے اور خاوند اُس سے ہمبستر نہ ہو جائے اور وہ اپنے مال کی ایسی ہی حفاظت نہ کرنے لگے جس طرح نکاح سے پہلے کرتی تھی۔ اور امام احمد رحمہ سے مختار روایت یہ ہے کہ لڑکے اور لڑکی میں حد سلامت روی کے اندر کوئی تفریق نہیں اور دوسری روایت امام مالک رحمہ کے قول کی مثل ہے لیکن یہ شرط اور زائد کی ہو کہ یہانتک کہ خاوند کے پاس اُسے ایک سال گذر جائے یا ایک بچہ جن لے۔ پس پہلا قول دین کی بہبودی شرط لگانے کی وجہ سے مخفف ہے اور وجہ اُس کی یہ ہے کہ باب اموال کے اندر سلامت رو ہو جانے کے بیان میں ہے نہ اُس کے سوا نماز اور زکوٰۃ اور روزہ وغیرہ میں۔ پس جب وہ اپنے مال میں نفع نقصان کو سمجھنے لگے تو شرعاً اُس کا مال اُسے دیدینا درست ہے۔ اگرچہ اس کے سوا اپنے امور دینیہ کے اندر نفع نقصان کو نہ سمجھتا ہو اور یہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی کے ایک قول کی نظیر ہے کہ اُس شخص کی شہادت مقبول ہے جس سے سچی بات کہنے کا عہد لے لیا ہو اگرچہ دوسرے لحاظ سے وہ فاسق ہی ہو۔

اور دوسرا قول مشدد ہے اور اُس کی وجہ یہ ہے کہ جو شخص تارک نماز اور شراب خوار ہو اُس سے یہ بعید نہیں کہ اپنا مال خدا کی نافرمانی میں ضائع کر دے اور یہی تقریر لڑکی کے بالغ ہونے کی توجیہہ میں ہے تو بعض ائمہ نے احتیاط کو ملحوظ کیا ہے اور سلامت روی کی صفات میں مبالغہ کیا ہے۔ اور بعض وہ ہیں جنہوں نے اس بارہ میں تخفیف کی ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ اس کو دو حالتوں پر محمول کیا جائے۔ پس بعض لڑکیاں وہ ہیں جن کی سلامت روی صرف بالغ ہو جانے سے ظاہر ہو جاتی ہے اور بعض ایسی ہیں جنکی سلامت روی بغیر نکاح کئے ظاہر نہیں ہو جاتی بلکہ اس کے معلوم کرنے کی حاجت ہوتی ہے کہ وہ اپنے خاوند کے مال میں اُس کے سامنے اور پیچھے تدبیر سے کام لیتی ہے یا نہیں، اگرچہ بچہ والی نہ ہوئی ہو۔

اور بعض وہ لڑکیاں ہیں جن کی سلامت روی صرف جننے کے بعد معلوم ہوتی ہے کیونکہ ولادت سلامت روی میں عورت کا آخری امتحان ہے۔

گیارھواں مسئلہ ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ بچہ جب بالغ ہو جاوے اور اُس کی سلامت روی معلوم ہو جائے تو اُس کا مال اُسے دیدیا جاوے۔ پس اگر بالغ ہو جائے اور سلامت رو نہ ہو تو مال اُسے نہ دیا جاوے بلکہ ہمیشہ تصرفات سے روکا جاوے۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ جب اُس کی عمر پچیس ۲۵ سال تک پہونچ جاوے تو اُس کا مال ہر صورت میں دیدیا جائے۔ پس پہلا قول اس وجہ سے مشدد ہے کہ جب تک سلامت روی حاصل نہ ہو اُسوقت تک تصرفات سے روکا جاوے اگرچہ پچاس سال یا زیادہ کے بعد ہی حاصل ہو اور دوسرا قول اُسپر مخفف ہے بعد پچیس سال کا قول کہنے کی وجہ ہے۔

اور پہلے قول کی وجہ باری تعالیٰ کا ظاہری فرمان ہے کہ (فان آنستم منہم رشدا فادفعوا الیہم اموالہم) ترجمہ ''پس اگر معلوم کر لو اُن سے سلامت روی کو تو دیدو اُنکو اموال اُنکے'' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سلامت روی حاصل کرنے سے پہلے اموال نہ دئے جائیں اگرچہ کتنی ہی عمر ہو گئی ہو۔

اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ بعد پچیس سال کے عقل کامل ہوتی ہے لہذا اُس کے بعد اُسے تصرفات سے روک نہیں سکتے۔ لیکن امام علی رضہ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ بچہ نابالغ کے بلوغ کی انتہا پچیس سال ہیں اور درازی اُس کی بائیس سال پر ختم ہو جاتی ہے اور اٹھائیس سال پر اس کی عقل کامل ہوتی ہے اور اُس کے بعد تجربے کرتا رہتا ہے یہانتک کہ مرے۔ اور یہ امام اعظم ابو حنیفہ رضہ کے کلام کے قریب ہی ہے۔

کتاب صلح کے بیان میں

مسائل اجماعیہ

ائمہ کا اسپر اتفاق ہے کہ جبکہ کسی کا کوئی حق ہو پھر وہ اُس کے کچھ حصہ پر صلح کرے تو وہ حلال نہیں۔ کیونکہ یہ حق کو باطل کرتا ہے اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ مالک کو اجازت ہے کہ اپنی ملک میں تصرف کرے جو اُس کے پڑوسی کو مضر نہ ہو۔ اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ اپنی عمارت کو پڑوسی کی عمارت سے بلند کرے لیکن اس کو یہ حلال نہیں کہ اپنے پڑوسی کی چھپانے کی چیز کو جھانکے۔ یہانتک مسائل اجماعیہ ختم ہوئے۔

مسائل اختلافیہ

پہلا مسئلہ ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ جب معلوم نہ ہو کہ فلاں شخص کا فلاں پر کوئی حق ہے اور پہلا شخص دوسرے پر دعوے کرے تو مصالحہ کر لینا درست ہے حالانکہ امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ درست نہیں۔ پس پہلا قول مشدد اور اُس میں ذمہ سے بری ہونے کے اندر بڑی احتیاط ہے۔ اور اہل سخاوت کامل مومنوں کے ساتھ

مخصوص ہے۔ اور دوسرا قول مخفف ہے اور اُس کی وجہ یہ ہے کہ جو شخص کسی کو اپنا مال بغیر حق شرعی کے لینے پر قدرت دے تو گویا وہ مدعی کے ساتھ لوگوں کا مال ناحق کھانے پر رضا مند ہے (اس میں خوف ہے) کہ کہیں راہ ہدایت سے باہر نہ ہو جائے۔ اے یار خدا کوئی صورت نہیں مگر یہ کہ اُس سے مصالحہ کرکے اپنے ذمہ کو بری کر دے تو یہ منع نہیں کیونکہ اس صلح میں اُس کے دعوے کا تسلیم کرنا نہ ہوا البتہ پیچھا چھوڑانا ہے جو ضروری چیز ہے۔

دوسرا مسئلہ

ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ مجہول چیز پر صلح کرنا درست ہے۔ حالانکہ امام شافعی رح کا قول یہ ہے کہ منع ہے پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ یہ فعل مومن کا اپنے قرضہ سے برأت چاہنا ہے۔

اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ ذمہ صرف اسی وقت بری ہو سکتا ہے کہ جب نمبر۱ (جسکو بری کیا جائے) کے ذمہ جو کچھ قرض ہے معلوم ہو اور دونوں میں سے ہر ایک کی ایک ایک وجہ ہے۔

تیسرا مسئلہ

امام ابو حنیفہ رح اور امام مالک رح کا قول یہ ہے کہ جب دو شخصوں نے کسی کوٹھے کی چھت اور بالاخانہ کا دعوے کیا تو چھت اُس شخص کی ہوگی جو اُس کے نیچے رہتا ہے۔ حالانکہ امام شافعی رح اور امام احمد کا قول یہ ہے کہ وہ دونوں میں آدھی آدھی تقسیم ہوگی پس پہلا قول اُن دونوں میں سے ایک پر مشدد ہے اور دوسرا مخفف۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ ظاہر اُسی کے لئے دلیل ہے کیونکہ ایسے لوگ بہت کم ہیں کہ وہ کوٹھری بنا دیں اور چھت اُسکی نہ بنا دیں بلکہ جب کوئی بناتا ہے چھت بھی اُس کی خود ہی بناتا ہے۔

دوسرے قول کی وجہ اُن دونوں کے درمیان عدل و انصاف کرنا ہے جس طرح نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم ایک معین چیز میں فیصلہ فرمایا کرتے تھے جب اُس کے اندر دو شخص دعوئے کرتے اور دونوں میں سے کسی ایک کے لئے وکی مرجح نہ ہوتا تو اُس وقت دونوں میں تقسیم فرما دیتے تھے۔

چوتھا مسئلہ

ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ اوپر کا مکان اور نیچے کا دونوں گر جائیں اور اوپر کے مکان والا یہ چاہے کہ اُسے پھر بنا دے تو نیچے کے مکان والے کو تعمیر کرنے اور چھت ڈالنے پر مجبور نہیں کر سکتا تاکہ اوپر والا اُس کے اوپر تعمیر کرے بلکہ اگر اوپر والا نیچے کا مکان بھی اپنے مال سے بنانا پسند کرے اور نیچے کا مالک اُس سے نفع اٹھانے کو منع کرے تو اُسے سزاوار ہے چاہے ابتک نیچے والے نے اوپر والے کو وہ رقم نہ دی ہو جو اُس نے نیچے کا مکان بنانے میں صرف کی ہے

حالانکہ اصحاب امام شافعی رح کا قول یہ ہے کہ نیچے والے کو مجبور بھی نہیں کر سکتا اور جب اوپر والا نیچے والے کی بلا اجازت عمارت بنائے تو اُس سے نفع اٹھانے کو منع بھی نہیں کر سکتا اور یہ قول اُن کا اُس قاعدہ پر مبنی ہے جو اُن کے جدید قول میں ہے کہ شریک عمارت پر مجبور نہیں کر سکتا اور قول قدیم جو متاخرین اصحاب امام شافعی رح کے نزدیک مختار ہے یہ ہے کہ شریک کو اسپر مجبور کیا جا سکتا ہے۔ ضرر کو دفع کرنے اور املاک کو بیکاری سے محفوظ رکھنے کے لئے۔ پس پہلا قول نیچے کے مالک پر مخفف ہے اور امام شافعی رح سے وہ بھی منقول ہے اور دوسرا قول اُسپر مشدد ہے دفع ضرر کی غرض سے مجبور کرنے کی اجازت دینے کی وجہ سے۔

پانچواں مسئلہ

امام ابو حنیفہ رح اور امام شافعی رح کا قول یہ ہے کہ آدمی کو اپنی ملکیت میں وہ تصرف کرنے کی اجازت ہے جو اُس کے پڑوسی کو ضرر رساں نہ ہو۔ حالانکہ امام مالک رح اور امام احمد رح کا قول

یہ ہے کہ یہ منع ہے۔ پس پہلا قول تصرف کرنے والے پر مخفف اور پڑوسی پر مشدد ہے اور دوسرا برعکس ہے۔

پہلے قول کی وجہ ملک کا قوی اور پڑوسی کے حق کا (نسبتہً) ضعیف ہونا ہے اور اُس تصرف کی مثال یہ دیتے ہیں کہ مثلاً حمام بنایا یا پاخانہ، غسل خانہ وغیرہ یا مثلاً اپنے شریک کے کنوے کے پاس کوئی اور کنوا کھود دیا جس کی وجہ سے اُس کا کنوا پانی کم دینے لگا یا مثلاً اپنی دیوار میں دریچی کھولی جس سے اپنے پڑوسی کو جھانک سکے۔

چھٹا مسئلہ امام مالک رحمہ اور امام احمد رحمہ کا قول یہ ہے کہ جب کسی کی چھت دوسرے کی چھت سے بلند ہو تو اُس کو پردے کا بنانا لازم ہے جو اُس کے پڑوسی پر جھانکنے سے مانع ہو۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمہ کا قول یہ ہے کہ اُس پر یہ لازم نہیں۔ پس پہلا قول چھت والے پر مشدد اور اہل دین و تقوے کے ساتھ خاص ہے اور دوسرا قول مخفف اور معمولی لوگوں کے ساتھ خاص ہے اور توجیہ برعکس بھی ممکن ہے اسطرح کہ پردہ بنانے کا حکم اُس کے لئے ہے جو اپنے پڑوسی کی مخفی اشیاء پر نظر پڑنے سے ڈرتا ہو اور پردہ کو ترک کرنا اُسکے لئے جسکو اس کا خوف نہ ہو۔

ساتواں مسئلہ امام ابوحنیفہ رحمہ اور امام مالک رحمہ کا قول یہ ہے کہ جب دو شخصوں کے درمیان رہٹ یا نہر یا کنوا مشترک ہو پھر وہ بیکار ہو جائے یا کوئی دیوار ہو پھر وہ گر جائے اُس کے بعد ایک دوسرے سے بنوانے کا طالب ہو اور وہ اُس کے بنانے سے باز رہے یا رہٹ اور نہر وغیرہ چلانے کا طلب گار ہو اور وہ دوسرا باز رہے تو اُس دوسرے کو مجبور کیا جا سکتا ہے۔ حالانکہ اُن کے سوا دوسروں کا قول یہ ہے کہ مجبور نہیں کیا جا سکتا موافق اُس تحریر کے جو اس بارہ میں منقول ہے۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ وہ بھلائی ہے جو واجب ہے۔

دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ یہ امر مستحب ہے کہ اگر چاہے تو کرے اور جو چاہے تو ترک کرے۔ اور پہلے قول کی یہ حدیث تائید کرتی ہے کہ (لا ضرر ولا ضرار) ترجمہ "اسلام میں نہ ضرر ہے (دوسرے کو نقصان دیکر اپنا فائدہ کرنا) اور نہ ضرار (دوسرے کو نقصان دینا اور اپنا کچھ فائدہ بھی نہ ہو)"، واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔

کتاب حوالہ کے بیان میں

مسائل اجماعیہ

علماء کا اسپر اتفاق ہے کہ جب انسان کا دوسرے پر کوئی حق ہو اور وہ ایسے شخص کی طرف حوالہ کر دے جسپر اس کا حق آتا ہو تو محال (وہ شخص جس کو کہا گیا کہ تو اپنا حق فلاں شخص سے لے لینا) پر واجب نہیں کہ اس حوالہ کو قبول کرے۔ اور امام داؤد کا قول یہ ہے کہ اُسے قبول کرنا لازم ہے اور جس کی طرف حوالہ کیا گیا ہے اُسے یہ درست نہیں کہ حوالہ قبول کرنے سے انکار کرے۔ یہاں تک مسائل اجماعیہ ختم ہوئے۔

مسائلِ اختلافیہ

پہلا مسئلہ امام ابوحنیفہ رحمہ اور امام شافعی رحمہ کا قول یہ ہے کہ جس کی طرف حوالہ کیا گیا ہے اُس کی رضامندی

معتبر نہیں اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ جب وہ شخص جس کی طرف حوالہ کیا گیا ہے اُس شخص کا دشمن ہو جسکو حوالہ کیا گیا ہے تو اُسے حوالہ کا قبول کرنا لازم نہیں اور ائمہ شافعیہ میں سے امام اصطخری رحمہ کا قول یہ ہے کہ جس کی طرف حوالہ کیا گیا ہے اُسے کسی حالت میں قبول کرنا لازم نہیں خواہ دشمن ہو یا نہ ہو اور امام داؤد رحمہ سے بھی یہی منقول ہے۔ پس پہلا قول اُس شخص پر مشدد ہے جس کی طرف حوالہ کیا گیا ہے اور دوسرا مفصل ہے اور تیسرا مخفف ہے۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ اُس میں ذمہ سے سبکدوش ہونے کی طرف سبقت ہے خواہ زبردستی ہو یا رضامندی سے اور امام ابو حنیفہ رحمہ کی روایت کی وجہ اس امر کا اندیشہ ہے کہ اگر دشمن کو اُس پر مسلط کیا گیا تو ضرر رسانی ہوگی اسطرح کہ حق کو زبردستی کے ساتھ طلب کریگا اور شفقت کچھ نہ کرے گا اور امام داؤد اور امام اصطخری کے قول کی وجہ یہ ہے کہ قرضخواہ نے مقروض کو غیر مقروض کی طرف حوالہ کرنے والا بنایا ہے تو ایسا ہوا کہ گویا حوالہ کرنے والا اُس سے جس کی طرف حوالہ کیا گیا ہے قرض مانگ رہا ہے لہذا اُس کو اختیار ہوگا کہ خواہ قبول کرے یا نہ کرے۔

دوسرا مسئلہ تمام علماء کا یہ قول ہے کہ قرض خواہ جب ایسے شخص کی طرف حوالہ کو قبول کرلے جو بخیل اور ٹال ٹول کرنے والا ہو تو حوالہ کرنے والا (یعنی مقروض اصلی) ہر حال میں بری الذمہ ہو جاتا ہے حالانکہ امام زفر رحمہ کا قول یہ ہے کہ وہ بری الذمہ نہیں ہوتا۔ پس پہلا قول حوالہ کرنے والے پر مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ پہلے قول کو دیندار اور ڈرنے والوں پر محمول کیا جاوے جو اپنے اوپر کا حق ہر اُس شخص کو دینے کی طرف سبقت کر لیتے ہیں جسکو اُن کی طرف حوالہ کیا جائے اور دوسرا قول اُن عوام پر محمول ہے جو اُن حقوق کے پورا کرنے کی طرف سبقت نہیں کرتے جو اُن پر لازم ہیں پس اُنکا ذمہ سے سبکدوش ہونا جب ہی ظاہر ہو سکتا ہے کہ جب حق کو تولنے لگ جائیں (ادا کرنے کے لئے) نہ صرف حوالہ کرنے سے۔

تیسرا مسئلہ امام شافعی رحمہ اور امام احمد رحمہ کا قول یہ ہے کہ جس کو حوالہ کیا گیا ہے وہ حوالہ کرنے والے سے پھر نہیں لے سکتا جبکہ اُس سے نہ ملا ہو جسکی طرف حوالہ کیا گیا تھا کسی صورت میں بھی خواہ مفلس ہو جانے کے ساتھ دھوکہ دے یا انکار کرے یا نہ دھوکہ دے حالانکہ اُن کے سوا دوسروں کا قول یہ ہے کہ وہ اُس سے دوبارہ مانگ سکتا ہے جس نے حوالہ کیا ہے جبکہ اپنا حق نہ لے سکا ہو۔ پس پہلا قول اُس شخص پر مشدد ہے جسکو حوالہ کیا گیا۔ اور دوسرا مخفف ہے۔

پہلے قول کی وجہ محال (جسکو حوالہ کیا گیا ہے) کی کوتاہی ہے کہ اُس نے محال علیہ (جسکی طرف حوالہ کیا گیا ہو) کے حال کی تفتیش کیوں نہ کرلی۔

دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ یہ بات منجملہ اُن اقوال کے ہے جو لوگوں پر پوشیدہ رہتے ہیں اور اُس نے جو اُس کی طرف حوالہ کو قبول کیا تھا تو صرف یہ گمان کر کے کہ اپنا حق اُس سے وصول کرلے گا اور ایسے گمان کا اعتبار نہیں ہے جس کا خطا ہونا ظاہر ہو۔ لہذا محیل (جس نے حوالہ کیا ہے) سے پھر لوٹ کر لے سکتا ہے تو یہ سمجھا جائے گا کہ گویا حق محیل سے منتقل ہوا ہی نہیں اور یہ قواعد شرعیہ کے موافق ہے۔ لہذا ہر شخص کے لئے جو کسی کو دوسرے کی طرف حوالہ کرے یہ مناسب ہے کہ حق ادا کرنے کی طرف جلدی کرے جب اُس محال علیہ (جس کی طرف حوالہ کیا گیا ہو) انکاری ہو جائے اور حکام کی طرف مقدمہ نہ لے جائے اس لئے کہ ذمہ سے خلاصی کی یہی صورت ہے اور امام ابو حنیفہ رحمہ نے بھی یہی فرمایا ہے اور اُن کے الفاظ یہ ہیں کہ جب کوئی کسی شخص کو کسی ایسے حق کا حوالہ کرے جو اُس پر لازم ہے پھر

محال علیہ (جس کی طرف حوالہ کیا گیا ہے) منکر ہو جائے، تو محیل (جس نے حوالہ کیا ہے) سے دوبارہ اپنے حق کا مطالبہ کرسکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتاب ضمان کے بیان میں

مسائل اجماعیہ

ائمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ ضامن ہونا درست ہے اور اس پر بھی کہ ہر اُس شخص کے بدن کا ضامن ہونا درست ہے جس پر کچہری میں حاضر ہونا واجب ہوا ور یہ اس وجہ سے کہ لوگ اس پر اتفاق کر چکے ہیں اور ضامن ہونے کی ضرورت پڑتی ہے۔ اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ ضامن جب اُس شخص کو جس کے بدن کا ضامن ہے جائے شرط میں حاضر کر دے تو وہ اپنے ذمہ سے بری ہو جاتا ہے اسی طرح اُس صورت میں کہ اُس جگہ حاضر کر دے جہاں کو صاحب حق پسند کرے مگر یہ کہ ہو درے اُس کے کوئی مانع تو اُس وقت مضمون کو سپرد کر دینا نہ سمجھا جائے گا۔ اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ ضمان درک جائز ہے لیکن امام شافعی رحمہ کے نزدیک یہ شرط ہے کہ قیمت کا قبضہ ہو چکا ہو کیونکہ تمام لوگ ہر زمانہ میں اس پر متفق رہے ہیں اور امام شافعی رحمہ کا ایک قول یہ ہے کہ ضمان درک صحیح نہیں کیونکہ یہ اُس شے کا ضامن ہونا ہے جو واجب نہیں ہوئی۔ یہاں تک مسائل اجماعیہ ختم ہوئے۔

مسائل اختلافیہ

پہلا مسئلہ ائمہ اربعہ کا قول یہ ہے کہ مضمون عنہ (جس کی طرف سے کوئی ضامن ہوا ہو) اگر زندہ ہو تو صرف کسی کے ضامن ہو جانے سے حق منتقل نہیں ہوتا (یعنی ضامن کی طرف) بلکہ اُس کے ذمہ حق باقی رہتا ہے جب تک وہ اُسے ادا نہ کر دے حالانکہ ابن ابی لیلی رحمہ اور ابن شبرمہ رحمہ اور ابو ثور رحمہ اور امام داؤد رحمہ کا قول یہ ہے کہ حق ساقط ہو جائے گا۔ پس پہلا قول ضامن کا ذمہ نہ چھوٹنے میں مشدد ہے اور دوسرا اُس میں مخفف ہے۔ اور پہلا قول اہل دین و صاحب تقویٰ پر محمول ہے اور دوسرا اُن کے سوا دوسروں پر۔ اور ہو سکتا ہے کہ اس کے برعکس ہو کیونکہ ضامن جب خدا تعالیٰ سے ڈرتا ہو تو گویا کہ صاحب حق اپنے حق کو پہونچ گیا۔ بخلاف اُس کے عکس کے (یعنی جب ضامن خدا تعالیٰ سے نہ ڈرتا ہو)

دوسرا مسئلہ ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ میت کا ذمہ اُس قرض سے بری نہیں ہوتا جس کا کوئی ضامن ہو گیا ہو یعنی صرف ضامن ہو جانے سے جس طرح زندہ شخص بری نہیں ہوتا۔ حالانکہ امام احمد کی دو روایتوں میں سے ایک یہ ہے کہ بری ہو جاتا ہے۔ پس پہلا قول میت پر مشدد اور چھوٹے درجہ کے عامی آدمیوں پر محمول ہے اور دوسرا اُس پر مخفف اور اُن لوگوں پر محمول ہے جو دیندار اور خدا تعالیٰ سے ڈرنے والے ہیں۔

تیسرا مسئلہ امام ابو حنیفہ رحمہ اور امام مالک رحمہ اور امام احمد رحمہ کا قول یہ ہے کہ مجہول شے کا ضامن

ہونا درست ہے اسی طرح اُس شے کا جو واجب نہ ہوئی ہو (یعنی ذمہ میں) حالانکہ امام شافعی رح کا مشہور قول یہ ہے کہ یہ درست نہیں جسطرح مجہول چیز سے بری الذمہ کرنا درست نہیں) پس پہلا قول مخفف اور دیندار تقوے والوں پر محمول ہے اور دوسرا قول مشدد اور اُن لوگوں پر محمول ہے جو پہلوں کی ضد ہیں یعنی وہ لوگ جو وعدہ کرکے خلاف کرتے ہیں۔

چوتھا مسئلہ امام مالک رح اور امام شافعی رح اور امام احمد رح اور امام ابو یوسف رح اور امام محمد رح کا قول یہ ہے کہ جب کوئی مرجائے اور اتنا مال نہ چھوڑے جس سے اُس کے اوپر کا قرضہ ادا کیا جاسکے تو اُس کی جانب سے ادا کردینا درست ہے۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رح کا قول یہ ہے کہ اُس شخص کی طرف سے ضامن ہونا صحیح نہیں۔ پس پہلا قول مخفف ہے اور اُس کی وجہ یہ ہے کہ ضامن ہونا بہترین کاموں میں سے ہے اور حدیث سے اِس کی تائید ہوتی ہے چنانچہ وارد ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اُس شخص پر نماز نہیں پڑھتے تھے جو مقروض مرتا تھا اور اُس کے ادا کرنے کی قابل مال نہ چھوڑتا تھا یہانتک کہ کوئی صحابی رضی یوں نہ کہتا تھا کہ نماز پڑھیے یا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور قرضہ کی ادائگی مجھ پر لازم ہے اور دوسرا قول مشدد ہے اور اُس کی وجہ لوگوں کی نظروں میں قرض لینے کی بُرائی کا بٹھانا ہے باینکہ احتمال ہے حدیث مذکور اس قائل کو نہ ملی ہو اور اس کی اصلی وجہ یہ ہے کہ مقروض لوگ کہیں اس بھروسہ پر قرضہ کی ادائگی میں سستی نہ کرنے لگیں کہ ہمارے بھائی اور دوست موجود ہیں کہ اگر کوئی ایسی ویسی بات ہوگی تو دوست اور بھائیوں پر ادا قرضہ کا حوالہ کردیا جائے گا۔

پانچواں مسئلہ ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ ضامن ہونا قرض خواہ کے قبول کرنے کے بغیر بھی صحیح ہے۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رح کا قول یہ ہے کہ یہ صرف ایک موقعہ میں صحیح ہے اور وہ یہ کہ مریض اپنے ورثہ سے کل سے یا بعض سے کہے کہ تم میرے اوپر جو قرض ہے اُس کے قرض خواہوں کے لئے ضامن ہوجاؤ حالانکہ قرض خواہ موجود نہ ہوں تو جائز ہے اگرچہ قرضہ کی تعیین نہ کی ہو اگر حالت تندرستی میں ایسا کہے تو ضامن پر کچھ بھی لازم نہ ہوگا۔ پس پہلا قول قرض خواہ کا ضمان کو قبول کرنا مشروط نہ ہونے کی وجہ سے مخفف ہے اور دوسرے میں کچھ تشدید ہے۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ یہ اپنے مسلمان بھائی کے حق کو ادا کرنا ہے پھر اگر قرض خواہ چاہے تو اُسے قبول کرے اور اگر چاہے نہ قبول کرے اور یہ قول اُن دیندار اہل تقویٰ کے ساتھ مخصوص ہے جو ثواب آخرت کے طالب ہیں۔ دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کے حق کو ادا کرنے کا موکد ہونا اُسی وقت ہوگا کہ جب قرض خواہ اس کو چاہے بھی۔ کیونکہ ہوسکتا ہے کہ شاید وہ اپنے یا مقروض کے اوپر کسی کا احسان لینے سے بچتا ہو۔ پھر دنیا اور آخرت دونوں میں مقروض کے ساتھ نرمی معاملہ برتے۔

چھٹا مسئلہ ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ جس پر دعوے کیا گیا ہو اس کی طرف سے کسی کا کفیل بدنی ہونا درست ہے۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رح کا قول یہ ہے کہ یہ صحیح نہیں۔ پس پہلا قول مکفول (جس کی طرف کفیل ہوا ہے) پر مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ یہی وہ طریقہ ہے جس سے اُس حق کا چھٹکارا ہوسکتا ہے جو اس کے بھائی مسلمان مکفول پر لازم ہے کیونکہ مقروض اگر بھاگ جائے گا تو وہ خود اس قرض کے لئے بھی مفر ہوگا جو مقروض پر لازم ہے (کیونکہ مقروض اُسے ادا نہ کرے گا لہذا حق عبد اُس کے ذمہ باقی رہے گا) اور اُس کے بھائی مسلمان کے مال کو

بھی (کیونکہ قرض خواہ کو اُس کا قرضہ نہ وصول ہوگا)۔
سرے قول کی وجہ اس بارہ میں کسی نص کا وارد نہ ہونا ہے۔ صرف مال اور قرضہ کا ضامن ہونا تو وارد ہے بدن کا نہیں

تواں مسئلہ

امام ابوحنیفہ رح اور امام شافعی رح کا قول یہ ہے کہ مکفول (جس کی ضمانت ہوئی ہو) اگر بھاگ جائے یا غائب ہو جائے تو کفیل پر صرف اُس کا حاضر کر دینا لازم ہے اور اُس پر مال لازم نہیں
ر جب مکفول کے غائب ہو جانے کی وجہ سے اُس کا حاضر کرنا دشوار ہو جائے تو امام اعظم ابوحنیفہ رح کے نزدیک کفیل
اتنی مہلت دیجائے گی جس میں وہ جا کر مکفول کو لاسکے پھر اگر اتنی مہلت کے بعد) نہ لایا تو اُسے قید رکھا جائے گا۔ یہانتک
سی طرح اُسے موجود کرادے۔ حالانکہ امام مالک رح اور امام احمد رح کا قول یہ ہے کہ جب اُسے نہ حاضر کریگا
مال کا ضامن ہوگا یعنی دینا پڑے گا۔ اور امام شافعی رح کے نزدیک کسی حالت میں مال کا تاوان لازم نہ آئیگا
ں پہلا قول کفیل پر مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔
لے قول کی وجہ یہ ہے کہ اُس نے مال دینے کو لازم نہیں کیا۔ البتہ صرف مقروض کو حاضر کرنا لازم کیا ہے اور بالخصوص
وقت کہ جب کفیل بہت محتاج ہو اور مکفول پر قرض بہت بھاری ہو۔ مثلاً ایک ہزار دینار (اشرفی) ہوں کیونکہ
ل بتلاتی ہے کہ اُس کی طرف سے کفیل ہرگز نہیں دیکھتا۔
وسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ کفیل جو اُسے حاضر کرنے کا ضامن ہوا ہے تو مکفول کو مدعی کے ہاتھ سے چھوڑانے کا
بب بنا ہے لہٰذا اُس پر اس قاعدے سے مال دینا ضروری ہوگا کہ سبب اور ذریعہ کو تاوان لازم آیا کرتا ہے
ر یہ کفیل کے لئے دینی اعتبار سے بہت احتیاط کو لئے ہوئے ہے۔ بالخصوص اگر وہ اُن معزز لوگوں میں سے ہو کہ جب
کسی واقعہ میں پڑ جائیں تو صاحب واقعہ اُس کی باربرداری کے لئے کافی ہو کیونکہ ذہن اسی طرف سبقت کرتا ہے
یسے لوگ جب کسی کے بدنی کفیل بنیں گے تو اپنی عادت سابقہ کی وجہ سے مال بھی دینے لگ جائیں گے۔

ٹھواں مسئلہ

امام ابوحنیفہ اور امام احمد رح کا قول یہ ہے کہ کفیل اگر یوں کہدے کہ اگر میں نے کل مقروض کو حاضر نہ کیا تو میں اُس حق کا ضامن ہوں جو اُس پر لازم ہے پھر اُس نے حاضر نہ کیا یا مقروض مرگیا تو
س حق کا ضامن ہوگا جو اُس پر لازم تھا۔ حالانکہ امام مالک رح اور امام شافعی رح کا قول یہ ہے کہ ضامن نہ ہوگا
س پہلا قول اُس شخص پر مشدد ہے جو مقروض کے حاضر کرنے کا ضامن ہوا تھا اور وہ اُن دیندار اہل تقوےٰ کے
تھ خاص ہے جو اُس کو پورا کر کے چھوڑتے ہیں جو کہدیتے ہیں۔ اور دوسرا قول اُس پر مخفف ہے اور وہ معمولی درجہ
ے لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے۔

اں مسئلہ

امام مالک رح اور امام شافعی رح اور امام محمد بن حسن رح کا قول یہ ہے کہ اگر کسی نے دوسرے پر ایکسو روپے کا دعوےٰ کیا تو ایک اور آدمی بولا کہ اس نے اگر کل یہ روپے نہ ادا کئے تو
ور روپے مجھ پر لازم ہیں۔ پھر اُس مقروض نے ادا نہ کئے تو اُس کفیل پر لازم نہ ہونگے۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رح
ر امام احمد رح کا قول یہ ہے کہ لازم ہونگے۔ پس پہلا قول اُس آدمی پر جس نے لازم کئے تھے بر تقدیر مقروض کے
دینے کے مخفف ہے اور دوسرا قول اُس پر مشدد ہے۔
لے قول کی وجہ یہ ہے کہ وعدہ ہے اور وفاء وعدے کا وجوب بڑے درجہ کے لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے لہٰذا وہ
مولی درجہ کے لوگوں پر محمول ہوگا جس طرح امام ابوحنیفہ رح اور امام احمد رح کا قول اُن لوگوں پر محمول ہے جو
ان میں کامل اور دیندار اہل تقوےٰ اور وفاءِ وعدہ کے وجوب پر عمل کرتے ہیں واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہٗ اتم۔

کتاب شرکت کے احکام میں

مسائل اجماعیہ

اماموں کا اسپر اتفاق ہے کہ شرکت عنان درست ہے صحیح ہے۔ صرف یہی مسئلہ اجماعیہ ملا ہے۔

مسائل اختلافیہ

پہلا مسئلہ امام شافعی رحمہ اور امام احمد رحمہ یہ فرماتے ہیں کہ شرکت مفاوضہ باطل ہے۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رحمہ کا قول یہ ہے کہ جائز ہے اور اس حکم جواز میں امام مالک رحمہ بھی امام ابوحنیفہ رحمہ کے شریک ہیں اگر اس کی صورت میں اختلاف ہے۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ اس میں ذمہ کا چھٹکارا نہیں کیونکہ اس کی صورت یہ ہے کہ دو شخص اپنی تمام ملکیت سونے اور چاندی میں شریک ہو جائیں اور ہر ایک کے پاس اُن دونوں میں سے صرف اسی قدر باقی رہجائے جسقدر دوسرے کے پاس رہا ہے۔ پس جب کسی کے پاس دوسرے سے مال بڑھ جائے گا تو صحیح نہ ہوگا۔ یہانتک کہ اگر ایک شخص اُن میں سے بطور وراثت کسی مال کا مالک ہو گیا تو شرکت باطل ہوئی کیونکہ اس کا مال دوسرے کے مال سے بڑھ گیا اور اُن میں سے جسکو تجارتی مال سے نفع حاصل ہوگا تو وہ نفع دونوں میں مشترک رہے گا اور اُن میں سے جو ایک غصب کرنے کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے ضمان دے گا تو اُس ضمان دینے میں دوسرا بھی شریک ہوگا شرکت مفاوضہ کی یہ صورت امام ابوحنیفہ رحمہ کے نزدیک ہے اور امام مالک رحمہ کے نزدیک اُس کے اندر درست ہے کہ ایک کا مال دوسرے کے مال سے بڑھ جائے اور یہ بھی کہ جو کچھ نفع ہو وہ بقدر ہر ایک کے مال کے تقسیم ہو اور اگر اُن میں سے ایک کو ضمان دینا لازم آجاوے تو اگر وہ مال تجارت سے متعلق ہے تو اُس میں دونوں کو شریک ہونا پڑے گا اور رہا غصب وغیرہ سو اُس میں نہیں اور امام مالک رحمہ کے نزدیک اُس میں بھی کچھ تفریق نہیں شرکتی مال اسباب ہو یا دراہم اور اس میں کہ اپنی تمام ملکیت میں دونوں شریک ہوں اور تمام مال کو تجارت میں لگا دیں یا بعض مال میں شریک ہوں اور اس میں بھی کچھ تفریق نہیں کہ دونوں اپنے اپنے مالوں کو اسطرح مخلوط کریں کہ ایک کا مال دوسرے کے مال سے ممتاز نہ رہے یا اپنے اپنے مال کو جمع کرکے اور بعد مشترک بنا لینے کے بھی ایک مال دوسرے سے ممتاز رہے۔ اور امام ابوحنیفہ رحمہ نے فرمایا ہے کہ شرکت اُسوقت بھی صحیح ہے کہ دونوں کا مال ایک ہی شخص کے ہاتھ میں ہو۔

دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ یہ شرکت اُس وقت صحیح ہونی چاہیے کہ جب ہر ایک اُن شرائط کو پورا کر دے کہ جن میں اُنھوں نے اپنے باہمی سے اتفاق کیا ہے اور یہ قول اُن لوگوں کے ساتھ خاص ہے جو کامل الایمان ہیں کیونکہ اُن کے نزدیک شرکتی مال کے اندر اس بارہ میں کوئی تفریق نہیں کہ وہ فلاں کے پاس رہے یا اُس کے پاس۔

وجہ یہ کہ) ہر ایک اپنے شریک کے ساتھ حسن ظن رکھتا ہے
پہلے قول کی وجہ اُس کا اُن لوگوں کے ساتھ مخصوص ہونا ہے جو پہلوؤں کی ضد ہیں کیونکہ اس قسم کے لوگ شرائط
متعلق علیہا کو کیونکر پورا کر سکتے ہیں تو امام شافعی رضہ اور امام احمد رضہ نے یہ خیال کرکے کہ انجام کار جھگڑا ہوگا
ہر ایک اسی کو پسند کرے گا کہ میں نفع میں رہوں نہ ٹوٹے میں اس شرکت کو باطل کہدیا۔ پس اسکو خوب سمجھلو

دوسرا مسئلہ — امام ابوحنیفہ رضہ اور امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ "شرکۃ وجوہ جائز ہے" حالانکہ امام شافعی رضہ اور امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ باطل ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ کسی کے پاس زر و مال کچھ
نہ ہو اور ایک شخص دوسرے سے کہے کہ ہم دونوں اسپر شرکت کرتے ہیں کہ ہم میں سے جو قرض اُدھار کچھ خریدے گا تو
اس میں دونوں شریک ہونگے اور جو کچھ اُس میں نفع ہوگا وہ نصفا نصفی کرلیں گے۔ پس پہلا قول مخفف ہے اور
اعلےٰ درجہ کے مومنوں کے ساتھ خاص ہے۔
اور دوسرا قول مشدد اور اُن معمولی درجہ کے لوگوں کے ساتھ خاص ہے جو آپس میں کسی امر پر اتفاق کرلیتے ہیں،
اور پھر پورا نہیں کرتے۔

تیسرا مسئلہ — امام مالک رضہ اور امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ شرکت عنان میں جب مال و پونجی دونو کی برابر ہو اور پھر دونوں میں سے ایک یہ شرط کرلے کہ دوسرے سے نفع میں زیادہ لونگا تو شرکت
فاسد ہوتی ہے۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ یہ شرط اُس وقت صحیح کہ شرط کرنے والا تجارت میں ماہر
اور کام زیادہ کرنے والا ہو۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے مع اس شرط کے جو مذکور ہوئی۔ اور امام
شافعی رضہ نے شرکت عنان صحیح ہونے میں یہ شرط قرار دی ہے کہ یا تو پونجی دونوں کی ایک ہی قسم سے ہو ورنہ دونوں
اسطرح مخلوط کرلیا ہو کہ ایک کا مال دوسرے کے مال سے ممتاز نہ ہوسکے اور اُن کے نزدیک دونوں کا مقدار
مال برابر ہونا شرط نہیں ہے۔ پس خوب سمجھلو۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔

کتاب وکالت کے بیان میں

مسائل اجماعیہ

اماموں کا اسپر اتفاق ہے کہ وکالت یجملہ اُن عقود کے ہے جو فی الجملہ جائز ہیں کیونکہ تمام وہ حقوق جن میں خود مرتکب
ہونے کا جواز ہے اُن میں وکالت درست ہے جس طرح فروخت کرنا خرید کرنا کرایہ پر دینا قرضوں کا ادا کرنا اور حقوق
مطالبہ میں جھگڑا کرنا اور نکاح کرنا اور طلاق دینا اور اُن کی مثل۔ اور ائمہ کا اسپر بھی اتفاق ہے کہ وکیل اگر اپنے
موکل کے نقصان کا اقرار کرلے اور کچہری سے یہ اقرار علیحدہ کسی جگہ ہو تو وہ کسی حالت میں مقبول نہ ہوگا۔ اسی طرح اسپر
بھی اتفاق ہے کہ وکیل اپنے موکل پر حدود اور قصاص میں کوئی اقرار کرے گا تو وہ بھی نامقبول ہوگا خواہ کچہری میں
ہو یا کسی اور جگہ۔ اسی طرح اسپر بھی اتفاق ہے کہ وکیل کے لئے یہ درست نہیں کہ مناسب قیمت سے زیادہ میں خریدے
یا نہ یہ کہ اُدھار خریدے اور مدت معین کردے (کہ فلاں تاریخ کو قیمت ملے گی)۔ اور اسپر بھی کہ مال تلف ہوجانے میں

وکیل کا قول معتبر ہوگا مگر مع قسم کے۔ یہانتک مسائل اجماعیہ اور اتفاقیہ ختم ہوئے۔

مسائل اختلافیہ

پہلا مسئلہ ائمہ ثلاثہ رض کا قول یہ ہے کہ کچہری میں وکیل کا موکل کے مضر اقرار صحیح نہیں۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ کا قول یہ ہے کہ صحیح ہے مگر یہ کہ موکل یہ شرط کرے کہ میرے مضر کوئی اقرار نہ کرے۔ پس پہلا قول مشدد اور معمولی لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے اور دوسرے قول میں تشدید ہے اور وہ اُن کامل مومنوں کے ساتھ ہے جو بہ نسبت اپنے آپ کے موکل سے زیادہ قریب ہیں اور اس میں دینی احتیاط ہے کیونکہ اس کے اندر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (کے محمود خلق) کی وراثت ہے اور ایسا شخص اپنے موکل پر صرف اُسی امر کا اقرار کرسکتا ہے جو موکل کے لئے افضل اور اکمل ہو۔

دوسرا مسئلہ امام شافعی رض اور امام مالک رض اور امام احمد رض کا قول یہ ہے کہ موجود شخص کا وکیل ہونا جائز ہے اگرچہ اُس کا مدمقابل راضی نہ ہو بشرطیکہ وکیل مدمقابل کا دشمن نہ ہو۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ کا قول یہ ہے کہ حاضر آدمی کی وکالت اسی وقت صحیح ہے کہ مدمقابل رضامند ہو مگر وہ صورت مستثنےٰ ہے کہ موکل بیمار یا تین روز کی مسافت پر سفر میں ہو کہ اس صورت میں جائز ہے۔ پس پہلا قول موکل پر مخفف اور مدمقابل پر مشدد ہے اور دوسرا قول اس کا عکس ہے۔

تیسرا مسئلہ امام مالک رض امام شافعی رض اور امام احمد رض کا قول یہ ہے کہ جب کسی نے کسی شخص کو اپنے حقوق وصول کرنے کا وکیل بنایا تو اگر یہ حاکم کے سامنے ہوا ہو تو درست ہے اور اس کے گواہوں کی حاجت نہیں خواہ کسی معین آدمی سے حق وصول کرنے کا وکیل بنایا گیا یا ایک جماعت سے اور اُس شخص کا موجود ہونا کوئی شرط نہیں جس سے حق کو وصول کیا جائے گا اور اگر مجلس حاکم کے سوا کسی اور جگہ وکیل بنایا ہو تو حاکم کے نزدیک گواہ قایم کر دیئے جائیں کہ اُس کی وکالت ثابت ہوسکتی ہے پھر جس سے مطالبہ کرنا ہے اُس کو حاکم کے نزدیک بلوایا جائے گا۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رض کا قول یہ ہے کہ اگر مدمقابل جس کے اوپر وکیل بنایا ہے ایک شخص ہے تو اُسی کا موجود ہونا شرط ہے اور اگر ایک جماعت ہے تو اُن میں سے ایک کا حاضر ہونا صحت وکالت کے لئے شرط ہے۔ پس پہلے قول میں تخفیف ہے اور وہ دینداران اہل تقویٰ کے ساتھ مخصوص ہے اور دوسرے قول میں تشدید اور اُن لوگوں کے ساتھ خاص ہے جن سے خوف ہے کہ وہ اپنے قول سے پھر جاویں۔

چوتھا مسئلہ امام مالک رض اور امام شافعی رض اور امام احمد رض کا قول یہ ہے کہ وکیل کو جائز ہے کہ اپنے کو موکل کے سامنے معزول کرے اور چاہے اُس کے پیچھے۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رض کا قول یہ ہے کہ وکیل کو صرف موکل کے سامنے اپنے کو معزول کرنا درست ہے۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرے میں تشدید ہے۔ پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ وکیل ہونا اس قبیل سے ہے کہ (فمن تطوع خیرا فھو خیر لہ) ترجمہ۔ پس جو شخص تطوع کرے بہتری کا تو یہ اُس کے لئے بہتر ہے۔ لہذا اُس پر کوئی الزام نہیں۔

اور دوسرے قول کی وجہ موکل کی دلداری اور اُس کے حق کو پورا کرنا ہے کیونکہ وکیل بنانے کے وقت وہ اس کے پاس تھا۔ وجہ یہ ہے کہ (اُس کے سامنے معزول ہونا) اس وعدہ کو سچا کرنا ہے جس کا خلاف صفات منافقین سے ہے۔

معزولی موکل کے سامنے ہونی چاہئے تاکہ اندازہ کر سکے کہ موکل اس سے ناراض ہوا یا راضی ہے۔

پانچواں مسئلہ

امام مالک رحؒ اور امام شافعی رحؒ کا قول یہ ہے کہ موکل کے لئے وکیل کو معزول کر دینا درست ہے اور وکیل معزول ہو جاتا ہے اگرچہ اُسے معزول کر دینے کی خبر نہ لگی ہو۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ کا قول اور امام احمد رحؒ کی دو روایتوں میں سے ایک روایت یہ ہے کہ جب خبر لگے گی اُسی وقت معزول ہوگا۔ پس پہلا قول موکل پر مخفف ہے۔ کیونکہ موکل نے جسطرح تبرعاً اُسے وکیل بنایا تھا۔ اسیطرح اُس کو جائز ہے کہ جب چاہے توکیل سے رجوع کر لے۔ اور دوسرے قول میں اُسپر تشدید ہے۔ مگر اس قول میں وکیل کے اُن تصرفات کے اندر جو وہ معزولیت سے قبل کر چکا ہوگا۔ موکل کے لئے دینی احتیاط بہت زیادہ ہے اور وکیل کی احتیاط نہیں ہے۔

چھٹا مسئلہ

امام مالک رحؒ اور امام شافعی رحؒ اور امام احمد رحؒ اور امام ابو یوسف اور امام محمد رحؒ کا قول یہ ہے کہ اگر کسی کو مطلق فروخت کرنے کا وکیل بنایا ہو تو یہ توکیل مناسب قیمت کے ساتھ فروخت کرنے کو مقتضی ہے (یعنی واقعہ میں اُس شے کی جسقدر قیمت ہوتی ہو) اور اس کو کہ اُسی شہر کے نقد کے ساتھ فروخت کرے اور اگر اُس نے اسقدر نقصان سے فروخت کیا کہ اسقدر نقصان سے لوگ نہیں فروخت کرتے یا اُدھار فروخت کیا یا اُن نقود کے بدلے میں فروخت کیا جو اُس شہر کے نہیں سمجھے جاتے تو یہ بیع صرف اُسی صورت میں جائز ہوگی کہ موکل اُس سے راضی ہو جائے۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رحؒ کا قول یہ ہے کہ وکیل کو جائز ہے جسطرح چاہے فروخت کرے نقد یا اُدھار اور غیر مناسب قیمت پر اور اتنے نقصان سے کہ اسقدر نقصان اور لوگ نہیں اُٹھاتے اور خواہ اُسی شہر کے نقود کے ساتھ فروخت کرے یا دوسرے شہر کے۔ پس پہلا قول مشدد اور اُس وکیل کے ساتھ مخصوص ہے جو اُن مصلحتوں میں کوتاہ نظر ہو جنکا فائدہ موکل کی طرف لوٹتا ہے۔

اور دوسرا قول مخفف اور اُن لوگوں کے ساتھ خاص ہے جو موکل کے مصالح میں کامل النظر ہوں کیونکہ ایسے لوگ موکل کے لئے صرف وہی تصرف کریں گے جو اُن کے مذہب میں نافع تر ہو اور نیز موکل نے رکھا کو مطلق رکھا اور مقید نہیں کیا تو جو ہی تصرف کرے گا جس کے اندر اپنی طرف سے خوب غور کر لے گا۔

ساتواں مسئلہ

امام مالک رحؒ اور امام شافعی رحؒ اور امام احمد رحؒ کا قول یہ ہے کہ جس شخص کے ذمہ کسی آدمی کا حق لازم ہو یا اُس کی کوئی معین شے ہو جو دوسرے نے بطور عاریۃً دی تھی یا اُس کے پاس امانت کے طور پر رکھدی تھی اُس کے بعد ایک تیسرا آدمی آیا کہ مجھے صاحب حق نے مجھے اُس حق کو لے لینے کا وکیل بنا دیا ہے اور اُس شخص نے جسپر حق لازم تھا اُس کی تصدیق بھی کر دی اور وکیل کے پاس گواہ بھی نہیں تو وہ شخص جسپر حق لازم ہے وکیل کو دینے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رحؒ اور اُن کے صاحبین رحؒ کا قول یہ ہے کہ مجبور کیا جا سکتا ہے مگر اُس حق کے دینے پر جو اُس کے ذمہ لازم ہے) اور رہی وہ معین شے سو امام محمد رحؒ کا قول یہ ہے کہ اُس کے دینے پر اسطرح مجبور کیا جائے گا جسطرح اُس دین ذمہ لازم ہو۔ پس پہلا قول معروض پر مخفف اور دوسرا افضل ہے اور ممکن ہے کہ پہلا قول کو دیندار متقی اور نیز محمول کیا جائے اور دوسرے کو اُن پر جنکو ادا حق دشوار گذرتا ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ اس کے برعکس ہو اور اس کی وجہ یہ ہے کہ حاکم لوگوں پر وہ تصرف کرتا ہے جن کو دین میں خلاصی دینے والا اور ذمہ سے بری کرنے والا پاتا ہے وجہ یہ کہ وہ لوگوں کے دینوں پر امین بنایا گیا ہے۔

آٹھواں مسئلہ

ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ وکالت کے گواہ مدمقابل کے پیچھے مسموع ہو سکتے ہیں۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رحؒ کا قول یہ ہے کہ صرف اُس کے سامنے ہی سنے جا سکتے ہیں۔ پس پہلا قول مخفف اور

اور دوسرا مشدد ہے۔
پہلے قول کی وجہ لوگوں کے احکام کو ظاہر پر جاری کرنا ہے کہ گواہ (بظاہر) جھوٹے نہ ہونگے اور مدمقابل حق کی ادائیگی میں توقف نہ کرے گا۔
دوسرے قول کی وجہ اُن تصرفات میں جو وکیل سے واقع ہوں احتیاط سے کام لینا اور اس امر کا ظاہر ہونا ہے کہ آیا مدمقابل اس وکیل کے مطالبہ (حقوق) سے رضامند ہے یا نہیں۔ کیونکہ کبھی وہ مدمقابل کا دشمن ہو اور پھر بہت سختی سے مطالبہ کرے۔

نواں مسئلہ امام مالک رضؓ اور امام شافعی رضؓ کے دو قولوں میں سے اظہر اور امام احمد رضؓ کی دو روایتوں سے اصح روایت یہ ہے کہ قصاص لینے میں مدمقابل کے پیچھے وکالت کرنا صحیح ہے۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رضؓ کا قول یہ ہے کہ مقابل کا سامنے ہونا ضروری ہے۔ پس پہلا قول مدعی پر مخفف اور مدعا علیہ پر مشدد ہے۔ اور دوسرا برعکس ہے۔
پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ قصاص کا حکم ایسا ہی ہے جیسا اور حقوق کا۔
اور دوسرے قول کی وجہ خونوں کے اندر احتیاط سے کام لینا ہے کیونکہ یہ اموال سے بڑھے ہوئے ہیں۔ کیونکہ اگر مدعا علیہ حاضر ہو تو ممکن ہے وہ ایسا کوئی جواب دے جس سے قصاص میں شبہ پڑ جائے اور اُس کی وجہ سے قصاص ہی ساقط ہو جائے۔

دسواں مسئلہ امام ابو حنیفہ رضؓ اور امام شافعی کا قول یہ ہے کہ وکیل کا اپنے آپ سے خرید لینا درست نہیں حالانکہ امام مالک رضؓ کا قول یہ ہے کہ وکیل کو اپنے آپ سے اپنے لئے خریدنا زیادہ قیمت کے ساتھ درست ہے۔ اسی طرح امام احمد رضؓ کی دو روایتوں میں سے اظہر یہ ہے کہ کسی حالت میں درست نہیں۔ پس پہلا قول مشدد اور اُن لوگوں پر محمول ہے جن سے خیانت کا خوف رہتا ہے اور اپنے واسطے پورے حصہ کا خیال کر لیتے ہیں نہ موکل کے لئے اور دوسرے قول میں تخفیف ہے اور وہ دیندار متقین لوگوں پر محمول ہے اور تیسرا قول بہت مشدد ہے اور اُن لوگوں پر محمول ہے جن کا متقی ہونا مشہور رہ چکا ہو اور وہ اپنے واسطے پورے حصہ کا لحاظ کر لیتے ہوں یہاں تک کہ تہمت اُن کے اندر قوی ہو گئی ہو۔ اور ہو سکتا ہے کہ یہ قول پہلے قول کی طرف رجوع ہو۔

گیارھواں مسئلہ امام احمد رضؓ اور امام ابو حنیفہ رضؓ کا قول یہ ہے کہ ایسے نابالغ کو وکیل بنانا صحیح ہے جو تمیز دار اور بلوغ کے قریب ہو حالانکہ امام مالک رضؓ اور امام شافعی رضؓ کا قول یہ ہے کہ صحیح نہیں۔
پس پہلا قول موکل پر مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔
پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ ایسا نابالغ مثل بالغ کے ہے باعتبار احاطہ اُمور دنیوی کے۔
دوسرے قول کی وجہ عادۃً ایسے لڑکے کا بالغ سے کم ہی ہونا ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

کتاب اقرار کے بیان میں

مسائل اجماعیہ

اماموں کا اس پر اتفاق ہے کہ جب آزاد بالغ شخص غیر وارث کے لئے کسی حق کا اقرار کرے تو اُس کا اقرار صحیح

ہوگا۔ پھر اُس کو اُس اقرار سے رجوع کرنا جائز نہ ہوگا اور قرضہ کا اقرار تندرستی اور بیماری ہر حالت میں یکساں ہے لہذا تمام اُن لوگوں کو جن کے لئے اقرار کیا ہوگا اُن کے حقوق کی بقدر دیا جائے گا۔ بشرطیکہ ترکہ انہیں بھرپور ہو یہ بالاجماع مسلم ہے۔ اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ اگر کوئی شخص دو بیٹے چھوڑ کر مرگیا پھر اُن دونوں میں سے ایک نے تیسرے کے بیٹے ہونے کا اقرار کیا اور دوسرے نے انکار کیا تو اُس کا نسب ثابت نہ ہوگا۔ اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ اقرار میں استثنار جائز ہے۔ کیونکہ وہ حدیث و قرآن میں موجود ہے اور کلام کے اندر مشہور ہے۔ پس یہ اتفاق جمیع ائمہ استثنار اگر جنس سے ہو تو صحیح ہے اور غیر جنس میں اختلاف ہے جو عنقریب آجائے گا۔ اسی طرح اسپر بھی اتفاق ہے کہ تھوڑے کا بہت سے استثنار کرنا درست ہے اور رہا اس کا عکس سو اُس میں اختلاف ہے جو عنقریب آجائے گا۔ یہاں تک مسائل اجماعیہ ختم ہوئے

مسائل اختلافیہ

پہلا مسئلہ ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ قرض کا اقرار تندرستی اور مرض دونوں حالتوں میں برابر ہے۔ پس اگر جو کچھ مال چھوڑا ہے وہ تمام قرض خواہوں کے قرضہ کو پورا نہ ہو تو جو کچھ ہے حصہ رسد باہم قرض خواہ تقسیم کرلیں۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رضؓ کا قول یہ ہے کہ تندرستی کے زمانہ کے قرض خواہ حالت بیماری کے قرض خواہوں پر مقدم رکھے جائیں۔ پس پہلا قول قرض خواہوں پر اُن کو برابر درجہ میں رکھنے کی وجہ سے مخفف ہے۔ اور دوسرا قول حالت بیماری کے قرض خواہوں پر مشدد ہے۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ زمانہ تندرستی کے قرض خواہوں کا حق مقروض کے معین مال کے ساتھ بیماری سے پہلے متعلق ہوچکا پھر جب حالت بیماری میں دوسرے شخص کے لئے اقرار کیا تو اُس کا بھی معین مال کے ساتھ حق متعلق ہوگا۔ پس اُس مقروض کا ذمہ دونوں کے قرض میں گھر گیا۔ لہذا اُن دونوں میں سے ایک کو دوسرے سے بہتر نہیں کہہ سکتے۔

دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ زمانہ تندرستی میں مقروض کے معین مال کے ساتھ حق متعلق ہوچکا تو اب وہ مال اپنے اوپر دوسرے کے حق کو اُسی وقت قبول کرسکتا ہے کہ پہلے کا حق پورا ادا کردیا جائے۔ پس اسکو خوب جان لو۔

دوسرا مسئلہ امام ابوحنیفہ رضؓ اور امام احمد رضؓ کا قول یہ ہے کہ مریض کا اپنے وارث کے لئے اقرار معتبر نہیں۔ حالانکہ امام شافعیؒ کے دو قولوں میں سے اصح قول یہ ہے کہ قبول کیا جائے (یعنی معتبر ہے) اسیطرح امام مالک رضؓ کا قول یہ ہے کہ اگر اُسکو تہمت نہ لگتی ہوگی تو اقرار ثابت رہے گا ورنہ نہیں۔ اُس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص کی بیٹی اور بھتیجا ہے تو اس صورت میں اگر وہ بھتیجے کے واسطے اقرار کرے تو متہم نہیں ہوگا اور اگر بیٹی کے لئے اقرار کرے گا تو متہم ہوگا۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے اور تیسرا مفصل۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کبھی کسی وارث کے لئے مال کا اقرار اس وجہ سے کیا جاتا ہے کہ تاکہ دوسرا وارث اُس مال سے محروم رہجائے اور یہ کسی عداوت کی وجہ سے جو اُن دونوں میں ہوتی ہے۔

دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ کبھی وارث کا آدمی پر کوئی حق بھی ہوتا ہے تو وہ اس غرض سے اقرار کرتا ہے تاکہ اپنے ذمہ کو بری کرے۔

تیسرے قول کی وجہ اُن حالتوں پر محمول کرنا ہے جو پہلے دو قولوں میں گذری۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

تیسرا مسئلہ امام ابوحنیفہ رضؓ کا قول یہ ہے کہ جس نے اقرار کیا وہ اُس شخص کے ساتھ نصف مال میں شریک

کیا جائے گا جس کا نسب ثابت نہ ہوا ہو۔ اور اس کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص دو بیٹے چھوڑ کر مر گیا پھر اُن دونوں میں سے ایک نے اقرار کیا کہ ایک بیٹا تیسرا بھی ہے اور دوسرے نے اُس کا انکار کیا تو پس نسب تو اُس کا ثابت نہ ہوا (مگر) مقر کو لازم ہوگا کہ جسقدر مال اُس کے قبضہ میں آیا ہے اُس کا نصف تیسرے کو دے حالانکہ امام مالک رحمۃ اور امام احمد کا قول یہ ہے کہ اُس کو مال مقبوض میں سے ایک تہائی دینا چاہئے کیونکہ اگر اُس کا نسب ثابت ہو جاتا (اسطرح کہ دوسرا بھائی بھی اقرار کر لیتا یا اُسپر گواہ قایم ہو جاتے) تو صرف اسیقدر اُس کو حصہ ملتا (لہٰذا اب بھی دینا ہی ملے گا)۔ اسی طرح امام شافعی رحمۃ کا قول یہ ہے کہ اقرار اصلاً صحیح نہیں اور وراثت میں سے کچھ بھی نہیں لے سکتا کیونکہ اُس کا نسب ہی ثابت نہ ہوا۔ پس پہلا قول مقر رض پر مشدد اور دوسرے میں اُسپر تخفیف اور تیسرا مخفف ہے۔

چوتھا مسئلہ امام ابو حنیفہ رحمۃ کا قول یہ ہے کہ اگر بعض وارثوں نے میت پر قرضہ کا اقرار کیا اور باقی ورثا نے اُس کی تصدیق نہ کی تو جنہوں نے اقرار کیا ہے تو اُنپر پورا قرض لازم ہوگا حالانکہ امام مالک رضؓ اور امام احمد رضؓ کا قول اور امام شافعی رحمۃ کے دو قولوں میں سے ایک قول یہ ہے جو مشہور ہے کہ اُنپر صرف اتنا قرض دینا لازم ہوگا جو بقدر حصہ وراثت کے ہوگا (یعنی جسقدر حصہ وراثت سے اُنہیں ملا ہے اُسی کے حساب سے قرض دینا ہوگا) پس پہلا قول مقر پر مشدد اور دوسرا اُس پر مخفف ہے۔
پہلے قول کی وجہ کہ اقرار کنندگان ہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے قرض خواہوں کو (اپنا قرض لینے کے لئے) بقیہ وارثوں پر مسلط کیا ہے (اسطرح کہ غیر کے قرضہ کا میت پر اقرار کر لیا) لہٰذا اُن کو سزا دیجائے گی کہ کل قرضہ وہی ادا کریں دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ اُنکا اقرار صرف اُسی قدر میں معتبر ہوگا جسقدر اُنکو حصہ وراثت ملا ہے۔ (نہ دوسرے ورثا پر)

پانچواں مسئلہ امام ابو حنیفہ رضؓ کا قول یہ ہے کہ غیر جنس سے استثنار کرنا صحیح ہوتا ہے بشرطیکہ وہ شے ایسی ہو کہ اُس کا ثبوت ذمہ ہو سکے جس طرح مکیل (وہ چیز پیمانہ سے لیجاتی ہو) اور موزون (جو وزن کی جاتی ہو) اور معدود (جو عدد سے دی لی جائے) مثلاً یوں کہے کہ ایکہزار درہم ہیں مگر ایک بوری گیہوں (کہ یہ مستثنیٰ ہیں) اور وہ چیز ایسی ہے کہ صرف قیمت ہی کے ذریعہ سے اُسکا ذمہ ثبوت ہو سکتا ہے جسطرح تھان (کپڑے کا) یا غلام تو اُسکا استثنار صحیح نہیں۔ حالانکہ امام مالک رضؓ اور امام شافعی رحمۃ کا قول یہ ہے کہ غیر جنس سے استثنار کرنا مطلقاً صحیح ہے۔ اسی طرح ظاہر کلام امام احمد رضؓ کا یہ ہے کہ صحیح نہیں۔ پس پہلے قول میں تخفیف ہے کیونکہ اُس میں تفصیل ہے اور دوسرا مخفف اور تیسرا مشدد ہے اور ان تمام اقوال کی وجوہ ذکی آدمی پر ظاہر ہیں۔

چھٹا مسئلہ ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ اکثر کا اقل سے استثنار کرنا صحیح ہے۔ حالانکہ امام احمد رضؓ کا قول یہ ہے کہ صحیح نہیں۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے اور دونوں قولوں کی وجہ ظاہر ہے

ساتواں مسئلہ ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ اگر کسی نے کہا کہ فلاں شخص کے میری ہمیانی میں ایکہزار درہم ہیں، یا بوریوں میں دس رطل کھجوریں ہیں، یا رومال میں ایک تھان ہے کپڑے کا) تو یہ دراہم اور تھان اور کھجوروں کا تو اقرار ہے مگر ظروف کا (جن کے اندر وہ اشیا رکھی ہیں یعنی بوری، رومال، ہمیانی) اقرار نہیں۔ حالانکہ اہل عراق کا قول یہ ہے کہ تمام اشیا اُسی کی ہونگی (جس کے لئے اقرار کیا ہے) پس پہلا قول مقر پر مخفف اور دوسرا اُسپر مشدد ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ پہلے قول کو اُن سخی اور اہل عنایت لوگوں پر محمول کیا جائے جو ظروف کا مطالبہ نہیں کرتے اور دوسرا اُن بخیلوں پر جو ظروف کے دیدینے کی سخاوت نہیں کرتے۔

آٹھواں مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ اگر کسی ایسے غلام نے جسکو تجارت کرنے کی اجازت (مولی کی طرف سے نہیں دیگئی) اُس قسم کے حق کا اقرار کیا جس کی وجہ سے اُس کے بدن کو تکلیف اور سزا پہونچائی جائے۔ مثلاً یہ کہ میں نے فلاں شخص کو قصداً قتل کر دیا ہے، یا زنا کیا ہے، یا چوری کی ہے، یا تہمت لگائی ہے، یا شراب نوشی کی ہے تو اُسکا اقرار مقبول ہوگا۔ اور جس امر کا اقرار کیا ہو گا اُسی کے مطابق (غلام کو) حد ماری جائے گی۔ حالانکہ امام احمد رح کا قول یہ ہے کہ قصداً قتل کرنے کا اقرار قبول نہ کیا جائے گا۔ اور یہی قول امام مزنی رح اور محمد بن حسن رح اور داؤد کا ہے کہ جسطرح مال کے اندر مقبول نہیں ہوتا سوائے زنا اور چوری کے کہ اِن کے اندر قبول کیا جائے گا۔ پس پہلا قول غلام پر مشدد ہے اسی طرح سید (مولی پر) اور دوسرے میں دونوں پر تخفیف ہے۔ پہلے قول کی وجہ اس اقرار کا قواعد شرعیہ کے موافق ہونا ہے۔
دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ کبھی غلام نے قصداً قتل کا جھوٹا اقرار کیا ہو اور غرض اِس سے خدمت وغیرہ کے بارے تنگدستی سوچی ہو اور مولی اُس پر رحم اور شفقت نہ کرتا ہو۔

نواں مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ اگر کسی گواہ نے شہادت دی کہ زید کے عمرو پر ایکہزار درہم لازم ہیں اور دوسرے گواہ نے شہادت دی کہ دو ہزار لازم ہیں تو ایک ہزار کا ثبوت ہو جائے گا کیونکہ دو شخصوں نے ایکہزار کی شہادت دی اب رہا دوسرا ہزار سو وہ اُس وقت تک ثابت نہ ہوگا جب تک زید اُس شخص کے ساتھ ملکر قسم نہ کھائے جس نے دو ہزار کی شہادت دی ہے۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رح کا قول یہ ہے کہ زید کے لئے اُس شہادت سے کچھ بھی ثابت نہ ہوگا۔ کیونکہ اُن کے نزدیک ایک گواہ اور قسم سے فیصلہ ناجائز ہے۔ پس پہلے قول میں تخفیف اور دوسرا اشد ہے۔ اور پہلے قول کی وجہ تو ظاہر ہے اور دوسرے قول کی وجہ اس بارہ میں شارع علیہ السلام سے کسی نص کا وارد نہ ہونا ہے۔ باری تعالی کا ارشاد ہے کہ (و استشھدوا شھیدین من رجالکم) ترجمہ "اور گواہ بناؤ دو گواہ اپنے مردوں میں سے"، اور آگے فرماتے ہیں (فان لم یکونا رجلین فرجل وامرءتان) ترجمہ "پس اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں بھی" (کافی ہیں) اور یہ نہ فرمایا کہ (ای رجل و) یعنی وہ بھی نہ ہو تو ایک مرد اور ایک قسم بھی کافی ہے۔

کتاب امانت رکھنے کے بیان میں

مسائل اجماعیہ

تمام اماموں کا اسپر اتفاق ہے کہ امانت رکھنا مستحب اور سبب تقرب ہے اور اُس کی حفاظت کرنے میں ثواب ہوتا ہے۔ اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ وہ خالص امانت ہوتی ہے۔ اور اسپر بھی کہ جس کے پاس رکھی گئی ہو اُس پر ضمان (ڈانڈ) صرف اُسوقت لازم آتا ہے کہ جب اُس نے دست اندازی کی ہو۔ اور اسپر بھی کہ تلف ہو جانے اور واپس دیدینے میں مطلقاً اُسی شخص کا قول معتبر ہے (جس کے پاس رکھی گئی ہے) مگر قسم کے ساتھ۔ اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ صاحب امانت جسوقت اُسے طلب کرے تو امانتی آدمی کو اُسی وقت لوٹانا واجب ہے مگر بشرط امکان ورنہ (اگر باوجود

امکان نہ کو ٹائے) تو ڈانڈ دینا پڑے گا۔ اور اسپر بھی کہ جب مالک نے اُسے طلب کیا تو اُس نے جواب میں کہا کہ تو نے میرے پاس کچھ امانت نہیں رکھی اس کے بعد کہنے لگا کہ وہ تو ضائع ہو گئی تو امانتی کو ڈانڈ دینا ہو گا کیونکہ وہ حد امانت سے باہر ہو گیا۔ اور اگر امانتی جواب میں یہ کہتا کہ تو میرے پاس سے کسی چیز کا استحقاق نہیں رکھتا اُس کے بعد کہتا کہ وہ تو ضائع ہو گئی تو امانتی ہی کا قول معتبر ہوتا مگر مع قسم کے۔ یہانتک مسائل اجماعیہ ختم ہوئے۔

مسائل اختلافیہ

پہلا مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ اگر امانتی شخص نے جب امانت کا قبضہ کیا تھا تو مالک کی طرف سے گواہ موجود تھے تو اب اگر وہ یہ کہے کہ میں واپس دے چکا ہوں تو اُس کا قول بلا گواہ معتبر ہوگا۔ حالانکہ امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ بغیر گواہوں کے معتبر نہ ہوگا۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔ پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ صاحب امانت نے امانت رکھتے وقت امانتی کو امین سمجھا ہے لہذا اُس کا مقتضی یہ ہے کہ واپس دینے کا اُس کا قول معتبر اور مقبول سمجھے۔

دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ کبھی ایسا بھی ممکن ہے کہ اُس وقت تو امین تھا مگر بعد میں خائن ہو گیا ہو۔ اس لئے واپس نہ دینے کا جھوٹا دعوے کرتا ہو اور دینداری میں کم ہو گیا ہو۔

دوسرا مسئلہ امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ امانتی شخص نے اپنے پاس کسی کے دنانیر یا دراہم امانت رکھے بعد میں اُنہیں خرچ یا تلف کر دیا پھر اُن کی بجائے اُنہیں جیسے دوسرے اُن کی جگہ امانت میں رکھ دیئے اور اتفاق سے وہ اُس کے تصرف کے بغیر تلف ہو گئے تو امانتی پر ڈانڈ لازم نہیں کیونکہ امام مالک رضہ کے ایک امانتی شخص امانت کے دنانیر یا دراہم یا گیہوں انکی مثل کے ساتھ مخلوط کر دے اسطرح کہ یہ بھی تمیز نہ کر سکے کہ امانت کے کونسے درہم یا دنانیر یا گیہوں ہیں اور غیر امانت کے کونسے تو بر تقدیر امانت تلف ہو جانے کے امام موصوف کے نزدیک اُسپر ڈانڈ لازم نہیں۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر امانت کو بعینہ واپس کر دے تو ڈانڈ نہیں ہوتا اور اگر اُن کی مثل واپس کرے تو ڈانڈ اُس کے اوپر لازم ہے اسی طرح امام شافعی رضہ اور امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ ہر صورت میں محض امانت میں سے نکالنے کی وجہ سے ضامن ہوگا۔ کیونکہ اُس نے بددیانتی اور دست درازی کی اور اُس سے ڈانڈ ساقط نہ ہوگا خواہ اُن کو حفظ امانت کے مقام پر بعینہ واپس کر دے یا اُن کی مثل کو رکھے پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مفصل اور تیسرا مشدد ہے اور تینوں اقوال کی توجیہات ظاہر ہیں۔

تیسرا مسئلہ امام شافعی رضہ اور امام مالک رضہ اور امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ جب کسی نے غیر نقد امانت رکھا مثلاً کپڑا یا چوپایہ اس کے بعد امانتی شخص اُس کو اپنے استعمال میں لے آیا پھر استعمال کر کے دوسری جگہ واپس کر کے رکھدیا تو اگر چوپایہ پر سوار ہوا اور پھر واپس کر دیا پس صاحب امانت کو اختیار رہے گا کہ چاہے امانتی آدمی سے اُس چوپایہ کی قیمت کا ڈانڈ لے لے اور چاہے اُس کے سوار ہونے کا کرایہ لے۔ قاضی عبدالوہاب نے فرمایا ہے کہ امام مالک رضہ نے اُس صورت میں کوئی حکم نہیں فرمایا کہ اگر وہ امانت اپنے مقام میں واپس کر دیگر کے بعد تلف ہو جائے (تو کیا حکم ہے) اور نہ یہ بیان فرمایا کہ کپڑے کو اگر پہن لے اور پرانا نہ کر دے پھر اُسے

اپنی حفاظت کی جگہ واپس کر دے پھر فرمایا کہ جو کچھ میرے دل میں آتا ہے وہ یہ ہے کہ جو چیز منجملہ اُن اشیاء کے ہو جو وزن کی جاتی ہیں نہ پیمانہ سے لی دی جاتی ہیں جیسے چوپائے اور کپڑے اور پھر اُن کو امانتی آدمی استعمال میں لے آئے تو اُسکی قیمت لازم آئے گی نہ مثل کیونکہ وہ شخص استعمال کی وجہ سے اُس دست و تعدی کا مرتکب ہو جائے گا جو امانت سے بالکل باہر ہے پس اُس کا پھر مقام امانت میں رکھدینا ڈانڈ کو ساقط نہیں کر سکتا۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رح کا قول یہ ہے کہ جب اُس امانت میں تعدی کی اور پھر وہ بعینہ رکھدی اُس کے بعد وہ خود تلف ہو گئی تو امانتی شخص اُس کا ضامن نہ ہوگا پس پہلے قول میں تفصیل ہے کہ ایک اعتبار سے اُس میں تخفیف اور ایک اعتبار سے تشدید ہے اور تیسرا قول صاحب امانت پر مشدد ہے۔

چوتھا مسئلہ امام مالک رح اور امام ابوحنیفہ رح اور امام احمد رح کا قول یہ ہے کہ اگر امانتی صاحب امانت کے گھر میں اُس کی اُس اولاد کو امانت دیدے جن کا خرچ اُسپر واجب ہے اگرچہ بلا عذر ہی ایسا کیا تو امانتی ضامن نہ ہوگا کیونکہ اُن کو دینا ایسا ہے جیسا خود صاحب امانت کو دینا۔ حالانکہ امام شافعی کا قول یہ ہے کہ امانتی نے بغیر عذر وہ امانت کسی اور کے پاس امانت رکھدی تو وہ ضامن ہوگا پس پہلا قول مخفف اور اُس صورت کے ساتھ مخصوص ہے کہ اولاد دیندار امانت دار ہو۔ اور دوسرا قول مشدد اور اُس صورت کے ساتھ مخصوص ہے کہ جب اولاد اہل خیانت میں سے ہو۔

کتاب عاریۃً دیدینے کے بیان میں

مسائل اجماعیہ

اماموں کا اسپر اتفاق ہے کہ عاریۃً دیدینا امر پسندیدہ ہے اور دیدینے والے کو ثواب ہوتا ہے۔ صرف یہی مسئلہ اجماعیہ ملا۔

مسائل اختلافیہ

پہلا مسئلہ امام شافعی رح اور امام احمد رح کا قول یہ ہے کہ مانگی ہوئی چیز کا ضمان مانگنے والے پر بہر صورت لازم ہوتا ہے خواہ دست درازی کرے یا نہ۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رح اور امام صاحب کے اصحاب کا قول یہ ہے کہ وہ ہر حالت میں امانت ہوتی ہے کہ بغیر دست درازی کے اُس کا ضمان لازم نہیں۔ پس پہلا قول مشدد ہے اور اس میں دینی احتیاط بہت زائد ہے اور وہ اُن بڑے درجہ کے مومنوں کے ساتھ مخصوص ہے جو اُس کو بدلہ دیتے ہیں جس سے کوئی چیز عاریۃً لیتے ہیں اور اُس کا احسان سر پر نہیں لیتے۔ اور دوسرے قول میں تخفیف ہے اور وہ معمولی درجہ کے لوگوں کے ساتھ خاص ہے اور پہلے قول کی تائید اُن احادیث صحیحہ سے ہوتی ہے جو وارد ہوئی ہیں۔

دوسرا مسئلہ امام حسن بصری رضہ اور امام ثوری رضہ اور امام اوزاعی رضہ اور امام نخعی رضہ کا قول یہ ہے کہ تلف ہوجانے میں عاریۃً دینے والے کا قول معتبر ہے۔ حالانکہ امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ جب عاریۃ کے مال کا ہلاک ہوجانا ثابت ہوجائے تو عاریۃ لینے والا اُس کا ضامن نہ ہوگا خواہ وہ مال کپڑے ہوں یا جانور یا زیورات وہ مال ظاہر ہو یا پوشیدہ اور امام مالک رضہ سے اظہر روایت یہ ہے کہ عاریۃ لینے والا اگر تعدی اور دست درازی کرے تو ضمان لازم ہوگا۔ اسی طرح قتادہ رضہ وغیرہ کا قول یہ ہے کہ وہ ضامن نہ ہوگا مگر اُس وقت کہ عاریۃ دینے والا لینے والے سے ضمان کو شرط کرلے۔ پس اگر شرط نہ کیا تو اُس پر ضمان لازم نہ ہوگا۔ پس پہلا قول عاریۃً لینے والے پر تخفیف ہے اور دوسرے میں تخفیف قلیل ہے اور تیسرا مفصل ہے اور تینوں اقوال کی وجوہ ظاہر ہیں۔

تیسرا مسئلہ امام ابوحنیفہ رضہ اور امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ جب کسی نے کوئی چیز عاریۃ لی تو اُسے جائز ہے کہ وہ چیز دوسرے کو عاریۃً دیدے اگرچہ مالک نے اُسے اجازت نہ دی ہو۔ بشرطیکہ وہ شے ایسی ہو کہ استعمال کرنے والوں کے اختلاف سے اُس میں کچھ فرق نہ آجائے حالانکہ امام احمد رضہ کا قول اور امام شافعی رضہ کی دو روایتوں میں سے اصح یہ ہے کہ عاریۃ لینے والے کو یہ جائز نہیں کہ وہ چیز کسی اور کو عاریۃ دیدے اور امام شافعی رضہ کے واسطے اس بارہ میں کوئی تصریح نہیں پس پہلا قول مخفف اور دیندار متقین کے ساتھ مخصوص ہے یا اُن لوگوں کے ساتھ جو اخوت اسلامی کے حقوق پورے کرنے والے ہیں اور اپنے بھائیوں سے کسی ایسی چیز میں بخل نہیں کرتے جو اُن کے لئے نافع ہوتی ہے۔ اور دوسرا قول مشدد اور بخیلوں کے ساتھ مخصوص ہے۔

چوتھا مسئلہ امام ابوحنیفہ رضہ اور امام شافعی رضہ اور امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ عاریۃً دینے والے کو جائز ہے کہ اپنا مال (عاریۃ دیا ہوا) جس وقت چاہے واپس لے لے چاہے تو عاریۃ لینے والے کے قبضہ کرتے ہی لے لے اگرچہ لینے والے نے ابتک اُس سے نفع بھی نہ اٹھایا ہو۔ حالانکہ امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر وہ کسی مدت معینہ تک کے واسطے لے تو پھر عاریۃ دینے والے کو جائز نہیں کہ اُس مدت کے گذرنے سے پہلے واپس لے۔ اور عاریۃ دینے والے کو یہ جائز نہیں کہ لینے والے نے اگر ابتک اُس سے نفع نہ اٹھایا ہو تو اُس سے مانگ لے۔ امام مالک رضہ نے فرمایا ہے کہ عاریۃ دینے والے کو جائز نہیں کہ اُس نے کوئی زمین عمارت بنانے یا درخت لگانے کے لئے دی ہو۔ اور اُس میں عمارت بنا بھی لی ہو اور درخت لگا بھی دیے ہوں تو اب اُسے واپس لے لے۔ بلکہ مالک زمین کو یہ درست ہے کہ عاریۃ زمین لینے والے کو اُس کا خرچہ دیدے یا اُسکو اکھاڑ لینے کا حکم کردے بشرطیکہ اکھاڑے ہوئے سے نفع اُٹھا سکے اور اگر اُس نے زمین ایک معینہ مدت تک کے لئے لی ہو تو مالک زمین کو یہ جائز نہیں کہ مدت معینہ گذرنے سے پہلے واپس لے لے۔ اور جب مدت گذر جائے تو عاریۃ دینے والے کو اختیار ہے جیسا کہ گذرا۔ اسی طرح امام ابوحنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر زمین لینے والے نے کوئی وقت معین کردیا تھا تو مالک کو جائز ہے کہ اُسے مجبور کرے کہ جس وقت وہ پسند کرے اُس وقت عمارت یا درخت اُکھیڑ لے اگرچہ شرط نہ کیا تھا۔ پھر اگر عاریۃ لینے والا اُکھیڑنے کو پسند کرے تو اُکھیڑ لے اور اگر نہ پسند کرے تو عاریۃ دینے والے کو اختیار ہے کہ خواہ اُس کی قیمت دا کرکے مالک ہوجائے اور یا اُکھڑوا دے اور نقصان کا تاوان دیدے اور اگر مالک زمین پسند نہ کرے تو نہ اُکھڑوا دے۔ بشرطیکہ ــــ پس پہلا قول مخفف اور قواعد شرعیہ کے موافق ہے اور وہ معمولی درجہ کے لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور دوسرے قول میں مالک پر تشدید ہے۔ حالانکہ وہ اپنے اموال میں تصرفات کا خود مختار ہے اور تیسرا قول مفصل ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہٗ اتم۔

کتاب غصب کے بیان میں

مسائل اجماعیہ

اماموں کا اس پر اتفاق ہے کہ غصب کرنا حرام ہے اور غاصب گنہگار ہوتا ہے۔ اور اس پر بھی کہ اگر بعینہ غصب کی ہوئی چیز موجود ہو تو اسے اصل مالک کی طرف لوٹانا واجب ہوتا ہے بشرطیکہ اُس معین شے مغصوب کے نکالنے سے جان کے تلف ہونے کا خطرہ نہ ہو۔ اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ اگر غاصب نے شے مغصوب کو چھپا لیا اور دعوے کیا کہ وہ تو ہلاک ہو گئی پھر اُس سے مالک نے قیمت لے لی بعد میں ظاہر ہوا کہ مغصوب شے موجود ہے تو اُسی شے کو لے لے اور قیمت واپس دیدے۔ اور تمام اماموں کا سوا ایک روایت امام احمد رحمۃ کے اس پر اتفاق ہے کہ اسباب اور جانور اور ہر وہ چیز جو مکیل اور موزون نہ ہو جب کوئی غصب کرے اور پھر وہ تلف ہو جائے تو غاصب کو اُس کی قیمت دینی ضروری ہوگی۔ اور اگر مکیل یا موزون ہو تو اُس کی مثل دینی لازم ہوگی اگر مل سکے۔ اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ جب کوئی لکڑی غصب کر کے لیجائے اور پھر اُس کو کشتی میں لگا دے اُس کے بعد مالک لکڑی اُس کو مانگے جبکہ وہ دریا کے بھنور میں پھنس رہی ہو تو غاصب کو (اُسی دم) نکالکر دینا لازم نہیں۔ اور امام شافعی رحمۃ سے منقول ہے کہ اُس پر واجب ہے کہ اُسی دم نکالکر دے تو وہ اُس صورت پر محمول ہے کہ جان کے تلف ہونے کا اندیشہ نہ ہو اور نہ مال کے۔ یہاں تک مسائل اجماعیہ ختم ہوئے۔

مسائل اختلافیہ

پہلا مسئلہ امام مالک رحمۃ کا مشہور قول یہ ہے کہ جس نے کسی انسان کے مال پر خیانت کی جس کی وجہ سے مالک کی اُس مال سے جو غرض تھی وہ فوت ہو گئی تو خیانت کرنے والے پر اُس کی قیمت دینی لازم ہوگی اور اُس شے کا خود مالک ہو جائے گا امام مالک نے فرمایا کہ اس حکم کے اندر سواری اور غیر سواری میں کوئی تفریق نہیں اور نہ اس میں کوئی تفریق ہے کہ قاضی کے گدھے کی دُم کاٹ ڈالے یا اُس کا کان یا اُن کے سوا کوئی اور ایسا عضو جس سے یہ ظاہر ہو کہ ایسے عیب ناک جانور پر قاضی (جو بڑی عزت کا آدمی ہوتا ہے) سوار نہیں ہو سکتا خواہ وہ خچر ہو یا گدھا یا گھوڑا۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رحمۃ کا قول یہ ہے کہ اگر کسی نے کسی کے کپڑے پر جنایت کی یہاں تک کہ اُس کے اکثر منافع کو تلف کر دیا تو اُس پر کپڑے کی قیمت لازم ہوگی اور کپڑا اُسی کو دیدیا جائے گا۔ اور اگر اُس کپڑے کو بقدر اُس کی آدھی قیمت کے خراب کر دیا یا اُس سے بھی کم تو اُس کو بقدر نقصان تاوان دینا ہوگا۔ اور اگر کسی ایسے جانور پر دست درازی کی جس کے گوشت اور پیٹھ دونوں سے نفع اُٹھایا جاتا تھا جس طرح اونٹ وغیرہ مثلاً اُس کی ایک آنکھ نکالدی تو اُسکو جانور کی آدھی قیمت دینی لازم ہوگی اور دونوں آنکھوں کی صورت میں پوری قیمت اور وہ جانور بعینہ دست درازی کرنے والے کو دیدیا جائے گا۔ بشرطیکہ مالک قاضی ہو یا کوئی اور

اُسی کی برابر اور اگر اُس قسم کے جانور کے خلاف کوئی دوسری قسم ہو تو اُس میں نقصان کا تاوان لازم ہوتا ہے۔
اسی طرح امام شافعی رضہ اور امام احمد رضہ کا تمام جانوروں میں یہ قول ہے کہ بقدر نقصان تاوان لازم ہے۔ پس پہلا قول جنایت کرنے والے پر مخفف ہے کیونکہ اُس چیز کو لے گا جس میں دست درازی کی ہے اور دوسرا قول اُسپر مشدد ہے اور کچھ مخفف۔ اور تیسرا قول جنایت کرنے والے پر مخفف ہے کیونکہ اُسپر صرف نقصان کی بقدر تاوان لازم ہوگا۔

دوسرا مسئلہ امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر غاصب نے بعد غصب شے مغصوب میں کوئی جنایت یا اور کوئی اور نقصان کر دیا تو مالک کو لازم ہے کہ اُس شے کو معہ اُس نقص کے لیوے یا ایسا کرے کہ وہ شے غاصب ہی کو دیدے اور اُس چیز کی قیمت لے لے مگر وہ قیمت جو غصب کے دن تھی۔ حالانکہ امام شافعی رضہ اور امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ مالک کو بقدر نقصان تاوان لینا لازم ہے۔ پس پہلے قول میں مالک پر تشدید ہے اس وجہ سے کہ اُسپر لازم ہے کہ معہ نقصان کے لیوے آخر قول تک۔
اور دوسرے قول میں غاصب پر تخفیف ہے۔

تیسرا مسئلہ امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ جس نے اپنے غلام کا مثلہ کر دیا مثلاً اُس کا ہاتھ کاٹ ڈالا یا پاؤں یا اُس کی ناک یا اُس کا دانت توڑ دیا تو وہ غلام آزاد ہوگیا۔ حالانکہ ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ بوجہ مثلہ بنانے کی وجہ سے آزاد نہیں ہوتا۔ پس پہلا قول مولا پر مشدد اور غلام پر مخفف ہے اور دوسرا قول پہلے کا برعکس ہے۔

چوتھا مسئلہ امام مالک رضہ اور امام ابو حنیفہ رضہ اور اصحاب امام موصوف کا قول یہ ہے کہ جس نے کسی کی باندی غصب کرلی پھر غاصب کے پاس اُس کا موٹاپا زیادہ ہوگیا یا کوئی کاریگری سیکھ گئی جس سے اُس کی قیمت بڑھ گئی بعد میں بوجہ لاغر ہو جانے یا اُس کاریگری کے بھول جانے سے قیمت کم ہو گئی تو اُس کے مولی کو بغیر تاوان کے لینا ضروری ہوگا۔ حالانکہ امام شافعی اور امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ اُسے ۔ لینا جائز ہے معہ اُس زیادتی کے نقصان کے ساتھ جو غاصب کے پاس جاکر پیدا ہوئے تھے (یعنی تاوان لے لے) پس پہلا قول مخفف اور دوسرے میں تشدید ہے۔

پانچواں مسئلہ امام مالک رضہ اور امام ابو حنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر غصب کے بعد مغصوب میں ایسی زیادتی پیدا ہو جائے جو اُس مغصوب سے جدا ہو مثلاً بچہ پیدا ہو جائے تو وہ زیادتی مضمونہ نہ ہوگی (یعنی اگر اُس میں کچھ نقص ہو جائے تو تاوان لازم نہ ہوگا۔) حالانکہ امام شافعی رضہ اور امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ اُس کا غاصب پر ہر حالت میں ضمان لازم ہوگا۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔

چھٹا مسئلہ امام ابو حنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ مغصوب شے کے منافع غیر مضمون ہوتے ہیں۔ حالانکہ امام مالک رضہ اور امام شافعی رضہ کا قول اور امام احمد رضہ کی روایات متعددہ میں سے ایک روایت یہ ہے کہ وہ مضمونہ ہوتے ہیں۔ پس پہلا قول غاصب پر مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔

ساتواں مسئلہ ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ جس نے کسی باندی کو غصب کر لیا پھر اُس سے ہمبستر ہوگیا تو اُسپر حد زنا لازم ہوگی اور اُس باندی کو معہ تاوان کے لوٹانا ضروری ہوگا۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ کا ظاہر مذہب یہ ہے کہ اُس شخص پر حد تو لازم ہوگی مگر تاوان نہ ہوگا وطی (ہمبستری) کا۔ پس پہلا قول مشدد اور

دوسرے میں کچھ تخفیف ہے۔

آٹھواں مسئلہ امام شافعی رضہ اور امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ جب غاصب باندی سے ہمبستر ہو کر جنا دے تو بچہ کا لوٹانا بھی واجب ہوگا اور وہ بچہ باندی کے مالک کا غلام رہیگا اور اُس نقصان کا تاوان بھی دینا ہوگا جو پیدائش کی وجہ سے (باندی میں) ہو گیا ہوگا۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رضہ اور امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ بچہ اُس نقصان کو پورا کر دیگا (اور تاوان لازم نہیں) پس پہلے قول میں تشدید اور دوسرے میں تخفیف ہے

نواں مسئلہ امام ابو حنیفہ رضہ اور امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر کسی نے کپڑا، یا مکان، یا غلام کو غصب کر لیا اور پھر وہ کچھ مدت تک غاصب کے ہاتھ میں رہا لیکن اُس سے نفع نہ اُٹھایا تو اُسپر کچھ لازم نہیں نہ مکان میں رہنے کے اندر اور نہ خدمت لینے میں اور نہ کرایہ پر دینے میں اور نہ کپڑے کے پہننے میں غاصب سے واپس لینے کے وقت تک اور نہ اُس سے اتنی مدت تک کی اُجرت لی جائے گی جتنی مدت وہ مغصوب غاصب کے پاس رہی ہو اور اُس نے اُس سے نفع حاصل نہ کیا ہو۔ حالانکہ امام شافعی رضہ اور امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ غاصب پر اُتنی مدت تک کی اُجرت لازم ہوگی جتنی مدت مغصوب شے اُس کے ہاتھ میں رہی پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔

دسواں مسئلہ امام مالک رضہ اور امام شافعی رضہ اور امام محمد بن حسن رضہ کا قول یہ ہے کہ زمینوں اور درختوں میں غصب کی وجہ سے اُجرت مثل لازم ہوگی۔ پس جب کوئی ان اشیاء میں سے غصب کرے پھر وہ بوجہ سیلاب یا آگ وغیرہ کی وجہ سے تلف ہو جائے تو اُسپر وہ قیمت لازم ہوگی جو غصب کے دن تھی۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ جو چیز منقولی نہ ہو جیسے زمین تو وہ مالک کے ہاتھ سے نکالنے کی صورت میں مضمون نہیں ہوتی مگر اس تقدیر میں کہ غاصب اُس میں دست درازی کرے اور پھر وہ شے اس وجہ سے تلف ہو جائے تو وہ ضامن ہوگا تلف کرنے اور دست درازی کرنے کا۔ یہی قول امام ابو یوسف رضہ کا ہے۔ پس پہلے قول میں اسوجہ سے کہ زمین کو غصب کرنے کی صورت میں اُجرت واجب ہوتی ہے تشدید ہے اور دوسرے قول میں اُجرت نہ واجب ہونے کی وجہ سے تخفیف ہے۔

گیارھواں مسئلہ امام مالک رضہ اور امام شافعی رضہ اور امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ جس شخص نے کوئی کھمبہ یا اینٹ غصب کر لی پھر اُسے عمارت بنوانے کے کام میں لے آیا تو وہ اُس کا مالک نہیں ہوگیا۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ وہ مالک ہو جاتا ہے مگر اُس کی قیمت لازم ہوتی ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ اُس کے نکالنے میں عمارت کو ڈھانا پڑے گا جس سے صاحب عمارت کو نقصان پہونچے گا۔ پس پہلا قول مشدد اور ظاہر قوانین شریعت پر مبنی ہے غاصب پر سختگیری کرنے کی غرض سے تاکہ وہ پھر کبھی دوبارہ غصب نہ کرے۔ پس اگر مالک نے کھمبہ اور اینٹوں کو طلب کیا تو اُسپر واجب ہے کہ عمارت ڈھاوے اور نکالکر دیدے۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا میں شرط مذکور کی وجہ سے تخفیف ہے۔

بارھواں مسئلہ امام ابو حنیفہ رضہ اور امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ جس نے پیتل یا رانگ یا لوہا غصب کر کے اُس سے کوئی برتن یا تلوار بنالی تو اُس کو اُسیقدر وزن اور اُسی صفت کی شے دینی لازم ہوگی اور اسی طرح اگر کوئی لکڑی غصب کر کے اُس کے کواڑ بنوالئے یا مٹی غصب کر کے اُس کی اینٹیں بنوالیں یا گیہوں غصب کر کے انہیں پیسا اور پھر اُس کی روٹی پکالی۔ حالانکہ امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ تمام اشیاء مالک پر لوٹانی

ضرور ہیں۔ پس اگر اُس میں کوئی نقص ہو گیا تو وہ غاصب سے ضرور لیا جاوے۔ اور یہی گفتگو اُس صورت میں ہے کہ کسی نے سونا یا چاندی غصب کی پھر اُس کا زیور بنا لیا یا ڈھال لیا تو صرف امام مالک رحمہ کے نزدیک اُس کی مثل مالک کی طرف لوٹانی پڑے گی۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔

تیرھواں مسئلہ

امام مالک رحمہ اور امام احمد رحمہ کا قول یہ ہے کہ اگر مالک کی اجازت کے بغیر کسی پرندہ کا پنجرہ کھولا پھر اُس میں سے پرندہ اُڑ گیا تو کھولنے والا ضامن ہوگا۔ اور اسی طرح اگر چوپایہ کو اُس کی زنجیر سے کھول دیا یا غلام کو اُس کی بیڑی سے کھول دیا پس وہ بھاگ گیا تو اُس پر قیمت لازم ہوگی۔ امام مالک رحمہ کے اس قول میں کوئی تفریق نہیں کہ پرندہ پنجرہ کے کھولتے ہی اُڑ گیا ہو اور چوپایہ زنجیر کے کھولتے ہی بھاگ گیا ہو۔ ایسا ہی غلام بیڑی کھولتے ہی بھاگ گیا ہو یا کچھ دیر ٹھہر کر بعد میں اُڑا یا بھاگا ہو۔ حالانکہ امام شافعی رحمہ کا قول یہ ہے کہ اگر کھولنے کے ایک گھڑی بعد اُڑا یا بھاگا ہو تو کھولنے والے پر کوئی تاوان لازم نہیں۔ اسی طرح امام ابوحنیفہ رحمہ کا قول یہ ہے کہ ایسا کرنے والے پر کسی حالت میں بھی تاوان لازم نہیں۔ پس پہلا قول زنجیر یا پنجرہ یا بیڑی کھولنے پر قیمت لازم کرنے کی وجہ سے مشدد ہے اور دوسرا مفصل اور تیسرا مخفف ہے۔

چودھواں مسئلہ

امام مالک رحمہ کا قول یہ ہے کہ جب کسی نے کوئی غلام غصب کیا اور پھر وہ بھاگ گیا یا چوپایہ غصب کیا اور وہ بھاگ گیا یا کسی اور مال معین کو غصب کیا اور وہ چوری ہو گیا یا ضائع ہو گیا تو اُس کی قیمت کا ضامن ہونا پڑے گا اور قیمت کا مغصوب منہ (جس کے پاس سے غصب کیا گیا) مالک ہو جائے گا اور شے مغصوب غاصب کی ملک رہے گی۔ ثمرہ یہ ہوگا کہ شے مغصوب اگر پھر مل جائے تو مالک اصلی کو اُسے واپس لینے اور غاصب کو اپنی دی ہوئی قیمت پھیرنا بغیر دونوں کی رضامندی کے درست نہ ہوگا اور یہی قول امام ابوحنیفہ رحمہ کا ہے۔ مگر ایک صورت میں وہ یہ کہ اگر شے مغصوب گم ہو گئی اور مالک نے کہا کہ اُس کی قیمت ایکسو (روپے) تھی اور غاصب نے کہا کہ پچاس (روپے) تھی پھر غاصب نے اپنے قول پر قسم کھائی اور پچاس روپے کا تاوان ادا کر دیا بعد میں وہ مغصوب شے مل گئی اور قیمت اُس کی ایکسو روپے نکلی تو مالک اصلی کو جائز ہے کہ اُس شے کو واپس لے لے اور قیمت پھیر دے۔ اور امام مالک رحمہ کے نزدیک اصلی مالک جسقدر روپے (سو روپیوں کو) اور چاہے گا (یعنی پچاس باقی) صرف وہ لے لے گا۔ حالانکہ امام شافعی رحمہ کا قول یہ ہے کہ صورت مذکورہ میں شے مغصوب اصلی مالک کی ملک میں باقی رہے گی۔ پس جب اُس شے کو پاوے گا تو لی ہوئی قیمت واپس کر کے شے مغصوب کو لے لے گا۔ پس پہلا قول غاصب پر اسوجہ سے مخفف ہے کہ شے مغصوب کو اُس کی ملک میں داخل کر دیا اور دوسرا قول اُس پر مشدد ہے ظاہر قوانین شریعت پر عمل کرنے کی وجہ سے اور وہ یہ کہ کوئی شخص دوسرے کے مال کو بغیر شرعی طریق اور دلی رضامندی کے مالک نہیں ہو سکتا۔

پندرھواں مسئلہ

ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ اگر کسی نے زمین غصب کی پھر وہ بوجہ سیلاب یا سوختگی کے تلف ہو گئی تو ضمان میں قیمت دینی لازم ہوگی۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رحمہ کا قول یہ ہے کہ اگر اُس کے تلف کا غاصب سبب نہ ہوا ہو تو اُس پر ضمان لازم نہیں۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے۔

سولھواں مسئلہ

امام ابوحنیفہ رحمہ اور امام شافعی رحمہ کا قول یہ ہے کہ جس نے زمین غصب کر کے اُس میں کاشت کی اُس کے بعد ابتک غاصب نے اپنی کھیتی کو کاٹا نہ تھا کہ مالک نے اُس زمین کو پا لیا تو اصلی مالک کو حق ہے کہ غاصب کو کھیتی اُجاڑنے پر مجبور کرے۔ حالانکہ امام مالک رحمہ کا قول یہ ہے کہ اگر کھیتی کرنے کے

فوت نہیں ہوا ہے تو مجبور کر سکتا ہے۔ اور اگر فوت ہو گیا تو دو روایتوں میں سے مشہور یہ ہے کہ اُسے اُجاڑنا کھیتی درست نہیں۔ البتہ زمین کا کرایہ لے سکتا ہے۔ اسی طرح امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ مالک زمین اگر یہ چاہے کہ کھیتی کٹنے کے وقت تک زمین میں باقی رہے اور بچھے زمین کا کرایہ اور کھیتی سے جو اُس میں کسی قسم کا نقص ہو گیا ہو اُس کا تاوان غاصب دیدے تو جائز ہے اور اگر چاہے تو ایسا بھی کر سکتا ہے کہ غاصب کو کھیتی کی قیمت دیدے اور کھیتی اپنا لے۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مفصل اور تیسرا بھی ایسا ہی ہے۔

چودھواں مسئلہ امام شافعی رضہ اور امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر کسی مسلمان نے کسی ذمی پر شراب گرا دی تو مسلمان پر تاوان لازم نہیں اور اسی طرح جب اُس کے خنزیر کو تلف کر دے۔ حالانکہ امام مالک رضہ اور امام ابو حنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ اس صورت میں قیمت کا ضامن ہوگا۔ پس پہلا قول مسلمان کے مناسب اور دوسرا مشدد ہے۔

پہلے قول کی وجہ تو یہ ہے کہ شراب ہمارے نزدیک مال نہیں ہے۔

دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ ذمی کے نزدیک تو مال ہے۔ لہذا ہمارا قیمت کا تاوان دیدینا ہمارے واسطے زیادہ احوط ہے روز قیامت کے حساب کے لحاظ سے۔

کتاب شفعہ کے احکام میں

مسائل اجماعیہ

چاروں اماموں کا اس پر اتفاق ہے کہ حق شفعہ ملک میں شرکت رکھنے والے کے واسطے ثابت ہے۔ بس یہی اجماعیہ مسئلہ ہے۔

مسائل اختلافیہ

پہلا مسئلہ امام مالک رضہ اور امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ پڑوسی کو حق شفعہ نہیں اور یہ کہ شفعہ کا حق مرجانے کی وجہ سے باطل نہیں ہوتا اور جب کسی کے واسطے حق شفعہ واجب ہوا اور وہ حالت لاعلمی میں مر جائے یا حق شفعہ لینے پر قادر ہونے سے پہلے مر جائے تو حق شفعہ اُس کے وارث کو مل جائے گا۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ کا قول یہ ہے کہ پڑوسی کے لئے حق شفعہ ثابت ہے۔ پس پہلا قول شریک پر پڑوس کے حق میں مخفف ہے اور دوسرا پڑوسی پر مشدد ہے۔ پس پہلا قول اُن عوام پر محمول کیا جائے گا جو پڑوسی کے حق کی رعایت نہیں کرتے۔ اور دوسرا اُن کاملین پر محمول ہے جو پڑوسی کے حق کی چالیس مکانوں تک ہر جانب سے رعایت کرتے ہیں۔

دوسرا مسئلہ امام ابو حنیفہ رضہ کا قول اور امام شافعی رضہ کے اقوال مختلفہ میں سے مرجح قول۔ اور امام احمد رضہ کی بہت سی روایتوں میں سے ایک روایت یہ ہے کہ حق شفعہ علی الفور ہوتا ہے۔ حالانکہ امام مالک رضہ کا قول اور امام احمد رضہ کے دو قولوں میں سے ایک قول یہ ہے کہ علی الفور ضروری نہیں ہے

اور جب امام مالک رحمہ کے نزدیک علی الفور نہ ہوا تو اُن سے منقول ہے کہ ایک سال گذرنے سے قبل حق شفعہ سا
نہیں ہوتا اور اُن سے دوسری روایت میں ہے کہ پانچ سال سے قبل ساقط نہیں ہوتا اور فرمایا ہے کہ اتنی مد
میں یہ بات معلوم ہو سکتی ہے کہ صاحب حق شفعہ سے اعراض کرتا ہے اور اُن سے ایک روایت میں ہے کہ شفیع
حق اُس وقت باقی رہتا ہے کہ خریدار حاکم کے پاس مقدمہ لے جائے پس وہ یا حق شفعہ لینے کا حکم کر دے یا
کا۔ پس جب وہ چیز درخت کی گئی جس میں شفعہ کا حق پہونچتا ہو اور شریک موجود ہے اور وہ مبیع کو جانتا بھی ہے
اُسے درست ہے کہ حق شفعہ کا مطالبہ کرے جب چاہے اور شفعہ اُن امروں میں سے کسی امر سے منقطع نہ ہوگا جو
ہوئے۔ پس پہلا قول مشدد اور اُن بڑے درجہ کے لوگوں کے ساتھ خاص ہے جو اپنے بھائی مسلمان کے
پورے حصہ کا لحاظ کرتے ہیں کہ انہیں اُس صورت میں ندامت نہیں حاصل ہوتی کہ جب اُن سے پہلے کوئی اور خر
اور دوسرا قول مخفف اور اُن لوگوں کے ساتھ خاص ہے جو منجملہ عوام الناس کے ہیں اور اگر خریدنے میں کو
اُن سے سبقت لے جائے تو وہ نادم ہوتے ہیں۔ پس اسی واسطے امام مالک رحمہ نے ایک سال یا پانچ سال کی مد
مقرر فرمادی تاکہ اسقدر زمانہ میں صاحب حق کو پھر کوئی عذر کا موقعہ نہ رہے۔

تیسرا مسئلہ

امام ابو حنیفہ رحمہ اور امام مالک رحمہ کا قول یہ ہے کہ جب کھجوروں پر پھل لگے ہوں اور و
دو شریکوں میں مشترک ہوں تو اگر ایک شریک اپنا حصہ درخت کر دے تو شریک کو شفعہ
حق ثابت ہے حالانکہ امام شافعی رحمہ اور امام احمد رحمہ کا قول یہ ہے کہ اس صورت میں شفعہ نہ ہوگا پس پہلا قول مخفف اور دو
اور پہلے قول کی وجہ یہ ہو کہ پھلوں کا اندر کا حصہ تقسیم دشوار ہے جس کے بغیر ذمہ سے سبکدوشی نہیں ہو سکتی۔ لہذا یہ صورت
ایسی ہو گئی کہ جیسے چھوٹی سی عمارت جس کی تقسیم نہ ہو سکے۔
اور دوسرے قول کی وجہ ظاہر ہے۔

چوتھا مسئلہ

امام شافعی رحمہ اور امام مالک رحمہ کا قول یہ ہے کہ حق شفعہ میں وراثت جاری ہوتی ہے
صاحب حق کے مرجانے سے شفعہ باطل نہیں ہوتا۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رحمہ کا قول یہ ہے کہ
سے حق شفعہ باطل ہو جاتا ہے اور اُس میں وراثت جاری نہیں ہوتی۔ اسی طرح امام احمد رحمہ کا قول یہ ہے کہ اُس
وراثت جاری نہیں ہوتی مگر اُس وقت کہ میت اُس کا مطالبہ کر جائے (تو اُس وقت وراثت جاری ہوگی)
پہلا قول صاحب حق شفعہ پہ مخفف اور دوسرا مشدد ہے اور تیسرا مفصل ہے۔

پانچواں مسئلہ

امام مالک رحمہ اور امام شافعی رحمہ اور امام احمد رحمہ کا قول یہ ہے کہ خریدار نے خریدی ہوئی
میں عمارت بنالی یا درخت لگا دیئے اُس کے بعد صاحب شفعہ نے حق شفعہ طلب کیا تو اُسے خر
سے عمارت منہدم کرنے اور لگائے ہوئے درختوں کو اکھاڑنے کا مطالبہ جائز نہیں اگرچہ اُس کو بھی قیمت میں محسو
کرے۔ اسی طرح ایک قوم اس طرف گئی ہے کہ صاحب شفعہ کو جائز ہے کہ خریدی ہوئی چیز کی قیمت دیدے او
درختوں کو اپنی جگہ چھوڑ دے۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد اور تیسرے میں تخفیف ہے۔

چھٹا مسئلہ

امام مالک رحمہ کی دو روایتوں میں سے ایک روایت اور امام شافعی رحمہ کا قول یہ ہے کہ
اُس چیز میں جس کی تقسیم نہیں ہو سکتی۔ مثلاً کنواں اور حمام اور راستہ اور چکی اور دروازہ حق
نہیں۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رحمہ کا قول اور امام مالک رحمہ سے دوسری روایت یہ ہے کہ اس میں بھی شفع
پس پہلا قول خریدار پر مخفف اور دوسرا اس پر مشدد ہے۔

ے قول کی وجہ یہ ہے کہ پورا نفع جس کے واسطے شفعہ مشروع ہوا ہے اُس حصہ کے ساتھ حاصل نہیں ہو سکتا جس کی تقسیم
یا ہو سکتی مثلاً کنواں اور حمام وغیرہ۔
ر دوسرے قول کی وجہ اُس نفعہ کا حاصل ہوتا ہے جس کی وجہ سے شفعہ مشروع ہوا ہے اگرچہ تھوڑا ہی سا ہو۔

ـقوال مسئلہ

امام ابو حنیفہ رض اور امام شافعی رض کا قول یہ ہے کہ شفعہ ساقط کرنے کے لئے حیلہ درست ہے مثلاً یہ کہ اسباب مجہولہ کو فروخت کرلے یہ اسی امام کے نزدیک جو مجہول شے کو فروخت
ے میں شفعہ ساقط ہونے کا قائل ہے یا فروخت کنندہ خریدار کے لئے کسی قدر ملک کا اقرار کرلے پھر باقی کو اسی کے
ے فروخت کر دے یا ہبہ کر دے۔ حالانکہ امام مالک رض اور امام احمد کا قول یہ ہے کہ اُسے اسقاط شفعہ کی
حیلہ کرنا درست نہیں۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔
ـ قول کی وجہ قرآن وحدیث شریف میں حیلہ کا وارد ہونا ہے۔
ـ دوسرے قول کی وجہ شریک کی طرف سے احتیاط کو لینا ہے اور اپنے مسلمان بھائی کے لئے پورے حصہ کی رعایت
ـا۔ کیونکہ حیلہ تو ضعیف مسلمانوں کے لئے رخصت قرار دیا گیا ہے۔

ـقوال مسئلہ

تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ جب شریک کے لئے شفعہ واجب ہو جائے پھر خریدار شفعہ چھوڑ دینے کے لئے کچھ دراہم خرچ کرے تو صاحب شفعہ کو جائز ہے کہ اُن دراہم کو لے کر اپنے کام میں
ے۔ حالانکہ امام شافعی رض کا قول یہ ہے کہ اُسے یہ درست نہیں اور نہ وہ دراہم کا مالک ہو سکے گا بلکہ اُس پر لازم
ـہ اُنہیں واپس کرے اور اصحاب امام شافعی رض کے لئے شفعہ ساقط کرنے کے اندر دو قول ہیں (یعنی ایک
ـز کا دوسرا عدم جواز کا) پس پہلا قول مخفف اور عوام الناس کے ساتھ خاص ہے اور دوسرا مشدد
ـ اہل تقوے وکامل مومنوں کے ساتھ خاص ہے۔ کیونکہ شفعہ حق جبری ہے لہذا اُس کے اندر مال خرچ کرنیکی
ـت نہیں۔

ـ مسئلہ

امام شافعی رض اور امام احمد رض کا قول یہ ہے کہ جب دونوں شریک ایک عقد کے ساتھ اپنے اپنے حصوں کو فروخت کر دیں تو صاحب شفعہ کو دونوں میں سے ایک کا حصہ بذریعہ
ـ لینے کا استحقاق ہوگا جس طرح دونوں کا حصہ لے سکتا ہے۔ حالانکہ امام مالک رض اور امام ابو حنیفہ رض
ـل یہ ہے کہ اُس کو یہ جائز نہیں کہ دونوں میں سے ایک کا حصہ لے اور دوسرے کا نہ لے بلکہ لیوے تو
ـونوں کا لے اور جو چھوڑے تو دونوں کا چھوڑ دے۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔ اور
ـنوں قولوں کی وجہ ظاہر ہے۔

ـوال مسئلہ

تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ ذمی کو حق شفعہ پہونچتا ہے۔ حالانکہ امام احمد رض کا قول یہ ہے کہ ذمی کے لئے شفعہ نہیں۔ پس پہلا قول ذمی پر مخفف اور دوسرا اُس پر مشدد ہے۔
ـقول کی وجہ حدیث کا مطلق ہونا ہے کہ شفعہ شریک کے لئے ہوتا ہے مسلمان کی کوئی قید نہیں اور اگر فرض
ـ قید مسلمان کی ہو بھی تو وہ غالب پر محمول ہے۔ جس طرح علما نے اس حدیث میں کہا ہے کہ (لا یبیع احدکم
ـع اخیہ) ترجمہ "کوئی تم میں کا اپنے بھائی کے فروخت کرنے پر نہ فروخت کرے" اسی طرح اس میں کہ (لا
ـب احدکم علی خطبۃ اخیہ) "تم میں کا کوئی اپنے بھائی کی منگنی پر منگنی نہ کرے"
ـ دوسرے قول کی وجہ ذمی پر سختی کرنا ہے اس اعتبار سے کہ اُس کے لئے حق شفعہ ثابت کرنے میں مسلمان پر

اُس کو مسلط کرنا ہے اسوجہ سے کہ اُس نے جبراً اور غلبہ سے اپنا حق لیا ہے بالخصوص اُس وقت کہ مسلمان اُس سے
میں خوش اور راضی نہ ہوں۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔

کتاب قراض کے بیان میں

مسائلِ اجماعیہ

اماموں کا اسپر اتفاق ہے کہ مضاربہ درست ہے اور اُسی کو قراض کہتے ہیں مگر اہل مدینہ کے لغت میں اور
اس کی تفسیر یہ ہے کہ کوئی شخص دوسرے آدمی کو اس غرض سے مال دے کہ تاکہ وہ اُس سے تجارت کرے ا
نفع دونوں میں مشترک رہے۔ صرف یہی مسئلہ اتفاقیہ ہے۔

مسائلِ اختلافیہ

پہلا مسئلہ امام مالک رضہ اور امام شافعی رضہ اور امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر کسی نے دوسر
آدمی کو کچھ پونجی دیکر یہ کہا کہ اس کو فروخت کر اور قیمت کو قراض بنالے (یعنی اُس قیمت
سے سوداگری کر اور نفع دونوں میں نصفا نصفی رہے گا) تو یہ قراض باطل ہے۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رضہ
یہ ہے کہ یہ قراض صحیح ہے۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے۔
اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں کے دستور کے خلاف ہے۔
اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ مالک اسباب کا دوسرے کو اُس کے فروخت کرنے اور پھر قیمت کو قرض
کی اجازت دینا (حکماً) ایسا ہے کہ گویا اُس نے نقد مال قراض کے لئے دیدیا یعنی کے لحاظ سے دونوں میں
فرق نہیں۔

دوسرا مسئلہ اماموں کا قول یہ ہے کہ پیسوں سے قراض کرنا منع ہے۔ حالانکہ امام اشہب اور ابو
کا قول یہ ہے کہ اگر وہ نقود کی شکل رائج ہوں تو اُن کے ساتھ بھی قراض درست ہے۔ پ
پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے۔

تیسرا مسئلہ اکثر علماء کا قول یہ ہے کہ عامل (وہ شخص جس کو کسی نے سوداگری کے لئے روپیہ دیکر
کام بتایا ہو اور روپیہ میرا نفع میں دونوں شریک) نے جب گواہوں کے سامنے سوداگ
کے لئے روپیہ لیا ہو تو وہ اُسی وقت بری ہوسکتا ہے کہ گواہوں کے روبرو وہی مالک کو یہ روپیہ پھیر دے
حالانکہ اہل عراق کا قول یہ ہے کہ اُس کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہے (یعنی چاہے گواہ نہ ہوں تب بھی قسم سے
ہوسکتا ہے) پس پہلا قول مشدد اور اُن لوگوں کے ساتھ خاص ہے جن کے دل پر محبت دنیا غالب ہو
اس قسم کے آدمی سے جھوٹی قسم کھالینا بعید نہیں اسپر کہ میں مال واپس دے چکا۔ اور دوسرا قول مخفف ا

گوں کے ساتھ خاص ہو جیسے دنیا میں زہد و تقوےٰ غالب ہے اور امانتوں کے ادا کرنے میں مسلمانوں سے معاملہ یار رکھتے ہیں لہذا لوگ ایسوں کی تصدیق کریں گے۔

چوتھا مسئلہ

تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ جب عامل کو مضاربۃ کے لئے مال دیا گیا پھر اُس نے اُس مال سے اسباب خرید لیا اُس کے بعد ابتک بائع اسباب کو عامل نے قیمت نہیں دی تھی کہ مال ہلاک ہو گیا مالک مال پر (جس نے سوداگری کے لئے روپیہ دیا تھا) کچھ لازم نہیں اور یہ خرید کردہ اسباب عامل کا ہوگا اسی پر اُس کی قیمت لازم ہوگی۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ بائع اسباب (یا عامل) مالک مال سے اسباب کی قیمت لے سکتا ہے۔ پس پہلا قول صاحب مال پر مخفف اور دوسرا اُسپر مشدد ہے۔ اور شاید یہ اسلئے ہو کہ صاحب مال کو قصوروار ٹھیرایا گیا کہ اُس نے ایسے شخص کو سوداگری کے لئے مال کیوں دیا جو کوتاہ نظر اور نا عاقبت اندیش تھا۔

پانچواں مسئلہ

امام مالک اور امام شافعی رضہ اور امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ مدت معینہ کے لئے مضاربۃ جائز نہیں کہ اُس سے پہلے فسخ نہ کرے یا اس شرط پر کہ جب مدت معلومہ ختم ہو جائے گی تو عامل خرید و فروخت منع ہوگا۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ یہ درست ہے۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ مضاربۃ نفع کے لئے مشروع ہوئی ہے اور نفع ایک پوشیدہ امر ہے جس کے لئے کوئی مدت معلوم نہیں اور مدت کی قید لگا دینا تصرف کے مطلق ہونے کے منافی ہے۔ اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ مالک مال کو مضاربۃ سے پھر جانا درست ہے کہ جب چاہے دنیوی نفع میں زہد و تقوی اختیار کرے۔

چھٹا مسئلہ

امام مالک رضہ اور امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ صاحب مال جب عامل سے یہ شرط کرے کہ خرید و فروخت صرف فلاں آدمی سے کرنا تو مضاربۃ فاسد ہوتی ہے۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رضہ اور امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ صحیح ہے۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ کبھی صاحب مال عامل سے زیادہ ہوشیار رہتا ہے۔ اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ کبھی اِس کے برعکس بھی ہوتا ہے۔

ساتواں مسئلہ

امام ابوحنیفہ رضہ اور امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ مضاربۃ فاسد ہو جانے کے بعد بھی اگر عامل سوداگری کرتا رہے یہانتک کہ اُس سے نفع بھی حاصل ہو تو عامل کو اُس کے کئے ہوئے کام کی مزدوری جو حسب دستور ہوگی ملے گی اور نفع صاحب مال کا ہوگا اور نقصان کی زد بھی اُسی کو اُٹھانی پڑے گی۔ حالانکہ امام مالک کی دو روایتوں میں سے ایک یہ ہے کہ عامل کو وہ دیا جائے گا (جو ایسے شخص کو اُسقدر مال میں مضاربۃ صحیحہ کرنے سے ملتا) یہی قول قاضی عبدالوہاب کا ہے۔ پس پہلا قول عامل پر مشدد اور دوسرا اُسپر مخفف ہے۔

آٹھواں مسئلہ

امام ابوحنیفہ رضہ اور امام مالک رضہ کا قول ہے کہ جب عامل مال مضاربۃ کو لیکر مسافرت کرے گا تو اُسکا خرچہ مال سوداگری سے لازم ہوگا۔ حالانکہ امام احمد رضہ اور امام شافعی رضہ کے دو قولوں میں سے ایک قول یہ ہے کہ عامل کا خرچہ جبکہ وہ مضاربت اور نفع کے لئے سفر کرے خود اُسی پر ہے۔ یہانتک کہ اُس کی سواری کا کرایہ بھی۔ پس پہلا قول عامل پر مخفف اور دوسرا اُسپر مشدد ہے۔

نواں مسئلہ امام مالک رح کا قول یہ ہے کہ جس نے مضاربۃ کو قبول کیا اور تمام نفعہ اپنے لئے شرط کیا اور یہ بھی کہ مجھپر ضمان لازم نہیں تو یہ درست ہے۔ حالانکہ اہل عراق کا قول یہ ہے کہ مال اُس عامل پر قرض رہے گا۔ حالانکہ امام شافعی رح کا قول یہ ہے کہ عامل کو حسب دستور اُس کے عمل کی اُجرت دیجائے گی اور منافعہ صاحب مال کا ہوگا۔ پس پہلا قول شرط مذکور کی وجہ سے مخفف ہے اور دوسرا قول عامل پر مشدد ہے اور تیسرے میں تخفیف ہے اور تینوں اقوال کی وجوہ ظاہر ہیں۔

دسواں مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ عامل نے اگر یہ دعوے کیا کہ مجھے صاحب مال نے اجازت دیدی ہے کہ خواہ اُدھار خرید و فروخت کردں یا نقد تو صاحب مال نے جواب دیا کہ میں نے صرف نقد خرید و فروخت کی اجازت دی ہے تو عامل کا قول معتبر ہوگا معہ قسم کے۔ حالانکہ امام شافعی رح کا قول یہ ہے کہ صاحب مال کا قول معتبر ہوگا مع قسم لیکے پس پہلا قول عامل پر مخفف اور دوسرا اُس کا برعکس ہے۔ پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ صاحب مال نے اُسکو پہلے امانتدار سمجھا ہے لہذا بعد میں اُس کے دعوے کی تکذیب صحیح نہیں اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ عامل پر احسان کرنے میں صاحب مال ہی اصل ہے لہذا اصل ہونے کا اعتبار سے اس کا عامل پر تسلط ہے اور عامل اس کی فرع ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہٗ اتم۔

کتاب مساقاۃ کے بیان میں

مسائل اختلافیہ

فقہائے بلاد، حضرات صحابہ رض، اور تابعین، اور ائمہ مذاہب کا اسپر اتفاق ہے کہ مساقات جائز ہے۔ صرف امام ابو حنیفہ رح کا اس میں اختلاف ہے اُن کے نزدیک باطل ہے۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ یہ ایک ایسا عقد ہے کہ دونوں عاقد اس سے سود مند ہوتے ہیں۔ دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ اس میں دھوکہ ہوتا ہے۔

دوسرا مسئلہ امام مالک رح اور امام احمد رح کا قول اور امام شافعی رح کا قول قدیم یہ ہے کہ مساقاۃ ہر پھلدار درخت پر درست ہے جسطرح کھجور، اور انگور، اور انجیر، اور اخروٹ وغیرہ۔ اور یہی قول امام ابو یوسف رح اور امام محمد رح اور متاخرین اصحاب امام شافعی رح کا ہے۔ حالانکہ امام شافعی رح کا جدید قول یہ ہے کہ مساقات صرف کھجور اور انگور ہی میں درست ہے۔ اسی طرح امام داؤد کا قول یہ ہے کہ مساقات صرف کھجور ہی میں درست ہے۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرے میں تشدید اور تیسرا مشدد ہے۔ اور پہلے قول کی وجہ شارع علیہ السلام کا کھجور اور انگور کے ماسوا میں مساقات سے منع نہ فرمانا ہے۔ اور دوسرے قول کی وجہ حد دار پر ٹھیرنا ہے اور وہ صرف کھجور اور انگور میں مساقات کرنا ہے۔ اور تیسرے قول کی وجہ صرف اہل خیبر کی مساقات پر ٹھیرنا ہے اور وہ صرف کھجور ہی میں تھی۔

تیسرا مسئلہ امام شافعی رح اور امام احمد رح کا قول یہ ہے کہ اگر درختہائے کھجور کے مابین سفیدی یعنی خالی

زمین) ہو اگرچہ وہ کثرت کے ساتھ ہو تو یہ صحیح ہے کہ درختوں میں مساقات کا معاملہ ہو اور زمین میں مزارعت کا لیکن اس شرط کے ساتھ کہ عامل ایک ہو اور دونوں کا معاملہ ساتھ ہوا ہو اور مزارعت کو مقدم نہ کیا گیا ہو بلکہ وہ مساقات کے تابع ہو۔ حالانکہ امام مالک رحمۃ کا قول یہ ہے کہ درختہائے کھجور کے درمیان تھوڑی سی سفیدی کا داخل ہونا مساقات کے سوا اور معاملوں میں بغیر کسی شرط کے درست ہے اسی طرح امام ابو یوسفؒ اور امام محمد رحمۃ کا قول ہے جس طرح مخابرہ میں اُن کے نزدیک اصل جواز ہے۔ اور مخابرہ زمین کی خدمت کرنا ہے کچھ آمدنی کے عوض میں (یعنی پیداوار کے بدلہ میں) اور بیج عامل کا ہو۔ پس پہلا قول شروط مذکورہ کی وجہ سے مخفف اور دوسرے میں تشدید ہے۔

چوتھا مسئلہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اور امام مالک رحمۃ کا قول اور امام شافعی رحمۃ کا جدید قول یہ ہے کہ مزارعت باطل ہے اور وہ یہ ہے کہ بیج مالک زمین کا ہو۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اور امام ابو یوسف رحمۃ اور امام محمد رحمۃ اور متاخرین اصحاب امام شافعی رحمۃ کا اور امام نووی رحمۃ کا پسندیدہ قول ہے کہ مزارعت صحیح ہے اور امام نووی رحمۃ کو دلیل کے اعتبار سے پسندیدہ قول ہے۔ امام نووی نے فرمایا ہے آمدنی کو دونوں میں مشترک کرنے کا طریقہ جبکہ اجرت نہ ٹھیری ہو یہ ہے کہ اُس شخص کو بیج کے آدھے حصہ کے بدلہ مزدور بنا دے تاکہ دوسرے نصف میں مالک کے واسطے کھیتی کرے اور آدھی زمین اُسے عاریۃً دیدے۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے۔
پہلے قول کی وجہ مزارعت کا قواعد بیع سے خارج ہونا اسی طرح قواعد مضاربت سے جُدا ہونا ہے اور دوسرے کی وجہ یہ ہے کہ دو آدمیوں کا کسی امر پر راضی ہو جانا ایسا ہے جس طرح حکم شرعی۔

[پانچو]اں مسئلہ امام مالک رحمۃ اور امام شافعی رحمۃ اور امام احمد رحمۃ کا قول یہ ہے کہ اگر کسی نے کسی سے موجودہ معینہ پھلوں پر مساقات کی اور ابتک پھلوں کی صلاحیت ظاہر نہیں ہوئی تو درست [ہے او]ر اگر اُن کی صلاح ظاہر ہو گئی تو درست نہیں۔ حالانکہ امام ابو یوسف رحمۃ اور امام محمد رحمۃ اور امام [احمد کا قو]ل یہ ہے کہ یہ ہر موجودہ پھل پر بلا تفصیل درست ہے۔ پس پہلے قول میں تشدید اور دوسرا مخفف ہے۔ [د]وسری شق میں پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ جب پھلوں کی صلاحیت ظاہر ہو جائے تو مساقات کی حاجت [نہ]تھی۔ لہٰذا وہ بیکار امر ہے۔ اور اُس کے مقابل کی وجہ یہ ہے کہ اگرچہ پھلوں کی صلاحیت ظاہر ہو جائے [پ]ھر بھی پورے طور پر بڑھنے کا محتاج ہے یہانتک کہ حالت کمال تک نہ پہونچ جائے اور یہ کچھ بیکار امر [نہیں] ہے۔

[چھٹا] مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ اگر دونوں شخص شرط میں مختلف ہو جائیں تو عامل کا قول اُس کی قسم کے ساتھ معتبر ہے۔ حالانکہ امام شافعی رحمۃ کا قول یہ ہے کہ دونوں کو قسم دیجائے اور عقد (مساقات) فسخ ہو جائے گا۔ اور عامل کو اُس کے عمل کی حسب دستور اجرت دیجائے گی (اور یہ) اختلاف متعاقدین (دو شخص عقد کرنے والوں) کے قاعدہ پر مبنی ہے (یعنی جب متعاقدین مختلف ہوں تو دونوں کو قسم دینا اُن کا اصل اصول ہے) پس پہلے قول میں عامل پر تخفیف اور دوسرے میں تشدید ہے واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔

[یع]نی کسی سے کہے کہ اس [زمین] میں کاشت کر اور پیداوار میں سے اتنا حصہ تجھے دونگا۔ ۱۲ مترجم

کتاب اجارہ کے بیان میں

مسائلِ اجماعیہ

جمیع اہل علم کا قول یہ ہے کہ اجارہ درست ہے صرف اسمٰعیل بن علیہ کا اختلاف ہے وہ کہتے ہیں ناجائز ہی واسطے قول کی وجہ اس بارہ میں اُن کو کسی دلیل کا نہ ملنا ہے تو اُنہوں نے گمان کیا کہ منافع کی بیع کے لئے یہ شرط ہے کہ تمام منافع کا یک لخت قبضہ ہو جسطرح عین مبیع میں ہوتا ہے اس کو اُنہوں نے کافی نہ سمجھا کہ کرایہ لینے والا اُس شے کے منافع میں سے تھوڑی تھوڑی منفعت کا تدریجی طور پر قابض ہے لہذا انہوں نے اس کو ناجائز کہدیا کیونکہ اس میں لوگوں کے احوال باطل طریق پر کھانے کا شبہ ہوگیا۔ بالخصوص جسوقت کہ کرایہ بھی اُدھار ہے (کرایہ پر لینے والے کے ذمہ) کیونکہ اُس وقت نہ تو اُس نے کرایہ نقد دیا اور نہ کرایہ دار نے پورے منافع کا قبضہ کیا اور اُسپر بیع سلم (بدنی) کا اعتراض نہیں واقع ہوتا کیونکہ اُس کا جواز دلیل سے نکالا گیا ہے۔

مسائلِ اختلافیہ

پہلا مسئلہ امام مالک رضہ اور امام شافعی رضہ اور امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ اجارہ کا عقد دونوں کیطرف سے لازم ہوجاتا ہے لہذا اُس کا عقد صحیح ہوجانے کے بعد دونوں میں سے کسی کو فسخ کرنے کا استحقاق نہیں اگرچہ کوئی عذر ہی کیوں نہ ہو سوائے اُس صورت کے کہ کرایہ پر لی ہوئی شے میں کوئی عیب نکل آوے کہ اُس وقت عقد فسخ ہوجائے گا مثلاً کسی نے مکان کرایہ پر لیا بعد میں اُسے گرا ہوا پایا اس طرح کہ رہنے کے قابل نہیں یا یہ کہ بعد عقد کے گر گیا یا مثلاً کسی غلام کو مزدوری پر لیا پھر وہ بیمار ہوگیا۔ یا مثلاً مزدور نے معین مزدوری میں کوئی عیب پایا تو عیب کی وجہ سے کرایہ پر لینے والے کو اختیار حاصل ہے۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رضہ اور اصحاب رضہ امام موصوف کا قول یہ ہے کہ ہر ظاہر ہونے والے عذر کی وجہ سے اجارہ کا فسخ درست ہے۔ اگرچہ وہ عذر کرایہ پر لینے والے کی طرف سے ہو۔ مثلاً کوئی دُکان کرایہ پر لی تاکہ اُس میں سوداگری کرے پھر اُس کا مال جلگیا یا چوری ہوگیا یا غصب ہوگیا یا نادار و مفلس ہوگیا تو (ان سب صورتوں میں) اُسے اجارہ کو فسخ کر دینا درست ہے۔ اسی طرح ایک گروہ کا قول یہ ہے کہ اجارہ کا عقد صرف کرایہ دار کی جانب سے لازم ہوتا ہے جسطرح مزدور کو مزدوری پر رکھنے میں۔ پس پہلے قول میں تشدید اور دوسرے میں تخفیف ہے اس اعتبار سے کہ اُسے عذر کی وجہ سے فسخ کا استحقاق ہے۔ اور تیسرے قول میں بھی ویسی ہی تخفیف ہے اس اعتبار سے کہ کرایہ پر دینے والے کو فسخ کرنے کا مجاز ہے۔

اور پہلے قول کی وجہ منافقوں کی صفات سے بچنا ہے کہ دونوں میں سے کوئی اپنے اُس قول سے پھر جائے جس میں اپنے صاحب سے موافقت کر چکا ہے۔

دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ عقد اجارہ کا لزوم سلامتی انجام کی شرط کے ساتھ تھا۔ تیسرے قول کی وجہ ظاہر ہے۔

دوسرا مسئلہ

امام شافعی رحمہ اور امام احمد رحمہ کا قول یہ ہے کہ جب کسی نے کوئی چوپایہ کرایہ پر لیا یا مکان یا کوئی دکان ایک معلومہ مدت کے لئے کرایہ معینہ کے ساتھ اور کرایہ نقد دینا شرط نہیں ٹھیرا اور نہ اس کے ادھار ہونے کی تصریح کی گئی بلکہ مطلق رہا تو استحقاق کرایہ کا صرف عقد ہی سے ہو جائے گا۔ پس جب مالک نے کرایہ کی چیز کرایہ دار کے سپرد کر دی تو مالک تمام کرایہ کا مستحق ہو گیا۔ کیونکہ کرایہ دار صرف عقد اجارہ ہی سے اس چیز کے تمام منافع کا مالک ہو گیا۔ لہذا اسپر واجب ہے کہ مالک کو کرایہ دیدے تاکہ کرایہ کی چیز کا کرایہ دار کو سپرد کرنا مالک پر لازم ہو جائے۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رحمہ اور امام مالک رحمہ کا قول یہ ہے کہ رفتہ رفتہ تھوڑے تھوڑے کرایہ کا استحقاق ہوتا ہے ہر دن جتنی منفعت کا مالک ہوتا ہے اسیقدر کرایہ کا مالک کو استحقاق ہوتا ہے۔ پس پہلا قول مشدد اور سختی اور کریموں کے ساتھ مخصوص ہے اور دوسرے قول میں تخفیف ہے اور وہ بخیلوں کے ساتھ خاص ہے۔

تیسرا مسئلہ

ائمہ ثلاثہ یہ فرماتے ہیں کہ کسی نے کوئی مکان کرایہ پر لیا اس شرط سے کہ ہر ماہ میں اتنا کرایہ دونگا تو یہ اجارہ صرف پہلے ماہ میں صحیح ہوگا اور لازم بھی ہوگا اور دوسرے مہینوں میں تب لازم ہوگا کہ وہ مہینے آجائیں۔ حالانکہ امام شافعی کا قول یہ ہے کہ یہ اجارہ کسی مہینہ میں بھی صحیح نہیں بلکہ تمام میں باطل ہے۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔

اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ ہر مہینہ کے کرایہ کی تفصیل اور تقسیم کر دینا (اس طرح کہ ہر ماہ میں اتنے روپے دیا کرونگا۔) ایسا ہے جیسے کسی معینہ مدت کیلئے ایک عقد کرنا (کہ چھ ماہ تک مثلاً رہونگا اور کل کرایہ پندرہ روپے دونگا)

اور دوسرے قول کی وجہ مدت اجارہ کا مجہول ہونا ہے اور یہ کہ ہر مہینہ کے لئے معین کرایہ کے ساتھ علیحدہ عقد کرنے کی ضرورت ہے اور وہ پایا نہیں گیا اس لئے یہ عقد باطل ہے۔

چوتھا مسئلہ

امام ابو حنیفہ رحمہ اور امام مالک رحمہ اور امام شافعی رحمہ اور امام احمد رحمہ کا قول یہ ہے کہ اگر کسی نے مدت معینہ تک کو کوئی غلام کرایہ پر لیا یا کوئی مکان۔ اس کے بعد غلام یا مکان کا قبضہ بھی لیا پھر غلام مرگیا حالانکہ ابتک کچھ بھی کام اس نے نہیں لیا اور مکان میں رہنے سے پہلے وہ گر گیا اور مدت معینہ سے ابتک کچھ بھی مدت نہیں گذری تو کرایہ تھوڑے سے کرایہ کا بھی وجوب نہیں ہے اور اجارہ باطل ہو جائے گا۔ حالانکہ امام ابو ثور رحمہ کا قول یہ ہے کہ ایسے مقامات کے منافع کا ضمان کرایہ دار پر ہے۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ مزدوری صرف کام کرنے سے لازم ہوتی ہے (اور وہ پایا نہیں گیا)۔

دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ موت اور گر جانا تو مالک کے قبضہ میں ہے نہیں اور کرایہ دار کرایہ ادا کر چکا ہو اور اس لینے والے کو اس کے اندر تصرف بھی حلال ہو چکا ہے۔

تو گویا کہ کرایہ دار مزدوری کا اس کو مالک بنا چکا ہے۔ لہذا اب اسکا مزدوری کو واپس لینا غیر مناسب ہو اور یہ قول بڑے درجہ کے لوگوں کے ساتھ خاص ہے۔ اور پہلا قول ان عوام الناس کے ساتھ جو دنیا کے حقیر ور اس میں بخل کرتے ہیں۔

پانچواں مسئلہ

تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ چوپایہ اور مکان اور غلام کو کرایہ پر لینا لازم ہو جاتا ہے

تو دونوں عاقدوں کے مرنے سے فسخ ہوتا ہے اور نہ ایک کے مرجانے سے اور وارث اس بارہ میں اعلیٰ مورث کے قائم مقام ہو جاتا ہے۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ اُن دونوں میں سے اگر ایک بھی مرگیا تو اجارہ فاسد ہوا۔ پس پہلا قول مخفف ہے اور دوسرا مشدد۔

اس قول کی وجہ وارثوں کے ساتھ نیک گمان کرنا ہے کہ وہ اس فعل کے ساتھ ضرور راضی ہو جائیں گے جو اُنکے مورث کا کیا ہوا ہے۔

اور دوسرے قول کی وجہ احتیاط کو لینا ہے کہ شاید وہ اُس کے فعل سے راضی نہ ہوں یا بوجہ کم عقلی کے یا مورث سے عقل میں زیادہ ہونے کی وجہ سے۔

چھٹا مسئلہ

تینوں اماموں کا قول اور امام شافعی رضہ کے اقوال مختلفہ میں سے قول راجح یہ ہے کہ اتنی مدت تک کے لئے اجارہ کا عقد صحیح ہے جتنی مدت شے معین (جسکو کرایہ پر دیا جائے) کے باقی رہنے کا غالب گمان ہو۔ حالانکہ امام شافعی رضہ کا دوسرا قول یہ ہے کہ ایک سال سے زیادہ کے لئے درست نہیں۔ اسی طرح اُنکا تیسرا قول یہ ہے کہ تیس ۳۰ سال سے زیادہ کیلئے جائز نہیں پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد اور تیسرے میں تشدید ہے۔

پہلے قول کی وجہ اُس چیز کے باقی رہنے کے اندر غالب گمان پر (یا اسقدر مدت پر جتنی مدت وہ چیز اکثر باقی رہا کرتی ہے) عمل کرنا ہے۔ اگرچہ سو سال یا اس سے بھی زیادہ ہوں اور اُس کے اندر مدت دراز یا کوتاہ ہونے میں کچھ بھی فرق نہیں۔

اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ بعض دفعہ چیز ایک سال کے بعد بدل جاتی ہے۔

اور تیسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ تیس سال ہی اسقدر مدت ہے کہ لوگوں کی اُمیدیں اتنی مدت تک ختم ہو جاتی ہیں۔ پس اختلاف احوال مخلوق کی رعایت پر مبنی ہے۔

ساتواں مسئلہ

امام مالک رضہ کا قول اور امام شافعی رضہ کے دو قولوں میں سے ایک قول یہ ہے کہ کاریگر جب کسی چیز کو بنانے کے لئے اپنے گھر لے جائے تو وہ اُس کا ضامن ہے۔ اور اُس کا جو چیز کے اندر اُس سے نقص وغیرہ ہو جائے۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رضہ اور امام شافعی رضہ کے دو قولوں میں سے ارجح قول یہ ہے کہ اُسپر ضمان صرف اُسی صورت میں ہے کہ خود اُس کا ہاتھ دست درازی کرے یا وہ خود اُس میں کوتاہی کرے۔ اسی طرح امام ابو یوسف رضہ اور امام محمدؒ کا قول یہ ہے کہ اُس پر اُس فعل میں ضمان لازم ہے جس سے اجتناب ممکن ہو نہ اُس میں کہ جس سے اجتناب ممکن نہ ہو جسطرح جل جاتا اور یہ امر غالب ہوتے رہتے ہیں۔ اور اگر وہ چیز جانور ہو تو مثلاً تلف ہو جائے تو (اُن سب صورتوں میں) اُسپر ضمان لازم نہیں۔ اسی طرح امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ مزدور ضامن نہیں ہوتے مگر صرف رنگریز کہ وہ ضامن ہوتا ہے۔ جس وقت تنہا ہو عمل کرنے میں خواہ مزدوری پر عمل کرے یا بغیر مزدوری کے مگر وہ صورت مستثنیٰ ہے کہ اس امر پر گواہ گذر جائیں کہ عامل چیز کے ضائع ہونے سے پہلے (عمل سے) فارغ ہو چکا تھا کہ اُسوقت رنگریزی ہو گا۔

پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف اور تیسرا اور اُسکے بعد کا قول مفصل ہے۔ اور ان تمام اقوال کی وجوہ ظاہر ہیں۔

آٹھواں مسئلہ

تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ اگر درزی اور کپڑے والے کا اس میں اختلاف ہو کہ کرتہ

سینے کو کہا تھا یا عبا تو درزی کا قول معتبر ہوگا۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رحمہ کا قول یہ ہے کہ کپڑے والے کا قول معتبر ہوگا پس پہلا قول کپڑے والے پر مشدد اور درزی پر مخفف ہے اور دوسرا پہلے کا برعکس ہے۔

نواں مسئلہ امام ابو حنیفہ رحمہ اور امام احمد رحمہ کا قول یہ ہے کہ اُن شرعی امور پر مزدوری لینا درست نہیں جو باعث قربت ہوں۔ مثلاً حج اور تعلیم قرآن شریف، اور امامت کرنا، اور اذان پڑھنا۔ حالانکہ امام مالک رحمہ اور امام شافعی رحمہ کا صرف امامت میں جواز کا قول یہ ہے اور اصحاب امام شافعیؒ کا اس میں اختلاف ہے۔ پس پہلا قول مشدد اور اہل دین و تقویٰ کے ساتھ خاص ہے اور دوسرا مخفف اور معمولی درجہ کے لوگوں کے ساتھ خاص ہے۔

دسواں مسئلہ امام مالکؒ اور امام شافعی رحمہ اور امام احمد رحمہ کا قول یہ ہے کہ نمازی کو جائز ہے کہ نماز پڑھنے کے لئے کوئی مکان کرایہ پر لے۔ پس مالک مکان کو چاہئے کہ مدت معلومہ (جب تک نمازی اُس میں نماز پڑھے) کے لئے کرایہ پر دیدے پھر وہ مکان (بعد مدت گذر جانے کے) مالک کی ملک میں لوٹ جائے گا۔ اور وہ کرایہ لے لیگا۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رحمہ کا قول یہ ہے کہ درست نہیں اور اس کے لئے کرایہ جائز نہیں۔ ابن ہبیرہ کا قول یہ ہے کہ یہ بات امام ابو حنیفہ رحمہ کی بڑی خوبیوں میں سے ہے نہ اُن کے معائب میں سے۔ کیونکہ یہ حکم اُن کے نزدیک (نماز کے) منجملہ قربات ہونے پر مبنی ہے اور اُجرت مزدوری لی نہیں جاتی پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے اور متقین کے ساتھ مخصوص ہے۔

گیارھواں مسئلہ امام شافعی رحمہ اور جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ اگر فوجی شخص اُن مربعوں کو جو اُسے بادشاہ نے بطور (قطعہ) کے دے ہیں کرایہ پر دیدے تو صحیح ہے کیونکہ فوجی اُس کی منفعت کا مستحق ہے۔ شیخ تقی الدین سبکی رحمہ کا قول یہ ہے کہ ہم علماء اسلام سے اطراف مصر اور شام میں ہمیشہ سنتے رہے ہیں کہ مربعوں کو کرایہ پر دینا صحیح ہے۔ یہانتک کہ جب شیخ تاج الدین فزاری اور اُن کے صاحبزادے شیخ تاج الدین آئے تو اُنھوں نے کہا جو کچھ کہا یعنی عدم جواز۔ اور امام احمد رحمہ کے مذہب میں یہی قول مشہور ہے۔ اور یہی امام ابو حنیفہ رحمہ کا ہے (یعنی ناجائز ہے) پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔

بارھواں مسئلہ امام شافعی رحمہ کے دو قولوں میں سے قول اظہر یہ ہے کہ کرایہ کی معین چیز کا (مالک کو) فروخت کر دینا درست ہے۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رحمہ کا قول یہ ہے کہ اس کا فروخت کرنا جائز نہیں مگر کرایہ دار کی اجازت سے۔ پھر اُسے اختیار ہے بیع کو جائز رکھے یا باطل کر دے اسی طرح امام مالکؒ اور امام احمد رحمہ کا قول یہ ہے کہ کرایہ کی چیز کا (مالک کو) کرایہ دار کے ہاتھ فروخت کرنا جائز نہیں مگر کرایہ دار کی اجازت سے پھر اُسے اختیار ہے خواہ بیع کو جائز رکھے یا باطل کر دے۔ اسی طرح امام مالک رحمہ اور امام احمد رحمہ کا قول یہ ہے کہ کرایہ کی چیز کا (مالک کو) کرایہ دار کے ہاتھ فروخت کرنا تو درست ہے۔ دوسرے کے ہاتھ نہیں کیونکہ (اُس کے ہاتھ اگر فروخت کی گئی) تو کرایہ دار کی تحصیل منفعت تک دست رسی دشوار نہ ہوگی۔ بر خلاف دوسرے کے ہاتھ فروخت کر دینے کے (کہ اُس صورت میں اُس چیز سے نفع حاصل کرنا دشوار ہوگا) پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مفصل اور تیسرے میں مالک شے پر تشدید ہے۔ اور تمام اقوال کی وجوہ ظاہر ہیں۔

تیرھواں مسئلہ امام مالک رحمہ اور امام شافعی رحمہ اور امام احمد رحمہ اور امام ابو یوسف رحمہ اور امام محمدؒ کا قول یہ ہے کہ اگر کسی نے کوئی چوپایہ کرایہ پر لیا سوار ہونے کے لئے پس اُس نے عادت

کے موافق اُس کے لگام بھی دی تو اُسپر ضمان لازم نہ ہوگا۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ وہ چوپایہ کی قیمت کا ضامن ہوگا۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔ اور پہلا قول معمولی لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور دوسرا اہل تقوی اور دینداروں کے ساتھ۔ اور ہو سکتا ہے کہ اسکے برعکس ہو۔

چودھواں مسئلہ

امام ابو حنیفہ رضہ اور امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ دنانیر اور دراہم کو کرایہ پر دینا تاکہ اُن سے زینت اور جمال حاصل کیا جائے جائز ہے جس طرح مثلاً کوئی صراف ہو۔ حالانکہ امام شافعی رضہ اور امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ جائز نہیں۔ پس پہلا قول مخفف اور معمولی لوگوں کے ساتھ خاص ہے اور دوسرا مشدد ہے اور دینداروں متقیوں کے ساتھ خاص ہے۔

پندرھواں مسئلہ

امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ زمین کو اسی کی پیداوار یا اُسی کی آمدنی کی عوض میں کرایہ پر دینا درست نہیں۔ اسیطرح کھانے کی اشیاء کے بدلہ میں دینا جسطرح مچھلی اور شہد اور رگنا اور تمام وہ اشیاء جو کھائی جاتی ہیں۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رضہ اور امام شافعی رضہ اور امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ زمین کی تمام پیداوار اور ہر قسم کھانے کی چیز کے بدلہ میں کرایہ پر دینا درست ہے جسطرح سونے اور چاندی اور اسباب کے بدلہ میں درست ہے۔ اسی طرح امام حسن رضہ اور طاؤس رضہ کا قول یہ ہے کہ زمین کو مطلقاً کسی حالت میں کرایہ پر دینا درست نہیں۔ پس پہلا قول مشدد اور اُن لوگوں کے ساتھ خاص ہے جو تقویدار اور سود میں واقع ہو جانے سے ڈرتے ہیں اس اعتبار سے کہ وہ شئے مطعوم جو زمین سے حاصل ہوئی ہے۔ زمین میں بیج کے طور پر ڈالی گئی تھی۔ لہذا اُس قاعدے کی مثل ہوا جو عمدہ کھجور ایک سیر لینے کا ہے۔

اور دوسرے کی وجہ کہ زمین سے جو پیدا ہوا ہے اُس کی قسم اور ہے جیسے سونے اور چاندی کی نوع اور ہے یعنی زمین اور ان اشیاء میں اختلاف نوع ثابت ہے (لہذا جائز ہے کہ کرایہ اُن کا ٹھیرے)

اور تیسرے قول کی وجہ جو بہت ہی مشدد ہے اپنے مسلمان بھائیوں کے حق کو پورا کرنا ہے پس جو آدمی اپنی زمین میں کاشت کرنے کا حاجتمند ہو وہ خود کاشت کرے اور جو اُس سے غنی ہو وہ اپنے بھائی مسلمان کو بلاکرایہ ہی کھیتی کرنے کو دیدے کیونکہ زمین سے نفع اُٹھانے کے اندر اصل یہی ہے اور اُس کے کرایہ سے نفع اُٹھانا اُس اصل کی فرع ہے اور شارع علیہ السلام کی جانب سے رخصت ہے ورنہ زمین تو دراصل بندگان خدا کے نفع کے واسطے پیدا کی گئی ہے کوئی زبردستی اور تغلب کا مجاز نہیں پس جسکو اُس کی ضرورت ہو وہی اُسکا مستحق ہے۔

سولھواں مسئلہ

چاروں اماموں کا قول یہ ہے کہ جس نے کسی زمین کو گیہوں کی کھیتی کرنے کے لئے کرایہ پر لیا تو جائز ہے کہ جو کی کھیتی کرے اسی طرح ہر اُس غلہ کی جو زمین میں اسیقدر ضرر رسانی کرے جسقدر گیہوں کرتا ہے حالانکہ امام داود وغیرہ کا قول یہ ہے کہ گیہوں کے سوا کسی چیز کی کھیتی نہیں کر سکتا۔ پس پہلا قول مخفف اور معمولی لوگوں کے ساتھ خاص ہے اور دوسرا قول مشدد، اور اہل تقوی کے ساتھ مخصوص ہے۔

سترھواں مسئلہ

امام مالک رضہ اور امام شافعی رضہ اور امام احمد رضہ اور امام ابو یوسف اور امام محمد رضہ کا قول یہ ہے کہ مشترک چیز کو کرایہ پر دینا درست ہے۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ درست نہیں مگر اُسوقت کہ اپنا حصہ اپنے شریک ہی کو کرایہ پر دے (تو اُس وقت درست ہے۔) اور غیر کو رہن یا ہبہ کرنا تو کسی طرح صحیح ہے نہیں۔ پس پہلا قول مخفف اور اُن اہل تقوی کے ساتھ خاص ہے جو اُس شخص سے بخل نہیں کرتے جس سے وہ معاملہ کرتے ہیں۔ اور دوسرا قول مشدد اور اُن معمولی لوگوں کے

ساتھ مخصوص ہے جو اپنے بھائی سے بخل کرتے ہیں اور اپنے لئے پورے حصہ کا لحاظ کر لیتے ہیں اور پھر اُن کو حاکموں کی طرف مقدمہ لیجانے کی حاجت ہوتی ہے۔

اُٹھارھواں مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ اجارہ میں تین دن کے لئے شرط خیار صحیح ہے جسطرح بیع کے اندر۔ حالانکہ امام شافعی رحؒ کا قول یہ ہے کہ یہ جائز نہیں پس پہلا قول مخفف اور عام معمولی لوگوں کے ساتھ خاص ہے جو اپنے بھائی کے لئے پورے حصہ کے ملجانے سے نادم اور پشیمان ہوتے ہیں اور دوسرا قول مشدد اور اُن دیندار و متقی لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے جو اپنے بھائی کے لئے پورے حصہ کا خیال کرتے ہیں۔ اور علت مشترکہ جامعہ یہ ہے کہ اجارہ کے اندر بھی منافع کی بیع ہوتی ہے لہذا اجارہ اور اشیاء عینیہ کی بیع میں کچھ فرق نہ رہا مگر سوچنے والے کے نزدیک۔

اُنیسواں مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ جب کسی شخص نے غلام یا کوئی مکان کرایہ پر لیا پھر اُس سے نفع نہ اُٹھایا تو کرایہ اُسپر لازم ہوا۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ کا قول یہ ہے کہ اُسپر کرایہ لازم نہیں کیونکہ اُس نے اُس سے نفع ہی نہ اُٹھایا۔ پس پہلا قول مشدد اور دیندار اور اہل تقویٰ کے ساتھ خاص ہے اور دوسرا قول مخفف اور معمولی لوگوں کے ساتھ خاص ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم و علمہٗ اتم۔

کتاب مُردہ زمین کو زندہ کرنیکے بیان میں

مسائلُ اجماعیہ

اماموں کا اسپر اتفاق ہے کہ بیکار اُفتادہ زمین کو قابل کاشت بنانا مسلمان کے لئے جائز ہے۔ اگرچہ وہ زمانہ اسلام ہی کی بیکار پڑی ہوئی ہو۔ صرف یہی مسئلہ اجماعیہ ملا ہے۔

مسائلُ اختلافیہ

پہلا مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ ذمی کو اسلام کی افتادہ زمین کا سرسبز و قابل کاشت بنانا صحیح نہیں۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ کا قول یہ ہے کہ جائز ہے۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ ذمی کو زمین سنوارنے پر قدرت دینا اُس کے لئے موجب اعزاز ہے جو اُسے ذلت سے نکالدیتا ہے (اور ذلت اُس کے لئے باقی رکھنی چاہئے) اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ اُس کے زمین اسلام کو سنوارنے اور بستی میں اُس کے مکان بنانے کے اندر سوچنے والے کے لئے کچھ فرق نہیں دیکھا گیا وجہ کہ ثانی الذکر جائز ہو نہ اول)

دوسرا مسئلہ امام ابو حنیفہ رحؒ کا قول یہ ہے کہ زمین کو سنوارنے میں امام کی اجازت کی ضرورت ہے۔ حالانکہ امام مالکؒ کا قول یہ ہے کہ جو زمین آبادی سے علیحدہ بالکل جنگل میں ہو یا وہ زمین

اِس قسم کی ہو کہ لوگ اُس کے اندر بخل نہ کرتے ہوں تو اُس کے اندر حاکم کی اجازت ضرور نہیں۔ اور جو زمین آبادی سے نزدیک ہو یا اس طور پر واقع ہوئی ہو کہ اُس کے اندر لوگ بخل کرتے ہوں تو اُس میں حاکم کی اجازت ضرور ہونی چاہئے۔ اسی طرح امام شافعی رحمہ اور امام احمد رحمہ کا قول یہ ہے کہ مطلقاً حاکم کی اجازت کی ضرورت نہیں۔ پس پہلا قول مشدد اور باادب لوگوں کے ساتھ خاص ہے جو اپنے حاکم کی تعظیم کرتے ہیں۔ اور دوسرا قول مفصل اور تیسرا مخفف ہے اور اُس کی دلیل صریح حدیث ہے کہ (من احیا ارضا میتة فھی لہ) ترجمہ "جو کسی مردہ (بنجر) زمین کو زندہ (قابل کاشت) بنا دے تو وہ زمین اسی کی ہے،، تو لفظ من (جو مسلمان اور ذمی اور جس کو حاکم نے اجازت دی ہوا جسے نہ دی ہو ہر ایک کو شامل ہے

تیسرا مسئلہ امام ابوحنیفہ رحمہ اور امام مالک رحمہ کا قول یہ ہے کہ جو زمین کسی کی مملوک تھی پھر اُس کے مالک نہ رہے (اور اُنکا نام و نشان بھی نہ رہا) اور اُس کو بہت زمانہ گذر چکا تو وہ زمین زندہ (قابل کاشت) بنانے سے ملک میں (بنانے والے کی آجائے گی) حالانکہ امام شافعی رحمہ کا قول اور امام احمد رحمہ کی دو روایتوں میں سے ایک روایت یہ ہے کہ وہ زمین زندہ کرنے سے مملوک نہ ہوگی۔ پس پہلا قول مخفف اور معمولی لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور دوسرا قول مشدد اور اہل تقویٰ کے ساتھ خاص ہے۔

چوتھا مسئلہ امام ابوحنیفہؒ اور امام مالک رحمہ کا قول یہ ہے کہ زمین کو زندہ کرنا اور اُس کا مالک ہونا اُس کو گھیر دینے اور پانی سینچنے سے ہوتا ہے۔ اور اگر مکان ہو تو اُس کی دیوار بنا دینے سے اگرچہ اُس پر چھت نہ ڈالے حالانکہ امام مالک رحمہ کا قول یہ ہے کہ زمین اُس طریقہ سے ملک میں آجاتی ہے جو عادتاً اُس جیسی زمین کو زندہ کرنا سمجھا جاتا ہو۔ مثلاً عمارت بنانا، یا پودے لگانا، یا کنواں کھودنا، وغیرہ حالانکہ امام شافعی رحمہ کا قول یہ ہے کہ اگر زمین کھیتی کے لئے سنواری ہے تو کھیتی کرنے سے ملک میں آئے گی اور اگر رہائش کے لئے سنواری ہے تو اُس کے کوٹھے اور چھت بنا دینے سے ملک میں آتی ہے۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرے میں تشدید اور تیسرا مفصل ہے۔

پانچواں مسئلہ امام ابوحنیفہ رحمہ کا قول یہ ہے کہ کنوے کا حریم (گرد و احاطہ) ہر طرف سے چالیس چالیس ہاتھ ہے اگر اس سے ہمیشہ اونٹ سیراب کرتے ہوں اور اگر ڈول سے سیراب کیا جائے تو ساٹھ ساٹھ ہاتھ ہے۔ اور اگر چشمہ ہو تو تین سو ہاتھ ہے۔ اور امام موصوف سے ایک روایت یہ ہے کہ پانچسو ہاتھ ہے۔ پس جو آدمی اُس کنوے کے حریم میں اور کنواں کھودنا چاہے تو وہ شخص اُس سے منع کیا جاسکیگا حالانکہ امام مالک رحمہ اور امام شافعی رحمہ کا قول یہ ہے کہ اس کے لئے کوئی حد مقرر نہیں اور اس بارہ میں عرف کا اعتبار ہے۔ اسی طرح امام احمد رحمہ کا قول یہ ہے کہ اگر وہ کنواں مردہ زمین میں ہو تو اُس کا حریم پچیس ہاتھ ہے اور اگر آباد زمین میں ہو تو پچاس ہاتھ ہے: اور اگر چشمہ ہو تو پانچسو ہاتھ ہے۔ پس پہلا قول مفصل ہے اسی طرح تیسرا اور دوسرے میں تخفیف ہے اور شاید اُنکے اندر حکم زمین کی سختی اور نرمی اور پانی پر کثرت سے آنے اور کم آنے سے مختلف ہوگا پس پہلا کلام تمام اماموں کا صحیح ہے اور وجہ ہر ایک کی ظاہر ہے۔

چھٹا مسئلہ امام ابوحنیفہ رحمہ کا قول اور امام مالک رحمہ کی دو روایتوں میں سے اظہر روایت یہ ہے کہ جب زمین مملوکہ میں گھانس اُگ آوے تو صاحب زمین اُس کا مالک ہوگا لہذا جو بھی اُسے لے لے گا وہی اُس کا مالک ہو جائے گا۔ حالانکہ امام شافعی رحمہ کا قول یہ ہے کہ زمین کا مالک ہونے کی وجہ سے گھاس کا بھی وہی

مالک ہے۔ اسی طرح امام مالک رحمہ کا قول یہ ہے کہ اگر زمین کا احاطہ کیا ہوا ہے تو صاحب زمین مالک ہوگا۔ اور اگر احاطہ نہیں کیا گیا ہے تو گھانس کا مالک نہ ہوگا۔ پس پہلا قول مالک پر مشدد اور مسلمانوں پر مخفف ہے اور تیسرا قول مفصل ہے اور ظاہر قواعد شرعیہ امام شافعی رحمہ کے قول کی تائید کرتے ہیں۔ اور پہلے قول کی دلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے کہ (الناس شرکاء فی ثلاث الماء والکلاء والنار) ترجمہ "لوگ تین چیزوں میں باہم شریک ہیں پانی اور گھانس اور آگ میں"، کیونکہ یہ قول اس گھانس کو بھی شامل ہے جو زمین مملوک میں اُگے۔ اور اُس کو بھی جو جہاد زمین میں۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ صاحب زمین اکثر گھانس کی طرف توجہ نہیں کیا کرتے۔ برخلاف درختوں کے پھلوں کے اور دوسرے قول کی وجہ احتیاط کو لینا ہے۔ لہذا کسی کو مناسب نہیں کہ گھانس کو مالک زمین کی اجازت و رضامندی کے بغیر لیوے اور یہ قول اہل تقوےٰ کے ساتھ خاص ہے۔ اور امام مالک رحمہ کے قول کی وجہ یہ ہے کہ احاطہ کر دینا گھانس کی طرف توجہ پر دلالت کرتا ہے۔ لہذا کسی کو صاحب زمین کی اجازت کے بغیر گھانس کا لینا درست نہ ہوگا۔ برخلاف اُس صورت کے کہ اُس کا احاطہ نہ کیا ہو۔ کیونکہ وہ لوگوں کو ایک قسم کی اجازت دیدینے پر دال ہے۔

ساتواں مسئلہ امام مالک رحمہ کا قول یہ ہے کہ جب انسان کی حاجت اور اُس کے چوپایوں اور کھیتی سے کچھ مال بچ رہے جو نہر یا اُس کے کنوئے میں ہو تو اگر نہر یا کنواں جنگل میں ہے تو اُن دونوں کے ساتھ صاحب حاجت مالک زیادہ سزاوار ہے اور جو حاجت سے زائد ہو اُسکو خرچ کر دینا (دوسروں پر) واجب ہے۔ اور اگر کنواں یا نہر باغ میں ہو تو بچے ہوئے کو پڑوسی کے خرچ میں لانا لازم ہے۔ یہانتک کہ خود پڑوسی کا کنواں یا اُس کی نہر درست ہو جائے۔ پس اگر وہ اُس کے درست کرنے میں سستی کرتا ہو تو وہ کسی چیز کا مستحق نہ ہوگا۔ اور آیا اُس کے بدلہ اور عوض کا مستحق ہوگا تو اُس میں دو نوں روایتیں ہیں۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اور اصحاب امام شافعی کا قول یہ ہے کہ انسانوں اور چوپایوں کے پینے میں بلاعوض خرچ کرنا اُسپر واجب ہے کھیتی کے لئے لازم نہیں۔ اور (کھیتی میں) عوض لینا اُسے درست ہے مگر نہ لینا اچھا ہے۔ اسی طرح امام احمد رحمہ کی دو روایتوں میں سے ایک یہ ہے کہ اسپر خرچ کرنا بلا چوپایہ اور سینچنے کی اُجرت لئے واجب ہے اور اُسے فروخت کرنا درست نہیں پس پہلا قول مالک پر مخفف اور تیسرا مشدد ہے انسانوں اور چوپایوں پر رحمت کے نقطہ نظر سے۔ اور دوسرا مفصل ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔

کتاب وقف کے بیان میں

مسائلِ اجماعیہ

اماموں کا اسپر اتفاق ہے کہ وقف کرنا تقرب حق تعالیٰ کا سبب ہے اور اسپر بھی کہ جس سے نفع اُٹھانا بغیر اُس کی ذات تلف کرنے کے ممکن نہ ہو جس طرح سونا اور چاندی اور کھانے کی اشیاء تو اُس کا وقف صحیح نہیں۔ اور اسپر بھی کہ مشترک چیز کا وقف جائز ہے۔ جسطرح اُسکو ہبہ کرنا اور کرایہ پر دینا درست ہے۔ حضرت امام محمد بن حسن رحمہ کا

اس میں اختلاف ہے اُن کا قول ہے کہ مشترک چیز کو کرایہ پر دینا اور وقف کرنا دونوں ناجائز ہیں اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ شے وقف کردہ جب خراب ہو جائے تو وہ واقف کی ملک میں نہیں لوٹتی ہے۔ یہاں تک مسائل اجماعیہ ختم ہوئے۔

مسائل اختلافیہ

پہلا مسئلہ امام مالک رضہ اور امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ وقف صرف زبان سے بولدینے سے لازم ہو جاتا ہے اگرچہ حاکم نے ابتک حکم نہ کیا ہو اور وہ چیز واقف کی ملکیت سے خارج ہو جاتی ہے۔ اگرچہ ابتک اُس کے قبضہ سے نہ نکلی ہو۔ حالانکہ محمد بن حسن رضہ کا قول یہ ہے کہ جب تک اپنے قبضہ سے نہ نکالے اُسوقت تک وقف صحیح نہیں ہوتا۔ اس طرح کہ اُس وقف پر کوئی ولی (متولی) مقرر کرکے اُس کے سپرد کر دے اور امام مالک رضہ سے ایک روایت یہی ہے۔ اسی طرح امام ابو حنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ وقف ایک عطیہ ہے کہ صحیح تو ہو جاتا ہے۔ لیکن لازم اور خارج از ملک اُسیدم ہوتا ہے کہ اُس کے ساتھ حاکم کا حکم متعلق ہو جائے یا اُس کو اپنی موت کے ساتھ معلق کرے مثلاً یوں کہے کہ (جب میں مرجاؤں تو میرا مکان فلاں کے لئے وقف ہے) پس پہلا قول واقف پر مشدد ہے اور دوسرا مفصل اور تیسرا اُسپر مخفف اور تینوں اقوال کی وجوہ ظاہر ہیں۔

دوسرا مسئلہ امام شافعی رضہ اور امام احمد رضہ کا قول اور امام مالک رضہ کی بہت سی روایتوں میں سے ایک روایت یہ ہے کہ حیوان کا وقف کرنا صحیح ہے۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رضہ کا قول اور امام مالک رضہ سے دوسری روایت یہ ہے کہ منقولی چیز کا وقف درست نہیں۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔ پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ وقف کرنا مشہور فعل ہے اگرچہ ایک مدت کے بعد وہ تلف ہی ہو جائے۔

دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ وقف ہمیشگی اور نفع دائمی کے لئے کیا جاتا ہے اور حیوان اکثر ہلاک ہوتا رہتا ہے اس لئے اُس کا وقف صحیح نہیں

تیسرا مسئلہ اصحاب امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ شے وقف کردہ کی گردن کی ملک جسپر وقف کی جائے اُس کی طرف منتقل ہو جاتی ہے۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رضہ اور اکثر اصحاب امام شافعی رضہ اور خود امام شافعی رضہ کا راجح قول یہ ہے کہ وقف جب صحیح ہو جاتا ہے تو وقف کرنے والے کی ملک سے نکل جاتا ہے لیکن جسپر وقف کیا ہے اُس کی ملک میں داخل نہیں ہوتا۔ پس پہلا قول وقف کرنے والے پر مشدد اور دوسرے میں اُسپر تشدید ہے کہ جس پر وقف کیا جائے۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ وقف مشروع ہونے کا سبب یہ ہے کہ بندہ اپنے مولیٰ کے ساتھ اپنی ملکیت کا مدعی ہے جس طرح واجبہ زکوۃ میں علماء کا قول ہے تو گویا وہ وقف کرکے اُس وقف کردہ چیز کی ملکیت کو خدا کی طرف نسبت کرکے اپنی ملکیت سے بیزار ہو جاتا ہے اور جو اپنی ملکیت سے خارج نہ کیا تو گویا ملکیت سے بیزار نہ ہوا۔

دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ وقف کرنے والے جب اپنی مقبوض چیز کی ملکیت کو حق تعالیٰ کی طرف راجع کر دیا تو وہ لوگ جنپر وقف کیا گیا حق تعالیٰ سے جدید تملیک کے محتاج ہوئے اور وہ اُنہیں حاصل نہ ہوئی۔ اور نیز کوئی شخص دراصل اُس سے نفع اُٹھانے کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ جب کوئی معین آدمی (جو وقف سے منتفع ہوتا تھا) مرجائے تو وہ اُس سے منتقل ہو کر اُس کے بعد کے لوگوں کے لئے وقف رہتا ہے اور اگر وہ وقف کردہ چیز اُن لوگوں کی

ملک ہو جایا کرتی جسپر وقف کیا گیا ہو تو اُن کی اجازت کی ضرورت ہوتی کہ بعد میں اس سے کون شخص منتفع ہو۔ پس اسکو خوب سمجھ لو۔

چوتھا مسئلہ امام ابوحنیفہ رح اور امام احمد رح کا قول یہ ہے کہ انسان کا اپنے نفس پر وقف کرنا صحیح ہوتا ہے۔ حالانکہ امام مالک رح اور امام شافعی رح کا قول یہ ہے کہ صحیح نہیں۔ پس پہلا قول وقف کرنے والے پر مخفف اور اُن بخیلوں کے ساتھ مخصوص ہے جنکی جانیں حُبِ دنیا کے گڑھے سے خلاصی نہیں پاتیں۔ لہٰذا یہ وقف ایسا ہوا جس طرح کوئی موت کے وقت وصیت کرے اور حدیث میں وارد ہے کہ بہترین صدقہ وہ ہے کہ تو حالت تندرستی اور بخل میں صدقہ کرے کہ باقی رہنے کی اُمید کرتا ہوا ور فقیری سے ڈرتا ہو۔ اور یہ صدقہ نہیں ہے کہ موت آجائے تو کہنے لگے کہ فلاں کو اتنا مال دینا اور فلاں کو اتنا۔ (آخر حدیث تک)
اور دوسرے قول کی وجہ جو وقف کرنے والے پر مشدد ہے یہ ہے کہ مسئلہ مذکورہ کی بنا تقربات شرعیہ کے قانون پر ہے وہ یہ کہ موت آنے سے پہلے اُن کی طلب کی طرف سبقت کرنی چاہئے۔

پانچواں مسئلہ امام مالک رح کا قول یہ ہے کہ وہ وقف صحیح ہے جس میں اُسکا کوئی مصرف معین نہ کیا گیا ہو مثلاً یوں کہدے میں نے اپنے اس مکان کو وقف کر دیا۔ اسی طرح امام موصوف اور امام شافعی رح کے نزدیک وہ وقف صحیح ہے کہ منقطع الآخر (یعنی مؤبد نہ ہو بلکہ اُس کی کوئی انتہا ہو) ہے۔ مثلاً یوں کہا کہ میں فلاں مال اپنی اولاد اور اُن کی اولاد پر وقف کرتا ہوں۔ اور یہ نہ کہا کہ اُن میں سے کوئی نہ رہے تو فقرا وغیرہ پر۔ اور حکم اس صورت میں یہ ہے کہ مذکورین کے موجود نہ رہنے کی صورت میں واقف کے فقرا رشتہ داروں کی طرف لوٹایا جائے گا۔ پس اگر وہ بھی موجود نہ ہوں تو مطلق فقرا المسلمین کی طرف۔ اور یہی قول امام ابو یوسف رح اور امام محمد رح کا ہے۔ حالانکہ امام شافعی رح کا قول یہ ہے کہ وقف بتعیین مصرف نہ ہونے کی صورت میں باطل ہوتا ہے۔ پس پہلے قول میں وقف کرنے والے پر تخفیف اور دوسرا مشدد ہے۔ اسلئے کہ جب تعیین مصرف نہ ہو تو وقف کو باطل کیا گیا ہے

چھٹا مسئلہ امام ابو یوسف کا قول یہ ہے کہ شے وقف کردہ جب خراب ہو جائے تو اُسکو فروخت کرکے اُس کی قیمت مصرف معین میں خرچ کرنا جائز نہیں جسطرح مثلاً مسجد خراب ہو جائے اور اُس کے دوبارہ درست ہونے کی اُمید نہ رہے۔ حالانکہ امام محمد رح کا قول یہ ہے کہ وہ شے پھر مالک کی طرف لوٹ جاتی ہے۔ اور امام ابوحنیفہ رح سے اس بارہ میں کوئی تصریح منقول نہیں۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا اس اعتبار سے کہ وقف ثابت ہو کر بعد میں باطل ہو گیا مخفف ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔

کتاب ہبہ کے احکام میں

مسائل اجماعیہ

اماموں کا اسپر اتفاق ہے کہ ہبہ ایجاب (ہبہ کرنے والے کا اس شخص کے سامنے پیش کرنا جسکو ہبہ کرے) اور قبول

اور قبضہ سے صحیح ہوتا ہے۔ اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ وعدۂ خیر کو پورا کرنا چاہئے اور اسپر بھی کہ ہبہ کے ساتھ اپنی بعض اولاد کو مخصوص کرنا مکروہ ہے۔ اسی طرح اُن میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دینا۔ یہانتک مسائل اجماعیہ ہوئے۔

مسائل اختلافیہ

پہلا مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ ہبہ صحیح ہونے کے لئے قبضہ ضروری ہے۔ حالانکہ امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ نہ اُس کی صحت کے لئے قبضہ کی ضرورت ہے اور نہ اُس کے لازم ہونے کے لئے۔ بلکہ اُن دونوں باتوں کے لئے صرف ایجاب وقبول کافی ہے۔ لیکن اُس کے نافذ اور کامل ہونے میں قبضہ شرط ہے۔ اور امام مالک نے اِس سے اُس صورت کو نکال دیا کہ مثلاً ہبہ کرنے والا قبضہ دلانے کو ٹالتا رہا باوجود موہوب لہٗ (جسکو ہبہ دیا جائے) کے اُس سے مطالبہ کرنے کے۔ یہانتک کہ ہبہ کرنے والا مرگیا اور موہوب لہٗ برابر مطالبہ میں لگا رہا تو وہ ہبہ باطل نہ ہوگا اور موہوب لہٗ کو میت کے ورثا سے مطالبہ درست ہے۔ پس اگر اُس نے مطالبہ ترک کر دیا تھا یا باوجود شئے موہوب پر قبضہ ممکن ہونے کے پھر بھی اُس نے قبضہ نہ کیا یہانتک کہ ہبہ کرنے والا مرگیا یا مریض ہوگیا تو ہبہ باطل ہوا اور ابن ابی زید قیروانی نے اپنے رسالہ میں یہ عبارت لکھی ہے کہ "کوئی ہبہ اور کوئی صدقہ بغیر قبضہ میں جائے تمام نہیں ہوتا"۔ پس اگر وہ بغیر قبضہ کے مرجائے تو وہ میراث میں شامل ہوگا۔ حالانکہ امام احمد رضہ کی دو روایتوں میں سے ایک روایت یہ ہے کہ ہبہ بلا قبضہ کے مملوک ہوجاتا ہے۔ پس پہلا قول مشدد اور قواعد شرعیہ پر مبنی ہے جسطرح بیع۔ اسی طرح اور باقی تملیکات اور دوسرا قول موہوب پر مخفف اور واہب پر مشدد ہے۔

دوسرا مسئلہ امام مالک رضہ اور امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ مشترک چیز کا ہبہ درست ہے جسطرح بیع (درست ہے) اور قبضہ کی صورت یہ ہے کہ ہبہ کرنے والا تمام مال موہوب کو موہوب لہٗ کے سپرد کر دے پھر وہ اُس میں سے اپنا حق لے لے اور اُس کے شریک کا حصہ موہوب لہٗ کے ہاتھ میں بطور امانت کے رہے گا۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر وہ مشترک چیز ایسی ہو کہ اُس کی تقسیم نہ ہوسکتی ہو مثلاً غلام اور موتی تو اُس کا ہبہ درست ہے اور اگر ایسی ہو کہ اُس کی تقسیم ہوسکے تو اُس میں سے کسی مشترک چیز کا ہبہ درست نہیں۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مفصل ہے

تیسرا مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ باپ پر اسیطرح دادا پردادا وغیرہ کیلئے مستحب ہے کہ ہبہ میں اپنی اولاد کے درمیان برابری کرے۔ حالانکہ امام احمد رضہ اور امام محمد رضہ کا قول یہ ہے کہ اُسے چاہئے ہے مردوں کو مادوں پر فضیلت دے جسطرح وراثت کی تقسیم میں (مذکروں کو مونثوں پر فضیلت ہوتی ہے) پس پہلے قول میں باپ پر تشدید اور دوسرے میں تخفیف ہے۔ پھر اگر بعض اولاد کو بعض پر ہبہ میں ترجیح دے چکا ہو تو کیا زیادتی کو واپس لینا لازم ہے۔ تو تینوں اماموں کا قول ہے کہ لازم نہیں اور امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ اُسپر رجوع کرنا لازم ہے۔

چوتھا مسئلہ امام ابو حنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ باپ نے اپنے بیٹے کو جو ہبہ کر دیا ہو اُسکو وہ کسی حالت میں واپس نہیں لے سکتا۔ حالانکہ امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ وہ ہر حالت میں واپس لے سکتا ہے اسی طرح امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ اس ہبہ کو واپس لے سکتا ہے جسے بطور صلہ رحمی اور محبت کے ہبہ کیا ہو۔ اگرچہ قبضہ بھی ہوچکا ہو۔ اور جو بطور صدقہ کے ہبہ کیا ہو اُسے واپس نہیں لے سکتا۔ امام مالک رضہ نے فرمایا ہے کہ واپس

لینا صرف اسی صورت میں درست ہے کہ بیٹے کے قبضہ میں جاکر شے موہوب میں تغیر ہو گیا ہو یا ہبہ کر دینے کے بعد مقروض ہو جائے یا بیٹی کا نکاح کرنے لگے یا ہبہ کیا ہوا مال اُس کے ہمجنس مال کے ساتھ اِس طرح مخلوط ہو گیا کہ وہ جُدا نہ ہو سکے ورنہ پس واپس لینا جائز نہیں۔ حالانکہ امام احمد رضؒ کی روایات مختلف ہیں اظہر روایت یہ ہے کہ اُسے ہر حالت میں واپس لے لینا درست ہے جسطرح امام ابو حنیفہ رضؒ کا مذہب ہے۔ پس پہلا قول مشدد اور بڑے دیندار و متقی کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور دوسرا مخفف اور معمولی لوگوں کے ساتھ خاص ہے۔ اور تیسرا قول مفصل ہے۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ بعض اولاد اپنے باپ کے ساتھ (معاملہ میں) ایسی ہوتی ہے جسطرح اجنبی لوگ بلکہ مثل دشمن کے اور دوسرے قول کی وجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ (انت ومالك لابيك) ترجمہ "تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے"

پانچواں مسئلہ امام ابو حنیفہ رضؒ اور امام شافعی رضؒ اور امام احمد رضؒ کا قول یہ ہے بلکہ اکثر علماء کا کہ وعدہ خیر کو پورا کرنا مستحب ہے نہ واجب البتہ وعدہ کو وفا نہ کرنے والا تارک فضیلت اور کراہت شدیدہ کا مرتکب ہے مگر گناہگار نہیں۔ حالانکہ ایک جماعت کا قول یہ ہے جن میں سے حضرت عمر بن عبد العزیز بھی ہیں کہ وعدہ کا پورا کرنا واجب ہے۔ اسی طرح بعض اصحاب امام مالک رضؒ کا قول یہ ہے کہ وعدہ اگر کسی سبب کے ساتھ مشروط ہو مثلاً کسی نے کہا کہ (نکاح کر لے تجھے یہ دونگا) تو اُس کا پورا کرنا واجب ہے (جبکہ نکاح کر لے) اور اگر مطلق وعدہ ہو تو ایفاء واجب نہیں۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد اور تیسرا مفصل ہے۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ وعدہ کا ایفاء اس باب سے ہے کہ (فمن تطوع خيرا فهو خير له) اور یہ قول اُن لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے جن کے اندر کچھ بخل ہو۔

اور دوسرے قول کی وجہ منافقوں کی صفات سے دور رہنا ہے کیونکہ جو خلاف وعدہ کرتا ہے وہ خالص منافق ہوتا ہے اگرچہ روزہ دار اور نماز کا پابند ہو اور کہتا ہو کہ میں مسلمان ہوں جیسا کہ حدیث میں وارد ہو چکا ہے اور تیسرے قول کی وجہ ظاہر ہے۔

کتاب گری پڑی چیز اٹھا لینے کے بیان میں

مسائل اجماعیہ

اماموں کا اس پر اتفاق ہے کہ پڑی ہوئی چیز کو (اُٹھانے کے بعد) ایک سال پورا مشہور کرنا چاہئے۔ جبکہ وہ چیز کم قیمت اور معمولی نہ ہو اور نہ ایسی کہ وہ باقی رہنے والی ہو۔ اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ جب اُس چیز کا مالک آجائے تو وہ بہ نسبت اُٹھانے والے کے اُس چیز کا زیادہ حقدار ہے۔ اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ اگر اُٹھانے والے نے ایکسال بعد اُسے کھا لیا تو مالک اصلی کو اختیار ہے کہ خواہ اُس سے ضمان لیوے یا اُس کا کچھ بدلہ لے لے اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ پڑی ہوئی چیز کا اُٹھا لینا جائز ہے۔ اختلاف صرف فضیلت میں ہے۔ یہاں تک مسائل اجماعیہ ختم ہوئے۔

مسائل اختلافیہ

پہلا مسئلہ امام ابو حنیفہ رضؓ کا قول یہ ہے کہ تمام اشیاء کے اندر اُن کو اُٹھا لینا بہ نسبت پڑی ہوئی چھوڑ دینے کے بہتر ہے۔ حالانکہ امام احمد رضؓ کا قول ہے کہ اٹھا لینے سے چھوڑ دینا بہتر ہے۔ اسی طرح امام شافعی رضؓ کے دو قولوں میں سے ایک قول یہ ہے کہ اُٹھا لینا واجب ہے۔ اسی طرح امام شافعی رضؓ کے نزدیک اصح قول یہ ہے کہ اگر آدمی اپنی امانتداری پر اعتماد کرے تو اُٹھا لینا مستحب ہے۔ پس پہلے قول میں تخفیف اور دوسرے میں تشدید اور تیسرا مشدد اور چوتھا مفصل ہے۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ اٹھا لینے میں اپنے بھائی کے مال کی حفاظت ہے۔

دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں کے جھگڑوں تہمتوں سے رہائی اسی میں ہے۔ (کہ نہ اُٹھائے)

تیسرے قول کی وجہ بعینہ اول قول کی ہے۔ صرف یہ فرق ہے کہ تیسرا قول بطور وجوب کے ہے اور پہلا بطور فضیلت کے اور چوتھے کی وجہ ظاہر ہے۔

دوسرا مسئلہ امام ابو حنیفہ رضؓ کا قول یہ ہے کہ اگر پڑی ہوئی چیز اٹھا کر اُسی جگہ رکھدی تو اگر وہ اِس نیت سے اُٹھائی تھی کہ اسے مالک کو دیدونگا تو اُسپر تاوان لازم نہیں ورنہ تاوان لازم ہے۔ حالانکہ امام شافعی رضؓ اور امام احمد رضؓ کا قول یہ ہے کہ ہر حالت میں تاوان دینا لازم ہوگا۔ اسی طرح امام مالک رضؓ کا قول یہ ہے کہ اگر بہ نیت حفاظت اُٹھائی تھی پھر واپس رکھدی تو بھی تاوان لازم ہے۔ اور اگر اٹھانے کے بعد واپس رکھدینے یا لے جانے میں متردد تھا اور پھر واپس رکھدی تو اُس پر تاوان لازم نہیں۔ پس پہلا قول مفصل اور دوسرا مشدد اور تیسرا مفصل ہے۔ اور وجوہ تمام کی ظاہر ہیں۔

تیسرا مسئلہ امام مالک رضؓ کا قول یہ ہے کہ جس نے جنگل میں بکری کو دیکھا اور اُس کے تلف ہو جانے کا ڈر کیا تو اُسے اختیار ہے کہ خواہ اُسے چھوڑ دے یا کھالے اُسپر تاوان کچھ نہیں۔ اسی طرح گائے کا حکم ہے۔ اگر درندوں کے پھاڑ کھانے کا خوف ہو۔ حالانکہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ اگر اُسے کھالیا اور بعد میں اُس کا مالک آیا تو وہ تاوان لے سکیگا۔ پس پہلا قول لینے والے پر مخفف ہے اِسلئے کہ اگر وہ کھالے تو ضمان لازم نہیں۔ اور دوسرا پہلے کا عکس ہے۔

چوتھا مسئلہ امام مالک رضؓ کا قول یہ ہے کہ حرم شریف اور دوسری جگہ کی چیز پڑی ہوئی برابر ہیں۔ پس اگر لینے والا چاہے تو حرم شریف کی پڑی ہوئی چیز اٹھالے اور پھر بعد میں اُس کا مالک ہو جاوے اور چاہے تو صرف بہ نیت حفاظت ہی اُٹھالے۔ اور یہی قول امام ابو حنیفہ رضؓ کا ہے حالانکہ امام شافعی رضؓ اور امام احمد رضؓ کا قول یہ ہے کہ اِس نیت سے اُٹھانا درست ہے کہ اُس چیز کی حفاظت کرے اور جب تک وہاں مقیم رہے اُس کی شہرت کرتا رہے اور جب وہاں سے نکلے تو وہ چیز حاکم کے سپرد کر دے۔ یہ اُس کو جائز نہیں کہ مالک بننے کی نیت سے اُٹھاوے۔ پس پہلا قول اُٹھانے والے پر مخفف اور دوسرے میں اُسپر تشدید ہے۔

پانچواں مسئلہ امام مالک رضؓ اور امام شافعی رضؓ کا قول یہ ہے کہ اُٹھانے والا جب ایک سال تک اُس چیز کی شہرت کر چکے تو اُسے جائز ہے کہ پھر ہمیشہ کے لئے اپنے پاس رہنے دے اور یہ بھی کہ اُس کا صدقہ کر دے اور اُس کو خود کھالینا بھی درست ہے اگرچہ غنی ہی کیوں نہ ہو۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رضؓ کا قول یہ ہے کہ اُٹھانے والا

اگر فقیر ہو تو اُس چیز کا مالک ہو سکتا ہے اور اگر مالدار ہو تو نہیں۔ اور امام ابو حنیفہ رضؓ اور امام مالک رضؓ کے نزدیک یہ بھی جائز ہے کہ لینے والا (اگر فقیر ہو) تو اُس کے مالک بننے سے پہلے (یعنی ایک سال سے پہلے پہلے) صدقہ کر دے لیکن اس شرط سے کہ اگر اس کا مالک آگیا تو اگر اُس نے اِس صدقہ کو باقی رکھا تو خیر ورنہ اُسے مَیں اس کا تاوان یدونگا حالانکہ امام شافعی رضؓ اور امام احمد رضؓ کا قول یہ ہے کہ اُسے ایسا کرنا درست نہیں کیونکہ یہ ایسا صدقہ ہے کہ موقوف رہے گا۔ پس پہلا قول اُٹھانے والے پر مخفف اور دوسرا مفصل ہے۔ اور دوسرے مسئلہ میں سے پہلا قول مفصل اور دوسرا مشدد ہے۔

چھٹا مسئلہ امام مالک رضؓ اور امام شافعی رضؓ کا قول یہ ہے کہ اگر کسی نے جنگل میں تنہا اونٹ پایا تو اُسے اونٹ کا پکڑ لینا جائز نہیں۔ اور اگر پکڑ لیا اور پھر چھوڑ دیا تو امام ابو حنیفہ رضؓ اور امام مالک رضؓ کے نزدیک اُسپر تاوان لازم نہیں۔ اور امام شافعی رضؓ اور امام احمد رضؓ کا قول یہ ہے کہ اُسپر تاوان لازم ہے۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد اور دیندار محتاط لوگوں کے ساتھ خاص ہے۔

ساتواں مسئلہ چاروں اماموں کا قول یہ ہے کہ جب اُٹھائی ہوئی چیز پر ایک سال گذر جائے اور اُس میں اُٹھانے والے نے یہ تصرف کیے ہوں مثلاً اُسے اپنے خرچ میں کر لیا ہو یا اُس کا صدقہ کر دیا ہو یا اُسکو فروخت کر دیا ہو تو اُس کے مالک کو جب وہ آوے جائز ہے کہ اُس روز کی قیمت لے لے جسدن وہ مالک ہوا حالانکہ امام داؤد کا قول یہ ہے کہ اُسے کچھ نہ دیا جائے گا۔ پس پہلا قول مخفف اور اکثر لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور دوسرے قول میں تشدید اور اُن لوگوں کے ساتھ خاص ہے جو تقوے دار اور لوگوں کے جھگڑوں سے ڈرنے والے ہیں۔

آٹھواں مسئلہ امام مالک رضؓ اور امام احمد رضؓ کا قول یہ ہے کہ جب پڑی ہوئی چیز کا مالک آجائے اور اُس چیز کی نشانیاں سب بتلا دے تو اُٹھانے والے پر واجب ہے کہ وہ چیز اُسے دیدے اور باوجود بتلا دینے کے اُس کو گواہ لانے کی تکلیف نہ دے۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رضؓ اور امام شافعی رضؓ کا قول یہ ہے کہ بغیر گواہوں کے اُسپر لازم نہیں کہ چیز اُسے دیوے۔ پس پہلا قول مخفف اور اُس صورت کے ساتھ خاص ہے کہ مالک اپنے دعوے میں متہم نہ ہو اور دوسرے قول میں تشدید ہے اور وہ اُس صورت کے ساتھ مخصوص ہے کہ مالک دینداری میں متہم ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہٗ اتم۔

کتاب پڑے ہوئے بچے کے احکام میں

مسائل اجماعیہ

اماموں کا اسپر اتفاق ہے کہ بچہ پر مسلمان ہونے کا حکم لگایا جائے گا۔ اگر اُس کے ماں باپ مسلمان ہونگے مگر امام ابو حنیفہ رضؓ سے ایک روایت منقول ہے (جو اس کے خلاف ہے) یہی مسئلہ اجماعیہ ہے۔

مسائل اختلافیہ

پہلا مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ جب دارالاسلام میں کوئی بچہ پایا گیا تو وہ مسلمان سمجھا جائے گا۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر نصاریٰ یا یہود کے عبادت خانہ یا اہل جزیہ کے کسی گاؤں میں پایا گیا تو وہ ذمی سمجھا جائے گا۔ پس پہلا قول دارالاسلام کی وجہ سے حکم اسلام لگا دینے میں مشدد ہے۔ اور دوسرا قول مفصل اور دونوں قولوں میں سے ہر ایک کی ایک وجہ ہے۔

دوسرا مسئلہ امام ابوحنیفہ رضہ اور امام احمد رضہ اور اصحاب امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ باعقل نابالغ بچہ کا اسلام صحیح ہے۔ حالانکہ امام شافعی رضہ کے اقوال مختلفہ میں سے قول راجح اور امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ باتمیز نابالغ بچہ کا مستقل طور پر مسلمان ماننا صحیح نہیں اور امام شافعی رضہ کا ایک قول یہ ہے کہ اسکا اسلام بالغ ہونے تک باقی رہے گا۔ پس پہلا قول اسلام ثابت کرنے میں مشدد ہے کیونکہ اسمیں بچہ (نابالغ) کی بھی احتیاط ہے اور اسلام کا حکم کرنے والے کی بھی اور دوسرا قول مفصل ہے۔

تیسرا مسئلہ امام مالک رضہ اور امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ وہ بچہ جو دارالاسلام سے پایا گیا ہو اگر بعد بالغ ہو جانے کے اسلام سے انکار کرے تو قتل کیا جاوے۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ کا قول یہ ہے کہ اُسپر حد قایم کی جاوے قتل نہ کیا جائے۔ اسی طرح امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ کفر سے روکا جاوے پس اگر نہ مانے تو اسی حالت پر چھوڑ دیا جائے۔ پس پہلا قول اسلام ثابت کرنے میں مشدد اور دوسرے میں تخفیف اور تیسرا مخفف ہے۔ واللہ تعالےٰ اعلم۔

کتاب مزدوری کے بیان میں

مسائل اجماعیہ

اماموں کا اسپر اتفاق ہے کہ جو شخص بھاگے ہوئے غلام کو واپس لا دے تو وہ اجرت کا حقدار ہے جب دیکھ لے بشرطیکہ اجرت کو مشروط کر لیا ہو۔ یہانتک مسائل اجماعیہ ختم ہوئے۔

مسائل اختلافیہ

پہلا مسئلہ امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ بھاگے ہوئے غلام کو واپس لانے والا اگر اس فعل (واپس لانے) میں مشہور ہو تو اگرچہ اجرت شرط نہ ہوئی ہو تب بھی اُس کا حقدار ہے اور مزدوری کا اختلاف مقام کے دور و نزدیک ہونے پر منحصر ہے۔ اور جس وقت واپس لانے والا اس فعل میں معروف و مشہور نہ ہو تو اُس کو اجرت

نہ ملے گی البتہ غلام پر جو کچھ اس نے خرچ کیا ہو گا وہ دیا جائے گا۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ اور امام احمد رحمہ کا قول یہ ہے کہ ہر صورت میں اُجرت کا حقدار ہے اور شرط موجود ہونے نہ ہونے کا کچھ اعتبار نہیں کرتے اور نہ اس کا کہ وہ شخص بھاگے ہوئے غلاموں کو واپس لانے میں معروف ہو یا نہ ہو۔ اسی طرح امام شافعی رحمہ کا قول یہ ہے کہ اُجرت کا حق اُسی وقت ہے کہ شرط کر لیا ہو۔ پس پہلا قول معتدل اور دوسرا غلام کے مالک پر تشدد ہے۔ اور تیسرا بھی معتدل ہے جس طرح پہلا۔

اور پہلے قول کی وجہ امام مالک کی تفصیل کی یہ ہے کہ قرینہ پر عمل کیا جائے کیونکہ وہ بھی ایک دلیل منجملہ دلیلوں کے ہے اور اس میں مالک غلام کے ذمہ کا چھٹکارا اور واپس لانے والے شخص کو اس پر آمادہ کرنا اور ابھارنا ہے کہ وہ مسلمان بھائیوں کے بھاگے ہوئے غلام واپس لا دیا کرے اور (اس طرح) اُن کی مصیبت کو اُن سے دور کر دیا کرے بالخصوص اُن لوگوں کے غلام کو جو عاجز ہوں اور کوئی دوسرا غلام خدمت کے لئے یا چوپایہ سوار ہونے کے لئے خریدنے پر قادر نہ ہو اور نہ اسقدر خرچہ رکھتا ہو جس سے اُس چوپایہ کو پال سکے۔

اور دوسرے قول کی وجہ پہلے قول کی سی ہے اور وہ واپس لانے والے کو اُجرت دلانے پر سخت برانگیختہ کرتا ہو اُسی وجہ سے جو ہم نے بیان کی کہ اس میں مالک کے ذمہ کی خلاصی اور واپس لانے والے کو اس فعل کے کرتے رہنے کی ترغیب ہے کیونکہ جو شخص باوجود واپس لانے والے کے مشقت میں پڑنے کے اُس کی اُجرت نہ دے تو اُس کا دل ٹوٹ جائے گا۔ اور بعد میں وہ اس مشقت کے برداشت کرنے کی جرأت نہ کرے گا بالخصوص (اگر واپس لانے والا) بے ہنر ہو کہ اپنی جان اور اولاد کو خرچ دینے کا ذریعہ اُس کے پاس سوا غلام بھاگے ہوئے کو واپس لانے کے اور کچھ نہ ہو۔

اور تیسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ مزدوری دینے کا وجوب اُسی وقت ہو گا کہ اُسے شرط کر لیا ہو اور واپس لانے والا اُسے طلب بھی کرے۔ جس طرح اور مزدوروں کا قاعدہ ہے۔ پس اگر شرط نہ کیا ہو تو اُس وقت اُسے مزدوری کا دیدینا بھلائی اور احسان کی قسم سے ہو گا۔ اور یہ ایک امر استحبابی ہے نہ واجب۔

دوسرا مسئلہ امام ابوحنیفہ رحمہ کا قول یہ ہے کہ جو شخص غلام کو تین دن کی مسافت سے واپس لایا تو وہ چالیس درہم کا حقدار ہے اور اس مسافت سے ورے سے لادے تو حاکم اُس کو بطور احسان کے کچھ دیدے گا۔ حالانکہ امام مالک رحمہ کا قول یہ ہے کہ اُس کو اُجرت مثل (یعنی جو حسب دستور ہوتی ہو گی) دیجائے گی۔ اِسی طرح امام احمد رحمہ کا قول یہ ہے کہ اُسے ایک دینار یا بارہ درہم دئے جائیں گے۔ اور مسافت کے قصر (کوتاہ) یا طویل (دراز) ہونے کا کوئی اعتبار نہیں اور نہ اس کا اعتبار ہے کہ باہر شہر سے لادے یا شہر سے۔ اِس میں امام احمد رحمہ کا خلاف ہے اُن سے ایک روایت یہ ہے کہ اگر وہ غلام کو شہر سے پکڑ کر لایا اُس کو دس درہم ملیں گے اور اگر شہر کے باہر سے لایا تو اُسے چالیس درہم ملیں گے۔ اسی طرح امام شافعی رحمہ کا قول یہ ہے کہ جب تک اُجرت شرط اور اس کی مقدار معین نہ کر لی ہو اُس وقت تک واپس لانے والا کسی چیز کا بھی حقدار نہیں۔ پس پہلا قول معتدل اور دوسرے میں حسب دستور اُجرت دینے کی وجہ سے تخفیف ہے اور تیسرے قول میں تشدید اور چوتھے میں واپس لانے والے پر تشدید ہے

تیسرا مسئلہ امام ابوحنیفہ رحمہ اور امام شافعی رحمہ کا قول یہ ہے کہ جب واپس لانے والے نے مولیٰ کی بلا اجازت غلام پر کچھ خرچ کیا ہو تو مولا پر کچھ لازم نہیں کیونکہ اُس نے تبرع کے طور پر خرچ کیا ہے

وہ اُس شخص کی مثل ہوا جو حاکم کی بلا اجازت خرچ کرے اور اگر اُس کی اجازت سے خرچ کیا ہو تو مولی پر وہ خرچ قرض ہوگا اور واپس لانے والے کو حق ہوگا کہ غلام اُس وقت تک نہ دے جب تک اُس کے مولا سے وہ خرچہ نہ لے لے جب اُس نے غلام پر راستہ میں خرچ کیا ہو اسی طرح امام احمد رح کا قول یہ ہے کہ خرچ ہر حالت میں مولی پر لازم ہے اسی طرح امام مالک رح کا قول یہ ہے کہ اُسے اُجرت مثل دی جائے گی۔ (یعنی اتنی دور سے بھاگے ہوئے غلام کو لانے میں جو دیا جاتا ہوگا) پس پہلا قول مفصل اور دوسرا مولا پر مشدد اور تیسرا اُس پر مخفف ہے۔ اور تینوں اقوال کی وجوہ ظاہر ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔

کتاب فرائض کے بیان میں

مسائل اجماعیہ

تمام مسلمین کا اسپر اتفاق ہے کہ وہ اسباب جن کی وجہ سے وراثت کا استحقاق ہوتا ہے تین ہیں ایک رحم کا تعلق، دوسرا انکاح کا تیسرا ولا کا (یعنی اپنے غلام کو آزاد کر دیا ہو پھر وہ مال چھوڑ کر مرجائے) اور اسپر بھی کہ وہ اسباب جو وراثت سے منع کرتے ہیں بھی تین ہیں ایک غلام ہونا دوسری وارث کا مورث کو قتل کر دینا، تیسری دین میں مختلف ہونا۔ اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ انبیاء صلوات اللہ علیہم اجمعین کا کوئی وارث نہیں ہوتا اور وہ جسقدر مال چھوڑ جاتے ہیں صدقہ ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی مصالح میں خرچ کیا جائے اور اُس کے اندر سوائے فرقہ شیعہ کے اور کسی کا اختلاف نہیں اور یہی وجہ ہے جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بُرا جانتے ہیں۔ کیونکہ اُنہوں نے حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کو اُن کے باپ کے مال میں سے کچھ بھی حصہ نہ دیا تھا۔ اسی طرح اسپر بھی اتفاق ہے کہ مردوں میں سے دس مرد وارث ہوتے ہیں ایک بیٹا، دوسرا پوتا، اگرچہ نیچے تک چلا جائے (یعنی پڑپوتا سگڑپوتا وغیرہ) تیسرا باپ، چوتھا دادا، اگرچہ اوپر تک جائے (یعنی پردادا سگڑدادا وغیرہ) پانچواں بھائی، چھٹا بھتیجا، سوائے اُس کے کہ صرف ماں کے اندر اتحاد ہو اور باپ دو ہوں، ساتواں چچا، آٹھواں چچا کا بیٹا، سوائے اُس کے کہ صرف ماں کے اندر اتحاد ہو اور باپ میں اختلاف ہو، نواں خاوند، دسواں آزاد کرنے والا۔ اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ عورتوں میں سے سات وارث ہیں۔ ایک بیٹی، دوسری بھتیجی اگرچہ نیچے کہیں تک جائے، تیسری ماں، چوتھی نانی، پانچویں، بہن، چھٹی بیوی، ساتویں اپنا غلام آزاد کرنے والی۔ اور اسپر اتفاق ہے کہ جو حصے خدا تعالیٰ کی کتاب (قرآن مجید) میں مقرر ہیں چھ ہیں ایک نصف (آدہا) دوسرا ربع (چوتھائی) تیسرا ثمن (آٹھواں) چوتھا ثلثان (دو تہائی) پانچواں ثلث (ایک تہائی) سدس (چھٹا)۔ ان کے سوا اور بھی مسائل اجماعیہ ہیں فرائض کے اندر۔ اور اسپر اتفاق ہے کہ مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوتا اور نہ اس کا برعکس (کافر بھی مسلمان کا وارث نہیں ہوتا) اور نہ کافر مسلمان عورت سے نکاح کر سکتا ہے۔ اور اسپر بھی ائمہ کا اتفاق ہے کہ جو شخص کسی کو قصداً از روئے ظلم قتل کر دے قاتل مقتول کا وارث نہیں ہوتا۔ اسی طرح اسپر بھی اتفاق ہے کہ عول (حصوں کے عدد کا بڑھجانا) صرف تین اصول (اعداد) میں ہوتا ہے ایک (چھ ۶) دوسرا (بارہ ۱۲) تیسرا (چوبیس) اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ عول صحیح ہے اور عامہ علماء کے نزدیک

معمول یہ ہے اور حضرت عمر بن الخطاب رضؓ کے زمانہ خلافت میں اسپر اجماع ہو چکا ہے حضرت ابن عباس رضؓ کا اس میں خلاف ہے۔ اور اسپر اتفاق ہے کہ اگر چچا کے دو بیٹے جمع ہو جائیں کہ اُن میں سے ایک میت کا مادری بھائی ہے تو اُن میں سے بھائی کو چھٹا حصہ ہو گا اور باقی عصبہ ہونے کی وجہ سے دونوں بیٹوں میں تقسیم کر دیا جائے گا اس میں حضرت عمر حضرت ابن مسعود رضؓ اور حضرت علی رضؓ کا خلاف ہے۔ یہانتک مسائل اجماعیہ ختم ہوئے۔

مسائل اختلافیہ

پہلا مسئلہ امام مالک رضؓ اور امام شافعی رضؓ کا قول یہ ہے کہ ذوی الارحام (ہر وہ رشتہ دار جس کا حصہ مقرر نہ ہوا ور نہ وہ عصبات میں سے ہو) وارث نہیں ہوتے بلکہ وہ مال جو اصحاب فروض اور عصبات سے بچ رہے وہ بیت المال میں داخل کیا جائے اور یہی قول حضرت ابو بکر صدیق رضؓ اور حضرت عمر رضؓ اور حضرت عثمان رضؓ اور حضرت زید رضؓ اور امام زہری رضؓ اور امام اوزاعی رضؓ اور امام داؤد رضؓ کا ہے۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رضؓ اور امام احمد رضؓ کا قول یہ ہے کہ وہ وارث ہوتے ہیں اور حضرت علی رضؓ اور حضرت ابن مسعود رضؓ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالے عنہم سے بھی منقول ہے۔ لیکن یہ سب کے نزدیک شرط ہے کہ اصحاب فروض اور عصبات میں سے کوئی نہ ہو اور حضرت سعید بن مسیب رضؓ سے مروی ہے کہ ماموں باوجود میت کی بیٹی موجود ہونے کے وارث ہوتا ہے۔ پس امام مالک رضؓ اور امام شافعی رضؓ کے قول کی بنا پر جب کوئی مرگیا اور اُس نے اپنی ماں چھوڑی تو اُسے تہائی حصہ ملے گا اور باقی بیت المال میں جمع ہو گا۔ اور اگر اپنی بیٹی چھوڑی تو اُسے نصف (آدھا) مال ملیگا اور باقی بیت المال میں جمع ہو گا۔ اور امام ابو حنیفہ رضؓ اور امام احمد رضؓ کے قول کی بنا پر تمام مال والدہ کا ہو گا ایک تہائی بوجہ صاحب فرض ہونے کے اور باقی بوجہ رد ہو جانے کے۔ اسی طرح بیٹی کو آدھا بوجہ صاحب فرض ہونے کے ملے گا اور باقی بوجہ رد ہو جانے کے اور قاضی عبد الوہاب مالکی نے شیخ ابو الحسن سے نقل کیا ہے کہ حضرت عثمان رضؓ اور حضرت علی رضؓ اور حضرت ابن عباس رضؓ اور حضرت ابن مسعود رضؓ سے صحیح نقل یہ ہے کہ وہ ذوالارحام کو وارث نہیں بناتے تھے اور اُن سے جو مروی ہے کہ وہ رد کرتے تھے اور ذوالارحام کو وارث بناتے تھے سو وہ اُن کے فعل کی حکایت ہے نہ قول کی جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو اور حفاظ حدیث میں سے ابن خزیمہ وغیرہ کا دعوے ہے کہ اسپر اجماع ہے۔ پس پہلا قول ذوی الارحام پر مشدد اور رد دوسرا اُن پر مخفف ہے۔

پہلے قول کی وجہ ذوی الارحام کا اُس محبت اور ہمدردی سے بعید ہوتا ہے جو اصحاب فروض اور عصبات میں ہوتی ہے اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ وہ محبت اور ہمدردی سے بالکل خالی تو نہیں ہوتے۔

دوسرا مسئلہ امام مالک رضؓ اور امام شافعی رضؓ اور امام احمد رضؓ کا قول یہ ہے کہ دین اسلام سے پھر جانیوالا جب اسی حالت ارتداد میں مرجائے یا حاکم اسلام اُس کو قتل کر دے تو وہ مال بیت المال میں غنیمت کی طرح جمع ہو گا یہانتک کہ وہ مال بھی جو اُس نے حالت اسلام میں کمایا تھا۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رضؓ کا قول یہ ہے کہ اس کا تمام مال اُس کے تمام مسلمان وارثوں کو دیا جائے گا خواہ وہ حالت اسلام کا کمایا ہوا ہو یا حالت ارتداد کا۔ پس پہلا قول مرتد کے وارثوں پر مشدد ہے اور دوسرا قول اس پر مخفف ہے۔

پہلے قول کی وجہ یا تو مرتد اور اُس کے وارثوں کی باہمی محبت کا (ارتداد کی وجہ سے) بالکل منقطع ہو جاتا ہے اور یا

اُس کا کمزور پڑ جانا۔ لہٰذا تقویٰ یہی ہے کہ اُس کا مال بیت المال میں دیدیا جائے تاکہ وہ عام مسلمانوں کے مصالح میں کام آئے۔ اور دوسرے قول کی وجہ اُن بھائی مسلمانوں کے لئے احتیاط سے کام لینا ہے جن کا بیت المال میں حق ہے لہٰذا ہم اُن کو وہ مال نہ کھلائیں گے جس کے (جواز) میں شبہ موجود ہو۔ پس اس مال کے اُس کے وارث ہی زیادہ مستحق ہیں جس طرح وہ اپنے مورث مقتول کے وارث بنتے ہیں اگرچہ اُس کا کسب حرام ہی کیوں نہ ہو بشرطیکہ وہ مال حرام اصحاب مال کی طرف لوٹانا ممکن نہ ہو۔

تیسرا مسئلہ امام ابوحنیفہ رضہ اور امام شافعی رضہ اور امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ جس نے کسی کو خطا سے قتل کر دیا ہو وہ مقتول کے مال کا وارث نہیں ہوتا۔ حالانکہ امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ اُس مال کا وارث ہوگا جو مقتول کی ملک تھا نہ اُس کے قتل کے تاوان کا۔ پس پہلا قول قاتل پر مشدد اور دوسرے میں تخفیف ہے بوجہ تفصیل کے۔

پہلے قول کی وجہ اس بارہ میں حدیث شریف کا مطلق ہونا ہے کہ قاتل مقتول کی کسی شے کا وارث نہیں ہوتا۔

اور دوسرے قول کی وجہ قاتل کو تاوان کے مال سے محروم رکھکر جو صرف قتل کی وجہ سے حاصل ہوا ہے قتل سے نفرت دلانا ہے تاکہ آئندہ وہ اپنے مورث کے قتل پر جرأت نہ کرے اور رہا وہ مال جو بوجہ قتل کے حاصل نہیں ہوا سو وہ اس اصل پر باقی ہے جو تمام ترکوں میں ہوتی ہے۔ لہٰذا حاکم کو جائز ہے کہ اس مال میں سے اُس کو وراثت دے۔

چوتھا مسئلہ امام مالک رضہ اور امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ اہل ادیان کفار باہم ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوتے جسطرح یہودی نصرانی کا (اور برعکس) حالانکہ امام ابوحنیفہ رضہ اور امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ کافر تمام ایک ہی دین پر ہیں اور تمام کافر ہی ہیں۔ لہٰذا ہر ایک دوسرے کا وارث ہوگا۔ اور پہلا قول مشدد ہے دلیل اُس کی اس حدیث کے ظاہر پر چلنا ہے کہ (دو مذہب والے آپس میں وارث نہیں ہوتے) اور دوسرا قول مخفف ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ سوا مذہب اسلام کے سب ایک ہی دین ہے۔

پانچواں مسئلہ امام ابوحنیفہ رضہ اور امام مالک رضہ اور امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ جس غلام کا بعض حصہ آزاد اور بعض غلام ہو تو وہ نہ وارث ہوگا اور نہ اُس کا کوئی اور وارث ہوگا۔ حالانکہ امام احمد رضہ اور امام ابویوسف رضہ اور امام محمد رضہ کا قول یہ ہے کہ جسقدر اُس میں آزادی ہے اُس کی بقدر وہ وارث ہوگا اور مورث بھی پس پہلا قول مشدد ہے اور اُس کی وجہ ملکیت کا کمزور ہونا ہے اور دوسرے قول میں تخفیف ہے۔

چھٹا مسئلہ چاروں اماموں کا قول یہ ہے کہ کافر اور مرتد (دین اسلام سے پھر جانے والا) اور قصداً قتل کرنے والا اور جس میں کچھ غلامی موجود ہو اور وہ شخص جس کا مرجانا پوشیدہ ہو جسطرح خود وارث نہیں ہوتے اسی طرح دوسروں کے لئے حاجب (مانع ارث) بھی نہیں ہوتے۔ حالانکہ صرف حضرت ابن مسعود رضہ کا قول یہ ہے کہ کافر اور غلام اور قصداً قتل کرنے والا حاجب تو ہوتے ہیں مگر وارث نہیں ہوتے۔ پس پہلا قول اُن لوگوں پر مشدد ہے جن کا ذکر پہلے گذرا۔ اور دوسرے قول میں تخفیف ہے۔ اور دونوں قولوں کی وجہ ظاہر ہے۔

ساتواں مسئلہ چاروں اماموں کا قول یہ ہے کہ بھائی جب والدہ کے لئے حاجب ہو جائیں (اسطرح) کہ بجائے تیسرے حصہ کے چھٹا حصہ کر دیں تو وہ آپ خود نہ لیں۔ حالانکہ ابن عباس رضہ سے روایت ہے کہ بھائی باوجود بیٹے کے ہونے کے وارث ہوتے ہیں جبکہ والدہ کے لئے حاجب ہو جائیں۔ لہٰذا وہ بقدر حصہ

لے لیں جتنی کے والدہ کے لئے حاجب ہوئے ہیں اور حضرت ابن عباس رضؓ کا مشہور قول یہ ہے کہ وہ نہ وارث ہوں یعنی اسقدر حصہ کو خود نہ لیں) جو عام ائمہ کا قول ہے۔ پس پہلا قول اور اُس کے جو موافق ہے۔ (یعنی ابن عباس رضؓ کا پہلا قول) بھائیوں پر مشدد ہے اور دوسرا اُن پر مخفف ہے

آٹھواں مسئلہ

چاروں اماموں کا اسپر اتفاق ہے کہ ڈوب جانے والے اور قتل کئے ہوئے اور دیوار وغیرہ کے نیچے دبکر مرجانے والے اور آگ میں جل جانے والے جس وقت یہ نہ معلوم ہو کہ کون اپنے ساتھی سے پیشتر مرا ہے بعض اُن کے بعض کے وارث ہونگے اور اُن میں سے ہر ایک کا ترکہ باقی وارثوں کا ہوگا۔ حالانکہ امام احمد رضؓ سے ایک روایت یہ ہے کہ اُن میں سے ہر ایک دوسرے کے پُرانے مال کا (جو اُسی کے پاس پیدا ہوا ہو) وارث ہو نہ نئے مال کا جو (دوسرے سے حاصل ہوا ہو) اور امام موصوف سے قبل حضرت علی رضؓ اور قاضی شریح رضؓ اور امام نخعی رضؓ اور شعبی رضؓ اسی طرف جا چکے ہیں۔ پس پہلا قول اُن لوگوں مذکورین پر جو آپس میں بعض بعض کے وارث نہیں ہوتے مشدد ہے اور دوسرے قول میں تفصیل ہے۔

نواں مسئلہ

تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ نانی اُس باپ کے ہوتے ہوئے کہ میت اُس کا بیٹا ہو کسیقدر کی بھی وارث نہیں ہوتی حالانکہ امام احمد رضؓ کا قول یہ ہے کہ نانی اگر تنہا ہو تو چھٹے حصے کی وارث ہوتی ہے اور اگر میت کی والدہ بھی زندہ ہو تو چھٹے حصہ میں وہ بھی شریک ہوتی ہے۔ پس پہلا قول نانی پر مشدد اور دوسرے قول میں تخفیف ہے۔

دسواں مسئلہ

اماموں کا اسپر اجماع ہے کہ دو بھائی والدہ کے لئے حاجب ہوتے ہیں (اس طرح) کہ اُس کو بجائے تہائی حصہ کے چھٹا حصہ ملتا ہے۔ حالانکہ حضرت ابن عباس رضؓ کا قول یہ ہے کہ والدہ کو بھائیوں کے ہوتے ہوئے ایک تہائی ملے گا جب تک بھائی تین نہ ہوں ورنہ چھٹا حصہ ملے گا۔ پس پہلا قول والدہ پر مشدد ہے اور دوسرے میں تفصیل ہے۔

گیارہواں مسئلہ

تمام فقہاء کا قول یہ ہے کہ بہنیں بیٹوں کی موجودگی میں عصبہ ہوتی ہیں۔ حالانکہ ابن عباس رضؓ کا قول یہ ہے کہ وہ عصبہ نہیں ہوتیں اور نہ بیٹیوں کے ہوتے ہوئے کسی چیز کی وارث ہوتی ہیں۔ پس پہلا قول بہنوں پر مخفف اور دوسرا اُنپر مشدد ہے۔

بارھواں مسئلہ

اکثر علماء کا قول یہ ہے کہ کسی غیر کو مولیٰ بنا لینے سے وراثت ثابت نہیں ہوتی۔ حالانکہ امام نخعی رضؓ کا قول یہ ہے کہ ثابت ہو جاتی ہے۔ اسی طرح امام ابو حنیفہ رضؓ کا قول یہ ہے کہ اگر کسی (غلام نے دوسرے کو) مولیٰ بنا لیا تو وہ اُس عقد موالات کو توڑ سکتا ہے جب تک کہ اُس مولیٰ نے غلام کی طرف سے دیت نہ دی ہو پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف اور تیسرا مفصل ہے۔

تیرھواں مسئلہ

امام ابو حنیفہ رضؓ کا قول یہ ہے کہ جس لڑکے کی وجہ سے خاوند اور جورو میں لعان ہوا ہو اُس کی ماں تمام مال کی بوجہ ذوالفرض اور عصبہ ہونے کے مستحق ہوگی۔ حالانکہ امام مالک رضؓ اور امام شافعی رضؓ کا قول یہ ہے کہ اُس کی ماں ایک تہائی کی بوجہ فرض کے مستحق ہوگی اور باقی مال بیت المال میں داخل ہوگا اور امام احمد رضؓ سے ایک روایت یہ ہے کہ اُس لڑکے کے عصبے اُس کی ماں کے عصبے ہیں۔ پس اگر وہ لڑکا ایک والدہ اور ایک ماموں چھوڑ کر مرجائے تو والدہ کو ایک تہائی حصہ ملے گا اور باقی ماموں کو۔ اور امام احمد رضؓ سے دوسری روایت یہ ہے کہ والدہ عصبہ ہے لہٰذا تمام مال عصبہ ہونے کی وجہ سے اُسی کو ملے گا۔ پس پہلا قول

والدہ پر مخفف ہے اور دوسرے قول میں اُسپر تخفیف ہے۔ اسی طرح باقی اقوال۔

چودھواں مسئلہ امام مالک رحمہ اور امام احمد رحمہ کا قول یہ ہے کہ اَدھورا (کچا) بچہ جب وقت پیدائش آواز نکالے تو وارث بھی نہیں ہوسکتا اور مورث بھی اگرچہ حرکت بھی کی ہو اور سانس لیا ہو مگر اُس وقت کہ دودھ پیوے۔ پس اگر اُس کو چھینک آئی ہو تو امام مالک رحمہ سے دونوں روائتیں ہیں۔ اسی طرح امام ابوحنیفہ رحمہ اور امام شافعی رحمہ کا قول یہ ہے کہ اگر اُس نے حرکت کی ہو یا سانس لیا ہو یا چھینکا ہو تو وارث بھی بنایا جاوے اور مورث بھی۔ پس پہلا قول وراثت میں احتیاط کی وجہ سے مشدد ہے اور دوسرا اُس کی وجہ سے مخفف ہے۔ واللہ تعالےٰ اعلم۔

کتاب وصیتوں کے احکام میں

مسائل اجماعیہ

اماموں کا اسپر اتفاق ہے کہ وصیت کرنا مستحب ہے نہ واجب اور وصیت مالک بنا دینے کو کہتے ہیں مگر ملک کی نسبت بعد مرنے کے ہوتی ہے اور اگر کسی انسان کے پاس دوسرے کی امانت ہو تو وصیت کرنا واجب ہوتا ہے اور اسی طرح اُس وقت کہ میت پر کسی کا قرض ہو اور اُسے نہ معلوم ہو کہ میرا فلاں شخص پر قرض ہے۔ یا اُس کے پاس کسی کی امانت رکھی ہوئی ہو اور اُسپر گواہ کوئی نہ ہو۔ اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ وارث کے لئے وصیت کرنا واجب نہیں اسمیں امام زہری رحمہ اور اہل ظاہر کا خلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ اُن رشتہ داروں کے لئے وصیت کرنا واجب ہے جو وارث نہ ہوں۔ خواہ وہ عصبات میں سے ہوں یا ذوی الارحام میں سے۔ بشرطیکہ اُن کے سوا اُس جگہ کوئی اور وارث موجود ہو۔ اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ غیر وارث کو ایک تہائی کی وصیت درست ہے اور اُس کا جواز وارثوں کی اجازت کا محتاج نہیں اور اسپر بھی کہ وارث کے لئے وصیت کرنا درست ہے مگر اُس کا جواز باقی وارثوں کی اجازت پر موقوف ہے۔ اور اسپر تمام اماموں کا اتفاق ہے کہ اگر کسی نے (بنی فلاں) کے واسطے وصیت کی تو اُس میں صرف مرد ہی مرد داخل ہونگے اور وہ مال اُن کو برابر برابر تقسیم کر دیا جائے گا۔ اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ اگر کسی نے (اولاد فلاں) کے لئے وصیت کی تو اُس میں مرد اور عورتیں سب داخل ہونگے اور مال اُنپر برابر برابر تقسیم ہوگا۔ اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ غلام کو آزاد کرنا یا مال کا ہبہ کرنا یا وقف کرنا اسی طرح وہ تمام عطیات جو بالفعل مرض الموت میں میت نے صادر کئے ہوں وہ سب ایک تہائی مال تک جائز سمجھے جائیں گے۔ صرف مجاہد رحمہ اور امام داؤد رحمہ کا اس میں خلاف ہے کیونکہ اُن کا قول یہ ہے کہ تمام مال واسباب تک جائز سمجھے جائیں گے (ایک تہائی تک کی اُن کے نزدیک قید نہیں) یہانتک مسائل اجماعیہ ختم ہوئے۔

مسائل اختلافیہ

پہلا مسئلہ امام مالک رحمہ کا قول ہے کہ اگر کسی نے ایک تہائی مال سے زیادہ کی وصیت کی اور وارثوں نے اسکی

اجازت بھی دیدی تو غور کیا جائے گا اگر انہوں نے حالت مرض میں اجازت دی ہے تو اُن کو بعد موت کے اپنے قول سے پھرنا جائز نہ ہوگا اور اگر حالت تندرستی میں اجازت دی ہو تو بعد موت اُن کو اپنے قول سے رجوع کرنا جائز ہے۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رضؓ اور امام شافعی رضؓ کا قول یہ ہے کہ اُن کو ہر حالت میں رجوع کرنا جائز ہے خواہ حالت صحت میں اجازت دی ہو یا حالت مرض میں۔ پس پہلا قول مفصل اور دوسرا وارثوں پر مخفف ہے۔

دوسرا مسئلہ

تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ اگر اونٹ کی کسی کے لئے وصیت کی تو اونٹنی دیدینا بھی درست ہے اسی طرح اگر گائے کی وصیت کی تعمیل دیدینا بھی جائز ہے تو اُن کے نزدیک مذکر اور مؤنث میں کچھ فرق نہیں۔ حالانکہ امام شافعی رضؓ کے دو قولوں میں سے ایک قول یہ ہے کہ اونٹ کی صورت میں صرف نر ہی دینا جائز ہو اور گائے کی صورت میں صرف مادین ہی دینا درست ہے۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے اور پہلا عوام الناس پر معمول ہے اور دوسرا متقین پر کہ احتیاطاً جو دونوں میں بہتر ہو وہی دیں۔

تیسرا مسئلہ

چاروں اماموں کا اس پر اتفاق ہے کہ جب کسی شخص کو کسی چیز کی وصیت کی پھر اُسی چیز کی وصیت دوسرے شخص کو کی اور پہلی وصیت سے رجوع کی تصریح نہ کی تو دونوں شخصوں کے درمیان آدھی آدھی تقسیم کر دیجائے گی۔ حالانکہ امام حسن رضؓ اور عطار رضؓ اور طاؤس رضؓ کا قول یہ ہے کہ دوسرے شخص کو وصیت کرنا (گویا) پہلی وصیت سے رجوع کرنا ہے لہذا وہ چیز دوسرے شخص کو ملے گی۔ اسی طرح امام داؤد کا قول یہ ہے کہ وہ چیز پہلے شخص کو دیجائے گی پس پہلے قول میں تنصیف کی وجہ سے تخفیف ہے اور دوسرے قول میں پہلے شخص پر تشدید ہے اور تیسرے قول میں دوسرے شخص پر تشدید ہے۔

اور تیسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ جب وہ پہلے شخص کے لئے اُس چیز کی وصیت کر چکا تو وہ اُس کی ملک سے خارج ہو چکی لہذا اس کے بعد اُسے اس چیز میں کسی تصرف کا مجاز نہیں اور یہ قول اہل تقوے کے ساتھ مخصوص ہے جس طرح دوسرے قول کو بھی اہل تقویٰ پر محمول کر سکتے ہیں۔ کیونکہ دوسرے شخص کے لئے وصیت کرنا پہلی وصیت کو منسوخ کرنا ہے۔

چوتھا مسئلہ

امام ابوحنیفہ رضؓ اور امام مالک رضؓ اور امام احمد رضؓ کا قول اور امام شافعی رضؓ کے دو قولوں میں سے اظہر قول یہ ہے کہ جو شخص اس غرض سے آگے کیا گیا کہ اُس سے قصاص (قتل کا بدلہ) لیا جائے یا وہ میدان جنگ میں دشمن کا مقابلہ کر رہا تھا یا عورت حاملہ تھی پھر اُسے درد زہ شروع ہو گیا یا کشتی میں بیٹھا تھا اور دریا میں طوفان آگیا تو ان سب حالتوں میں جو کسی کو عطا یا دیگا وہ ایک تہائی مال تک جائز رہیں گے۔ حالانکہ امام شافعی رضؓ کا قول یہ ہے کہ وہ تمام مال تک جائز رہیں گے۔ اسی طرح امام مالک رضؓ کا قول یہ ہے کہ حاملہ عورت کے حمل کو اگر چھ ماہ ہو چکے ہوں تو اُس کے ایک تہائی مال سے زیادہ میں تصرف نہ کیا جائے گا۔ پس پہلا قول وصیت کرنے والے پر مشدد اور دوسرا اُس پر مخفف ہے اور تیسرے قول میں کچھ تشدید ہے۔

پانچواں مسئلہ

امام مالک رضؓ اور امام احمد رضؓ کا قول یہ ہے کہ مطلق غلام کے لئے وصیت کرنا صحیح ہے خواہ میت کا اپنا ہو یا غیر کا۔ حالانکہ امام شافعی رضؓ کا قول یہ ہے کہ کسی غلام کے لئے صحیح نہیں۔ اسی طرح امام ابوحنیفہ کا قول یہ ہے کہ اپنے ذاتی غلام کے لئے وصیت کرنا درست ہے بشرطیکہ وارثوں میں کوئی بڑا آدمی نہ ہو۔ اور دوسرے کے غلام کی طرف وصیت کرنا درست نہیں۔ پس پہلا قول مخفف اور اُس کی وجہ یہ ہے کہ وصیت کرنا واجب پر ارزائد ہے اور شرع نے اِس کی اجازت دیدی ہے۔ اور دوسرا قول مشدد اور اُس کی وجہ یہ ہے کہ غلام اُس (مال) وصیت کا مالک نہ ہوگا اور ظاہر ہے کہ وصیت مالک بنانے کو کہتے ہیں، اور تیسرا قول مفصل ہے۔

چھٹا مسئلہ

امام شافعی رضہ اور امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ جس کا کوئی باپ یا دادا موجود ہو اُسے اجنبی شخص کے لئے وصیت کرنا جائز نہیں (مثلاً یوں کہے، کہ میری اولاد پر اسقدر خرچ کرنا بشرطیکہ باپ یا دادا عادل ہو۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رضہ اور امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ اپنی اولاد اور اپنے اوپر کا قرضہ ادا کرنے اور ایک تہائی مال کو خرچ کرنے کے بارہ میں اجنبی شخص کو باپ یا دادا کے ہوتے ہوئے وصیت کرنا صحیح ہے۔ پس پہلا قول مشدد اور اس صورت پر محمول ہے کہ وصیت کرنے والے نے جان لیا کہ میرا باپ یا دادا میری اولاد پر اجنبی آدمی سے زیادہ شفقت کرے گا اور دوسرا قول مخفف اور پہلے کے برعکس پر محمول ہے

ساتواں مسئلہ

امام مالک رضہ اور امام شافعی رضہ کا قول اور امام احمد رضہ کی دو روایتوں میں سے ایک یہ ہے کہ اگر کسی عادل آدمی کو وصی بنایا پھر وہ فاسق ہو گیا تو اُس سے وصیت نکال لی جائے جس طرح اگر کسی کا فاسق ہونا معلوم ہو اور اس کو وصی بنایا جائے تو ابتدا ہی سے صحیح نہیں ہوتا۔ کیونکہ ایسے شخص سے بے خوفی نہیں۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رضہ کا قول اور امام احمد رضہ سے دوسری روایت یہ ہے کہ اگر وصی فاسق ہو جائے تو اُس کے ساتھ ایک اور شخص عادل ملا دیا جائے۔ پس اگر کسی نے فاسق کو وصی بنا دیا تو قاضی کو لازم ہے کہ اُس کے ہاتھ سے نکال لے اور قاضی نے نہ نکالا اور وہ تصرف کرتا رہا تو تصرف نافذ ہو گا اور وصیت اُس کی پوری ہو جائیگی پس پہلے قول میں تشدید اور دوسرے میں تخفیف ہے۔

آٹھواں مسئلہ

تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ کافر کے لئے وصیت صحیح ہوتی ہے خواہ وہ کافر حربی (ساکن دار الحرب) ہو یا ذمی (جزیہ گزار) ہو۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ حربی کے لئے وصیت صحیح نہیں اور ذمی کے لئے صحیح ہے۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مفصل ہے۔

نواں مسئلہ

امام ابو حنیفہ رضہ اور اصحاب امام موصوف اور امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ آدمی کو جائز ہے کہ وہ دوسرے شخص کو اُس کی چیز کی وصیت کر دے جس کی اُس کو کسی نے وصیت کی ہو اگرچہ وصیت کرنے والے نے اس کی اجازت نہ دی ہو۔ حالانکہ امام شافعی رضہ کا قول اور امام احمد رضہ کی دو روایتوں میں سے اظہر یہ ہے کہ یہ منع ہے۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔

دسواں مسئلہ

تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ وصی اگر عادل ہو تو حاکم کے حکم اور اجراء وصیت کو اُس کے نافذ کرنے کی حاجت نہیں اور تمام تصرفات اُس وصی کے صحیح ہیں۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ جو کچھ وصی نے نابالغ بچہ کے لئے خرید و فروخت کیا ہو اگر حاکم کا حکم اُس کے ساتھ متعلق نہ ہوا ہو تو وہ سب واپس کیا جائے گا۔ اور جو کچھ اُس نے بچہ پر خرچ کیا ہو گا اُس کے اندر خود اُسکا قول معتبر مانا جائے گا۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔ اور پہلے قول کو اہل دین و تقویٰ پر اور دوسرے کو اُن کے خلاف پر حمل کر سکتے ہیں۔

گیارھواں مسئلہ

تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ جس چیز میں وصیت کی جائے اُس کی تفصیل شرط ہے۔ پس اگر وصیت کو مطلق رکھا۔ مثلاً یوں کہا کہ میں نے تجھے اپنا وصی (کارکن مدار المہام) بنایا تو وصیت صحیح نہ ہو گی اور وہ قول لغو ہو گا۔ حالانکہ امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ صحیح ہو گا اور وصیت ہر چیز میں مانی جائے گی۔ پس پہلا قول مشدد اور اُن سچے لوگوں پر محمول ہے کہ جو کسی بات کا قصد کر کے پھر اُس سے پھرتے نہیں ہیں۔ اور دوسرے قول میں تخفیف ہے۔

بارھواں مسئلہ

امام ابو حنیفہ رحمہ کا قول یہ ہے کہ اگر اپنے پڑوسیوں کے لئے وصیت کی تو اُس میں صرف وہی پڑوسی داخل ہونگے جو اُس سے ملے ہوئے ہونگے۔ حالانکہ امام شافعی رحمہ کا قول یہ ہے کہ اِس کے ہر طرف سے چالیس گھر داخل ہونگے اسی طرح امام احمد رحمہ کی دو روایتوں میں سے ایک یہ ہے کہ تین گھر داخل ہونگے۔ اسی طرح امام مالک رحمہ کا قول یہ ہے کہ ان کی کوئی مقرر حد نہیں۔ پس پہلا قول پڑوسیوں کے حق میں مخفف اور عوام الناس کے ساتھ مخصوص ہے۔ کیونکہ اُن سے یہی بہت بعید ہے کہ وہ اپنے مکان سے ملے ہوئے پڑوسی کے حق کو ادا کریں اور دوسرا اور تیسرا اور چوتھا قول مشدد ہے اور بڑے درجہ کے لوگوں سے ساتھ خاص سخاوت اور ایمان کے اندر جیسا جسکا مرتبہ ہو۔

تیرھواں مسئلہ

تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ میت کے لئے وصیت کرنا باطل ہے۔ حالانکہ امام مالک رحمہ کا قول یہ ہے کہ صحیح ہے۔ پس اگر اس میت پر قرض یا کفارہ لازم ہوگا تو وہ وصیت اسی میں خرچ کی جائے ورنہ اُس کے وارثوں کو ملے گی۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے۔

دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ وصیت سے مقصد میت کی طرف خیر کا پہونچانا ہے جب تک وہ جنت میں نہ داخل ہو کیونکہ برزخ اور یوم قیامت ایام دنیا اور دار التکلیف میں شمار ہوتے ہیں اس دلیل سے کہ اہل اعراف بروز قیامت سجدہ کرکے سعادت حاصل کرینگے جس کی وجہ سے اُنکی ترازو کا پلہ حسنات بھاری ہوجائے گا اور پھر وہ جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ پس اگر یہ نہ ہوتا کہ وہ سجدہ دار التکلیف (عمل کی پابندی کے مکان) میں ہوگا تو اُس سجدہ سے ترازو کا پلہ وزنی نہ ہوتا۔

چودھواں مسئلہ

امام مالک رحمہ کا قول یہ ہے کہ نابالغ لڑکے کا وصیت کرنا صحیح ہے اگر وہ اُسے سمجھتا ہو جس کی وصیت کرتا ہے۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رحمہ کا قول یہ ہے کہ صحیح نہیں۔ اور یہی امام احمد رحمہ کا مسلک اور امام شافعی رحمہ کا اصح مذہب ہے۔ پس پہلا قول لڑکے پر مخفف ہے کیونکہ وصیت کرنا ایک عبادت موجب ثواب اُخروی ہے جس طرح اُسے اور عبادت کرنے کا ثواب ملتا ہے۔ اور دوسرا قول اُس پر مشدد ہے اس احتمال کی وجہ سے کہ شاید جب وہ بالغ ہو جائے تو اُس کی سمجھ میں کوئی اور ایسا فعل آئے جو حالت نابالغی کے فعل مذکور سے زیادہ بہتر اور اچھا ہو۔

پندرھواں مسئلہ

امام ابو حنیفہ رحمہ اور امام احمد رحمہ کا قول یہ ہے کہ جب مریض کی زبان بند ہو جائے تو اشارہ سے وصیت صحیح نہیں۔ حالانکہ امام شافعی رحمہ کا قول اُس کے صحیح ہونے کا ہے اور امام مالک رحمہ کا ظاہر مذہب بھی یہی ہے۔ پس پہلا قول مشدد ہے مریض کے مال کی حفاظت کی غرض سے اور دوسرا مخفف ہے اُسکے دین کی حفاظت اور عمل خیر کی طرف سبقت کرنے پر برانگیختہ کرنے کی غرض سے۔

سولھواں مسئلہ

تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ اگر کسی نے دو شخصوں کو وصی (کارکن) بنایا اور وصیت کو مطلق رکھا (تعیین نہ کی کہ تو یہ کرنا اور تو یہ) تو کسی دوسرے کی اجازت کے بغیر تصرف کا استحقاق نہ ہوگا۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رحمہ کا قول یہ ہے کہ مخصوص آٹھ چیزوں میں صحیح ہوگا۔ کفن خریدنے میت کی تکفین و تدفین کرنے اور اُس کے نابالغ بچوں کو کھلانے اور کپڑا دینے اور اگر میت کے پاس کوئی ودیعت (امانتی چیز) رکھی ہو تو وہ بعینہ مالک کو دینے اور اُسپر کا قرضہ ادا کرنے اور اُس کی وصیت کو بعینہ جاری کرنے اور غلام کے آزاد کرنے (بشرطیکہ غلام وصیت میں معین ہو) اور اگر میت کا کسی پر کوئی حق آتا ہو تو اُس سے لینے کے لئے جھگڑا کرنے

ہیں۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرے میں تخفیف ہے

سترھواں مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ اگر کسی نے اپنے خط سے وصیت لکھی اور یہ معلوم ہو رہا ہے کہ اسی کا خط ہے۔ لیکن اُس کے اندر گواہی کسی کی نہیں تو اس وصیت کے (اجرا) کا حکم نہ کیا جائے گا۔ حالانکہ امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ حکم کیا جائے گا جب تک وصیت کرنے والے کا اُس سے رجوع کرنا ثابت نہ ہو۔ پس پہلا قول وصیت کرنے والے پر مشدد ہے اور دوسرا اُسپر مخفف ہے اُس کے لئے بہتری حاصل کرنے کے لئے۔

اٹھارھواں مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ اگر کسی نے مرض الموت میں نکاح کیا تو وہ صحیح ہے۔ حالانکہ امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ جس مریض کے مرنے کا خوف ہو اُس کا نکاح صحیح نہیں اور اگر کیا تو وہ فاسد ہوگا۔ چاہے مبتسر ہوا ہو یا نہ۔ لیکن فسخ نکاح طلاق سے ہوگا۔ پس اگر نکاح کے بعد اُس مرض سے صحت پا گیا تو وہ نکاح صحیح ہوگا یا باطل سو اِس میں دونوں روایتیں ہیں۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔ اور اُس شخص پر محمول ہے جو اپنے وارثوں کو وراثت سے محروم کرنے کے لئے نکاح کرتا ہو

اُنیسواں مسئلہ امام ابو حلیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ وصی کو جائز ہے کہ یتیم کے مال کو اصلی قیمت سے بطور استحباب کے زیادہ دیکر اپنے لئے خریدے اور برابر قیمت دے کر خریدا تو صحیح نہیں۔ حالانکہ امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ جتنی قیمت اُس شے کی ہوتی ہو اُس عوض میں خریدے تو خرید سکتا ہے اسی طرح امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ اُس کو بالکل خریدنا ہی جائز نہیں۔ اسی طرح امام احمد رضہ کی دو روایتوں میں سے مشہور یہ ہے کہ خریدنا جائز نہیں۔ اور دوسری روایت یہ ہے کہ اگر اُس نے دوسرے شخص کو خریدنے کا وکیل بنا دیا تو جائز ہے۔ پس پہلے قول میں وصی پر شرط مذکور کی وجہ سے تخفیف ہے کیونکہ منع کا حکم اُس کے لئے ہے جو اپنے واسطے پورے حصہ کا لحاظ کرے نہ نابالغ (یتیم) کے لئے اور جب وہ قیمت اصلیہ سے زیادہ دام دیکر خریدلے تو وہ منع نہیں اور دوسرے قول میں وصی پر تخفیف ہے اور وہ اُن لوگوں کے ساتھ خاص ہے جو اہل دین و تقویٰ ہوں اور تیسرا قول مشدد ہے اور اُن لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے جو دین کے بارہ میں رقیق (نرم) ہوں۔ اور چوتھا قول بھی اُنہیں لوگوں پر محمول ہے۔ اور پانچواں قول مفصل ہے اُس کی وجہ یہ ہے کہ وکیل ایسا ہے جس طرح اجنبی شخص۔

بیسواں مسئلہ امام ابو حنیفہ رضہ اور امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر وصی نے یہ دعوےٰ کیا کہ میں بعد بلوغ یتیم کو اُس کا مال دے چکا ہوں تو اُس کا قول معتبر ہوگا مگر قسم کے ساتھ۔ لہٰذا اُس کا دے چکنے کا دعویٰ معتبر ہوگا جس طرح مال تلف ہو جانے کا قول معتبر ہوا کرتا ہے۔ کیونکہ وصی (کارکن) امین ہوتا ہے اور یہی حکم حاکم اور باپ اور شریک اور مضارب (مضاربۃ کرنیوالے) بارہ میں ہے۔ حالانکہ امام مالک رضہ اور امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ وصی کا قول بلا گواہ ہونے کے معتبر نہ ہوگا۔ پس پہلا قول وصی پر مخفف اور امانتداروں کے قاعدہ پر مبنی ہے اور دوسرا قول اُسپر مشدد ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ پہلا قول دیندار اور تقوے والوں پر محمول ہو اور دوسرا اُن کے مخالف لوگوں پر (یعنی غیر متدین اور غیر متقی لوگوں پر)۔

اکیسواں مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ مسجد کے واسطے وصیت کرنا صحیح ہے۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ صحیح نہیں مگر ہاں اگر یہ کہے کہ اُس (مال) وصیت میں سے مسجد پر خرچ کیا جائے۔ پس پہلا قول مخفف ہے کیونکہ مسجد میں خرچ کرنا منجملہ قربات شرعیہ کے ہے جسطرح اس کی تعمیر کرنا۔ اور دوسرا قول مفصل ہے۔

بائیسواں مسئلہ امام ابو حلیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ وصی (کارکن) اگر مالدار ہو تو اُسے جائز نہیں کہ وقت ضرورت یتیم کے مال میں سے کچھ کھا دے نہ بطور قرض کے اور نہ غیر قرض کے۔ حالانکہ امام شافعی رضہ اور امام

مد رح کا قول یہ ہے کہ دو امروں میں سے جو نسا کم ہو وہ تنا خرچ میں لاسکتا ہے ایک اپنے کام کرنے کی مزدوری
سر القدر ضرورت مال۔ پس پہلا قول مشدد اور اُن لوگوں کے ساتھ خاص ہے جو یتیم کے لئے پورے حصہ کا لحاظ
ن کرتے اور دوسرے قول میں تخفیف اور اہل دین و بھلائی کے ساتھ خاص ہے۔

بیسواں مسئلہ امام شافعی رحہ کا قول اور امام احمد رحہ کے دو قولوں میں سے ایک یہ ہے کہ وصی جب وقت حاجت
یتیم کے مال کو کھالے اُس کے بعد پھر مالدار ہو جاوے تو اُسپر عوض کا دینا واجب ہے۔ حالانکہ امام
رحہ کا قول یہ ہے کہ اگر (وصی) مالدار ہے تو رُکے اور اگر محتاج ہے تو مقدار مناسب کھالے اپنے عمل اور اُس کی
ب دستور مزدوری کا لحاظ کرکے پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مفصل ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔

کتاب نکاح کے بیان میں

مسائل اجماعیہ

اماموں کا اسپر اتفاق ہے کہ نکاح منجملہ اُن شرعی عقود کے ہے جن کا جائز طریق ہونا شریعت کی اصل سے ثابت
۔ اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ جس شخص کا نفس نکاح کی طرف مائل ہو اور اُسے زنا کا خوف ہو تو نکاح کرنا مستحب ہے
نکاح اُس کے واسطے حج اور جہاد اور نماز اور روزہ اور تمام نفلی عبادات سے زیادہ افضل ہے۔ اور اسپر بھی
ق ہے کہ جب کسی عورت سے نکاح کا قصد کرے تو مسنون ہے کہ اُس کا چہرہ اور اُس کے ہاتھوں کو دیکھ لے
داؤد کا اس میں خلاف ہے کیونکہ اُنکے نزدیک عورت کا تمام بدن سوائے اندام نہانی کے دیکھنا جائز ہے۔
طرح اسپر بھی اتفاق ہے کہ اُس عورت سے نکاح کرنا جو نسب میں برابر نہ ہو حرام نہیں۔ یہانتک مسائل اجماعیہ ختم ہوئے

مسائل اختلافیہ

مسئلہ امام مالک رحہ اور امام شافعی رحہ کا قول یہ ہے کہ نکاح کرنا اُس شخص کے لئے مستحب ہے جبکہ اُس کو
اُسکی حاجت ہو۔ اور سامان و اسباب بھی مہیا ہو۔ حالانکہ امام احمد رحہ کا قول یہ ہے کہ جب اُس کا
نکاح کا مشتاق ہو اور زنا کا اندیشہ کرے تو نکاح واجب ہے اسیطرح امام ابو حنیفہ کا قول یہ ہے کہ ہر حال میں نکاح مستحب ہے
طرح امام داؤد کا قول یہ ہے کہ ہر حالت میں عورت اور مرد دونوں پر عمر بھر میں ایکدفعہ نکاح واجب ہے۔ پس پہلا
مستحب ہونے اور نہ ہونے میں مفصل ہے۔ اور دوسرا وجوب اور عدم وجوب میں مفصل ہے اور تیسرا قول مخفف
چوتھا ایک وجہ سے مشدد اور ایک وجہ سے مخفف ہے۔
پہلے قول کی وجہ خدا تعالےٰ کا یہ فرمان ہے کہ (ولیستعفف الذین لایجدون نکاحًا حتی یغنیہم اللہ
فضلہ) ترجمہ "اور چاہیے کہ رُکیں (نکاح سے) وہ لوگ جو اُس کا سامان نہ پاویں یہانتک کہ خدا تعالےٰ اُنہیں
فضل سے غنی (مالدار) بنادے "

اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ زنا سے سلامت رہنے کا یہی ذریعہ ہے۔

اور تیسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ استحباب طلب نکاح میں کافی ہے اس لئے کہ نکاح کی محبت تقاضائے طبعی ہے۔ لہٰذا اس کی حاجت نہیں کہ نکاح کو واجب قرار دیا جائے۔

اور چوتھے قول کی وجہ یہ ہے کہ شارع علیہ السلام کے حکم کا امتثال صرف ایک مرتبہ سے ہو جاتا ہے جب تک کہ کوئی دلیل تکرار نکاح کو مقتضی نہ پائی جائے۔

دوسرا مسئلہ چاروں اماموں کا قول یہ ہے کہ اپنی بیوی اور باندی کی پیشاب گاہ کی طرف دیکھنا اسی طرح اور باندی کو اپنے خاوند یا مولیٰ کے پیشاب گاہ کو دیکھنا جائز ہے۔ حالانکہ بعض اصحاب امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ یہ حرام ہے۔ پس پہلا قول مخفف اور اُمت کے معمولی لوگوں کے ساتھ خاص ہے۔ اور دوسرا قول مشدد اور اکابر علما اور اصحاب حیا و مروت کے ساتھ خاص ہے۔

تیسرا مسئلہ امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ عورت کا غلام اُس پر حرام ہے (یعنی محرم ہے) کہ غلام کو اُس پر نظر ڈالنا جائز ہے۔ اور یہی قول جمہور اصحاب امام موصوف کا ہے۔ حالانکہ ایک جماعت کا قول جن میں سے شیخ ابو حامدؒ اور امام نووی رضہ بھی ہیں یہ ہے کہ غلام اپنی مالکہ کا محرم نہیں ہے۔ اور فرمایا ہے کہ ایسا قول ہے جس کے ساتھ یقین کرنا مناسب ہے۔ اور یہ قول کہ غلام اُس کا محرم ہے بے دلیل ہے اور آیت صرف باندیوں کے بارہ میں وارد ہے۔ پس پہلا قول مخفف اور پاکدامن دینداروں کے ساتھ مخصوص ہے اور قول مشدد اور اُن عورتوں کے ساتھ مخصوص ہے جو پہلوؤں کی ضد ہیں۔

اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ سیدہ کا مقام اس بارہ میں والدہ کی برابر ہے کہ جماع کی لذت سے طبیعت کو نفرت ہوگی کیونکہ غلام پر اُس کی ہیبت ہوگی اور غلام کے دل میں اُس کی تعظیم۔

اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ اس بارہ میں مالکہ کا مقام والدہ سے بہت گھٹا ہوا ہے۔

چوتھا مسئلہ تینوں اماموں اور عام فقہاء کا قول یہ ہے کہ (فقط) نکاح اُس شخص سے صحیح ہوتا ہے جس کا نکاح جائز ہو۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ تمیز دار نابالغ اور بیوقوف کا بھی صحیح ہوتا ہے لیکن ولی کی اجازت پر موقوف رہتا ہے۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔ اور دونوں قولوں کی وجوہ ظاہر ہیں۔

پانچواں مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ باپ کے سوا اور ولیوں کے لئے یتیم کا نکاح بلوغ سے قبل کرنا اُس وقت درست ہوگا کہ یتیم کی اُس میں خیر خواہی ہو جس طرح باپ کے لئے بھی۔ حالانکہ امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ جائز نہیں۔ پس پہلا قول مخفف اور اُن لوگوں پر محمول ہے جو نظر میں کامل ہوتے ہیں اور دوسرا قول مشدد اور اُن لوگوں پر محمول ہے جو کوتاہ نظر ہیں۔

چھٹا مسئلہ امام شافعی رضہ اور امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ غلام کا نکاح اُس کے مولا کی بلا اجازت صحیح نہیں۔ حالانکہ امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ صحیح ہے۔ لیکن مولا کو اُس کے فسخ کر دینے کا مجاز ہے۔ اور امام ابو حنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ صحیح ہو جاتا ہے۔ لیکن مولا کی اجازت پر اس کی صحت موقوف رہتی ہے پس پہلا قول مشدد اور دوسرے اور تیسرے قول میں تخفیف ہے۔ اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ غلام کسی چیز کا بھی مالک نہیں اور نکاح کی صورت میں خاوند پر نفقہ واجب ہوتا ہے اور جس کے پاس مال نہ ہو وہ خاوند بننے کی صلاحیت

پس جب مولیٰ کی اجازت سے ہو تو جائز ہے (کیونکہ) گویا مولیٰ نے نکاح کی اجازت دیکر نکاح کے تمام واجبات کو اپنے ذمے لے لیا۔

دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ نکاح کا حکم (غلام کے اندر) ایسا ہے جیسا کہ اُس کے مولیٰ کے مال میں سے بقدر ضرورت کوئی شے یا مباح کھانا لے لینا لہذا نکاح کے بارہ میں مولیٰ کی اجازت کی حاجت نہیں۔ مگر اس صورت میں کہ مولیٰ سے اجازت کا خلاف ظاہر ہو (کہ اُس وقت جائز نہو گا) اور اسی وجہ سے مولا کو نکاح فسخ کرنے کا مجاز ہے جس طرح مولےٰ کو جائز ہے کہ غلام کو اُن پسندیدہ چیزوں کے کھانے سے روکے جو خود غلام یا مولیٰ کے لئے مضر ہوں۔

تیسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ کبھی مولیٰ نکاح کو غلام کے لئے مضر جانتا ہے لہذا صحت نکاح کو اجازت مولیٰ پر موقوف رکھنا بھلائی کی بات ہے۔

نواں مسئلہ امام شافعی رضؓ اور امام احمد رضؓ کا قول یہ ہے کہ عقد نکاح بغیر ولی کے (کہ وہ مرد ہو) صحیح نہیں۔ پس اگر عورت نے عقد نکاح کر لیا تو وہ باطل ہوگا۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رضؓ کا قول یہ ہے کہ عورت کو جائز ہے کہ اپنا نکاح خود کرے یا کسیکو نکاح کا وکیل بنا دے بشرطیکہ عورت اپنے مال میں تصرف کرنے کی اہل ہو اور ولی کو کوئی اعتراض نہیں مگر اُس وقت کہ اپنے غیر کفو میں نکاح کرلے تو اُس وقت ولی کو اعتراض کا استحقاق ہے اسی طرح امام مالک رضؓ کا قول یہ ہے کہ اگر عورت شریف اور مالدار ہے کہ ایسی عورت کی لوگ خواہش رکھتے ہیں تو اُس کا نکاح بغیر ولی کے صحیح نہیں۔ اور اگر اُس کے خلاف ہو تو جائز ہے کہ اُس کے نکاح کا کوئی اجنبی شخص متولی ہو جائے عورت کی رضامندی کے ساتھ۔ اسی طرح امام داؤد کا قول یہ ہے کہ اگر وہ باکرہ ہے تو اُس کا نکاح ولی کے بغیر نہ ہوگا۔ اور اگر کنواری نہ ہو بلکہ نکاحی ہو تو صحیح ہے۔ اسی طرح امام ابو ثور رضؓ اور امام ابو یوسف کا قول ہے کہ اگر اپنے ولی کی اجازت سے نکاح کرلے تو صحیح ہے اور اگر خود بخود کر لیا اور حاکم حنفی کے پاس دونوں کا مقدمہ گیا اُس نے (اپنے مذہب کے موافق) نکاح کے صحیح ہونے کا حکم کر دیا تو نکاح نافذ (صحیح) ہو جائے گا۔ اور شافعی المذہب کو اُس نکاح کے توڑنے کا حق نہ ہوگا۔ البتہ امام ابو سعید اصطخری کا قول یہ ہے کہ اُس عورت مذکورہ کا خاوند حاکم کے حکم سے پہلے ہمبستر ہو چکا ہو تو اُس پر حد لازم نہیں اس میں امام ابو بکر رضؓ فارسی کا خلاف ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اُس سے ہمبستری حرام ہے اور اگر حاکم کے حکم سے پہلے اُس عورت کو طلاق دیدی تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ سوائے ابو اسحاق مروزی کے کہ وہ احتیاطاً (وقوع طلاق کے) قائل ہیں۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرے میں شرط مذکور کی وجہ سے تخفیف ہے۔ اور تیسرا قول مفصل ہے۔ اسی طرح امام داؤد رضؓ اور امام ابو ثور اور امام ابو یوسف رضؓ کا قول مخفف ہے۔ اور وجوہ تمام اقوال کی ظاہر ہیں کہ ذہن پر پوشیدہ نہیں۔

امام داؤد کے قول کی وجہ یہ ہے کہ کنواری عورت کو مردوں کی عادت نہیں ہوئی ہے لہذا اُس کو کیا معلوم ہے کہ کون اُس کے لئے نافع ہوگا اور کون مضر۔ برخلاف نکاحی اور بیاہی عورت کے (کہ وہ مردوں کو دیکھ بھال چکی ہے)۔

دسواں مسئلہ امام مالک رضؓ کا قول ہے کہ متعلقہ نکاح کی وصیت کرنا صحیح ہے اور اس صورت میں وصی (جس کو نکاح کا کام سپرد کیا ہے) بہ نسبت ولی کے زیادہ بہتر ہوگا۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رضؓ کا قول یہ ہے کہ صورت مذکورہ میں صرف قاضی (ہی) نکاح کرائے گا۔ اسی طرح امام شافعی رضؓ کا قول یہ ہے کہ ولی کے ہوتے وصی کو ولایت نہیں کیونکہ لڑکی کا عار وصی کو لاحق نہ ہوگا (عزت اور ذلت تو ولی کی ہوگی) قاضی عبد الوہاب رضؓ کا قول یہ ہے کہ جو صورت میں بیان کیا گیا حاکم میں جاکر منقوض ہو جاتا ہے جبکہ وہ کسی عورت کا نکاح پڑھا دے کیونکہ (یہاں بھی تو) عورت کا عار حاکم کو لاحق نہ ہوگا (انتہیٰ) پس پہلا قول مخفف اور دوسرا ولی اور وصی پر مشدد ہے اور تیسرا قول صرف وصی پر

مشدد ہے۔

اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ ولی کبھی وصی کو دوسروں سے لڑکی پر زیادہ مہربان اور خیر خواہ پاتا ہے۔

اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ کبھی ولی اور وصی دونوں سے حاکم زیادہ دور اندیش ہوتا ہے۔ اور امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ عورت کا عار وصی کو لاحق نہیں ہوتا اکثر پر محمول ہے۔ لہٰذا اُن کے کلام پر نقض (مذکور) وارد نہ ہوگا۔

اور تیسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ ولی کی شفقت وعنایت کسی کی شفقت برابر نہیں ہو سکتی۔ پس تمام اقوال مختلفہ احوال پر محمول ہیں۔

نواں مسئلہ امام شافعی رضہ اور امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ فاسق ولی نہیں ہوتا۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رضہ اور امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ فسق ولی ہونے سے مانع نہیں ہوتا۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے۔

دسواں مسئلہ امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ اقرب ولی اگر اتنی دور سفر میں چلا گیا ہو کہ جہاں نماز میں قصر کرنا پڑے تو عصبات میں سے کوئی ابعد ولی نکاح پڑھا سکتا ہے۔ حالانکہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ اگر ولی غیبت منقطعہ کے ساتھ غائب ہوا ہو تو ولایت ابعد (دُور کے) ولی کی طرف منتقل ہو سکیگی۔ اور اگر غیبت منقطعہ کے ساتھ غائب ہوا ہو تو منتقل نہ ہوگی۔ اور امام ابوحنیفہ رضہ اور امام احمد رضہ کے نزدیک غیبت منقطعہ ایسی جگہ چلے جانے کو کہتے ہیں کہ جہاں قافلہ سال میں صرف ایک دفعہ جاتا ہو (غیر منقطعہ اس سے سمجھ میں آسکتا ہے) پس پہلا قول ولی اقرب پر مشدد ہے اور دوسرا مفصل۔ اور پہلا قول اُن لوگوں کے حال پر محمول ہے جو عورت سے صدور زنا کا خوف کرتے ہوں۔ کیونکہ اُس کے نکاح میں جلدی کرنا واجب ہے جسطرح امام داؤد کا قول ہے۔ اور دوسرا قول اُن لوگوں پر محمول ہے کہ عورت سے صدور زنا کا خوف نہ کرتے ہوں۔

گیارھواں مسئلہ امام مالک رضہ اور امام ابوحنیفہ رضہ اور اصحاب امام موصوف کا قول یہ ہے کہ اگر کنواری عورت کا ولی ایسا غائب ہو جائے کہ نہ اُس کی خبر آتی ہو اور نہ یہ معلوم ہو کہ کہاں ہے تو اُس عورت کا بھائی اُس کی اجازت سے نکاح پڑھا سکتا ہے۔ حالانکہ امام شافعی رضہ کا قول اس کے خلاف ہے۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔

بارھواں مسئلہ امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ دادا اور باپ کے لئے کنواری عورت کا اُس کی رضامندی کے بغیر نکاح کر دینا جائز ہے خواہ عورت چھوٹی عمر کی (نابالغہ) ہو یا بڑی عمر کی (بالغہ) ہو۔ اور یہی قول حضرت دادا کے بارہ میں امام مالک رضہ کا ہے اور حضرت دادا کے بارہ میں امام احمد رضہ سے بھی دو روایتوں میں سے مشہور روایت یہی ہے۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ کنواری بالغہ عاقلہ کا نکاح کر دینا کسی کے لئے اُس کی رضامندی کے بغیر جائز نہیں۔ اسی طرح امام مالک رضہ کا قول اور امام احمد رضہ کی دو روایتوں میں سے ایک یہ ہے کہ دادا کو ولایت اجبار (کہ اُس کی بلا اجازت و رضامندی نکاح پڑھا سکے) حاصل نہیں برخلاف باپ کے کہ اُسکے لئے ثابت ہے۔ پس پہلا قول باپ پر مخفف اور اسی طرح دادا پر۔ اور دوسرا قول مع اُس کے جو دوسرے قول کے موافق ہے اور تیسرا مشدد ہے۔ اور تینوں اقوال کی وجوہ ذہین آدمی پر پوشیدہ نہیں۔

تیرھواں مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ باپ کے سوا دوسرے کو نابالغہ کا نکاح اُس کے بالغ اور اجازت دینے کے بغیر جائز نہیں۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ یہ تمام عصبات کے لئے جائز ہے

اتنی بات ہے کہ لڑکی کے لئے وہ عقد لازم نہیں ہوتا (نتیجہ یہ ہوگا) کہ جب وہ بالغہ ہوگی تو اُسے اختیار ثابت ہوگا کہ نکاح باقی رکھے یا توڑ دے۔ اسی طرح امام ابو یوسف کا قول یہ ہے کہ عقد نکاح لڑکی پر لازم ہو جاتا ہے۔ پس پہلا قول باپ کے سوا پر مشدد اور دوسرے میں کچھ تخفیف ہے۔ اور دونوں قولوں کی وجوہ ظاہر ہیں۔

چودھواں مسئلہ امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر نابالغہ کا کنوارپن بوجہ حلال ہمبستری یا حرام کے زائل ہو جائے تو اُس کی اجازت اور بالغہ ہونے سے قبل نہ باپ نکاح کر سکتا ہے اور نہ کوئی۔ اور حالانکہ امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ جب وہ نو سال کی ہو جائے اور نکاح کی اجازت دیدے تو اُس کا نکاح کرایا جا سکتا ہے۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرے میں تخفیف ہے۔

پندرھواں مسئلہ امام ابو حنیفہ رضہ اور امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ عورت کا ولی خواہ نسبی ہو یا حاکم ہونے کی وجہ سے تو اُسے ہر صورت میں (بشرطیکہ عورت کا محرم نہ ہو) اُس عورت کا اپنے آپ سے نکاح کر لینا جائز ہے۔ حالانکہ امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ اپنا نکاح اُس سے نہیں کر سکتا مگر بایں طریق کہ اپنا شخص دوسرے شخص کو وکیل بنا دے تاکہ ایک ہی شخص ایجاب و قبول دونوں کا صادر کرنے والا نہ ہو جائے۔ اسی طرح امام شافعی رضہ کا قول ہے کہ نہ خود قبول کر سکتا ہے اور نہ دوسرے کو ان کا وکیل بنا سکتا ہے بلکہ اُس کا نکاح حاکم کرے گا اگرچہ وہ خود خلیفہ ہو یا اُس کا نائب (قائم مقام) اصحاب امام شافعی رضہ میں سے ابو یحییٰ بلخی کا قول یہ ہے کہ اُس کو خود قبول کر لینا جائز ہے اور منقول ہے کہ اُنہوں نے ایک ایسی عورت سے نکاح کیا تھا جس کے وہ خود ولی تھے۔ پس پہلا اور تیسرے کے بعد کا قول مخفف ہے اور دوسرے اور تیسرے میں کچھ تشدید ہے۔

سولھواں مسئلہ امام ابو حنیفہ رضہ اور امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر مولیٰ نے اپنی باندی کو آزاد کر دیا پھر اُس نے (اپنے آزاد کرنے والے کو) اپنا نکاح خود اُس سے کر دینے کی اجازت دیدی تو اُسے جائز ہے کہ آزاد کی ہوئی باندی کا اپنے آپ سے نکاح کر دے اور خود ہی ولی بھی بنے۔ اسی طرح جس کی کوئی نابالغہ لڑکی ہو تو اُسے جائز ہے کہ اُس شخص کو نکاح کرنے کا وکیل بنا دے جس نے منگنی کی ہے (یعنی اُس کے باپ سے نکاح کا پیغام دیا ہے) تاکہ وہ اپنے آپ سے نکاح کر لے۔ حالانکہ دونوں مسئلوں میں اُن کے سوا دوسرے اماموں کا قول یہ ہے کہ یہ درست نہیں۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے۔

سترھواں مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ جب اولیاء (جو عورت کے ولی ہیں) اور خود عورت غیر کفو (جو ہمسر نہ ہو) میں نکاح کرنے سے رضامند ہوں تو نکاح صحیح ہے۔ حالانکہ امام احمد رضہ کا قول ہے کہ صحیح نہیں۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔ اور پہلے قول کی وجہ رضامندی کا پایا جانا ہے۔ اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ یہ بقرف مصلحت کے خلاف ہے۔

اٹھارھواں مسئلہ امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر کسی ولی نے عورت کی اجازت سے غیر کفو میں نکاح کر دیا تو وہ صحیح نہ ہوا۔ حالانکہ امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ ولیوں کا متفق اور مختلف ہونا دونوں برابر ہیں۔ پس جب عورت نے کسی مسلمان سے نکاح کرنے کی اجازت دیدی تو اس میں کسی ولی کو اعتراض کی گنجایش نہیں اسی طرح امام ابو حنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ نکاح لازم ہو گیا۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرے میں تخفیف اور تیسرا مخفف ہے۔

انیسواں مسئلہ امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ کفو ہونا (یعنی برابری اور ہمسری) پانچ چیزوں میں معتبر ہے۔ دینداری اور نسب، اور پیشہ، اور آزاد ہونے، اور عیوب سے بری ہونے میں۔ حالانکہ امام محمد بن حسن رضہ کا

قول یہ ہے کہ کفایۃ (ہمسری) دینداری کا اعتبار نہیں مگر (اسوقت) مرد نشہ باز ہو کہ (حالت نشہ میں) جب باہر نکلتا ہو تو بچے اُس سے مسخری کرتے ہوں۔ اسی طرح امام مالک کا قول یہ ہے کہ کفاءت (ہمسری میں) صرف دینداری کا اعتبار ہے اسی طرح ابن ابی لیلی کا قول یہ ہے کہ کفو ہونا دینداری، نسب، مالداری میں معتبر ہے اور امام ابوحنیفہ رضؓ سے بھی ایک روایت یہی ہے اسی طرح امام احمد رضؓ کی دو روایتوں میں سے ایک یہ ہے کہ کفو ہونا دینداری اور پیشہ میں معتبر ہے اور امام موصوف سے دوسری روایت یہ ہے کہ کفو ہونا دینداری اور پیشہ اور مالداری میں معتبر ہے۔ پس پہلا قول کفو ہونے کی شرائط میں مشدد اور دوسرے میں اس اعتبار سے تخفیف ہے اور تیسرا قول مخفف ہے۔ اسی طرح اُس کے بعد کا اور چوتھا قول بھی (مخفف ہے) لیکن تمام اقوال اختلاف اعتراض پر محمول ہیں

بیسواں مسئلہ بعض اصحاب امام شافعی رضؓ کا قول یہ ہے کہ عمر کا اعتبار ہے۔ حالانکہ دوسرے بعض کا قول یہ ہے کہ اعتبار نہیں۔ پس بوڑھے کو جوان عورت سے نکاح کرنا جائز ہے۔ پس پہلا قول مشدد اور اُن لوگوں کے حال پر محمول ہے جن کی خواہشات نفسانی کا غلبہ ہے اور دوسرا قول اُن لوگوں پر محمول ہے جن پر زہد اور پرہیزگاری غالب ہے اور اُنکا قلب احوال کے ساتھ لٹکا ہوا ہے اور وہ اپنے نفس کے حظوظ سے غائب ہیں۔

اکیسواں مسئلہ امام ابوحنیفہ کا قول یہ ہے کہ کفو (برابری) کا نہ پایا جانا اولیاء کے واسطے اعتراض کا حق پیدا کرتا ہے حالانکہ امام مالک رضؓ کا قول یہ ہے کہ نکاح ہی باطل ہوتا ہے۔ اور امام شافعی رضؓ و امام احمدؓ کے دو قولوں میں سے بھی صحیح تر قول یہی ہے مگر یہ کہ اگر عورت اور اولیاء رضامند ہو جائیں (تو نکاح باطل نہیں ہوتا) پس پہلے قول میں جورو اور خاوند پر تخفیف اور دوسرے قول میں شرط مذکور کی وجہ سے اُن دونوں پر تشدید ہے اور زوجین کے واسطے دونوں قولوں کی وجوہ ظاہر ہیں۔

بائیسواں مسئلہ امام شافعی رضؓ اور امام مالک رضؓ اور امام احمد رضؓ اور امام ابویوسف اور امام محمد رضؓ کا قول یہ ہے کہ عورت جسوقت کفو کے اندر بغیر مہر مثل کے نکاح کرانا چاہے تو ولی کو اس کا قبول کرنا لازم ہو گا۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رضؓ کا قول یہ ہے کہ ولی کو اسے قبول کرنا ضروری نہیں۔ پس پہلا قول مشدد اور اُن ولیوں کے ساتھ خاص ہے جو کوتاہ نظر ہوں اور دوسرا قول مخفف اور اُن ولیوں کے ساتھ مخصوص ہے جو کامل النظر ہوں۔

تیئیسواں مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ اگر باوجود نزدیک ولی ہونے کے دور کے ولی نے نکاح کر دیا تو وہ نکاح صحیح نہ ہوگا۔ حالانکہ امام مالک رضؓ کا قول یہ ہے کہ صحیح ہو گا۔ سوا اس صورت کے کہ لڑکی کنواری ہو اور باپ کے موجود ہوتے تو کوئی دور کا ولی نکاح کرا دے یا وصی موجود ہو اور کوئی دوسرا دور کا ولی نکاح پڑھا دے تو وہ جائز نہیں۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مفصل ہے۔

چوبیسواں مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ اگر کسی نے کسی عورت کو کہا کہ وہ میری بیوی ہے اور عورت نے اُس کی تصدیق کی تو اُن دونوں کے متفق ہو جانے کی وجہ سے نکاح ثابت ہو جائے گا۔ حالانکہ امام مالکؓ کا قول یہ ہے کہ نکاح ثابت نہ ہو گا۔ مگر جب عورت کے پاس سے مرد کو آتا جاتا دیکھ لیا جاوے۔ البتہ اگر مسافرت میں ہوں تو (دوسری بات ہے) پس پہلا قول مخفف اور دوسرے میں تفصیل ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ پہلا قول بڑے بڑے تقویدار اور دینداروں پر محمول ہو۔ اور دوسرا اُن کے سوا پر۔

پچیسواں مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ نکاح بغیر گواہی کے صحیح نہیں ہوتا حالانکہ امام مالک رضؓ کا قول یہ ہے کہ بغیر گواہی کے (بھی) صحیح ہے مگر اُس کے اندر مشہور کرنا اور پوشیدہ رضامندی نہ ہو جانا معتبر ہے

یہانتک کہ اگر پوشیدگی میں عقد نکاح کیا اور اُس کے پوشیدہ رکھنے کو شرط کر لیا تو امام موصوف کے نزدیک فسخ ہوجاتا ہی اور باقی تینوں کے نزدیک لوگوں کا نکاح کو پوشیدہ رکھنا جبکہ گواہ موجود ہوں کچھ ضرر نہیں پہونچاتا۔ پس پہلا قول مشدد اور اُن پر محمول ہے جن سے انکار کر جانے کا خوف نہ ہو اور دوسرا قول مخفف اور اچھے متقی لوگوں پر محمول ہے

چھبیسواں مسئلہ امام شافعی رضہ اور امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ نکاح کا ثبوت بغیر دو گواہوں کے جو مرد اور عادل ہوں صحیح نہیں حالانکہ امام ابوحنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ نکاح کا انعقاد ایک مرد اور دو عورتوں اور دو فاسق گواہوں سے بھی ہوجاتا ہے۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرے میں تخفیف ہے اور امام ابوحنیفہ کے قول کی وجہ اموال پر قیاس کرنا ہے کہ جسطرح وہ ایک مرد اور دو عورتوں سے ثابت ہوجاتے ہیں۔ اسی طرح نکاح بھی اور رہے فاسق۔ سو اُن سے نکاح کا اعلان اور شہرت حاصل ہوجاتی ہے اور یہ زناتیوں کے نکاح سے ممتاز ہونے کے لئے بہت کافی ہے۔

ستائیسواں مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ اگر کسی مسلمان نے ذمیہ (عورت سے) نکاح کیا تو وہ صحیح نہوگا جب تک دو گواہ مسلمان موجود نہوں۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر دو ذمی ہی گواہ ہوں تو بھی صحیح ہے۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے۔

اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ اسلام کے حکم کو غالب رکھا جائے۔

دوسرے قول کی وجہ اہل کفر کے حکم کو غالب کرنا ہے اس لئے کہ اگر (بالفرض) انکار (نکاح سے) ہونے لگے تو وہ اپنے مذہب والوں کی گواہی کو ضرور تسلیم کرینگے۔

اٹھائیسواں مسئلہ اکثر علماء کا قول یہ ہے کہ خطبہ پڑھنا سنت ہے واجب نہیں۔ حالانکہ امام داؤد کا قول یہ ہی کہ وہ عقد کے وقت واجب ہے۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ خطبہ پڑھنا کھانے کے وقت بسم اللہ پڑھنے اور اسی طرح وضو اور سفر کے لئے نکلتے وقت بسم اللہ پڑھنے کی مثل ہے۔

دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ خطبہ جمعہ کے خطبہ کی مثل ہے کیونکہ ہمکو کوئی حدیث نہیں پہونچی کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی کسی صاحبزادی یا اور کے نکاح کے وقت خطبہ ترک کیا ہو۔

انتیسواں مسئلہ امام شافعی رضہ اور امام احمد رضہ کا قول یہ ہے نکاح بغیر لفظ تزویج (نکاح کرنے) کے صحیح نہیں ہوتا۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ اُس لفظ کے ساتھ صحیح ہوجاتا ہے جو تمام زندگی بھر کے لئے مالک بنا دینے کو چاہے یہانتک کہ امام موصوف سے لفظ اجارہ (کرایہ پر دینا) میں دونوں روایتیں منقول ہیں۔ اسی طرح امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ اجارہ کے لفظ سے نکاح منعقد ہوجاتا ہے بشرطیکہ مہر کا ذکر بھی ہو۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا اُس کے بعد کا مخفف ہے۔

دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ شارع علیہ السلام سے یہ ثابت نہیں کہ انہوں نے کوئی لفظ مخصوص کر دیا ہو کہ اُس کے سوائے صحیح نہو جیسے نماز کے اندر لفظ اللہ اکبر ہے بلکہ ہم کو ہر وہ لفظ استعمال کرنا جائز ہے جو رضامندی پر دلالت کرے جس طرح لفظ بیع (فروخت کرنا)

تیسواں مسئلہ اکثر علماء کا قول یہ ہے کہ اگر کسی نے یوں کہا کہ میں نے اپنی بیٹی کا نکاح فلاں آدمی سے کردیا پھر جب اُس کو خبر پہونچی تو اُس نے کہا کہ میں نے قبول کیا۔ تو یہ نکاح صحیح نہیں۔ حالانکہ امام

ابو یوسف کا قول یہ ہے کہ صحیح ہے اور اس کا یہ کہنا کہ میں نے اپنی بیٹی کا نکاح فلاں آدمی سے کر دیا ایسا ہے جیسے عقد کے وقت اُس سے کہتا کہ میں نے تیرا نکاح فلاں عورت سے کر دیا اور وہ اس کے جواب میں قبلت (میں نے قبول کیا) کہتا۔ پس پہلا قول مشدد اور اُن کے حال پر محمول ہے کہ جن سے انکار کر جانے یا جھوٹ بولنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اور دوسرا قول مخفف اور سچے لوگوں پر محمول ہے۔

اکتیسواں مسئلہ امام شافعی رضہ کے دو قولوں میں سے صحیح تر قول یہ ہے کہ اگر کسی نے کسی مرد سے کہا کہ میں نے اپنی بیٹی کا نکاح تجھ سے کر دیا تو اُس نے صرف یہ کہا کہ میں نے قبول کیا اور یہ نہ کہا کہ میں نے اُس کے نکاح کو قبول کیا تو نکاح صحیح نہ ہوا۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رضہ اور امام احمد رضہ کا قول اور امام شافعی رضہ کا دوسرا قول یہ کہ نکاح (مذکور) صحیح ہے۔ پس پہلا قول مشدد اور اُن لوگوں کے حال پر محمول ہے کہ جن سے نکاح کے اندر جھگڑے اور انکار کا خوف ہے۔ اور دوسرا قول مخفف اور دیندار سچے لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے۔

بتیسواں مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ مسلمان کو جائز ہے کہ کسی کتابیہ عورت سے بذریعہ اُس کے ولی کے نکاح کرے۔ حالانکہ امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ یہ جائز نہیں۔ پس پہلا قول مخفف ہے۔ حکم کفر کا لحاظ کرنے کی وجہ سے۔ اور دوسرا قول مشدد ہے حکم اسلام ملحوظ کرنے کی وجہ سے۔

تینتیسواں مسئلہ امام ابو حنیفہ رضہ اور امام مالک رضہ کا قول اور امام شافعی رضہ کا قول قدیم یہ ہے کہ مولیٰ اپنے بڑے (بالغ) غلام کو نکاح پر مجبور کر سکتا ہے۔ حالانکہ امام احمد رضہ کا قول اور امام شافعی رضہ کا قول جدید یہ ہے کہ نہیں کر سکتا۔ پس پہلا قول مولیٰ پر مخفف اور دوسرا اُس پر مشدد ہے۔ اور دونوں قولوں کی وجوہ ذہین پر مخفی نہیں

چونتیسواں مسئلہ امام ابو حنیفہ رضہ اور امام مالک رضہ کا قول اور امام شافعی رضہ کے دو قولوں میں سے صحیح تر قول یہ ہے کہ جب مولا سے غلام فروخت کرنے کو کہا جائے اور وہ اُس سے بچنے تو مولیٰ اُس کے فروخت کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ حالانکہ امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ اسپر مجبور کیا جا سکتا ہے۔ پس پہلا قول مولیٰ پر مخفف اور معمولی لوگوں کے ساتھ خاص ہے اور دوسرا قول مشدد اور اُن لوگوں کے حال پر محمول ہے جو اپنے غلام پر باوجود مالک ہونے کے اپنا کوئی حق نہیں جانتے ہیں بلکہ اگر غلام مسلمان ہو تو اُسے اپنا دینی بھائی جانتے ہیں اور اس کی تائید رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کے بارہ میں اس فرمان سے ہوتی ہے کہ (اور وہ غلام جو تمہاری (طبیعت کی) نامناسب ہوں ہیں فروخت کر ڈالو اور اللہ کی مخلوق کو عذاب نہ دو) انتہیٰ۔

پینتیسواں مسئلہ امام ابو حنیفہ رضہ اور امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ بیٹے پر اپنے باپ کو پاک دامن بنانے کے لئے (اُسکا نکاح کرانا لازم نہیں) جسوقت کہ باپ نکاح کی خواہش کرے۔ حالانکہ امام شافعی رضہ کا قول اور امام احمد رضہ کی دو روایتوں میں سے اظہر روایت یہ ہے کہ بیٹے پہ اپنے باپ کی پاکدامنی کے واسطے نکاح کرانا لازم ہے۔ محققین اصحاب امام شافعی رضہ کے نزدیک باپ کا آزاد ہونا شرط ہے۔ پس پہلا قول بیٹے پر مخفف اور دوسرا شرط مذکور کی وجہ سے اُسپر مشدد ہے۔

چھتیسواں مسئلہ امام ابو حنیفہ رضہ اور امام احمد رضہ کا قول اور امام شافعی رضہ کے دو قولوں میں سے صحیح تر قول یہ ہے کہ مولیٰ کو اپنی اُم ولد (وہ باندی کہ مولیٰ کے نطفہ سے جن چکی ہو) کا اُس کی رضامندی کے بغیر نکاح کر دینا درست ہے۔ حالانکہ امام احمد رضہ کی دو روایتوں میں سے ایک روایت یہ ہے کہ جائز نہیں۔ پس پہلا قول مولیٰ پر مخفف اور دوسرا اُس پر مشدد ہے۔

سینتیسواں مسئلہ

امام ابوحنیفہ رضہ اور امام مالک رضہ اور امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر مولا نے کہا کہ میں نے اپنی باندی کو آزاد کیا اور اُس کی آزادی کو اُس کے نکاح کا مہر ٹھیرایا اور دو گواہ موجود تھے تو نکاح منعقد نہ ہوا۔ حالانکہ امام احمد رضہ کی دو روایتوں میں سے ایک یہ ہے کہ منعقد ہو گیا اور رہی آزادی تو وہ بالاتفاق صحیح ہے۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے اور دونوں قولوں کی وجہ ظاہر ہے۔

اڑتیسواں مسئلہ

چاروں اماموں کا قول ہے کہ اگر باندی نے اپنے مولا سے کہا کہ تو مجھے اس شرط پر آزاد کر دے کہ میں تیرے ساتھ نکاح کروں اور میری آزادی ہی مہر ہو۔ پس اُس نے آزاد کر دیا تو آزادی صحیح ہو گئی اور رہا نکاح سو امام ابوحنیفہ رضہ اور امام شافعی کا قول یہ ہے کہ باندی کو اختیار ہے اگر چاہے تو مولی سے نکاح کرے اور اگر چاہے نہ کرے اور اگر اُس نے نکاح کو اختیار کیا تو اُسے مہر جدا دینا لازم ہو گا اور اگر نکاح کو پسند نہ کیا تو باندی پر کچھ لازم نہیں۔ امام ابوحنیفہ رضہ اور امام مالک رضہ کے نزدیک اور امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ اسپر اپنی قیمت مولا کو دینی لازم ہو گی اور امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ آزاد تو ہو جائے گی اپنی قیمت دینی ضرور ہو گی اور اگر عقد نکاح پر دونوں کی رضامندی ہو گئی تو آزادی ہی مہر ہو گا اور باندی کو اور کچھ نہ ملے گا۔ پس قول آزادی کے بارہ میں مشدد اور نکاح کے بارہ میں اسوجہ سے کہ باندی کو اختیار دیا گیا ہے مخفف ہے اور دو شقوں میں سے دوسری اختیار کی بارہ میں مشدد ہے اس وجہ سے کہ اگر دونوں نفس آزادی کو مہر قرار دینے سے رضامند نہوں تو باندی پر اُس کی اپنی قیمت لازم ہے واللہ تعالی اعلم وعلمہ اتم۔

باب اُن عورتوں کے بیان میں جن سے نکاح حرام ہے

مسائل اجماعیہ

اماموں کا اسپر اتفاق ہے کہ بیوی کی والدہ صرف اُس کی بیٹی سے عقد نکاح کرتے ہی ہمیشہ کے لئے حرام ہو جاتی ہے اس میں حضرت علی رضہ اور زید بن ثابت رضہ کا خلاف ہے اور مجاہد رضہ کا بھی۔ کیونکہ اُن کے نزدیک جب تک اُس کی بیٹی سے ہمبستر نہ ہو جائے اُسوقت تک حرام نہیں ہوتی۔ اور زید بن ثابت کا قول ہے کہ اگر اُسے ہمبستر ہونے سے پہلے طلاق دیدی تو اُسے مطلقہ کی والدہ سے نکاح کرنا درست ہے۔ اور اگر وہ ہمبستری سے پہلے انتقال کر گئی تو اُسے اُس کی ماں سے نکاح جائز نہیں لہذا اُنہوں نے موت کو ہمبستری کی مثل ٹھیرایا ہے۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرے میں کچھ تخفیف ہے اور دونوں قولوں کی وجوہ ظاہر ہیں۔ اور اماموں کا اسپر بھی اتفاق ہے کہ ربیبہ (وہ لڑکی جو عورت کے ساتھ پہلے خاوند سے ہو) اُس کی والدہ سے ہمبستر ہو جانے کے بعد حرام ہو جاتی ہے اگرچہ دوسرے خاوند کی پرورش میں نہ ہو اور امام داؤد نے اس کو شرط قرار دیا ہے کہ ربیبہ اُس کی ذمہ داری میں ہو اور اسیطرح اس پر بھی اتفاق ہے کہ عورت جب زنا کرے تو اُس کا نکاح فسخ نہیں ہوتا۔ اس میں حضرت علی رضہ اور حضرت حسن بصری رضہ کا خلاف ہے۔ اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ جسے کفار سے نکاح کرنا حلال ہے اُسے اُن کی لونڈیوں سے ملک یمین کی وجہ سے ہمبستر ہونا درست نہیں۔ اس میں ابو ثور کا خلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ تمام لونڈیوں سے ملک یمین کی وجہ سے ہمبستر ہونا درست

ہے خواہ کسی دین پر ہوں۔ اور اماموں کا اِسپر اتفاق ہے کہ نکاح کے اندر دو بہنوں کو جمع کرنا اِسی طرح ایک عورت اور اُس کی پھوپی کو یا اُس کی خالہ کو جمع کرنا حرام ہے۔ اور اِسپر بھی اتفاق ہے کہ نکاح متعہ باطل ہے اس میں کسی کا خلاف نہیں۔ اور اُس کی صورت یہ ہے کہ کسی عورت سے مدت معینہ تک کے لئے نکاح کرے مثلاً اُس سے کہے کہ میں تجھ سے ایک ماہ یا ایک سال تک کے لئے نکاح کرتا ہوں اور جو حدیثیں اُس کے مباح ہونے میں وارد ہیں۔ وہ بالاجماع منسوخ ہیں۔ تمام علماء متقدمین و متاخرین کا یہی قول ہے صرف روافض کا خلاف ہے اور وہ حضرت ابن عباس رضہ سے روایت کرتے ہیں۔ حالانکہ اُنہیں سے اس کا باطل ہونا ثابت ہے اور اسی کی مثل امام زفر رضہ کا قول مسائل اختلافیہ میں آوے گا۔ مسائل اجماعیہ ختم ہوئے۔

مسائل اختلافیہ

پہلا مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ زانیہ (زنا کرنے والی) عورت سے نکاح درست ہے۔ حالانکہ امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ جب تک وہ زنا سے توبہ نہ کرے اُس وقت سے قبل نکاح اُس کے ساتھ حرام ہے۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔

دوسرا مسئلہ امام مالک رضہ اور امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ جب کوئی کسی عورت سے زنا کرے تو اُس عورت سے نکاح کرنا زانی پر حرام نہیں اور نہ اُس کی والدہ اور بیٹی سے۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رضہ اور امام احمد رضہ کا قول ہے کہ زنا کے ساتھ حرمت دامادی ثابت ہو جاتی ہے اور امام احمد رضہ نے اور زیادہ دیکھا کہ کسی شخص نے اگر کسی لڑکے سے اغلام کیا تو اُس کی ماں اور بیٹی بھی حرام ہو جاتی ہیں پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے اور دونوں قولوں کی وجوہ ذہین آدمی پر پوشیدہ نہیں اور اغلام کی وجہ سے لڑکے کی ماں کا حرام ہو جانا اسی وجہ سے ہے کہ لڑکا اُسی سے پیدا ہوتا ہے جس طرح لڑکی اُسی سے پیدا ہوتی ہے تو جب عورت سے ہمبستر ہونے کے بعد اُس کی ماں حرام ہے لہذا لڑکے کی ماں بھی اسی طرح حرام ہوئی اس میں محل پیدائش کی بزرگی کا خیال کیا ہے۔

تیسرا مسئلہ امام ابوحنیفہ رضہ اور امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر کسی عورت نے زنا کیا پھر اُس نے کسی سے نکاح کر لیا تو خاوند کو بلا عدت گذارے اُس سے ہمبستر ہونا درست ہے لیکن اگر وہ حاملہ ہوگی تو وضع حمل سے پہلے ہمبستر ہونا مکروہ ہے۔ حالانکہ امام مالک رضہ اور امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ اُس عورت پر عدت گذارنا واجب ہے۔ اور خاوند کو اُس کی عدت گذرنے سے پہلے ہمبستر ہونا حرام ہے۔ اسی طرح امام ابو یوسف رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر عورت حاملہ ہو تو وضع حمل سے پہلے نکاح حرام ہے۔ اور اگر خالی ہو تو حرام نہیں اور نہ عدت گذارنے کی ضرورت ہے۔ پس پہلا قول مخفف اور عمومی لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور دوسرے قول میں تشدید ہے اور وہ علماء اور صالحین کے ساتھ خاص ہے۔ اور تیسرا قول مفصل ہے۔

اور پہلے قول کی وجہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا اس کے حلال ہونے کا فتوے دینا ہے اور آپ نے فرمایا کہ" دونوں (زانی مرد اور عورت) زنا سے نکلکر نکاح میں داخل ہو گئے" اور اخیر کے دونوں قولوں کی وجہ ظاہر ہے۔

چوتھا مسئلہ امام ابوحنیفہ رضہ اور امام احمد رضہ کا قول اور امام مالک رضہ کی دو روایتوں میں سے ایک یہ ہے کہ مرد کو زنا سے پیدا ہوئی عورت سے نکاح حرام ہے۔ حالانکہ امام شافعی رضہ کا قول اور امام

مالک رض کی دوسری روایت یہ ہے کہ حلال ہے مگر کراہت کے ساتھ۔ پس پہلا قول مشدد اور مومن کے ساتھ خاص ہے جو توبہ کرکے متقی ہو جائیں۔ اور دوسرا قول مخفف اور رذیل لوگوں کے ساتھ خاص ہے۔

پانچواں مسئلہ

چاروں اماموں کا قول یہ ہے کہ دو باندیوں کو جو آپس میں بہنیں ہوں ہمبستری میں جمع کرنا حرام ہے۔ حالانکہ امام داؤد کا قول اس کے جواز کا ہے اور یہی ایک روایت امام احمد رض سے ہے اور امام ابوحنیفہ رض سے ایک روایت یہ ہے کہ ایک بہن سے دوسری بہن کے اوپر نکاح کرنا تو جائز ہے مگر جس سے نکاح کیا ہے اس سے ہمبستری اس وقت تک حلال نہیں کہ پہلی سے جو نکاح میں ہے جس سے ہمبستر بھی ہو چکا ہے اسے طلاق نہ دیدے یا کسی اور طریقہ سے اپنے اوپر اس سے ہمبستر ہونا حرام نہ کرلے۔ پس پہلا قول مشدد ہے اور اس کی تائید حق تعالیٰ کے ظاہر فرمان سے ہوتی ہے کہ (وان تجمعوا بین الاختین) ترجمہ "اور یہ حرام ہے کہ تم دو بہنوں کو (نکاح) میں اکٹھا کرو" اور دوسرا قول مخفف ہے کیونکہ آیت مذکورہ نکاح کی حرمت بیان کرنے کے لئے وارد ہوئی ہے لہٰذا اس کے اندر وہ باندیاں داخل نہ ہونگی جن کو مال کے بدلہ میں خریدا ہو۔ اور تیسرا قول عقد نکاح پر دوسری کے عقد نکاح کو جائز کہنے میں مخفف ہے بشرطیکہ دوسری سے ہمبستر نہ ہو۔

چھٹا مسئلہ

تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ جو شخص مسلمان ہوا اور اس کے نیچے چار عورتوں سے زیادہ ہیں تو ان میں چار کو کوئی سی پسند کرلے اور اگر دو بہنیں ہوں تو ان میں سے ایک پسند کرلے۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رض کا قول یہ ہے کہ اگر تمام عورتوں کے ساتھ ایک دفعہ میں عقد ہوا ہے تو وہ بالکل باطل ہے اور اگر مختلف عقدوں کے ساتھ ہوا ہے تو پہلی چار میں صحیح ہے۔ اسی طرح دو بہنوں کے اندر۔ پس پہلے قول میں تخفیف اور دوسرے میں تفصیل ہے۔ اور دونوں قولوں کی وجوہ ظاہر ہیں۔

ساتواں مسئلہ

تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ کفار کے نکاح صحیح ہوتے ہیں کہ ان کے اوپر احکام شرعیہ جاری ہوتے ہیں جسطرح مسلمانوں کے نکاح پر۔ حالانکہ امام مالک رض کا قول یہ ہے کہ وہ فاسد ہیں پس پہلا قول کفار پر مخفف اور دوسرا ان پر مشدد ہے۔

اور پہلے قول کی وجہ سلف صالحین کا ان کے نکاحوں کے فاسد اور صحیح ہونے سے بحث نہ کرنا ہے۔ اور دوسرے قول کی وجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کا عام ہونا ہے کہ (کل عمل لیس علیہ امرنا فھو رد) ترجمہ "ہر وہ کام جسپر ہمارا حکم نہ ہو وہ قابل قبول نہیں" اور جب وہ مسلمان ہوں تو نکاح کی تجدید بہت سہولت سے ممکن ہے۔

آٹھواں مسئلہ

تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ آزاد مرد کو باندی سے نکاح کرنا دو شرطوں کے ساتھ جائز ہے ایک تو زنا کا ڈر ہونا، دوسری آزاد عورت سے نکاح کرنے کی طاقت نہ رکھنا۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ کا قول یہ ہے کہ باوجود شرطوں کے نہ ہونے کے بھی نکاح درست ہے۔ حالانکہ اس سے نکاح کرنا جب منع ہے کہ پہلے سے اس کے نکاح میں آزاد عورت موجود ہو یا اس کے طلاق دینے کی وجہ سے عدت گذار رہی ہو۔ پس پہلے قول میں تشدید ہے اور وہ ان شرف اور حسب والوں پر محمول ہے جو باندیوں سے نکاح کرنا اپنے لئے عار اور نسب میں عیب خیال کرتے ہیں۔ اور دوسرا قول مخفف اور معمولی درجہ کے لوگوں پر محمول ہے۔

نواں مسئلہ

تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ مسلمان کو کتابیہ باندی سے نکاح حلال نہیں۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رض کا قول یہ ہے کہ باوجود شرائط مذکورہ نہ ہونے کے اس سے نکاح جائز ہے۔ پس پہلے قول میں تشدید اور دوسرے میں تخفیف ہے۔ اور یہ دونوں قول دو حالوں پر محمول ہیں۔ جسطرح پہلا مسئلہ۔

دسواں مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ غلام کو اکٹھی چار عورتیں جمع کرنی جائز نہیں صرف دو جمع کرسکتا ہے حالانکہ امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ وہ چار تک اکٹھی کرنے میں آزاد مرد کی مثل ہے پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے

گیارھواں مسئلہ امام شافعی رضہ اور امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ آزاد مرد باندیوں کو سوا ایک کے نکاح میں جمع نہیں کرسکتا. حالانکہ امام ابوحنیفہ رضہ اور امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ چار باندیوں سے نکاح کرسکتا ہے جس طرح آزاد عورتوں سے. پس پہلے قول میں تشدید اور دوسرا مخفف ہے اور دونوں قولوں کی وجہ ظاہر ہیں

بارھواں مسئلہ امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ مرد کو اُس عورت سے نکاح کرنا درست ہے اور اس سے ہمبستر ہونا اگرچہ استبراء (رحم کا خالی ہونا) معلوم نہ کیا ہو. اور یہی امام ابوحنیفہ رضہ کا قول ہے لیکن اُن کے نزدیک جب تک ایک حیض گذر جانے سے عورت کے رحم کا خلو نہ معلوم کرلے اُس وقت تک ہمبستر ہونا درست نہیں. اور اگر حاملہ ہو تو وضع حمل کے بغیر وطی نہیں کرسکتا. پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے.

تیرھواں مسئلہ امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ زناکار عورت سے ہر حالت میں نکاح کرنا مکروہ ہے. حالانکہ امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ اُس سے نکاح کرنا دو شرطوں کے ساتھ صحیح ہے. ایک تو وہ توبہ کرچکی ہو، دوسری اُس کے رحم کا خالی ہونا وضع حمل یا بذریعہ حیض یا گواہوں کے معلوم ہوچکا ہو. پس پہلا قول مخفف اور دوسرے میں کچھ تشدید ہے. اور ممکن ہے کہ دوسرے قول کو اُن پر محمول کیا جائے جو توبہ کے بعد اہل تقوے میں سے ہوگئے ہوں اور پہلے کو معمولی لوگوں پر. اور وجہ یہ ہے کہ لوگ اہل تقوے کے ساتھ طعن و تشنیع کرتے ہیں اگر وہ زناکار عورت سے اُس کی توبہ ظاہر ہونے اور لوگوں کے اُس کے سچا جاننے سے قبل نکاح کرلیں. برخلاف معمولی درجہ کے لوگوں کے جو ہر وقت خصائل رذیلہ میں مبتلا رہتے ہیں.

چودھواں مسئلہ تمام اماموں کا قول یہ ہے کہ نکاح متعہ باطل ہے. حالانکہ حنفیہ میں سے امام زفر رضہ کا قول یہ ہے کہ شرط (ایک ماہ یا ایک سال کی) ساقط ہوجاتی ہے اور نکاح ہمیشہ کے لئے صحیح ہوجاتا ہے بشرطیکہ تزویج (نکاح کرنے کے) لفظ کے ساتھ ہوا ہو اور اگر لفظ متعہ کے ساتھ ہوا ہو تو وہ بھی گروہ اعظم کے ساتھ نکاح باطل ہونے میں شریک ہیں. پس پہلا قول مشدد ہے کیونکہ نکاح متعہ منسوخ ہوجانے پر ائمہ کا اجماع ہوچکا ہے اور دوسرا قول شرط مذکور کے ساتھ مخفف ہے.

پندرھواں مسئلہ امام شافعی رضہ اور امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ نکاح شغار (وہ نکاح کہ ایک شخص اپنی لڑکی یا بہن کا نکاح دوسرے شخص سے اس شرط پر کرے کہ دوسرا بھی اپنی لڑکی یا بہن کو اول شخص سے بیاہ دے اور سوا اس شرط کے مہر کچھ نہ ٹھیرے) باطل ہے. حالانکہ امام ابوحنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ عقد نکاح صحیح ہے اور مہر جو شرط ہے فاسد ہے. پس پہلا قول مشدد اور دوسرے میں تخفیف ہے.

سولھواں مسئلہ امام ابوحنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ جب کوئی کسی عورت سے اس غرض سے نکاح کرے کہ تاکہ وہ عورت اُس مرد کے لئے حلال ہوجائے جس نے اُسے تین طلاقیں دیدی ہیں اور یہ شرط کرلیا گیا کہ جب ہمبستری ہوجائے گی تو عورت پر طلاق یا یہ کہ نکاح نہ رہے گا تو وہ نکاح تو صحیح ہے مگر شرط فاسد ہے اور اس میں کہ وہ عورت پہلے مرد کے لئے حلال ہوجاتی ہے یا نہیں امام صاحب سے دونوں روایتیں ہیں حالانکہ امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ وہ عورت پہلے مرد کے لئے اُسی وقت حلال ہوگی کہ دوسرے مرد سے نکاح صحیح خواہش اور سچائی کے ساتھ ہو

اور پہلے مرد کے لئے حلال بنانے کا قصد نہ ہوا اور ہمبستری بھی حلال طریق سے واقع ہو (یعنی) طہارت میں حالت حیض میں ہمبستر نہ ہو۔ پس اگر پہلے مرد کے لئے حلال کرنے کو شرط کر لیا یا اس کی نیت کی تو عقد نکاح فاسد ہوگا اور عورت پہلے خاوند کے لئے حلال نہ ہوگی۔ اسی طرح امام شافعی رحہ کے دو قولوں میں سے اصح قول یہ ہے کہ نکاح صحیح نہ ہوگا۔ اسی طرح امام احمد رحہ کا قول یہ ہے کہ صورت میں نکاح نادرست ہے پس پہلے قول میں تخفیف اور دوسرے میں تشدید ہے۔ اسیطرح تیسرا اور چوتھا شدید ہے اور ان تمام اقوال کی وجوہ ذہین آدمی پر پوشیدہ نہیں۔

سترھواں مسئلہ امام ابو حنیفہ رحہ اور شافعی رحہ کا قول یہ ہے کہ اگر بلا شرط تحلیل عورت مذکورہ سے نکاح کر لیا لیکن اس کا قصد یہ ہی تھا کہ پہلے خاوند کے لئے حلال ہو جاوے تو نکاح صحیح ہے مگر کراہت کے ساتھ۔ امام شافعی رحہ کے نزدیک۔ حالانکہ امام مالک رحہ اور امام احمد کا قول یہ ہے کہ وہ نکاح صحیح نہیں پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔

اٹھارھواں مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ اگر ایک مرد نے کسی عورت سے اس شرط پر نکاح کیا کہ اس کے اوپر کسی اور عورت سے نکاح نہ کرونگا یا یہ کہ اس کو اس کے شہر سے باہر نہ لیجاونگا یا اس کے مکان سے یا اس کے ساتھ مسافرت نہ کرونگا تو عقد نکاح صحیح ہے اور شرط مذکور لازم نہیں۔ اور اس عورت کو مہر مثل ملے گا۔ کیونکہ شرط ایسی ہے کہ حلال کو حرام کرتی ہے۔ لہٰذا وہ شرط ایسی ہوئی کہ عورت کہے اس شرط پر نکاح کرتی ہوں کہ میں اپنے اوپر خاوند کو قابو نہ دونگی۔ حالانکہ امام احمد رحہ کا قول یہ ہے کہ عقد صحیح ہے لیکن اس شرط کو پورا کرنا بھی لازم ہے۔ اور جس وقت شرط مذکور میں ذرا خلاف کریگا تو عورت کو نکاح فسخ کرنیکا مجاز ہوگا پس پہلا قول مخفف اور دوسرے میں تشدید ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔

باب نکاح میں اختیار اور عیب کیوجہ سے رد کرنے میں

مسائل اجماعیہ

جاننا چاہئے کہ اس باب میں کوئی مسئلہ متفق علیہا نہیں ہے

مسائل اختلافیہ

پہلا مسئلہ امام ابو حنیفہ رحہ کا قول یہ ہے کہ کسی عیب کی وجہ سے نکاح فسخ نہ ہوگا اور صرف مرد کے خصیئے یا اس کی پیشاب گاہ کٹی ہوئی ہونے یا نامرد ہونے کی شکل میں عورت کو اختیار ہوتا ہے۔ حالانکہ امام مالک رحہ اور امام شافعی کا قول یہ ہے کہ ہر عیب میں سوائے فیتق کے خیار (اختیار) ثابت ہے اسی طرح امام احمد رحہ کا قول یہ ہے کہ تمام عیوب میں اختیار ثابت ہے۔

(۹)

بھائیو! جاننا چاہئے کہ جو عیوب اختیار کو ثابت کرتے ہیں وہ نو ہیں تین تو عورتوں اور مردوں سب میں مشترک ہیں

اور وہ مجنون ہے، جذام ہے، برص ہے۔ اور دو مردوں کے ساتھ مخصوص ہیں۔ ایک خصیے یا پیشاب گاہ کا کٹا ہوا ہونا دوسرا نامرد ہونا۔ اور چار عورتوں کے ساتھ مخصوص ہیں۔ ایک قرن (ہڈی کی طرح ایک سخت چیز جس سے ہمبستری نہ ہو سکے) دوسرا رتق (عورت کا در بند ہونا) تیسرا فتق (پیشاب نکلنے کی جگہ اور جماع کے مقام کا پھٹ کر ایک راہ ہو جانا) چوتھا عفل (عورت کی پیشاب گاہ میں گوشت ہوتا ہے جس سے جماع میں لذت نہیں آتی بعض نے کہا کہ رطوبت ہوتی ہے) پس پہلا قول خاوند پر مشدد اور دوسرے میں اس پر تخفیف ہے۔ اور تیسرا بالکل مخفف ہے۔

دوسرا مسئلہ امام مالک رضہ اور امام شافعی رضہ اور امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ جب بعد عقد کے اور ہمبستری سے پہلے مرد میں کوئی عیب پیدا ہو جائے تو عورت کو اختیار ہوتا ہے۔ اسی طرح بعد ہمبستری کے سوائے نامردی کے (امام شافعی رضہ کے نزدیک) اور جب کوئی عیب عورت میں پیدا ہو جائے تو امام شافعی رضہ اور امام احمد رضہ کے مذہب میں سے قول راجح یہ ہے کہ مرد کو نکاح فسخ کرنے کا جواز ہے۔ حالانکہ امام مالک رضہ کا قول اور امام شافعی رضہ کا دوسرا قول یہ ہے کہ اُسے اختیار نہیں۔ پس پہلا قول عورت پر مخفف اور خاوند پر مشدد ہے۔ البتہ امام شافعی رضہ کا نامردی کے بارہ میں جو قول ہے وہ مستثنیٰ ہے اور دوسرا قول پہلے کا برعکس ہے۔

تیسرا مسئلہ امام ابو حنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ عورت جب آزاد کر دی جائے اور خاوند اُس کا غلام ہو تو جب تک وہ اسی مجلس میں رہے جس میں اُس نے آزادی کی خبر سنی ہے تب تک اختیار رہتا ہے (چاہے نکاح کو فسخ کرے یا باقی رکھے) اور جب اُس نے اپنی آزادی معلوم کر کے خاوند کو ہمبستری پر قدرت دیدی تو یہ عورت کی رضامندی کی دلیل ہے۔ اسی طرح امام شافعی رضہ کے اقوال مختلفہ میں سے صحیح تر قول یہ ہے کہ عورت کو فوری اختیار ہوگا۔ اور امام موصوف کا دوسرا قول تین دن تک کا ہے۔ اور تیسرا قول یہ ہے کہ جب تک خاوند کو ہمبستری کی قدرت نہ دے پس پہلے قول میں عورت پر تشدید اور دوسرے قول میں اُس سے بھی زیادہ تشدید ہے۔ اور امام شافعی رضہ کے اقوال میں سے قول ثانی میں بیوی پر تشدید ہے اور اسی طرح تیسرے قول میں۔ اور امام ابو حنیفہ رضہ اور امام شافعی رضہ کے دوسرے قول کی وجہ اس صورت کو مبیع کے اندر عیب معلوم ہو جانے پر قیاس کرنا ہے۔

چوتھا مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ عورت اگر آزاد ہو جائے اور اُس کا خاوند آزاد مرد ہو تو عورت کو اختیار نہیں۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ باوجود مرد کے آزاد ہونے کے بھی اُسے اختیار رہے۔ پس پہلا قول عورت پر مشدد اور دوسرا اُس پر مخفف ہے۔

اور پہلے قول کی وجہ میاں بیوی کا آزادی میں برابر ہو جانا ہے اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ یہ نئے سرے سے عقد نکاح کرنے کی مثل ہے۔ لہٰذا اُس کا نکاح بغیر رضامندی کے نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ عورت مرد کو غلامی کے سوا کسی اور عیب کی وجہ سے جو اس باب میں مذکور ہوئے پسند نہ کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتاب مہر کے بیان میں

مسائل اجماعیہ

جاننا چاہئے کہ اس باب میں میں نے صرف یہ مسئلہ اتفاقی پایا ہے کہ میاں بیوی میں سے کسی کے مر جانے کے بعد مہر

ہر جاتا ہے (یعنی دینا پڑتا ہے)

مسائل اختلافیہ

پہلا مسئلہ امام شافعی رحمہ اور ابو حنیفہ رحمہ کا قول، اور امام مالک رحمہ اور امام احمد رحمہ کی دو روایتوں میں سے ایک روایت یہ ہے کہ مہر فاسد ہو جانے سے نکاح میں کچھ خرابی نہیں لازم آتی حالانکہ
م مالک رحمہ اور امام احمد رحمہ کی دوسری روایتیں یہ ہیں کہ مہر کے فاسد ہونے سے نکاح فاسد ہو جاتا ہے۔ پس پہلا
ل مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔
ے قول کی وجہ یہ ہے کہ مہر کے فاسد ہونے کو ذات نکاح سے کچھ تعلق نہیں۔ پس نکاح صحیح ہو جائے گا اور مرد پر اس
ر کا خرچ کرنا یا مہر مثل کا لازم ہو گا۔
ر دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ مہر نکاح اور ہمبستری کے مباح ہونے کا راستہ ہے لہذا وہ نماز کی طہارت کے مثل ہوا اور اسکی
ئید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے (تم نے حق تعالیٰ کے حکم سے عورتوں کی شرمگاہیں حلال بنائی ہیں) اور اس حدیث
ے (جس نے کسی عورت سے نکاح کیا اور اس کی نیت مہر کے نہ دینے کی تھی تو وہ حق تعالیٰ کے ہاں زانیوں میں شمار ہو گا)

دوسرا مسئلہ امام ابو حنیفہ رحمہ اور امام مالک رحمہ کا قول یہ ہے کہ مہر کی کم سے کم مقدار معین ہے۔ حالانکہ امام شافعی رحمہ
اور امام احمد رحمہ کا قول یہ ہے کہ معین نہیں۔ اور جو معین بتلاتے ہیں اُن میں سے امام ابو حنیفہ رحمہ اور
م مالک رحمہ اس بارہ میں دونوں کا اتفاق ہے کہ کم سے کم مقدار مہر کی وہ ہے کہ جس میں چور کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے
ر وہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک ربع دینار یا تین درہم ہیں۔ پس اصل مسئلہ میں پہلا قول مشدد اور اُن مومنوں کے ساتھ
ص ہے جن کے اندر نزاع ہو سکے۔ لہذا اُن کے واسطے یقیناً انفع ہے تاکہ (نزاع کے وقت) اس کی طرف رجوع
یں۔ اور دوسرا قول مخفف ہے اس لئے کہ اُس کے اندر بیوی یا اُس کے ولی کی رضامندی کے موافق ہو گا خواہ تھوڑا
ائیں یا بہت۔ پس خاوند کو بیل کی کھال بھر سونا (بھی اگر عورت طلب کرے) دینا ہو گا۔

تیسرا مسئلہ امام مالک رحمہ اور امام شافعی رحمہ کا قول اور امام احمد رحمہ کی دو روایتوں میں سے صحیح تر یہ ہے کہ تعلیم
قرآن مجید مہر قرار پا سکتی ہے۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رحمہ کا قول اور امام احمد رحمہ کی دوسری روایت
ہے کہ مہر نہیں ہو سکتی پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔
ر پہلے قول کی وجہ حدیث میں قرآن مجید کی تعلیم پر اُجرت کے جواز پر تصریح ہے۔
ر دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ مہر بنانے کے لئے مال ہی مناسب ہے۔ کیونکہ قلوب کا میلان اس کی طرف زیادہ ہوتا ہے
س کی وجہ سے میاں بیوی میں اُلفت زیادہ پیدا ہوتی ہے جس طرح لوگوں نے مشاہدہ سے معلوم ہو رہا ہے کہ اگر تم کسی کو
ـب دینار دیدو تو اُسے بہ نسبت ایک مسئلہ یا حدیث بتا دینے کے زیادہ لطف حاصل ہو گا۔ اسی وجہ سے وہ تم کو بہت دوست
نے لگے گا۔ اور ہو سکتا ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ نے کلام الٰہی کی بزرگی کو ملحوظ کیا ہو کہ اُس کو ایسے چمڑے سے نفع اُٹھانے
عوض نہیں بنانا چاہئے جس کی دباغت (درستی) خون حیض سے ہوئی ہو اور جس کو کاٹ کر بازار میں فروخت کیا جائے
س کی قیمت ایک پیسہ نہ اُٹھے۔

چوتھا مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ عورت صرف عقد نکاح سے مہر کی مالک ہو جاتی ہے۔ حالانکہ امام

مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ ہمبستری کے بغیر مالک نہیں ہوتی یا یہ کہ خاوند مرجائے پس محض عقد نکاح ہی سے مالک نہیں ہوجاتی بلکہ ملک اُس کے بعد ہوتی ہے۔

پانچواں مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ جب عورت کو پورا مہر دیدے تو عورت کو جہاں چاہے مرد سفر میں لیجا سکتا ہے۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رضہ کی دو روایتوں سے ایک یہ ہے کہ اُس کے شہر سے دوسرے شہر کی طرف نہیں لے جاسکتا اور اسپر فتوےٰ ہے جیساکہ کتاب (الاختیار) کے مؤلف نے کہا ہے اور علت اُس کی اہل زمانہ کا خراب ہوجاتا ہے۔ پس پہلا قول خاوند پر مخفف اور دوسرا اُسپر مشدد ہے

چھٹا مسئلہ امام ابوحنیفہ رضہ اور امام شافعی رضہ کا قول اور امام احمد رضہ کی دو روایتوں میں سے صحیح تر روایت یہ ہے کہ مفوضہ (وہ عورت جسکا نکاح بلا ذکر مہر ہوا ہو) کو نکاح کر لینے کے بعد اگر ہمبستری سے پہلے طلاق دیدی تو اُس کے لئے صرف مُتعہ دینا ہوتا ہے۔ حالانکہ امام احمد رضہ سے دوسری روایت یہ ہے کہ اُس کو نصف مہر مثل دیا جائے گا۔ اسی طرح امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ متعہ اُس کے لئے کسی حال میں واجب نہیں صرف مستحب ہے

پس پہلا اور دوسرا قول مشدد اور تیسرا مخفف ہے۔

اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ متعہ کا دینا بھلائی اور حسن معاملہ اور خوبی معاشرت سے ہے۔

اور دوسرے قول کی وجہ اُس عورت پر محمول کرنا ہے جس کا مہر مقرر کیا گیا ہو اور اُسے طلاق دیدیجائے۔

اور تیسرے قول کی وجہ کہ مفوضہ عورت نے اپنی اُمید مہر کے ساتھ پورے طور پر وابستہ نہیں کی لہذا اُس کے واسطے متعہ کا دینا مستحب ہوا۔ اور ہوسکتا ہے کہ وجوب کو بڑے درجہ کے متقی لوگوں پر محمول کیا جائے۔ اور دوسرے کو معمولی درجہ کے لوگوں پر۔

ساتواں مسئلہ امام ابوحنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ جس وقت متعہ واجب ہوتا ہے تو اُس کا اندازہ تین کپڑوں کے ساتھ کیا گیا ہے۔ ایک کرتہ اور اوڑھنی اور چادر۔ بشرطیکہ اُس کی قیمت نصف مہر مثل سے زیادہ نہ ہوجائے۔ حالانکہ امام شافعی رضہ کے دو قولوں میں سے صحیح تر قول اور امام احمد رضہ کی دو روایتوں میں سے ایک یہ ہے کہ (متعہ) کا اندازہ حاکم کے اجتہاد پر موقوف ہے کہ وہ (جسقدر چاہے) اپنی (بصیرت کی) نظر سے اندازہ کرے امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ متعہ کا تیس درہم سے کم نہ ہونا مستحب ہے اور اُن کا دوسرا قول یہ ہے کہ اسقدر صحیح ہے جسپر متعہ کا اطلاق ہوسکے جسطرح مہر کے اندر (بھی اُن کا یہی قول ہے) لہذا وہ تھوڑی قیمت اور بہت دونوں سے صحیح ہے اور امام احمد رضہ کی ایک روایت یہ ہے کہ متعہ کا اندازہ اسقدر لباس کے ساتھ ہے جس کے اندر نماز صحیح ہوجائے اور وہ دو کپڑے ہیں ایک کرتہ اور ایک اوڑھنی کہ اس سے کم درست نہیں۔ پس پہلے قول میں شرط مذکور کی وجہ سے تشدید ہے اور دوسرے قول میں تخفیف ہے۔ اسی طرح اُس کے بعد کے قول میں۔ اور شاید یہ مختلف اقوال لوگوں کی فراخدستی اور تنگدستی پر محمول ہیں۔

آٹھواں مسئلہ امام ابوحنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ مہر مثل عورت کے باپ کی قوم کا معتبر ہے اور عورت کی ماں اور اس کی خالہ کے مہر کا اعتبار نہیں مگر اس صورت میں کہ ماں و خالہ اُسکے باپ کے قبیلہ سے ہوں۔ حالانکہ امام مالک کا قول یہ ہے کہ مہر میں عورت کی خوبصورتی اور اُس کی شرافت و مالداری کا اعتبار ہے نہ اُس کے ہم نسب عورتوں کا۔ الّا یہ کہ وہ عورت اس قبیلہ کی ہو جس میں عورتوں کا مہر نہ کم ہوتا ہے نہ زیادہ تو اُس وقت ہم نسب عورتوں کے مہر کا اعتبار ہوگا) اسی طرح امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ صرف ان عورتوں کے مہر کا اعتبار ہوگا جو اُس عورت کے عصبات میں سے ہونگی۔ پس سب

اقرب النسب کا اعتبار کیا جائے گا اور سب عورتوں میں زیادہ نزدیک بہن ہے۔ اُس کے بعد بھتیجیاں پھر پھوپیاں
۔ اور اگر عصبات میں سے کوئی عورت موجود نہ ہو یا ہو اُسکا مہر معلوم نہ ہو تو ذوی الارحام میں کی عورتوں کا
لیا رہے جسطرح نانیاں اور خالائیں۔ اور عمر و عقل و مالداری اور کنوارپن اور تمام اُن امور کا اعتبار ہو گا جن سے
متعلق ہوتی ہے۔ پس اگر کسی فضیلت یا نقص کے ساتھ مخصوص ہو تو موافق حال کے کم و بیشی مہر میں کیجائے گی اسی
امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ مہر مثل میں عورت کی رشتہ دار عصبات کا اعتبار ہے اور اُن کے سوا ذوی الارحام
۔ پس پہلے قول میں تشدید اور دوسرا مفصل اور تیسرا اشد اور چوتھے میں کچھ تشدید ہے جسطرح پہلے میں ہے
شاید یہ اقوال مختلفہ لوگوں کے اختلاف احوال پر محمول ہوں۔

مسئلہ

تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ اگر میاں بیوی کی مہر لے لینے میں اختلاف ہو جائے تو ہر صورت میں بیوی کا قول معتبر ہو گا۔ حالانکہ امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر اس شہر کا عرف یہ ہو مہر معجل ہمبستری سے دیدیتے ہوں جسطرح مدینہ طیبہ میں تو ہمبستری کے بعد خاوند کا قول معتبر ہو گا اور ہمبستری سے پہلے بیوی کا پس قول بیوی پر مخفف اور خاوند پر مشدد ہے اور دوسرا مفصل۔

مسئلہ

امام ابو حنیفہ رحہ کا قول اور امام شافعی رضہ کے دو قولوں میں سے قول راجح یہ ہے کہ (الذی بیدہ عقدۃ النکاح) ترجمہ "وہ کہ جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے" خاوند ہے۔ حالانکہ امام مالک
ل اور امام شافعی رضہ کا قول قدیم یہ ہے کہ اُس سے مراد ولی ہے۔ اسی طرح امام احمد رضہ کی دو روایتوں میں
یک روایت امام شافعی رضہ کے جدید مذہب کے مثل ہے اور دوسری روایت امام مالک رضہ کے مذہب کی
ہے اور امام شافعی رضہ کے قول قدیم کی مثل۔ پھر یہ پوشیدہ نہ رہے کہ ان تمام اقوال میں سے ہر ایک کی ایک
ہے کیونکہ ولی کے معاف کرنے میں خاوند کی خیر خواہی ہے اور خاوند کے معاف کرنے میں ولی کی خیر خواہی ہے۔

مسئلہ

امام ابو حنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ غلام نے مولیٰ کی بلا اجازت نکاح کر لیا اور پھر ہمبستر بھی ہو گیا۔ حالانکہ عورت کا مہر مقرر کر دیا ہے تو اُسوقت حالت غلامی میں اُسپر کچھ لازم نہ ہو گا۔ البتہ جب آزاد ہو جائے
عورت کو مہر مثل دیگا۔ حالانکہ امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ اُس کو اُسیقدر مہر دینا ہو گا جس قدر مقرر کیا گیا تھا
طرح امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ اُس کو مہر مثل دینا ہو گا اور وہ غلام کے ذمہ کے ساتھ متعلق ہے اور امام
رضہ سے دونوں روایتیں ہیں۔ پس پہلا قول غلام پر مخفف اور دوسرا مشدد اور تیسرے میں تخفیف اور چوتھا قول
ن مذہبوں کی مثل ہے۔

مسئلہ

امام ابو حنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ عقد نکاح کے بعد مہر میں زیادتی کرنے سے مہر کے ساتھ لاحق ہو جاتی ہے خواہ اُس کے ساتھ ہمبستر ہو چکا ہو یا اُسے چھوڑ کر مر گیا ہو۔ اور اگر ہمبستری سے پہلے
دیدی تو پوری زیادتی مہر نہ بنے گی صرف اُس کا نصف اور جتنا مہر مقرر کیا تھا اُس کا نصف دینا لازم ہو گا
امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ زیادتی مہر کے ساتھ ثابت ہو گی بشرطیکہ اُس سے ہمبستر ہو لیا ہو یا اُسے زندہ
د مر گیا ہو۔ اور اگر ہمبستری سے پہلے طلاق دیدی تو زیادتی مہر کے ساتھ لاحق نہ ہو گی اس لئے زیادتی اور مقرر
مہر کا نصف لازم ہو گا اور اگر ہمبستری اور مہر دینے سے پہلے مر گیا تو زیادتی بالکل باطل ہو گی اور امام مالک رضہ
رند مذہب یہ ہے کہ مقرر شدہ مہر دینا پڑے گا۔ اسی طرح امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ زیادتی جدا ہبہ ہے۔ اگر
قبضہ ہو چکا ہے تو جاری ہو چکا (یعنی صحیح ہے) اور اگر قبضہ نہیں ہو چکا تو ہبہ باطل ہے۔ اسی طرح امام احمد رضہ کا

کا قول یہ ہے کہ زیادتی کا حکم اصل مہر کا سا ہے۔ پس پہلے قول میں تشدید اور دوسرا مفصل اور تیسرا بھی۔ اور چوتھا مخفف

تیرھواں مسئلہ
امام ابوحنیفہ رحمۃ اور امام احمد رحمۃ کا قول یہ ہے کہ اگر عورت نے مہر کا قبضہ کرنے سے پہلے اپنے آپ کو خاوند کے سپرد کیا ہو یا پس خاوند اُس سے ہمبستر ہوا پھر اس کے بعد اُس نے اپنے آپ کو (خاوند کے پاس آنے سے) باز رکھا تو اُسے یہ درست ہے۔ حالانکہ امام مالک رحمۃ اور امام شافعی رحمۃ کا قول یہ ہے کہ ہمبستری کے بعد اُس کو باز رہنے کا کوئی حق نہیں ہاں اگر صرف تنہائی ہوئی ہو تو (ہمبستری سے) انکار کر سکتی ہے۔ پس پہلا قول بیوی پر مخفف اور دوسرے میں اُس پر تشدید ہے۔ اور دونوں قولوں کی وجہ ذہین آدمی پر پوشیدہ نہیں۔

چودھواں مسئلہ
امام شافعی رحمۃ کے دو قولوں میں سے قول اظہر یہ ہے کہ مہر کا استقرار بغیر ہمبستری کے نہیں ہوتا۔ حالانکہ امام مالک کا قول یہ ہے کہ تنہائی طویل ہو جانے سے استقرار ہو جاتا ہے اگرچہ ہمبستری نہ ہوئی ہو۔ اسی طرح امام ابوحنیفہ رحمۃ اور امام احمد رحمۃ کا قول ہے کہ مہر اُس تنہائی سے موکد ہو جاتا ہے جس میں کوئی چیز ہمبستری سے مانع نہ پائی جائے اگرچہ ہمبستری نہ ہو۔ پس پہلا قول خاوند پر مخفف اور دوسرے میں اُس پر تشدید ہے اور تیسرا مفصل ہے۔

پندرھواں مسئلہ
امام شافعی رحمۃ کے دو قولوں میں سے صحیح تر قول یہ ہے کہ نکاح میں ولیمہ کرنا سنت ہے۔ یہی تینوں اماموں کا قول ہے۔ حالانکہ امام شافعی رحمۃ کا دوسرا قول یہ ہے کہ وہ واجب ہے۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔ اور شاید اس مسئلہ کا حکم لوگوں کی عادت کے اختلاف پر مبنی ہو کہ بعض زیادہ سخی ہوتے ہیں اور بعض کم لہذا ولیمہ کرنا پہلی قسم کے لوگوں پر واجب ہوا اور دوسری قسم پر مستحب۔

سولھواں مسئلہ
امام مالک رحمۃ کا قول مشہور اور امام شافعی رحمۃ کے دو قولوں میں سے قول اظہر اور امام ابوحنیفہ اور امام احمد رحمۃ کی دو روایتوں میں سے ایک یہ ہے کہ نکاح کے ولیمہ کی دعوت قبول کرنا واجب ہے۔ حالانکہ ائمہ مذکورین کا دوسرا قول یہ ہے کہ مستحب ہے۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ پہلے قول کو اُس صورت پر محمول کیا جائے کہ دعوت قبول نہ کرنے میں فتنہ کا اندیشہ ہو اور دوسرا اُس کے خلاف والحمد للہ رب العالمین۔

سترھواں مسئلہ
امام ابوحنیفہ رحمۃ اور امام احمد رحمۃ کی دو روایتوں میں سے ایک یہ ہے کہ شادی کے اندر نوچھاور (روپے پیسے لٹانے) میں کوئی مضائقہ نہیں اور اُس کا لوٹنا مکروہ نہیں۔ حالانکہ امام مالک رحمۃ اور امام شافعی رحمۃ کا قول یہ ہے کہ مکروہ ہے۔ پس پہلا قول مخفف اور اُس صورت کے ساتھ مخصوص ہے کہ اُس کے لوٹنے میں دناءت اور ذلالت نہ سمجھی جاتی ہو۔ اور دوسرے قول میں تشدید اور وہ اُس صورت کے ساتھ مخصوص ہے کہ ذلت اور حقارت سمجھی جاتی ہو جیسا کہ لوگوں کا یہی حال ہے۔

اٹھارواں مسئلہ
تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ شادی کے سوا اور ولیمے مستحب ہیں جس طرح ختنہ وغیرہ کے وقت حالانکہ امام احمد رحمۃ کا قول یہ ہے کہ مستحب نہیں۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

باب عورتوں کی نوبت اور اُنکے نافرمان ہو جانے اور اُنسے خلط ملط کرنیکے بیان میں

مسائل اجماعیہ

اماموں کا اس پر اتفاق ہے کہ نوبت مقرر کرنا صرف بیویوں کے واسطے واجب ہے پس اگر ایک بیوی اور

لونڈی کو واجب نہیں۔ اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ میاں بیوی میں سے ہر ایک پر دوسرے کی بھلائی کے ساتھ میل جول واجب
اور اسپر بھی کہ دونوں میں سے ہر ایک پر بلا ناگواری اور مٹال ٹول اُس شے کا خرچ کرنا واجب ہے جو اُس کے ذمہ
لازم ہے۔ اور اسپر بھی کہ خاوند پر عورت کا مہر اور خرچہ واجب ہے۔

مسائلِ اختلافیہ

پہلا مسئلہ امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ آزاد عورت سے اُس کی بلا اجازت عزل کرنا جائز مع الکراہت ہے
حالانکہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ یہ اُس کی بلا اجازت جائز نہیں۔ پس پہلا قول مخفف اور
دوسرا مشدد ہے۔
پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ اس کا یقین نہ ہونا ہے کہ خدا تعالیٰ اس پانی سے انسان پیدا کرے گا۔ ہو سکتا ہے کہ اس منی میں کوئی
فساد ہو گیا ہو جس کی وجہ سے بچہ نہ بن سکے۔
اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ اصل یہی ہے کہ نطفہ نہ ضائع ہو اور پانی کا فساد عارضی ہے اور اصل کو اس نے
معدوم کر دیا اور اسی پر آزاد مرد کے عزل کرنے کو قیاس کیا جا سکتا ہے جبکہ اُس کے نیچے باندی (لونڈی) ہو۔
اور امام شافعی رضہ تو لونڈی کے مولا سے بلا اجازت لئے عزل کو درست کہتے ہیں اور بقیہ تینوں امام حرام کہتے ہیں
تاوقتیکہ مولیٰ سے اجازت لے لے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

دوسرا مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ جب کنواری عورت سے نکاح کرے تو سات روز اُس کے پاس رہنا
چاہئے۔ اور اگر بیاہی عورت سے نکاح کرے تو اُس کے پاس تین روز ٹھیرے۔ پھر دونوں صورتوں
میں بعد ان ایام کے بیویوں میں نوبت مقرر کرے حالانکہ امام ابو حنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ نئی عورت کو نوبت
میں کوئی فضیلت نہیں بلکہ اُس نے اور پہلی عورتوں کے درمیان برابری کرنی چاہئے۔ پس پہلا قول خاوند پر مشدد ہے
اور احادیث میں یوں ہی آیا ہے۔ اور دوسرا قول مخفف ہے۔

تیسرا مسئلہ امام ابو حنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ خاوند کو اجازت ہے کہ سفر میں کسی بیوی کو بغیر قرعہ اندازی کے بیجائے
اگرچہ باقی بیویاں اس سے راضی نہ ہوں۔ حالانکہ امام مالک رضہ کی دو روایتوں میں سے ایک اور
امام احمد رضہ اور امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ یہ فعل باقی بیویوں کی رضامندی کے بغیر درست نہیں۔ اور اگر بلا رضامندی
قرعہ اندازی کے سفر میں کسی بیوی کو لے گیا تو امام شافعی رضہ اور امام احمد رضہ کے نزدیک اُن کی قضا کرنی لازم
ہے۔ اور امام ابو حنیفہ رضہ کا قول اور امام مالک رضہ سے دوسری روایت یہ ہے کہ خاوند پر قضا لازم نہیں۔ پس پہلا
مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔ اور دوسرے مسئلہ میں پہلا قول قضا واجب ہونے کے اندر مشدد اور دوسرا
اس کے اندر مخفف ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔

کتاب خلع کے بیان میں

مسائل اجماعیہ

اماموں کا اسپر اتفاق ہے کہ خلع اپنے حکم (جواز) پر قایم ہے۔ اس میں بکر بن عبد اللہ مزنی رضہ کا جو جلیل القدر تابعی ہیں خلاف ہے اور وہ کہتے ہیں کہ خلع منسوخ ہوچکا ہے۔ علماء کا قول یہ ہے کہ منسوخ کہنا غیر معتمد ہے۔ اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ بیوی اگر اپنے خاوند کو بوجہ بدشکل یا بدمعاملہ ہونے کے پسند نہ کرے تو عورت کو جائز ہے کہ مال کے عوض میں طلاق لیلے اور اگر بلا وجہ مذکورہ دونوں کے خلع پر رضامندی ہوجاوے تو بلاکراہت جائز ہے اس میں امام زہری اور امام عطاء رضہ اور امام داؤد کا خلاف ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ اس حالت میں خلع صحیح نہیں یعنی اس وجہ سے کہ یہ فعل بلاضرورت ہے بلکہ لغو اور لغو فعل مشروع نہیں اور غیر مشروع ناقابل قبول ہے اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ بیوی کے سوا دوسرے کے ساتھ بھی خلع درست ہے مثلاً ایک اجنبی آدمی خاوند سے کہے کہ اپنی بیوی کو ایک ہزار روپے کے عوض طلاق دیدے۔ اور امام ابو ثور رضہ کا قول یہ ہے کہ یہ صحیح نہیں۔ مسائل اجماعیہ ختم ہوئے۔

مسائل اختلافیہ

پہلا مسئلہ امام ابوحنیفہ رضہ اور امام مالک رضہ کا قول اور امام شافعی رضہ کے دو قولوں میں سے قول اظہر اور امام احمد رضہ کی دو روایتوں میں سے ایک یہ ہے کہ خلع طلاق ہوتا ہے۔ حالانکہ امام احمد رضہ کی دو روایتوں میں سے اصح یہ ہے کہ خلع فسخ نکاح ہے طلاق نہیں۔ اور یہی امام شافعی رضہ کا پرانا مذہب ہے اور یہی امام موصوف کے متاخرین اصحاب میں سے ایک جماعت کا ہے۔ لیکن اس شرط کے ساتھ کہ اپنی بیوی کو ساتھ لفظ خلع کے ساتھ کرے اور اس سے طلاق کی نیت نہ ہو۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے اور دونوں قولوں کی وجہ ذہین آدمی پر پوشیدہ نہیں۔

دوسرا مسئلہ امام مالک رضی اللہ عنہ اور امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ خلع مہر معین سے زیادہ کے بدلے صحیح نہیں ہوتا۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر نافرمانی عورت کی طرف سے زیادہ ہو تو مہر معین سے زیادہ بھی لے سکتا ہے اور اگر مرد کی طرف سے ہو تو اسے تھوڑا سا مال لینا بھی مکروہ ہے مگر حکم اسی طرح امام احمد رضہ کا قول کہ ہر صورت میں مہر معین سے زیادہ لینا مکروہ ہے۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مفصل اور تیسرا مشدد ہے۔

اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ عقد (گرہ) نکاح کو کھولنے کا حکم وہی ہے جو اس گرہ کا ہے تو وقت عقد مرد کو اختیار ہے کہ جسقدر چاہے مہر مقرر کرے دیسے ہی خلع کے عوض میں بھی۔ اور پہلے قول کی وجہ تفصیل کی دونوں شقوں میں سے یہ ہے کہ ضرر عورت سے زیادہ ہوتا ہے۔ لہذا مرد کو درست ہے کہ عورت پر تشدد کرے اور جو مہر معین سے زیادہ ہو وہ لیلے

اور دوسری شق کی وجہ یہ ہے کہ اس طرح لینا لوگوں کا ناحق مال لینے میں داخل ہے اور یہ قول اہل دین و تقوے کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور ان کے ماسوا جو لوگ ہیں وہ باوجود عورت پر ہر طرح ظلم کرنے کے بدمعاملگی سے کیا اور کثرت بخل وغیرہ سے کیا پھر بھی مال لیتے ہیں۔ اور بعد میں یہ بھی گمان کرتے ہیں کہ ہمارا اُس عورت سے پیچھا چھوٹ گیا۔ حالانکہ وہ آخرت میں عورت کے زیر فرمان ہوگا۔ کیونکہ اگر وہ عورت کو سخت ایذائیں نہ پہونچاتا تو وہ ہرگز مرد سے راحت میں پہنچنے کی خاطر مال دیکر اپنی جان اس کے پھندے سے نہ چھوڑاتی۔

اور امام احمد رضہ کے قول کی وجہ یہ ہے کہ مہر معین سے زائد حکم انصاف سے باہر ہے لہذا اُس کو احمق کے تصرف سے ملحق کر دیا جائے گا۔

تیسرا مسئلہ

امام ابوحنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ جس عورت سے خلع کیا گیا ہو اُس پر عدت کے اندر طلاق پڑ سکتی ہے حالانکہ امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر مرد نے خلع کرتے ہی اُس سے متصل طلاق دیدی تب تو پڑ جائے گی اور اگر خلع اور طلاق میں فاصلہ ہو گیا تو طلاق نہ پڑے گی۔ اسی طرح امام شافعی رضہ اور امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ خلع والی عورت کو کسی حالت میں طلاق لاحق نہیں ہوتی۔ پس پہلا قول خاوند پر مشدد اور دوسرا مفصل اور تیسرا مخفف ہے۔ اور ہر قول کی وجہ ظاہر ہے۔

چوتھا مسئلہ

تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ باپ کو اپنی نابالغہ لڑکی کی طرف سے کچھ مال لیکر خلع کرنا جائز نہیں۔ حالانکہ امام مالک رضہ اور بعض اصحاب امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ جائز ہے۔ اسی طرح تینوں اماموں کے نزدیک باپ اگر اپنے نابالغ بیٹے کی طرف سے اُس کی بیوی کا خلع قبول کرے تو جائز نہیں۔ حالانکہ امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ جائز ہے۔ پس پہلا قول دونوں مسئلوں میں باپ پر مشدد اور دوسرا قول دونوں مسئلوں میں اس پر مخفف ہے۔

پانچواں مسئلہ

امام ابوحنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر عورت نے اپنے خاوند سے کہا کہ مجھے ایکہزار پر تین طلاقیں دیدے اُس نے صرف ایک طلاق دیدی تو خاوند ایکہزار کی تہائی کا سزاوار ہوگا۔ حالانکہ امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ تمام ہزار کا سزاوار ہوگا خواہ تین طلاقیں دیں یا ایک۔ کیونکہ عورت جس طرح ایک طلاق سے اپنی جان کی مالک ہو جاتی ہے اسی طرح تین سے۔ اسی طرح امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ دونوں حالتوں میں ایکہزار کی تہائی کا مستحق ہوگا۔ اسی طرح امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ دونوں میں کسی چیز کا بھی مستحق نہ ہوگا۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد اور تیسرے میں ایک اعتبار سے تخفیف اور ایک اعتبار سے تشدید ہے اور چوتھا قول بہت مخفف ہے۔ کیونکہ خاوند کا فعل (عورت کے) سوال کے مطابق نہ ہوا۔ اس لئے خلع تو صحیح اور مال لغو جائے گا۔

چھٹا مسئلہ

تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ اگر بیوی نے کہا مجھے ایکہزار کے بدلے میں ایک طلاق دیدے اُس نے تین دیدیں تو عورت پر طلاق ہو جائے گی۔ اور خاوند ایک ہزار کا مستحق ہوگا۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ کسی چیز کا مستحق نہ ہوگا اور عورت پر تین طلاقیں پڑ جائیں گی۔ پس پہلے قول میں تشدید اور دوسرے میں تخفیف ہے۔

کتاب طلاق کے بیان میں

مسائلِ اجماعیہ

اسپر اتفاق ہے کہ میاں بیوی دونوں کی درستی وسلامت روی کی حالت میں طلاق دینا مکروہ ہے۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ کا قول یہ ہے کہ حرام ہے۔ اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ ہمبستر شدہ عورت کو حالت حیض میں طلاق دینا یا اُس طُہر میں جس کے اندر ہمبستر ہونا ہو طلاق دینا حرام ہے مگر اگر دیدی تو واقع ہو جائے گی۔ اسی طرح تین طلاقیں دینے سے واقع ہو جائینگی مگر بعض کے نزدیک یہ حرام ہے اور بعض کے نزدیک مکروہ۔ اسی طرح اسپر بھی اتفاق ہے کہ اگر خاوند نے اپنی بیوی سے کہا کہ تجھ پر آدھی طلاق ہے تو اُس پر طلاق ہو گئی اس میں امام داؤد کا خلاف ہے۔ اُن کا قول ہے کہ کچھ بھی واقع نہ ہوگی اور تمام فقہاء کا قول امام موصوف کے خلاف ہے اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ خاوند نے اگر اپنی بیوی غیر ہمبستر شدہ سے کہا کہ تو طلاق والی ہے تو وہ خاوند سے اسطرح جدا ہو جائے گی جسطرح تین طلاق دینے سے۔ یہانتک مسائل اجماعیہ ختم ہوئے

مسائلِ اختلافیہ

پہلا مسئلہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے کہ طلاق کو نکاح پر اور آزادی کو ملکیت پر معلق کرنا صحیح ہے پس (دونوں صورتوں میں) طلاق اور آزادی لازم ہو جائے گی خواہ مطلق رکھے یا تعمیم کرے یا تخصیص اور اس کی صورت یہ ہے کہ کسی غیر عورت سے یوں کہے کہ اگر میں نے تجھ سے نکاح کیا تو تجھے طلاق ہے یا ہر وہ عورت جس سے میں نکاح کروں اُس پر طلاق ہے یا کسی کے غلام سے کہے کہ اگر میں تیرا مالک ہو جاؤں تو تو آزاد ہے یا ہر غلام جسکا میں مالک ہو جاؤں تو آزاد ہے حالانکہ امام مالک کا قول یہ ہے کہ آزادی یا طلاق صرف اُس صورت میں لازم ہوگی کہ کسی قبیلہ یا گاؤں یا کسی معین عورت کی تخصیص و تعیین کرے نہ اطلاق و تعمیم کی صورت میں۔ اسی طرح امام شافعی رضؓ اور امام احمد رضؓ کا قول یہ ہے کہ کسی صورت میں بھی طلاق اور آزادی نہ ہوگی۔ لازم نہیں۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مفصل۔ اور تیسرا مخفف ہے۔ اور ان تمام اقوال کے دلائل ہر صاحب مذہب کی کتابوں میں موجود ہیں۔

دوسرا مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ طلاق کا اعتبار مردوں کے ساتھ ہے۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رضؓ کا قول یہ ہے کہ عورتوں کے ساتھ ہے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اسکی صورت یہ ہے کہ آزاد مرد تین طلاقوں کا مالک ہے اور غلام دو کا۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک آزاد عورت تین طلاقوں کی صلاحیت رکھتی ہے اور لونڈی دو کی خواہ اس کا خاوند چاہے آزاد ہو یا غلام۔ پس پہلا قول خاوند پر مخفف ہے اور دوسرا اُسپر مشدد ہے۔

تیسرا مسئلہ امام ابوحنیفہ رضؓ اور امام مالک رضؓ کا قول یہ ہے کہ اگر خاوند نے اپنی بیوی کی طلاق کو کسی صفت کے ساتھ متعلق کیا مثلاً یوں کہا کہ اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو طلاق والی ہے۔ پھر اُس کو طلاق بائن دیدی اور بائن ہونے کی حالت میں عورت نے وہ فعل نہیں کیا تھا جس کی مرد نے قسم کھائی تھی (یعنی گھر میں داخل نہیں ہوئی تھی) کہ پھر اسی عورت سے

نکاح کرلیا۔ بعد نکاح ثانی کے وہ عورت گھر میں داخل ہوئی تو وہ اگر طلاق جس عورت کو بائن کیا تھا مغلظہ (تین طلاقیں) نہ تھی تو قسم سابق بعد نکاح ثانی کے بھی ویسے ہی باقی رہے گی۔ ثمرہ یہ ہوگا کہ گھر میں داخل ہونے سے دوبارہ طلاق پڑجائے گی۔ اور اگر پوری تینوں طلاقیں تھیں تو قسم کھل چکی۔ حالانکہ امام شافعی رضہ کے اقوال مختلفہ میں سے صحیح قول یہ ہے کہ جب اُس عورت کو طلاق بائن دیدی اور ابھی تک عورت سے گھر میں داخل ہونا نہیں پایا گیا تھا کہ اُس سے پھر نکاح کرلیا تو ہر صورت میں قسم اُتر چکی (خواہ مغلظہ طلاق دی ہو یا نہ) اسی طرح امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ ہر صورت میں خواہ طلاق مغلظہ دی ہو یا اُس سے کم قسم پھر عود کرے گی۔ اور اگر بائن رہنے کی حالت میں وہ فعل (جسپر قسم کھائی ہے) عورت سے صادر ہوگیا۔ تو تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ قسم عود نہ کرے گی۔ حالانکہ امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ عود کرے گی جب مرد نکاح ثانی کرے گا۔ پس پہلا قول اصل مسئلہ میں مفصل اور دوسرے میں کچھ مخفف اور تیسرا مشدد ہے اور دوسرے مسئلہ میں پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔

چوتھا مسئلہ

امام ابوحنیفہ رضہ اور امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ اکٹھی تین طلاقیں دی جائیں تو یہ طلاق بدعت ہوتی ہے۔ حالانکہ امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ طلاق سنت ہے اور امام احمد رضہ سے بھی ایک روایت یوں ہی منقول ہے اور اسی کو امام خرقی رضہ نے پسند کیا ہے۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ پہلا قول اہل علم و عقل پر محمول ہو اور دوسرا اہل جہل و تکبر پر۔

پانچواں مسئلہ

امام ابوحنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر کسی نے اپنی بیوی کو کہا کہ تجھے ریت اور مٹی کے عدد کی برابر طلاق ہے تو اُسپر ایک طلاق واقع ہوگی جس سے بائن (جدا) ہو جائے گی۔ حالانکہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ اُسپر تین طلاقیں پڑ جائیں گی۔ پس پہلا قول چھوٹی بینونت واقع ہونے کی وجہ سے مخفف ہے اور دوسرا مشدد۔

چھٹا مسئلہ

امام ابوحنیفہ رضہ اور امام مالک رضہ اور امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ جس نے اپنی بیوی سے کہا کہ اگر میں تجھے طلاق دوں تو اُس سے پہلے تجھپر تین طلاقیں ہیں پھر اُس کو طلاق دی تو اُسپر ایک طلاق تو نقد پڑ جائے گی اور پھر شرط کی وجہ سے فی الحال معلق طلاقیں پڑ جائیں گی۔ حالانکہ امام رافعی رضہ اور امام نووی رضہ کا قول یہ ہے کہ صرف نقد طلاق پڑے گی دور دفع کرنے کے لئے۔ اسی طرح امام مزنی رضہ اور ابن سریج رضہ اور ابن حداد اور قفال رضہ اور ابو حامد رضہ اور صاحب مہذب کا قول یہ ہے کہ بالکل طلاق نہیں پڑے گی اور امام شافعی رضہ سے بھی یہی منقول ہے۔ اور بعض اصحاب امام شافعی رضہ میں سے وہ ہیں جو کہ وہ مذہب جماعت کی مثل تین طلاقیں پڑنے کے قائل ہیں۔ امام نووی رضہ کا قول یہ ہے کہ فتویٰ صرف نقد طلاق پڑنے پر ہے۔ پس پہلے قول میں ایک اعتبار سے تخفیف اور ایک سے تشدید ہے اور دوسرا قول خالص مخفف ہے اور تمام اقوال میں سے ہر قول کی ایک وجہ ہے جو ذہین پر پوشیدہ نہیں۔

ساتواں مسئلہ

امام ابوحنیفہ رضہ اور امام شافعی رضہ اور امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ طلاق کنائی کے الفاظ نیت یا دلالت حال کے محتاج ہوتے ہیں۔ حالانکہ امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ صرف اُن کے تلفظ سے ہی طلاق پڑ جاتی ہے۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔

آٹھواں مسئلہ

امام ابوحنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر ان الفاظ طلاق کنائی کے ساتھ قرینہ حالیہ بھی پایا گیا۔ مثلاً حالت غصہ کی ہو یا طلاق کا ذکر ہو رہا ہو۔ پس اگر طلاق کا ذکر تھا اور قائل نے کہا کہ میری مراد طلاق نہ تھی تو اُس کی تصدیق کسی لفظ کنایہ میں بھی نہ کی جائے گی۔ اور اگر غصہ کی حالت تھی اور طلاق کا ذکر مطلق نہ تھا تو

کنایہ کے تین لفظوں میں اُس کی تصدیق کی جائے گی اور وہ الفاظ یہ ہیں (۱) تو عدت بیٹھ (۲) تو مختار ہے (۳) تیرا کام تیرے قبضہ میں ہے۔ ان کے علاوہ اور الفاظ میں تصدیق نہ کی جائے گی۔ حالانکہ امام مالک رض کا قول یہ ہے کہ تمام الفاظ کنایہ سے خواہ مرد ابتداءً ان کا تلفظ کرے۔ یا عورت کے طلاق مانگنے کے جواب میں (بہر صورت) طلاق پڑ جاتی ہے اور اُس کا یہ کہنا غیر مقبول ہوتا ہے کہ میں نے طلاق کا ارادہ نہیں کیا تھا۔ اسی طرح امام شافعی رض کا قول یہ ہے کہ تمام کنایات میں نیت کی حاجت ہے جیسا کہ گذرا۔ اسی طرح امام احمد رض کی دو روایتوں میں سے ایک یہ ہے کہ حاجت ہوتی ہے اور دوسری یہ کہ حاجت نہیں ہوتی۔ مگر امام ابوحنیفہ رض کے نزدیک طلاق صریح کے لئے صرف لفظ طلاق ہی کا ہے۔ اور لفظ سراح اور فراق سے اُن کے نزدیک طلاق صریح نہیں پڑتی۔ پس پہلا قول مفصل اور دوسرے میں تشدید ہے

نواں مسئلہ

امام ابوحنیفہ رض کا قول یہ ہے کہ اگر الفاظ کنایہ سے طلاق کی نیت کی اور عدد کوئی مراد نہ لیا اور حالانکہ وہ قول عورت کے مرد سے طلاق مانگنے کا جواب تھا تو ایک طلاق پڑے گی مع خاوند سے قسم لینے کے۔ حالانکہ امام مالک رض کا قول یہ ہے کہ اگر بیوی سے ہمبستری ہو چکی ہے تو باستثنا صورت خلع کے کسی صورت میں اُس کا قول معتبر نہ ہوگا۔ اور اگر ہمبستری نہیں ہوئی تھی تو اُس کا دعویٰ قسم کے ساتھ مقبول ہوگا۔ اور تین سے کم جتنی کی نیت کرے گا واقع ہو جائیں گی۔ اور امام موصوف کی دوسری روایت یہ ہے کہ تین طلاقوں سے کم میں اُس کی تصدیق نہ کی جائے گی۔ اسی طرح امام شافعی رض کا قول یہ ہے کہ نفس طلاق اور اُس کے عدد سے جو کچھ وہ دعوے کرے گا قبول کیا جائے گا۔ اسی طرح امام احمد رض کا قول یہ ہے کہ اُن الفاظ کے ساتھ قرینہ حالیہ یا طلاق کی نیت پائی جائے تو تینوں طلاقیں پڑیں گی خواہ نیت (تین طلاق کی) کی ہو یا نہ اور خواہ عورت ہمبستر شدہ ہو یا نہ۔ پس پہلے قول میں تخفیف اور دوسرا مفصل اور تیسرا بھی مخفف اور چوتھا مشدد ہے۔

دسواں مسئلہ

امام ابوحنیفہ رض کا قول یہ ہے کہ کنایہ کے الفاظ پوشیدہ جس طرح نکل جا، چلی جا، تو پرایا ہے، وغیرہ مثل ظاہری الفاظ کنایہ کی ہیں کچھ فرق نہیں اور وہ یہ ہیں کہ تو خالی ہے (یعنی نکاح سے) تو بری ہے، تو برأت، تو بتہ، تو بتلا ہے (یعنی جدا) دور ہو، چپ جا تیری ڈور تیرے مونڈھے پہ ہے، تو آزاد ہے، تو جانے تیرا کام شمار کر، میکے جا، پس اگر کسی عدد کی نیت نہ کی تو ایک طلاق پڑے گی اور اگر تین طلاقوں کی نیت کی تو تینوں واقع ہونگی۔ اور اگر دو کی نیت کی تو صرف ایک واقع ہوگی۔ حالانکہ امام احمد رض اور امام شافعی رض کا قول یہ ہے کہ اگر دو کی نیت کی تو دو ہی پڑیں گی۔ پس پہلے قول میں تشدید اور دوسرے میں تخفیف ہے

گیارھواں مسئلہ

امام ابوحنیفہ رض کا قول یہ ہے کہ اگر خاوند نے بیوی سے کہا کہ شمار کر۔ یا یہ کہ اپنے رحم کو خالی کر اور نیت کی تین طلاقوں کی تو ایک طلاق رجعی پڑے گی۔ حالانکہ امام مالک رض کا قول یہ ہے کہ ان الفاظ سے طلاق نہ پڑے گی۔ مگر اُس وقت کہ یہ الفاظ خاوند کی طرف سے ابتداءً صادر ہوئے ہوں اور طلاق کا ذکر ہو رہا ہو یا حالت غصہ کی ہو تو اُس صورت میں جو نیت کرے گا وہی واقع ہوگی حالانکہ امام شافعی رض کا قول یہ ہے کہ ان الفاظ سے صرف طلاق کی نیت کرنے کی صورت میں طلاق واقع ہوگی۔ اور اگر عورت سے ہمبستر ہو چکا ہے تو جتنے عدد کی نیت کرے گا معتبر ہے۔ ورنہ صرف ایک طلاق واقع ہوگی۔ اسی طرح امام احمد رض کے دو قولوں میں سے ایک قول یہ ہے کہ تینوں واقع ہونگی۔ اور دوسری روایت یہ ہے کہ نیت کے موافق واقع ہونگی۔ پس پہلے قول میں تخفیف اور دوسرا اور تیسرا مفصل اور چوتھا دونوں مذہبوں کی طرف رجوع کرتا ہے۔

بارھواں مسئلہ

امام ابوحنیفہ رض اور امام احمد رض کا قول یہ ہے کہ اگر کسی نے اپنی بیوی کو کہا کہ میں تجھ سے طلاق

والا ہوں یا یہ کہ امر (طلاق) عورت کے سپرد کر دیا عورت نے جواب میں کہا کہ مجھ سے طلاق والا ہے تو کوئی طلاق واقع نہ ہوگی۔ حالانکہ امام مالک رضہ اور امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ طلاق واقع ہو جائے گی۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ عورت اپنے آپ کو طلاق نہیں دے سکتی۔ کیونکہ یہ خاوند کا مرتبہ ہے۔ اس لئے کہ مرد عورت پر حاکم اور مسلط ہے نہ برعکس۔

دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ عورت اپنے آپ کو طلاق دینے میں اجنبی آدمی کا حکم رکھتی ہے جسکو خاوند نے وکیل بنا دیا ہو

تیرھواں مسئلہ امام ابو حنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر کسی نے اپنی بیوی کو کہا کہ طلاق والی ہے اور نیت تین کی کی تو صرف ایک واقع ہوگی۔ حالانکہ امام مالک رضہ اور امام شافعی رضہ کا قول اور امام احمد رضہ کی دو روایتوں میں سے ایک یہ ہے کہ تینوں واقع ہو جائیں گی۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔

چودھواں مسئلہ امام ابو حنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر کسی نے اپنی بیوی کو کہا کہ تو جانے اور تیرا کام اور نیت طلاق کی کی۔ پھر اُس نے اپنے آپ کو تین طلاقیں دے لیں۔ پس اگر خاوند نے تین کی نیت کی تھی تو صرف ایک واقع ہوگی اور اگر ایک کی نیت کی تھی تو ایک بھی واقع نہ ہوگی۔ حالانکہ امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ جتنی طلاقیں وہ واقع کرے گی واقع ہو جائیں گی۔ بشرطیکہ اُس مقدار کو برقرار رکھے اور اگر انکار کرنے لگے تو خاوند کو قسم دیجائیگی اور پھر جو عدد خاوند کہے گا وہ ثابت رہے گا۔ اسی طرح امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ تین طلاقیں اسی وقت واقع ہونگی کہ خاوند نے اُس کی نیت کی ہو اور اگر خاوند نے تین سے کم کی نیت کی تو جتنی خاوند نے نیت کی اتنی ہی واقع ہونگی۔ اسی طرح امام احمد کا قول یہ ہے کہ تین واقع ہونگی خواہ خاوند نے تین طلاقوں کی نیت کی ہو یا ایک کی۔ پس پہلا اور دوسرا قول مفصل اور تیسرا بھی مفصل مگر الفاظ مختلف ہیں اور چوتھا قول مشدد ہے۔

پندرھواں مسئلہ امام ابو حنیفہ رضہ اور امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر کسی نے اپنی بیوی کو کہا کہ اپنے آپ کو طلاق دے لے اُس نے تین دے لیں تو کوئی بھی واقع نہ ہوگی۔ حالانکہ امام شافعی رضہ اور امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ ایک واقع ہوگی۔ پس پہلا قول خاوند پر مخفف اور دوسرے میں کچھ تخفیف ہے۔

سولھواں مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ اگر کسی نے اپنی بیوی غیر ہمبستر شدہ سے کہا کہ تو طلاق والی ہے، تو طلاق والی ہے، تو طلاق والی ہے۔ تو ایک ہی واقع ہوگی۔ حالانکہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے کہ تینوں واقع ہو جائیں گی۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ غیر ہمبستر شدہ کے لئے صرف ایک ہی طلاق کافی ہے اس لئے کہ مقصود چھوٹی جدائی ہے جو مرد سے دور رہنے میں قائم مقام بڑی جدائی کی ہو کیونکہ (غیر ہمبستر شدہ میں) چھوٹی جدائی اور بڑی جدائی (یعنی مغلظہ) کے اندر کچھ فرق نہیں۔ برخلاف ہمبستر شدہ عورت کے اس لئے کہ عادت یہ ہے کہ خاوند طلاق کا سانس جب ہی بھرتا ہے کہ پہلے کچھ جھگڑا یا غصہ ہو چکا ہو۔ لہذا تیسری طلاق میں خاوند بگڑ جائے گا۔ اور پہلی اور دوسری میں اس کے ساتھ نرمی برتی جائے گی۔

اور دوسرے قول کی وجہ غیر ہمبستر شدہ کو ہمبستر شدہ پر قیاس کرنا ہے۔

سترھواں مسئلہ امام ابو حنیفہ رضہ اور امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر کسی نے اپنی بیوی ہمبستر شدہ کو کہا کہ تو طلاق والی ہے، تو طلاق والی ہے، تو طلاق والی ہے، اور پھر کہنے لگا کہ میرا مقصود دوسری اور تیسری

طلاق کا اُسکو سمجھاتا تھا تو تینوں واقع ہوجائیں گی۔ حالانکہ امام شافعی رضہ اور امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ صرف ایک ہی واقع ہوگی۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے۔ اور دونوں قولوں کی وجہ ظاہر ہے۔

اٹھارھواں مسئلہ

تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ نابالغ عاقل کی طلاق واقع نہیں ہوتی اور عاقل سے طلاق کا سمجھدار ہونا مراد ہے۔ حالانکہ امام احمد رضہ کی دو روایتوں میں سے اظہر یہ ہے کہ واقع ہوجاتی ہے۔ اور یہی قول حنفیہ میں سے امام طحاوی رضہ اور امام کرخی رضہ کا ہے۔ اور شافعیہ میں سے امام مزنی رضہ اور ابو ثور رضہ کا۔ پس پہلے قول میں خاوند پر تخفیف اور دوسرے میں اُسپر تشدید ہے۔

اُنیسواں مسئلہ

امام ابو حنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر کسی مکرہ (جسپر کسی نے زبردستی کی ہو) نے اپنی بیوی کو طلاق دی یا کسی غلام کو آزاد کیا تو طلاق واقع ہوجائے گی۔ اسی طرح غلام آزاد ہوجائے گا۔ حالانکہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ اگر اپنی جان بچانے کی خاطر تلفظ کیا ہو تو نہ طلاق پڑے گی نہ آزاد ہوگا۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ زبردستی کرنے والے نے اُس کو اختیار کر دیا ہے کہ یا تو اس ضرر کو (جان جانے کو مثلاً) برداشت کرے اور یا اُس فعل کا مرتکب ہو جسپر میں زور دے رہا ہوں تو اُس نے طلاق اور آزادی ہی کو پسند کیا (لہذا اعتبار کیا جائے گا) بالخصوص اُس وقت کہ شارع ؑ غلام کے آزاد کرنے کو پسند کرتا ہو۔

دوسرے قول کی وجہ خدا تعالیٰ کی دی ہوئی رخصت کے عموم پر عمل کرنا ہے کیونکہ جب اعظم الذنوب اور اکبر الکبائر یعنی کفر حالت "اکراہ" میں معتبر نہیں ہوتا تو بھلا فروعات دین (طلاق آزادی وغیرہ) تو کہاں رہے (یعنی ضرور معتبر نہ ہونے چاہئیں)

بیسواں مسئلہ

تینوں اماموں کا قول اور امام احمد رضہ کی روایات متعددہ میں سے ایک یہ ہے کہ اکراہ (زبردستی) پائے جانے کے لئے صرف اُس فعل کے واقع ہونے کا ظن غالب کافی ہے جس کے ساتھ وہ دھمکا رہا ہے (کہ اگر تو یہ کام نہ کرے گا تو میں تیری گردن اُڑا دونگا مثلاً) حالانکہ امام احمد رضہ کی دوسری روایت یہ ہے کہ (صرف غالب گمان کا ہونا موجب) اکراہ نہیں اسی طرح امام احمد رضہ سے تیسری روایت یہ ہے کہ اگر قتل یا ناک کان وغیرہ کاٹنے سے اکراہ ہو تو وہ شرعی اکراہ ہے ورنہ نہیں۔ پس پہلے قول میں مکرہ (وہ شخص جس کو مجبور کیا جائے) پر تخفیف اور دوسرے میں اُسپر تشدید ہے۔ اور تیسرا قول مفصل ہے۔ اور ہوسکتا ہے کہ پہلا قول اُن معمولی لوگوں کے ساتھ مخصوص ہو جو دنیا میں عیش و عشرت کے ساتھ رہنے والے اور بے صبر ہیں اور دوسرا اُن علماء کے ساتھ خاص ہے جو صبر و تحمل والے ہیں۔ یا اُن جوروں کے ساتھ خاص ہے جو آہ تک نہیں نکالتے خواہ حاکم اُن کا چمڑا ہی کیوں نہ نکالدے اور یہی تقریر تیسرے قول مفصل میں ہے۔

اکیسواں مسئلہ

امام مالک رضہ اور امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ زبردستی کرنے والا خواہ بادشاہ ہو یا کوئی اور مثلاً چور وغیرہ (دونوں صورتوں میں حکم) برابر ہے فرق کچھ نہیں۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ اور امام احمد رضہ سے دوسری روایت یہ ہے کہ زبردستی صرف بادشاہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے۔ پس پہلے قول میں تخفیف اور دوسرے میں تشدید ہے۔

بائیسواں مسئلہ

امام مالک رضہ اور امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر کسی نے اپنی بیوی کو کہا کہ تجھے طلاق ہے انشاء اللہ تعالیٰ تو طلاق واقع ہوجائے گی۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رضہ اور امام شافعی رضہ کا قول ہے کہ واقع

نہ ہوگی۔ پس پہلے قول میں تشدید اور دوسرے میں تخفیف ہے۔

تیئیسواں مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ جب طلاق میں شک کرتا ہو تو طلاق نہ پڑے گی۔ حالانکہ امام مالک رض کا مشہور قول یہ ہے کہ غالب یہی ہے کہ پڑ جائے گی۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ پہلا قول معمولی درجہ کے لوگوں کے ساتھ خاص ہو اور دوسرا اہل دین و تقویٰ کے ساتھ۔

چوبیسواں مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ بیمار اپنی بیوی کو طلاق بائن دیدے اور پھر اسی بیماری میں مرجائے جس میں طلاق دی ہو تو وہ عورت خاوند کی وارث ہوتی ہے۔ اور اقوال امام شافعی رض میں سے بھی قول اظہر یہی ہے۔ مگر کہ امام ابوحنیفہ رض اس کے وارث ہونے کے لئے یہ شرط ٹھیراتے ہیں کہ طلاق عورت کے طلب کئے سے نہ واقع ہوئی ہو۔ اور امام شافعی رض کا قول قدیم یہی ہے پھر جو کہتے ہیں کہ وارث ہوتی ہے وہ اس میں مختلف ہیں کہ کب تک وارث ہوتی ہے۔ تو امام ابوحنیفہ رض کا قول یہ ہے کہ جب تک عدت میں رہے۔ پس اگر خاوند عورت کی عدت گزر جانے کے بعد مرا تو وارث نہ ہوگی۔ اور امام موصوف کی دوسری روایت یہ ہے کہ جب تک کسی اور سے نکاح نہ کرے اس وقت تک وارث ہوتی ہے۔ اور یہی قول امام احمد رض کا ہے۔ اور امام مالک رض کا قول یہ ہے کہ وارث ہوگی اگرچہ نکاح بھی کر لے اور ان ہی مذاہب کے مثل امام شافعی رض کے بھی تین قول ہیں۔ پس اصل مسئلہ میں پہلا قول خاوند پر مشدد اور دوسرا اس پر مخفف ہے اور دونوں قولوں میں سے ہر ایک کی ایک وجہ ہے۔ اور امام ابوحنیفہ رض کے قول کی وجہ یہ ہے کہ عورت جب تک عدت میں رہتی ہے خاوند کی ڈور میں ہوتی ہے برخلاف عدت گذر جانے کے اور یہی تقریر امام موصوف کے دوسرے قول میں ہے (یعنی جب تک کسی اور سے نکاح نہ کرے اس وقت تک وارث ہوتی ہے) کیونکہ جب تک اس نے نکاح نہ کیا ہو دوبارہ اس کے نکاح میں آنے کی صورت ممکن ہے۔ اور امام مالک رض کے قول کی وجہ یہ ہے کہ خاوند پر خوب سختی پڑنی چاہئے

پچیسواں مسئلہ امام ابوحنیفہ رض اور امام مالک رض کا قول یہ ہے کہ اگر کسی نے اپنی بیوی کو کہا کہ تو ایک برس آئندہ طلاق والی ہے تو فی الحال طلاق پڑ جائے گی۔ حالانکہ امام شافعی رض کا قول یہ ہے کہ ایک برس نکلنے سے پہلے طلاق نہ پڑے گی۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے۔

چھبیسواں مسئلہ امام شافعی رض اور امام ابوحنیفہ رض کا قول یہ ہے کہ جس کی چار بیویاں ہیں اگر اس نے یہ کہا کہ میری بیوی کو طلاق ہے اور معین نہ کیا (کہ کونسی کو) تو ان میں سے ہر ایک کو طلاق پڑ جائے گی اور پھر مرد کو اختیار ہوگا کہ طلاق کے لئے جسے چاہے پسند کرلے۔ حالانکہ امام مالک رض اور امام احمد رض کا قول یہ ہے کہ تمام بیویاں طلاق والی ہو جائیں گی۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔

ستائیسواں مسئلہ امام ابوحنیفہ رض کا قول یہ ہے کہ اگر طلاق کی نسبت اس عضو کی طرف کی جس کا اتصال عورت سے سلامتی کے ساتھ ہو جس طرح ہاتھ یا ان پانچ اعضا میں سے کسی ایک کی طرف نسبت کی (۱) چہرہ (۲) سر (۳) گردن (۴) پشت (۵) پیشاب گاہ۔ تو طلاق واقع ہو جائے گی اور جزء شائع مثلاً نصف یا ربع بھی امام موصوف کے نزدیک یہی حکم رکھتا ہے۔ اور اگر اس عضو کی طرف نسبت کی جس کو سلامتی کے ساتھ عورت سے جدا کر سکیں۔ مثلاً دانت، ناخن، بال تو طلاق نہ پڑے گی۔ حالانکہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ ہر عضو متصل کی طرف نسبت کرنے سے طلاق پڑ جاتی ہے جس طرح انگلی اور جو عضو منفصل کی طرف نسبت کی جائے جس طرح بال تو امام مالک رض اور امام شافعی رض کا قول یہ ہے کہ اس سے بھی پڑ جاتی ہے۔ مگر اس میں امام احمد رض کا خلاف ہے۔ پس پہلا قول مفصل اور دوسرے میں تشدید ہے جس طرح اعضاء منفصلہ

کے اندر پہلے قول میں اور اعضاء منفصلہ کے اندر دوسرا قول طلاق نہ ہونے کی وجہ سے مخفف ہے اور اقوال مذکورہ میں سے ہر قول کی ایک وجہ ضرور ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب

کتاب رجعت کرنے کے بیان میں

مسائل اجماعیہ

اماموں کا اس پر اتفاق ہے کہ طلاق دادہ عورت کو رجوع کر لینا درست ہے اور اس پر بھی کہ جس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدی ہوں تو وہ اُس کے لئے اُس وقت تک حلال نہیں کہ جب تک کسی دوسرے سے نکاح نہ کرے اور پھر نکاح صحیح کے ساتھ اُس سے ہمبستری بھی نہ ہولے اور اس پر بھی کہ نکاح سے اِس جگہ ہمبستری مراد ہے اور ہمبستری پہلے شوہر کے واسطے حلال ہونے کے لئے شرط ہے اور فاسد نکاح میں پہلی مرتبہ کی ہمبستری پہلے شوہر کے لئے حلال نہیں کرتی سوائے امام شافعی رحمہ کے ایک قول کے۔

مسائل اختلافیہ

پہلا مسئلہ امام ابوحنیفہ رحمہ کا قول اور امام احمد رحمہ کی دو روایتوں میں سے اظہر یہ ہے کہ اُس عورت سے جس کو طلاق رجعی دیدی ہو ہمبستر ہونا حرام نہیں۔ حالانکہ امام مالک رحمہ اور امام شافعی رحمہ کا قول اور امام احمد رحمہ کا دوسرا قول یہ ہے کہ حرام ہے۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ وہ عورت (جسکو طلاق رجعی دیدی ہو) وہ بیوی ہی کے حکم میں ہے۔ اس دلیل سے کہ اُسے (دوسری) طلاق بھی لاحق ہو جاتی ہے۔ اور ایلاء اور ظہار اور لعان بھی اور عورت مرد کی وارث ہوتی ہے اور خاوند عورت کا (اگر عدت کے زمانہ میں کوئی مرجائے)۔

اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ طلاق پڑ جانے سے وہ عورت اجنبی ہو گئی اس دلیل سے کہ اُس کے (دوبارہ) حلال ہونے کے واسطے اس قول کی حاجت ہے کہ میں نے تجھے اپنے نکاح کی طرف لوٹا لیا یا اسی قسم کا کوئی اور لفظ کہے۔

دوسرا مسئلہ امام ابوحنیفہ رحمہ اور امام احمد رحمہ کا قول یہ ہے کہ خاوند عورت سے صرف ہمبستر ہو جائے تو رجعت ثابت ہو جاتی ہے اُس کے ہوتے ہوئے کسی لفظ کہنے کی حاجت نہیں ہوتی خواہ رجعت کی نیت کی ہو یا نہ حالانکہ امام مالک رحمہ کا مشہور قول یہ ہے کہ ہمبستری سے رجعت جب ثابت ہوگی کہ اُس کی نیت بھی کرے۔ اسی طرح امام شافعی رحمہ کا قول یہ ہے کہ رجعت صرف لفظ ہی کے ساتھ ہوتی ہے پس پہلا قول مخفف اور دوسرے میں تفصیل کی دو شقوں میں سے ایک کے اعتبار سے تشدید ہے۔ اور تیسرا قول مشدد ہے۔

پہلے قول کی وجہ یہ خیال کرنا ہے کہ جب وہ ہمبستر ہوا ہے تو ضرور نیت کی ہوگی اس لئے کہ مومن کی شان سے یہ بعید ہے کہ اپنی طلاق دادہ عورت سے ہمبستر ہو اور اُس کے رجوع کرنے کی نیت نہ کرے۔

دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کوئی حالت ایسی عارض ہو جائے کہ بلا نیت رجوع ہمبستر ہووے۔ لہذا نیت کا کرنا لازم ہے۔

تیسرے قول کی وجہ رجعت کو ایجاد نکاح خیال کرنا ہے لہذا اُس کے اندر تلفظ ضرور ہونا چاہئے پس تمام اقوال مختلف پر محمول ہیں۔

تیسرا مسئلہ امام مالک رضہ اور امام احمد رضہ اور امام ابو حنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ رجعت کے اندر گواہ بنانا شرط نہیں۔ حالانکہ امام شافعی رضہ کا دو قولوں میں سے ایک اور امام احمد رضہ کی دو روایتوں میں سے ایک یہ ہے کہ شرط ہے اور اصحاب امام شافعی رضہ کے نزدیک امام موصوف کے دو قولوں میں سے اصح یہ ہے کہ گواہ بنانا مستحب ہے اور یہی امام احمد رضہ کے دو قولوں میں سے قول اظہر ہے۔

شیخ الاسلام صفدی نے اپنی کتاب (رحمۃ الامہ فی اختلاف الائمہ) میں فرمایا ہے کہ امام رافعی رضہ نے جو نقل کیا ہے کہ امام مالک رضہ کے نزدیک گواہ بنانا شرط ہے تو میں یہ بات مذہب مالکیہ کی مشہورہ کتب میں سے کسی کتاب میں نہیں دیکھتا بلکہ قاضی عبدالوہاب اور امام قرطبی نے اپنی تفسیر میں تصریح کی ہے کہ مذہب امام مالک استحباب ہے اور اس میں کسی مالکی کا خلاف نقل نہیں کیا۔ اسی طرح شافعیہ میں سے ابن ہبیرہ نے اپنی کتاب (الایضاح) میں فرمایا ہے۔ پس پہلے قول میں تخفیف اور دوسرے میں تشدید ہے اور ان دونوں کی توجیہ ایسی ہے جیسی اس کے پہلے مسئلہ میں۔ پس جو کہتا ہے کہ رجعت کے لئے لفظ ضروری ہے وہی گواہوں کی ضرورت کا قائل ہے تاکہ وہ لفظ بولنے کے گواہ ہو جائیں کیونکہ صرف نیت پر گواہ بنانا تو ناممکن ہے سوائے امام شافعی رضہ کے کیونکہ وہ اگرچہ رجعت کے لئے لفظ کو شرط فرماتے ہیں لیکن وہ گواہ بنانے کو ضروری نہیں کہتے کیونکہ رجعت نکاح کے روک لینے کا نام ہے نہ نیا نکاح کرنے کا اور جو کہتا ہے کہ لفظ ضروری نہیں وہ گواہی کی ضرورت بھی نہیں تسلیم کرتا۔

چوتھا مسئلہ امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ رجعیہ (جسے طلاق رجعی دیدی گئی ہو) سے حالت حیض یا احرام میں ہمبستر ہونا اُس کو حلال نہیں بناتا حالانکہ تینوں اماموں کا قول ہے کہ بنا دیتا ہے۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ حیض یا احرام کی حالت میں ہمبستر ہونا شرعاً ممنوع ہے تو گویا اُس فاسد نکاح کے ساتھ عورت سے ہمبستری کی۔

دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ حیض واحرام والی عورت کا مرد پر حرام ہونا عارضی ہے۔

پانچواں مسئلہ اُس نابالغ کے بارہ میں جو ہمبستر ہو سکے امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر وہ نکاح صحیح کے ساتھ ہمبستر ہولے تو اُس سے حلالہ صحیح نہیں ہوتا حالانکہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ صحیح ہوتا ہے۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے۔

پہلے قول کی وجہ شارع علیہ السلام کا حلالہ کے اندر یہ فرمانا ہے کہ (حتی تذوقی عسیلتہ ویذوق عسیلتک) اور عسیلہ ہمبستری کی لذت کا نام ہے اور لذت ہمبستری کی بغیر منی کے نکلے حاصل نہیں ہوتی۔

دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ محض ہمبستر ہونے میں بھی لطف ہے اگرچہ انزال نہ ہو۔ کیونکہ منی کا نکلنا تو لذت کی انتہا کا نام ہے اس دلیل سے کہ اُس شخص پر غسل واجب ہوتا ہے جو ہمبستر ہو اور منزل نہ ہو اس میں ائمہ اربعہ اتفاق رکھتے ہیں۔ صرف امام داؤد اور صحابہ کی ایک جماعت کا خلاف ہے جیساکہ باب غسل کے شروع میں گذر چکا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتاب ایلاء کے بیان میں

مسائل اجماعیہ

اماموں کا اسپر اتفاق ہے کہ اگر کسی نے قسم کھائی کہ میں چار ماہ سے زائد تک اپنی بیوی سے ہمبستر نہ ہونگا تو وہ شخص ایلاء کرنے والا ہو جاتا ہے اور اس سے کم مدت تک کی قسم کھائی تو ایلاء کرنے والا نہیں ہوتا۔ اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ ایلاء کرنے والا جب قسم سے رجوع کرنا چاہے تو اسپر خدا تعالےٰ کے ساتھ قسم کھانے کا کفارہ لازم ہوتا ہے۔ سوا امام شافعی کے قول قدیم کے۔

مسائل اختلافیہ

پہلا مسئلہ امام ابو حنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ قسم اگر اسطرح کھائے کہ میں اپنی بیوی کے چار ماہ تک ہمبستر نہونگا تو وہ ایلاء ہو جاتا ہے اور اسی کی مثل امام احمد رضہ سے منقول ہے۔ حالانکہ امام مالک رضہ کا قول اور امام شافعی رضہ کا مشہور قول یہ ہے کہ یہ ایلاء نہیں ہوتا پس پہلا قول مشدد دا اور دوسرا مخفف ہے۔

دوسرا مسئلہ تینوں اماموں رضہ کا قول یہ ہے کہ جب چار ماہ گذر جائیں تو صرف اُن کے گذر جانے سے طلاق واقع نہ ہوگی بلکہ انتظار کیا جائے گا کہ یا تو رجوع کرے اور یا طلاق دیدے۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ جب مدت گذر جائے گی طلاق واقع ہو جائے گی۔ پس پہلا قول انتظار کی وجہ سے مخفف اور دوسرا مشدد ہے

تیسرا مسئلہ امام مالک رضہ اور امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ قول انتظار کی بنا پر اگر خاوند طلاق دینے سے رکا تو اس کی طرف سے حاکم طلاق دیگا۔ اور امام شافعی رضہ کا قول اظہر یہی ہے حالانکہ امام احمد رضہ کی دوسری روایت یہ ہے کہ حاکم اُس کو طلاق دینے پر مجبور کرے گا۔ اور یہی امام شافعی رضہ کا قول آخر ہے۔ پس پہلا قول مشدد دا اور دوسرا مخفف ہے۔

چوتھا مسئلہ امام ابو حنیفہ رضہ کا قول اور امام شافعی رضہ کے دو قولوں میں سے اصح قول یہ ہے کہ جس نے خدا تعالیٰ کی قسم کے سوا کسی اور چیز مثلاً طلاق غلام کے آزاد کرنے یا کسی عبادت کے واجب کر لینے یا مال خیرات کرنے کی قسم کے ساتھ ایلاء کیا تو وہ شخص ایلاء کرنے والا نہ ہوگا۔ خواہ عورت کو ضرر رسانی کا قصد کرے یا رفع ضرر کا۔ جسطرح دودھ پلانے والی عورت یا مثلاً بیمار (عورت سے ہمبستر نہونے کی قسم کھالے) یا اپنے آپ سے رفع ضرر مقصود ہو۔ حالانکہ امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ ایلاء اُسوقت تک نہیں ہوتا کہ جب تک غصہ کی حالت میں قسم نہ کھاوے یا عورت کو ضرر رسانی کا قصد نہ کرے۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔

پانچواں مسئلہ امام ابو حنیفہ رضہ اور امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر شخص ضرر رسانی کی غرض سے عورت سے چار ماہ سے زیادہ تک بلا قسم ہمبستری چھوڑے رکھے تو وہ شخص ایلاء کرنے والا نہ ہوگا۔ حالانکہ امام مالک رضہ کا قول اور امام احمد رضہ کی دو روایتوں میں سے ایک یہ ہے کہ ایلاء کرنے والا ہو جائے گا۔ پس پہلا قول

مخفف اور دوسرا مشدد ہے اور دونوں قولوں کی وجہ ظاہر ہے۔ ذہین آدمی پر پوشیدہ نہیں۔

چھٹا مسئلہ امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ غلام کے ایلار کی مدت دو ماہ ہیں۔ بیوی خواہ آزاد عورت ہو یا لونڈی۔ اسی طرح امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ چار ماہ ہیں (ہر حالت میں) اسی طرح امام ابوحنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ مدت کے بارہ میں عورتوں کا اعتبار ہے۔ پس جس کے گھر میں آزاد عورت ہو اُس کی مدت چار ماہ ہیں اور جس کے گھر میں لونڈی ہو اُس کے لئے دو ماہ کی مدت ہے۔ مرد خواہ آزاد ہو یا غلام اسی طرح امام احمد رضہ کی دو روایتوں میں سے ایک یہ کہ غلام کے ایلار کی مدت دو ماہ ہیں اور دوسری روایت امام شافعی رضہ کے مذہب کے موافق ہے۔ پس پہلے قول میں تشدید اور دوسرے میں تخفیف اور تیسرا افضل ہے۔

ساتواں مسئلہ امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ کافر کا ایلار صحیح نہیں۔ حالانکہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ صحیح ہے اور نتیجہ اُس کا بعد مسلمان ہو جانے کے یہ ہوگا کہ یا رجوع کرے یا طلاق دے۔ پس پہلا قول کافر پر مخفف اور دوسرا اُس پر مشدد ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتاب ظہار کے بیان میں

مسائل اجماعیہ

اماموں کا اسپر اتفاق ہے کہ مسلمان جب اپنی بیوی کو یوں کہدے کہ تو میرے لئے میری ماں کی پشت جیسی ہے تو وہ اپنی عورت سے ظہار بنجاتا ہے کہ اُسے اپنی بیوی سے ہمبستر ہونا کفارہ دینے سے پہلے درست نہیں ہوتا۔ اور کفارہ غلام کو آزاد کرنا ہے اگر میسر ہو ورنہ دو مہینے کے روزے رکھے پے درپے (لگاتار دو مہینے کے) اگر اس کی بھی نہ رکھتا ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاوے۔ اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ کوئی کفارہ کافر یا حربی کو دینا درست نہیں۔ اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ غلام کا ظہار صحیح ہوتا ہے اور وہ روزے سے کفارہ ادا کرے۔ اور امام مالک رضہ کے نزدیک اگر مولیٰ نے اُس کو مال کا مالک بنا دیا ہو تو مساکین کو کھانا کھلا کر ادا کفارہ کرے۔ اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ اگر بیوی نے اپنے خاوند سے کہا کہ تو مجھ پر میرے باپ کی پشت کی مانند ہے تو عورت پر کفارہ لازم نہیں لیکن ایک روایت ہے جسکو امام خرقی نے پسند کیا ہے۔ مسائل اجماعیہ ختم ہوئے۔

مسائل اختلافیہ

پہلا مسئلہ امام مالک رضہ اور امام ابوحنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ ذمی کا ظہار صحیح نہیں حالانکہ امام شافعی رضہ اور امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ صحیح ہے۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے۔ پہلے قول کی وجہ یہ ہو کہ ذمی پر ہمارے احکام کا التزام نہیں ہے۔
اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ اسپر ظاہری احکام تو لازم کریں گے۔

دوسرا مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ مولیٰ کا اپنی باندی سے ظہار صحیح نہیں۔ حالانکہ امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ صحیح ہے۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ شریعت کے اندر بیوی سے ظہار کرنے کا حکم وارد ہے۔ دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ مولیٰ اپنی لونڈی سے نفع اٹھانے کا ویسا ہی مالک ہے جسطرح خاوند لہٰذا اُس کا ظہار بھی صحیح ہے۔

تیسرا مسئلہ امام ابو حنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر کسی نے اپنی بیوی سے خواہ لونڈی ہو یا آزاد یہ کہا کہ تو مجھپر حرام ہے تو اگر اُس نے اس قول سے نیت طلاق کی کی تو طلاق پڑ جائے گی۔ اگر تین طلاقوں کی نیت کی تو تین پڑ جائیں گی۔ اور اگر دو یا ایک کی نیت کی تو ایک پڑے گی اور اگر طلاق مراد نہ لی یا کچھ بھی نیت نہ کی تو وہ ایک قسم کی قسم ہو گی۔ پس اگر چار ماہ تک چھوڑے رکھا تو ایلا کی وجہ سے ایک طلاق بائن پڑے گی اور اگر ظہار کی نیت کی تو ظہار کرنے والا ہو جائے گا اور اگر قسم کی نیت کی تو قسم ہو جائے گی۔ اور نیت کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ ایک مرادلی ہو یا زیادہ عورت خواہ ہمبستر شدہ ہو یا غیر ہمبستر شدہ۔ حالانکہ امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر عورت ہمبستر شدہ ہے تو تین طلاقیں پڑیں گی اور اگر غیر ہمبستر شدہ ہے تو ایک پڑے گی۔ اسی طرح امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر اس لفظ سے طلاق یا ظہار کی نیت کی تب تو موافق نیت کی ہو گا اور اگر قسم کی نیت کی تو قسم نہ ہو گی لیکن اُسپر قسم کا کفارہ لازم ہو گا۔ اور اگر کسی چیز کی نیت نہ کی تو امام شافعی رضہ کے دونوں قولوں میں سے ارجح یہ ہے کہ اُسپر کچھ لازم نہیں اور دوسرا قول یہ ہے کہ اُسپر قسم کا کفارہ لازم ہے اسی طرح امام احمد کی دو روایتوں میں سے اظہر روایت یہ ہے کہ لفظ صریح ظہار ہے نیت کرے یا نہ کرے اور اس لفظ سے کفارہ ظہار کا لازم ہوتا ہے۔ اور دوسری روایت یہ ہے کہ یہ لفظ طلاق ہے۔ پس پہلا اور دوسرا قول مفصل ہے اور تیسرا اور چوتھا مشدد اور تمام اقوال کی توجیہات ذہین آدمی پر پوشیدہ نہیں۔

چوتھا مسئلہ امام ابو حنیفہ رضہ اور امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ جس نے اپنے اوپر کھانا یا پینا یا اپنی لونڈی حرام کر لی تو وہ قسم کھانے والا بنیگا اور اُسپر قسم ٹوٹ جانے کی وجہ سے کفارہ لازم ہو گا اور وہ اشیاء اُسپر (واقع میں) حرام نہ ہونگی۔ اور اماموں موصوف کے نزدیک کھانے کے ایک جز کھا لینے سے قسم ٹوٹ جائے گی اور تمام کھانے پر توقف نہیں۔ حالانکہ امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ جس نے اپنا کھانا یا پینا یا لباس اپنے اوپر حرام کر لیا تو اُسپر کفارہ لازم نہیں اور کلام لغو ہو گا۔ اور لونڈی کو حرام کر لیا تو قول راجح یہ ہے کہ حرام ہو جائے گی اور اُسپر قسم کا کفارہ لازم ہو گا۔ اسی طرح امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ ان تمام چیزوں میں سے کچھ بھی نہ ہو گا اور نہ اُسپر کفارہ لازم ہو گا پس پہلے قول میں تشدید اور دوسرا مفصل اور تیسرا مخفف ہے۔

پانچواں مسئلہ امام ابو حنیفہ رضہ اور امام مالک رضہ کا قول اور امام احمد رضہ کی دو روایتوں میں سے اظہر روایت یہ ہے کہ ظہار کرنے والے پر (اپنی بیوی کا) بوسہ لینا اور شہوت کے ساتھ اُسے چھونا حرام ہوتا ہے حالانکہ امام شافعی رضہ کے دو قولوں میں سے اظہر یہ ہے کہ یہ حرام نہیں۔ پس پہلا قول مشدد اور اہل دین و تقویٰ کے ساتھ مخصوص ہے اور دوسرا قول مخفف اور عوام الناس کے ساتھ خاص ہے۔

چھٹا مسئلہ امام ابو حنیفہ رضہ اور امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ ظہار کرنے والا جب (کفارہ کے روزے ادا کرتے میں) اپنی بیوی سے ہمبستر ہو جاوے تو اُسپر نئے سرے سے روزے رکھنے واجب ہیں۔ اگرچہ ایک مہینہ کے رکھ چکا ہو اور خواہ دن میں ہمبستر ہوا ہو یا رات میں اور قصداً خواہ بھولکر۔ حالانکہ امام شافعی رضہ

قول یہ ہے کہ اگر رات میں ہمبستر ہوا ہو تو نئے سرے سے رکھنے واجب نہیں اور اگر دن کے وقت قصداً ہمبستر ہوا تو روزے تتر بتر ہو جائیں گے اور تواتر و پے بعد دیگرے ہونا منقطع ہو جائے گا اور اُس کو نص قرآنی کے حکم کے مطابق نئے سرے روزے واجب ہونگے۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مفصل ہے۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ پے در پے نہ ہونا رخصت کی بات ہے۔ اور رخصتیں ان لوگوں کے گناہوں کا مقابلہ نہیں کر سکتیں جنہوں نے جنایت کر کے سزا کا استحقاق حاصل کیا ہو۔ اور دوسرے قول کی وجہ ظاہر ہے۔

ساتواں مسئلہ امام ابو حنیفہ کا قول اور امام احمد رضؓ کی دو روایتوں میں سے ایک یہ ہے کہ اُس غلام کا مومن ہونا ضروری نہیں جس کو ظہار کرنے والا کفارہ میں آزاد کرے۔ حالانکہ امام مالک رضؓ اور امام شافعی رضؓ کا قول اور امام احمد رضؓ کی دوسری روایت یہ ہے کہ مومن ہونا شرط ہے۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ کفارہ اُس شخص کے لئے جس پر وہ واجب ہوا ہے عذاب و سزا ہے اور یہ صرف کفارہ کے بقدر اُس کی برابر قیمت صرف کرنے سے حاصل ہے۔ اگرچہ غلام کافر ہی ہو۔

دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ کفارہ منجملہ اُن چیزوں کے ہے جن سے حق تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ لہذا ادبا اس چیز کے ساتھ تقرب کافی نہ ہو گا جس میں کفر کا عیب ہو جبطرح قربانی اور ہدی (جو حج میں لے جاتے ہیں) کے بارے میں وارد ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ پہلے قول کو معمولی لوگوں پر محمول کیا جائے۔ اور دوسرے کو اہل دین و تقوےٰ اور خدا تعالیٰ کے ساتھ با ادب رہنے والوں پر۔

آٹھواں مسئلہ امام ابو حنیفہ رضؓ کا قول یہ ہے کہ کفارہ ذمی کو دینا درست ہے۔ حالانکہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ جائز نہیں۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے اور دونوں قولوں کی وجہ ظاہر ہے کیونکہ) دونوں قول دو حالوں پر محمول ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتاب لعان کے احکام میں

مسائلِ اجماعیہ

اماموں کا اس پر اتفاق ہے کہ جس نے اپنی بیوی کو زنا کی تہمت لگائی یا اُس کا حمل اپنا ہونے سے انکار کیا اور عورت نے اُس کو جھوٹا بتلایا۔ حالانکہ مرد بے گواہ ہے تو خاوند کے لئے حد (سزا) ہو گی (اور وہ یہ کہ) مرد کو لعان کرنا پڑے گا۔ اور لعان یہ ہے کہ چار مرتبہ اسطرح مرد قسم کھاوے کہ (خدا تعالیٰ کی قسم میں ضرور سچوں میں سے ہوں) اور پانچویں قسم اسطرح کھاوے (کہ اگر میں جھوٹوں میں ہوں تو مجھ پر خدا تعالیٰ کی لعنت ہے) پس جب وہ قسمیں کھالے تو مرد کے واسطے (قایم مقام) حد کے ہو جاتا ہے اور عورت پر قسمیں کھا کر اُس کا ساقط کرنا لازم ہے اور وہ اسطرح پر کہ عورت چار گواہیاں یوں بیان کرے کہ قسم بخدا میں گواہی دیتی ہوں کہ خاوند ضرور جھوٹوں میں سے ہے مجھے زنا کی تہمت لگانے میں۔ مسائل اجماعیہ ختم ہوئے۔

مسائلِ اختلافیہ

پہلا مسئلہ

تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ اگر خاوند قسموں سے انکار کر دے تو اُس پر حد لازم ہوتی ہے۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ حد لازم نہیں بلکہ قید کر دیا جائے تا وقتیکہ لعان کرے یا (دروغ کا) اقرار کرے اور صرف انکار کرنے سے خاوند فاسق ضرور ہو جاتا ہے اور امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ جب اُس کو حد لگ نہ جائے اُس وقت تک فاسق نہیں ہوتا۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرے میں تخفیف

دوسرا مسئلہ

امام ابوحنیفہ رضہ کا قول اور امام احمد رضہ کی دو روایتوں میں سے ایک یہ ہے کہ عورت اگر گواہیوں سے انکار کر جائے تو قید کیجائے یہاں تک کہ یا تو لعان کرے اور یا اپنے زانی ہونے کا اقرار۔ حالانکہ امام مالک رضہ اور امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ صرف انکار سے عورت پر حد لازم ہے۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔

تیسرا مسئلہ

امام مالک رضہ اور امام شافعی رضہ اور امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ ہر وہ مسلمان جس کا طلاق دینا صحیح مانا جائے اُس کا لعان کرنا بھی صحیح ہے خواہ دونوں آزاد ہوں یا دونوں غلام یا ایک غلام اور ایک آزاد۔ اور خواہ دونوں عادل ہوں یا دونوں فاسق اور یا ایک عادل اور ایک فاسق۔ اور امام مالک رضہ کے نزدیک کافر کا طلاق دینا صحیح نہیں کیونکہ اُن کے نزدیک کفار کے نکاح فاسد ہیں اور باوجود اس کے کافر کا لعان کرنا اُن کے نزدیک صحیح ہے۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ لعان گواہی کا نام ہے۔ پس جب کسی نے تہمت لگائی اور حالانکہ وہ شہادت کا اہل نہیں تو اُس پر حد ماری جائے گی۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔ اسی طرح تیسرے میں کچھ تشدید ہے۔

چوتھا مسئلہ

امام ابوحنیفہ رضہ اور امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر کسی نے حمل سے انکار کی بنا پر قبل از وضع حمل لعان کیا تو وہ صحیح نہیں اور نہ اُس سے بچہ کی نفی ہوگی۔ اور اگر صریح زنا کی تہمت لگائی تو تہمت کی بنا پر لعان لازم ہوگا اور بچہ کی نسبت کی نفی نہ ہوگی خواہ اُس کو چھ ماہ میں جنا ہو یا کم میں۔ حالانکہ امام مالک رضہ اور امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ نفی حمل کی وجہ سے بھی لعان کر سکتا ہے۔ مگر امام مالک رضہ نے یہ شرط قرار دی ہے کہ اُس کے رحم کا خالی ہونا تین حیض یا ایک حیض سے ہو (حیض کی تعداد کا اختلاف) اصحاب امام موصوف کے اختلاف مذہب پر مبنی ہے۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے۔

پہلے قول کی وجہ اس کا حدیث سے ثابت ہونا ہے چنانچہ وارد ہے کہ (فان جاءت به خدلج الساقين الخ) ترجمہ "حمل کی طرف دیکھو کہ اگر عورت بچہ کو سرخ موٹی پنڈلی والا جنے"
اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ صرف حمل ہی سے شبہ پیدا ہو گیا لہذا لعان صحیح ہوگا تاکہ عار سے خلاصی کی طرف سبقت

پانچواں مسئلہ

امام مالک رضہ کا قول اور امام احمد رضہ کی دو روایتوں میں سے ایک یہ ہے کہ تفریق عورت کے لعان کی وجہ سے حاکم کے حکم سے واقع ہوگی حالانکہ امام ابوحنیفہ رضہ کا قول اور امام احمد رضہ کی دو روایتوں میں سے اظہر یہ ہے کہ حاکم کے حکم اور دونوں کی لعان کی وجہ سے تفریق واقع ہوگی چنانچہ حاکم کو یوں کہنا چاہئے کہ میں تم دونوں کے درمیان تفریق کر دے۔ حالانکہ امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ صرف مرد کی لعان کی وجہ سے تفریق

واقع ہو جاتی ہے جس طرح اُس کے لعان سے نسب کا انکار ہو جاتا ہے۔ البتہ عورت کا لعان عورت سے حد کو ساقط کر دیتا ہے۔ پس پہلے قول میں کچھ تشدید اور دوسرا مشدد اور تیسرا مخفف ہے۔

چھٹا مسئلہ امام ابو حنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ مرد کے اپنی تکذیب کرنے سے تفریق اُٹھ جاتی ہے پس جب اُس نے اپنے آپ کو جھٹلا دیا تو اُسے کوڑوں سے حد ماری جائے اور اُسی پھر اُس عورت سے وہ نکاح بھی کر سکتا ہے اور امام احمد رضہ سے بھی ایک روایت یہی ہے۔ حالانکہ امام مالک رضہ اور امام شافعی رضہ کا قول اور امام احمد رضہ کی دو روایتوں میں سے اظہر روایت یہ ہے کہ یہ تفریق ابدی ہوتی ہے کہ کبھی مرتفع نہیں ہوتی۔ پس پہلے قول میں تخفیف اور وہ رذیل لوگوں پر محمول ہے۔ اور دوسرے قول میں تشدید اور وہ دیندار تقوے والے لوگوں پر محمول ہے۔

ساتواں مسئلہ امام ابو حنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ لعان کے اندر کی تفریق طلاق ہوتی ہے نہ فسخ۔ حالانکہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ وہ فسخ ہے اور اس کا فائدہ یہ ہے کہ طلاق ہونے کی صورت میں تحریم ہمیشہ نہ رہے گی یہاں تک کہ جب اپنی تکذیب کر دے گا تو پھر اُس کے ساتھ نکاح کرنا درست ہو گا۔ حالانکہ امام مالک رضہ اور امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ یہ تفریق ہمیشہ کی تحریم ہوتی ہے جسطرح رضاع (دودھ پلا دینے) سے ہمیشہ کو حرام ہوتی ہے اور یہی قول حضرت عمر رضہ اور حضرت علی رضہ اور حضرت ابن مسعود رضہ اور حضرت ابن عمر رضہ اور حضرت عطا اور زہری رضہ اور امام اوزاعی رضہ اور امام ثوری رضہ کا ہے۔ اسی طرح حضرت سعیدؓ بن جبیر کا قول یہ ہے کہ لعان کی وجہ سے نفع اُٹھانا حرام ہو جاتا ہے پس جب وہ اپنی تکذیب کر دے گا تو تحریم اُٹھ جائے گی اور اگر عورت عدت میں ہو گی تو پھر وہ اُس کی بیوی ہو جائیگی پس پہلے قول میں تخفیف اور دوسرا مشدد اور تیسرا افضل ہے۔

آٹھواں مسئلہ امام ابو حنیفہ رضہ اور امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر کسی نے اپنی بیوی کو کسی معین شخص کے ساتھ (زنا کی) تہمت لگائی مثلاً یہ کہا کہ تیرے ساتھ فلاں شخص نے زنا کیا ہے تو بیوی سے لعان لازم ہو گا اور اُس شخص کی وجہ سے حد ماری جائے گی اگر وہ حد کو طلب کرے اور لعان کی وجہ سے حد ساقط نہ ہو گی۔ حالانکہ امام شافعی رضہ کے دو قولوں میں سے راجح قول یہ ہے کہ اُسپر دونوں کی وجہ سے صرف ایک حد لازم ہو گی اور عورت سے لعان کی وجہ سے حد ساقط ہو جائے گی۔ پس پہلے قول میں تشدید اور دوسرے میں تخفیف اور تیسرا مخفف ہے۔

نواں مسئلہ امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر کسی نے اپنی بیوی کو کہا کہ "اُو زنا کار،، تو اُسپر حد واجب ہو گی بشرطیکہ اُس کو ثابت نہ کر سکے اور مرد کو لعان اُس وقت تک نہ کرنا چاہیے کہ جب تک اپنی آنکھوں سے دیکھنے کا دعوے نہ کرے۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رضہ اور امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ اُسے لعان کرنا درست ہے اگر چہ اپنا دیکھنا بیان نہ کرے۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرے میں کچھ تخفیف ہے۔

دسواں مسئلہ امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر عورت پر چار مردوں نے (زنا کی) گواہی دی اور ایک اُن میں کا خاوند بھی تھا تو اُن کی گواہی مقبول ہو گی اور عورت پر حد لگائی جائے گی۔ پس پہلا قول مشدد اور عورت پر مخفف ہے۔

گیارھواں مسئلہ امام ابو حنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر عورت نے خاوند سے قبل لعان کیا تو اُس کا اعتبار کیا جائیگا۔ حالانکہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ اس کا اعتبار نہ کیا جائے گا۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے نص قرآن کی تابعداری کی وجہ سے پس بعض علماء نے ترتیب کو واجب کہا ہے اور بعض نے نہیں۔

بارھواں مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ گونگے کا لعان صحیح ہے۔ بشرطیکہ اشارہ کنایہ کو سمجھتا اور جانتا ہو

کہ میں کیا کہہ رہا ہوں اسی طرح اس کا تہمت لگانا بھی صحیح ہے حالانکہ امام ابو حنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ نہ اُس کا تہمت لگانا صحیح ہے اور نہ لعان کرنا پس پہلا قول گونگے پر مخفف اور دوسرا اُس پر مشدد ہے۔

تیرھواں مسئلہ امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ جب کسی نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی پھر اُس کو زمانہ عدت میں زنا کرتے دیکھا تو خاوند کو لعان کرنا چاہئے۔ اگر طلاق کے بعد عورت کا حاملہ ہونا ظاہر ہوا اور مرد نے کہا کہ میں ایک حیض سے اُس کے رحم کی صفائی معلوم کر چکا تھا۔ حالانکہ امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر حالت عدت میں حمل یا بچہ پایا جائے تب تو لعان ہے ورنہ نہیں۔ اسی طرح امام ابو حنیفہ رضہ اور امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ (صورت مذکورہ میں) بالکل لعان نہیں۔ پس پہلا قول بیوی پر مشدد اور دوسرا مفصل اور تیسرا مخفف ہے۔

چودھواں مسئلہ امام مالک رضہ اور امام شافعی رضہ اور امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر کسی عورت سے نکاح کرکے پھر اُس کو طلاق دیدی اور عقد سے لیکر زمانہ طلاق تک ہمبستری پر قدرت نہ پائی اُس کے بعد عقد نکاح سے چھ مہینے کی مدت میں بچہ جنی تو وہ بچہ مرد کا نہ ہوگا جس طرح (اُس صورت میں نہیں ہوتا) کہ عقد نکاح سے چھ ماہ سے کم میں جنے۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ مرد ہی کا ہوگا جبکہ نکاح حاکم کے سامنے ہوا ہو پھر اُس نے طلاق دیدی ہو بعد میں نکاح سے پورے چھ ماہ بعد بچہ جنا ہو نہ اس سے زائد میں نہ کم میں کیونکہ اس صورت میں اس لئے مرد کا بچہ ہوگا کہ حمل کا حدوث قبل طلاق ہے۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرے میں خاوند پر شرط مذکور کی وجہ سے تشدید ہے۔

پندرھواں مسئلہ امام ابو حنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ کسی عورت سے نکاح کیا پھر عورت سے متعدد سال غائب رہا بعد میں عورت کو خاوند کے مرنے کی خبر آئی لہذا اُس نے عدت گذار کر کسی اور سے نکاح کر لیا اور دوسرے خاوند سے اولاد بھی ہو گئی پھر دیکھا کہ پہلا خاوند آگیا تو اولاد پہلے خاوند کی سمجھی جائے گی اور دوسرے کی نفی ہو گی۔ حالانکہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ اولاد دوسرے خاوند کی ہوگی۔ اور امام ابو حنیفہ رضہ کے نزدیک یہ بھی ہے کہ کسی شخص نے جو مغرب میں تھا اُس عورت سے نکاح کیا جو مشرق میں تھی پھر وقت نکاح کے چھ ماہ بعد بچہ جنی تو بچہ اُسی مرد کے ساتھ لاحق ہوگا۔ اگرچہ اُن کے درمیان اسقدر بعد ہو کہ (چھ ماہ کی مدت میں) دونوں کا اجتماع امکان سے باہر ہو۔ پس پہلا قول پہلے خاوند پر مشدد اور دوسرا قول دوسرے خاوند پر مخفف ہے۔

پہلے قول کی وجہ شارع علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ (الولد للفراش) ترجمہ "بچہ بچھونے کا ہوتا ہے" اور عورت عقد نکاح کی وجہ سے پہلے خاوند کا بچھونا ہو چکی۔ پس نص شارع کی وجہ بچہ اُسی کا ہوگا کیونکہ احکام کا رجوع شارع ہی کی طرف ہوتا ہے۔ اگرچہ بعض عقول اُس کو تسلیم نہ کریں۔

اور دوسرے قول کی وجہ ظاہر ہے جو محتاج بیان نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

کتاب قسموں کے بیان میں

مسائل اجماعیہ

اماموں کا اس پر اتفاق ہے کہ جس نے حق تعالیٰ کی اطاعت کی قسم کھائی تو اُس کا پورا کرنا لازم ہے اور اس پر بھی کہ مکلف کو یہ جائز نہیں کہ خدا تعالیٰ کے نام کو زبانزد بنا دے کہ اُس کی وجہ سے بھلائی اور صلہ رحمی سے باز رہے۔ اور صلہ

بھی سے باز رہے۔ اور اسپر بھی کہ اُس کے لئے بہتر یہ ہے کہ حانث (قسم میں پورا نہ اُترنے والا) ہو جائے اور کفارہ ادا کر دے جبکہ بھلائی کے رنگ کی قسم کھائی ہو۔ اور اسپر بھی کہ قسم کے اندر رجوع نیت کی طرف ہوا کرتا ہے۔ اور اسپر بھی کہ خدا تعالیٰ کے تمام اسمار حسنیٰ کے ساتھ قسم منعقد ہو جاتی ہے اور وہاں تمام نام حسن ہیں جس طرح رحمٰن اور رحیم اور حی وغیرہ اور اس کی تمام صفات ذاتیہ کے ساتھ بھی جسطرح خدا کی عزت خدا کا جلال وغیرہ قسم منعقد ہو جاتی ہے۔ مگر امام ابو حنیفہ نے علم خدا مستثنیٰ کیا ہے کہ اُس کے ساتھ قسم نہیں ہوتی۔ اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ اگر کسی آنے والے کام کے کرنے نہ کرنے کی قسم کھائی اور پھر حانث ہو گیا تو اُسپر کفارہ واجب ہو گا۔ اور اسپر اتفاق ہے کہ کسی نے یوں کہا کہ خدا کے عہد و پیمان کی قسم تو وہ قسم ہو گئی۔ اور اسپر بھی کہ اگر قرآن کی قسم کھائی تو قسم ہو گئی اب اگر حانث ہو گا تو کفارہ لازم ہو گا۔ صرف اُن کا خلاف ہے جن کے قول کا اعتبار نہیں۔ اور ابن عبد اللہ نے نقل کیا ہے کہ صحابہ رضہ اور تابعین رضہ کا اتفاق ہے کہ قرآن کی قسم کھانے سے قسم منعقد ہو جاتی ہے اور بر تقدیر حنث کفارہ لازم ہوتا ہے۔ اسی طرح اما ہو نکا اسپر بھی اتفاق ہے کہ ہر قسم میں حانث ہو جانے سے کفارہ لازم ہوتا ہے خواہ عبادت پر کھاوے یا معصیت پر یا مباح فعل پر۔ اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ اگر اس طرح قسم کھائی کہ اس پیالہ کا پانی ضرور پیونگا اور اُس میں پانی تھا نہیں تو حانث نہ ہو گا۔ صرف امام ابو یوسف رضہ کا خلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ حانث ہو جائے گا۔ اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ اگر یوں کہا کہ قسم بخدا فلاں آدمی سے کسی وقت کلام نہ کروں گا اور نیت کسی خاص بات کی کی تو موافق نیت کی حکم ہو گا۔ اسی طرح اگر اپنی بیوی کو کہا کہ اگر تو میری بلا اجازت نکلی تو تجھے طلاق ہے اور نیت کسی خاص وقت کی کی تو معتبر ہو گی۔ اور اسپر بھی کہ اگر یہ قسم کھائی کہ فلاں آدمی کو ضرور قتل کرونگا اور وہ واقع میں مر چکا تھا قسم کھانے والے کو معلوم نہ تھا تو حانث نہ ہو گا۔ اسی طرح اسپر بھی اتفاق ہے کہ قسم کا کفارہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا یا جوڑا دینا یا غلام کو آزاد کرنا ہے اور قسم کھانے والا مختار ہے کہ ان میں سے کوئی سا کام کر دے۔ اگر یہ نہ ہو سکیں تو تین دن کے روزے۔ اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ غلام آزاد کرنے کی صورت میں ضرور ہے کہ غلام ایماندار اور عیوب سے سالم اور شرکت سے خالی ہو۔ امام ابو حنیفہ رضہ کا اس میں خلاف ہے۔ کیونکہ وہ غلام کے اندر ایمان شرط نہیں کرتے۔ علما کا اسپر اتفاق ہے کہ یہ محل اشکال ہے کیونکہ آزاد کرنا گردن کو حق تعالیٰ کی عبادت کے لئے خالص کرنے کے واسطے ہوتا ہے پس جب کہ کافر غلام کو آزاد کیا جائے گا تو گویا اُس کی گردن کو ابلیس لعین کی عبادت کے لئے آزاد کیا اور نیز آزاد کرنا باعث تقرب ہے اور کافر کے ذریعہ سے تقرب حاصل نہیں ہو سکتا۔

میں کہتا ہوں کہ مسئلہ مذکورہ میں باوجود امام ابو حنیفہ رضہ کے خلاف کے اجماع کا دعویٰ کرنا قابل نظیر ہے فہم سے چلو۔ اسپر بھی اتفاق ہے کہ اگر ایک مسکین کو دس دن تک کھانا کھلایا تو وہ صرف ایک مسکین کو کھلانا سمجھا جائے گا۔ امام ابو حنیفہ علیہ اس میں خلاف ہے۔ فرماتے ہیں کہ دس مسکینوں کی طرف سے کافی ہو گا۔ اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ کفارہ کا آزاد مسلمان اور نابالغ بچہ کو دینا درست ہے (اسطرح) کہ نابالغ کا ولی اُس کی طرف سے قبضہ کرے۔ مسائل اجماعیہ ختم ہوئے۔

مسائل اختلافیہ

مسئلہ امام ابو حنیفہ رضہ اور امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ یہ درست نہیں کہ باوجود قسم کو پورا کرنے پر قادر ہونے کے اگر کفارہ کی طرف رجوع کرے (یعنی قسم میں پورا نہ گذرے اور کفارہ دیکر جان چھوڑا لے) جائز نہیں۔ حالانکہ امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ بہتر تو یہی ہے کہ عدول نہ کرے اور اگر عدول کر لیا تو جائز ہے اور

کفارہ لازم ہے۔ اور امام مالک رضہ سے دونوں روایتیں منقول ہیں۔ پس پہلے قول میں تشدید اور دوسرے میں تخفیف ہے اور دونوں قولوں کی وجہ ظاہر ہے۔

دوسرا مسئلہ امام ابوحنیفہ رضہ اور امام مالک رضہ کا قول اور امام احمد رضہ کی دو روایتوں میں سے ایک یہ ہے کہ قسم غموس (جس کی تعریف یہ ہے) کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ کسی امر پر قسم کھا وے اور اُس میں جھوٹ کا قصد کرتا ہو تو اُس کا کفارہ نہیں (مثلاً یہ کہے قسم بخدا کل چاند ہو گیا حالانکہ وہ جانتا ہے کہ ہوا نہیں) کیونکہ وہ اس سے برتر ہے کہ اس کا کفارہ ہو حالانکہ امام شافعی رضہ کا قول اور امام احمد رضہ کی دوسری روایت یہ ہے کہ اُس کا بھی کفارہ ہے۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرے میں کچھ تخفیف ہے۔ اور شاید پہلا قول علماء عارفین پر محمول ہے اور دوسرا جاہلین پر۔ اور توضیح یہ ہے کہ عارف جبکہ خدا تعالیٰ کے ساتھ جھوٹی قسم کھا وے تو اُس کا قول حق تعالیٰ کو (نعوذ باللہ) ہلکا خیال کرنا بہ نسبت اُس کے زیادہ سخت ہے جو اُس کی بزرگی و عظمت سے ناواقف ہو۔ کیونکہ وہ فی الجملہ معذور ہے پس اسی واسطے کفارہ مقرر رکھا۔

تیسرا مسئلہ امام ابوحنیفہ رضہ اور امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر کسی نے کہا کہ اقسم باللہ یا اشہد باللہ تو قسم ہو گئی۔ اگرچہ نیت نہ کی ہو (یعنی قسم کی) حالانکہ امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر یہ الفاظ کہے اقسمت باللہ یا اقسم باللہ یا ان کی نیت پائی گئی اور اگر ان کا تلفظ کیا ہو نہ نیت تو قسم نہ ہوئی۔ اسی طرح امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ جب کہا کہ اقسم باللہ اور نیت کی قسم کی تو وہ قسم ہو گئی۔ اور اگر پہلے واقعہ کی خبر دی تو قسم نہ ہوئی۔ اور اصحاب امام موصوف کا اُس صورت میں اختلاف ہے کہ جب اُس قول کو مطلق رکھا ہو کچھ نیت کی ہو۔ اور راجح یہ ہے کہ (اطلاق کی صورت میں) قسم نہ ہوگی۔ پس پہلا قول صیغہ کے اعتبار سے مشدد اور دوسرا حکم کے اعتبار سے مشدد اور تیسرا مفصل ہے۔

چوتھا مسئلہ امام ابوحنیفہ کا قول اور امام احمد رضہ کی دو روایتوں میں سے اظہر یہ ہے کہ اگر کسی نے کہا کہ میں خدا کی قسم کھاتا ہوں کہ میں نہیں کرونگا اور نیت نہ کی تو قسم ہو جائے گی۔ حالانکہ امام مالک رضہ اور امام شافعی رضہ کا قول اور امام احمد کی دوسری روایت یہ ہے کہ یہ قسم نہ ہوگی پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے۔

پانچواں مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ اگر کسی نے کہا کہ خدا تعالیٰ کے حق کی قسم تو یہ قسم ہو جائے گی۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ کا قول یہ ہے کہ قسم نہ ہوگی۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے

چھٹا مسئلہ امام ابوحنیفہ رضہ کا قول اور امام احمد رضہ کی دو روایتوں میں سے ایک یہ ہے کہ اگر کسی نے کہا کہ واللہ یا ایم اللہ تو وہ قسم ہو گئی خواہ قسم کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو حالانکہ امام احمد رضہ کی دوسری روایت یہ ہے کہ اگر قسم کی نیت نہ کی ہو تو قسم نہ ہوگی اور یہی بعض اصحاب امام شافعی رضہ کا قول ہے۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرے میں کچھ تخفیف ہے۔

ساتواں مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ اگر مصحف (قرآن شریف) کی قسم کھائی تو قسم ہو جائے گی۔ اور حانث ہونے کی صورت میں کفارہ لازم ہوگا۔ بلکہ ابن عبد البر رضہ نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ حالانکہ بعض کا قول یہ ہے کہ مصحف کے ساتھ قسم کھانے میں قسم نہیں ہوتی۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرے میں کچھ تخفیف ہے۔ پہلے قول کی وجہ اس پر اجماع ہونا ہے کہ دو نوں دفتیوں کے درمیان خدا تعالیٰ کا کلام ہے اور خدا کا کلام اس کی ایک صفت ہے منجملہ جمیع صفات کے جو اُس کی ذات کے ساتھ قائم ہے نہ ورق کے ساتھ اور اس صورت میں جو ہتک عزت ہے وہ پوشیدہ نہیں اور حق یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے کلام کے واسطے موجودات اربع میں اطلاق حقیقیہ میں نہ مجازیہ۔

اٹھواں مسئلہ امام مالک رضہ اور امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر کسی نے قرآن شریف کی قسم کھائی اور پھر

نہ اترا تو صرف ایک کفارہ لازم ہوتا ہے۔ حالانکہ امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ اُسپر ہر آیت کے بدلہ میں ایک کفارہ لازم ہوگا۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ تمام قرآن شریف ایک صفت ہے کیونکہ اُس میں کی کوئی آیت دوسری سے منفصل (جُدا) نہیں ہے وجہ یہ کہ یہ بات خدا تعالیٰ پر محال ہے اس لئے کہ خدا تعالیٰ کا کلام بعد سکوت کے نہیں ہوتا۔

دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ ہر آیت پر صفت کا اطلاق ہوتا ہے۔

نواں مسئلہ

امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر کسی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قسم کھائی تو اُس کی قسم منعقد ہوگئی پس اگر وہ حانث ہوگیا تو اُسپر کفارہ لازم ہوگا حالانکہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ قسم منعقد نہ ہوگی۔ اور نہ اُس پر کفارہ لازم ہوگا۔ پس پہلا قول مشدد اور اُن خواص کے ساتھ مخصوص ہے جو خدا تعالیٰ کے ارشاد کے رازسے واقف ہیں کہ (ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ) ترجمہ "جو لوگ آپ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) سے بیعت کرتے ہیں وہ (درحقیقت) خدا تعالیٰ سے بیعت کرتے ہیں" اور اس کے کہ (من یطع الرسول فقد اطاع اللہ) "جس نے رسول کی اطاعت کی اُس نے خدا تعالیٰ کی اطاعت کی" اور دوسرا قول مخفف اور اُن معمولی لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے جو اُس راز سے ناواقف ہیں۔

دسواں مسئلہ

امام ابوحنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ کافر کی قسم منعقد نہیں ہوتی۔ حالانکہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ منعقد ہوجاتی ہے۔ اور حانث ہوجانے سے کفارہ لازم ہوتا ہے۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ کافر کو حق تعالیٰ کی عظمت و جلال پہچاننے میں کوئی حصہ نہیں ملا بلکہ وہ اُس سے ناواقف ہے اور کفارہ صرف اُس شخص پر لازم ہوا کرتا ہے جو اُس کی کسی قسم کی عظمت کو جانتا ہو۔

اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ کسی نہ کسی اعتبار سے اُس کو کافر جانتا ہی ہے کیونکہ اُس نے اس کو پیدا کیا ہے وہی رزق دیتا ہے۔

گیارھواں مسئلہ

امام ابوحنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ کفارہ حانث ہونے سے پہلے کبھی ادا نہیں ہوتا محض حانث ہونے کے بعد ہی ادا کفارہ صحیح ہے۔ حالانکہ امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ اُس حانث ہونے پر مقدم کرنا درست ہے جو مباح ہو اسی طرح امام مالک رضہ کی دو روایتوں میں سے ایک روایت اور امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ ہر صورت میں مقدم کرنا جائز نہیں۔ پس پہلے قول میں کچھ تشدید اور دوسرا مفصل اور تیسرا مخفف ہے۔

بارھواں مسئلہ

امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ جب حانث ہونے سے پہلے کفارہ ادا کرے تو یا روزے رکھے یا غلام آزاد کرے یا کھانا کھلائے یہ تینوں برابر ہیں کچھ تفریق نہیں۔ حالانکہ امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ روزے رکھنا (کفارہ کے) حنث سے قبل درست نہیں اور ان کے سوا اور چیزوں سے کفارہ ادا کرنا درست ہے پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مفصل ہے۔

پہلے قول کی وجہ کفارہ اختیار کا وارد ہونا ہے (کہ جس طرح چاہے ادا کرے) اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ روزوں کے ساتھ کفارہ ادا کرنے کے فقرا کو کچھ نفع نہیں پہونچتا۔ برخلاف غلام آزاد کرنے اور کھانا کھلانے کے۔

تیرھواں مسئلہ

امام ابوحنیفہ رضہ اور امام مالک رضہ کا قول اور امام احمد رضہ کی دو روایتوں میں سے ایک یہ ہے کہ قسم لغو (جس کی تعریف یہ ہے) کہ آدمی کسی ایسی بات پر قسم کھا دے جسے اپنے ذہن میں ویسا ہی سمجھتا ہو (مثلاً زید کو یہ سمجھتا ہے کہ کھڑا ہے اور اسپر قسم کھا دے) بعد میں اُس کا خلاف ظاہر ہو خواہ قصد کرکے قسم کھا دے یا بلا قصد

سبقت زبانی سے نکل جائے اور خواہ وہ بات گذری ہوئی ہو یا زمانہ حال میں ہو۔ حالانکہ امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ وہ بات گذری ہوئی ہونی چاہئے۔ اور امام شافعی رضہ نے فرمایا ہے کہ قسم لغو وہ ہے جس کا عقد نہ کیا جائے جس طرح یوں کہدے کہ لا واللہ یا بلیٰ واللہ محاورے کے طریق پر یا غصہ کی حالت میں اور قصد بالکل نہ ہو خواہ امر گذشتہ ہو یا آیندہ ہے اور امام مالک رضہ اور امام احمد رضہ سے بھی یہی منقول ہے۔ پس پہلا اور دوسرا قول مخفف اور دوسرے میں کچھ تشدید ہے۔

چودھواں مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ قسم لغو میں نہ گناہ ہوتا ہے نہ کفارہ۔ حالانکہ امام احمد رضہ کا قول ہے کہ اس میں گناہ ہوتا ہے۔ اور اسی وجہ سے امام شافعی رضہ کا قول ہے کہ میں حق تعالیٰ کی کبھی قسم نہیں کھاتا نہ بڑی نہ چھوٹی۔ پس پہلا قول مخفف اور عوام الناس کے ساتھ خاص ہے اور دوسرا قول مشدد بڑے بڑے علماء صلحاء کے ساتھ مخصوص ہے۔

پندرھواں مسئلہ امام ابو حنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر کسی نے اپنی بیوی پر دوسری عورت سے نکاح کرنے کی قسم کھائی تو صرف عقد کر لینے سے پورا اتر جائے گا۔ حالانکہ امام مالک رضہ اور امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ دو شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے ایک تو اُس کے ساتھ ہمبستر ہو، دوسرے یہ کہ دوسری عورت پہلی عورت جیسی حسین ہو۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرے میں کچھ تشدید ہے

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ نکاح کرنا جس عورت سے بھی ہو صرف عقد سے پایا گیا۔

دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ نکاح کرنے سے غرض پہلی بیوی کو عار اور غیرت دلانا ہے (اور وہ بلا ہمبستری اور خوبصورتی میں مثل ہونے کے حاصل نہیں ہو سکتا)۔

سولھواں مسئلہ امام مالک رضہ اور امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر کسی نے قسم کھائی کہ بخدا میں زید کا پانی نہ پیونگا۔ اور مقصود یہ ہو کہ کسی قسم کا نفع اُس سے نہ اٹھاونگا تو اُس کے مال میں سے کسیقدر کے ساتھ بھی نفع اٹھائے گا تو حانث ہو جائے گا خواہ وہ نفع کھانے کا ہو یا پانی پینے کا ہو۔ یا کسی شے کو عاریۃً لے لینے کا یا دُس کے جانور پر سوار ہونے کا یا ان کے سوا کوئی دوسرا نفع ہو۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رضہ اور امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ صرف اسی انتفاع سے حانث ہوگا جس کو پانی پینے کا لفظ شامل ہو۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے۔ اور شاید دونوں صورتوں میں عمل قرینہ پر ہے۔

سترھواں مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ اگر یہ قسم کھائی کہ میں اس گھر میں نہ رہونگا اور وہ اُسی میں رہا کرتا ہے۔ پھر خود تو اُس میں سے نکل گیا لیکن اُس کے اہل وعیال اور ساز وسامان سب اُسی میں رہے تو وہ قسم میں پورا نہ اُترے گا جب تک اپنے اہل وعیال وسامان وغیرہ کے ساتھ نہ نکلے۔ حالانکہ امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ صرف اپنے نکل جانے سے پورا اُتر جائے گا۔ پس پہلا قول حانث ہونے میں مشدد اور دوسرا اُس میں مخفف ہے

اٹھارھواں مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ اگر کسی نے قسم کھائی کہ میں فلاں آدمی کے گھر میں داخل نہ ہونگا۔ پس اُس کی چھت یا دیوار پر کھڑا ہو گیا اور راستہ کی جانب سے اُس گھر کی کسی کوٹھری میں داخل ہو گیا تو حانث ہو جائے گا۔ حالانکہ امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ حانث نہ ہوگا۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے۔ پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ اُس شخص کا گھر میں استقرار پایا گیا۔ دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ چھت یا دیوار پر کھڑے ہونے کو داخل ہونا نہیں بولتے۔ بلکہ عادۃً داخل ہونا ایسی جگہ گھس جانے کو بولتے ہیں جہاں سکونت ہوتی ہو اور وہاں رہنے میں مشقت بھی نہ ہو اور جو دیوار یا چھت پر کھڑا ہو اُس پر جو مشقت ہے وہ ظاہر ہے۔

اُنیسواں مسئلہ

امام مالک رضہ اور امام شافعی رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ اگر کسی نے کہا میں زید کے اس گھر میں نہ داخل ہونگا بعد میں زید نے اُس کو فروخت کر دیا پھر وہ شخص اُس میں داخل ہوا تو حانث ہو جائے گا حالانکہ امام ابو حنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ حانث نہ ہو گا۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے۔ پہلے قول کی وجہ اشارہ کو غالب رکھنا ہے۔ دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ قسم کھانے والے کا مقصود یہ ہے کہ جب تک یہ گھر زید کی مِلک میں رہے گا تب تک اِس میں داخل نہ ہونگا۔ (مثلاً زید سے عداوت ہو)

بیسواں مسئلہ

امام ابو حنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر قسم کھائی کہ اس بچہ سے نہ بولونگا پھر وہ بوڑھا ہو گیا یا کہا کہ بھیڑ کے اس بچہ کو نہ کھاؤنگا پھر وہ پورا مینڈھا ہو گیا۔ یا کہا کہ اس گدر کھجور کو نہ کھاؤنگا پھر وہ پختہ کھجور ہو گئی۔ یا کہا کہ اِس پختہ کھجور کو نہ کھاؤنگا پھر وہ چھوارا ہو گیا یا کہا کہ اس چھوارے کو نہ کھاؤنگا پھر وہ سرکہ بنگیا یا کہا کہ اس گھر میں نہ داخل ہونگا پھر وہ میدان ہو گیا تو مینڈھے اور نابالغ بچہ اور میدان کے قسموں میں حانث ہو جائے گا اوروں میں نہیں۔ اور امام شافعی رضہ کے دو قولوں میں سے ایک یہی ہے۔ حالانکہ امام مالک رضہ اور امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ تمام صورتوں میں حانث ہو جائے گا پس پہلے قول میں تخفیف اور دوسرے میں تشدید ہے۔

اکیسواں مسئلہ

تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ اگر کسی نے قسم کھائی کہ کسی کوٹھری میں داخل نہ ہونگا پھر مسجد یا حرم شریف میں داخل ہوا تو وہ حانث نہ ہو گا۔ حالانکہ امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ حانث ہو جائے گا۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔ پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ مسجد اور حرم پر کوٹھری کا اطلاق غالب نہیں۔ دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ حدیث شریف میں مسجد پر کوٹھری کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ (البتہ مسجد ہر پرہیز گاری کی کوٹھری (گھر) ہے۔) اور حرم مسجد کے ساتھ ملحق ہے

بائیسواں مسئلہ

امام ابو حنیفہ رضہ کا قول اور امام مالک رضہ کے مذہبی قوانین کا مقتضی یہ ہے کہ اگر قسم کھائی کہ کسی کوٹھری میں نہ رہونگا پھر بالوں یا کھال کے گھر یا خیمہ میں رہا۔ حالانکہ آدمی شہری تھا تو حانث نہ ہوا اور اگر دیہاتی تھا تو حانث ہو گیا۔ حالانکہ امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ شہری ہو یا گاؤں کا حانث ہو جائے گا۔ پس پہلا قول مفصل اور دوسرے میں کچھ تشدید ہے۔

تیئیسواں مسئلہ

امام ابو حنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر یہ قسم کھائی کہ فلاں کام نہ کرونگا پھر اُس کے کرنے کو کسی کو حکم کر دیا تو اگر وہ نکاح یا طلاق تھا تو حانث ہو جائے گا۔ اور اگر بیع یا اجارہ تھا تو حانث نہ ہو گا۔ مگر اُس وقت کہ اُس کی عادت ان کاموں کی خود کرنے کی ہو تو بہر صورت حانث ہو جائے گا۔ حالانکہ امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ جب تک خود ان کاموں کو نہ کرے گا حانث نہ ہو گا۔ اسی طرح امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر وہ شخص بادشاہ یا اُن لوگوں میں سے ہو جو ایسے کام عادۃً خود نہیں کرتے تو حانث ہو گا ورنہ نہیں۔ اسی طرح امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ ہر صورت میں حانث ہو جائے گا۔ پس پہلا قول مفصل اور دوسرا مخفف اور تیسرا مفصل ہے اور چوتھا مشدد۔

چوبیسواں مسئلہ

تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ اگر کسی نے قسم کھائی کہ فلاں آدمی کا قرض کل ضرور ادا کر دونگا اور ادا کر دیا کل سے پہلے تو حانث نہ ہو گا۔ حالانکہ امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ حانث ہو جائے گا۔ اور اگر قرض خواہ کل کا دِن آنے سے پہلے مر جائے تو امام ابو حنیفہ رضہ اور امام احمد رضہ کی نزدیک

حانث ہوجائے گا۔ اور امام شافعی رحہ کا قول یہ ہے کہ حانث نہ ہوگا۔ اور امام مالک رحہ کا قول یہ ہے اگر (مرجانے کی صورت میں) کل کے دن قاضی یا میت کے وارث کو ادا کر دیا تو حانث نہ ہوگا اور اگر تاخیر کر دی تو حانث ہوگا۔ پس اصل مسئلہ میں سے پہلا قول مخفف اور دوسرا اُس میں سے مشدد ہے جس طرح دوسرے مسئلہ میں پہلا قول اور دوسرا مخفف ہے اور تیسرا مفصل

پچیسواں مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ زبردستی کئے ہوئے آدمی کی قسم منعقد نہیں ہوتی۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ کا قول یہ ہے کہ منعقد ہوجاتی ہے اور کہا گیا ہے کہ امام احمد رحہ کی اس مسئلہ میں کوئی تصریح نہیں پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔

پہلے قول کی وجہ ظاہر ہے۔ اور دوسرے قول کی وجہ اس کے اندر تھوڑے سے اختیار کا پایا جانا ہے۔ کیونکہ زبردستی کرنے والے نے اس کو اختیار دیا کہ یا تو قسم کھایا اس ضرر کو برداشت کر جو میں پہونچاؤں تو اُس نے قسم کو اختیار کیا اور اولیٰ یہ تھا کہ ضرر کو اختیار کرتا حق تعالیٰ کے دربار کو عظیم الشان جانکر جیسا کہ اکابر علماء کا شیوہ ہے

چھبیسواں مسئلہ امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحہ کا قول یہ ہے کہ اگر وہ کام جس پر قسم کھائی ہو بھول کر ہوجائے تو ہر صورت میں حانث ہوجائے گا خواہ قسم خدا تعالیٰ کے ساتھ ہو یا طلاق و آزادی غلام یا ظہار کے ساتھ۔ حالانکہ امام شافعی رحہ کے دو قولوں میں سے اظہر یہ ہے کہ کسی صورت میں حانث نہ ہوگا۔ اسی طرح امام احمد رحہ کی دو روایتوں میں سے ایک یہ ہے کہ اگر خدا تعالیٰ یا ظہار کے ساتھ قسم کھائی ہو تو حانث نہ ہوگا اور اگر طلاق یا آزادی غلام کے ساتھ کھائی ہو تو حانث ہوجائے گا۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف اور تیسرا مفصل ہے

ستائیسواں مسئلہ امام ابوحنیفہ اور امام احمد رحہ کا قول یہ ہے کہ اگر یہ قسم کھائی کہ اس پیالہ کا پانی کل ضرور پیونگا۔ پھر کل سے پہلے اس میں کا پانی گرا دیا گیا تو حانث نہ ہوگا۔ حالانکہ امام مالک رحہ اور امام شافعی رحہ کا قول یہ ہے کہ اگر کل سے پہلے مجبوراً ضائع ہوگیا تو حانث نہ ہوگا۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مفصل ہے۔

اٹھائیسواں مسئلہ امام ابوحنیفہ اور امام احمد رحہ کا قول یہ ہے کہ اگر کسی نے کہا کہ قسم بخدا فلاں شخص سے کسی وقت بات نہ کرونگا اور معین بات کی نیت کی نہیں تو اگر چھ مہینے سے پہلے بات کی تو حانث ہوجائے گا۔ اور امام شافعی نے ایک گھڑی کو فرمایا ہے۔ پس پہلے قول میں تخفیف اور دوسرے میں تشدید اور تیسرا مخفف ہے۔

انتیسواں مسئلہ امام ابوحنیفہ رحہ کا قول اور امام شافعی رحہ کا جدید قول یہ ہے کہ اگر کسی نے قسم کھائی کہ فلاں سے بات نہ کرونگا پھر اُس سے خط و کتابت کی۔ ہاتھ، یا آنکھ، یا سر کے اشارہ سے (بات کی) تو حانث نہ ہوگا حالانکہ امام مالک رحہ کا قول یہ ہے کہ خط و کتابت میں حانث ہوجاتا ہے اور اشارہ سے بات کرنے میں دونوں روایتیں ہیں۔ اسی طرح امام احمد رحہ کا قول اور امام شافعی رحہ کا قول قدیم یہ ہے کہ حانث ہوجائے گا۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرے میں کچھ تخفیف اور تیسرا مشدد ہے۔ اور تینوں اقوال کی وجوہ ذہین آدمی پر پوشیدہ نہیں۔

تیسواں مسئلہ امام ابوحنیفہ رحہ کا قول یہ ہے کہ اگر کسی نے اپنی بیوی کو کہا کہ اگر تو میری بلا اجازت نکلی تو تجھے طلاق ہے اور نیت کی کسی خاص نکلنے کی تو عمل موافق نیت کے ہوگا اور اگر نیت کچھ نہیں کی اور کہدیا کہ اگر تو میری بلا اجازت نکلی تو تجھے طلاق ہے۔ پس ہر مرتبہ نکلنے کے لئے اجازت ضروری ہے اور اگر یوں کہا کہ مگر یہ کہ میں اجازت دیدوں تو صرف ایک مرتبہ کا اجازت دیدینا کافی ہے۔ اور اسی وجہ سے اگر مرد نے اسی صورت میں حق تعالے کے ساتھ قسم کھائی تو اُسی کا قول معتبر ہوگا۔ حالانکہ امام مالک رحہ اور امام شافعی رحہ کا قول یہ ہے کہ صرف پہلی بار نکلنے کے لئے اجازت

کی ضرورت ہے اور امام ابوحنیفہ رض کا قول یہ ہے کہ تمام ہی اجازت کی ضرورت ہے۔ اور تینوں اماموں کا قول ہے کہ اگر اپنی بیوی کو اس طرح اجازت دیدی کہ اُس نے نہ سنا تو یہ اجازت نہ ہوئی۔ حالانکہ امام شافعی رض کا قول یہ ہے کہ اجازت صحیح ہوگئی اور اس باب کے شروع میں پہلے مسئلہ میں چاروں اماموں کے اتفاق کا قصہ گذر چکا ہے پس اُس میں کا پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے اور دوسرے میں کا پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے۔

اکتیسواں مسئلہ

امام مالک رض اور امام احمد رض کا قول یہ ہے کہ اگر کسی نے قسم کھائی کہ سریاں نہیں کھاؤنگا اور کسی خاص سری کی نیت نہیں کی بلکہ مطلق رکھا اور نہ کوئی اور ذریعہ تعیین پر دلالت کرنے والا پایا گیا تو یہ لفظ ہر اُس سری پر محمول ہوگا جسکو لغت میں حقیقۃً سری بولتے ہونگے خواہ چوپایوں کی ہو یا پرندوں کی یا مچھلیوں کی حالانکہ امام ابوحنیفہ رض کا قول یہ ہے کہ صرف بکری اور گائے کی سری پر محمول ہوگا۔ اسی طرح امام شافعی رض کا قول یہ ہے کہ گائے اور اونٹ اور بکریوں کی سری پر محمول ہوگا۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف اور تیسرے میں کچھ تخفیف ہے۔

بتیسواں مسئلہ

امام مالک رض اور امام احمد رض کا قول یہ ہے کہ اگر اس طرح قسم کھائی کہ زید کو سَو کوڑے مارونگا پھر ایک ایسی لکڑی ماری جس میں سَو شاخیں تھیں تو پورا نہ اُترے گا۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رض اور امام شافعی رض کا قول یہ ہے کہ پورا اُتر جائے گا۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے۔ اور دونوں قولوں کی وجہ ظاہر ہے۔ اور شاید پہلا قول اہل تقویٰ کے حال پر محمول ہے اور دوسرا معمولی لوگوں پر جو ضرورتمند اصحاب ہیں جسطرح سیدنا ایوب علیہ السلام کا واقعہ ہے۔

تینتیسواں مسئلہ

تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ اگر کسی نے قسم کھائی کہ فلاں شخص کو ہبہ نہ کرونگا پھر اُس کو صدقہ دیدیا تو حانث ہو جائے گا۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رض کا قول یہ ہے کہ حانث نہ ہوگا۔ اور دونوں قولوں کی وجہ ظاہر ہے۔

چونتیسواں مسئلہ

تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ اگر کسی نے قسم کھائی کہ فلاں آدمی کو ضرور قتل کرونگا اور اُس کو معلوم ہے کہ وہ آدمی مردہ ہے تو حانث ہو جائے گا۔ حالانکہ امام مالک رض کا قول یہ ہے کہ بالکل حانث نہ ہوگا خواہ جانتا ہو (کہ مردہ ہے) یا نہ جانتا ہو۔

پینتیسواں مسئلہ

امام ابوحنیفہ رض کا قول یہ ہے کہ اگر کسی نے قسم کھائی کہ میرے پاس کچھ مال نہیں اور اُس کا دوسروں پر قرض ہے تو حانث نہ ہوگا۔ حالانکہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ حانث ہو جائے گا پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے۔

اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ قرض معدوم کے حکم میں ہے۔

اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ وہ موجود کے حکم میں ہے اس دلیل سے کہ اُس کے ساتھ کسی دوسرے کو حوالہ کرنا درست ہوتا ہے (کہ مثلاً اپنے قرض خواہ سے کہدے کہ میرا جو فلانپر قرض ہے اُس سے لے لے) اور زکوٰۃ بھی اُس میں لازم ہوتی ہے۔

چھتیسواں مسئلہ

امام ابوحنیفہ رض کا قول یہ ہے کہ اگر کسی نے قسم کھائی کہ کوئی میوہ نہ کھاؤنگا پھر پختہ کھجور یا انگور یا انار کھالیا تو حانث نہ ہوگا۔ حالانکہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ حانث ہو جائے گا۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ عطف غیریت کو تقاضا کرتا ہے اور حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ فیہما فاکھۃ ونخل ورمان

ترجمہ "اُن کے اندر میوے اور کھجوریں اور انار ہیں"

دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ میوے سے مراد ہر وہ چیز ہے جس سے ذائقہ درست کیا جائے یا مزا لینے کے لئے اس کو کھایا جائے (اس لئے وہ چیزیں خارج ہیں) جو رزق بنائی جاتی ہوں یا سالن ترکاری ہو اور کھجوریں انار اس میں داخل ہیں۔

۳۷ سینتیسواں مسئلہ امام ابوحنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر کسی نے قسم کھائی کہ سالن نہ کھاؤنگا۔ پھر گوشت یا پنیر یا انڈے کھائے تو حانث نہ ہوگا جب تک شوربا نہ کھا دے۔ حالانکہ تینوں اماموں کا قول ہے کہ ہر شئے کے کھانے سے (گوشت اور شوربا) حانث ہو جائے گا۔ پس پہلے قول میں کچھ تخفیف اور دوسرا اشد ہے اور دونوں قولوں کی وجہ ذہین آدمی پر پوشیدہ نہیں۔

۳۸ اڑتیسواں مسئلہ امام ابوحنیفہ رضہ اور امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر کسی نے قسم کھائی کہ گوشت نہ کھاؤں گا پھر مچھلی کھالی تو حانث نہ ہوگا۔ حالانکہ بعض اماموں کا قول یہ ہے کہ حانث ہو جائے گا۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا اشد ہے۔ اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے قرآن شریف میں مچھلی کو گوشت فرمایا ہے۔

۳۹ انتالیسواں مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ اگر کسی نے قسم کھائی کہ گوشت نہ کھاؤں گا پھر چربی کھالی تو حانث نہ ہوگا۔ حالانکہ امام مالک رحہ کا قول یہ ہے کہ حانث ہو جائے گا۔ پس پہلے قول میں کچھ تخفیف ہے کیونکہ چربی خالص گوشت نہیں بلکہ روغن کے ساتھ مخلوط ہے۔ اور دوسرا قول مشدد ہے کیونکہ چربی اصل گوشت ہی ہے۔ مگر چونکہ چوپایہ کے اندر موٹا پا آگیا اسلئے اس میں چکناہٹ آگیا ہے۔

۴۰ چالیسواں مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ اگر کسی نے قسم کھائی کہ چربی نہ کھاونگا پھر پشت کی چربی کھالی تو حانث ہو جائے گا۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رحہ کا قول یہ ہے کہ حانث نہ ہوگا۔ پس پہلے قول میں کچھ تشدید ہے اور اہل دین و تقوے کے ساتھ خاص ہے۔ اور دوسرا قول مخفف اور معمولی لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ چربی کا لفظ پشت کی چربی کو بھی شامل ہے۔

اور دوسرے قول کی وجہ شامل نہ ہونا ہے۔

۴۱ اکتالیسواں مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ اگر کسی نے قسم کھائی کہ گلاب نہ سونگھوں گا پھر اس کا تیل سونگھ لیا تو وہ حانث ہو جائے گا۔ حالانکہ امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ حانث ہو جائے گا۔ پس پہلے قول میں کچھ تشدید اور دوسرے میں تخفیف ہے۔

۴۲ بیالیسواں مسئلہ امام ابوحنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر کسی نے قسم کھائی کہ اس غلام سے خدمت نہ لونگا۔ پھر غلام نے خود خدمت کی بغیر اُس کے طلب کئے لیکن وہ چُپ رہے کہ خدمت کرنے سے منع بھی نہ کرے۔ پس اگر قسم کھانے سے پہلے وہ خدمت نہیں کیا کرتا تھا اور اب اس کے حکم کے بغیر خدمت کی ہے تو حانث نہ ہوگا۔ اور اگر قسم سے پہلے خدمت لیا کرتا تھا اور وہ ابتک خدمت پر باقی رہا تو حانث ہو جائے گا۔ حالانکہ امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ دوسرے کے غلام سے خدمت لینے میں حانث نہ ہوگا۔ اور خود اپنے غلام سے خدمت لینے میں اصحاب امام شافعی رضہ کے دونوں قول ہیں۔ اسی طرح امام مالک رضہ اور امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ ہر صورت میں حانث ہو جائے گا۔ پس پہلا قول مفصل ہے۔ اسی طرح دوسرا اور تیسرا اشد ہے۔

۴۳ تینتالیسواں مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ اگر کسی نے قسم کھائی کہ کلام نہ کرونگا۔ پھر قرآن شریف پڑھا تو کسی صورت

میں حانث نہ ہوگا۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رضؓ کا قول یہ ہے کہ اگر نماز میں قرآن شریف پڑہا تو حانث نہ ہوگا اور اگر دوسرے وقت پڑھا تو حانث ہوجائے گا۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مفصل ہے۔ پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ قرآن شریف پڑھنا قرب خداوندی کا ذریعہ ہے لہذا نیت کا اُس کو شامل ہونا مناسب نہیں اور تفصیل کی دونوں شقوں میں سے پہلے قول کی وجہ یہ ہے کیونکہ نماز میں قرآن شریف پڑھنے کا تاکیدی حکم ہے برخلاف خارج از نماز قرآن شریف پڑھنے کے (کہ اُس کا حکم تاکیدی نہیں)

مسئلہ چونتالیسواں

امام ابو حنیفہ رضؓ کا قول اور امام شافعی رضؓ اور امام احمد رضؓ کے دو قولوں میں سے ایک یہ ہے کہ اگر کسی نے قسم کھائی کہ فلاں شخص کے پاس اُس کے گھر میں داخل نہ ہونگا۔ پھر وہ شخص قسم کھانے والے کے پاس لایا گیا اور اُس کے پاس دیر تک ٹھیرا رہا تو حانث نہ ہوگا۔ حالانکہ امام مالک رضؓ کا قول اور امام احمد رضؓ اور امام شافعی رضؓ کا دوسرا قول یہ ہے کہ حانث ہوجائے گا۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے

مسئلہ پینتالیسواں

امام مالک رضؓ کا قول یہ ہے کہ اگر کسی نے قسم کھائی کہ فلاں آدمی کے ساتھ اُس خاص گھر میں نہ رہونگا پھر دونوں نے اُس گھر کو تقسیم کرلیا اور درمیان میں ایک دیوار حائل کرلی اور ہر ایک کا دروازہ وغیرہ علیحدہ ہوگیا اور ہر ایک، ایک ایک جانب رہنے لگا تو حانث ہوجائے گا۔ حالانکہ امام شافعی رضؓ اور امام احمد رضؓ کا قول یہ ہے کہ حانث نہ ہوگا اور امام ابو حنیفہ رضؓ سے دونوں روایتیں منقول ہیں۔ پس پہلے قول میں تشدید ہے اور وہ تقویداروں کے ساتھ خاص ہے اور دوسرے قول میں تخفیف ہے اور وہ معمولی درجہ کے لوگوں کے ساتھ خاص ہے اور تیسرے قول میں سے ہر روایت کی ایک وجہ ہے۔ پس امام ابو حنیفہ رضؓ نے اس مسئلہ میں تو رعاً کوئی ایک حکم یقینی نہیں لگایا۔

مسئلہ چھیالیسواں

امام ابو حنیفہ رضؓ کا قول یہ ہے کہ اگر مولیٰ نے کہا میرے تمام غلام آزاد ہیں تو اُس میں غلام مدبر، اور ام ولد اور مکاتب بھی امام موصوف کی ایک روایت کے مطابق داخل ہونگے اور یہی امام شافعی رضؓ کا قول ہے۔ حالانکہ امام مالک رضؓ کا قول یہ ہے کہ اس میں مکاتب داخل ہوگا اور وہ بھی جس کے کچھ حصہ کا مالک ہو۔ اور امام ابو حنیفہ رضؓ سے دوسری روایت یہ ہے کہ مکاتب بغیر نیت کے داخل نہ ہوگا اور وہ غلام جس کے کچھ حصہ کا مالک ہو۔ بالکل داخل نہ ہوگا۔ اسی طرح امام احمد رضؓ کا قول یہ ہے کہ تمام داخل ہونگے اور امام موصوف سے دوسری روایت یہ ہے کہ وہ غلام جس کے کچھ حصہ کا مالک ہو وہ بلا نیت داخل نہ ہوگا۔ پس پہلے قول میں تشدید اور دوسرا مشدد اور تیسرا مفصل ہے۔

مسئلہ سینتالیسواں

امام ابو حنیفہ رضؓ اور امام احمد رضؓ کا قول یہ ہے کہ کفارہ کے اندر لگاتار تین روزے واجب ہیں حالانکہ امام مالک رضؓ کا قول یہ ہے کہ لگاتار واجب نہیں اور امام شافعی رضؓ کا مذہب راجح بھی یہی ہے

مسئلہ اڑتالیسواں

امام مالک رضؓ کا قول یہ ہے کہ ہر مسکین کو کھانا کھلانے کی مقدار ”ایک مُد ہے“ اور وہ بغدادی تول سے دو رطل ہوتے ہیں اور کچھ سالن بھی ہونا چاہئے۔ پس اگر ایک مُد ہی پر اکتفا کیا تو بھی صحیح ہوگا حالانکہ امام ابو حنیفہ رضؓ کا قول یہ ہے کہ اگر گیہوں دے تو مقدار نصف صاع ہے۔ اور اگر جو یا کھجور دیوے تو پورا صاع ہے۔ اسی طرح امام احمد رضؓ کا قول یہ ہے کہ گیہوں یا اُن کا آٹا ہو تو ایک مُد واجب ہے۔ اور اگر جو یا چھوارے دے تو دو مُد واجب ہیں۔ اور اگر روٹی دے تو دو رطل لازم ہیں اسی طرح امام شافعی رضؓ کا قول یہ ہے کہ ہر مسکین کو ایک مُد دینا ضروری ہے۔ پس پہلے قول میں سالن کی وجہ سے تشدید ہے اور دوسرا مفصل اور تیسرا مخفف ہے۔ اسیطرح اُس کی

بعد کا۔

٤٩ انچاسواں مسئلہ

امام مالک رحمۃ اور امام احمد رحمۃ کا قول یہ ہے کہ جوڑا دینے میں ادنیٰ درجہ اُس کا واجب ہے جسکے ساتھ نماز صحیح ہو جائے تو مرد کے واسطے ایک چادر ایک کرتہ یا تہبند ہے اور عورت کے لئے کرتہ اور چادر ہے۔ اسی طرح امام ابو حنیفہ رحمۃ اور امام شافعی رحمۃ کا قول یہ ہے کہ ادنیٰ درجہ اُس کا واجب ہے جسکو جوڑا کہہ سکیں۔ اور امام ابو حنیفہ رحمۃ کی دوسری روایت میں کم از کم ایک قبا یا کرتہ یا بڑی چادر یا چھوٹی چادر ہے اور عمامہ اور رومال اور پاجامہ اور تہبند میں امام موصوف سے دونوں روایتیں منقول ہیں۔ اسی طرح امام شافعی رحمۃ کا قول یہ ہے کہ یہ تمام کافی ہوتے ہیں۔ یہانتک کہ اصحاب امام موصوف کی ایک جماعت کے نزدیک ٹوپی بھی کافی ہوتی ہے۔ پس پہلا قول مفصل اور دوسرا مخفف ہے۔ اسی طرح اُس کے بعد کا۔

٥٠ پنجاسواں مسئلہ

تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ کفارہ قسم ایسے صغیر السن بچہ کو دینا درست ہے جو کھا سکتا ہو حالانکہ امام احمد رحمۃ کا قول یہ ہے کہ درست نہیں۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے اور دونوں قولوں کی وجہ ظاہر ہے کہ ذہن پر پوشیدہ نہیں۔

٥١ اکیاونواں مسئلہ

امام ابو حنیفہ رحمۃ اور امام احمد رحمۃ کا قول یہ ہے کہ پانچ مسکینوں کو کھانا کھلانا اور پانچ کو کپڑا پہنانا درست ہے حالانکہ امام مالک رحمۃ اور امام شافعی رحمۃ کا قول یہ ہے کہ درست نہیں۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔

پہلے قول کی وجہ خدا تعالیٰ اس ارشاد کو کہ (اطعام عشرۃ مساکین او کسوتھم) کو استحباب پر حمل کرنا ہے۔

دوسرے قول کی وجہ اس کو وجوب پر حمل کرنا ہے۔

٥٢ باونواں مسئلہ

امام ابو حنیفہ رحمۃ اور امام مالک رحمۃ کا قول اور امام احمد رحمۃ کی دو روایتوں میں سے ایک یہ ہے کہ اگر ایک یا متعدد اشیاء پر کئی بار قسم کھائی اور حانث ہوا تو ہر قسم کا کفارہ (علیحدہ) لازم ہو گا۔ مگر امام مالک رحمۃ نے تاکید کے قصد کا اعتبار کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے کہ اگر تاکید مقصود ہے تو صرف ایک کفارہ لازم ہو گا۔ اور اگر تکرار سے جدا جدا قسم مقصود ہے تو وہ متعدد قسمیں ہونگی۔ حالانکہ امام شافعی رحمۃ اور امام احمد رحمۃ کا دوسرا قول یہ ہے کہ اُس پر صرف ایک کفارہ لازم ہے۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا قول تفصیل کی دو شقوں میں سے ایک کے اندر مخفف ہے۔

٥٣ ترپنواں مسئلہ

امام شافعی رحمۃ کا قول یہ ہے کہ غلام اگر روزوں کے ساتھ کفارہ ادا کرنا چاہے تو اگر اُس کے مولےٰ نے قسم کھانے اور اُس میں حانث ہو جانے کی اجازت دیدی تھی تو اب (اُس کو روزوں سے) منع نہیں کر سکتا اور نہ منع کر سکتا ہے۔ حالانکہ امام احمد رحمۃ کا قول یہ ہے کہ ہر صورت میں مولیٰ کو منع کا استحقاق ہے سوائے کفارہ ظہار کے کہ اُس میں کسی وقت منع کا استحقاق نہیں۔ پس پہلا قول مفصل اور دوسرا مشدد اور تیسرا مفصل ہے۔

اسی طرح چوتھا اور تینوں قولوں کی توجیہات ذہن پر پوشیدہ نہیں۔

٥٤ چونواں مسئلہ

امام ابو حنیفہ رحمۃ اور امام احمد رحمۃ کا قول یہ ہے کہ اگر کسی نے کہا کہ اگر میں ایسا کروں تو (نعوذ باللہ) کافر ہوں یا یہ کہ اسلام یا رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے بری (بیزار) ہوں اور اُس کام کو کر لیا تو حانث ہو جائے گا اور کفارہ لازم ہو گا۔ حالانکہ امام مالک رحمۃ اور امام شافعی رحمۃ کا قول یہ ہے کہ اُس پر کفارہ لازم نہیں پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے۔

پچپنواں مسئلہ

امام مالک رحمۃ اور امام شافعی رحمۃ کا قول یہ ہے کہ اگر کسی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی امانت کی قسم تو یہ

ہو گئی۔ حالانکہ دوسرے امام یہ کہتے ہیں کہ قسم نہ ہوئی۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے۔

چھپنواں مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ اگر کسی نے قسم کھائی کہ زیور نہ پہنونگی تو انگوٹھی پہننے سے حانث ہو جائیگی حالانکہ امام ابو حنیفہ رض کا قول یہ ہے کہ حانث نہ ہو گی جب تک کہ وہ سونے یا چاندی کی نہ ہو۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مفصل ہے۔

ستاونواں مسئلہ امام ابو حنیفہ رض اور امام شافعی رض کا قول یہ ہے کہ اگر کسی نے قسم کھائی کہ قسم بخدا یہ چپاتی نہ کھاونگا یا اس پیالہ کا پانی نہ پیونگا پھر اس میں سے تھوڑا سا پی لیا یا تھوڑی سی چپاتی کھالی یا یہ قسم کھائی تھی کہ فلانی عورت کے کاتے ہوئے کا کپڑا نہ پہنونگا پھر ایک کپڑا پہنا جس میں تھوڑا سا سوت اُس عورت کا کاتا ہوا تھا۔ یا یہ قسم کھائی تھی کہ اس گھر میں داخل نہ ہونگا۔ پھر اُس میں اپنا ایک پاؤں یا ہاتھ داخل کیا تو حانث نہ ہوگا۔ حالانکہ امام مالک اور امام احمد رض کا قول یہ ہے کہ حانث ہو جائے گا۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔

اٹھاونواں مسئلہ امام مالک رض اور امام احمد رض کا قول یہ ہے کہ اگر کسی نے قسم کھائی کہ آٹے کو نہ کھاؤنگا پس اُس سے پھانک لیا یا گوندکر روٹی پکائی اور کھالی تو حانث ہو جائے گا۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رض کا قول یہ ہے کہ اگر سفوف کے طور پر پھانک لیا تو حانث نہ ہوگا اور اگر روٹی پکا کر کھائی تو حانث ہو جائے گا۔ اسی طرح امام شافعی رض کا قول یہ ہے کہ اگر پھنکی لگائی تو حانث ہوگا اور اگر روٹی پکا کر کھائی تو حانث نہ ہوگا۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرے اور تیسرے میں تفصیل ہے

انسٹھواں مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ اگر کسی نے قسم کھائی کہ فلاں شخص کے گھر میں نہ رہونگا تو اُس میں کرایہ پر رہنے سے حانث ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر قسم کھائی کہ فلاں کے جانور پر سوار نہ ہونگا۔ پھر اُس کے غلام کے جانور پر سوار ہو گیا تو حانث ہو جائے گا۔ حالانکہ امام شافعی رض کا قول یہ ہے کہ اُس وقت حانث ہوگا کہ اُس کے غلام کے جانور پر بھی سوار نہ ہونے کی نیت کر لی ہو۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرے میں کچھ تخفیف ہے۔

ساٹھواں مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ اگر کسی نے قسم کھائی کہ دجلہ یا فرات یا دریائے نیل سے پانی نہ پیونگا پھر اُن میں سے لپ بھر کر یا کسی برتن میں لے کر پی لیا تو حانث ہو گیا۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رض کا قول یہ ہے کہ حانث نہ ہو گا جب تک اُن سے منہ لگا کر (جانور کی طرح) پانی نہ پیوے۔ پس پہلے قول میں تشدید اور دوسرے میں تخفیف ہے۔

اکسٹھواں مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ اگر کسی نے قسم کھائی کہ اس کنوے کا پانی نہ پیونگا۔ پھر اُس میں سے تھوڑا سا پی لیا تو حانث ہو جائے گا مگر اُس وقت کہ تمام پانی نہ پینے کی نیت کی ہو (تو تھوڑا سا پینے سے حانث نہ ہوگا) حالانکہ امام شافعی رض کا قول یہ ہے کہ حانث نہ ہوگا۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے۔

باسٹھواں مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ اگر کسی نے قسم کھائی کہ میں اپنی بیوی کو نہ مارونگا۔ پھر اُس کا گلا گھونٹ دیا یا منہ سے کاٹ لیا یا اُس کے بال اُکھیڑ ڈالے تو حانث ہو جائے گا۔ حالانکہ امام شافعی رض کا قول یہ ہے کہ حانث نہ ہو گا۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ دانتوں سے کاٹنے اور گلا گھونٹنے اور بال اُکھیڑ ڈالنے پر مارنے کا اطلاق ہوتا ہے۔ اس دلیل سے کہ ضرر (دونوں صورتوں میں) پہونچتا ہے۔

دوسرے قول کی وجہ اس بارہ میں عرف کی پیروی کرنی ہے کیونکہ عرف میں اس کو مارنا نہیں کہتے۔

تریسٹھواں مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ اگر کسی نے قسم کھائی کہ میں فلاں شخص کو کسی چیز کا ہبہ نہ کرونگا پھر اُس نے ہبہ کیا لیکن فلاں نے اُسے قبول نہ کیا تو حانث ہو گیا۔ حالانکہ امام شافعی رح کا قول یہ ہے کہ حانث نہ ہوگا مگر اسوقت کہ فلاں اُس کو قبول کرکے قبضہ بھی کرلے پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے۔

چونسٹھواں مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ اگر کسی نے قسم کھائی کہ بیع نہ کرونگا۔ پھر کسی چیز کو اس شرط پر فروخت کیا کہ مجھے اختیار رہے اگر چاہونگا تو بیع کو فسخ کر دونگا تو حانث ہو جائے گا۔ حالانکہ امام مالک رح کا قول یہ ہے کہ حانث نہ ہوگا۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے اور اُن تمام اقوال کی وجوہ ظاہر ہیں کہ ذہین پر پوشیدہ نہیں۔

پینسٹھواں مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ اگر کسی کے پاس مال ہو لیکن قبضہ میں نہ ہو یا کسی کے پاس قرض ہو اور پاس اسقدر مال نہ ہو جس سے خرید کر غلام آزاد کر دے یا کھانا کھلا دے یا کپڑا پہنا دے تو اُسے روزے رکھنے درست نہیں بلکہ اُس کے ذمہ کفارہ لازم رہے گا جب تک اُسے اپنا مال وصول نہ ہو بعد وصول ہونے کے مالی کفارہ ادا کرنا ہوگا روزے رکھنے سے کام نہ چلے گا۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رح کا قول یہ ہے کہ مال غائب (قبضہ میں نہ) ہونے کی صورت میں روزے رکھنے کافی ہونگے۔ پس پہلے قول میں کچھ تشدید اور دوسرے میں کچھ تخفیف ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب الیہ المرجع والمآب۔

باب عدتوں اور رحم کا خلو معلوم کر لینے کے بیان میں

مسائل اجماعیہ

اماموں کا اسپر اتفاق ہے کہ ہر حاملہ عورت کی عدت وضع حمل ہے خواہ اُس کا خاوند مر گیا ہو یا اُس نے طلاق دیدی ہو۔ اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ جس کو حیض آتا نہ ہو یا مایوس الولد ہو گئی ہو اس کی عدت تین ماہ ہیں۔ اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ ہیں۔ اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ وفات خاوند کی وجہ سے عدت گذارنے میں سوگ کرنا واجب ہے اور وہ زینت اور اُن امور کو ترک کرنے کا نام ہے جو نکاح کو تقاضا کریں۔ امام حسن رح اور شعبی رح کا خلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ واجب نہیں۔ اسی طرح اسپر بھی اتفاق ہے کہ جو شخص خرید لینے یا کسی کے ہبہ کر دینے یا قید کر دینے کی وجہ سے باندی (لونڈی) کا مالک ہوا ہو اُس پر لازم ہے کہ اگر لونڈی حائضہ ہو تو حیض سے ورنہ اگر چھوٹی عمر والی یا بوڑھی ہو (جسے حیض نہ آتا ہو) تو ایک ماہ گذر جانے سے اُس کے رحم کا خالی ہونا معلوم کرے۔ یہاں تک مسائل اجماعیہ ختم ہوئے۔

مسائل اختلافیہ

پہلا مسئلہ امام مالک رح اور امام شافعی رح کا قول اور امام احمد رح کی دو روایتوں میں سے ایک یہ ہے کہ لفظ اقرا سے تین طہر مراد ہیں۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رح کا قول اور امام احمد رح کی دوسری روایت یہ ہے کہ قرء سے حیض مراد ہے پس پہلا قول اسوجہ سے کہ طہر کی مدت غالباً طویل ہوتی ہے مشدد ہے اور دوسرا قول اسوجہ سے

اور عادۃً حیض کی مدت تھوڑی ہوتی ہے مخفف ہے اور ہو سکتا ہو کہ اُلٹا ہو۔

دوسرا مسئلہ امام ابو حنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ وہ عورت جو حج کے راستہ میں ہو اور اُسکا خاوند فوت ہو جائے تو اگر وہ کسی شہر یا اُس کے قرب وجوار میں ہو ہر حال میں اُس جگہ مقیم ہو جانا لازم ہے۔ حالانکہ تینیوں اماموں کا قول یہ ہے کہ اگر وہ اُس جگہ بغرض عدت ٹھہر جانے سے حج کے فوت ہو جانے کا خوف کرتی ہو تو اُس کو سفر کرنا درست ہے پس پہلے قول میں کچھ تشدید اور دوسرے میں تفصیل کی وجہ سے تخفیف ہے۔

تیسرا مسئلہ امام ابو حنیفہ رضہ کا قول اور امام شافعی رضہ کا قول راجح اور جدید اور امام احمد رضہ کی دو روایتوں میں سے ایک یہ ہے کہ گم شدہ آدمی کی بیوی دوسرے آدمی سے اُس وقت نکاح کر سکتی ہے جب اتنی مدت گذر جائے کہ اندازاً وہ اتنی مدت زندہ نہ رہ سکتا ہو حالانکہ امام مالک رضہ کا قول اور امام شافعی رضہ کا قول قدیم اور امام احمد رضہ کی دو روایتوں میں سے دوسری یہ ہے کہ عورت چار برس انتظار کرے جو حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت ہے اس کے بعد چار ماہ اور دس روز اور بھی جو فوت ہو جانے کی عدت ہے پھر اُس کو کسی دوسرے مرد سے نکاح کرنا حلال ہے اور متاخرین اصحاب امام شافعی رضہ کی ایک جماعت نے اسی کی تقویت کی ہے اور واقع میں یہی قوی ہے حضرت عمر رضہ کا یہی فعل ہے اور اُن کے اس فعل کا کسی صحابی رضہ نے انکار نہیں کیا اور قول اول کی بنا پر امام ابو حنیفہ رضہ کے نزدیک عمر کا اندازہ ایک سو سال ہے اور امام شافعی رضہ اور امام احمد رضہ کے نزدیک نوّے سال اور عورت کو حق ہے کہ جتنے برس انتظار کرے (عمر کے اندازہ کے موافق) اُس زمانہ کا نفقہ خاوند کے مال سے طلب کرے۔ پس پہلا قول بیوی پر مشدد اور دوسرا اُس پر مخفف ہے۔

چوتھا مسئلہ امام ابو حنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر گم شدہ کی بیوی زمانہ معین تک انتظار کر کے کسی اور مرد سے نکاح کر چکی ہو بعد میں وہ گم شدہ آجائے تو دوسرا عقد نکاح باطل ہو جائے گا اور وہ عورت پہلے خاوند کو دیجائے گی اور اگر دوسرا خاوند اُس سے ہمبستر ہو چکا ہو تو اُسپر مہر مثل لازم ہو گا اور دوسرے خاوند کی عدت گذار کر پہلے خاوند کی طرف رد کر دیجائے گی۔ حالانکہ امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر دوسرا خاوند اُس سے ہمبستر ہو چکا ہو تو وہ اُس کی بیوی ہو جائے گی اور اُسپر وہ مہر دینا واجب ہو جائے گا جو پہلا خاوند عورت کو دے چکا ہو گا۔ اور اگر ہمبستر نہ ہوا ہو گا تو وہ عورت پہلے خاوند کی ہو گی اور امام موصوف کی دوسری روایت یہ ہے کہ وہ عورت ہر حالت میں پہلے خاوند کی ہو گی۔ اسی طرح امام شافعی رضہ کے دو قولوں میں سے قول راجح یہ ہے کہ دوسرا نکاح باطل ہے اور ایک قول یہ ہے کہ ہر حال میں پہلے خاوند کا نکاح باطل ہے۔ اسی طرح امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر ہمبستر نہ ہوا تو وہ پہلے خاوند کی ہو گی اور اگر ہمبستر ہو گیا تو پہلے خاوند کو اختیار ہے کہ یا تو اُسے روک لے اور مہر ادا کر دے اور یا دوسرے نکاح پر باقی رکھے اور وہ مہر واپس لے لے جو پہلا عورت کو دے چکا ہے۔ پس پہلا قول دوسرے خاوند پر مشدد اور دوسرا قول معہ اُس کے جو تفصیل کی دو شقوں میں سے ایک اُس کے موافق ہے۔ دوسرے خاوند پر مخفف ہے۔ اسی طرح امام شافعی رضہ کا قول اظہر دوسرے خاوند پر مشدد ہے برعکس دوسرے قول کے اور چوتھا قول مفصل ہے۔

پانچواں مسئلہ امام ابو حنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ جب ام ولد کا مولےٰ فوت ہو جائے یا اُس کو آزاد کر دے (دونو صورتوں میں) تین حیض ہیں۔ حالانکہ امام مالک رضہ اور امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ دونوں صورتوں میں عدت صرف ایک حیض ہے۔ اور امام احمد رضہ کی دو روایتوں میں سے ایک یہی ہے اور اسی کو امام خرقی نے اختیار کیا ہے۔ اسی طرح امام احمد رضہ کی دوسری روایت یہ ہے کہ آزاد ہونے کی صورت میں عدت ایک حیض ہے

اور وفات مولیٰ کی صورت میں وہی جو خاوند کے فوت ہونے کی ہوتی ہے۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف اور تیسرا مفصل ہے۔

اور پہلے قول کی وجہ رحم کا خلو معلوم کرنے میں مبالغہ کرنا ہے۔

اور دوسرے قول کی وجہ اُس اسیرہ پر قیاس کرنا ہے جس کا بیان آگے آتا ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ پہلے قول کو اہل دین و تقویٰ پر محمول کیا جائے اور دوسرے کو معمولی درجہ کے لوگوں پر اور امام احمد رضہ کی دوسری روایت میں جیسے دوسری شق کی وجہ احتیاط کا لحاظ ہے اور یہ کہ فوت خاوند کی عدت کا بیان جو قرآن شریف میں موجود ہے اس کو بھی شامل ہے۔

چھٹا مسئلہ امام ابوحنیفہ رضہ کا قول ہے کہ حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت دو سال ہیں۔ حالانکہ امام مالک رضہ سے متعدد روایات یہ ہیں کہ چار برس ہیں یا پانچ برس یا سات برس۔ اسی طرح امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ مدت چار سال ہیں اور امام احمد رضہ نے ایک روایت یہی ہے۔ اور دوسری روایت امام ابوحنیفہ رضہ کے مذہب کے موافق ہے۔ پس پہلے قول میں خاوند پر تخفیف ہے۔ اور دوسرے قول اور اُس کے بعد والے میں اسوجہ سے کہ بچہ خاوند ہی کا قرار دیا گیا اُس پر تشدید ہے۔

ساتواں مسئلہ امام ابوحنیفہ رضہ کا قول اور امام احمد رضہ کی دو روایتوں میں سے اظہر روایت یہ ہے کہ عدت والی عورت جب بستہ خون یا گوشت کا لوتھڑا جنے تو اُس کی عدت اس سے تمام نہ ہوگی اور اگر لونڈی ہو تو اس سے ام ولد نہ بنے گی۔ حالانکہ امام مالک رضہ کا قول اور امام شافعی رضہ کے دو قولوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس سے عدت بھی گذر جائے گی اور اگر وہ لونڈی ہو تو اس سے ام ولد ہو جائے گی۔ اور یہی امام احمد رضہ سے دوسری روایت ہے۔ پس پہلا قول خاوند کے اعتبار سے مخفف اور عورت کے اعتبار سے مخفف ہے اور دوسرا قول برعکس ہے۔

آٹھواں مسئلہ امام شافعی رضہ کا جدید قول اور امام مالک رضہ و امام احمد رضہ کی دو روایتوں میں سے ایک یہ ہے کہ بائن طلاق کی عدت گذارنے والی پر سوگ لازم نہیں۔ حالانکہ امام ابوحنیفہؒ کا قول اور امام شافعی رضہ کا قدیم قول اور امام احمد رضہ سے دوسری روایت یہ ہے کہ اُسپر سوگ کرنا لازم ہے۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔

نواں مسئلہ امام ابوحنیفہ رضہ کا قول اور امام شافعی رضہ کے دو قولوں میں سے قول اظہر یہ ہے کہ جس عورت کو طلاق بائن دی گئی ہو وہ بلا ضرورت دن میں اپنے مکان سے باہر نہ نکلے۔ حالانکہ امام مالک رضہ اور امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ بلا قید اُس کو نکلنا درست ہے اور امام احمد رضہ کی دوسری روایت امام ابوحنیفہ رضہ کے مذہب کے موافق ہے۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے۔

دسواں مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ سوگ کرنے میں چھوٹی عمر اور بڑی عمر والی دونوں برابر ہیں۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ چھوٹی عمر والی پر سوگ لازم نہیں۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرے میں کچھ تخفیف ہے۔

گیارھواں مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ جزیہ دینے والی عورت جب مسلمان کے نکاح میں ہو (اس کی صورت یہ ہے کہ اہل کتاب ہو) تو اُسپر عدت بھی واجب ہے اور سوگ کرنا بھی۔ اور اگر جزیہ دینے والے مرد کی نکاح میں ہو تو اُسپر صرف عدت گذارنا واجب ہے سوگ نہیں۔ اسی طرح امام ابوحنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ نہ اُسپر عدت واجب ہے اور نہ سوگ کرنا۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے۔ اور دونوں قولوں کی توجیہ ظاہر ہے۔

پس پہلے قول کی وجہ حدیث میں سوگ کرنا مسلمان کے لئے وارد ہے۔

اور دوسرے قول کی دلیل یہ حدیث ہے کہ (لا یحل لامرءۃ تؤمن باللہ والیوم الآخر ان یحد علی غیر زوج) یعنی "جو عورت اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان لائی ہو اُس کے لئے خاوند کے سوا کسی پر سوگ کرنا حلال نہیں"۔ پس اس سے جزیہ دینے والا نکل گیا کیونکہ غم صرف مسلمان خاوند پر ہوا کرتا ہے اور جزیہ دینے والے پر صرف اُس کے حق کی بقدر غم کرنا چاہئے اور اُس کی بیوی پر عدت کا نہ ہونا اس قاعدہ پر مبنی ہے کہ کفار کے نکاح باطل ہیں۔

چودھواں مسئلہ

تینوں اماموں کا قول ہے کہ اگر کسی نے اپنی لونڈی کو کسی عورت یا خصی مرد کے ہاتھ فروخت کیا پھر وہ بیع لوٹائی گئی (کسی وجہ سے) تو اب اُس سے بغیر رحم کا خلو معلوم کئے ہمبستر نہ ہو۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رضؓ کا قول یہ ہے کہ اگر قبضہ سے پہلے بیع فسخ ہوئی تو رحم کے خلو کو معلوم کرنے کی ضرورت نہیں اور اگر قبضہ کے بعد فسخ ہوئی تو رحم کا خلو معلوم کرنا ضروری ہے۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مفصل ہے۔ اور دونوں قولوں کی وجہ ظاہر ہے۔

پندرھواں مسئلہ

تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ صغیرہ اور کبیرہ اور باکرہ اور بیاہی عورتوں کے رحم کا خلو معلوم کرنے میں کوئی تفریق نہیں۔ حالانکہ امام مالک رضؓ کا قول یہ ہے کہ اگر وہ عورت ایسی ہے کہ اُس جیسی عمر والی سے ہمبستری کی جاتی ہے تو اُس کے رحم کا خلو معلوم کرنا ضروری ہے۔ اور اگر اُس جیسی عمر والی سے ہمبستری نہ ہو سکتی ہو تو اُس سے بلا خلو رحم معلوم کئے بھی ہمبستر ہونا جائز ہے۔ اور امام داؤد کا قول یہ ہے کہ باکرہ کا خلو رحم معلوم کرنا ضروری نہیں۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مفصل ہے۔ اسی طرح امام داؤد کا قول ہے۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ خلو رحم معلوم کرنا ایک امر تعبدی ہے اگرچہ اُس کی علت سمجھ میں نہ آوے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ کسی دوسرے خلو رحم معلوم کرنے کو مشروع کیا ہو سوائے رحم کے خالی ہونے کے۔

اور قول امام مالک رضؓ کی دو شقوں میں سے پہلی شق کی وجہ یہ ہے کہ مقصود خلو رحم معلوم کرنا ہے اور وہ عورت جس کی مثل سے ہمبستری نہ ہو حاملہ نہیں ہو سکتی اور رہی باکرہ عورت سو اُس کا حکم ظاہر ہے۔

سولھواں مسئلہ

چاروں اماموں کا قول یہ ہے کہ جو شخص کسی عورت کا مالک ہو جائے اُس کو جائز ہے کہ خلو رحم معلوم کرنے سے پہلے اُسے فروخت کر دے اگرچہ ہمبستر ہو چکا ہو۔ حالانکہ امام حسن رضؓ اور امام نخعی رضؓ اور امام ثوری رضؓ اور ابن سیرین رضؓ کا قول یہ ہے کہ فروخت کنندہ پر خلو رحم معلوم کرنا واجب ہے جس طرح خریدار پر اسی طرح حضرت عثمان رضؓ بن عفان کا قول یہ ہے کہ خلو رحم معلوم کرنا فروخت کرنے والے پر واجب ہے نہ خریدنے والے پر۔ پس پہلا قول فروخت کرنے والے پر مخفف اور دوسرا مشدد اور تیسرے میں فروخت کرنے والے پر کچھ تشدید اور خریدار پر کچھ تخفیف ہے اور تینوں اقوال کی توجیہات ظاہر ہیں۔

سترھواں مسئلہ

امام مالک رضؓ اور امام شافعی رضؓ اور امام احمد رضؓ کا قول یہ ہے کہ اگر مولیٰ نے اپنی ام ولد کو آزاد کر دیا یا اُس کے فوت ہو جانے کی وجہ سے آزاد ہو گئی تو عورت پر واجب ہے کہ اپنے رحم کا خالی ہونا معلوم کرے (پھر کسی سے نکاح کرے) اس طرح کہ ایک حیض گذر جانے دے۔ حالانکہ امام احمد رضؓ اور امام داؤد رضؓ اور امام عبد اللہ بن عمرو بن العاص کا قول یہ ہے کہ اگر اُس کا مولیٰ فوت ہو جائے تو وہ چار مہینے دس روز عدت گذارے۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرے میں کچھ تشدید ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔

کتاب رضاعت کے بیان میں

مسائل اجماعیہ

اماموں کا اس پر اتفاق ہے کہ جو عورتیں نسب سے حرام ہیں وہ دودھ پینے کی وجہ سے بھی حرام ہیں اور اس پر کہ دودھ پینے کی وجہ سے جو حرمت ہوتی ہے وہ اُس وقت ہوتی ہے کہ پیدا ہوا بچہ دو سال کے اندر اندر دودھ پیوے اس میں امام داؤد کا خلاف ہے ان کا قول ہے کہ کبیر السن اگر دودھ پی لے تو بھی حرمت ثابت ہو جاتی ہے اور یہ قول جماعت فقہاء کے بالکل خلاف ہے اور یہی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے۔ اسی طرح اس پر بھی اتفاق ہے کہ دودھ پینا اُسوقت حرمت ثابت کرتا ہے کہ جب بچہ عورت کا دودھ پی لے خواہ وہ عورت کنواری ہو یا شادی شدہ اور وہ ہمبستر شدہ ہو یا غیر ہمبستر شدہ۔ لیکن امام احمد رح کا اس میں خلاف ہے اُن کا قول ہے کہ اُس عورت کا دودھ پینے سے حرمت ثابت ہوتی ہے جس کے دودھ نے حمل کی وجہ سے جوش مارا ہو۔ اسی طرح اس پر بھی اتفاق ہے کہ اگر مرد کے پستان سے دودھ نکلا اور وہ کسی بچہ نے پی لیا تو حرمت ثابت نہ ہوگی۔ اسی طرح اس پر بھی اتفاق ہے کہ ناک یا منہ میں دودھ کا ڈالنا حرمت ثابت کر دیتا ہے سوائے امام احمد رح کی ایک روایت کے کیونکہ انہوں نے پستان سے دودھ پینے کو شرط قرار دیا ہے۔ اسی طرح اس پر بھی اتفاق ہے کہ پاخانہ کے مقام کی جانب سے دودھ پہونچانا حرمت ثابت نہیں کرتا سوائے امام شافعی رح کے قول قدیم کے اور یہی امام مالک رح سے منقول ہے۔ یہانتک مسائل اجماعیہ ختم ہوئے

مسائل اختلافیہ

پہلا مسئلہ امام ابو حنیفہ رح اور امام مالک رح کا قول یہ ہے کہ دودھ پینے کے اندر عدد کوئی معتبر نہیں چنانچہ صرف ایک مرتبہ پی لینا بھی حرمت ثابت کر دیتا ہے۔ حالانکہ امام شافعی رح کا قول اور امام احمد رح کی دو روایتوں میں سے ایک یہ ہے کہ رضاعت کے لئے پانچ مرتبہ دودھ پینا شرط ہے۔ اسی طرح امام احمد رح سے دوسری روایت یہ ہے کہ صرف تین مرتبہ پی لینے سے تحریم ثابت ہو جاتی ہے۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے۔ اور تیسرے قول میں کچھ تشدید ہے۔

دوسرا مسئلہ امام ابو حنیفہ کا قول یہ ہے کہ دودھ جب پانی کے ساتھ ملا لیا جائے تو اگر دودھ زائد ہو تو حرمت ثابت ہو جاتی ہے اور اگر پانی زیادہ ہو تو تحریم ثابت نہیں ہوتی مثلاً اُس میں باقلا ملادیا اور رہا وہ دودھ جو کھانے کے ساتھ مخلوط کر دیا ہو تو وہ امام موصوف کے نزدیک کسی حالت میں تحریم ثابت نہیں کرتا خواہ دودھ زائد ہو یا کم۔ حالانکہ اصحاب امام مالک رح کا قول یہ ہے کہ وہ دودھ جو پانی کے ساتھ ملا دیا ہو اُس وقت تحریم ثابت کرتا ہے کہ دودھ معدوم نہ ہو گیا ہو اور اگر اُس پانی کے ساتھ ملا ہو جس کے اندر دودھ معدوم ہو جاتا ہے۔ مثلاً اُس کو پکا لیا یا کسی دوا وغیرہ کے ساتھ ملا لیا ہو تو وہ جمہور اصحاب امام موصوف کے نزدیک تحریم ثابت نہیں کرتا۔ اسی طرح امام شافعی رح اور امام احمد رح کا قول یہ ہے کہ وہ دودھ جو کھانے یا پانی پینے کے ساتھ

مخلوط ہوگیا ہو اُس وقت تحریم ثابت کرتا ہے جب بچہ اُس کو پانچ مرتبہ پی لے خواہ دودھ مغلوب ہو یا غالب۔ پس پہلا قول مفصل ہے اسی طرح دوسرا اور تیسرا مشدد ہے اور شاید تشدید تقویداروں کے حال پر محمول ہو اور تخفیف معمولی درجہ کے لوگوں پر۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

کتاب نفقات کے بیان میں

مسائل اجماعیہ

چاروں اماموں کا اس پر اتفاق ہے کہ باپ اور بیوی اور نابالغ بچہ کا نفقہ (خرچہ) واجب ہے۔ اور اس پر بھی کہ نافرمان عورت کا خرچ واجب نہیں۔ اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ عورت اپنے بچہ کو زچگی کے وقت ضرور پلا دے۔ اور اس پر اتفاق ہے کہ بچہ اگر مرض ہی کی حالت میں بالغ ہو تو اُس کا خرچ باپ پر دایم رہے گا جب تک تندرست نہ ہو جائے یہاں تک مسائل اجماعیہ ختم ہوئے۔

مسائل اختلافیہ

پہلا مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ بیویوں کا خرچ میاں بیوی دونوں کی حالت کے اعتبار سے لازم ہوگا۔ پس اگر دونوں مالدار ہوں تو مالداروں کا سا خرچ لازم ہوگا اور اگر دونوں فقیر ہوں تو فقیروں کا سا خرچ لازم ہوگا یعنی ادنیٰ خرچہ جو کافی ہو سکے۔ اور اگر خاوند مالدار اور بیوی فقیر ہو تو اُن دونوں مذکورہ خرچوں کا درمیانی خرچہ لازم ہوگا۔ اور اگر خاوند فقیر اور عورت مالدار ہو تو ادنیٰ درجہ کفایت کا لازم ہوگا اور باقی مرد کے ذمہ رہے گا۔ حالانکہ امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ اُس کا اندازہ مشروع ہے کہ اُس میں اجتہاد کو دخل نہیں اور اس کا اعتبار بیوی کے حال پر موقوف ہے۔ پس اگر اس کو خدمتگار کی ضرورت ہوگی تو مرد پر خدمتگار دینا لازم ہوگا۔ پس پہلا قول خاوند پر مخفف اور دوسرا اُس پر مشدد ہے۔

دوسرا مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ عورت اگر ایک خدمتگار سے زائد کی محتاج ہو تو یہ خاوند پر لازم نہیں۔ حالانکہ امام مالک رضہ کا مشہور قول یہ ہے کہ بیوی کو اگر دو یا تین یا زیادہ خدمتگاروں کی ضرورت ہو تو خاوند پر اُن کا موجود کرنا واجب ہے۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔

تیسرا مسئلہ امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحم اور امام احمد رضہ کا قول اور امام شافعی رضہ کے دو قولوں میں سے قول اظہر یہ ہے کہ اُس چھوٹی عمر کی بیوی کا خرچ واجب نہیں جس کا ہم عمر سے ہمبستری نہ ہو سکے جب کہ کوئی بڑی عمر کا مرد اُس سے شادی کرلے۔ حالانکہ امام احمد رضہ کی دوسری روایت اور امام شافعی رضی اللہ عنہ کا دوسرا قول یہ ہے کہ اُس کے لئے خرچ لازم ہے۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔

چوتھا مسئلہ امام ابوحنیفہ رضہ اور امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر بیوی بڑی عمر کی ہو اور خاوند چھوٹی عمر کا

کہ اُسکا ہمسر لڑکا بہتر نہ ہوسکتا ہو تو خاوند پر خرچ واجب ہوگا اور وہی امام شافعی رضہ کے دو قولوں میں سے صحیح ہے۔ حالانکہ امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ اُسپر خرچ لازم نہیں۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے۔

پانچواں مسئلہ امام ابو حنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ خاوند کا خرچ اور کپڑا دینے سے عاجز ہوجانا عورت کے لئے فسخ نکاح کا استحقاق ثابت نہیں کرتا۔ بلکہ مرد کا قبضہ عورت پر سے اُٹھ جاتا ہے تاکہ وہ محنت مزدوری کیا کرے۔ حالانکہ امام مالک رضہ اور امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر مرد خرچ اور کپڑا اور رہائشی مکان سے عاجز ہوجاوے تو عورت کو فسخ نکاح کا استحقاق ہوجاتا ہے اور اگر ایک زمانہ عورت کو بلا خرچ دئے گذر جائے تو امام ابو حنیفہ رضہ کے نزدیک اُس زمانہ کا خرچ ساقط ہوجاتا ہے جب تک کہ حاکم اسلام اُس کا حکم نہ دے یا یہ کہ میاں بیوی کسی مقدار معین پر متفق ہوچکے ہوں تو اُن کی اصلاح میں مرد پر اُسی کی موافق چڑھتا رہے گا اور امام مالک رضہ اور امام شافعی رضہ کا قول اور امام احمد رضہ کی دو روایتوں میں سے اظہر یہ ہے کہ زمانہ گذر جانے سے بیوی کا خرچ ساقط نہیں ہوتا بلکہ خاوند پر قرض چڑھتا رہتا ہے کیونکہ خرچ عورت کے مرد کو قدرت دینے اور عورت سے مرد کے نفع مند ہونے کی وجہ سے لازم ہوتا ہے (اور یہ موجود ہے) پس پہلے مسئلہ میں پہلا قول خاوند پر مخفف اور دوسرا اُس پر مشدد ہے۔ اور دوسرے مسئلہ میں پہلا قول خاوند پر مخفف ہے۔ اسو جہ سے کہ جب تک حاکم اسلام حکم نہ کرے اُس وقت تک خرچ ساقط ہوتا ہے۔ اور اُس میں دوسرا قول خاوند پر مشدد ہے اس وجہ سے کہ اگر زمانہ گذر جائے تو خرچ مرد سے ساقط نہیں ہوتا۔

چھٹا مسئلہ امام ابو حنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر عورت اپنے خاوند کی اجازت سے وہ سفر کرے جو اُسپر واجب نہو تو خرچ ساقط ہوتا ہے۔ حالانکہ امام مالک رضہ اور امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ ساقط نہیں ہوتا اسلئے کہ خاوند کے اجازت دینے کی وجہ سے نافرمان ہونے سے خارج ہوگئی۔ پس پہلا قول عورت پر مشدد اور دوسرا اس کے برعکس ہے۔

ساتواں مسئلہ امام ابو حنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ بائن طلاق والی جب اپنے بچہ کو دودھ پلانے کی حسب دستور مزدوری لینے والی موجود ہو تو باپ کو درست ہے کہ اُس عورت سے دودھ پلوا دے مگر یہ شرط ہے کہ وہ عورت بچہ کی ماں کے پاس آکر دودھ پلا دے۔ حالانکہ امام مالک رضہ کی دو روایتوں میں سے ایک یہ ہے کہ ماں کو دودھ کے لئے مقرر کرنا بہتر ہے اسی طرح امام شافعی رضہ اور امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ ہر حال میں ماں زیادہ حقدار ہے اگرچہ ایسی عورت ملتی ہو جو مفت پلاوے اور اگر حسب دستور مزدوری لے کر پلاوے تو باپ کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ اُس کی ماں کو حسب دستور مزدوری دیکر اُسی سے دودھ پلوا دے۔ پس پہلا قول مفصل اور دوسرا ماں پر مخفف ہے اسی طرح اُس کے بعد والا خاوند پر مشدد ہے۔

آٹھواں مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ جب ماں زمانہ زچگی کا دودھ پلا چکی ہو تو پھر اپنے بچہ کو دودھ پلانے پر مجبور نہ کی جائے گی بشرطیکہ دوسری عورت نہ ملتی ہو۔ حالانکہ امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ جب تک وہ خاوند کی زوجیت میں رہے گی اُس وقت تک مجبور کی جائے گی۔ الا اُس صورت میں کہ اس جیسی عورت شرافت یا کسی عذر یا تونگری کی وجہ سے نہ پلاتی ہو یا یہ کہ بچہ اُس کے دودھ سے بوجہ خراب ہونے کے مریض ہوجاتا ہو یا اُس کے مثل اور وجہ ہو۔ پس پہلا قول ماں پر مخفف اور دوسرے میں کچھ تشدید ہے۔

نواں مسئلہ امام ابو حنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ وارث ہر صاحب رحم رشتہ دار کے خرچہ پر مجبور کیا جائے گا۔ پس امام موصوف کے نزدیک اس میں ماموں اور پھوپی بھی آگئی اور چچا کا بیٹا اور جس نے دودھ پینے کا

تعلق ہو تو وہ نکل گئے۔ حالانکہ امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ وارث پر خرچ صرف قریب تر والد کے لئے لازم ہوتا ہے خواہ وہ باپ ہو یا ماں یا صلبی بیٹے کے لئے اسی طرح امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ والد کے لئے خرچ لازم ہوتا ہے اگرچہ اوپر تک چلا جائے (مثلاً دادا، پردادا، نگڑ دادا وغیرہ یا نانی، پرنانی وغیرہ) اور اپنے لڑکے کے لئے بھی خرچ واجب ہوتا ہے اگرچہ نیچے تک سلسلہ چلا جائے (مثلاً پوتا، پرپوتا وغیرہ) اسی طرح امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ خرچ ہر اُن دو شخصوں کے درمیان لازم ہوتا ہے جن میں بوجہ فرضیت یا عصوبت کے طرفین سے میراث جاری ہوتی ہو جس طرح ماں، باپ اور بھائی کی اولاد اور بہنیں اور پھوپیاں اور اُن کے بیٹے، یہ ایک روایت ہے۔ اور اگر وراثت اُن میں ایک طرف سے جاری ہوتی ہو تو وہ ذوالارحام ہیں جس طرح بھائی کا بیٹا پھوپی کے ساتھ اور چچازاد بھائی چچازاد بہن کے ساتھ تو اُس میں امام احمد رضہ سے دونوں روایتیں ہیں۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرے میں کچھ تخفیف اور تیسرے میں کچھ تشدید اور چوتھا پورا مشدد ہے اور تمام اقوال کی توجیہات ظاہر ہیں کہ ذہین پر پوشیدہ نہیں۔

دسواں مسئلہ

امام ابو حنیفہ رضہ اور امام شافعی کا قول یہ ہے کہ مولی پر آزاد کئے ہوئے غلام کا خرچ لازم نہیں حالانکہ امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ لازم ہے۔ اور امام مالک رضہ سے ایک روایت یہی ہے۔ اور امام موصوف سے دوسری روایت یہ ہے کہ اگر غلام کو اسقدر صغیر سنی میں آزاد کیا ہو کہ وہ اپنے لئے محنت مزدوری نہ کر سکتا ہو تو اُس کا خرچ مولی پر تاوقتیکہ مزدوری کے لایق نہ ہو جائے لازم نہ ہوگا۔ پس پہلے قول میں کچھ تخفیف اور دوسرا اشدد اور تیسرا مفصل ہے اور شاید پہلا قول عوام الناس پر محمول ہے۔ اور دوسرا اہل شرافت واعزاز کے ساتھ خاص ہے۔

گیارھواں مسئلہ

امام ابو حنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ لڑکا اگر بحالت تندرستی بالغ ہو جائے تو اُس کا خرچ (باپ سے) ساقط ہو جاتا ہے۔ اور اگر بحالت تنگدستی بالغ ہوا اور اُسے کوئی حرفہ بھی نہ آتا ہو تو ساقط نہیں ہوتا اور لڑکی کا خرچ جب تک کہ اُس کا نکاح نہ ہو جائے تب تک لازم ہوتا ہے۔ حالانکہ امام مالک رضہ کا قول یہ ہے، کہ صرف عقد نکاح سے ساقط نہیں ہوتا بلکہ ہمبستری سے ساقط ہوتا ہے۔ اسی طرح امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ لڑکا اور لڑکی دونوں جب بالغ ہو جائیں تو خرچ ساقط ہو جاتا ہے بشرطیکہ تندرست ہوں۔ اسی طرح امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ بچہ کا باپ سے نفقہ اُسوقت تک ساقط نہیں ہوتا کہ جب تک وہ متمول نہ ہو اور نہ وہ کوئی کسب کر سکتا ہو (اگرچہ بالغ ہو جائے) پس پہلا قول مفصل اور دوسرے میں کچھ تشدید اور تیسرا مخفف اور چوتھا باپ پر مشدد ہے اور تمام اقوال کی توجیہات ذہین آدمی پر پوشیدہ نہیں۔

بارھواں مسئلہ

تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ اگر بچہ حالت بیماری میں بالغ ہوا ہو پھر اُس سے صحت پا گیا بعد میں پھر وہی مرض لوٹ آیا تو نفقہ بھی لوٹے گا (یعنی لازم ہوگا) حالانکہ امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ نہیں لوٹے گا۔ پس پہلے قول میں بچہ پر کچھ تشدید اور دوسرا مخفف ہے۔

تیرھواں مسئلہ

تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ جب لڑکی کا نکاح ہو گیا اور خاوند نے اُس سے ہمبستری کر لی پھر اُس نے طلاق دیدی تو خرچ اُس کا باپ پر لوٹتا ہے (یعنی لازم ہے) حالانکہ امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ نہیں لوٹتا۔ پس پہلے قول میں باپ پر کچھ تشدید اور دوسرے میں کچھ تخفیف ہے۔

چودھواں مسئلہ

امام ابو حنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ جس کے پاس کوئی جانور ہو اور مالک اُس کی خبر گیری نہ کرتا ہو تو حاکم کو یہ جائز نہیں کہ مالک کو اُس کی خبر گیری پر مجبور کرے بلکہ نہی امر بالمعروف ونہی عن المنکر

اُس سے کہہ سکتا ہے حالانکہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ حاکم اُسے مجبور کر سکتا ہے اور طاقت سے زیادہ بوجھ لادنے سے روک بھی سکتا ہے۔ پس پہلے قول میں مالک پر کچھ تخفیف ہے اور دوسرے میں اُس پر کچھ تشدید۔ واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم وعلمہٗ اتم۔

کتاب حضانت کے بیان میں

مسائل اجماعیہ

اماموں کا اِس پر اتفاق ہے کہ حق پرورش ماں کے لئے ہوتا ہے جب تک وہ باپ کے سوا دوسرے سے نکاح نہ کرے اور جب کسی اور سے نکاح کرے اور ہمبستر بھی ہو جائے تو اُس کا حق پرورش ساقط ہو جاتا ہے۔ یہی مسئلہ اجماعیہ

مسائل اختلافیہ

پہلا مسئلہ امام ابو حنیفہ رض اور امام شافعی رض کا قول یہ ہے کہ ماں اگر کسی سے نکاح کر لینے کے بعد مطلقہ بہ طلاق بائن ہو جائے تو اُس کا حق پرورش پھر عود کر آتا ہے۔ حالانکہ امام مالک رض کا قول مشہور ہے کہ طلاق سے عود نہیں کرتا۔ پس پہلا قول ماں پر مخفف ہے جبکہ وہ اپنے بچہ کا حق پرورش واپس لینا چاہے اور دوسرے قول میں اُس پر تشدید ہے۔

دوسرا مسئلہ امام ابو حنیفہ رض کی دو روایتوں میں سے ایک یہ ہے کہ میاں بیوی جب (نکاح سے) الگ ہوں اور اُن کے پاس کوئی بچہ ہو۔ پس اگر وہ لڑکی ہے تو اُس کے بالغ ہونے تک ماں زیادہ حقدار ہے اور اگر لڑکا ہے تو تا وقتیکہ وہ اپنے کھانے اور پینے اور پہننے اور منہ ہاتھ دھونے اور استنجا کرنے میں دوسرے سے بے پروا نہ ہو جائے اُسوقت تک ماں زیادہ حقدار ہے اُس کے بعد باپ مستحق زیادہ ہے اور یہ نہ ہوگا کہ بچہ کو اختیار دیا جائے کہ وہ جسے چاہے پسند کرلے۔ حالانکہ امام مالک رض کا قول یہ ہے کہ لڑکی کا جب تک نکاح نہ ہو اُس وقت تک ماں زیادہ حقدار ہے امام موصوف الذکر کے نزدیک لڑکے کا بھی یہی حکم ہے کہ جب تک وہ بالغ نہ ہو اُس وقت تک ماں ہی حقدار ہے۔ اسی طرح امام شافعی رض کا قول یہ ہے کہ لڑکا اور لڑکی دونوں کی سات سال تک ماں زیادہ حقدار ہے۔ پھر اُس کو اختیار ہے جہاں چاہے رہنا پسند کرے اور لڑکی بعد سات سال کے بلا اختیار ماں کے پاس رکھی جائے گی۔ اور امام موصوف کی دوسری روایت امام ابو حنیفہ رض کے مذہب کے موافق ہے۔ پس پہلا قول ماں پر مخفف ہے۔ اسی طرح دوسرا (اگرچہ اسباب تخفیف مختلف ہیں) اور تیسرا قول ماں پر مشدد اور باپ پر مخفف ہے۔ اور چوتھا قول لڑکی کے اعتبار سے ماں پر مخفف ہے۔

تیسرا مسئلہ امام ابو حنیفہ رض کا قول یہ ہے کہ بچہ جب ماں کو پسند کرے اور پہلے سے وہ بچہ ماں ہی کے پاس تھا۔ پھر باپ کسی دوسرے شہر کو اپنا وطن بنانے کے لئے سفر کرے تو اُسے یہ جائز نہیں کہ ماں کو

بچہ کو لیجائے. حالانکہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ جائز ہے اور اگر خود اس کی ماں ہی نقل مکانی کرنا چاہے اور بچہ کو ساتھ لے جانے کا ارادہ کرے تو امام ابوحنیفہ رض کا قول یہ ہے کہ اُسے ایسا کرنا جائز ہے مگر دو شرطوں سے ایک تو یہ کہ اپنے شہر کی طرف منتقل ہو، دوسرے یہ کہ عقد نکاح اُسی شہر میں ہوا ہو جس کی طرف منتقل ہو رہی ہے. پس ان میں سے ایک شرط بھی نہ پائی جائے تو اُسے روکا جائے. الا یہ کہ نزدیک شہر کی طرف جاتی ہو کہ جہاں سے دن ہی دن میں پھر لوٹ کر آسکے. اور اگر دار الحرب کی یا شہر سے گاؤں کی طرف جانا چاہے تو اس سے منع کی جائے گی اگرچہ گاؤں نزدیک ہی ہو۔

چوتھا مسئلہ امام مالک رض اور امام شافعی رض کا قول اور امام احمد رض کی دو روایتوں میں سے ایک یہ ہے کہ باپ اپنے بچہ کا زیادہ حقدار ہے خواہ مرد ہی منتقل ہوتا ہو یا اُس کی ماں. حالانکہ امام احمد رض کی دوسری روایت یہ ہے کہ ماں زیادہ بہتر ہے جب تک اُس نے کسی اور سے نکاح نہ کیا ہو. پس پہلا قول باپ پر مشدد اور دوسرا ماں پر مخفف ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

کتاب جنایات کے بیان میں

مسائل اجماعیہ

چاروں اماموں کا اسپر اتفاق ہے کہ کسی آدمی کو قتل کر دینے والا دوزخ میں ہمیشہ نہ رہے گا (بلکہ اگر اُس میں داخل ہوگا تو عذاب پاکر بوجہ ایمان پھر وہاں سے نکال دیا جائے گا) اور قاتل اگر قتل کے گناہ سے تائب ہو جائے تو اُس کی توبہ صحیح ہے. اس میں حضرت ابن عباس رض اور زید بن ثابت رض اور ضحاک رض کا خلاف ہے کیونکہ ان کا قول ہے کہ اُس کی توبہ ہرگز قبول نہ ہوگی. پس پہلا قول اس وجہ سے کہ تمام احادیث اسی پر دلالت کرتی ہیں مخفف ہے اور دوسرا قول ظاہر قرآن شریف کا اتباع کرنے کی وجہ سے مشدد ہے چنانچہ ارشاد ہے کہ (ومن یقتل مومنا متعمدا فجزاءہ جہنم خالدا فیہا) ترجمہ "اور جو کسی مومن کو قصداً قتل کر ڈالے اس کا بدلہ دوزخ ہے کہ اُس میں ہمیشہ رہے گا" اسی طرح اسپر بھی اتفاق ہے کہ جس نے کسی ایسے مسلمان کو جو آزاد ہونے میں اس کی برابر تھا قتل کر ڈالا. اور حالانکہ مقتول قاتل کا باپ نہ تھا اور قتل بھی قصداً کیا تھا تو اُس پر قصاص (بدلہ قتل) واجب ہے. اسی طرح اسپر بھی اتفاق ہے کہ مولیٰ جب اپنے غلام کو قتل کر دے تو مولیٰ غلام کے بدلہ میں قتل نہ کیا جائے اگرچہ قصداً قتل کرے۔

اسی طرح اسپر بھی اتفاق ہے کہ غلام کو آزاد کے بدلہ میں قتل کیا جاوے اور غلام کو غلام کے بدلہ میں قتل کیا جاوے. اسی طرح اسپر بھی اتفاق ہے کہ اگر بیٹا ماں باپ کو قتل کر دے تو بیٹا بدلہ میں قتل کیا جاوے۔ اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ اگر کوئی کسی کو ایسا زخمی کر دے کہ وہ لیٹ جاوے یہانتک کہ پھر وہ فوت ہو جاوے تو اُس سے بدلہ لیا جاوے (یعنی قتل کیا جاوے) اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ مقتول کے والی اگر خون معاف کر دیں تو قصاص ساقط ہو جاتا ہے اور پھر دیت دینی ہوتی ہے۔ اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ اگر قصاص لینے کے بعد گواہ پھر جاویں اور کہنے لگیں کہ ہم نے غلط گواہی دی تھی تو اُنپر قصاص لازم نہیں. اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ مقتول کے وارث جو مستحق ہوں بدلہ لینے کے اور بالغ ہوں اگر بدلہ دیں سے اگر قصاص

طلب کریں تو دیر نہ کی جائے الا اُس صورت میں کہ قتل کرنے والی حاملہ عورت ہو کہ وضع حمل سے قبل بدلہ اُس سے نہ لیا جائے اسی طرح اسپر بھی اتفاق ہے کہ جب مستحقین (جنکو بدلہ لینے کا حق حاصل ہو) نابالغ یا غائب ہوں تو قصاص میں دیر کی جائیگی (کہ نابالغ، بالغ ہو جائیں اور غائب موجود) اُس میں امام ابو حنیفہ رض کا خلاف ہے اُن کے نزدیک اگر نابالغین کے باپ کو کسی نے قتل کر ڈالا تو وہ قصاص لے سکتے ہیں اور دیر ہرگز نہ کی جائے۔ اسی طرح اسپر بھی اتفاق ہے کہ اگر مستحق صغیر نابالغ یا غائب یا مجنون ہو تو صرف غائب ہونے کی صورت میں قصاص کے اندر تاخیر کی جائے۔ اسی طرح تمام اماموں کا اسپر اتفاق ہے کہ حاکم اگر چور کا ہاتھ یا پاؤں کاٹ دے پھر اُس زخم کی تعدی سے اُس کی جان ہلاک ہو جائے تو حاکم پہ ضمان (دیت) کچھ نہیں۔ اسی طرح تمام اماموں کا اسپر بھی اتفاق ہے کہ باپ اپنے بالغ بیٹے کا قصاص (قاتل سے لینے کا) استحقاق نہیں رکھتا۔ اسی طرح اسپر بھی اتفاق ہے کہ شل شدہ ہاتھ کے بدلہ میں صحیح سالم ہاتھ نہ کاٹا جائے اور نہ بائیں کے بدلہ میں داہنا اور نہ بایاں داہنے کے بدلہ میں اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ جس نے کسی کو حرم شریف میں قتل کر دیا ہو اُس کو بدلہ میں قتل کرنا درست ہے۔ یہانتک مسائل اجماعیہ ختم ہوئے۔

مسائل اختلافیہ

پہلا مسئلہ امام شافعی رض اور امام احمد رض کا قول یہ ہے کہ اگر مسلمان کسی ذمی (جزیہ دیکر دار الاسلام میں رہنے والے کو) قتل کر ڈالے یا اُس کافر کو جو دار الاسلام میں امن لے کر رہتا ہے تو مسلمان اُس کے بدلہ میں قتل نہ کیا جائے۔ اور یہی قول امام مالک رض کا ہے مگر اُنہوں نے ایک صورت کا استثنا کیا ہے وہ یہ کہ اگر کسی مسلمان نے ذمی یا مستامن کو دھوکہ دیکر قتل کر ڈالا (یعنی چال چلکر) تو اُسے بطور حد کے قتل کیا جائے اور ولی کو اس صورت میں معاف کرنے کا حق نہیں کیونکہ اس نے قتل کا حکم کرنا حاکم پر لازم ہے۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رض کا قول یہ ہے کہ مسلمان کو ذمی کے بدلہ میں قتل کیا جائے نہ مستامن کے بدلہ میں۔ پس پہلا قول مسلمان پر مخفف ہے۔ اور امام مالک رض کے کلام میں کچھ تخفیف ہے اور دوسرا قول متشدد ہے اور تمام اقوال کی وجوہ ذہن پر پوشیدہ نہیں۔

دوسرا مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ آزاد آدمی دوسرے کے غلام کے بدلہ میں قتل نہ کیا جائے۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رض کا قول یہ ہے کہ قتل کیا جائے۔ پس پہلا قول آزاد آدمی پر مخفف اور دوسرا اسپر مشدد ہے۔

تیسرا مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ اگر باپ اپنے بیٹے کو قتل کر ڈالے تو بدلہ میں اُسے قتل نہ کیا جاوے۔ حالانکہ امام مالک رض کا قول یہ ہے کہ محض قتل کا قصد کرنے کی وجہ سے قتل کیا جاوے جسطرح اُس کو لٹا کر ذبح کرنا۔ اور اگر بلا قصد اُس کا سر تن سے اڑا دیا تو بدلہ میں قتل نہ کیا جاوے اور دادا اس حکم میں مثل باپ کی ہے۔ پس پہلا قول باپ پر مخفف اور دوسرا مفصل ہے۔

چوتھا مسئلہ تینوں اماموں کا قول اور امام احمد رض کی دو روایتوں میں سے ایک یہ ہے کہ اگر بہت سے آدمی ملکر ایک آدمی کو قتل کر ڈالیں تو وہ سب اُس کے بدلہ میں قتل کیے جاویں۔ مگر امام مالک رض نے اس سے قسامت کی صورت کو مستثنیٰ کیا ہے کہ اس صورت میں صرف ایک کو قتل کیا جائے۔ حالانکہ امام احمد رض کی دوسری روایت یہ ہے کہ بہت سے لوگ ایک کو قتل کرنے کیوجہ سے قتل نہ کئے جائیں۔ یعنی دیت دینی ہوگی نہ قصاص۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے۔ اور دونوں قولوں میں سے ہر ایک کی وجہ ظاہر ہے۔

پانچواں مسئلہ

تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ اگر کسی کا ہاتھ کاٹنے میں ایک گروہ شریک ہو جائے تو ہر ایک کا ہاتھ کاٹا جائے۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رح کا قول یہ ہے کہ ایک ہاتھ کے بدلہ میں بہت سے ہاتھ نہ کاٹے جائیں بلکہ اُن میں سے ہر ایک پر ایک ہاتھ کی پوری پوری دیت لازم ہوگی۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے۔

چھٹا مسئلہ

تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ بھاری چیز سے قتل کرنے میں بدلہ (قصاص) لازم ہوتا ہے جس طرح بڑا لٹھ اور اسقدر وزنی پتھر جس کے اندر غالب گمان یہ ہے کہ اُس سے آدمی مرجائے گا۔ اور اماموں کے نزدیک اس میں کچھ فرق نہیں کہ کسی پتھر یا لاٹھی سے زخمی کر کے مار ڈالے یا پانی میں ڈبو دے یا آگ سے جلا دے یا اسکا گلا گھونٹ دے یا اسپر کوئی عمارت گرا دے۔ یا اس کو کھانے پینے نہ دے یہاں تک کہ بھوک یا پیاس سے جان دیدے یا اُسکو کسی بڑے پتھر سے مار دے یا کسی بڑی لکڑی سے خواہ وہ دھار دار ہو یا نہ اور یہی قول امام محمد رح اور امام ابو یوسف کا ہے۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رح کا قول یہ ہے کہ قصاص یا تو آگ میں جلا دینے سے لازم ہوتا ہے اور یا اُس لوہے یا لکڑی یا پتھر کے مارنے سے جو دھار دار ہو اور اگر پانی میں غرق کر دیا اور یا بے دھار کے پتھر یا لکڑی سے مار ڈالا تو اُس صورت میں قصاص لازم نہیں۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا افضل ہے۔

ساتواں مسئلہ

تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ قصدی خطا میں دیت لازم ہوتی ہے مگر امام شافعی رح کا قول یہ ہے کہ اگر اسقدر مارا جس سے وہ مر گیا تو قصاص لازم ہے حالانکہ امام مالک رح کا قول یہ ہے کہ اس صورت میں قصاص واجب ہے (یعنی قصدی خطا میں) اور اس کی صورت یہ ہے کہ فعل کا قصد کرے مگر اُس سے خطا ہو جائے (مثلاً شکار کے قصد سے گولی ماری اور وہ خطا سے انسان کے لگ گئی) یا ایسی ہلکے کوڑے سے کسی کو مارا جس میں غالب گمان یہ تھا کہ اُس سے آدمی مر نہیں سکتا (مگر یہ گمان خطا نکلا اور وہ مر گیا) یا کسی کے گھونسا یا طپانچہ زور سے مارا (جس سے وہ مر گیا) پس پہلا قول دیت کی وجہ سے مخفف اور دوسرا قصاص کی وجہ سے مخفف ہے اور دونوں قائلوں کی حدیث شریف میں دلیل ملتی ہے۔

آٹھواں مسئلہ

امام ابو حنیفہ کا قول یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے دوسرے کو کسی اور شخص کے قتل کرنے پر مجبور (زبردستی) کیا تو قصاص بس اُس کو قتل کیا جائے گا جس نے مجبور کیا ہے نہ اُس کو جو مجبور کیا گیا ہے۔ حالانکہ امام مالک رح اور امام احمد رح کا قول یہ ہے کہ وہ بھی قتل کیا جائے گا جس نے مجبور ہو کر قتل کیا ہے۔ اسی طرح امام شافعی رح کا قول یہ ہے کہ مجبور کرنے والے کو قتل کیا جائے گا۔ رہا وہ جسکو مجبور کیا گیا ہے۔ سو اس میں امام موصوف کے دونوں قول ہیں۔ دونوں میں سے راجح یہ ہے کہ اُن دونوں پر قصاص لازم ہے۔ پس اگر قتل کا کام صرف ایک ہی نے کیا ہو تو قصاص اسی پر ہے۔ پس پہلا قول مجبور کرنے والے پر مشدد ہے نہ قتل کے مرتکب پر۔ اور دوسرا قول اس کا برعکس اور تیسرا مفصل ہے۔

نواں مسئلہ

امام مالک رح کا قول یہ ہے کہ مجبور کرنے والے کا بادشاہ ہونا شرط ہے اور یا ظلم کرنے والا ہو۔ اور اگر وہ جسکو مجبور کیا جائے غلام ہو تو مجبور کرنے والے کا مولیٰ ہونا شرط ہے۔ لہٰذا ان سب سے قصاص لیا جا دے۔ مگر یہ کہ غلام عجمی ہو کہ اُسے اس کے حرام ہونے کی خبر نہ ہو تو اُسپر قصاص لازم نہیں۔ حالانکہ باقی اماموں کا قول یہ ہے کہ ہر دست دراز سے اکراہ (مجبور کرنا) صحیح ہو سکتا ہے۔ پس پہلا قول مذکورین کے سوا پر مخفف ہے۔ اور دوسرے قول میں تشدید ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ پہلے قول کو ان ذی جاہ امرا پر محمول کیا جائے جو بادشاہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے اور دوسرے کو اُن معمولی درجہ کے لوگوں پر محمول کیا جائے جو جاہ کے کسی درجہ میں نہیں۔

دسواں مسئلہ امام ابوحنیفہ رحمہ اور امام شافعی رحمہ کا قول یہ ہے کہ اگر ایک آدمی نے دوسرے کو پکڑ لیا۔ پھر تیسرے نے اُسے قتل کر دیا تو قصاص قتل کرنے والے پر ہے نہ پکڑنے والے پر لیکن پکڑنے والا تعزیر کیا جائے گا۔ حالانکہ امام مالک رحمہ کا قول یہ ہے کہ (چونکہ) پکڑنے والا اور قاتل دونوں قتل میں شریک ہیں (اس لئے) اُن دونوں پر قصاص واجب ہو گا۔ بشرطیکہ بغیر مقتول کو دوسرے سے پکڑ وائے قتل نہ کر سکتا ہو اور مقتول بعد پکڑے جانے کے بھاگنے پر قادر نہ ہو۔ اسی طرح امام احمد رحمہ کی دو روایتوں میں سے ایک یہ ہے کہ قاتل کو قتل کیا جائے اور پکڑنے والے کو قید کر دیا جائے یہانتک کہ (قید ہی میں) مرجائے اسی طرح امام موصوف کی دوسری روایت یہ ہے کہ ہر صورت میں دونوں قتل کئے جائیں۔ پس پہلا قول قاتل پر مشدد ہے نہ پکڑنے والے پر اور دوسرا قول شرط مذکور کیوجہ سے دونوں پر مشدد ہے اور تیسرا بھی مشدد ہے اور تینوں اقوال کی توجیہات ظاہر ہیں کہ ذہن پر پوشیدہ نہیں۔

گیارھواں مسئلہ امام ابوحنیفہ رحمہ کا قول اور امام مالک رحمہ کی دو روایتوں میں سے ایک اور امام شافعی رحمہ کے دو قولوں میں سے راجح یہ ہے کہ قتل عمد کی صورت میں قصاص کا واجب ہونا متعین ہے حالانکہ امام مالک رحمہ کی دوسری روایت اور امام شافعی رحمہ کا دوسرا قول اور امام احمد رحمہ کی دو روایتوں میں سے ایک یہ ہے کہ واجب معین نہیں بلکہ اختیار ہے خواہ قصاص لیا جاوے یا دیت اور اس مسئلہ میں اختلاف کا ثمرہ یہ ہو گا کہ اگر مقتول کے ولی نے بالکل معاف کر دیا تو دیت بھی ساقط ہو جائے گی۔ پس پہلا قول قصاص متعین ہونے کی وجہ سے مشدد ہے اور دوسرے قول میں دیت اور قصاص کے اندر اختیار دینے کیوجہ سے کچھ تخفیف ہے۔

بارھواں مسئلہ امام ابوحنیفہ رحمہ کا قول اور امام احمد رحمہ کی دو روایتوں میں سے ایک یہ ہے کہ مقتول کا ولی اگر قصاص معاف کر دے تو دیت لازم ہو جاتی ہے اگرچہ قاتل رضامند نہ ہو اور اگر ولی قصاص سے مال لینے کیطرف عدول کرے (یعنی مال طلب کرے) تو تاوقتیکہ قاتل رضامند نہ ہو اُس وقت تک یہ درست نہیں حالانکہ امام شافعی رحمہ اور امام احمد رحمہ کا قول یہ ہے کہ ہر صورت میں ولی کو ایسا کرنا درست ہے۔ پس پہلے قول میں ولی پر کچھ تشدید اور دوسرے میں اُس پر تخفیف ہے۔

تیرھواں مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ عورت اگر قصاص معاف کر دے تو ساقط ہو جاتا ہے۔ حالانکہ امام مالک کی دو روایتوں میں سے ایک یہ ہے کہ خون کے اندر عورتوں کو کچھ دخل نہیں۔ اسی طرح امام موصوف کی دوسری روایت یہ ہے کہ خون کے اندر جس طرح مردوں کو دخل ہے اسی طرح عورتوں کو بھی ہے بشرطیکہ عصبات میں سے اُن کے درجہ کا کوئی نہ ہو اور اِس کا مطلب کہ عورتوں کو خون میں دخل ہے یہ ہے کہ قصاص اور دیت دونوں میں ہے بعض کا قول ہے کہ صرف قصاص لینے میں ہے معاف کرنے میں نہیں۔ اور بعض نے کہا کہ معاف کرنے میں ہے قصاص لینے میں نہیں۔ پس پہلا قول قاتل پر مخفف اور دوسرے میں کچھ تشدید ہے۔ اور اسی طرح تیسرا اُس شرط کے ساتھ جو مذکور ہوئی۔

چودھواں مسئلہ امام ابوحنیفہ رحمہ اور امام مالک رحمہ کا قول یہ ہے کہ اگر مستحق (قصاص کا حقدار) نابالغ یا مجنون ہو تو قصاص میں تاخیر نہ کی جائے۔ حالانکہ امام شافعی رحمہ قول اور امام احمد کی دو روایتوں میں سے ایک یہ ہے کہ تاخیر کی جائے یہانتک کہ نابالغ، بالغ ہو جائے اور مجنون صحیح العقل ہو جائے۔ پس پہلا قول تعدی کرنے والے پر مشدد اور مستحق قصاص پر مخفف ہے۔ اور دوسرا اُس کا برعکس ہے۔

پندرھواں مسئلہ امام ابوحنیفہ رحمہ اور امام مالک رحمہ کا قول یہ ہے کہ باپ کو اپنے نابالغ بچہ کیطرف سے قصاص

لینے کا حق ہے (یعنی اگر نابالغ بچہ قصاص لینے کا مستحق ہو اور اُس کی طرف سے باپ پہلے) تعدی خواہ جان کی ہو یا ہاتھ پاؤں وغیرہ میں سے کسی عضو کو کاٹ دیا ہو حالانکہ امام شافعی رحمہ کا قول اور امام احمد رحمہ کی دو روایتوں میں سے اظہر یہ ہے کہ باپ کو اس کا حق نہیں۔ پس پہلے قول میں زیادتی کرنے والے پر کچھ تشدید اور دوسرے میں کچھ تخفیف ہے۔

سولھواں مسئلہ

امام ابو حنیفہ رحمہ اور امام مالک رحمہ کا قول یہ ہے کہ اگر کسی نے گروہ کو قتل کیا تو اُس پر صرف قصاص لازم ہے اس کے سوا اور کچھ لازم نہیں۔ حالانکہ امام شافعی رحمہ کا قول یہ ہے کہ اگر یکے بعد دیگرے قتل کیا ہے تو پہلے کے بدلہ میں قتل کیا جائے گا اور باقی مقتولوں کے عوض میں دیتیں لازم ہونگی۔ اور اگر تمام گروہ کو ایک دفعہ قتل کیا ہے تو مقتولوں کے وارثوں اور والیوں کے درمیان قرعہ اندازی کی جائے گی جس کا نام نکلے گا اُس کے بدلہ میں قتل کیا جائے گا اور باقی مقتولوں کے وارث دیتوں کے مستحق ہونگے۔ اسی طرح امام احمد رحمہ کا قول یہ ہے کہ اگر ایک شخص نے گروہ کو قتل کر دیا پھر مقتولوں کے والی جمع ہو کر قصاص طلب کرنے لگے تو تمام کے بدلہ میں اُس کو قتل کر دیا جائے گا اور اس پر دیت لازم نہ ہوگی اور اگر بعض وارثوں نے قصاص طلب کیا اور بعض نے دیت تو طالبین قصاص کے لئے قتل کیا جائے گا اور طالبین دیت کو دیت دلائی جائے گی اور اگر سب کے سب دیت ہی طلب کریں تو ہر ایک کو پوری پوری دیت دی جائے گی۔ پس پہلے قول میں ظلم کرنے والے پر تخفیف اور دوسرے میں اس پر تشدید ہے۔ اور تیسرا مفصل ہے۔

سترھواں مسئلہ

امام ابو حنیفہ رحمہ کا قول یہ ہے کہ اگر ایک شخص نے دوسرے پر ظلم کیا چنانچہ اُس کا دہنا ہاتھ کاٹ ڈالا پھر ایک اور شخص پر زیادتی کی تو اُس کا بھی دہنا ہاتھ کاٹ ڈالا پھر دونوں مظلوموں نے بدلہ طلب کیا تو دونوں کے واسطے اُس کا دہنا ہاتھ کاٹا جائے گا اور ایک ہاتھ کی دیت لازم ہوگی جو دونوں پر تقسیم کر دی جائے گی۔ حالانکہ امام مالک رحمہ کا قول یہ ہے کہ اُس کا دہنا ہاتھ دونوں کے بدلہ میں کاٹا جائے گا اور دیت لازم نہ ہوگی۔ اسی طرح امام شافعی رحمہ کا قول یہ ہے کہ پہلے مظلوم کے واسطے دہنا ہاتھ کاٹا جائے اور دوسرے کو واسطے دیت کا تاوان دے اور اگر دونوں کے ہاتھ ایک دفعہ کاٹے ہوں تو امام موصوف کے نزدیک دونوں کے درمیان قرعہ اندازی کی جائے جس طرح قتل جان میں کی گئی تھی اسی طرح اُس وقت بھی کہ یقینی طور پر کسی کا پہلے کٹنا اور دوسرے کا بعد میں معلوم نہ ہو بلکہ اشتباہ ہو۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رحمہ کا قول یہ ہے کہ اگر دونوں مظلوم قصاص طلب کریں تو دونوں کے واسطے ہاتھ کاٹا جائے اور دیت لازم نہیں اور اگر ایک تو قصاص طلب کرے اور دوسرا دیت تو طالب قصاص کے لئے ہاتھ کاٹا جائے اور دوسرے کے لئے دیت لے لی جائے۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرے میں کچھ تخفیف ہے اور تیسرا مفصل ہے۔

اٹھارھواں مسئلہ

امام ابو حنیفہ رحمہ اور امام مالک رحمہ کا قول یہ ہے کہ اگر ایک شخص نے کسی کو قصداً قتل کر دیا بعد میں وہ مرگیا تو ولی مقتول کا حق قصاص اور دیت دونوں ساقط ہوگئے۔ حالانکہ امام شافعی رحمہ اور امام احمد رحمہ کا قول یہ ہے کہ قاتل کے ترکہ میں سے اولیاءِ مقتول کو دیت دلوائی جائے گی۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرے میں کچھ تشدید ہے۔

انیسواں مسئلہ

امام ابو حنیفہ رحمہ کا قول یہ ہے کہ قصاص سوا تلوار کے اور کسی چیز سے نہ لیا جائے۔ خواہ قاتل نے مقتول کو تلوار سے مارا ہو یا کسی اور چیز سے۔ حالانکہ امام مالک رحمہ اور امام شافعی رحمہ کا قول یہ ہے کہ جس چیز سے قاتل نے مارا ہو اُسی سے قصاص لیا جائے۔ اور امام احمد رحمہ سے ایک روایت یہی ہے

پس پہلے قول میں کچھ تخفیف اور خوبی کے ساتھ قتل کی تعلیم ہے۔ اور دوسرے میں کچھ تشدید کیونکہ ممکن ہے اُس نے وزنی چیز سے مار ڈالا ہو۔

بلیسواں مسئلہ امام ابوحنیفہ رضؓ اور امام احمد رضؓ کا قول یہ ہے کہ اگر کسی نے حرم شریف سے باہر کسی کو قتل کیا پھر حرم شریف میں جا کر پناہ گزیں ہو گیا یا کسی کو بوجہ کفر یا زنا یا مرتد ہونے کے قتل کیا۔ پھر حرم شریف میں پناہ پکڑی تو وہ قصاصاً اُسی جگہ قتل کیا جائے لیکن اُس کو تنگ کیا جائے اس طرح کہ اُس سے بیع و فروخت ترک کر دیجائے (تاکہ رکھانے پینے کو نہ ملے اور یہاں سے باہر چلا جائے) یہانتک کہ وہاں سے نکلے پس قتل کیا جائے۔ حالانکہ امام مالک رضؓ اور امام شافعی رضؓ کا قول یہ ہے کہ حرم کے اندر ہی قتل کر دیا جائے۔ پس پہلے قول میں ایک مدت مہلت دیدینے کیوجہ سے ظلم کرنے والے پر تخفیف ہے اور دوسرے قول میں تاخیر نہ کرنے کی وجہ سے تشدید ہے۔

اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ حرم شریف کسی گناہگار یا خونی شخص کو پناہ دینے والا نہیں ہے۔

اور پہلے قول کی دلیل حرم شریف کی انتہائی عظمت کا لحاظ کرنا ہے کیونکہ وہ خدا تعالیٰ کا دربار خاص ہے۔ لہذا پہلا قول اس حاکم پر محمول کیا جائے گا جس پر خدا تعالیٰ کی ہیبت کا غلبہ ہو یہانتک کہ اُس کی حرمت کی وجہ سے اقامت حدود بھی وہاں نہ کر سکے۔

اور دوسرا قول اُس حاکم پر محمول کیا جائے جس پر خدا تعالیٰ کی اسقدر ہیبت غالب نہ ہو اور جلد قصاص لینے کو فتنہ بجھانے میں متعبر سے زیادہ موثر جانتا ہو۔

کتاب دیات کے بیان میں

مسائل اجماعیہ

اماموں کا اسپر اتفاق ہے کہ مسلمان آزاد مرد کی دیت سو اونٹ ہیں جو اُس شخص کے مال میں سے دئے جائیں جس نے قصداً قتل کیا ہو۔ بشرطیکہ (ولی مقتول) دیت لینے کی طرف رجوع کریں اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ ہر وہ زخم جس کے اندر بدلہ ممکن ہو اُس کا بدلہ (قصاص) لیا جائے۔ اور اماموں کا اسپر بھی اتفاق ہے کہ ان پانچ زخموں میں کوئی شرعی اندازہ مقرر نہیں اول حارصہ (یعنی وہ زخم جس سے سر کی کھال چھل جائے اور خون نہ نکلے) دوسرا دامیہ (یعنی وہ زخم جس سے خون نکلے) تیسرا باضعہ (وہ زخم جس سے کھال کٹ جائے) چوتھا متلاحمہ (وہ زخم جس سے گوشت کٹ جائے) پانچواں سمحاق (وہ زخم جس سے ہڈی کے پاس کی جھلی تک زخم پہونچ جا دے) اور ان پانچوں کی تفسیر کتب لغت میں مشہور ہے اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ ان پانچوں زخموں میں بعد اچھے ہو جانے کے حکم بنا یا جائے گا اور حکم بنانے کی تفسیر وہ ہے کہ اُس شخص کو جو زخمی ہوا ہے غلام فرض کر کے کوتا جائے گا پھر بعد زخمی ہو جانے کے اُس کی قیمت کا اندازہ کیا جائے گا تو جس قدر قیمت میں زخم سے کمی ہوگی وسقدر بطور دیت زخم کرنے والے کے ذمہ مال لازم ہو گا۔ برخلاف بقیہ اُن زخموں کے جن کا بیان مسائل اختلافیہ میں آنے والا ہے جسطرح موضحہ (وہ زخم جو ہڈی کو ظاہر کر دے) اور ہاشمہ (وہ زخم جو ہڈی کو توڑ ڈالے) الی آخرہا۔ اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ منقلہ میں (وہ زخم جو ہڈی کو ظاہر کر دے اور توڑ دے

اور ایک جگہ سے دوسری جگہ کو منتقل کر دے) پندرہ اونٹ لازم ہیں۔ اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ اُمومہ زخم میں (یہ وہ زخم ہو جو سر کی اندر دماغ تک پہونچ جائے) دیت کا تہائی ہو۔ اسی طرح اسپر بھی اتفاق ہے کہ آنکھ کا بدلہ آنکھ ہے اور ناک کا بدلہ ناک اور کان کا کان اور دانت کا دانت۔ اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ جائفہ (وہ زخم جو پیٹ کے اندر اور سینہ اور پہلو کی جوف تک پہونچ جائے) میں دیت کا ایک ثلث لازم ہے اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ دونوں آنکھیں ضائع کر دینے میں پوری دیت لازم ہے اور ناک میں بھی جبکہ وہ کٹ جائے پوری دیت ہے اور زبان میں بھی پوری دیت ہے۔ اسی طرح دونوں ہونٹوں میں بھی پوری دیت ہے اور تمام دانتوں کی بتیسی میں بھی اور ایک جبڑے میں اگر دوسرا باقی ہو تو نصف دیت ہے۔ اور امام متولی نے ائمہ شافعیہ میں سے دونوں جبڑوں میں پوری دیت کا ہونا مشکل سمجھا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ اس کے بارہ میں کوئی صحیح حدیث وارد نہیں اور قیاس اس کو تقاضا نہیں کرتا۔ کیونکہ جبڑا منجملہ اندرونی ہڈیوں کے ہے جس طرح ہنسلی اور پسلی۔ اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ چار پلکوں میں پوری دیت لازم ہے اسطرح کہ ہر ایک میں چوتھائی دیت سوا اس کے جو امام مالک رضہ سے منقول ہے وہ یہ کہ اس میں کسی کو حکم بنایا جائے گا۔ اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ ہر ہاتھ میں نصف دیت لازم ہے اور پاؤں میں بھی یہی حکم ہے اسی طرح اسپر بھی اتفاق ہے کہ زبان میں دیت ہے اور بینائی گاہ میں بھی دیت ہے اور عقل زائل کر دینے میں دیت ہے۔ اسی طرح قوت سمع دور کر دینے میں بھی۔ اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ آزاد مسلمان عورت کی جان ضائع کر دینے میں مسلمان مرد آزاد کی دیت سے آدھی دیت لازم ہے اور اماموں کا اسپر اتفاق ہے کہ خطا سے قتل کر دینے میں عاقلہ پر دیت لازم ہوتی ہے۔ اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ اس کی ادائگی کی میعاد تین برس ہوتے ہیں۔ یہاں تک مسائل اجماعیہ ختم ہوئے۔

مسائل اختلافیہ

پہلا مسئلہ

تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ مسلمان آزاد مرد کی دیت نقد ہوتی ہے حالانکہ امام ابو حنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ اس کی ادائگی کی میعاد تین سال ہیں۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے پہلے قول کی وجہ مظلوم مسلمان کے احترام کو ملحوظ رکھنا ہے۔

دوسرے قول کی وجہ ظالم کے احترام کا لحاظ ہے۔ کیونکہ مظلوم کی تو تقدیر میں یوں ہی لکھا تھا اور تعدی کرنے والا ممکن ہے کہ تائب ہو جائے اور خدا تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمالے جبکہ دیت کو تین سال تک موخر کیا جائے۔

دوسرا مسئلہ

تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ قتل شبہ عمد میں دیت تین قسم کے اونٹوں سے ادا ہوتی ہے جسطرح قتل عمد میں۔ حالانکہ امام مالک رضہ کے دو قولوں میں سے ایک یہ ہے کہ پانچ قسم کے اونٹوں کو دا ہوتی ہے۔ پس پہلے قول میں تثلیث کی وجہ سے تشدید ہے اور دوسرے میں تخمیس کی وجہ سے تخفیف ہے۔

تیسرا مسئلہ

امام ابو حنیفہ رضہ اور امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ دیت قتل خطا پانچ قسموں کے اونٹوں سے ادا ہوتی ہے، بیس جذعہ (وہ اونٹ جو پانچویں سال میں پڑا ہو) اور بیس حقہ (وہ اونٹ جو چوتھی سال میں ہو) اور بیس بنت لبون (تیسری برس کے اونٹ) اور بیس ابن مخاض (دوسری برس کے نر اونٹ) اور بیس بنت مخاض (دوسری برس کے مادے اونٹ) اور یہی قول امام مالک رضہ اور امام شافعی رضہ کا ہے اتنا فرق ہے کہ انہوں نے ابن مخاض کے بجائے ابن لبون کو رکھا ہے۔ پس پہلے قول میں تخفیف اور دوسرے میں تشدید ہے۔

چوتھا مسئلہ امام ابو حنیفہ رض اور امام احمد رض کا قول یہ ہے کہ دیتوں میں دراہم اور دیناروں کا لینا باوجود اونٹ موجو ہونے کے درست ہے۔ حالانکہ امام شافعی رض کا قول یہ ہے کہ جب اونٹ موجود ہوں تو اُن سے اعراض کرنا درست نہیں مگر یہ کہ طرفین راضی ہو جائیں۔ (تو اُس وقت درست ہے) پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے اور دونوں قولوں کی توجیہ ظاہر ہے کہ ذہین پر پوشیدہ نہیں اس لئے کہ دیت سے اس مظلوم کا احترام مقصود ہے پس جبکہ ہم اونٹ پادیں گے تو اُنہیں کو مقدم رکھیں گے اگر اونٹ نہ ہونگے تو پھر اُن کی قیمت سے بھی احترام مظلوم حاصل ہوسکتا ہے اور شارح علیہ السلام نے جو اُس کا اندازہ اونٹوں کے اندر رکھا ہے اُس کی وجہ یہ ہے کہ اہل عرب کے اموال کا زیادہ حصہ اونٹ ہی ہوتے تھے جیسا کہ کتب فقہ میں مشہور ہے اور امام مالک رض کا قول یہ ہے کہ دیتوں کے اندر اونٹ اصل ہیں پس اگر وہ موجود نہ ہوں یا دست درازی کرنے والے کے اولیا بخل کر جائیں تو پھر ایک ہزار دینار یا بارہ ہزار درہم کی طرف رجوع کیا جائے گا اور امام ابو حنیفہ رض کے نزدیک دیت کی تعداد دس ہزار درہم اور بقیہ تینوں اماموں کے نزدیک بارہ ہزار درہم ہیں۔

پانچواں مسئلہ امام ابو حنیفہ رض کا قول یہ ہے کہ حرم شریف یا حج یا عمرہ کے احرام کی حالت میں کسی کو قتل کر دینے سے دیت سخت نہیں ہوتی اور نہ اُن مہینوں میں قتل کرنے سے جن میں قتل حرام ہے اور نہ اپنے ذی رحم محرم رشتہ دار کو قتل کر دینے سے حالانکہ امام مالک رض کا قول یہ ہے کہ اگر آدمی اپنے بچہ کو قتل کر دے تو دیت سخت ہو جاتی ہے اور دیت کی سختی کی صورت حسب اختلاف مذاہب اربعہ کتب فقہ میں مذکور ہے۔ اسی طرح امام شافعی رض کا قول یہ ہے کہ حرم شریف میں قتل کرنے اور ذی رحم محرم رشتہ دار کو قتل کرنے اور اشہر حُرم (جو مہینے قتال کے حرام کے ہیں) میں قتل کرنے سے دیت مغلظہ (سخت) لازم ہوتی ہے پس پہلا قول مسلمان کی حرمت کو حرم شریف سے بڑھانے والا ہے جیسا کہ حدیث میں وارد ہے اور دوسرا تول بچہ کی تعظیم کو بڑھانے والا ہے خدا تعالیٰ کے ساتھ ادب کا معاملہ کرنیکی وجہ سے کیونکہ اُس نے لوگوں کو اپنی اولاد کے قتل کرنے سے منع فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہے کہ (ولا تقتلوا اولادکم) ،، اور اپنی اولاد کو قتل مت کرو ،، اور دوسری جگہ ارشاد ہے (ولا یقتلن اولادھن) ،، اور نہ قتل کریں وعورتیں اپنی اولاد کو ،، اور تیسرا قول پہلے کی مثل ہے۔

چھٹا مسئلہ چاروں اماموں کا قول یہ ہے کہ دونوں کانوں میں پوری دیت لازم ہے۔ حالانکہ امام مالک رض کی ایک روایت یہ ہے کہ اُن میں کسیکو حکم بنانا چاہئے۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے۔

ساتواں مسئلہ چاروں اماموں کا قول یہ ہے کہ اُس آنکھ میں جو اپنی جگہ قائم ہو مگر اس سے دیکھتا نہ ہو اور شل شدہ ہاتھ اور شل شدہ آلہ تناسل اور خصیئے آدمی کے آلہ تناسل اور گونگی زبان اور چھٹی انگلی اور زائد دانت میں کسیکو حکم بنایا جائے حالانکہ امام شافعی رض کا دوسرا قول اور امام احمد رض کے دو قولوں میں سے اظہر یہ ہے کہ ان تمام چیزوں میں پوری دیت ہے۔ امام احمد رض نے فرمایا کہ ہر پسلی میں ایک اونٹ لازم ہے اور ہنسلی میں بھی ایک اونٹ اور ہر دست اور بازو اور اُن میں دو دو اونٹ لازم ہیں اور تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ اس میں حکم بنانا ہوگا۔ پس پہلے مسئلہ میں پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے جس طرح دوسرے مسئلہ میں پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے۔

آٹھواں مسئلہ امام ابو حنیفہ رض کا قول اور امام شافعی رض کے دو قولوں میں سے ایک یہ ہے کہ اگر کسی نے دوسرے کو مارا یہاں تک کہ اُس کی ہڈی کھولدی اور عقل بھی جاتی رہی اُس پر عقل کی دیت لازم ہوگی۔

موضحہ زخم کی دیت اسی میں داخل ہو جائے گی۔ حالانکہ امام مالک رضؓ اور امام احمد رضؓ کا قول اور امام شافعی رضؓ کے
قولوں میں سے راجح قول یہ ہے کہ اُسپر عقل چلے جانے کی پوری دیت ایک لازم ہے اور موضحہ زخم کا تاوان الگ
پہلے قول میں موضحہ کے تاوان کو دیت عقل میں داخل کر دینے کی وجہ سے تخفیف ہے۔ اور دوسرے قول میں نہ
ل کرنے کی وجہ تشدید۔

ں مسئلہ
امام ابو حنیفہ رضؓ اور امام احمد رضؓ کا قول یہ ہے کہ اگر اُس بچہ کا دانت توڑ دیا جس کے دانت دودھ کے تھے (یعنی کچھ تھے ابھی گر کر دوسرے مضبوط نہ نکلے تھے) تو اُسپر تاوان لازم نہیں۔
نکہ امام مالک رضؓ کا قول اور امام شافعی رضؓ کے دو قولوں میں سے صحیح یہ ہے کہ تاوان لازم ہے پس پہلا قول مخفف
دوسرا مشدد ہے۔

واں مسئلہ
امام ابو حنیفہ رضؓ کا قول یہ ہے کہ اگر اتنی عمر والے بچہ کی زبان کاٹ دی جو بولنے کے قابل نہ ہوا تھا تو اس میں حکم بنانا چاہئیے۔ حالانکہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ اس میں پوری دیت لازم ہے۔ پس
قول میں تخفیف اور دوسرا مشدد ہے۔

رھواں مسئلہ
امام مالک رضؓ اور امام احمد رضؓ کا قول یہ ہے کہ اگر کسی نے کانے کی آنکھ پھوڑ دی تو اُسپر پوری دیت لازم ہوگی۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رضؓ اور امام شافعی رضؓ کا قول یہ ہے کہ اُسپر آدھی دیت
م ہے۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرے میں کچھ تخفیف ہے۔

ھواں مسئلہ
امام ابو حنیفہ رضؓ اور امام احمد رضؓ کا قول یہ ہے کہ اگر کسی آدمی نے دوسرے کو مارا یہاں تک کہ اُسکی ڈاڑھی کے بال اکھیڑ لئے اور پھر وہ نہ اُگے یا اس کے سر یا بھوں یا اُس کے پلکوں کے بال
پھر وہ دوبارہ نہ جمے اس میں پوری دیت لازم ہوگی۔ حالانکہ امام مالک اور امام شافعی رضؓ کا قول یہ ہے کہ اُس کے اندر
نیا لیا جائے گا۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے۔

ھواں مسئلہ
امام ابو حنیفہ رضؓ کا قول یہ ہے کہ اگر کسی نے اپنی بیوی سے جماع کیا جس سے اُس کے دونوں
ے ایک ہو گئے اور وہ بیوی اتنی عمر کی تھی جس سے ہمبستری نہیں کی جاتی تو اُس پر تاوان لازم نہیں۔ حالانکہ امام شافعی رضؓ
ل اور امام مالک رضؓ کی دو روایتوں میں سے ایک روایت یہ ہے کہ اُس پر دیت لازم ہے۔ اسی طرح امام مالک رضؓ کی دو
یتوں میں سے مشہور تر یہ ہے کہ اس میں حکم بنایا جائے۔ پس پہلا قول مخفف ہے۔ کیونکہ یہ فعل ایسے محل میں پایا گیا ہے جس
ی الجملہ تصرف کی اجازت تھی۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد اور تیسرے میں کچھ تخفیف ہے۔

ھواں مسئلہ
امام ابو حنیفہ رضؓ کا قول یہ ہے کہ یہودی اور نصرانی کی دیت مسلمانوں کی سی ہے خواہ جنایت قصداً کی ہو یا خطاءً کچھ فرق نہیں حالانکہ امام مالک رضؓ کا قول یہ ہے کہ دونوں صورتوں میں اُس کی
مسلمان کی دیت سے آدھی ہوگی۔ اسی طرح امام شافعی رضؓ کا قول یہ ہے قصداً اور خطاءً دونوں میں مسلمان کی دیت
ت ہوگی۔ اسی طرح امام احمد رضؓ کا قول یہ ہے کہ اگر اُس نصرانی یا یہودی سے معاہدہ ہو جس کو مسلمان نے قتل کیا ہے اور
بھی قصداً ہو تو اُس کی دیت مسلمان کی برابر ہوگی اور اگر خطاءً قتل کیا ہو تو مسلمان کی دیت کا نصف ہوگی۔ اور اسکو
رقی نے پسند کیا ہے اور امام موصوف سے دوسری روایت یہ ہے کہ اُس کی دیت مسلمان کی دیت سے آدھی ہوگی
پہلا قول مشدد ہے خدا تعالیٰ کے ظاہر قول کے مطابق کہ (وکتبنا علیہم فیہا ان النفس بالنفس والعین بالعین الخ)

کیونکہ اس حکم کو کسی دوسری آیت کے ساتھ ہماری شریعت میں منسوخ نہیں فرمایا۔ بالخصوص اُس وقت کہ اس قول کا قائل قرآن شریف کو حدیث سے منسوخ کرنے کا قائل نہ ہو (یعنی نسخ قرآن بالحدیث کو جائز نہ کہتا ہو) اور دوسرے قول میں کچھ تشدید اور تیسرے میں جنایت کرنے والے پر کچھ تخفیف ہے اور چوتھا قول مفصل ہے کہ اُس کی دو شقوں میں سے ایک کے اندر تشدید ہے ظاہر فرمان الٰہی کے مطابق جیسا کہ مذکور ہوا۔

پندرھواں مسئلہ امام مالک رح کا قول یہ ہے کہ اگر دو سوار ٹکرا کر مر جائیں اور یہ دونوں آزاد ہوں تو ہر ایک کے عاقلہ پر دوسرے کے واسطے پوری دیت لازم ہوگی۔ حالانکہ امام احمد رح کی دو روایتوں میں سے ایک یہ ہے کہ ہر ایک کے عاقلہ پر دوسرے کے لئے نصف دوسرے کی لازم ہے۔ اور یہی قول امام شافعی رح کا ہے۔ امام ابو حنیفہ رح کا اس مسئلہ میں ہم نے کوئی قول نہیں پایا۔ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ ہر ایک کے ترکہ میں سے دوسرے کی دیت کی نصف قیمت لازم ہوگی۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرے میں کچھ تشدید ہے۔

سولھواں مسئلہ امام ابو حنیفہ رح کا قول یہ ہے کہ جنایت کرنے والا عاقلہ کے ساتھ داخل ہوتا ہے کہ وہ بھی اُن کے ساتھ مل کر ادا کرے اور جو کچھ عاقلہ میں سے کسی پر واجب ہوگا وہی قدر جنایت کرنے والے پر بھی۔ اور یہی قول اصحاب امام مالک رح میں سے علامہ ابن قاسم کا ہے۔ حالانکہ دوسروں کا قول یہ ہے کہ جنایت کرنے والا عاقلہ میں شمار نہیں ہوتا ہے۔ اسی طرح امام شافعی رح کا قول یہ ہے کہ اگر دیت کے لئے عاقلہ کافی ہو تو جنایت کرنے والے پر کچھ لازم نہیں اور اگر وہ کافی نہ ہو تو اُس پر بھی لازم ہے۔ اسی طرح امام احمد رح کا قول یہ ہے کہ اُس پر کچھ لازم نہیں خواہ عاقلہ دیت کے لئے کافی ہو یا نہ اسی قول کی بنا پر اگر عاقلہ کافی نہ ہو پوری دیت کے لئے تو پھر بیت المال کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ پس پہلے قول میں تعدی کرنے والے پر تشدید اور دوسرا مخفف اور تیسرا مفصل ہے پھر تفصیل کی دو شقوں میں سے ایک کے اندر تخفیف ہے اور چوتھا قول پورا مخفف ہے

اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ در اصل جنایت کرنے والا تاوان دینے کا زیادہ مستحق ہے۔ بہ نسبت عاقلہ کے کیونکہ وہ خود جنایت کرنے والا ہے۔

اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ جنایت کرنے والے نے عاقلہ ہی کی بودگی پر جنایت کی کیونکہ اگر وہ یہ نہ سمجھتا کہ مجھ کو مظلوم کے حوالہ نہ کریں گے تو وہ ہرگز اُس جنایت کی جرأت نہ کرتا۔

اور تیسرے قول کی وجہ عاقلہ کو تنبیہ کرنے کے لئے حاکم کو اختیار دینا ہے پس اگر وہ عاقلہ کو پوری دیت ادا کرنے پر قادر سمجھے تو اُنہی سے دلوا دے تاکہ وہ آیندہ کے لئے جنایت کرنے والے کو ایسی حرکت سے باز رکھیں اس خوف سے کہ کہیں خود امام (حاکم اسلام) کو اُس کی طرف سے پوری دیت نہ دینی پڑ جائے اور اگر عاقلہ کو پوری دیت ادا کرنے پر قادر نہ جانے تو جنایت کرنے والے کو بھی اُن کے ساتھ شریک کر دے۔

اور چوتھے قول کی وجہ یہ ہے کہ اصل میں جنایت کا باعث عاقلہ ہی ہے جیسا کہ پہلے امام ابو حنیفہ رح کے قول کی توجیہہ میں گذرا اور اس کی توضیح یہ ہے کہ اکثر جنایت کرنے والے منجملہ بے وقوفوں کے ہوتے ہیں اور اُس کو مال کا غریم بنانا کچھ موثر نہیں ہو سکتا اس لئے کہ مال اُس کے نزدیک ایک معمولی سی چیز ہے لہذا پوری دیت عاقلہ پر لازم ہوگی تاکہ وہ ظالم کا ہاتھ روکے اور اگر دیت کا عاقلہ پر لازم ہونا حدیث میں نہ وارد ہوتا تو دیت صرف جنایت کرنے والے ہی پر لازم ہوتی شریعت کے بقیہ قوانین پر قیاس کر کے۔

سترھواں مسئلہ امام ابو حنیفہ رح کا قول یہ ہے کہ جنایت کرنے والا اگر دفتری آدمی ہو تو اہل دفتر اُس کا عاقلہ ج

وہ عصبات پر دیت کا بار اُٹھانے میں مقدم ہونگے۔ پس اگر اہل دفتر نہ ہوں تو پھر اُس کے عصبات کو متحمل ہونا پڑیگا۔ رخ بازاری کا عاقلہ اہل بازار ہیں پھر اُس کے رشتہ دار ہیں۔ اگر وہ عاجز ہو جائیں تو پھر اہل محلہ ہیں۔ اگر وہ بھی نہ ہوں تو اہل شہر ہیں۔ اور اگر جنایت کرنے والا گاؤں کا باشندہ ہو اور اہل گاؤں دیت کے لئے کافی نہ ہوں اُس شہر والوں پر پڑے گی جو اُس گاؤں سے نزدیک ہے۔ حالانکہ امام مالک رضہ اور امام شافعی رضہ اور امام رضہ کا قول یہ ہے کہ اہل شہر وغیرہ کو دیت میں کچھ دخل نہیں مگر اُس صورت میں کہ وہ جنایت کرنے والے کے رشتہ ہوں۔ پس پہلا قول اہل دفتر اور اہل بازار اور اہل محلہ اور اہل شہر پر (خواہ ظالم اُسی جگہ کا باشندہ ہو یا اُس سی گاؤں کا) مشدد ہے اور دوسرے قول میں کچھ تخفیف ہے۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اہل دفتر وغیرہم کو وہ بات بُری معلوم ہوتی ہے جو جنایت کرنے والے کو لگتی ہے اور وہ بات اُن کو پسند آتی ہے جو اُسے اچھی لگتی ہے لہذا حمیت میں مانند عصبات کی ہو گئے (یعنی رشتہ داروں کی)۔

دوسرے قول کی وجہ حمیت میں اُن سب کا عصبات سے کم ہونا ہے۔ لہذا وہ سب رشتہ داروں کے ساتھ لاحق نہیں ہو سکتے اور عنقریب باب تقسیم فئی و غنیمت میں آجائیگا کہ اہل دفتر سے ہر وہ شخص مراد ہے جس نے لشکر مقاتلین کے دفتر میں اپنا نام ثبت کرا دیا ہو۔

...رھواں مسئلہ

امام ابو حنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ عاقلہ میں (دیت کے اعتبار سے) برابری کیجائے چنانچہ تین درہم سے لیکر چار تک لئے جائیں (یعنی فی نفر) اور عاقلہ پر جو دیت لازم ہوتی ہے اُسکا کوئی اندازہ نہیں اور نہ وہ حسب طاقت و قوت لازم ہے۔ حالانکہ امام مالک رضہ اور امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ اندازہ کچھ نہیں مگر اُس قدر لازم ہے جس کے دینے میں سہولت ہو اور ضرر رسانی نہ ہوتی ہو۔ اسی طرح امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ اُس کا اندازہ مقرر ہے چنانچہ تونگر پر نصف دینار لازم ہے اور متوسط الحال پر ربع دینار اور اس سے ... پس پہلا قول مشدد اور دوسرے میں کچھ تخفیف اور تیسرے میں اندازہ کے اعتبار سے کچھ تشدید ہے۔

...اں مسئلہ

امام ابو حنیفہ رضہ اور امام احمد رضہ کا قول اور امام شافعی رضہ کے دو قولوں میں سے ایک یہ ہے کہ عاقلہ کے اندر دیت کا بار اُٹھانے میں غائب اور حاضر سب برابر ہیں۔ حالانکہ امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ غائب تحمل دیت میں حاضر کے ساتھ شریک نہیں ہو سکتا بشرطیکہ غائب منجملہ عاقلہ کے ہو۔ اور اُس اقلیم میں ہو جس میں باقیہ عاقلہ ہے بلکہ دوسری ولایت میں ہو۔ البتہ عاقلہ کے ساتھ نزدیکی قبیلہ ملایا جائیگا جو عاقلہ کے متصل ہو۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا شرط مذکور کی وجہ سے مخفف ہے۔

...مسئلہ

امام ابو حنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر کسی کی دیوار راستہ یا دوسرے شخص کی مملوکہ زمین کی طرف جھک گئی اور پھر وہ کسی آدمی پر گر گئی جس سے وہ فوت ہو گیا پس اگر دیوار کے ڈہانے کا اُس سے کہدیا گیا تھا اور اُس نے باوجود قدرت کے ایسا نہ کیا تو اُس کی وجہ سے تلف جان کا ضامن ہو گا ورنہ نہیں۔

امام مالک رضہ اور امام احمد رضہ کی دو روایتوں میں سے ایک یہ ہے کہ اگر اُس نے دیوار کو نہ ڈہایا تو ضمان لازم ہے۔ امام مالک رضہ نے یہ بھی زیادہ کیا ہے کہ یہ شرط ہے کہ اُس کے ڈہانے سے باز رہنے پر گواہ گذر جائیں (یعنی گواہ ہوں کہ اُس نے باوجود قدرت کے دیوار کو نہ ڈہایا) اسی طرح امام مالک رضہ سے دوسری روایت یہ ہے کہ اگر ... سے یہاں تک ڈر پہونچ گیا ہو کہ جان ضائع ہونے سے بچو تی نہ ہو تو جو کچھ دیوار سے تلف ہو گا اُس کا ضمان دینا

ہوگا خواہ اُس سے پیشتر مطالبہ کیا جاچکا ہو یا نہ اور خواہ گواہ گذرے ہوں یا نہ: اسی طرح امام احمد رضہ کی دوسری روایت اور اصحاب امام شافعی رضہ کے دو قولوں میں سے اصح یہ ہے کہ ضامن نہ ہوگا۔ پس پہلا قول مفصل اور دوسرے میں کچھ تشدید اور تیسرا مخفف ہے اور تمام اقوال کی توجیہات ظاہر ہیں:

اکیسواں مسئلہ امام ابو حنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی کسی بچہ یا بے عقل پر چیخا جو کسی چھت یا دیوار پر کھڑا تھے اور وہ (اس کے چیخ لگانے سے) نیچے گر کر فوت ہوگئے یا بچہ مستی کی عقل ضائع ہوگئی۔ (یا گل بن گیا) یا بالغ کی عقل ضائع ہوگئی۔ پھر زمین پر گر گیا یا حاکم کسی عورت کو اپنی کچہری میں حاضر کرنے کے لئے پیادوں سے بلوایا اُس نے گھبراہٹ سے اپنے پیٹ کا بچہ بچہ ڈالدیا یا اُس کی عقل جاتی رہی تو ان سب صورتوں میں ضمان لازم نہیں۔ حالانکہ امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ ان تمام صورتوں میں، عاقلہ پر دیت لازم ہے سوائے بالغ کے جو چیخ سے گر کر مرجائے۔ کیونکہ اُس میں عاقلہ پر ضمان لازم نہیں۔ اسی طرح امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ تمام صورتوں میں دیت عاقلہ پر لازم ہے اور اُس عورت کی دیت جو کچہری میں بلائی گئی ہو حاکم پر لازم ہے۔ اسی طرح امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ ان تمام صورتوں میں دیت عاقلہ پر لازم ہے سوا اُس عورت کے جو بُلائی گئی ہو کہ اس کی دیت کسی پر لازم نہیں۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرے اور چوتھے میں کچھ تشدید ہے اور تیسرا قول بالکل مشدد ہے۔

اور پہلے قول کی وجہ فوت شدہ کے مارنے میں کسی کا خود مرتکب نہ ہونا ہے۔

اور دوسرے اور اُس کے بعد کے اقوال کی وجہ یہ ہے کہ اُس کے فوت ہونے کے سبب تو نے اس لئے تاوان لازم ہے۔

بائیسواں مسئلہ امام ابو حنیفہ رضہ اور امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر کسی نے کسی عورت کے پیٹ میں مار کر اُس کا بچہ مردہ گرا یا بعد میں وہ عورت بھی مرگئی تو بچہ کی وجہ سے اُس پر کچھ ضمان نہیں مگر (عورت کے فوت ہو جانے سے) مارنے والے پر پوری دیت لازم ہے۔ حالانکہ امام شافعی رضہ اور امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ اُس صورت میں بچہ کی پوری دیت لازم ہوگی۔ پس پہلا قول بچہ کی دیت کے بارہ میں مخفف اور اُس کی ماں کی دیت میں مشدد ہے اور دوسرا قول بچہ کی دیت کے بارہ میں مشدد ہے۔

تیئیسواں مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ اگر کسی نے اپنے مکان کے گرد سے میں کنواں کھودا تو اُس میں گر کر جو مرے گا اُس کا ضمان لازم ہوگا (کھودنے والے پر) حالانکہ امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ اُس پر کچھ زمان نہیں۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے۔

اور پہلے قول کی وجہ اسی طرح دوسرے کی ظاہر ہے۔

چوبیسواں مسئلہ امام ابو حنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر کسی نے مسجد میں بوریا بچھایا یا نمازیوں کی خاطر مسجد کا کنواں کھودا یا مسجد میں قندیل لٹکائی پھر ان میں سے کسی چیز سے کوئی انسان ہلاک ہوگیا تو اگر پڑوسیوں نے اُسے اجازت نہ دی تھی تو ضامن ہوگا۔ حالانکہ امام احمد رضہ کی دو روایتوں میں سے اظہر روایت اور امام شافعی رضہ کے دو قولوں میں سے ایک قول یہ ہے کہ کوئی ضمان لازم نہیں۔ برخلاف اس کے کہ کسی نے مسجد میں کنکریاں بچھائیں اور اُن پر کوئی انسان پھسل کر گر گیا تو اُس پر بالاتفاق ضمان لازم نہیں۔ پس پہلے قول میں شرط مذکور کی وجہ سے تشدید ہے اور دوسرا قول دو شقوں میں سے ایک کے ساتھ مخفف ہے۔

اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ اگر پڑوسیوں نے اجازت نہ دی ہو تو اسی کنواں کھودنے اور بوریا بچھانے کا کوئی حق نہیں اس لئے کہ جو پڑوسی معین ہیں اُنکا حق غیر پڑوسیوں پر جو معین نہیں ہیں مقدم ہے۔

اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ اُس نے جو ارادہ کیا تھا وہ خیر ہی تھا لہذا اُس پر ضمان لازم نہیں ہو سکتا۔

چھبیسواں مسئلہ امام ابو حنیفہ رحؒ اور امام شافعی رحؒ کا قول یہ ہے کہ اگر کسی نے اپنے مکان میں کٹکھنا کتا چھوڑ رکھا ہو اور اُس کے مکان میں کوئی انسان داخل ہو اور اُسے معلوم ہے کہ یہاں کاٹنے والا کتا ہے اور پھر وہ کاٹ لے تو کسی صورت میں صاحب مکان پر ضمان لازم نہیں۔ لیکن اس شرط کے ساتھ کہ مالک مکان کو اُس کا کاٹ کھانا ہونا معلوم ہو۔ اسی طرح امام احمد رحؒ کی دو روایتوں میں سے اظہر یہ ہے کہ اُس پر کوئی ضمان وغیرہ نہیں۔ پس پہلا اور تیسرا قول مخفف اور دوسرے میں شرط مذکور کی وجہ سے کچھ تشدید ہے اور تینوں اقوال کی وجوہ ظاہر ہیں۔ اور یہ ہو سکتا ہے کہ ضمان لازم ہونا تقویداروں اور اُن لوگوں پر محمول ہو جو مسلمانوں پر کامل درجہ کی شفقت رکھتے ہیں اور دوسرا قول اُن پر جو اس درجہ سے کم ہیں۔ والحمد للہ رب العالمین۔

باب قسامت کے بیان میں

مسائل اجماعیہ

اماموں کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر کوئی مقتول پایا جائے اور اُس کا قاتل معلوم نہ ہو تو قسامت مشروع ہے۔ یہی مسئلہ اجماعیہ ہے جو مجھے اس باب میں ملا۔

مسائل اختلافیہ

پہلا مسئلہ امام ابو حنیفہ رحؒ کا قول یہ ہے کہ وہ سبب جس سے قسامت واجب ہوتی ہے یہ ہے کہ مقتول کسی ایسے موقعہ میں پایا جائے جو کسی قوم کی تحت حفاظت و حمایت ہو مثلاً محلہ اور حویلی اور محلہ کی مسجد اور گاؤں۔ اور وہ مقتول جس کی وجہ سے قسامت مشروع ہے اُس مردہ کو کہتے ہیں جس پر چوٹ یا زخم کا اثر نمودار ہو یا گلا گھونٹا ہوا ہو۔ اور اگر اُس کی ناک یا پاخانہ کے مقام سے خون جاری ہو تو وہ ایسا قتیل نہیں ہے (جس کی وجہ سے قسامت لازم ہوتی ہے) برخلاف اس کے کہ اُس کے کان یا آنکھ سے خون جاری ہو کہ وہ ویسا ہی مقتول ہے جس کی وجہ سے قسامت لازم ہوتی ہے حالانکہ امام مالک رحؒ کا قول یہ ہے کہ قسامت کا سبب معتبر یہ ہے کہ مقتول خود کہے کہ میرا خون فلاں نے قصداً کیا ہے۔ اور مقتول بالغ مسلمان آزاد ہو چاہے فاسق ہو یا عادل مرد ہو یا عورت اور اولیائے مقتول کا کوئی ایک گواہ بھی ہو اور اصحاب امام موصوف گواہ کے عادل ہونے میں مختلف ہیں اسی طرح اُس کے مرد ہونے میں۔ پس امام ابو القاسم نے تو شرط ٹھیرایا ہے اور امام اشہب نے عورت اور فاسق ہونے پر اکتفا کیا ہے۔ امام مالک کے نزدیک بلا اختلاف اصحاب امام موصوف قسامت کے اسباب موجبہ میں سے یہ ہے کہ مقتول ایسی جگہ پایا جائے جہاں لوگ نہ ہوں اور اُس کے سر پر کوئی آدمی ہو جس کے ساتھ خون آلودہ ہتیار ہو۔ اور امام شافعی رحؒ کا قول یہ ہے کہ قسامت کا سبب موجب لوث (شبہ کا موجود ہونا) ہے۔ اور لوث امام موصوف کے

نزدیک اُس قرینہ کو کہتے ہیں جو مدعی کی تصدیق کرے مثلاً مقتول کسی محلہ یا چھوٹے سے گاؤں میں پایا جائے اور اُسکی اُن لوگوں سے عداوت و دشمنی ہو یا ایک گروہ مقتول سے الگ ہو جائے اگرچہ دشمنی نہ ہو اور امام موصوف کے نزدیک غلام کی شہادت قرینہ ہے اسی طرح بہت سے غلاموں یا عورتوں یا بچوں یا فاسقوں یا کافروں کی امام موصوف کا مذہب راجح یہی ہے نہ ایک عورت کی اور امام موصوف کے نزدیک ہر خاص و عام کی زبان پر جاری ہونا کہ فلاں شخص نے فلاں کو قتل کیا ہے منجملہ اقسام لوث (قرینہ) کے ہے اسی طرح مقتول کا خون میں لتھڑا ہوا ہونا یا اُس کے پاس ہتھیار پڑا ہونا قرینہ ہے اور اگر کسی جگہ لوگوں کا ہجوم ہوا اور وہاں کوئی مقتول پایا جائے تو یہ بھی قرینہ ہے اسی طرح اگر بچے آپس میں لڑیں اور ایک مقتول اُن میں ظاہر ہو تو مقابل کی صف پر یہ قرینہ ہے اسی طرح امام احمد رض کا قول یہ ہے کہ قسامت کا حکم اُس وقت تک نہ کیا جائے گا جب تک مقتول اور مدعا علیہ کے درمیان کوئی قرینہ موجود نہ ہو اور لوث (قرینہ) کے بارہ میں اُن سے مختلف روایات منقول ہیں چنانچہ اُن سے منقول ہے کہ مدمقابل کے لوگوں سے عداوت ظاہر یا رشتہ داروں سے دشمنی ہو جسطرح قبائل میں باہم مطالبہ خون کا ہوتا ہے یا جسطرح باغیوں اور عادلوں میں نزاع ہوتا ہے اور عامہ اصحاب امام موصوف کا یہی قول ہے اور رہا مقتول کا دعوے کرنا کہ مجھے فلاں آدمی نے قتل کیا ہے سو یہ سوائے امام مالک رض کے اور کسی کے نزدیک لوث (قرینہ) نہیں پس جب قسامت کا سبب موجب پایا جائے تو جس امام کے نزدیک جو کچھ سبب مقررہ ہو تو قتل کے دعوے کرنے والونکو اُس کے قتل کرنے والے پر پچاس قسمیں کھلائی جائیں اُس کے بعد وہ لوگ اُس کے خون کے مستحق ہونگے۔ امام مالک رض اور امام احمد رض کے نزدیک اس شرط کے ساتھ کہ قصداً قتل کا دعوے ہو اور امام شافعی رض کے نزدیک موافق مذہب جدید کے مدعیین دیت مغلظہ کے مستحق ہونگے یہانتک قسامت کے سبب موجب میں جو ائمہ کا کلام تھا وہ ختم ہوا۔

تم اس میں غور کرو انشاء اللہ بعض کو مقتول کا خون بہا لینے میں متشدد پاؤ گے اور بعض کو تخفیف کرنے والا اسطرح کہ جسکو قتل کی تہمت لگائی گئی ہے اُس کے خون میں احتیاط سے کام لینے کی وجہ سے دیت ہی پر اکتفا کیا ہوگا۔ ان دو مرتبوں سے باہر نہیں ہو سکتے اس لئے کہ جو شخص مر گیا اُس کی عمر ختم ہو گئی اور جو اُس کی تقدیر میں لکھا تھا وہ پورا ہو چکا اور جو زندہ ہے اُس سے نیک ہو جانے کی اُمید ہے کہ شاید آیندہ شعائر دینیہ کے قایم کرنے پر کمربستہ ہو جاوے۔ پس جسنے گواہ کا عادل اور مرد ہونا شرط ٹھیرایا ہے تو اُس نے زندہ آدمی کے حق اور اُس کی حرمت کی رعایت کی ہے اور جس نے اس کو شرط نہیں ٹھیرایا تو اُس نے میت کے حق کا لحاظ کیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

دوسرا مسئلہ

امام شافعی رض اور امام احمد رض اور امام مالک رض کا قول یہ ہے کہ مدعیین قسامت کی قسموں سے ابتدا کی جائے نہ مدعا علیہم کی قسموں سے۔ اب اگر مدعیین انکار کر جائیں اور اُن کے گواہ بھی نہ ہوں تو پھر مدعا علیہ کو پچاس قسمیں کھلائی جائیں اور وہ قسمیں کھا کر بری ہو جائے گا۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ کا قول یہ ہے کہ قسامت کے اندر قسمیں صرف مدعا علیہم کے واسطے مشروع ہیں اور اگر وہ دعوے میں کسی خاص معین شخص کی تعیین نہ کریں تو پھر مدعا علیہم میں سے جنہیں مدعیین پسند کریں پچاس شخصوں کو پچاس قسمیں دیجائیں۔ اسطرح کہ قسم بخدا نہ ہم نے اس کو قتل کیا اور نہ ہمکو معلوم ہے کہ کس نے قتل کیا ہے۔ اور اگر وہ لوگ پچاس نہ ہوں تو قسم میں تکرار کی جائے۔ (یعنی ایک ایک آدمی کو کئی کئی قسمیں دیجائیں) پس اگر وہ قسموں سے منکر ہو جائیں تو عاقلہ (اہل محلہ) پر دیت واجب ہے اور مدعا علیہ پر اسطرح قسم کھانا واجب ہے کہ خدا عز و جل کی قسم میں نے اس کو قتل نہیں کیا اور قسم کھا کر بری ہو جائے پس پہلے قول میں اس وجہ سے کہ قسامت مدعا علیہم کے ساتھ مخصوص نہیں تخفیف ہے اور

دوسرا پہلے کا برعکس ہے۔ اور اس کی وجہ کہ مدعیین کی قسموں سے ابتدا کی جائے ظاہر ہے کیونکہ وہی لوگ ہیں جو قصاص طلب کرتے ہیں۔ اور اس کی وجہ کہ قسموں کی مشروعیت صرف مدعا علیہم کے لئے ہوئی ہے یہ ہے کہ قتل کی تہمت انہیں کو لگی ہے لہذا اُن ہی کو اپنی بریت کے واسطے قسمیں کھانی چاہئیں۔

تیسرا مسئلہ امام مالک رضہ اور امام احمد رضہ کا قول اور امام شافعی رضہ کے دو قولوں میں سے مشہور تر قول یہ ہے کہ اگر مقتول کے اولیاء (ورثا) ایک گروہ ہوں تو وراثت کے حساب سے قسمیں اُن پر تقسیم کیجائیں۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ قسموں کی تکرار ایک شخص سے ابتدا ہو جانے کے بعد قرعہ اندازی سے ہوگی۔ پس پہلے قول میں وارثوں پر تخفیف اور دوسرے میں اُن پر تشدید ہے اور دونوں قولوں کی وجہ ذہین آدمی پر پوشیدہ نہیں۔

چوتھا مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ غلاموں میں قسامت کا ثبوت ہے حالانکہ امام مالک رضہ کی دو روایتوں میں سے ایک یہ ہے کہ اُن کے اندر قسامت کا ثبوت نہیں۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے۔

اور پہلے قول کی وجہ مسلمان آدمی کی حرمت کا لحاظ ہے۔

اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ غلاموں کا احترام اُن سے کم ہے اسو جہ سے کہ وہ اموال کے ساتھ ملحق ہیں بایں لحاظ اس کے کہ مولیٰ اُن کی خرید و فروخت کر سکتا ہے جس طرح چاہے برخلاف آزادوں کے کیونکہ شارع علیہ السلام نے آزاد کی بیع اور اُس کی قیمت کھانے سے منع فرمایا ہے اس لئے کہ حق تعالیٰ کے نزدیک آزاد مرد کا بڑا احترام ہے۔

پانچواں مسئلہ امام ابوحنیفہ رضہ اور امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ عورتوں کی قسمیں قسامت میں مطلقاً غیر مسموع ہیں خواہ قتل عمد (قصدی) ہو یا خطاءً۔ حالانکہ امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ مطلقاً مسموع ہیں خواہ قتل عمد ہو یا قتل خطا۔ اور عورتیں قسامت کے اندر مردوں کی مانند ہیں۔ اسی طرح امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ عورتوں کی قسمیں قتل خطا میں سنی جاویں نہ قتل عمد میں پس پہلا قول عورتوں پر مخفف اور تہمت زدہ پر مشدد ہے اور دوسرا اُس کا برعکس ہے۔ اور تیسرا مفصل ہے۔ اور تمام اقوال کی توجیہات ظاہر ہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔

باب کفارہ قتل کے بیان میں

مسائل اجماعیہ

اماموں کا اس پر اتفاق ہے کہ خطاءً قتل کر دینے میں کفارہ واجب ہے بشرطیکہ مقتول ذمی یا غلام نہ ہو اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ خطاءً قتل کر دینے کا کفارہ مسلمان غلام آزاد کرنا ہے اگر وہ نہ میسر ہو تو دو مہینے کے متواتر روزے رکھنے ہیں اور امام ابوحنیفہ رضہ کا قول پہلے گذر چکا ہے کہ کفارہ ظہار وغیرہ میں غلام کا مسلمان ہونا شرط نہیں کیونکہ وہ مطلق کو مقید پر محمول نہیں کرتے۔ یہانتک مسائل اجماعیہ ختم ہوئے۔

مسائلِ اختلافیہ

پہلا مسئلہ

تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ ذمی کو قتل کرنے میں علی الاطلاق کفارہ لازم ہے اور بنابر قول مشہور مسلم غلام کو قتل کرنے میں بھی۔ حالانکہ امام مالک رحمہ کا قول یہ ہے کہ ذمی کو قتل کرنے میں کفارہ لازم نہیں۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے۔

پہلے قول کی وجہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی ذمی کے بارہ میں وصیت فرمانا ہے کہ جو شخص اُس پر ظلم کرے اُس کے لئے بڑی وعید ہے اور وہ یہ کہ قیامت کے دن اُس پر ظلم کرنے والے سے آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم ذمی کی طرفدار ہو کر جھگڑا کریں گے چنانچہ حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ (من ظلم ذمیا کنت حجیجہ یوم القیامہ) تو جب اُس پر ظلم کرنے والے پر یہ وعید ہے خواہ کوئی اُس کا ایک درہم چھین کر ظلم کرے یا اُس کی شان میں کوئی آبرو ریز کلمہ بولکر توہین کیا جاتی ہوگی اُس کی جو اُسے قتل کر ڈالے۔ اور مسلم کو قتل کر دینے میں کفارہ لازم ہونے کی وجہ رسول خدا صلے اللہ وسلم کا بوقت وفات اسطرح وصیت فرمانا ہے کہ (الصّلوٰۃ وما ملکت ایمانکم) "نماز کی پابندی اور اپنے غلاموں کی ساتھ خیر خواہی لازم پکڑو" اور یہ ثابت ہے کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کا غلاموں کے بارہ میں وصیت فرمانا آخری کلام ہے جو آپ نے بوقت وفات فرمایا ہے چنانچہ وارد ہے کہ آپ (بوجہ ضعف) ان الفاظ وصیت کو زبان مبارک سے بہ تکلف ادا کرتے تھے (اور ظاہر ہے) کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم جس کے واسطے (اس نازک حالت میں) ایسی وصیت ارشاد فرماویں اُس کا پورا احترام واجب ہونا چاہئے۔ اور منجملہ اُس کے احترامات کے ایک یہ بھی ہے کہ اُس کے قتل میں کفارہ واجب ہو۔ اور ذمی کو قتل کر دینے میں دوسرے قول کی وجہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل ذمہ کے بارہ میں ارشاد کردہ وصیت کو امور مخصوصہ پر محمول کرنا ہے مثلاً اُس کا ناحق مال لے لینا اور کفارے کے سوا دوسری ذمہ واریاں اُس کی ادا کرنا مثلاً اُس کو کفنانا اور دفنانا جب وہ مر جائے۔ اور اس کی امثال نہ کفارہ کا واجب ہونا کیونکہ فی الجملہ ذمی کا خون بہانا اسوجہ سے جائز ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرتا ہے اور اُس کے سچے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب۔

دوسرا مسئلہ

امام ابوحنیفہ رحمہ اور امام مالک رحمہ کا قول اور امام احمد رحمہ کی دو روایتوں میں سے ایک یہ ہے کہ قتل عمد میں کفارہ لازم نہیں۔ حالانکہ امام شافعی رحمہ کا قول اور امام احمد رحمہ کی دوسری روایت یہ ہے کہ واجب ہے۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ شارع علیہ السلام نے قصداً قتل کرنے والے کو تشدد کے ساتھ قتل کرنے کا حکم فرمایا ہے اور اگر مقتول کے اولیا قتل سے درگزر کریں تو دیت کا لہذا اس سے زیادہ لی جائے گی۔

اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ قصداً قتل کرنے والے کا گناہ خطاءً قتل کرنے والے سے بہت سخت ہے۔ لہذا قتل عمد میں کفارہ کا لازم ہونا بہ نسبت قتل خطا کے زیادہ لایق ہے۔ اور جس نے کہا ہے کہ کفارہ واجب نہیں اُس کا قول اکثر پر محمول ہوگا کہ غالباً قتل عمداً نہیں ہوا کرتا جیسا کہ سجود سہو میں اماموں کا قول ہے کہ اگر کوئی سنت موکدہ کو قصداً ترک کر دی تو اُسے سجدہ سہو مسنون ہے اور اُنکا یہ کہنا کہ یہ باب سجود سہو ہے غالب وقوع پر محمول ہے۔ پس ہر مجتہد کا ایک نشان ضرور ہے۔

تیسرا مسئلہ

امام شافعی رضہ اور امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ کافر جب وہ کسی مسلمان کو خطا سے قتل کر دے کفارہ واجب ہے۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ اور امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ اُسپر کفارہ واجب نہیں۔ پس پہلا قول بحیثیت کفارہ کا تاوان لازم کرنے کے کافر پر مشدد ہے اور دوسرا مخفف۔

اور پہلے قول کی وجہ کافر پر سختی کرنا ہے جیسا کہ ہم نے تاوان کے لفظ سے اشارہ کر دیا ہے اس وجہ سے کہ وہ مسلمان کے حق میں محفوظ جان نہیں۔

اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ کفارہ قاتل کو پاک کرنے والی چیز ہے اور قتل کی وجہ سے جو عذاب ہوتا اُس کے لئے دافع ہے اور کافر اس کا اہل نہیں (کہ اُس سے عذاب کو دور کیا جائے) کیونکہ اس کی پاکی قیامت کے نار دوزخ میں جل کر ہوگی پھر کفارہ سے وہ کیونکر ہو سکتا ہے۔

اور میں نے اپنے شیخ شیخ الاسلام زکریا رحمۃ اللہ علیہ کو فرماتے سنا ہے کہ جب کفارہ کا ثبوت ہوا ہے تو ضرور ہے کہ کسی گناہ کے سبب ہو جو بندہ نے کیا ہو۔ لہٰذا کفارہ بمنزلہ ڈھال کے ہوا جو بندہ کو تکلیف سے روکتا ہے۔ جیسا کہ حدیث صحیح میں وارد ہے کہ جو شخص زنا کرتا ہے تو اُس کا ایمان اُس کے قلب سے نکلکر چھتری کے مثل بنجاتا ہے تاکہ عذاب الٰہی کو زانی پر واقع نہ ہونے دے بلکہ اپنے اوپر روک لے۔

چوتھا مسئلہ

تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ نابالغ اور مجنون اگر کسی کو قتل کر دیں تو اُنپر کفارہ لازم ہے حالانکہ امام ابوحنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ لازم نہیں۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے۔

پہلے قول کی وجہ اُن کی حفاظت میں کمی ہونا ہے اس لئے کہ اگر نابالغ کا ولی اُس کو قتل کرنے سے ڈراتا یا مجنون کو طوق و زنجیر سے جکڑ کر رکھا جاتا تو کسی کو قتل کرنے پر اُنہیں کیوں کر قدرت ہوتی۔ بااینکہ مجنون کبھی ایسا کھانا کھا لینے سے مجنون ہو جاتا ہے جو اُس کی طبیعت کے مناسب نہیں ہوتا لہٰذا اُسپر کفارہ کا تاوان لازم کرنا اُس امام کے نزدیک جو کفارہ کا قائل ہے سبب کی وجہ سے مواخذہ کرنا ہے۔

اور میں نے سیدی عبد القادر دشطوطی رحمۃ اللہ علیہ کو فرماتے سنا ہے کہ اگر مجذوب کسی کو قتل کر دے تو مجنون کی مثل اُسے بھی قتل نہ کیا جائے بلکہ مجذوب کو نہ قتل کرنا زیادہ بہتر ہے کیونکہ مجذوب اپنے جذبہ کا سبب خود نہیں ہوا بلکہ قدرت خداوندی نے اُس کے عالی شان دربار کی طرف مجذوب کو سختی کے ساتھ جذب کر لیا ہے اور اُس کی وجہ یہ ہے کہ وہ معاصی اور غفلتوں سے بالکل پاک رہتا تھا اور رہا مجنون سو وہ کبھی مزاج کے غیر مناسب غذا کا استعمال کر لیتا ہے جس لئے اُس کی عقل زائل ہو جاتی ہے (انتہیٰ)۔

اور امام ابوحنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ نابالغ اور مجنون پر کفارہ واجب نہیں مجنون پر تو اس لئے نہیں کہ وہ مکلف نہ رہا اور نابالغ ابھی بالغ (اور مکلف) نہیں ہوا لہٰذا وہ دونوں اپنے قتل کے فعل میں نہیں پکڑے جا سکتے۔

اور میں نے سیدی علی خواص رضہ کو فرماتے سنا ہے کہ کوئی انسان شریعت و تکلیف کے قواعد سے باہر نہیں خواہ وہ نابالغ یا مجنون ہی کیوں نہ ہو اس لئے کہ اُن کے افعال کم از کم مباح ضرور ہیں اور مباح بھی احکام خمسہ میں سے ایک قسم ہے۔ (انتہیٰ)۔

پانچواں مسئلہ

امام ابوحنیفہ رضہ اور امام مالک رضہ کا قول اور امام شافعی رضہ کے دو قولوں میں سے ایک قول اور امام احمد رضہ کی دو روایتوں میں سے ایک یہ ہے کہ کفارہ قتل خطا میں کھانا کھلانا کافی نہیں۔ حالانکہ امام شافعی رضہ اور امام احمد رضہ کے دوسرے دو قول یہ ہیں کہ کافی ہے۔ پس پہلے قول میں

تشدید اور دوسرے میں تخفیف ہے۔

اور پہلے قول کی وجہ مومن کے احترام کا خیال کرنا ہے اسی واسطے کفارہ اُس چیز کے ساتھ خاص کیا گیا جو غالباً کھانا کھلانے سے خرچ میں زیادہ ہو۔

اور دوسرے قول کی وجہ اس کفارہ کو دوسرے ابواب کے کفارہ پر قیاس کرنا ہے ادہر شارع علیہ السلام نے کسی مقام پر کھانا کھلانے سے منع نہیں فرمایا۔

چھٹا مسئلہ امام مالک رح اور امام شافعی رض اور امام احمد رض کا قول یہ ہے کہ جو شخص کسی کے قتل کا سبب ہوا ہو اس پر کفارہ واجب ہوتا ہے مثلاً کسی نے کنواں کھود دیا راہ میں چھری کھڑی کر دی یا پتھر ڈالدیا۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رض کا قول یہ ہے کہ کسی صورت میں واجب نہیں اگرچہ اس صورت میں دیت لازم ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔

پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے۔

اور پہلے قول کی وجہ سبب کو ارتکاب اور اپنے فعل کی مثل قرار دینا ہے۔ اور دوسرے قول کی وجہ اس کی مثل نہ ٹھیرانا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔

کتاب جادو اور جادوگر کے بیان میں

مسائل اجماعیہ

اماموں کا اس پر اتفاق ہے کہ جادو حرام ہے اور وہ وہ عزیمتیں اور منتر ہوتے ہیں جو ابدان اور نفوس اور قلوب میں اثر کریں (مثلاً) مرض پیدا کر دیں یا قتل کر دیں یا خاوند اور بیوی کے درمیان جدائی ڈالدیں۔

امام الحرمین کا قول ہے کہ جادو فاسق کے ہاتھ پر ظاہر ہوتا ہے جسطرح کرامت صرف ولی کے ہاتھ پر ظاہر ہوتی ہے۔ اور یہ حکم اجماع اُمت سے مستفاد ہے۔ اور امام مالک رض کا قول ہے کہ جادو کرنا زندیق پن ہے اور جب کوئی آدمی کہے کہ میں جادو اچھا جانتا ہوں تو وہ قتل کیا جائے اور اُس کی توبہ قبول نہ ہوگی۔ اور امام نووی کا قول ہے کہ کاہن (غیب کی خبریں دینے والے کے پاس) جانا اور کہانت کو سیکھنا اسی طرح نجوم اور رمل اور جادو کو سیکھنا سکھانا حرام ہے جسکا ثبوت صریح نص سے ہے اور ابن قدامہ حنبلی کا قول ہے کہ امام احمد رض کے نزدیک کاہن اور رمل داں کا حکم یہ ہے کہ اُنہیں قید کر دیا جائے یہانتک کہ فوت ہو جائیں یا قتل کر دے جائیں فرمایا اور وہ شخص جو یہ دعوے کرے کہ میرے پاس جنات جمع رہتے ہیں اور میرے مطیع ہیں وہ جادوگروں میں داخل ہے اور منقول ہے کہ امام احمد رض نے دونوں کے بارہ میں توقف فرمایا ہے۔ فرمایا اور حضرت سعید بن مسیب رض سے اس شخص کے بارہ میں سوال کیا گیا جو اپنے پاس دوائیں رکھتا تھا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے ضرر رساں اشیاء سے منع فرمایا ہے اور نافع چیزوں سے منع نہیں فرمایا۔ اگر تم اپنے بھائی مسلمان کو نفع پہونچا سکو تو ایسا کرو۔ اور اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسا کرنے والا کافر یا واجب القتل نہیں ہے (انتہیٰ)۔ اور جو جادو سیکھتا ہو اُس میں اماموں کا اختلاف ہے کہ وہ اس سے کافر ہو جاتا ہے یا نہیں تو امام ابو حنیفہ رض اور امام مالک رض اور امام احمد رض کا قول یہ ہے کہ کافر ہو جاتا ہے۔ اور اصحاب امام موصوف

میں سے بعض کا قول یہ ہے کہ اگر جادو سے بچنے کے لئے اُسے سیکھتا ہو تو کافر نہیں۔ اور اگر اُس کو جائز سمجھ کر سیکھتا ہو یا نافع سمجھ کر تو کافر ہے اور اگر یہ اعتقاد کرتا ہے کہ شیاطین جادوگر کی مدد میں جو چاہیں کر سکتے ہیں وہ کافر ہے اور امام شافعی رحمہ کا قول یہ ہے کہ جو جادو سیکھتا ہو ہم اُس سے کہیں گے کہ اپنے جادو کی ترکیب ہمارے سامنے بیان کر۔ پھر اگر وہ اسباب کفر بیان کرے (جس طرح اہل بابل کا خیال تھا کہ وہ کواکب سبعہ کے پاس جاتا ہے اور جو وہ چاہتا ہے کواکب وہی کرتے ہیں تو وہ کافر ہے) اور اگر اس کی ترکیب ایسی بیان کرے جو مستلزم کفر نہ ہو تو کافر نہ ہوگا مگر اُس صورت میں کہ جادو کو مباح سمجھتا ہو اور کیا جادو کی کوئی حقیقت ہے تو اس میں تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ ہاں (ہے) اور امام ابو حنیفہ رحمہ نے فرمایا کہ نہ اُس کی کوئی حقیقت ہے اور نہ وہ جسم کے اندر کوئی تاثیر کر سکتا ہے اور شوافع میں سے ابو جعفر استر آبادی کا بھی یہی قول ہے یہاں تک وہ مسائل ہیں جو جادو کی تعریف اور اس کی حقیقت میں ائمہ کے مجمع علیہا ہیں نے پائے۔ رہا جادو کا حکم سو امام مالک رحمہ اور امام احمد رحمہ کا قول یہ ہے کہ وہ صرف اُس کے سیکھنے اور استعمال کرنے کی وجہ سے قتل کر دیا جائے۔ پس جب وہ جادو کی وجہ سے کسی انسان کو قتل کر دے تو تینوں اماموں کے نزدیک قتل کیا جائے۔ اور امام ابو حنیفہ رحمہ کا قول یہ ہے کہ صرف (ایک مرتبہ) جادو کی وجہ سے قتل کر دینے میں نہ قتل کیا جائے بلکہ اُس وقت کہ اس کا چند مرتبہ اُس سے صدور ہو جاوے۔ اور امام موصوف سے ایک روایت یہ بھی منقول ہے کہ جب تک کسی معین انسان کو قتل کرنے کا اقرار نہ کرے اُس وقت تک قتل نہ کیا جائے۔ پس پہلا قول جو امام مالک رحمہ اور امام احمد رحمہ کا ہے مشدد ہے۔ اسی طرح تینوں اماموں کا یہ قول کہ جب وہ اپنے جادو سے کسی کو قتل کر دے تو قتل کیا جائے۔ اور دوسرا جو امام ابو حنیفہ رحمہ کا قول ہے اُس میں تخفیف ہے اور دونوں قولوں کی وجہ مجتہد کے اجتہاد کی طرف رجوع کرتی ہے۔ پس اگر اُس کا اجتہاد محض جادوگر کے اُس سیکھنے اور عمل میں لانے کی وجہ سے قتل کرنے کو چاہے تو قتل کر دے ورنہ چھوڑ دے۔

مسائل اختلافیہ

پہلا مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ جادوگر بطور حد کے قتل کیا جائے۔ حالانکہ امام شافعی رحمہ کا قول یہ ہے کہ قصاصاً قتل کیا جائے۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے۔

پہلے قول کی وجہ ائمہ کا یہ قول ہے کہ جادو کا گناہ منجملہ حقوق اللہ کے ہے اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ وہ مخلوق کا حق ہے (یعنی حقوق العباد میں سے ہے)۔

دوسرا مسئلہ امام ابو حنیفہ رحمہ کا مشہور قول اور نیز امام مالک رحمہ کا قول اور امام احمد رحمہ کی دو روایتوں میں سے اظہر یہ ہے کہ جادوگر کی توبہ قبول نہیں کی جائے اور نہ سنی جائے بلکہ بددین کی طرح سے قتل کر دیا جائے حالانکہ امام شافعی رحمہ کا قول اور امام احمد رحمہ کی دوسری روایت یہ ہے کہ اس کی توبہ قبول کی جائے۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے۔

پہلے قول کی وجہ بعض ائمہ کا یہ قول ہے کہ جادو کا وجود صرف کافر سے ہو سکتا ہے اس لئے کہ وہ ارواح جو جادوگر کو کسی کے قتل پر اعانت کرتی ہیں اُن کے بڑوں نے اُن سے وعدہ لے لیا ہے کہ وہ کسی جادوگر کی اعانت اُسی وقت کریں جب وہ دین اسلام سے باہر ہو جائے اور اس کی تائید حق تعالیٰ کے فرمودہ قصہ ہاروت ماروت سے بھی ہوتی ہے کہ وہ دونوں جب کسی کو جادو سکھاتے تھے تو اُس سے یہ ضرور کہدیتے تھے کہ ہم آزمائش ہیں پس تو کافر مت ہو۔

دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ کوئی جادوگر گناہ میں کافر سے زیادہ نہیں ہو سکتا اور اُس کی توبہ تو خدا تعالیٰ قبول فرماتا ہے اور ہو سکتا ہے کہ دونوں قول مجتہد کے اجتہاد پر موقوف ہوں کہ اگر وہ جادوگر کے زندہ چھوڑنے کو مسلمان کے قتل میں سخت اندیشہ ناک تصور کرے تو اُسے قتل کر دے اور اس کی توبہ قبول نہ کرے ورنہ توبہ قبول کر کے چھوڑ دے۔

تیسرا مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ اہل کتاب جادوگر کو قتل نہ کیا جائے۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رض کا قول یہ ہے کہ جسطرح مسلم جادوگر قتل کیا جاتا ہے اسی طرح یہ بھی قتل کیا جائے۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے اور یہ دونوں قول حاکم اسلام یا اُس کے قایم مقام کی رائے پر موقوف ہیں

چوتھا مسئلہ امام مالک رض اور امام شافعی رض کا قول یہ ہے کہ جادوگرنی عورت کا حکم جادوگر مرد کی طرح ہے حالانکہ امام ابوحنیفہ رض کا قول یہ ہے کہ جادوگرنی عورت قید کر دی جائے اسکو قتل نہ کیا جائے۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرے میں کچھ تخفیف ہے اور دونوں قولوں کی وجہ اجتہاد مجتہد یا حاکم اسلام یا اُس کے قایم مقام کی رائے پر منحصر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔

کتاب اُن سات حدود کے بیان میں جو جنایات پر مرتب ہیں

اور جنایات یہ ہیں مرتد[1] ہو جانا، خلیفہ[2] اسلام سے باغی ہو جانا، زنا[3] کرنا، کسی کو تہمت[4] لگانا، چوری[5] کرنا، رہزنی[6] کرنا شراب[7] نوشی بشرطیکہ یہ سب یقینی طور پر ثابت ہو جاویں۔ پس اب میں حق تعالیٰ کی توفیق سے کہتا ہوں۔

باب مرتد ہونے کے بیان میں

مسائل اجماعیہ

مرتد ہونا نیت کے ساتھ اسلام توڑ دینے یا کفر کہنے یا کرنے کو کہتے ہیں اور ائمہ کا اسپر اتفاق ہے کہ جو شخص اسلام سے مرتد ہو جائے اُس کو قتل کرنا واجب ہے اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ زندیق کا قتل واجب ہے اور زندیق وہ شخص ہے جو خفیہ کافر ہو اور ظاہر میں مسلمان بنے اور اسپر بھی کہ جب کسی شہر کے باشندے مرتد ہو جاویں تو اُن سے قتال کیا جائے اور اموال مال غنیمت ہونگے۔ یہانتک مسائل اجماعیہ ختم ہوئے۔

مسائل اختلافیہ

پہلا مسئلہ امام ابوحنیفہ رض کا قول یہ ہے کہ مرتد کو فی الفور قتل کرنا واجب ہے اُس سے توبہ کرانے تک توقف نہ کیا جائے اور اگر توبہ کرانے سے تائب نہ ہو تو اُسے مہلت نہ دیجائے مگر اُس وقت کہ وہ مہلت طلب کرلے تو اُسے مہلت دیدیجائے اور اصحاب امام موصوف میں سے بعض وہ ہیں جنہوں نے کہا ہے کہ بلاطلب

مہلت دیجائے اور امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ اُس سے توبہ کرانا واجب ہے پس اگر فی الفور توبہ کرے تو قبول کیجائے اور اگر توبہ نہ کرے تو تین روز کی مہلت دیجائے اس اُمید پر کہ شاید توبہ کرے پس اگر توبہ کرلی تو منہا ورنہ قتل کر دیا جائے اور امام شافعی رضہ کے دو قولوں میں سے قول اظہر یہ ہے کہ اُس سے توبہ کرانا واجب ہے اور مہلت بالکل نہ دیجائے بلکہ اگر ارتداد پر قایم رہے تو فی الفور قتل کر دیا جائے اور امام احمد رضہ کی دو روایتوں میں سے ایک روایت امام مالک کے مذہب کے موافق ہے اور دوسری یہ ہے کہ توبہ کرانا واجب نہیں اور امام موصوف سے مہلت دینے کے واجب ہونے میں مختلف روایات منقول ہیں۔ اور امام حسن بصری رضہ سے منقول ہے کہ مرتد سے توبہ نہ کرائی جائے اور نہ اُسکو فی الفور قتل کرنا واجب ہے۔ امام عطاء کا قول ہے کہ اگر اسلام پر تھا اور مرتد ہوگیا تو اُس سے توبہ نہ کرائی جائے اور کافر پھر مسلمان ہو کر اُس کے بعد مرتد ہوگیا تو اُس سے توبہ کرائی جائے۔ اور امام ثوری رضہ سے منقول ہے کہ ہر صورت میں توبہ کرائی جائے اور کافر تھا پھر مسلمان ہوا اُس کے بعد مرتد ہوگیا تو اُس سے توبہ کرائی جائے اور امام ثوری رضہ سے منقول ہے کہ ہر صورت میں توبہ کرائی جائے۔ پس امام ابوحنیفہ رضہ اور امام شافعی رضہ کا قول مشدد ہے سوائے امام ابوحنیفہ رضہ کے نزدیک مہلت دینے کے اور اصحاب امام ابوحنیفہ رضہ کے قول میں تخفیف ہے اور امام مالک رضہ کا قول بھی مہلت دینے کے اعتبار سے ایسا ہی ہے۔ اسی طرح توبہ کرانے کے وجوب کے لحاظ سے اور ایسی ہی روایت امام احمد رضہ سے ہے۔ اور امام حسن رضہ کا قول مخفف ہے۔ اور امام عطاء کے قول میں اور امام ثوری رضہ کے قول میں اس اعتبار سے کہ ہر صورت میں توبہ کرائی جائے اور قتل نہ کیا جائے تخفیف ہے۔ اور ان تمام اقوال کی توجیہات ظاہر ہیں۔

دوسرا مسئلہ

تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ مرتدہ عورت کا حکم مرتد مرد کا سا ہے۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ عورت کو قید کیا جائے۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرے میں کچھ تخفیف ہے۔

اور پہلے قول کی وجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ (من بدل دینہ فاقتلوہ) ''جو بھی اپنے دین کو بدل دے اُسے قتل کر دو،، کیونکہ من (جو) کا لفظ عورت اور مرد سب کو شامل ہے اور دوسرے قول کی وجہ لفظ من کو مرد کے ساتھ مخصوص کرنا ہے۔

اور نیز عورت کے مرتد ہونے سے اسلام میں کوئی بڑا خلل نہیں پڑتا اور نہ وہ مرتد ہو کر دین کفر کی حمایت میں لڑتی ہے برخلاف مرد کے۔

تیسرا مسئلہ

امام ابوحنیفہ رضہ کا قول اور امام احمد رضہ کی دو روایتوں میں سے مشہور تر یہ ہے کہ باتمیز بچہ کا مرتد ہونا معتبر ہے۔ امام مالک رضہ کا ظاہر مذہب بھی یہی ہے۔ حالانکہ امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ معتبر نہیں اور امام احمد رضہ سے بھی دوسری روایت یہی ہے۔ پس پہلا قول بچہ پر اُس کا ارتداد معتبر ہونے میں مشدد ہے اور دوسرا نامعتبر ہونے میں مخفف۔

پہلے قول کی وجہ ارواح کا اعتبار کرنا ہے جس طرح پروردگار عالم نے اُن کا اعتبار کیا اور فرمایا کہ ''الست بربکم،، اور دوسرے قول کی وجہ ارواح کا اجسام کے ساتھ اعتبار کرنا ہے کیونکہ ارواح کا مع اجسام ہونا تکلیف کا موقوف علیہ ہے۔ پس ہر قول کی ایک وجہ ضرور ہے۔

چوتھا مسئلہ

امام ابوحنیفہ رضہ کی دو روایتوں میں سے اظہر روایت اور اصحاب امام شافعی رضہ کے پانچ قولوں میں سے اصح یہ ہے کہ زندیق کی توبہ مقبول ہے۔ حالانکہ امام مالک رضہ اور امام احمد رضہ کا قول اور امام ابوحنیفہ رضہ کی دوسری روایت یہ ہے کہ قتل کیا جائے اور توبہ نہ کرائی جائے۔ پس پہلے قول میں تخفیف اور دوسرا مشدد

پہلے قول کی وجہ زندیق کو اصلی کافر کے ساتھ شامل کرنا ہے اور دوسرے قول کی وجہ اُس کے ساتھ شامل نہ کرنا ہے کیونکہ ظاہر میں اسلام دکھلاتا ہے برخلاف کافر مطلق کے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔

پانچواں مسئلہ امام ابو حنیفہ رض کا قول یہ ہے کہ اگر شہر کے باشندے مرتد ہو جائیں تو وہ دار الحرب نہ ہو جائیگا جب تک تین شرطیں نہ پائی جائیں۔ اول ظہور احکام کفر۔ دوم یہ کہ نہ کوئی مسلمان باقی رہے اور نہ ذمی، امان اصلی کیساتھ۔ سوم یہ کہ وہ شہر دار الحرب کا ملتا ہو حالانکہ امام مالک رض کا قول یہ ہے کہ کسی شہر میں احکام کفر کا ظاہر ہونا اُس کو دار الحرب بنا دیتا ہے اور یہی امام احمد رض اور امام شافعی رض کا قول ہے۔ پس پہلے قول میں شروط مذکورہ کی وجہ سے تخفیف ہے اور دوسرے میں تشدید۔

چھٹا مسئلہ امام ابو حنیفہ رض اور امام مالک رض کا قول یہ ہے کہ جب کسی شہر کے باشندے مرتد ہو جائیں تو انکی وہ اولاد جو بعد ارتداد اُن سے پیدا ہوئی ہو مال غنیمت نہ سمجھے جائیں اور نہ غلام بنائے جائیں بلکہ اسلام پر قایم رکھے جائیں تا وقتیکہ بالغ ہوں۔ پھر اگر مسلمان نہ ہوں تو قید کر دئے جائیں اور حاکم اُن کو اسلام کیطرف کھینچنے کیلئے مارنے سے ڈرائے اور اُن کی اولاد کی اولاد پس غلام بنائی جائے اور امام احمد رض کا قول یہ ہے کہ اُنکی اولاد بھی غلام بنائی جائے اور اولاد کی اولاد بھی۔ اور امام شافعی رض کے دو قولوں سے اصح قول یہ ہے کہ غلام نہ بنائے جائیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔

باب باغیوں کے احکام میں

مسائل اجماعیہ

اماموں کا اسپر اتفاق ہے کہ کسی کو خلیفہ اسلام ماننا فرض ہے اور مسلمانوں کے لئے ایک ایسے حاکم کی ضرورت ہے جو شعائر دین کو قائم کرے اور مظلوموں کو ظالموں سے قصاص دلوا دے اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ یہ جائز نہیں کہ ایک وقت میں تمام دنیا کے مسلمانوں پر دو خلیفہ ہوں خواہ انکا باہمی اتفاق ہو یا اختلاف اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ خلیفہ قریش میں سے ہوگا اور قبیلہ قریش میں سے ہر فرد خلافت کا محل بن سکتا ہے۔ اور اسپر بھی کہ خلیفہ کو چاہئے کہ اپنا ولیعہد بنا دے اور اس میں بھی کسی امام کا اختلاف نہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق رض کی خلافت برحق تھی۔ اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ عورت اور کافر اور نابالغ بچہ کو خلیفہ بنانا درست نہیں اور نہ مجنون کو۔ اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ خلیفہ اعظم کی ہر حکم میں بشرطیکہ وہ گناہ نہ ہو اطاعت واجب ہے۔ اور اسپر بھی کہ خلیفہ اور اس کے ماتحت کے احکام سب نافذہ ہیں (قابل فسخ نہیں) اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ جب خلیفۃ المسلمین پر کوئی صاحب شوکت گروہ چڑھائی کرے یا اس کی اطاعت سے باہر ہو جاوے اگرچہ وہ لوگ کوئی ظنی تاویل کرتے ہوں تو خلیفہ کو اُن سے جہاد اور قتال حلال ہے تا وقتیکہ حق تعالیٰ کے حکم کی طرف رجوع نہ کریں اور جب رجوع کر جاویں تو قتال بند کر دے۔ اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ باغی لوگ جو کسی زمین کا خراج یا کسی ذمی سے جزیہ وصول کر چکے ہوں تو اہل عدل اس کو محسوب کریں (یعنی دوبارہ اُن سے نہ لیں) اور اسپر بھی کہ اہل عدل باغیوں کا کچھ تلف کر دیں تو اُن پر ضمان لازم نہیں۔ یہانتک مسائل اجماعیہ ختم ہوئے

مسائل اختلافیہ

امام مالک رحمہ اور امام شافعی رحمہ اور امام احمد رحمہ کا قول ہے کہ باغیوں میں سے اگر کوئی پیچھے کو پھر جاوے

پہلا مسئلہ تو اُس کا پیچھا کرنا اور جو اُن میں سے زخمی ہو اُسے اُن سے ملنے نہ دینا اور حراست میں لے لینا جائز نہیں۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رحمہ کا قول یہ ہے کہ جب تک جنگ قایم رہے اُس وقت تک یہ درست ہے اور جب جنگ ختم ہو جاوے تو اُسے واپس کر دینا چاہئے۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے اور دونوں قولوں کی وجہ ظاہر ہے ذہین پر پوشیدہ نہیں۔

امام مالک رحمہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ کا قول اور امام شافعی رحمہ کا جدید قول اور امام احمد رحمہ

دوسرا مسئلہ کی دو روایتوں میں سے ایک یہ ہے کہ باغیوں نے حالت بغاوت میں اہل عدل کا مال جو تلف کیا ہوگا اُس کا ضمان لازم نہیں۔ حالانکہ امام شافعی رحمہ کا قول قدیم اور امام احمد رحمہ سے دوسری روایت یہ ہے کہ ضمان دینا ہوگا پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔ پہلے قول کی وجہ باغیوں کے قلوب کو اُن سے تلف کا ضمان معاف کر کے امام عادل کی طاعت کی طرف راغب کرنا ہے اور دوسرے قول کی وجہ اہل عدل کا اپنی بات کو باغیوں کی بات پر غالب کرنا ہے تاکہ اُن کے دلوں میں اہل عدل کی ہیبت قایم ہو جائے اور آیندہ کبھی بغاوت پر جرأت نہ کریں لیکن پہلے قول کی صحیح وجہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

باب زنا کے بیان میں

مسائل اجماعیہ

اماموں کا اس پر اتفاق ہے کہ زنا سخت بے حیائی ہے جو حد کو واجب کرتا ہے۔ اور اس پر بھی کہ حد زنا کرنے والوں کے اختلاف سے مختلف ہو جاتی ہے کیونکہ زنا کرنے والا کبھی کنوارا ہوتا ہے اور کبھی شادی شدہ اور اُسی کو محصن کہتے ہیں۔ اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ منجملہ شرائط احصان کے آزاد ہونا اور بالغ و عاقل ہونا ہے اور یہ کہ وہ بنکاح صحیح نکاح کر چکا ہو اور بیوی سے ہمبستر بھی ہو چکا ہو۔ یہ پانچوں شرطیں احصان کے اندر اجماعی ہیں اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ جس کے اندر شرائط احصان کامل ہوں اور وہ ایسی عورت سے زنا کرے جس کے اندر بھی شرائط احصان کامل ہوں بایں طور کہ وہ آزاد و عاقلہ بالغہ نکاح صحیح کے ساتھ ہمبستر ہو چکی ہو اور مسلمان بھی ہو تو اُن میں دونوں کا احصان پایا گیا اس لئے دونوں سنگسار کئے جائیں یہاں تک کہ مر جائیں۔ اور اس پر بھی کہ دو آزاد کنوارے جب زنا کریں تو ہر ایک کے سو سو کوڑے مارے جائیں۔ اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ غلام اور لونڈی جب زنا کریں تو اُس پر پوری حد نہ ماری جائے بلکہ ہر ایک پر پچاس پچاس کوڑے مارے جائیں اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ غلام مرد اور عورت میں کوئی فرق نہیں اور اُن کو سنگسار نہ کیا جائے بلکہ کوڑے ہی مارے جائیں خواہ محصن ہوں یا نہ بعض اہل ظاہر کا اس میں خلاف ہے جیسا کہ مسائل اختلافیہ میں آجائے گا اور جمیع

اماموں کا اسپر اتفاق ہے کہ وہ گواہی جس سے زنا کا ثبوت ہوتا ہے یہ ہے کہ چار عادل مرد جو زنا کی حقیقت سے خبردار ہوں گواہی دیں۔ اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ لواطت حرام ہے اور وہ بہت بُرے اور سخت فواحش میں سے ہے اور وہ زنا سے بھی زیادہ بےحیائی ہے اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ لواطت کے گواہ بھی زنا کی مثل چار ہونے چاہئیں سوائے امام ابوحنیفہ رضہ کی کیونکہ اُن کے نزدیک لواطت دو گواہوں سے بھی ثابت ہو جاتی ہے۔ اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ اگر ایسی عورت سے نکاح کر لیا جو رضاعت کیوجہ سے حرام تھی یا نسب کی وجہ سے تو وہ نکاح باطل ہے اور اماموں کا اسپر بھی اتفاق ہے کہ اگر کسی نے کسی عورت کو اُس سے زنا کرنے کے لئے کرایہ پر لیا اور پھر زنا کیا تو اُسپر حد لازم ہے سوائے امام ابوحنیفہ رضہ کے کہ اُن کے نزدیک لازم نہیں اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ زنا کے گواہ اگر پورے چار نہ ہوں تو وہ تہمت لگانے والے ہیں لہذا تہمت کی حد اُن پر لازم ہے سوائے امام شافعی رضہ کے ایک قول کے اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ اگر دو شخصوں نے گواہی دی کہ فلاں آدمی نے فلاں عورت سے اُس کی رضامندی سے زنا کیا ہے اور دو شخصوں نے یہ گواہی دی کہ اُس نے فلاں عورت سے زبردستی زنا کیا ہے تو اُن میں سے کسی پر (نہ مرد پر نہ عورت پر) حد لازم نہیں۔ اسی طرح اس پر بھی اتفاق ہے کہ تہمت لگانے اور زنا کرنے اور شراب پینے کی گواہی فی الحال سنی جائے۔ اور اماموں کا اسپر بھی اتفاق ہے کہ مرد کو اپنی بیوی کی لونڈی سے ہمبستر ہونا ناجائز ہے اگرچہ وہ اجازت بھی دے چکی ہو۔ مسائل اجماعیہ ختم ہوئے۔

مسائل اختلافیہ

پہلا مسئلہ

امام ابوحنیفہ رضہ اور امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ منجملہ شرائط احصان کے مسلمان ہونا بھی ہے۔ حالانکہ امام شافعی رضہ اور امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ اسلام شرائط احصان میں سے نہیں ہے۔ لہذا اُن کے نزدیک ذمی کو بھی حد ماری جائے۔ پس پہلا قول ذمی پر مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ سنگسار کرنا تطہیر ہے اور ذمی طہارت کا اہل نہیں بلکہ اُس کی طہارت صرف آگ میں جلکر ہوگی۔ اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ جب اُسکو دنیا میں حد ماری جائے گی تو آخرت میں عذاب کم ہوگا۔ اور حد اس لئے ماری جائے کہ وہ فروع اسلام کا مخاطب ہے۔ بالخصوص اُس وقت کہ ذمی ہمارے پاس مقدمہ لادے۔

دوسرا مسئلہ

امام ابوحنیفہ اور امام مالک رضہ اور امام شافعی رضہ کا قول اور امام احمد رضہ کی دو روایتوں میں سے ایک یہ ہے کہ اگر کسی نے بحالت کنوارپن زنا کیا پھر محصن ہونے کے بعد بھی کیا تو اُسے سنگسار کرنے سے پہلے کوڑے نہ مارے جائیں اور واجب صرف سنگساری کرنا ہے۔ حالانکہ امام احمد رضہ کی دو روایتوں میں سے ایک یہ ہے کہ سنگسار کرنے سے پہلے اسپر کوڑے لگا دئے جائیں۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔ اور شاید اختلاف اقوال اجتہاد امام کی طرف مفوض ہو۔ اور ہو سکتا ہے کہ اُن لوگوں پر محمول کیا جائے جنکو اپنے خود کردہ فعل پر سخت ندامت حاصل ہو چکی ہو۔ اور دوسرا اُن پر جنکو ندامت حاصل نہیں ہوئی لہذا انکی تطہیر اسی طرح خوب ہوگی۔

تیسرا مسئلہ

چاروں اماموں کا قول یہ ہے کہ زانی اگر غلام ہو اور نکاح کر کے ہمبستر ہو چکا ہو اور نکاح بھی صحیح کیا ہو تو وہ سنگسار نہ کیا جاوے۔ حالانکہ امام ابو ثور کا قول یہ ہے کہ سنگسار کیا جاوے۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔

پہلے قول کی وجہ غلام کا حرام شہوت سے بچنے پر بہ نسبت آزاد کے عادتاً کم قادر ہونا ہے لہذا غلام کو آزاد کا حکم نہ دیا جائیگا

دوسرے قول کی وجہ غلام کو آزاد کے ساتھ لاحق کرنا ہے۔

مسئلہ — تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ زنا کرنے والے اگر دونوں کنوارے اور آزاد ہوں تو اُن کو کوڑے بھی مارے جاویں اور ایک سال تک شہر بدر رکھا جاوے جیسا کہ حضرت ابوبکر رض اور حضرت عمر رض ...ضرت عثمان رض اور حضرت علی رض کا یہی قول ہے اور امام عطار رح اور امام طاؤس رح نے بھی اسی کو لیا ہے۔ ...نکہ امام ابوحنیفہ رض کا قول یہ ہے کہ شہر بدر کرنے اور کوڑے لگانے کو جمع نہ کیا جاوے (یعنی دونوں حد سمجھی جائیں ...ر بدر کرنا بھی واجب ہو) بلکہ شہر بدر کرنا امام اور حاکم اسلام کی رائے پر موقوف ہے اگر شہر بدر کرنے میں مصلحت ...ے تو جتنی مدت کے لئے مناسب سمجھے شہر بدر کردے اور امام مالک رض سے منقول ہے کہ مرد زانی کو شہر بدر کرنا ...ب ہے نہ زناکار عورت کو۔ اور شہر بدر کرنا یہ ہے کہ اُسے ایک سال کے لئے دوسرے شہر کی طرف (پردیس میں) ...ند یا جائے۔ پس پہلا قول اشد دا ور دوسرے میں کچھ تخفیف ہے اور امام مالک رض کی دوسری روایت مفصل ہے۔ ...قول کی وجہ زانی کے ذہن میں زنا کی بُرائی بٹھانی ہے۔ اس طرح کہ زانی کو اُس جگہ سے بھی غائب کر دیا جائے جہاں (حد کی) تکلیف پہونچی ہے اور اس میں ایک اعتبار سے اُسپر رحم ہے کہ اُس کے شہر اور پاس پڑوس کے لوگ شرمندہ ...یں۔ اور امام مالک رض کی دوسری روایت کی وجہ عورت کے اندر غالباً پردہ نشین اور گھر میں مستور ہو کر رہنا پایا جاتا ہے ...بت کم لوگ ہوتے ہیں جو اُسے پہچانتے ہوں تاکہ اُسے فعل شنیع پر شرمندہ کریں برخلاف مرد کے کہ وہ اکثر لوگوں سے ...ات اور مساجد وغیرہ میں ملاقات کرتا رہتا ہے۔ ...ر وہ شخص جو اپنے فعل شنیع کو لوگوں کے زبان زد دیکھے گا تو اُسے تکلیف ہوگی اور شرمندہ کرنے والے گناہ میں داخل ہونگے ...ہماری سابق تقریر سے امام ابوحنیفہ رض کے اس قول کی توجیہہ بھی معلوم ہو گئی کہ شہر بدر کرنا حاکم اسلام کی طرف مفوض ...ونکہ اس کی رائے کبھی (کسی موقعہ میں) شہر بدر کرنے کی ہوگی اور کبھی نہ کرنے کی۔

...وال مسئلہ — چاروں اماموں کا قول یہ ہے کہ غلام اور لونڈی جب زنا کریں تو سنگسار نہ کئے جائیں بلکہ کوڑے مارے جائیں خواہ محصن ہوں یا نہ ہوں اور ابن عباس رض اور مجاہد رض اور ابن جبیر کا قول ...ہے کہ اگر وہ محصن نہ ہوے ہوں تو بالکل حد نہ ماری جائیں اور اگر وہ محصن ہوں تو اُن کی حد پچاس کوڑے ہیں اور ...وگ جیسا کہ قاضی عبدالوہاب نے عیون میں بیان کیا ہے اس طرف گئے ہیں کہ اُن دونوں کا حکم آزاد ونکا سا ہے اگر محصن ہونگے تو اُن کی حد سنگسار کرنا ہوگی اور اگر محصن نہ ہونگے تو پچاس کوڑے اور امام داؤد اس طرف گئے ...ہ غلام کو سو کوڑے جائیں اور لونڈی کو پچاس۔ اور ابو ثور رض اسطرف گئے ہیں کہ غلام کی حد آزاد مرد کی مثل ہے ...و کوڑے اُس کے مارے جائیں۔ پس پہلے قول میں کچھ تخفیف اور دوسرا قول (اور وہ ابن عباس رض کا قول ہے) ...س کے ساتھ کا مفصل ہے اور تیسرا جو بعض لوگوں کا قول ہے) اور اسی طرح امام ابو ثور رض کا جو پانچواں ...شد دہے۔ اور چوتھے قول میں غلام پر تشدید ہے نہ لونڈی پر اور جمیع اقوال کی وجوہ ظاہر ہیں سوائے امام داؤد ...ول کے کیونکہ اُس قول کی وجہ (غیر ظاہر ہے اور وہ) یہ ہے کہ مرد بہ نسبت عورت کے زنا کرنے پر زیادہ ...ی ہوتا ہے کیونکہ عورت کی حیا (غالباً مرد کی حیا سے زیادہ ہوتی ہے اور اسی وجہ سے وہ خواہش جماع کو چھپانے پر ...ہ قادر ہوتی ہے۔ حالانکہ وہ مرد سے شہوت میں ستر گنا زیادہ ہے۔ واللہ اعلم۔

...مسئلہ — تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ غلام اور باندی اگر زنا کریں تو شہر بدر کرنا واجب نہیں۔ حالانکہ امام شافعی رض کے دو قولوں میں سے اصح یہ ہے کہ نصف سال شہر بدر رکھنا چاہئے۔ پس پہلے قول میں

تخفیف اور دوسرے میں تشدید ہے۔

پہلے قول کی وجہ غلام کے نسب کا حقیر ہونا ہے لہذا وہ عار دلانے سے اسقدر متاثر نہیں ہو سکتا جسقدر آزاد مرد

اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ غلام اس بارہ میں اور اس کے علاوہ کثیر احکام میں آزاد و نکا نصف ہے۔

اور میں نے شیخ الاسلام زکریا رحمۃ اللہ علیہ کو فرماتے سنا ہے کہ جسقدر نسب شریف ہو گا اسیقدر عار زیادہ ہو گا اور جس نسب میں دنارت ہو گی اسیقدر عار بھی کم ہو گا۔

ساتواں مسئلہ امام ابو حنیفہ رض اور امام احمد رض کا قول یہ ہے کہ جب میاں بیوی میں سے ایک کے اندر احصان کے شرائط موجود ہوں نہ دوسرے میں تو اُن میں سے کوئی بھی محصن نہ سمجھا جائے گا۔ حالانکہ امام مالک رض اور امام شافعی رض کا قول یہ ہے کہ جس کے اندر شرائط احصان موجود ہونگے اُس کا محصن ہونا ثابت ہو گا۔ پس اگر دونوں نے زنا کیا تو کوڑے اُس شخص کے لگائے جائیں گے جسکا محصن ہونا ثابت نہ ہوا ہو گا۔ اور جسکا محصن ہونا ثابت ہو گا اُس کو سنگسار کیا جائے گا۔

علماء کا بیان ہے کہ میاں بیوی میں سے صرف ایک کے اندر احصان کے پائے جانے کی صورت یہ ہے کہ خاوند نے اپنی مجنونہ بیوی سے ہمبستری کر لی یا بالغ خاوند نے اپنی نابالغہ بیوی سے جو ہمبستری کی طاقت رکھتی تھی ہمبستری کر لی یا کسی آزاد مرد نے اپنی بیوی سے جو کسی کی لونڈی تھی ہمبستری کر لی۔ پس پہلے قول میں تخفیف اور دوسرے میں تشدید ہے

آٹھواں مسئلہ امام ابو حنیفہ رض اور امام مالک رض کا قول یہ ہے کہ یہودی اگر حالت محصن ہونے میں زنا کرے تو اُسے محصن ثابت کر کے سنگسار نہ کیا جائے گا کیونکہ اماماں موصوفان کے نزدیک محصن ہونے کے لئے اسلام بھی شرط ہے۔ لیکن امام ابو حنیفہ رض کے نزدیک کوڑے مارے جائیں گے۔ اور امام مالک رض کے نزدیک جیسی رائے خود حاکم اسلام اُسکو سزا دے گا۔ حالانکہ امام شافعی رض اور امام احمد رض کا قول یہ ہے کہ وہ محصن ہے کہ سنگسار کیا جائے۔ کیونکہ اُن دونوں کے نزدیک احصان میں اسلام شرط نہیں ہے جیسا کہ گذرا پس پہلے قول میں یہودی پر تخفیف ہے اور دوسرا قول مشدد ہے۔

نواں مسئلہ امام مالک رض اور امام احمد رض اور امام شافعی رض کا قول یہ ہے کہ اگر عورت مجنون مرد کو اپنے اوپر زنا کی قدرت دیدے پھر وہ اُس سے ہمبستر ہو یا عاقل مرد کسی مجنونہ عورت سے ہمبستر ہو جائے تو جو اُن دونوں میں عاقل ہو گا اُسپر حد ماری جائے گی۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رض کا قول یہ ہے کہ اگر مرد عاقل ہو تو اُسپر حد ماری جائے گی اور اگر عورت عاقلہ ہو گی تو اُسے حد نہ ماری جائے گی۔ پس پہلا قول عورت پر مشدد اور دوسرا اُسپر مخفف ہے۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ حکم حد کا توقف عقل پر ہے (خواہ عورت میں پائی جائے یا مرد میں۔)

اور دوسرے قول کی وجہ صرف وہی شخص سمجھ سکتا ہے جو امام ابو حنیفہ رض کے استنباط کے عالی مقام کو دیکھ چکا ہو۔

دسواں مسئلہ امام مالک رض اور امام شافعی رض اور امام احمد رض کا قول یہ ہے کہ اگر کسی نے اپنے بستر پر کوئی عورت دیکھی پس اُس نے اپنی بیوی سمجھکر اُس عورت سے ہمبستری کی یا کسی نابینا نے اپنی بیوی کو بلایا مگر ایک غیر عورت آگئی نابینا نے اُس سے اپنی بیوی خیال کر کے ہمبستری کی۔ پھر ظاہر ہوا کہ وہ عورت اجنبیہ تھی تو اُن دونوں شخصوں پر حد لازم نہیں۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔

اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ ہمبستری کرنے والا اُس عورت کو اپنی بیوی گمان کرتا تھا جس سے فی الجملہ ہمبستری میں

...صورت ہو گئی۔

دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ گمان ہمبستری میں جواز پیدا نہیں کرسکتا بلکہ اُس شخص پر لازم ہے کہ انتظار کرے یہانتک کہ اُسکو ...ی ہو جانے کا یقین کامل ہو جاوے۔

...بھی ایسا ہوتا ہے کہ نابینا یا بستر پر کسی عورت کو دیکھکر اپنی بیوی سمجھنے والا زیرک اور سمجھدار نہیں ہوتا اس لئے امام ...فہ رضہ نے اُمت پر دینداری میں شفقت کی نیت سے سدّ باب فرما دیا تاکہ کوئی شخص اس قسم کا فعل یہ سمجھکر کہ حد ...م آتی ہی نہیں قصداً نہ کرنے لگے (ورنہ وہ کہہ سکتا ہے کہ میں نے اپنی بیوی گمان کی تھی اگرچہ واقع میں جھوٹ بولتا ہو) ...نے سنا ہے کہ بعض فاسقوں نے ایسا کیا کہ بعض عورتیں اُن کے پاس آئیں اور وہ اُن سے یہ ناشائستہ حرکت کرتے ...فنا اللہ العافیۃ۔

...ھواں مسئلہ امام ابوحنیفہ رضہ اور امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ زنا کے اقرار میں عدد معتبر ہے اور وہ تاوقتیکہ چار مرتبہ اپنے اوپر قسم نہ کھائے ثابت نہیں ہوتا بشرطیکہ بالغ اور عاقل ہو حالانکہ امام شافعی رضہ ...کا قول یہ ہے کہ صرف ایک دفعہ کے اقرار سے بھی ثبوت ہو جاتا ہے۔ پس پہلے قول میں زانی پر تخفیف ہے کیونکہ جب تک ...ر مرتبہ اقرار نہ کرے اُس وقت تک ثبوت زنا نہیں ہوتا اور ساتھ ہی اسکا عاقل اور بالغ ہونا بھی شرط ہے۔

دوسرا قول اُسپر مشدد ہے۔

...ل کی وجہ اقامت حدود میں اطمینان اور مضبوطی کا طلب کرنا ہے کیونکہ خدا تعالیٰ عالم کا بقا اُس کے زوال سے زیادہ ...تا ہے جیسا کہ اس آیت میں اسطرف اشارہ ہے کہ (وان جنحوا للسلم فاجنح لہا) یعنی "اگر وہ کفار تابعدار ہو جائیں ...بھی قتل کو چھوڑ دو"۔

دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ انسان کا اپنے اوپر جھوٹ بولکر ایسی شے کا اقرار کرنا جو کوڑے یا سنگساری کو لازم ...بعید امر ہے (اپنے اوپر زنا کا اقرار کرنا) اہل یقین اور کامل مومنوں کا کام ہے اور وہ بہت کم لوگ ہیں۔ پس جب ...کو دیکھیں کہ اُس نے اپنے اوپر زنا کا اقرار کیا ہے تو ہم اس کو اسپر محمول کریں گے کہ وہ روز قیامت کے عذاب پر یقین رکھتا ہے اور اُس نے جو اپنے اوپر حد قایم کرا کر جو خود کو پاک کرنا چاہا ہے وہ محض اس لئے کہ اُسے خود کو ...ں واقع ہو جانے کا کامل یقین ہو چکا ہے واللہ اعلم۔

...سواں مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ چاروں گواہ اگر ایک مجلس میں زنا کی گواہی نہ دیں تو وہ تہمت لگانے والے ہیں لہذا اُن پر حد (قذف) لازم ہے بشرطیکہ مجالس متفرقہ میں گواہی دیں۔ حالانکہ ...افعی رضہ کا قول یہ ہے کہ جدا جدا گواہی دینے میں کچھ مضائقہ نہیں بلکہ اُن کے اقوال تسلیم کئے جائیں گے۔ پس پہلے قول ...نا کار پر تخفیف ہے اسوجہ سے کہ اگر گواہوں نے ایک مجلس میں مجتمع ہو کر گواہی نہ دی تو اُس کا زنا ثابت نہ ہوگا:

دوسرا اُس پر مشدد ہے

...ل کی وجہ اقامت حدود میں تثبت کا مطلوب ہونا ہے۔

دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ جب گواہوں کا نصاب پورا ہو جائے تو اس کو پاک کرنے کی طرف سبقت ہونی چاہیے ...یاں مجالس مختلفہ میں ادا ہوں (جبکہ حاکم اسلام مسلمانوں کی اسی میں مصلحت دیکھے)۔

...واں مسئلہ امام ابوحنیفہ رضہ اور امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ مجلس واحد کی صورت یہ ہے کہ گواہ سب اکٹھے ہو کر آویں پس اگر آئے تو ہوں متفرق طور پر اور ایک مجلس میں جمع ہو جائیں تو وہ تہمت لگانیوالے

ہیں۔ لہٰذا حد ماری جائیں کیونکہ اُن کا مجتمع ہو کر آنا تو پایا گیا۔ حالانکہ امام شافعی رضؓ کا قول یہ ہے کہ اُن کے آنے میں مجتمع ہونا شرط نہیں ہے بلکہ جب وہ گواہی دے چکیں (اگرچہ متفرق ہی طور پر دیں) تو بھی حد واجب ہو جاتی ہے۔ اسی طرح امام احمد رضؓ کا قول یہ ہے کہ گواہوں کے مجتمع اور گواہی ادا کرنے میں ایک مجلس ہونا شرط ہے۔ پس اگر وہ ایک مجلس میں جمع ہو کر زنا کی گواہی دیں تو گواہی مسموع ہوگی اگرچہ آئے ہوں متفرق طور پر۔ پس پہلا قول گواہی میں مشدد اور اُس شخص پر مخفف ہے جسکو زنا کی تہمت لگائی گئی ہو اور دوسرا قول اس کا برعکس ہے اور تیسرا اُس کے قریب ہے۔

چودھواں مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ اگر کسی نے زنا کا اقرار کیا پھر اُس سے رجوع کر گیا تو اُس کا رجوع کرنا قبول کیا جائے گا اور حد ساقط ہو جائے گی۔ حالانکہ امام مالک رضؓ کا قول یہ ہے کہ زنا اور چوری اور شراب نوشی میں رجوع مقبول نہ ہوگا۔ الّا یہ کہ وہ رجوع کر جائے پھر گواہ اُس کے صاف بری ہونے کی گواہی دیدیں (تو اُسوقت حد نہ ماری جائے گی) پس پہلے قول میں تخفیف اور دوسرے میں تفصیل ہے۔

پہلے قول کی وجہ اس حدیث پر عمل کرنا ہے کہ (اُدْرَءُوا الحدود بالشبہات) ترجمہ "شبہات کی وجہ سے حدود کو ساقط کر دو" اور دوسرے قول کی وجہ اس کے قائل کا اس حدیث پر عمل کرنا ہے کہ (لا عذر لمن اقر) "جو اقرار کر چکے اُسکا عذر مسموع نہ ہوگا"، بشرطیکہ اس کا حدیث ہونا ثابت ہو جائے۔ اور امام مالک رضؓ کے قول استثنا کی وجہ یہ ہے کہ صفائی کی گواہی شبہ پیدا کر دے گی۔

پندرھواں مسئلہ امام مالک رضؓ اور امام شافعی رضؓ اور امام احمد رضؓ کا قول یہ ہے کہ لواطت کرنا حد کو واجب کرتا ہے۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رضؓ کا قول یہ ہے کہ پہلی مرتبہ اس کو تعزیر کیجائے۔ پس اگر دوبارہ کرے تو قتل کر دیا جائے۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرے میں تکرار کی شرط لگانے کی وجہ سے تخفیف ہے۔

پہلے قول کی وجہ لوطی کے واسطے قرآن و حدیث میں سخت سزا کا وارد ہونا ہے

اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ لڑکے سے بدفعلی کرنے میں نسبوں کے اندر غلط ملط نہیں ہوتا اور عذابوں کی سختی وجود کے اعتبار سے فساد کی عظمت کے تابع ہے اور بعض حنفیوں نے اس کو جائز رکھا ہے کہ اُسکو یہ سزا دیجائے کہ اُسے بلندی سے نیچے گرا دیا جائے اگرچہ مر جائے۔

سولھواں مسئلہ امام مالک رضؓ کا قول اور امام شافعی رضؓ کے دو قولوں میں سے ایک قول اور امام احمد رضؓ کی دو روایتوں میں سے اظہر یہ ہے کہ لواطت کی حد ہر حال میں سنگسار کرنا ہے خواہ شادی شدہ ہو یا کنوارا۔ حالانکہ امام شافعی رضؓ کے دو قولوں میں سے ایک قول اور امام احمد رضؓ کی روایتوں میں سے ایک یہ ہے کہ اُسکی حد زنا کی طرح ہے۔ لہٰذا کنوارے اور شادی شدہ میں تفریق کیجائے گی۔ پس محصن پر سنگساری کیجائے گی اور بغیر شادی شدہ کے کوڑے مارے جائیں گے۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرے میں کنوارے پر تخفیف ہے اور تمام اقوال کی وجوہ ظاہر ہیں کہ ذہن پر پوشیدہ نہیں۔

سترھواں مسئلہ امام ابو حنیفہ رضؓ اور امام مالک رضؓ کا قول اور امام شافعی رضؓ کے اقوال کثیرہ میں سے راجح قول یہ ہے کہ جو شخص چوپایہ کے ساتھ حرکت ناشائستہ کرے تو اُسے سزا دیجائے اور یہی وہ روایت ہے جسے امام خرقی نے منجملہ اقوال امام احمد رضؓ کے پسند کیا ہے۔ حالانکہ امام مالک رضؓ سے دوسری روایت اور امام شافعی رضؓ کے اقوال کثیرہ میں سے ایک یہ ہے کہ اُسے حد ماری جائے گی اور وہ شادی شدہ اور کنوارپن سے مختلف ہوتی رہے گی۔ اور امام شافعی رضؓ کا تیسرا قول یہ ہے کہ وہ شخص قتل کر دیا جائے خواہ شادی شدہ ہو یا کنوارا

پہلے قول میں کچھ تخفیف اور دوسرے میں تشدید اور تیسرا اشد ہے اور شاید یہ احکام لوگوں کی دینداری و تقویٰ
اختلاف سے مختلف ہوتے ہونگے۔ پس رذیل اور جوانوں پر صرف تعزیر کیجائے گی اور شریف لوگوں اور بوڑھوں
عذ مارنے یا قتل کرنے کے ساتھ سختی کی جائے گی اس قاعدہ پر بنا کرکے کہ جو شخص عظیم المرتبہ ہوگا اُس کا چھوٹا گناہ بھی بڑا ہوگا

ھارھواں مسئلہ

امام ابو حنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ وہ چوپایہ جس سے ناشائستہ حرکت کی گئی ہو اگر کھایا جاتا ہے تو وہ ذبح کر دیا جائے ورنہ نہیں اور اصحاب امام شافعی کے نزدیک ترجیح چند اقوال میں سے اسی قول کو ہے
نکہ امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ وہ کسی صورت میں ذبح نہ کیا جائے۔ اسی طرح امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ ذبح
جائے خواہ اُسی شخص کی ملک میں ہو یا کسی اور کی اور خواہ منجملہ اُن جانوروں کے ہو جنکا گوشت کھایا جاتا ہے یا اُن
سے جن کا گوشت نہیں کھایا جاتا اور حرکت کرنے والے پر اس جانور کی قیمت لازم ہوگی۔ پس پہلے قول میں ذبح
نے کی وجہ سے تشدید ہے اور دوسرا قول مخفف اور تیسرا اشد ہے۔ اور جس کا قول ہے کہ ذبح کر دیا جائے اُسکی
مالک جانور اور بیجا حرکت کرنے والے کو عار و شرمندگی کا لاحق ہونا ہے کیونکہ لوگ جب اُس چوپایہ کو دیکھینگے
س حرکت ناشائستہ کا ذکر کرینگے اور جس نے کہا ہے کہ ذبح نہ کیا جائے اُس کی وجہ یہ ہے کہ شریعت میں اُس کے
کرنے کا کہیں صحیح حکم وارد نہیں ہوا۔

ہواں مسئلہ

امام ابو حنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ چوپایہ سے ناشائستہ حرکت کر اُس کا گوشت کھانا درست نہیں اگرچہ ماکول اللحم ہو۔ حالانکہ امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ اُسکو بھی جائز ہے اور دوسرے کو بھی۔
طرح امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ نہ وہ خود کھاوے اور نہ کوئی دوسرا۔ اسی طرح اصحاب امام شافعی رضہ کے دونوں
وں میں سے اصح یہ ہے کہ ہر صورت میں کھایا جاوے کیونکہ اُس کے حرام ہونے کی کوئی علت موجود نہیں۔ پس قول پہلا مشدد
دوسرا اور چوتھا ناشائستہ حرکت کرنے والے پر بھی مخفف ہے اور دوسروں پر بھی اور تیسرا قول تمام پر مشدد ہے۔

سواں مسئلہ

امام مالک رضہ اور امام شافعی رضہ اور امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر ایسی عورت سے عقد نکاح کیا جو نسب یا رضاعت کی رو سے حرام تھی یا ایسی عورت سے جو اپنے کسی خاوند کی عدت میں
اور پھر باوجود اس عقد کی حرمت کو جاننے کے اُس سے ہمبستر ہوا تو اُس پر حد واجب ہے۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رضہ کا
یہ ہے کہ صرف اس کو تعزیر کی جائے گی۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرے میں تخفیف ہے۔ اور ہوسکتا ہے کہ پہلا قول اہل
و تقوے پر محمول ہو اور دوسرا رذیل لوگوں پر جیسی کہ اس کی نظیر گذر چکی ہے۔

سواں مسئلہ

امام ابو حنیفہ رضہ اور امام مالک رضہ اور امام شافعی رضہ کا قول اور امام احمد رضہ کی دو روایتوں میں سے ایک یہ ہے کہ مرد اگر اپنی لونڈی سے ہمبستر ہو جائے جس کا اُس نے کسی سے نکاح کر دیا ہو۔
لانکہ امام احمد رضہ کی دوسری روایت یہ ہے کہ حد ماری جائے۔ پس پہلے قول میں ملک کے شبہ کی وجہ سے تخفیف ہے اور
سرے میں تشدید۔ اور ہوسکتا ہے کہ پہلا قول اُن لوگوں پر محمول ہو جو سخت جوانی کی وجہ سے زنا کا خوف کرتے ہوں اور دو
سرا اُن پر جو زنا کا خوف نہ کرتے ہوں۔ پس اُن پر اسوجہ سے تشدد کیا گیا کہ اُس نے بہ تکلف حرام جماع کیا حالانکہ وہ
جماع کا حق اُس شخص کی طرف منتقل کر چکا تھا جس کے ساتھ اُس کا نکاح کر چکا ہے باوجودیکہ کوئی ضرورت داعیہ
(سخت جوانی) بھی موجود نہیں۔

سواں مسئلہ

امام ابو حنیفہ رضہ اور امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر دو شخصوں نے گواہی دی کہ فلاں آدمی نے اس گوشہ میں زنا کیا اور دو نے گواہی دی کہ دوسرے گوشہ میں کیا ہے تو یہ گواہی مقبول ہوگی اور

حد واجب ہوگی۔ حالانکہ امام مالک رضہ اور امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ مقبول نہ ہوگی اور حد واجب نہ ہوگی پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ پہلے قول کو اُن لوگوں پر محمول کیا جائے جس کے خدا تعالیٰ سے ڈرنے پر قرائن قایم ہو چکے ہوں۔ پس اختلاف شہود کے شبہ سے حد کو ساقط نہ کیا جائے گا۔ برخلاف اس کے جو خدا تعالیٰ سے ڈرتا ہو جسپر دوسرے قول کو ہم نے محمول کیا ہے۔

اور میں نے شیخ الاسلام زکریا رحمۃ اللہ علیہ کو فرماتے سنا ہے کہ اُس شخص پر کوئی ملامت نہیں جو متہم شخص کو حد مارے اور بیشک ملامت اُسپر ہے جو متہم ہے اور اُس نے اپنے ظاہر کی امور رذیلہ میں پڑنے سے حفاظت نہیں کی یہانتک کہ لوگ اُن امور کی نسبت اُس شخص کی طرف کرنے لگے اور اگر وہ اپنے ظاہر کی اس قسم کی باتوں سے حفاظت کرتا تو لوگ اُس کی طرف کسی نقص کی نسبت کرنے کو گوارا نہ کرتے بلکہ اُس کی برات ظاہر کرتے اور اُس کی حمایت میں جواب دیتے۔

تئیسواں مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ زنا اور تہمت اور شراب نوشی کی شہادت واقعہ سے طویل زمانہ کے بعد بھی مسموع ہوگی حالانکہ امام ابوحنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ مدت دراز گذر جانے کے بعد صرف سرقت مسموع ہوگی جبکہ گواہوں کے اندر کوئی عذر پایا جائے مثلاً حاکم سے دور تھے۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرے میں کچھ تخفیف ہے۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ یہ ایک حق ہے جس کو باطل کرنے والی کوئی شے ہمیں ثابت نہیں ہوئی۔ اور ہو سکتا ہے کہ اُس وقت تک فتنہ فرو نہ ہوا ہو جب حد قایم کی جائے۔

اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ فتنہ کبھی ٹھنڈا ہو جاتا ہے پھر حمیت جاہلانہ اور نفس میں حرکت پیدا ہوتی ہے جس سے سخت فتنہ کی بنیاد قایم ہو جاتی ہے جسطرح شراب نوش کبھی سچی توبہ کر لیتا ہے۔

چوبیسواں مسئلہ امام ابوحنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر کسی نے ایک مدت کے بعد اپنے اوپر زنا کا اقرار کیا تو اُس کا اقرار مسموع ہوگا سوائے شراب نوشی کے اقرار کے کہ اگر وہ مدت کے بعد ہوگا تو مسموع نہ ہوگا۔ حالانکہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ تمام صورتوں میں آدمی کا اپنے اوپر اقرار مسموع ہوتا ہے۔ پس پہلے قول میں تفصیل اور دوسرا مشدد ہے۔ اور تفصیل کی دونوں شقوں میں سے پہلی کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے لئے ایسی شے کوئی ثابت نہیں جو اس کو باطل کرے۔ دوسری شق کے اندر اس کی وجہ کہ اگر کسی نے بعد مدت اپنے اوپر شراب نوشی کا اقرار کیا تو وہ مقبول نہ ہوگا، یہ ہے کہ شراب نوشی ایک ایسا حق ہے جسکا تعلق محض خدا تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ برخلاف زنا اور تہمت کے۔ پس اسی وجہ سے امام ابوحنیفہ رضہ نے شراب نوشی کے بارہ میں یہ فرمایا ہے کہ اقرار مسموع نہ ہوگا

پچیسواں مسئلہ امام ابوحنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر حاکم اسلام گواہی کے مطابق فیصلہ کر چکا ہو۔ بعد میں ظاہر ہو کہ گواہ فساق یا غلام تھے یا کافر تھے پس اُسپر ضمان لازم نہیں۔ حالانکہ امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر اُن کے فاسق ہونے پر گواہ گذر جائیں تو حاکم اسلام پر ضمان لازم ہوگا۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا افضل ہے اور اسی طرح تیسرا۔ اور تینوں اقوال کی توجیہات ظاہر ہیں۔

چھبیسواں مسئلہ امام ابوحنیفہ رضہ کا قول اور امام شافعی رضہ اور امام احمد رضہ کے دو قولوں میں سے ایک یہ ہے کہ حاکم اسلام جو حدود اور قصاص جاری کرتا ہے اگر اُس میں خطا کر جائے تو تاوان بیت المال سے دیا جائے گا۔ حالانکہ امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ تاوان ساقط ہوگا۔ اسی طرح امام شافعی رضہ اور امام احمد رضہ کا دوسرا قول یہ ہے کہ تاوان حاکم کے عاقلہ پر لازم ہوگا۔ پس پہلے قول میں تخفیف ہے اور دوسرا مخفف اور تیسرا

قول عاقلہ پر مشدد ہے۔ اور تینوں اقوال کی وجوہ ظاہر ہیں۔

ستائیسواں مسئلہ

امام ابوحنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر کوئی مرد اپنی بیوی کی لونڈی سے باجازت بیوی ہمبستر ہو جائے پھر کہنے لگے کہ میں نے یہ سمجھا تھا کہ شاید اجازت دینے سے میرے لئے حلال ہو گئی ہو تو اُس پر حد لازم نہیں۔ اور اگر کہے کہ میں اُس کی حرمت کو جانتا تھا تو حد لگایا جائے۔ حالانکہ امام مالک رضہ اور امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ حد ماری جائے اور اگر شادی شدہ ہو تو سنگسار کیا جائے۔ اسی طرح امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ اُس کو سو کوڑے مارے جائیں۔ پس پہلے قول میں ایک اعتبار سے تخفیف اور دوسرے اعتبار سے تشدید ہے اور دوسرا قول مشدد اور تیسرا متوسط ہے۔

پہلے قول کی وجہ جہالت کا عذر بیان کرنا ہے۔

اور دوسرے قول کی وجہ اس قسم کے امور میں معذور نہ سمجھنا ہے کیونکہ اس کا حرام ہونا ان لوگوں پر بہت کم پوشیدہ رہ سکتا ہے جو اہل اسلام سے خلط ملط رکھتے ہوں اس لئے کہ ہمبستری یا ملک کی وجہ سے حلال ہوتی ہے یا عقد نکاح کی وجہ سے۔

اور تیسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ یہ ایک مشتبہ امر ہے (کہ اس کے علم اور عدم علم دونوں کا احتمال ہے) لہذا اُس میں کوڑے لازم ہونگے۔

اٹھائیسواں مسئلہ

امام مالک رضہ کا مشہور قول اور امام احمد رضہ اور امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ مولیٰ کو جائز ہے کہ وہ اپنے غلام یا لونڈی پر ارش کو قائم کرے بشرطیکہ بذریعہ گواہوں کے ثبوت ہو جائے یا اس کے روبرو قرار پا جائے اس حکم میں زنا اور تہمت اور شراب نوشی وغیرہ کے درمیان کوئی تفریق نہیں۔ رہی چوری سو امام مالک اور امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ مولیٰ کو ہاتھ کاٹنے کا استحقاق نہیں۔ اور اصحاب امام شافعی رضہ نے فرمایا ہے کہ مولیٰ کو اس کا استحقاق ہے حدیث مطلق ہونے کی وجہ سے۔ اور امام ابوحنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ کسی معاملہ میں مولیٰ کو اپنے غلام پر حد قائم کرنے کا استحقاق نہیں بلکہ اُسے حاکم اسلام کے سپرد کرنا چاہئے۔ پس اگر لونڈی شادی شدہ ہو تو امام ابوحنیفہ رضہ اور امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ مولیٰ کو اُس پر کسی صورت میں حد مارنا جائز نہیں بلکہ اس کا حق حاکم اسلام یا اُس کے نائب کو ہے۔ اور امام مالک رضہ اور امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ مولیٰ کو ہر حال میں ایسا کرنے کا مجاز ہے۔ پس پہلے قول میں مولیٰ پر تخفیف ہے کیونکہ وہ اپنے غلام پر حد جاری کر سکتا ہے اور دوسرے قول میں اس وجہ سے تشدید ہے کہ مولیٰ کو اپنے غلام پر ہاتھ کاٹنے کی حد جاری کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ اور تیسرا قول مولیٰ پر مشدد ہے اور شادی شدہ لونڈی کے مسئلہ میں پہلا قول مولیٰ پر مشدد اور دوسرا مخفف ہے۔

اور پہلے مسئلہ میں سے پہلے قول کی وجہ غلام کا مولیٰ کے اموال میں شمار کیا جانا ہے اس لئے مولیٰ کو جائز ہے کہ حق تعالیٰ کے حق کو مقدم کرکے اپنے ذاتی مال کو فوت کر دے۔

اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ دراصل اقامت حدود خلیفہ اعظم کا حق ہے لہذا وہ مولیٰ پر مقدم ہے کیونکہ وہ مولیٰ سے تجربہ کاری اور رعایت میں بڑھا ہوا ہوتا ہے اور اس کے سوا نہیں کہ شارع علیہ السلام نے اقامت حدود کا کام صرف خلیفہ اسلام کے سپرد کیا ہے نہ ہر اُس شخص کے جو بوجہ غلبہ یا حکومت وغیرہ کے اقامت حدود پر قادر ہو۔ اور حکمت اس میں زمین کے فساد کو دفع کرنا ہے کیونکہ اکثر رعیت باہم ایک دوسرے کے غصہ کا تحمل نہیں کر سکتی اور یہ محض جاہلانہ حمیت کی وجہ سے نہ اسلام اور شریعت کی نصرت کی غرض سے۔ برخلاف خلیفہ اسلام یا اُس کے نائب کے کہ اُنکی کوئی

غرض کسی سے اتنی ہوئی نہیں ہوتی اسوجہ سے وہ قادر ہوتا ہے کہ اپنا غصہ دوسرے دن پر پورا کرے اور اس کا عکس نہیں ہو سکتا پس اگر حاکم کسی شخص کو قتل کر دے اگرچہ ظلماً ہی کرے تو اُس کے رشتہ دار اتنی قدرت نہیں رکھتے کہ مقتول کی حمایت میں حاکم کو قتل کر ڈالیں اور میں نے ایک کو دیکھا کہ اُس کا بھائی مقتول ہو گیا تھا تو اُس نے بھائی کے قاتل کو قتل کر دیا پھر دوسرے مقتول کے رشتہ داروں نے اُسے قتل کیا اور اُس کے چچا زاد بھائیوں کو بھی حتی کہ تیس آدمیوں تک قتل کی نوبت پہونچی۔ اور اگر قتل (قصاص) حاکم کے ہاتھ سے ہوا ہوتا تو سوائے پہلے قاتل کے اور کسی کے قتل تک نوبت نہ پہونچتی۔ پس معلوم ہوا کہ مولیٰ اپنے غلام پر حد قائم کرنے میں فتنہ کا خوف نہیں کرتا اس لئے وہ حاکم اسلام کی مثل ہے کیونکہ غلام کے رشتہ دار اُس کے مولیٰ کو قتل کر ڈالتے یا اُس کا ہاتھ کاٹ دیتے یا اُس کو مارنے پر قدرت نہیں رکھتے پس خوب سمجھ لو۔

اُنیتسواں مسئلہ

امام ابو حنیفہ رض اور امام شافعی رض کا قول اور امام احمد رض کی دو روایتوں میں سے اظہر یہ ہے کہ آزاد عورت کا حاملہ ہونا ظاہر ہو۔ حالانکہ اُس کا خاوند ہو نہیں اسی طرح وہ باندی جس کا کوئی خاوند معلوم نہ ہو اور وہ کہے کہ میرے ساتھ زبردستی کی گئی یا مجھ سے شبہ میں ہمبستری کی گئی تو اُس پر حد واجب ہوگی حالانکہ امام مالک رض کا قول یہ ہے کہ اُس پر حد ماری جائے گی بشرطیکہ وہ مقیمہ ہو مسافرہ نہ ہو اور شبہ میں اُس کا قول معتبر نہ ہوگا مگر اُس صورت میں کہ اُس کا اثر ظاہر ہو مثلاً عورت کا فریاد طلب کرتے ہوئے آنا اور اُس کے مشابہ جس سے اُس کا صادق ہونا ظاہر ہوتا ہو۔ پس پہلے قول میں تخفیف اور دوسرا اشد ہے پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ ہمکو عورت کی طرف سے کسی ایسے امر کے ہونے کا یقینی ثبوت نہیں پہونچا جو حد کو واجب کرے کیونکہ احتمال ہے شاید اُس سے سونے کی حالت یا بیہوشی میں ہمبستری کی گئی ہو اور وہ اسی ہمبستری سے حاملہ ہو گئی ہو۔

اور بیہقی رض نے ایک روایت نقل کی ہے کہ کوئی بے خاوند کی عورت حضرت عمر بن الخطاب رض کے پاس لائی گئی جس وقت کہ وہ حاملہ ہو چکی تھی تو حضرت عمر رض نے حاضرین سے ارشاد فرمایا کہ میرے نزدیک یہ عورت تہمت زدہ نہیں ہے۔ اُس کے بعد عورت سے واقعہ دریافت فرمایا تو اُس نے عرض کیا کہ اے امیر المومنین میں ایک عورت بکریاں چرانے والی ہوں اور جب میں نماز کے لئے کھڑی ہو جاتی ہوں تو بسا اوقات مجھپر اسقدر خشوع (خضوع) غالب ہو جاتا ہے کہ میرے حواس جاتے رہتے ہیں تو شاید اسی حالت میں کوئی سرکش مجھ پر قابو پا گیا ہوگا اور مجھے خبر نہ ہوئی ہوگی تو حضرت عمر رض نے اُسے جواب میں ارشاد فرمایا کہ تیرے بارہ میں میرا بھی یہی ظن تھا اور اُس سے حد ساقط کر دی (انتہیٰ)۔

اور یہ قصہ جب میں نے اپنی بیوی عبد الرحمٰن کی والدہ ام صبا بجہ سے ذکر کیا تو اُس نے جواب میں کہا کہ بچہ کی پیدائش عورت اور مرد دونوں کے پانی ملے بغیر نہیں ہوتی تو جب وہ عورت بوقت جماع بے عقل ہوئی تو مرد کے اُس سے ہمبستر ہونے کی لذت کا احساس بھی اُس کو نہ ہوا ہوگا تاکہ اُس کا پانی نکلتا اور صرف ایک کے پانی سے پیدا ہونا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خصوصیت ہے۔ پھر اُس نے کہا کہ میرے نزدیک جماع کا احساس اُس عورت کو ہو گیا ہوگا مگر اُس نے لوگوں سے حیا کی جس سے حضرت عمر رض کو شبہ ہو گیا اور اُنہوں نے حد کو ساقط فرما دیا یہ نہیں کہ اُنہوں نے اُس کے قول کو بالکل تسلیم ہی کر لیا ہو۔

تو میں نے اُس سے کہا کہ ممکن ہے کہ جب مرد اُس سے ہمبستر ہو کر فارغ ہو چکا ہو تو اُس کے بعد عورت کو احتلام ہو گیا ہو جس سے عورت اور مرد دونوں کی منی رحم میں جمع ہو گئی ہو اور اس لئے بچہ پیدا ہو گیا ہو۔

یا ممکن ہے کہ وہ عورت اس مرتبہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی دار بنہ ہو کہ جسطرح فرشتہ کا حضرت مریم علیہا السلام کے کرتہ کے نیچے پھونک مارنا بجائے خاوند کے پانی کی ہو گیا تھا اسی طرح اس عورت میں فرشتہ یا شیطان کا پھونک مارنا بجائے اُس کے خاوند یا مولیٰ کے پانی کے ہو گیا ہو تو اس نے کہا کہ بعید بات نہ ہے۔ (انتہیٰ)

اور امام مالک رضہ کے اُس قول کی وجہ جو تینوں اماموں کے قول کے مقابل ہے کہ اُسپر حد ماری جائے یہ ہے کہ عورت مذکورہ نے کوئی ایسا شبہ بیان نہیں کیا جس سے اُن کے نزدیک حد ساقط ہو جاتی ہے۔ پس اس کو خوب جان لو۔ والحمد للہ رب العالمین۔

باب تہمت کی حد کے بیان میں

مسائل اجماعیہ

اماموں کا اسپر اتفاق ہے کہ آزاد بالغ عاقل مسلمان با اختیار اگر کسی آزاد عاقل بالغ مسلمان پاکدامن کو جو پہلے کبھی زنا میں محدود نہ ہو چکا ہو یا ایسی عورت کو زنا کی تہمت لگائی جو آزاد بالغہ عاقلہ مسلمان پاکدامن ہو اور اس نے اپنے خاوند سے لعان بھی نہ کیا ہو اور نہ وہ صریح زنا کے بارہ میں کبھی محدود ہو چکی ہو اور یہ دونوں دار الاسلام میں اور وہ شخص جسے تہمت لگائی گئی ہو خود بنفسہ تہمت کی حد قایم کیے جانے کو مطالبہ کرے اور اُسپر اسّی کوڑے لازم ہونگے اور اسّی سے تجاوز نہ کیا جائے گا۔ اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ تہمت کی صورت میں غلام کی حد آزاد کی حد سے نصف ہے اور عام علمار کا یہی قول ہے۔ امام اوزاعی رضہ کا اس میں خلاف ہے کیونکہ اُن کا قول یہ ہے کہ غلام کی حد آزاد کی مثل ہے۔ اسی طرح اسپر بھی اتفاق ہے کہ آزاد مرد اپنے مرد کو تہمت لگانے میں حد نہ مارا جائے اور عامہ علمار کا یہی قول ہے امام داؤد کا اس میں خلاف ہے کیونکہ انسے منقول ہے کہ غلام اور لونڈی دونوں کو تہمت لگانے والا حد مارا جائے اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ تہمت لگانے والا جب اپنے قول پر گواہ پیش کر دے تو اُس سے حد ساقط ہو جاتی ہے۔ یہانتک مسائل اجماعیہ ختم ہوئے

مسائل اختلافیہ

پہلا مسئلہ امام ابو حنیفہ رضہ کا قول اور امام مالک رضہ کا مشہور قول یہ ہے کہ اگر کسی نے ایک گروہ کو تہمت لگائی تو صرف ایک حد مارا جاویگا خواہ اُن سب کو ایک دفعہ تہمت لگائی ہو یا ترتیب وار، اور خواہ ایک کلمہ سے تہمت لگائی ہو یا دو کلموں سے یا زیادہ سے۔ حالانکہ امام شافعی رضہ کے دو قولوں میں سے ایک یہ ہے کہ ہر شخص کے لئے علیحدہ حد مارا جائے۔ اسی طرح امام احمد کی دو روایتوں میں سے مشہور تر روایت یہ ہے کہ اگر تمام کو ایک ہی کلمہ کے ساتھ تہمت لگائی ہو تب تو صرف اُسپر ایک حد ماری جائے اور اگر کلمات مختلفہ کے ساتھ تہمت لگائی ہو تو ہر ایک کے بدلہ میں علیحدہ حد ماری جائے۔ اور امام احمد رضہ کی

دوسری روایت یہ ہے کہ اگر گروہ کے لوگ متفرق طور پر حد کا مطالبہ کریں تو ہر ایک کے بدلہ میں علیحدہ حد ماری جائے پس پہلے قول میں کچھ تخفیف اور دوسرا مشدد اور تیسرا مفصل ہے۔ اسی طرح اُس کے بعد کا اور اُن تمام اقوال میں سے ہر ایک کی ایک وجہ ہے جو ذہین پر پوشیدہ نہیں۔

دوسرا مسئلہ

امام ابو حنیفہ رض کا قول یہ ہے کہ طعنہ مارنا حد واجب نہیں کرتا اگرچہ نیت تہمت کی ہو۔ حالانکہ امام مالک رض کا قول یہ ہے کہ ہر صورت میں حد کو واجب کرتا ہے۔ اسی طرح امام شافعی رض کا قول یہ ہے کہ اگر طعنہ زنی سے تہمت لگانے کی نیت کی اور اسی کے ساتھ تفسیر کی تو حد واجب ہے۔ حالانکہ امام احمد رض کی دو روایتوں میں سے ایک روایت یہ ہے کہ وہ مطلقاً حد کو واجب کرتا ہے اور دوسری روایت مذہب امام شافعی کے مثل ہے پس پہلی رو تہمت لگانے والے پر مخفف اور دوسری اُس پر مشدد اور تیسری مفصل ہے۔ اسی طرح امام احمد رض کی ایک روایت

اور پہلے قول کی وجہ عادتاً طعنہ زنی کا تکلیف دہی میں خفیف ہونا ہے اور یہ قول نفسانی حماقتوں والے لوگوں کے ساتھ خاص ہے۔ یا اُن بڑے درجہ کے لوگوں کے ساتھ جو منجملہ اولیاء اللہ کے ہیں اور مخلوق کی طرف بالکل توجہ نہیں کرتے اور دوسرے قول کی وجہ اکثر لوگوں پر طعنہ زنی کا بار گذرنا ہے اور وہ قول اُن بڑے دنیا داروں کے ساتھ خاص ہے جو مخلوق کے سامنے اپنی عزت و آبرو کا خیال رکھتے ہیں اور اسی سے امام شافعی رض اور امام احمد کے قول کی وجہ بھی معلوم ہو سکتی ہے۔ اور ممکن ہے یہ کہا جائے کہ پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ طعنہ زنی کرنے والے نے اپنے دل میں کسی شخص کو مراد لیا ہوگا لہذا ہم اُس کا حق طعنہ مارنے والے سے ضرور لیں گے اگرچہ ہم اُسے خاص طور سے جانتے ہوں کہ وہ فلاں شخص ہے تاکہ تہمت لگانے والا پاک ہو جائے اور حضرت عمر رض طعنہ زنی کرنے میں حد مارتے تھے۔ اور جب وہ شخص یہ کہتا کہ میں نے کسی معین آدمی مراد نہیں لیا تھا تو اُس سے فرماتے تھے کہ (پھر) تو جبار چاہے ڈھال سکتا ہے۔

اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ کسی غیر معین آدمی کو تہمت لگانے میں لوگوں کو زیادہ تکلیف نہیں پہونچتی کیونکہ ہر ایک یہ کہہ سکتا ہے کہ اس سے میرے سوا دوسرا شخص مراد ہے۔

تیسرا مسئلہ

امام مالک رض کا قول یہ ہے کہ اگر کسی نے عربی آدمی کو قبطی یا رومی یا بربری کہدیا یا کسی فارس کی باشندہ کو رومی کہدیا یا روم کے باشندہ کو فارسی کہدیا اور اُس کے شہر میں اس قسم کے الفاظ کسی کی صفت میں مستعمل نہیں ہوتے تھے تو اس پر حد لازم ہوگی۔ حالانکہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ اُس پر حد لازم نہیں پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے۔

پہلے قول کی وجہ بالکل ایذا کے دروازہ کو بند کر دینا ہے کیونکہ الفاظ میں طعنہ زنی اور اس کی ماں کو زنا کی تہمت لازم آتی ہے۔

اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ اس قسم کے الفاظ سے تہمت کا سمجھنا نادر ہے اور نادر پر اکثر کوئی حکم نہیں لگایا جاتا۔

چوتھا مسئلہ

امام ابو حنیفہ رض کا قول یہ ہے کہ تہمت زنی کی حد اللہ تعالیٰ کا حق ہے لہذا مقذوف کو (وہ شخص جسے تہمت لگائی گئی ہو) اس کے ساقط کرنے کا حق نہیں اور نہ اسکا کہ اُس سے بیزار ہو بیٹھے اور اگر مر گیا تو اس حق میں وراثت نہ جاری ہوگی۔ حالانکہ امام شافعی کا قول اور امام احمد رض کی دو روایتوں میں سے اظہر یہ ہے کہ وہ مقذوف کا حق ہے پس بغیر اُس کے مطالبہ کے نہیں جاری کیجا سکتی اور اُسے ساقط کر دینے کا اور

اس کا بھی کہ حد کے مطالبہ سے بیزار ہو بیٹھے اور اس میں وراثت بھی جاری ہوتی ہے اور امام مالک رح کا مشہور قول یہی ہے مگر انہوں نے یہ کہا ہے کہ اگر حد کے مطالبہ کا مقدمہ حاکم اسلام کے پاس لے جاچکا ہوگا تو پھر ساقط کرنے کا حقدار نہیں رہے گا۔

اور میں نے شیخ الاسلام زکریا رح کو فرماتے سنا ہے کہ ہر وہ گناہ جس میں بندہ واقع ہوجاتا ہے اس کے دو رخ ہوتے ہیں ایک تو حق تعالیٰ کے حق کی طرف کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کی حدود سے تجاوز کیا اور دوسرا رخ بندہ کی طرف ہوتا ہے پس جب بندہ اپنے حق سے اس کو بری کردے تو وہ بری ہوجاتا ہے اور خدا تعالیٰ کا حق اس کے ذمہ باقی رہتا ہے اور بندہ اس کی تحت مشیت رہجاتا ہے اور اگر چاہے وہ بخشدے اور اگر چاہے عذاب دے۔ اور وجود کے اندر ہمارا ہر حق بندہ کے فعل اور حق تعالیٰ کے ارادے سے مرکب ہے اور ہمارا ہر حق خواہ وہ خالص خدا تعالیٰ کا ہو یا غیر خالص اس میں بندہ کو کوئی دخل ضرور ہے۔ موصوف نے فرمایا کہ اہل تصوف کا اسپر اتفاق ہے کہ پروردگار عالم کا کسی بندہ سے بدلہ لینا صرف مخلوق کے حق کی وجہ سے ہوتا ہے ورنہ پروردگار اپنی ذات کے واسطے بدلہ نہیں لے سکتا کیونکہ وہ درحقیقت مؤثر اور اس فعل کا پیدا کنندہ ہے (انتہیٰ) اور امام عبداللہ بن عباس رض اور محمد بن سیرین رح کی یہ حالت تھی کہ جب کوئی شخص ان کی آبروریزی کرتا اور پھر ان سے معافی کا خواستگار ہوتا تو اس کو یوں جواب دیتے کہ خدا تعالیٰ نے مومنوں کی آبروریزی کو حرام کیا ہے اس لئے ہم نہ اس کو مباح کرسکتے ہیں اور نہ معاف۔ لیکن خدا تعالیٰ تجھکو اے بھائی بخشدے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

پانچواں مسلہ

امام ابوحنیفہ رح کا قول یہ ہے کہ تہمت کی حد میں وراثت جاری نہیں ہوتی لیکن مقذوف کے مرجانے سے ساقط ہوجاتی ہے۔ حالانکہ امام مالک رح اور امام شافعی رح کا قول یہ ہے کہ اس میں وراثت جاری ہوتی ہے اور کون وارث ہوتا ہے سو اس میں اصحاب امام شافعی رح سے تین قول ہیں ایک یہ کہ تمام ورثہ خواہ مرد ہوں یا عورتیں اور دوسرا قول یہ کہ ذوالانساب وارث ہیں تو میاں بیوی خارج ہوگئے اور تیسرا قول یہ کہ عصبات وارث ہیں نہ عورتیں۔ پس پہلا قول تہمت لگانے والے پر مخفف ہے اس وجہ سے کہ ورثہ وغیرہ کا مطالبہ کرنا اس سے ناجائز ثابت ہوتا ہے اور دوسرے قول میں اسپر تشدید ہے اور پہلے قول کی وجہ وارث کے بارہ میں اموال پر قیاس کرنا ہے اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ میاں بیوی کا باہم افتراق ممکن ہے اور یہ بھی کہ ہر ایک اپنے ساتھی کو بدلکر پہلے کو بھول جائے اور اپنا راز دوسرے پر ظاہر کرنے لگے اور نسبی رشتہ داری میں یہ بات نہیں اور تیسرے قول کی وجہ عصبات کا باہمی سخت ارتباط ہے لہذا عصبات مقذوف کے ساتھ ارتباط اور تعلق میں مطلق وارثوں سے زیادہ ہوئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

باب چوری کے احکام میں

مسائل اجماعیہ

اماموں کا اسپر اتفاق ہے کہ ہاتھ کاٹنے کے وجوب میں مال کا محفوظ ہونا معتبر ہے۔ اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ اگر

ایک جماعت ملکر چوری کرے پھر ہر ایک کو بقدر نصاب مال ملجاوے تو ہر ایک کے ہاتھ کو کاٹنا لازم ہے۔ اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ جب کوئی چوری کرے تو اُسکا دہنا ہاتھ کاٹا جائے۔ پھر اگر دوبارہ چوری کرے تو بایاں پاؤں کاٹا جائے اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ اگر چوری کی ہوئی چیز باقی ہو تو اُس کا واپس دینا واجب ہے۔ اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ والدین اگرچہ اوپر تک جاویں (یعنی دادا، دادی، پردادا، پردادی وغیرہ) اگر اپنی اولاد کے مال کی چوری کریں تو اُن کا ہاتھ نہ کاٹا جاوے۔ اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ چور پر جب اُس کا ہاتھ کاٹا جانا واجب ہو جاوے اور یہ موقعہ پہلی چوری کا ہو۔ حالانکہ وہ شخص درست ہاتھ پاؤں والا ہو تو اُس کا دہنا ہاتھ ہتھیلی کے جوڑ سے کاٹا جائے پھر داغ دیا جائے (تاکہ خون بند ہو جاوے) پھر اگر دوبارہ چوری کرے اور قطع کا حکم ہو جاوے تو اُسکا بایاں پاؤں قدم کے جوڑ سے کاٹا جائے پھر داغدیا جائے اور اگر وہ عضو جس کے کاٹے جانے کا وہ مستحق ہو صحیح و سالم نہو تو اُس کے بعد والے کو کاٹا جائے۔ یہانتک مسائل اجماعیہ ختم ہوئے۔

مسائلِ اختلافیہ

پہلا مسئلہ امام ابوحنیفہ رحمہ کا قول یہ ہے کہ چوری کا نصاب (جس میں ہاتھ کٹتا ہے) ایک دینار یا دس درہم یا ان میں سے ایک کی قیمت کی برابر ہوتا ہے۔ حالانکہ امام مالکؒ کا قول اور امام احمد رحمہ کی دو روایتوں میں سے اظہر یہ ہے کہ نصاب چوتھائی دینار یا تین درہم یا وہ چیز ہے جسکی قیمت تین درہم ہیں۔ اسی طرح امام شافعی رحمہ کا قول یہ ہے کہ دراہم وغیرہ میں سے ربع دینار کی بقدر ہونا نصاب ہے۔ پس پہلا قول قطع ید میں مخفف اور مقدار نصاب میں مشدد ہے۔ اور دوسرا قول نصاب کے بارہ میں مخفف اور قطع ید کے بارہ میں مشدد ہے اسی طرح امام شافعی رحمہ کا قول اور تینوں اقوال کی توجیح اُس ڈہال کی قیمت کے اختلاف پر مبنی ہے جس کے چرانے میں ہاتھ کاٹا جانا حدیث میں وارد ہے تو امام ابوحنیفہ رحمہ کے نزدیک اُس کی قیمت ایک دینار تھی۔ اور امام مالک رحمہ اور امام احمد رحمہ اور امام شافعی رحمہ کے نزدیک اُس کی قیمت ربع دینار تھی۔ پس ہر حاکم کو اُس کے امام کے قول کے مطابق قطع ید کرنا چاہیئے۔ اور ظاہر ہے کہ اس مسئلہ میں از روئے تقوی باعتبار احترام مومنین امام ابوحنیفہ رحمہ کا قول اشد ہے جسطرح اموال مسلمین احترام کے لحاظ سے بقیہ اماموں کا قول اشد ہے۔ الحاصل بعض اماموں نے خونوں کی حرمت کا لحاظ کیا ہے اور بعض نے مال کے احترام کا کیا ہے۔

دوسرا مسئلہ امام ابوحنیفہ رحمہ کا قول یہ ہے کہ حفاظت کی تعریف جس میں سے چرانے پر ہاتھ کاٹا جاتا ہے یہ ہے کہ جن اموال میں سے تھوڑے سے مال کی حفاظت کی جاتی ہوگی تو اُس جنس کے تمام اموال محروز (محفوظ) کہلائیں گے حالانکہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ اموال کے اختلاف سے حرز مختلف ہے اور اس بارہ میں عرف کا اعتبار ہے۔ پس پہلا قول اس اعتبار سے مشدد ہے کہ سونے کے حرز کو باقی ردی اسباب کے حرز کے مثل قرار دیا گیا جسطرح وہ قطع ید کے بارہ میں مشدد ہے اور دوسرا قول عرف کا پیرو ہے۔

اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ مسلمان کے مال میں تھوڑے اور بہت کی تفریق نہیں لہذا جو حرز چاندی کے ایک درہم کا ہوگا وہی اُس سے زیادہ سونے کا۔ اور دوسرے قول کی وجہ حرز کے اندر عرف کی پیروی کرنا ہے۔ ورنہ کتنا بڑا فرق ہے کہ کھیتی کے آلات کی حفاظت کہاں اور سونے اور ریشم کا حرز (حفاظت) کہاں اور خدا تعالی نے حضرت محمد مصطفے صلی اللہ علیہ

وسلم کو ارشاد فرمایا ہے (خذ العفو وأمر بالمعروف) "درگذر کرنا لو اور معروف کا حکم کرو" یعنی جب کسی چیز کی مقدار کے بارہ میں تمہاری طرف وحی نہ کی جائے تو تم اُس کو عُرف پر حوالہ کر دو اور اسی کے موافق عمل کرو لہٰذا عرف بھی منجملہ توابع شریعت کے ہوا۔ اور عرف ہر وہ چیز ہے جس کو لوگ باہم متعارف کرلیں بشرطیکہ وہ شریعت کے موافق ہو۔ پس عرف اقسام قانون میں سے نہیں ہے۔ اس میں بعض اماموں کا خلاف ہے۔

تیسرا مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ ایسی چیز چُرانے میں ہاتھ کاٹا جائے جو بہت جلد خراب ہو جاتی ہو بشرطیکہ اُس کی قیمت نصاب قطع ید کو پہونچ جائے۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ اُس میں ہاتھ نہ کاٹا جائے اگرچہ اس کی قیمت نصاب کو پہونچ جائے۔ پس پہلا قول ہاتھ کاٹنے میں مشدد اور دوسرا مخفف ہے۔ پہلے قول کی وجہ مخلوق کے حقوق سے بری الذمہ ہونے میں احتیاط سے کام لینا ہے۔ اور دوسرے قول کی وجہ مسلمان کا عضو کاٹنے میں احتیاط کرنا ہے۔ پس جو چیز جلدی بدل جاتی ہو اُس میں نہ کاٹا جائے گا برخلاف نقود اور کپڑوں وغیرہ کے جن سے اُن کی ذوات کی بقا تک نفع حاصل کیا جاتا ہے۔ کیونکہ ایسی اشیا زخت احترام والی ہیں۔ بالخصوص کھانا۔ جبکہ موسم فراخی اور ارزانی کا ہو کہ اس کی چوری لوگوں پر کچھ بھاری نہیں گذرتی جتنی موسم گرانی میں گزرتی ہے۔ اور اسی سے امام ابو حنیفہ رضہ کے قول کی وجہ بھی معلوم ہو سکتی ہے۔ کیونکہ زمانہ گرانی میں طعام کی چوری کرنا مالک پر زر و جواہر سے بھی زیادہ شاق گذرتا ہے۔

چوتھا مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ جس نے درخت پر لٹکے ہوئے پھولوں کو چُرا لیا اور وہ محفوظ تھے نہیں تو اُس پر اُن کی قیمت لازم ہوگی۔ حالانکہ امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ اس پر دوگنی قیمت لازم ہوگی پس پہلا قول ایک گنی قیمت لازم ہونے کی وجہ سے مخفف اور دوسرا دوگنی قیمت کی وجہ سے مشدد ہے۔ پہلے قول کی وجہ چور کے احترام کی رعایت کرنا ہے پس ہر ایک کے لئے ایک وجہ ہے۔ اور حاکم اسلام یا اُس کے نائب کو اختیار ہے جونسا چاہے حکم عمل میں لادے۔

پانچواں مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ عاریت کی چیز کا اگر منگنی مانگنے والا انکار کر جائے تو اُس کا ہاتھ کاٹا جائے۔ بشرطیکہ اُس کی قیمت نصاب کو پہونچ جائے۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رحم کا قول یہ ہے کہ ہاتھ نہ کاٹا جائے اگرچہ اُس کی قیمت نصاب کو پہونچ جائے۔ پس پہلا قول ہاتھ کاٹنے میں مشدد اور دوسرا مخفف ہے۔ پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ منگنی مانگنے والے کے پاس مانگی ہوئی چیز ایسی ہے جیسے اُس کے حرز (حفاظت) میں رکھی ہے اس دلیل سے کہ مالک نے اُس چیز کی حفاظت کے متعلق مانگنے والے پر اعتماد کیا لہٰذا اُس کا انکار کرنا ایسا ہے جیسا حرز (حفاظت) توڑ کر لے لینا۔ بالخصوص اِس وجہ سے کہ حدیث میں عاریت کا مضمون ہونا وارد ہے۔ دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ عاریت دینے والے نے یہ زیادتی کی کہ ایسے شخص کو چیز دیدی جس کے انکار کر دینے کا اندیشہ تھا۔ پس جب پہلی مرتبہ اُسے امین سمجھ چکا تو بھلائی کی بات یہ ہے کہ بعد میں اُس کے ہاتھ کو نہ کاٹے جب اُس کا خائن ہونا ظاہر ہو۔

چھٹا مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ امانت کی چیز کے منکر کا ہاتھ کاٹا جائے۔ حالانکہ امام احمد رحمہ کا قول یہ ہے کہ کاٹا جائے۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔ اور اُن دونوں کی توجیہ پہلے مسئلہ عاریہ سے سمجھی جا سکتی ہے۔

ساتواں مسئلہ امام ابو حنیفہ رضہ اور امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر ایک گروہ ملکر بقدر نصاب کے چوری کرے

تو اُن سب کے ہاتھ نہ کاٹے جائیں۔ حالانکہ امام مالک رح کا قول یہ ہے کہ اگر اُس کی چوری میں باہمی ایک دوسرے کی مدد کے محتاج نہ ہوں تو ہاتھ کاٹے جائیں اور اگر وہ چیز ایسی ہے کہ اُسکی چوری اور اُٹھانے میں ایک آدمی کافی نہ ہو تو اُس میں اصحاب امام موصوف کے دونوں قول ہیں۔ پس پہلا قول چوروں پر مخفف اور دوسرے میں تفصیل ہے۔ اور پہلے قول کی وجہ آدمی کے عضو کی عظمت کا لحاظ کرنا اور امر دنیاوی کو حقیر جاننا ہے اور تفصیل کی دونوں شقوں میں سے دوسری شق کی وجہ پہلے کے برعکس ہے۔

آٹھواں مسئلہ تینوں اماموں کا قول ہے کہ اگر دو شخصوں نے ملکر نقب لگایا۔ پھر اُن میں سے ایک نے اندر گھس کر متاع وغیرہ لیا اور باہر والے شخص کو دیدیا، یا اُسکی طرف پھینکدیا پس اُس نے اُٹھالیا تو اندر گھسنے والے کا ہاتھ کاٹا جائے گا نہ باہر کھڑے ہوئے کا۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رح کا قول یہ ہے کہ اُن دونوں میں سے کسی کا ہاتھ نہ کاٹا جائے۔ پس پہلا قول ہاتھ کاٹنے میں اندر گھسنے والے پر مشدد اور دوسرا دونوں پر مخفف ہے۔ پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ اندر گھسنے والا ہی درحقیقت چور ہے اور باہر والا امانت رکھنے والے کی مانند ہے۔ اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ اُن دونوں میں سے کوئی نقب لگانے اور مال نکالنے میں مستقل نہیں جن دونوں بغیر چوری کامل نہیں ہوتی۔ اسی وجہ سے دونوں میں سے کسی کا ہاتھ نہ کاٹا جائے گا اور اس میں آدمیوں کا احترام اور دنیاوی امر کی تحقیر مقصود ہے۔

نواں مسئلہ امام ابو حنیفہ رح اور امام احمد رح کا قول یہ ہے کہ اگر نقب لگانے میں ایک گروہ شریک تھا پھر (نقب کے بعد) سب کے سب اندر داخل ہوئے اور اُن میں سے بعض نے بقدر نصاب مال نکالا اور باقیوں نے ذرا سا بھی نہ نکالا اور نہ بعض کو بقدر نصاب نکالنے میں اعانت کی تو تمام گروہ کے ہاتھ کاٹنے واجب ہیں۔ حالانکہ امام مالک رح اور امام شافعی رح کا قول یہ ہے کہ سوا مال نکالنے والوں کے اور کسی کا ہاتھ نہ کاٹا جائے۔ پس پہلا قول اُن لوگوں پر مشدد ہے جنہوں نے نقب زنی میں دوسروں کی موافقت کی ہے لیکن نہ انہوں نے مال نکالا اور نہ نکالنے والوں کی اعانت کی ہے اور دوسرے قول میں اُن داخل ہونے والوں پر تخفیف ہے جنہوں نے مال واسباب نہیں نکالا اور دونوں قولوں کی وجہ اُن مسائل سے معلوم ہو سکتی ہے جو پہلے گذر گئے۔

دسواں مسئلہ امام ابو حنیفہ رح کا قول یہ ہے کہ اگر دو شخصوں نے اپنے مقام محرز میں نقب لگایا اور اُن میں سے ایک نے اندر گھس کر مال نقب کی جگہ کے نزدیک رکھدیا اور پھر وہیں چھوڑ کر باہر چلا آیا بعد میں اُس شخص نے جو اندر داخل نہیں ہوا اپنا ہاتھ ڈالکر نکال لیا تو اُن میں سے کسی کا ہاتھ نہ کاٹا جائے گا۔ حالانکہ امام مالک رح کا ایک قول یہ ہے کہ جس نے مال نکالا ہے اُسکا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اور جس نے نقب کی جگہ کے نزدیک رکھدیا تھا اُس کے بارہ میں اصحاب امام موصوف کے دونوں قول ہیں۔ اسی طرح امام شافعی رح کے دو قولوں میں سے صحیح یہ ہے کہ صرف باہر نکالنے والے کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اسی طرح امام احمد رح کا قول یہ ہے کہ دونوں پر قطع ید لازم ہے۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔ اُس شخص کا ہاتھ کاٹنے کی وجہ سے جس نے مال نکالا ہے اور اس میں نقب کے نزدیک رکھ دینے والے پر تخفیف ہے۔ اور تیسرا قول نکالنے والے پر مشدد اور اُس کے غیر پر مخفف ہے۔ اور چوتھا قول نقب زن اور نکالنے والے اور قریب کر دینے والے پر مشدد ہے۔ اور ان تمام اقوال کی وجوہ مسائل سابقہ کی وجوہ سے معلوم ہو سکتی ہیں۔

گیارھواں مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ کفن چور کا ہاتھ کاٹا جائے۔ حالانکہ صرف امام ابو حنیفہ رح کا

ں یہ ہے کہ نہ کاٹا جائے پہلا قول کفن چور پر مشدد اور دوسرا مخفف ہے۔
ے قول کی وجہ یہ ہے کہ قبر مقام محرز ہے جس میں میت کا کفن محفوظ ہے جب سے اُسکو مٹی سے آٹ دیا ہے باینکہ وہ جائے عبرت
و نفرت ہے۔
ور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ عادۃً اُس کو محرز نہیں سمجھا جاتا اور ہو سکتا ہے کہ پہلا قول اُن قبروں پر محمول ہو جو چہار
دیواری وغیرہ میں محفوظ ہوں اور دوسرا اُن کے خلاف پر باینکہ چور غالباً حق تعالیٰ کے مشاہدہ اور میت کے ساتھ
عبرت حاصل کرنے سے غافل ہوتا ہے۔

دسواں مسئلہ امام شافعی رضؓ اور امام احمد رضؓ کا قول یہ ہے کہ اگر کسی نے کعبہ شریف کے پردوں میں سے اسقدر مال کی چوری کر لی جس کی قیمت نصاب کو پہنچ جائے تو اُس کا ہاتھ کاٹا جائے حالانکہ
امام مالک رضؓ کا قول یہ ہے کہ نہ کاٹا جائے۔ پس پہلا قول مشدد اور اُن لوگوں کے ساتھ خاص ہے جن کے قلوب میں
ایمان نے گھر کر لیا ہے اور ایمان ہی کی عظمت نے کعبہ کی حرمت اور اُسکو حق تعالیٰ کے خاص دربار کی طرف منسوب ہونے
بتلا دیا ہے پھر وہ باینہمہ اُس کی حرمت نکرے (تو ہاتھ کاٹنا چاہیئے) اور دوسرا قول مخفف اور اُن سفلوں کو ساتھ
مخصوص ہے جنکا پردہ غلیظ ہے۔ اور وہ حق تعالیٰ کے دربار خاص میں ہونے سے ناواقف اور اُس کی تعظیم سے غافل
ہیں لہذا اُن دونوں اماموں نے اُن پر تخفیف کی اور اہل کشف کا اسپر اتفاق ہے کہ بندہ کو یہ جائز نہیں کہ باوجود کشف
و مشاہدہ کے کسی وقت بھی حق تعالیٰ کی نافرمانی کرے۔ لہذا ضرورت ہے کہ کچھ پردہ ہو کم از کم یہی سمجھتا ہو کہ خدا تعالیٰ
اس گناہ کو بخشدے گا اور مجھ سے اِس کا مواخذہ بھی نہ کرے گا کیونکہ اگر وہ یہ گمان کرتا کہ وہ اس گناہ کو معاف نہ کریگا
تو وہ ہرگز اِس گناہ میں نہ واقع ہوتا اور اس کی تائید اُس حدیث سے ہوتی ہے جو حکیم ترمذی نے نوادر الاصول میں
مرفوعاً ذکر کی ہے اور وہ یہ کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب خدا تعالیٰ اپنی قضا و قدر کو جاری فرما
چاہتا ہے تو عقلاء کی عقول چھین لیتا ہے یہانتک کہ جب اپنی قضا و قدر کے موافق کر لیتا ہے تو پھر اُن کی عقول واپس
کر دیتا ہے تاکہ وہ عبرت پکڑیں،، (انتہیٰ) اور عبرت پکڑنے کے معنے یہ ہیں کہ وہ توبہ و استغفار کریں اور بعض علماء نے
سمجھا کہ عقل جو چھین لی جاتی ہے وہی عقل ہوتی ہے جسپر مکلف ہونے کا مدار ہے اور کہا کہ اس میں ہمارے لئے جب ہم گناہ میں
بڑی خوشی کی بات ہے اِس لئے کہ ہمارا کبھی ایسی حالت کے اندر گناہ میں پڑنا نہیں ہوتا کہ ہماری عقول حاضر ہوں اور جسکی عقل
چلی جائے وہ مکلف نہیں ہوتا لہذا اُس سے خدا تعالیٰ مواخذہ بھی نہ کرے گا۔
حالانکہ یہ سمجھنا کمزوری کی دلیل ہے کیونکہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ خدا تعالیٰ گنہگاروں سے بالکل ہی مواخذہ نہ کریگا
اور یہ اجماع کے خلاف ہے۔ اور ہمیں نے جو کچھ سمجھا ہے وہ یہ ہے کہ اُس عقل سے جو چھین لیجاتی ہے اُس کا یہ سمجھنا مراد ہے
کہ میں حق تعالیٰ کے روبرو ہوں اور وہ مجھ کو دیکھ رہا ہے۔ پس یہ سمجھنا اُس سے چھین لیا جاتا ہے جب اُس کی نافرمانی
کرتا ہے اور اس میں خدا تعالیٰ کی اپنے بندوں پر رحمت ہے۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر گناہ کرنے والا اُس سے
حجاب میں نہ ہوتا تو وہ کبھی حق تعالیٰ کی نافرمانی میں قدم نہ رکھتا اور اگر وہ باوجود یہ سمجھنے کے کہ خدا تعالیٰ مجھکو دیکھتا
ہے گناہ میں پڑ جائے تو وہ شخص بے ادبی کے انتہا درجہ میں ہوا اور وہ اس کا سزاوار ہے کہ زمین میں دھنسا دیا جائے
یا اُس کی صورت مسخ کر دیجائے۔ بلکہ امام جلال الدین سیوطی نے روایت نقل کی ہے کہ زمانہ محمد بن قلادن میں ایک
شخص نے جامع بنی اُمیہ میں اپنے امام کے ساتھ پیچھے سے بیجا حرکت کی اور امام نماز میں مشغول تھے تو خدا تعالیٰ نے اُس کی
صورت خنزیر کی بنادی اور وہ جنگلوں کی طرف نکل بھاگا حالانکہ لوگ دیکھ رہے تھے اور پھر اُس کی خبر تک نہ ملی اور

لوگوں نے اس واقعہ کو تاریخ کے طور پر لکھ لیا۔
پس اے بھائیو غور کا مقام ہے کہ اُس شخص کو محض اسوجہ سے یہ عذاب دیا گیا کہ اُس نے خدا تعالیٰ کے دربار میں اہانت کی نیت سے اپنے امام کی مقعد کو چھو لیا تھا۔
اور صحیح حدیث سے اس مضمون کی تائید ہوتی ہے جسکو شیخین نے مرفوعاً روایت کیا ہے اور وہ یہ کہ زانی نہیں زنا کرتا اس حالت میں کہ مومن ہو اور نہ چوری کرتا ہے اس حالت میں کہ وہ مومن ہو۔ الحدیث۔ کیونکہ مومن ہونے کے معنے یہی ہیں کہ زنا و چوری کرنے والا جانتا ہو کہ خدا تعالیٰ مجھے اس وقت دیکھ رہا ہے بلکہ اُس کا ایمان قلب سے نکلکر چھتری کی شکل ہو جاتا ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کی رحمت ہے جسطرح کوئی پردہ ہو کہ عذاب الٰہی اُسی پر ٹھیر جائے اور بندہ اُس سے محفوظ رہے۔ پس ایمان کے اُس سے نکل جانے کے ظاہر و متبادر معنی یہ سمجھ میں آتے ہیں کہ یہ اُسپر ایک قسم کا عذاب ہے حالانکہ در حقیقت یہ اُس کی رحمت ہوتی ہے اور ایمان کی صاحب ایمان پر عنایت۔ اور ہم نے جو کچھ ذکر کیا ہے اس ایمان سے جس کے زانی سے نکل جانے کی خبر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے ایک خاص قسم کا ایمان مراد ہے اگر کوئی شخص اسکی توضیح کا طالب ہو تو ہر اُس آیت قرآنیہ کی روش میں غور کرے جس کے اندر ایمان کا ذکر ہے مع اس مخصوص شے کے جس کا اُس میں مذکور رہے۔ پس اگر حساب کے بارہ میں ایمان کا ذکر ہو یا بعث کے یا حشر ونشر کے تو اُس کے معنے یہ ہونگے کہ لوگ حساب کے ساتھ ایمان نہیں لاتے اور بعث یا حشر ونشر کے ساتھ ایمان نہیں لاتے (مطلب یہ کہ اُس چیز کے ساتھ ایمان کی نفی ہوگی جس کا اُس آیت میں خاص ذکر ہے) اور علیٰ ہذا القیاس۔ پس ثابت ہوا کہ ہمارا یہ کہنا کہ آنحضرت کا قول ہے کہ زنا کرنے والا مومن ہونے کی حالت میں زنا نہیں کرتا اور مومن ہونے کی حالت میں چوری نہیں کرتا۔ سے مراد ہے کہ صرف وہ حق تعالیٰ کو یہ یقین نہیں کرتا کہ وہ مجھے دیکھ رہا ہے یہ مراد نہیں کہ وہ خدا تعالیٰ اور اُس کے فرشتوں اور اُس کی کتابوں اور اُس کے رسولوں اور منکر ونکیر یا بعث وحشر ونشر یا حساب ومیزان وغیرہ پر ایمان نہیں رکھتا۔ اور بعض علماء کا قول کہ ایمان میں تقسیم نہیں ہوتی تو جب کچھ حصہ ایمان کا نہ رہا تو کل نہ رہا اس پر محمول ہے کہ اُس نے علماء کی صحبت نہ حاصل کی ہو بلکہ اُن صفات سے ناواقف ہو جنکے ساتھ ایمان لانا واجب ہے کیونکہ ایسے شخص کا ایمان اُسی وقت کامل ہوگا کہ اُن تمام صفات پر ایمان رکھے اور اس کی نظیر یہ ہے کہ بندہ کی ایک گناہ سے توبہ مقبول ہوتی ہے اگرچہ وہ دوسرے گناہ پر اصرار کر رہا ہو۔ حاصل کلام یہ ہے کہ عاقل کامل بحالت عقل کبھی اپنے پروردگار کی نافرمانی نہیں کرے گا۔ اور صوفیہ کرام کا اسپر اتفاق ہے کہ ہر وہ شخص جسپر بائیں جانب کے کاتب (فرشتہ) نے کوئی گناہ ثبت کر دیا وہ ناقص العقل ہے۔ اور حضرت مالک بن دینار رضہ فرماتے تھے کہ جو شخص بے عقل قوم کو دیکھنا چاہے وہ ہمکو دیکھ لے۔ اور میں نے سیدی علی خواص کو فرماتے سنا ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے بندہ کو بوقت گناہ اس لئے اپنے آپ سے محجوب فرما دیتا ہے کہ تاکہ اُس کے روبرو شرمندگی نہ ہو اور جسطرح بندہ بوقت گناہ اپنے پروردگار سے شرمندہ ہوتا ہے اسیطرح حق تعالیٰ بھی اپنے بندہ سے حیا کرتا ہے کہ اُس کو اس مرتبہ سے ہٹا دیتا ہے کہ وہ یہ سمجھے کہ مجھے خدا تعالیٰ دیکھ رہا ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے اخلاق حسنہ میں سے جس خلق کی ہمکو تعلیم دی ہے وہ خود اُس خلق کے ساتھ دکر اُس سے اسی خلق کے ساتھ معاملہ کیا جائے زیادہ اولیٰ ہے۔
اور میں نے صاحب موصوف سے یہ بھی سنا ہے کہ جب خدا تعالیٰ آخرت میں اپنے مومن بندوں کے لئے کرم کا فرش بچھائیگا تو اُن کی خجالت اور شرمندگی کو دور فرما دے گا اور فرمائیگا کہ اے بندو! تم سے جو دنیا میں وہ مخالف شرع امور پیش آئے وہ محض میری قضا وقدر اور میری مشیت کی وجہ سے جن کے رد کرنے پر تم قادر نہ تھے۔ تو خدا تعالیٰ کے اس ارشاد

سے اُن کی شرمندگی دور ہو جائے گی اور بعض لوگ مارے خوشی کے اڑنے لگیں گے اور یہ کرم خداوندی کا انتہائی درجہ ہے اسیوجہ سے کہ وہ آخرت میں اپنے بندوں کی طرف سے خود عذر بیان فرمائے گا اور دنیا میں اُن سے اس راز کو اسلئے پوشیدہ رکھا کہ یہ منجملہ اسرار تقدیر کے ہے بلکہ اس بندہ کی مذمت کی جس نے دار دنیا میں جو دار التکلیف ہے یہ کہا کہ میں کیا چیز ہوں خدا تعالیٰ میرے پیدا کرنے سے پہلے ہی مقدر فرما چکا تھا کہ مجھ سے ایسے ایسے افعال صدور میں آئیں گے اور رضا بالقضا کو مجھ پر واجب فرما دیا کیونکہ تکالیف کا مکان اور آیندہ کی طرف کسی فعل کی نسبت کا راز کھولنا درحقیقت حقانیت میں نزاع کرنے کو مقبول نہیں کرتا وجہ یہ کہ اگر قبول کرتا تو بسا اوقات انسان اپنے پروردگار پر غالب آجاتا اور کسی امر میں خدا تعالیٰ کی حجت اُسپر غالب نہ آتی پس معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ آخرت میں اُسی بندہ کی طرف معذرت بیان فرمائیگا جو تکلیف کے زمانہ میں اُس کے ساتھ باادب رہے گا اور یہ معرفت کے مغز کی تھوڑی سی تفسیر ہے پس اس میں سوچو تاکہ اُس کی تہ تک پہونچ جاؤ۔ اب ہم اصل مسئلہ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ پس کہتے ہیں کہ امام شافعی رض اور امام احمد رض کے اس قول کی تائید کہ جو شخص کعبہ معظمہ کے پردوں میں سے اسقدر کی چوری کرے جس کی قیمت بقدر نصاب ہو تو اُسکا ہاتھ کاٹا جائے اُس حدیث سے ہوتی ہے جو حرم شریف میں چوری کرنے والے پر سخت عذاب نازل ہونے کے متعلق وارد ہے۔ پس اسکو خوب سمجھ لو۔ واللہ اعلم۔

تیرھواں مسئلہ

امام ابو حنیفہ رض کا قول اور امام احمد رض کی دو روایتوں میں سے ایک یہ ہے کہ اگر چور تیسری مرتبہ چوری کرے تو نہ اُس کا دوسرا ہاتھ کاٹا جائے اور نہ دوسرا پاؤں۔ کیونکہ زیادہ سے زیادہ جو چوری کرنیسے جو کاٹا جاتا ہے وہ ایک ہاتھ اور ایک پاؤں ہے۔ ہاں قید کر دیا جائے۔ حالانکہ امام مالک رض اور امام شافعی رض کا قول یہ ہے کہ تیسری مرتبہ میں بایاں ہاتھ اور چوتھی دفعہ میں داہنا پاؤں کاٹا جائے اور امام احمد رض سے دوسری روایت یہ ہی ہے۔ پس پہلے قول میں چور پر تخفیف اور دوسرے میں اُسپر تشدید ہے اور مضمون سابق سے دونوں قولوں کی وجہ ظاہر ہے کیونکہ بعض امام مال کے احترام کی رعایت کرتے ہیں اور بعض مومن کے احترام کی۔ اور مسائل اجماعیہ میں گذر چکا ہے کہ اماموں کا اسپر اتفاق ہے کہ چور جب چوری کرے تو اُس کا داہنا ہاتھ کاٹا جائے پھر اگر دو بارہ چوری کرے تو اُس کا بایاں پاؤں کاٹا جائے۔ پس خلاف صرف تیسری بار اور چوتھی مرتبہ میں ہے واللہ اعلم۔

چودھواں مسئلہ

تینوں اماموں کا قول یہی ہے کہ چوری کی حد صرف ایک مرتبہ آدمی کے اپنے اوپر اقرار کرنے سے ثابت ہو جاتی ہے حالانکہ امام احمد رض اور امام ابو یوسف کا قول یہ ہے کہ جب تک دو مرتبہ اقرار نہ کرے اُس وقت تک ثابت نہیں ہوتی۔ پس پہلے قول میں چور پر تشدید اور دوسرے میں اُسپر تخفیف ہے۔ پہلے قول کی وجہ اس امر کا بعید ہونا ہے کہ کوئی آدمی اپنے اوپر ایسی بات کا جھوٹا اقرار کرے جس سے اُس کے ہاتھ کا کٹنا لازم ہو۔ اور تکرار کی ضرورت وہاں ہوتی ہے جہاں ایک مرتبہ کے اقرار کرنے میں شک رہجائے۔ پس پہلے قول کو اُن بیدار اور تقوے والوں پر محمول کیا جائے گا جو مرنے سے پہلے ہی دنیا کے اندر اپنے آپ کو پاک کرنا پسند کرتے ہیں اور دوسرے کو اُن لوگوں پر جو دوسرے کی ضد ہیں اور اس قول میں مقر اور حاکم دونوں کی احتیاط ملحوظ ہے کیونکہ آدمی کے عضو کاٹنے اور خدا تعالیٰ کی عمارت کو ڈھانے پر آمادہ ہونا بہت بھاری بات ہے۔ پس خدا تعالیٰ ہی کو سزاوار ہے کہ وہ اپنی بنا کردہ عمارت کا انہدام فرما دے اور اسی وجہ سے حدیث میں وارد ہے کہ خودکشی کرنے والا دوزخ میں جائے گا کیونکہ اُس نے خدا تعالیٰ کی عمارت کو اُس کی بلا اجازت ڈھانے پر جرأت کی۔ خوب سمجھ لو۔ اور یہی وجہ ہے جو اُن دونوں

اماموں نے دو مرتبہ اقرار کرنے کو واجب کہا ہے پس ہر امام کے لئے ایک وجہ ضرور ہے۔

پندرھواں مسئلہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے کہ چور پر (یہ دو سزائیں جمع نہ کی جائیں گی) ایک ہاتھ کا کاٹا جانا دوسرے چرائی ہوئی چیز کا تاوان دینا اور اگر چرائی ہوئی چیز تلف ہو گئی ہو تو اگر مالک (جس کے پاس سے چوری ہوئی ہے) اُس تلف شدہ چیز کا تاوان لینا چاہے تو ہاتھ نہ کاٹا جائے گا اور اگر اُس نے ہاتھ کاٹنے کو پسند کیا چنانچہ کٹ بھی گیا تو پھر چور تاوان نہ دے گا۔ حالانکہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے کہ اگر چور دولتمند ہے تو اُس پر تاوان اور ہاتھ کاٹنا دونوں واجب ہیں۔ اور اگر تنگدست ہے تو اُس چرائی ہوئی چیز کی قیمت نہ طلب کی جائے گی بلکہ صرف ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔ اسی طرح امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے کہ چور پر دونوں سزائیں جمع ہوں گی قطع ید اور تاوان۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرے میں تفصیل اور تیسرا اشد ہے۔

پہلے قول کی وجہ شارع علیہ السلام کا تاوان سے سکوت فرمانا ہے۔ لہٰذا باوجود ہاتھ کاٹ لینے کے اور کوئی چیز واجب نہ ہوگی۔

اور دوسرے قول کی وجہ اگر چور مالدار ہو تو اُس پر تاوان واجب کرنے کی وجہ سے سختی کرنا ہے برخلاف تنگدست کے کہ اُس پر تخفیف کی گئی ہے اس وجہ سے کہ اُس کو فاقہ کشی اور محتاجی کا عذر موجود ہے۔

اور تیسرے قول کی وجہ اُس پر سختی کرنا ہے اس کے فعل بد کی بُرائی ظاہر کرنے کی غرض سے اور یہ بتلانے کے لئے کہ اُس کا نفس ذلیل اور وہ خود دنیا میں خدا تعالیٰ کے مشاہدہ اور آخرت میں حساب کے ملاحظہ سے بے خبر ہے۔ اور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ قسم بخدا اگر کوئی شخص قسم کھا کر کہے کہ حسن رحمۃ اللہ علیہ کے اعمال اُن لوگوں جیسے ہیں جو یوم حساب پر ایمان نہیں رکھتے تو میں اُس سے جواب میں کہوں گا کہ تو نے سچ کہا اپنی قسم کا کفارہ نہ دیجئے۔ پھر اُن سے اِس کے بارہ میں سوال کیا گیا تو اُنھوں نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اگر ہم یوم حساب پر کامل ایمان رکھتے تو ہم سے کوئی بھی مخالف شرع امر میں واقع نہ ہوتا نہ پوشیدہ نہ علانیہ۔

سولھواں مسئلہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے کہ میاں بیوی میں سے اگر ایک دوسرے کے مال کی چوری کرلے تو اُس کا ہاتھ نہ کاٹا جائے۔ خواہ اُس جگہ سے چرا دے جو مخصوص دوسرے کی تھی یا ایسی جگہ سے جہاں دونوں رہتے ہیں۔ حالانکہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی دو روایتوں میں سے ایک روایت اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال مختلفہ میں سے ایک قول جو راجح ہے یہ ہے کہ اُن میں سے اُس کا ہاتھ کاٹا جا دے کہ جو دوسرے کے جائے حرز سے چرایا ہو۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے یہ اور بڑھایا ہے کہ اُن میں سے اُس کا ہاتھ نہ کاٹا جائے جس نے اُس کوٹھری سے چرایا ہو جہاں دونوں رہتے ہیں۔ حالانکہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی دوسری روایت اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا دوسرا قول یہ ہے کہ اُن میں سے جو دوسرے کا مال چرا دے اُس کا کسی صورت میں ہاتھ نہ کاٹا جائے۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا تیسرا قول یہ ہے کہ بالخصوص خاوند کا ہاتھ کاٹا جائے (اگر وہ چوری کرے) پس پہلا قول میاں بیوی دونوں پر مخفف اور دوسرے میں اُن دونوں پر اس اعتبار سے تخفیف ہے کہ اُن میں سے چور کا ہاتھ اُس وقت تک نہ کاٹا جائے جب تک اُن میں سے دوسرے کی حرز مخصوص کی جگہ سے نہ چرائے بطرح وہ بلحاظ ہاتھ کاٹنے کے مشدد ہے اور تیسرا مخفف اور چوتھا مفصل۔

اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ میاں بیوی میں سے ہر ایک دوسرے کے ساتھ ایسا متحد ہے کہ گویا وہی ہے۔

اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ دونوں میں سے ہر ایک اجنبی کی مثل ہے۔ اور تیسرا قول پہلے کی مانند ہے۔ اور چوتھے

قول کی وجہ یہ ہے کہ مرد پر عورت کا روٹی کپڑے کا حق ہے لہٰذا اُس کا ہاتھ نہ کاٹا جائے گا اس شبہ کی وجہ سے کہ جو کچھ اُس نے چرایا ہے شاید اُس میں سے بعض کی مستحق ہی ہو اگر اُس کی تعیین نہ ہو کہ کونسے مال کی مستحق ہے برخلاف عکس کے (یعنی یہ کہ خاوند بیوی کے مال کو چرا وے)۔

سترھواں مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ اگر لڑکا اپنے ماں کو چرا لے تو اُس کا ہاتھ نہ کاٹا جائے گا۔ حالانکہ امام مالک رحمہ کا قول یہ ہے کہ ماں باپ میں سے جس کا مال چرا لے تو ہاتھ کاٹا جائے کیونکہ شبہ کچھ نہیں۔ پس پہلا قول لڑکے پر مخفف اور دوسرا اُس پر مشدد ہے۔

اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ والد کی اپنے لڑکے پر شفقت عادۃً بہت ہوتی ہے۔ یہانتک کہ ہمنے نہیں سنا کہ کسی باپ نے اپنے بیٹے کا ہاتھ کٹوانے کی سعی کی ہو۔ اور حدود کا قایم کیا جانا محض حقوق العباد کی وجہ سے ہوتا ہے اور دوسرے قول کی وجہ شبہ کا نہ پایا جانا ہے۔ جیسا کہ امام مالک رحمہ کا قول ہے اور ممکن ہے کہ پہلے قول کو اہل سخا پر محمول کیا جائے۔ اور دوسرے کو بخیلوں اور حریصوں پر جنکو اپنی اولاد سے مال زیادہ پیارا ہوتا ہے۔ پس اس قسم کے لوگ اگر اپنے بیٹے کی ہاتھ کاٹے جانے کا مطالبہ کریں تو حاکم کو چاہیے کہ اُس کا مطلب پورا کرے۔ کیونکہ ممکن ہے شاید اُس کا مقصد اپنے بیٹے کو معاصی کے ارتکاب سے روکنا اور رجبہ سکتا ہو۔ اور بسا اوقات یہ ہاتھ کاٹنے سے بھی زیادہ کام دیتا ہے تو پھر یہ مطالبہ لڑکے پر ایک قسم کی شفقت ہوگی نہ اُس سے بدلہ لینا۔

اٹھارھواں مسئلہ امام ابو حنیفہ رحمہ اور امام احمد رحمہ کا قول یہ ہے کہ اگر کوئی شخص سونے یا چاندی کے بُت کو چرا لے اور پھر اُسے توڑ ڈالے تو اُسپر ضمان بالاتفاق نہیں ہے جیسا کہ شروع باب میں گذرا۔ حالانکہ امام مالک رحمہ اور امام شافعی رحمہ کا قول یہ ہے کہ بُت چرانے میں ہاتھ کاٹا جائے گا۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔

پہلے قول کی وجہ بُت کا فی الجملہ مال ہونا ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ چور اگر اُسے توڑے اور اُس کا زیور ڈالے اور دوسرے قول کی وجہ اس کا لحاظ ہے کہ بُت خدا کے سوا ایک اور مصنوعی معبود ہے تو اس لئے اُس کا چرانے والا ایسا ہے کہ گویا اُسنے ایک ناگوار بات کو دفع کر دیا یا چھپا دیا تاکہ غیر خدا کو معبود نہ بنایا جائے اور یہ بات منجملہ طاعات الٰہی کے ہے لہٰذا ہاتھ نہ کاٹا جائے گا۔

اُنیسواں مسئلہ امام ابو حنیفہ رحمہ کا قول یہ ہے کہ اگر کوئی شخص حمام سے کپڑے چرا لے گیا۔ حالانکہ وہاں حفاظت کرنے والا بھی موجود تھا تو بہر صورت ہاتھ کاٹا جائے اور امام موصوف کے الفاظ یہ ہیں کہ جو شخص اُس حمام سے کچھ چرا لے گیا جسکی حفاظت کی جاتی ہو تو اُس کا ہاتھ ضرور کاٹا جائے۔ اور حمام غیر محفوظ تھا یا کسی کو یوں ہی حفاظت کیلئے کہدیا تھا اور وہ غافل ہوگیا تو ہاتھ نہ کاٹا جائے۔ پس پہلا قول مفصل اور دوسرا مشدد ہے۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ چوری کا وقت غالباً رات ہوتی ہے لہٰذا ایسا ہوا جیسا کہ مقام محرز سے چوری کرنا برخلاف دن کے محافظ کے سامنے۔

اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ یہ چوری ہر حالت میں مقام محرز سے ہی ہے عرف اس کی تایید کرتا ہے۔ پس جب آدمی کمرہ میں کپڑے اُتار کر حمام میں چلا جاتا ہے تو کپڑے اُتارنے کی جگہ ہی جائے حرز ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔

بیسواں مسئلہ امام ابو حنیفہ رحمہ کا قول یہ ہے کہ غصب کی ہوئی چیز کو چرانے والے کا ہاتھ کاٹا جائے اور چرائی چیز کے چرانے والے کا ہاتھ چوری کی وجہ سے کاٹا جا چکا ہو اور اگر نہ کاٹا گیا ہو تو دوسری چور کا ہاتھ کاٹا

جائے۔ حالانکہ امام مالک رحمؒ کا قول یہ ہے کہ دونوں کا ہاتھ کاٹا جائے۔ اسی طرح امام شافعی رضؓ اور امام احمد رحمؒ کا قول یہ ہے کہ چور کے پاس سے چرانے والے کا ہاتھ نہ کاٹا جائے اور نہ غاصب کے پاس سے چرانے والے کا پس پہلا قول مفصل اور دوسرا مشدد اور تیسرا مخفف ہے۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ غاصب نے شئے مغصوب کو کھلم کھلا شریعت کی معاندت کے ساتھ لیا ہے۔ برخلاف چور کے کہ اُس نے چھپا کر لی ہے اس حال میں کہ وہ ڈرتا تھا اور بھاگنے پر اعتماد کئے ہوئے تھا پس اسی وجہ سے غاصب چرانے والے کا ہاتھ کاٹا جائے تاکہ اُس پر سختی کرنا پایا جائے اور چور سے چوری کرنے والے کا ہاتھ شرط مذکور کے ہوتے ہوئے نہ کاٹا جائے۔

اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ چور اور جس کے پاس سے چوری ہوئی ہے دونوں میں سے ہر ایک نے دوسرے کے مال کو لیا ہے اور اس سے وہ بے خبر ہے کہ یہ مال چرایا ہوا ہے۔ اور بر تقدیر اُس کے خبردار ہونے کے وہ خدا تعالیٰ کی حدود سے باہر قدم رکھنے والا ہے اور ایسا ہے کہ گویا جب پہلا چور چوری کر رہا تھا تو یہ اُس کا شریک تھا یہی وجہ ہے کہ جو دونوں کے ہاتھ کاٹنا واجب ہے اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے کہ من سن سنة سيئة فعليه وزرها ووزر من عمل بها۔

اور تیسرے قول کی وجہ خدا تعالیٰ کا یہ فرمان ہے کہ (ولا تزر وازرة وزر اخرى) پس گناہ غصب کرنے والے پر ہے اور چور پر نہ اس پر جو ان میں سے کسی کے پاس سے چرا دے۔ معلوم ہوا کہ تینوں قولوں کی وجوہ ظاہر ہیں۔

اکیسواں مسئلہ

امام مالک رضؓ کا قول یہ ہے کہ اگر چور یہ دعویٰ کرے کہ جو چیز میرے پاس سے چوری گئی ہے اُس کا میں مالک تھا۔ اور حال یہ ہے کہ بذریعہ گواہان یہ ثابت ہو چکا ہے کہ اُس چور نے کسی جائے حرز سے بقدر نصاب مال چرایا ہے تو ہر حال میں اُس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اور اس کا ملکیت کا دعوے مقبول نہ ہوگا۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رضؓ اور امام شافعی رضؓ کا قول اور امام احمد رضؓ کی دو روایتوں میں سے ایک یہ ہے کہ کاٹا جائے گا اور اگر مشہور نہیں ہے تو گواہوں کا یہ کہنا کہ اس نے چوری کی ہے مقبول نہ ہوگا اور اُس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف اور تیسرا مفصل ہے۔

اور پہلے قول کی وجہ تہمت کا قوی اور چور وغیرہ کا اکثر جھوٹ بولنا اور اُس کے اقرار سے بھاگنا ہے جو ہاتھ یا پاؤں کاٹنے کو واجب کرے اور شارع علیہ السلام نے اپنے اِس فرمان کے ساتھ تصریح فرمائی ہے کہ "چور بوقت مومن ہونے کے چوری نہیں کرتا"۔ معلوم ہوا کہ اُس سے ایمان نکل جاتا ہے۔ اور جس سے ایمان نکل گیا ہو اُس کا اپنے آپ سے قطع ید دور کرنے کے لئے جھوٹ بولنا کچھ بعید نہیں۔

اور دوسرے قول کی وجہ اس حدیث پر عمل کرنا ہے کہ (حدود کو شبہات کی وجہ سے ساقط کرو) اور اُس کا یہ دعویٰ کرنا کہ چرائی ہوئی چیز میری ملک ہے سچ ہونے کا بھی احتمال رکھتا ہے۔ اور امام احمد رضؓ کی دوسری روایت کی وجہ بھی ہے جو پہلے قول کی ہے۔ اور امام احمد رضؓ کی تیسری مفصل روایت میں سے پہلی شق کی وجہ ظاہر ہے اور دوسری شق کی وجہ قرائن پر عمل کرنا ہے۔

بائیسواں مسئلہ

امام ابوحنیفہ رضؓ کا قول اور امام احمد رضؓ کی دو روایتوں میں سے اظہر روایت اور اصحاب امام شافعی رضؓ کا قول یہ ہے کہ ہاتھ کاٹا جانا اُس شخص کے مطالبہ پر موقوف ہے جس کے پاس سے مال چوری ہوا ہو۔ حالانکہ امام مالک رضؓ کی دو روایتوں میں سے ایک یہ ہے کہ اُس کے مطالبہ کی حاجت نہیں۔

پس پہلے قول میں چور پر تخفیف اور دوسرے میں تشدید ہے۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ ہاتھ کاٹنے میں غلبہ مخلوق کے حق کو ہے۔ اور دوسرے کی وجہ پہلے کے برعکس ہے۔

تیئیسواں مسئلہ امام ابوحنیفہ رض کا قول یہ ہے کہ اگر ایک شخص نے دوسرے کو اپنے مکان میں قتل کر ڈالا اور پھر کہنے لگا کہ یہ میرے مکان میں میرا مال چرانے آیا تھا اور بلا قتل ہرگز واپس نہ جاتا تھا۔ تو اُسپر قصاص لازم نہیں جبکہ مقتول اسفدر مشہور رہو ورنہ قصاص لازم ہے۔ حالانکہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ اُسپر قصاص لازم ہے۔ مگر یہ کہ اُس کے چور ہونے پر گواہ پیش کر دے۔ پس پہلا قول مفصل ہے جس میں ایک اعتبار سے تخفیف اور ایک اعتبار سے تشدید ہے اور دوسرا بالکل مشدد ہے اور دونوں قولوں کی توجیہہ ظاہر ہے۔ کہ پوشیدہ نہیں۔

چوبیسواں مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ اگر مملوک شکار اپنی جگہ سے چوری چلے جائیں تو چور کے ہاتھ کو کاٹنا واجب ہے۔ اسی طرح تمام اُن چیزوں میں جو عادتاً مال بنائی جاتی ہوں اور اُنکا عوض لینا جائز ہو خواہ وہ مباح الاصل ہوں جسطرح شکار اور پانی یا نہ۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رض کا قول یہ ہے کہ ہر وہ شے جو مباح الاصل ہو اُس کے چور کا ہاتھ نہ کاٹا جائے۔ پس پہلے قول میں تشدید اور دوسرے میں تخفیف ہے۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ وہ مال محرز ہے۔

اور دوسرے قول کی وجہ اُس کی اصل کا لحاظ کرنا ہے آدمی کے احترام کو مال کے احترام پر غالب کرنے کی غرض کو

پچیسواں مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ لکڑی چرانے میں قطع ید واجب ہے اگر اُس کی قیمت نصاب کی بقدر ہو حالانکہ امام ابوحنیفہ رض کا قول یہ ہے کہ لکڑی کے چور کا ہاتھ کاٹنا واجب نہیں مگر ہاں اگر ساگ کی لکڑی ہو یا آبنوس یا صندل کی تو واجب ہے۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مفصل ہے۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ لکڑی ہر صورت میں مال ہے۔

اور دوسرے قول کی وجہ اس کا کثیر الوجود ہونا ہے اسلئے وہ ایسی ہوگی جس طرح مٹی مگر وہ لکڑی جو گراں قیمت ہو جسطرح آبنوس اور ساگ (تو وہ مستثنےٰ ہے)۔

چھبیسواں مسئلہ امام ابوحنیفہ رض اور امام مالک رض کا قول یہ ہے کہ اگر جلاد نے غلطی سے دہنے ہاتھ کی بجائے بایاں کاٹ دیا تو کافی ہو گا۔ حالانکہ امام شافعی رض اور امام احمد رض کا قول یہ ہے کہ جلاد پر دیت لازم ہوگی۔ اور امام شافعی رض کے دو قولوں میں سے اظہر قول اور امام احمد رض کی دو روایتوں میں سے ایک یہ ہے کہ دوبارہ صحیح ہاتھ کا کاٹنا واجب ہو گا۔ پس پہلے قول میں تخفیف اور دوسرے میں تشدید ہے اور دونوں قولوں کی وجہ ظاہر ہے۔ چنانچہ پہلا قول اس لئے کہ اُس سے زجر و توبیخ ہو گی اور دوسرا اس لئے کہ جسطرح ہاتھ کاٹنا غیر مشروع ہے اور ہر وہ عمل جسپر شارع ع کا حکم نہو وہ مقبول نہیں۔

ستائیسواں مسئلہ امام ابوحنیفہ رض کا قول یہ ہے کہ اگر کسی نے بقدر نصاب مال کی چوری کی پھر اُس کا خرید کر یا بذریعہ ہبہ مالک ہوگیا (یعنی مالک سے خرید لیا یا اُس نے ہبہ کر دیا) یا بذریعہ وراثت مالک ہو گیا یا کسی اور وجہ سے تو قطع ید ساقط ہو گئی۔ حالانکہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ ساقط نہ ہو گی خواہ حاکم کے ہاں مقدمہ جا چکا ہو یا نہ۔ پس پہلے قول میں تخفیف اور دوسرا مشدد ہے۔ پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ چور اُس چیز کا مستحق ہو گیا۔ اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ قطع ید چوری کے وقت خدا تعالیٰ کی حد دو سے تجاوز کر جانے کی وجہ سے لازم

ہوتی ہے۔ دلیل یہ ہے کہ اگر چور چوری کی شے کو واپس کر دے تو قطع ید ساقط نہیں ہوتی۔

اٹھائیسواں مسئلہ امام ابو حنیفہ رح کا قول یہ ہے کہ اگر کسی مسلمان نے مستامن (وہ کافر جو امن لیکر دار الاسلام میں رہتا ہو) کا بقدر نصاب مال چرا لیا (یعنی جتنے کے چرانے میں قطع ید لازم ہوتی ہے) تو اُسکا ہاتھ نہ کاٹا جائے حالانکہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ کاٹا جائے۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔ پہلے قول کی وجہ اس کا لحاظ کرنا ہے کہ در اصل یہ مال کافر حربی کا ہے۔ اور دوسرے قول کی وجہ اس کا لحاظ کرنا ہے کہ فی الحال وہ مال مستامن کی ملک میں ہے۔ لہٰذا ہم اُسپر ذمیوں کے احکام جاری کریں گے جب تک وہ ہمارے بلاد میں رہیگا

اُنتیسواں مسئلہ امام مالک رح اور امام احمد رح کا قول یہ ہے کہ اگر کسی مستامن یا معاہد نے چوری کی تو اُن کے ہاتھوں کا کاٹنا واجب ہوگا۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رح کا قول یہ ہے کہ واجب نہیں۔ اسی طرح امام شافعی رح کا ایک قول یہ ہے کہ دونوں کے کاٹے جائیں گے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ نہ کاٹے جائیں۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف اور تیسرا مشدد ہے۔ پھر حاکم کو ہر حال میں اختیار ہے اگر اہل اسلام کو قوی جانتا ہو اور اہل حرب کے قبضہ میں مسلمان قیدی نہ ہوں جنکی وجہ سے ہمیں خوف ہو تاکہ اگر ہم معاہد یا مستامن کا ہاتھ کاٹیں گے تو وہ ہم سے عوض لیں گے۔ تو اُن کے ہاتھ کاٹے ورنہ مصالح کی بنا پر نہ کاٹے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

باب رہزنوں کے بیان میں

مسائل اجماعیہ

اماموں کا اسپر اتفاق ہے کہ جس نے ہتھیار نکالکر شہر سے باہر راہ گیروں کو ڈرایا اور وہ ایسا مقام ہے کہ مظلوم کی اُس جگہ فریاد رسی نہیں ہو سکتی تو وہ شخص محارب اور رہزن ہے کہ اُسپر انہیں کے احکام جاری کئے جائیں گے۔ اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ جس نے قتل کر کے مال لے لیا تو اُسپر حد قایم کرنا واجب ہے۔ پس اگر مقتول کے وارثوں کے پاس سے مال لے لیا گیا ہے ولی خون معاف کر دے تو حد کے ساقط کرنے میں کچھ بھی موثر نہ ہوگا۔ اور اگر اُن میں سے کسی پر قابو پانے سے پہلے کوئی مر گیا تو اُس سے حد ساقط ہو جائے گی کیونکہ حد وحق تعالیٰ کے حقوق ہیں اور وہی اُس سے آدمیوں کے حقوق مثلاً جانیں اور اموال اور زخم وغیرہ کا مطالبہ فرمائے گا۔ اِلّا یہ کہ معاف فرما دے تو اُسے اختیار ہے۔
یہانتک مسائل اجماعیہ ختم ہوئے۔

مسائل اختلافیہ

پہلا مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ رہزنوں کی حد اُسی ترتیب کے موافق ہے جو آیت کریمہ میں مذکور ہے۔ حالانکہ امام مالک رح کا قول یہ ہے کہ اس ترتیب کے موافق نہیں ہے۔ بلکہ امام حاکم اسلام کی رائے پر موقوف ہے کہ خواہ قتل کر ڈالے یا سولی چڑھا دے یا ہاتھ کاٹ دے اور پاؤں اختلاف کے ساتھ کم

(اگر دہنا ہاتھ کاٹے تو پاؤں بایاں اور برعکس) پس پہلے قول میں تخفیف اور دوسرے میں اس اعتبار سے تشدید ہے کہ حاکم اسلام کو اس بارہ میں اختیار ہے اور دونوں قولوں کی وجہ ظاہر ہے۔

دوسرا مسئلہ امام ابوحنیفہ رح کا قول یہ ہے کہ اس ترتیب کی کیفیت جو آیہ کریمہ میں مذکور ہے یہ ہے کہ رہزنوں نے اگر مال لے کر قتل کر ڈالا ہو تو امام کو اختیار ہوگا کہ اگر چاہے تو اُن کے اختلاف سے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دے یا قتل کر دے پھر اُن کو سولی چڑہا دے اور اگر چاہے تو قتل کر دے اور سولی پر چڑہا دے اور امام موصوف کے نزدیک سولی دینے کا مشہور روایت کے مطابق یہ طریقہ ہے کہ زندہ سولی پر چڑہا کر اُس کے پیٹ کو نیزہ سے پھوڑ دیا جائے یہانتک کہ وہ مرجائے اور تین دن سے زیادہ سولی پر لٹکا ہوا نہ چھوڑا جائے اور اُنہوں نے صرف قتل کیا ہو اور مال نہ لیا ہو تو حاکم اُن کو بطور حد کے قتل کر دے اور مقتول کے اولیاء اگر خون معاف کریں تو حاکم اس طرف متوجہ بھی نہ ہو۔ اور اگر کسی مسلمان یا جزیہ گذار کا مال لوٹ لیا اور وہ مال اسقدر ہے کہ اگر ان رہزنوں پر تقسیم کیا جائے تو ہر فرد کو دس درہم یا بقدر ان کی قیمت کے حصہ رسد پہونچے تو حاکم کو چاہیے کہ اُن ہاتھ اور پاؤں خلاف سے کاٹ دے۔ اور اگر رہزنوں نے ابتک نہ کسی کو قتل کیا تھا اور نہ مال لوٹا تھا کہ اس سے پیشتر ہی وہ پکڑ لئے گئے تو حاکم کو چاہیے کہ اُنہیں قید کر دے۔ یہانتک کہ یا تو وہ تائب ہوں یا مرجائیں پس امام ابوحنیفہ رح کے نزدیک صلب (سولی دینے) اور نفی (شہر سے باہر کر دینے) کی یہی تفسیر ہے۔ اور امام مالک نے فرمایا ہے کہ حاکم اسلام رہزنوں کے ساتھ وہ کرے جو حسب رائے مناسب سمجھے تو جو اُن میں سے اہل الرائے اور قوتدار ہو اُسے قتل اور جو صرف قوتدار ہو تو اُسے شہر بدر کر دے۔ الخ حاکم کو درست ہے کہ رہزنوں کو قتل کر دے اور سولی دیدے اور ہاتھ پاؤں کاٹ دے اگرچہ اُنہوں نے [illegible] نہ لوٹا ہو۔ اگر ان افعال کو اُن کے لئے اور اُن کے ہم جنسوں کے لئے باعث زجر و توبیخ خیال کرے اور امام موصوف کے نزدیک نفی کی تفسیر یہ ہے کہ جس شہر میں رہزن ہوں اُن کو اُس سے نکالکر دوسرے شہر میں لیجا کر قید کر دیا جائے اور امام موصوف کے نزدیک صلب کی تفسیر وہی ہے جو امام ابوحنیفہ رح کے نزدیک ہے۔ اور امام احمد رح اور امام شافعی رح کا قول یہ ہے کہ اگر رہزنوں نے ہنوز نہ کسی جان کو مارا تھا اور نہ مال لوٹا تھا اور وہ پکڑے گئے تو وہ نفی کر دے جائیں اور امام شافعی رح کے نزدیک نفی کی تفسیر یہ ہے کہ بھاگ جائیں تو اُنہیں پکڑوا یا جائے اور جب آجائیں تو اُن پر حد قایم کی جائے۔ اور امام احمد رح کی دو روایتوں میں سے ایک یہ ہے کہ نفی کی تفسیر امام شافعی رح کے قول کی مثل ہے اور دوسری روایت یہ ہے کہ اُنہیں کسی شہر میں ٹھکانا لینے نہ دینا نفی کی تفسیر ہے اور اگر اُنہوں نے صرف مال لوٹا اور قتل نہ کیا تو حاکم خلاف کے ساتھ اُن کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دے اُس کے بعد چھوڑ دئے جائیں اور اگر قتل بھی کیا اور مال بھی لوٹا تو اُن کو جان سے مار ڈالنا اور پھر سولی چڑہانا ضرور ہے۔ اور اگر قتل کیا اور مال نہ لوٹا تو اُنہیں قتل کر ڈالنا واجب ہے اور امام شافعی رح اور امام احمد رح کے نزدیک قتل کے بعد سولی چڑہائے جائیں۔ اور بعض شوافع کا قول یہ ہے کہ زندہ سولی چڑہا کر بعد میں قتل کر دے جائیں اور سولی چڑہائے جانے کی مدت تینوں اماموں کے نزدیک تین دن ہیں۔ اور امام احمد رح نے فرمایا کہ جسپر صلب کا لفظ صادق آجائے۔ پس امام ابوحنیفہ رح کا قول اور تشدید کی طرف مائل ہے اور امام مالک رح کا قول تخفیف اور تشدید دونوں کا احتمال رکھتا ہے اس اعتبار سے کہ وہ امام کی رائے پر موقوف ہے اور دوسرے اعتبار سے نفی اور صلب کی تفسیر کے بارہ میں اس قول کے اندر تخفیف ہے۔ اور امام شافعی رح اور امام احمد رح کا کلام ایک اعتبار سے مشدد اور دوسرے

اعتبار سے مختلف ہے قتل کے واجب اور غیر واجب ہونے کی حیثیت سے۔ اور سولی کی مدت کے بارہ میں امام احمد رح کا قول بہت مخفف ہے۔ اور ہر امام کے مذہب مختار کی ایک ایک وجہ ہے۔

تیسرا مسئلہ تینوں اماموں نے رہزنوں کے قتل میں ایک ایک نصاب کا اعتبار کیا ہے۔ حالانکہ امام مالک کا قول یہ ہے کہ نصاب کا اعتبار نہیں پس پہلا قول رہزنوں کے قتل میں جس وقت لوٹا ہوا مال نصاب سے کم ہو مخفف ہے اور دوسرا مشدد

اور پہلے قول کی وجہ چوری کی وجہ سے ہاتھ کاٹنے پر قیاس کرنا ہے۔

اور دوسرے قول کی وجہ کہ رہزنوں کے قتل میں نصاب کی بقدر مال لوٹنا شرط نہیں یہ ہے کہ مال لوٹنے کے ساتھ مقاتلہ اور محاربہ بھی معصوم ہے۔ لہذا محاربہ اور مقاتلہ کی رو سے اُس پر سختی کی جائے گی نہ بقدر نصاب ہونے کے اعتبار سے۔

چوتھا مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ بہت سے رہزن جمع ہوئے اور اُن میں سے بعض نے قتل بھی کیا اور مال بھی لوٹا اور بعض اُن کے مددگار رہے تو مددگاروں کا حکم تمام اُمور میں مقاتلین کا سا ہے حالانکہ امام شافعی رح کا قول یہ ہے کہ مددگار و پنر سوائے قید یا شہر بدر کر دینے کی سزا کے اور کچھ واجب نہیں۔ پس پہلا قول مشدد دا اور دوسرے میں کچھ تخفیف ہے

اور پہلے قول کی وجہ محاربہ کے پائے جانے پر اکتفا کرنا ہے خواہ اُن میں سے بعض نے ارتکاب قتل نہ کیا ہو اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ محاربہ میں ارتکاب اور معاشرت قتل پر دار و مدار ہے نہ مددگار بننے پر۔

پانچواں مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ جس نے شہر کے اندر راستہ لوٹا تو اُس کا حکم بالکل اُن رہزنوں کا سا ہے جو شہر سے باہر راستہ لوٹیں۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رح کا قول یہ ہے کہ جب تک شہر سے باہر یہ معاملہ نہ ہو اُس وقت تک رہزنوں کا حکم نہ دیا جائے گا۔ پس پہلے قول میں راستہ لوٹنے والے پر تشدید اور دوسرے میں تخفیف ہے۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی شریع کی مخالفت اور اس کی حدود سے تجاوز ہر حال میں حرام ہونا چاہیے خواہ شہر کے اندر ہو یا باہر جس طرح باقی گناہ ہر جگہ حرام ہوتے ہیں مثلاً زنا شراب خوری وغیرہ۔

اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ مشہور و متبادر یہ ہے کہ رہزنی شہر سے باہر ہی ہوتی ہے کیونکہ کوئی ایسا شخص موجود نہیں ہوتا جو فریاد رسی کرے اور مظلوم کو رہزن سے چھڑائے برخلاف شہر کے اندر رہزنی کرنے کے کیونکہ اس جگہ بہت لوگ فریاد رسی کے لئے موجود ہوتے ہیں لہذا وہ غصب کے ساتھ زیادہ مشابہ ہوا پس اُس پر تعزیر اور لی ہوئی چیز کا اُس کے مستحق کو واپس دینا لازم ہوگا۔

چھٹا مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ اگر رہزنوں کے ساتھ کوئی عورت ہو اور اُس نے مردوں کے ساتھ مقاتلہ میں موافقت کی ہو اور مال بھی لوٹا ہو تو وہ بطور حد کے قتل کی جائے۔

حالانکہ امام ابوحنیفہ کا قول یہ ہے کہ وہ بطور قصاص کے قتل کی جائے اور اُس مال سے تلف کا ضمان لیا جائے پس پہلے قول میں اُس کا قتل بطور حد کے ہونے کی وجہ سے تشدید ہے اور دوسرے قول میں اُس کا قتل بطور قصاص کے ہونے کی وجہ سے تخفیف اور دونوں قولوں کی وجوہ ظاہر ہیں۔

ساتواں مسئلہ امام ابوحنیفہ رح اور امام مالک رح کا قول یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے زنا کیا اور سزا

پی اور چوری کی اور پھر بوجہ رہزنی کر لینے یا کسی اور وجہ سے اُس شخص کا قتل واجب ہوگیا تو وہ قتل کر دیا جائے اور اُس کا ہاتھ نہ کاٹا جائے اور نہ کوڑے لگائے جائیں کیونکہ یہ سب خدا تعالیٰ کے حقوق ہیں اور اُن کی بنا زجر پر تھی اسکے باوجود یہ قتل کا مرتکب ہوا پس اُن کو ڈھانپ دیا کیونکہ قتل انتہا درجہ ہے۔ حالانکہ امام شافعی رض کا قول یہ ہے کہ ہر ایک سزا الگ الگ دی جائے۔ پس پہلا قول مخفف اور امام شافعی رض کا قول مشدد ہے۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ امثال میں حدود مختلف نہیں ہوتیں کیونکہ اُن کا حاصل زجر و توبیخ ہے۔

دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ ہر جرم کے لئے وہ حد لازم ہے جو مشروع ہے جسطرح اگر متعدد اشخاص سے یہ اُمور صادر ہوتے تو ایک کی حد دوسرے کی حد کے قایم مقام ہرگز نہ ہو سکتی (اسی طرح صورت مذکورہ میں بھی)

اٹھواں مسئلہ

تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ اگر شراب نوشی کی اور محصن عورتوں کو تہمت لگائی تو شراب نوشی اور تہمت دونوں کی علیحدہ علیحدہ حد ماری جائے گی۔ حالانکہ امام مالک رض کا قول یہ ہے کہ ایک حد کو دوسری میں داخل کر دیا جائے۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرے میں کچھ تخفیف ہے۔

نواں مسئلہ

امام ابوحنیفہ رض اور امام مالک رض کا قول اور امام شافعی رض کے دو قولوں میں سے ایک قول یہ ہے کہ رہزنوں کے ماسوا اور گناہگاروں کا (مثلاً زناکار، چور، شراب خور) تائب ہو جانا اُن سے حد کو ساقط نہیں کرتا۔ حالانکہ امام احمد رض کی دو روایتوں میں سے اظہر، اور امام شافعی رض کی دوسری روایت یہ ہے کہ بلا شرط گذرنے کسی مدت کے توبہ کرنا اُن سے حد کو ساقط کر دیتا ہے اور امام احمد رض سے دوسری روایت یہ ہے کہ توبہ کے بعد ایک سال گذر جانا بھی ضروری ہے۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرے میں کچھ تخفیف ہے۔

پہلے قول کی وجہ ان لوگوں سے حد کے ساقط ہونے کا شریعت میں وارد نہ ہونا ہے لہذا اُسپر حد قایم کرنا زیادہ بہتر ہوا اس قرینہ سے کہ امام مسلم نے ایک روایت نقل کی ہے کہ ایک عورت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی جو زنا سے حاملہ ہوئی تھی اور عرض کرنے لگی کہ خدا کے سچے رسول میں خدا تعالیٰ کی حدود میں سے ایک حد کے اندر واقع ہوگئی لہذا مجھپر حد جاری فرمایئے تو آپ نے اُس کے ولیوں سے فرمایا کہ اُس کے ساتھ احسان کرو کہ جب یہ حمل وضع کر چکے تو اُس وقت میرے پاس لاؤ۔ پس اُنہوں نے ایسا ہی کیا۔ تب آپ نے حکم دیا کہ اسکو سنگسار کرو (جب وہ فوت ہوگئی) تو آپ نے اُسپر جنازہ کی نماز پڑھی اور یہ ارشاد فرمایا کہ اس نے ایسی بڑی توبہ کی ہے کہ اگر وہ باشندگان مدینہ کے ستر افراد پر تقسیم کیجائے تو سب کو کافی ہو جائے (انتہی) تو ظاہر حدیث اس کو مقتضی ہے کہ وہ عورت سنگسار کئے جانے سے پہلے ہی تائب ہو چکی تھی اُس کے بعد آپ نے حد قایم فرمائی۔ کیونکہ اگر وہ پہلے سے تائب نہ ہو چکی ہوتی تو اپنے اوپر حد ہرگز قایم نہ کراتی۔ پس اس کو خوب سمجھ لو۔

اور نیز اُن لوگوں پر حد کا مرتب ہونا محض اس وجہ سے ہے کہ اُنہوں نے اللہ تعالیٰ کی حدود سے تجاوز کیا لہذا توبہ کی وجہ سے حد اُن سے ساقط نہ ہوگی۔

اور دوسرے قول کی وجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہو جاتا ہے کہ گویا اُسنے گناہ کیا ہی نہیں اور یہ ارشاد ہے کہ توبہ کئے ہوئے گناہوں کو کاٹ دیتی ہے یعنی دنیا میں اُس کا مواخذہ نہیں ہوتا یعنی آخرت میں خدا تعالیٰ کی مشیت کے نیچے ہے۔

اور میں نے شیخ الاسلام زکریا رحمۃ اللہ علیہ کو فرماتے سنا ہے کہ کہیں اسکا ثبوت نہیں پہونچا کہ رہزنوں کے ماسوا کسی اور شخص سے اُس کے گناہ کا دنیا اور آخرت دونوں میں مواخذہ کیا جائے گا کیونکہ رہزن کے حق میں حق تعالیٰ ارشاد

فرماتا ہے کہ (لھم فی الدنیا خزی ولھم فی الاخرۃ عذاب عظیم) ترجمہ "اُن کے لئے دنیا میں رسوائی اور آخرت میں اُنکے لئے بڑا عذاب ہے" (انتہی) پس معلوم ہوا کہ جو شخص کسی گناہ سے تائب ہو جائے، تو اُس کی حد اُس سے ساقط ہو جاتی ہے (یہ بات تقریر سابق سے ثابت ہوئی) اور ہو سکتا ہے کہ پہلے قول کو اُن سرکشوں پر محمول کیا جائے جن سے زنا اور چوری اور شرابخوری کا وقوع بہت ہوتا ہے کیونکہ حد قایم کرنا اُن کے لئے زجر و توبیخ کا باعث ہوگا۔ جس طرح دوسرے قول کو اُن لوگوں پر عمل کرنا صحیح ہے جن سے بہ تقدیر الٰہی عمر بھر میں صرف ایک دفعہ کسی گناہ کا صدور ہو گیا پھر وہ سخت نادم ہوئے یہانتک کہ زمین باوجود اپنی فراخی کے اُن پر تنگ ہو گئی اور اُنکے دل میں سخت شرمندگی لاحق ہوئی حتی کہ دو شخصوں کے درمیان بیٹھنے سے بھی حیا کرنے لگے۔ برعکس پہلے لوگوں کے۔

دسواں مسئلہ امام مالک رحمہ اور امام شافعی رحمہ کا قول یہ ہے کہ جس نے رہزنی سے توبہ کر لی اور ہنوز اُس کا صالح ہونا ثابت نہیں ہوا تو تا وقتیکہ اسکے عمل کا نیک ہونا ظاہر نہ ہو اُس کی گواہی قبول نہ کیجائے گی۔ حالانکہ امام احمد رحمہ کا قول یہ ہے کہ اگرچہ عمل کی صلاحیت ظاہر نہ ہوئی ہو اُس کی گواہی قبول کی جائے گی۔ پس پہلے قول میں کچھ تشدید اور دوسرا مخفف ہے۔

اور پہلے قول کی وجہ لوگوں کے اموال و اسباب میں احتیاط سے کام لینا ہے کیونکہ جس شخص کا توبہ کے بعد صالح العمل ہونا ظاہر نہ ہوا ہو تو گویا اُس نے توبہ ہی نہ کی پس اسکو شہادت میں متہم ہونے سے صالح العمل اور کامل مومنوں کے طریقہ پر چلنے والا ہو جانا ہی خارج کر سکتا ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ فمن تاب من بعد ظلمہ واصلح اور فرماتا ہے الا الذین تابوا من بعد ذالک واصلحوا اور ان کی مثل اور آیات ہیں۔

اور دوسرے قول کی وجہ ظاہر احادیث پر عمل کرنا ہے جیسا کہ اس سے پہلے مسئلہ میں حدیث گذر چکی۔ اور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "اور برائی کے پیچھے نیکی کر لیا کر کیونکہ نیکی برائی کو مٹا دیتی ہے" (انتہی) پس برائی کے مٹنے کے لئے نیکی کرنے کو شرط ٹھیرایا۔

گیارھواں مسئلہ امام ابو حنیفہ رحمہ اور امام احمد رحمہ کا قول یہ ہے کہ جب مقاتلہ میں ایسا شخص موجود ہو جو رہزن کا ہمسر نہ ہو مثلاً کافر یا کسی کا غلام اور رہزن اسکو قتل کر ڈالے تو وہ مقتول کے بدلہ میں قتل نہ کیا جاوے۔ حالانکہ امام مالک رحمہ کا قول یہ ہے کہ قتل کیا جاوے۔ اسی طرح امام شافعی رحمہ کے اس مسئلہ میں دو قول پہلے دو مذہبوں کی مثل ہیں۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

باب مسکرات پینے کی حد میں

مسائل اجماعیہ

اماموں کا اسپر اتفاق ہے کہ شراب حرام اور نجس ہے اور شراب کا پینا خواہ تھوڑی پئے یا بہت حد کو واجب کرتا ہے اور جو اُس کے پینے کو حلال جانے اُس کے کافر ہونے کا حکم کیا جائے گا اور باب نجاست میں گذر چکا ہے کہ امام داؤد شراب کو پاک کہتے ہیں۔ مگر اُس کا پینا حرام فرماتے ہیں۔ اور اسپر اتفاق ہے کہ انگور کا نچوڑ

جب سخت (تیز) ہو جاوے اور اسکے مسکہ کو پھینکدیا جائے تو وہ شراب ہوتی ہے اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ وہ پینے کی چیز جو نشہ لاتی ہو وہ کثیر بھی حرام ہے اور قلیل بھی اور اُس کا نام خمر (شراب) ہوتا ہے اور اُس کے پینے میں حد لازم ہوتی ہے خواہ وہ انگور کی ہو یا کشمش یا گیہوں یا جو یا جوار یا چاول یا شہد یا دودھ وغیرہ کی کچی ہو یا پکائی ہوئی اس میں امام ابو حنیفہ رح کا خلاف ہے وہ فرماتے ہیں کہ چھوارے اور کشمش کا نقیع (وہ شربت جو رات کو بھگویا جائے صبح کے پینے کے لئے یا برعکس) جب تیز ہو جائے تو اُس کی تھوڑی مقدار بھی حرام ہے اور بہت بھی اور اُس کا نام نبیذ ہے نہ خمر پس اگر وہ نشہ لاتا ہو تو اُس کے پینے والے پر حد لازم ہے اور وہ نجس بھی ہے۔ اور اگر اُن کو پکا لیا ہو تو اُن دونوں میں سے اُسقدر کا پینا درست ہے جو پینے والے کے غالب گمان میں نشہ آور نہ ہو۔ پس اگر جوش آجاوے تو اُن دونوں کا پینا حرام ہے اور اُن کے پکانے میں یہ شرط نہیں کہ اُن کے دو ثلث خشک ہو جاویں اور گیہوں اور چاول اور جَو اور جوار اور شہد کا شیرا امام صاحب مذکور کے نزدیک حرام ہے خواہ بھگویا ہوا ہو یا پکا یا ہوا مگر ان میں سے نشہ آور حرام ہے۔ اور اُس کے پینے والے پر حد بھی لازم ہے۔ اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ انگور کا نچوڑ اگر اسقدر پکایا گیا ہو کہ اُس کا ایک ثلث سے کم خشک ہو گیا ہو تو وہ حرام ہے اور اگر اُس کے دو ثلث خشک ہو گئے ہوں تو جب تک نشہ آور نہ ہو حرام نہیں اور جب نشہ لانے لگے تو اُسکا تھوڑا اور بہت سب حرام ہے۔ اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ (مُسکرات) پینے کی حد کوڑوں سے قایم کی جائے سوائے امام شافعی رح کی روایت کے کہ اُن کے نزدیک ہاتھوں اور جوتوں اور کپڑوں سے۔ اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ جس شخص کو لقمہ سے اچھو لگ جائے اور اُس کو اندر کرنے کے لئے سوائے شراب کے اور کچھ نہ پاوے تو اُسے جائز ہے کہ لقمہ کو شراب پی کر اندر پہونچا دے۔ یہانتک مسائل اجماعیہ ختم ہوئے۔

مسائل اختلافیہ

پہلا مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ جب نچوڑ پر تین دن گذر جائیں تو وہ شراب بنجاتا ہے اور اُسکا پینا حرام ہوتا ہے اگرچہ تیزی نہ آئی ہو اور نہ نشہ آور ہوا ور اُس کا مسکہ نہ پھینکا گیا ہو بوجہ اُس حدیث کے جو اس بارہ میں وارد ہے پس پہلے قول میں تخفیف اور دوسرا شدید ہے۔ پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ حکم کا تر غالبًا علت پر ہوا کرتا ہے۔ بس اگر کسی شے میں نشہ لانے کی علت نہ پائی جائے تو وہ اپنی اصل کی بنا پر مباح ہے۔ دوسرے قول کی وجہ احتیاط پر عمل کرنا ہے کیونکہ وہ تین دن کے بعد غالبًا نشہ آور ہو جاتا ہے تو امام احمد رح نے احتیاط پر عمل کیا ہے اگر اُن کے پاس اُس کے پینے کی حرمت پر (باوجود نشہ آور نہ ہونے کے) کوئی دلیل شارع علیہ السلام سے نہ موجود ہو کیونکہ شارع علیہ السلام نے جسطرح چاہے احکام مقرر فرمائے یا امام احمد رح کا قول سائل کو حرام کرنے کی جنس سے ہو اس خوف سے کہ کہیں مقاصد کی تحریم میں نہ واقع ہو جا جیسا کہ ہم نے اپنے اس قول کہ "دوسرے قول کی وجہ احتیاط کو لینا ہے،، اسطرف اشارہ کر چکے ہیں اور جو کچھ ہم نے بیان کیا اُس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے کہ جس شے کا کثیر نشہ آور ہو اُس میں سے قلیل بھی حرام ہے کیونکہ قلیل کو حرام کہنا نشہ لانے کی علت پر مبنی نہیں ہے اور احتمال ہے کہ شائد اس امام کو جو غیر نشہ آور نبیذ (شیرہ) کے مباح ہونے کا قائل ہے اُسے یہ حدیث نہ ملی ہو تو اُس نے گمان کیا کہ وہ شے حرام ہے جو نشہ لاتی ہو کیونکہ اُس کی علت نشہ لانا ہی ہے اور وہ غیر نشہ آور نبیذ میں پائی نہ گئی۔

دوسرا مسئلہ

امام ابوحنیفہ رض کا قول یہ ہے مسکر (نشہ) کی تعریف یہ ہے کہ آدمی زمین کو آسمان سے امتیاز نہ کر سکے اور نہ چوڑائی کو لمبائی سے اور عورت کو مرد سے۔ حالانکہ امام مالک رض کا قول یہ ہے کہ جس کے نزدیک اچھی بُری بات دونوں یکساں ہوں۔ اسی طرح امام شافعی اور امام احمد رض کا قول یہ ہے کہ وہ آدمی اپنی عادت کے خلاف باتوں میں خلط ملط کرنے لگے پس پہلا قول سکر کی تعریف میں مشدد اور اگر اس درجہ تک حالت نہ پہونچی ہو تو وہ حد کے واجب نہ ہونے میں مخفف ہے اور دوسرا قول حد کے اندر مشدد ہے اور تیسرا اُس سے بھی زیادہ ہے۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ جو شخص زمین کو آسمان سے امتیاز نہ دے سکے وہ سخت نشہ والا ہے بہ نسبت اُس شخص کے جو صرف اچھے اور برے کلام میں تمیز نہ کر سکے جسطرح وہ شخص جو صرف اپنے کلام میں خلاف معمول خلط ملط کرے وہ نشہ میں اُس سے بہت کم ہے جسکا پہلے بیان ہوا۔ پس وہ امام جس نے اس میں پرہیزگاری کی کہ جب تک نشہ والا انتہائی درجہ تک نشہ کے نہ پہونچ جائے اُس وقت تک حد قایم نہ کی جائے تو محارم الٰہی پر غیرت کھانے کے لحاظ سے اُسکی پرہیزگاری کم درجہ ہے اور جس نے اس میں پرہیزگاری کی کہ جب نشہ والے سے ادنیٰ درجہ کی صفت نشہ کی بھی پائی جائے تو اُسپر حد ماری جائے تو مسلمان شرابی نشہ باز کے احترام کے لحاظ سے اُسکی پرہیزگاری کم درجہ ہے پس خوب سمجھ لو۔ اور اس کی توضیح یہ ہے کہ جو شخص آسمان کو زمین سے امتیاز نہ دے سکیگا اسکی تمیز بالکل باطل ہو جائے گی۔ اور جو عورت کو مرد سے نہ امتیاز دے سکیگا وہ اشخاص کو تو سمجھے گا لیکن اُن کے صفات سے ناواقف رہیگا اور جس کے کلام میں خلط ملط ہو گا وہ آسمان و زمین کو تو سمجھے گا۔ اسی طرح عورت کو مرد سے تمیز بھی کرے گا لیکن اُس کی لئے غائبانہ لمحات ہیں جو اُسے نئی روش پر چلائیں گے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ شروع کلمات میں اُسے شعور رہا ہو اور اُن کو تمام کرنے سے پہلے زائل ہو گیا پس بعض امام ظاہر شریعت کے طرفدار ہیں اور بعض مسلمان شرابی کے احترام کا لحاظ کرنی والے ہیں۔ لہٰذا ہر قول کے لئے ایک وجہ ضرور ہے۔

تیسرا مسئلہ

امام ابوحنیفہ رض اور امام مالک رض کا قول یہ ہے کہ شرابخور کی حد اسّی کوڑے ہیں۔ حالانکہ امام شافعی رض کا قول اور امام احمد رض کی دو روایتوں میں سے ایک یہ ہے کہ آزاد مرد کے لئے چالیس ہیں اور غلام کے لئے اُس کے آدھے ہیں۔ اِس میں سب کا اتفاق ہے جیساکہ شروع باب میں گذر چکا۔ پس پہلے قول کی بنا پر غلام کی حد چالیس کوڑے ہوئے اور دوسرے قول کی بنا پر بیس۔ لہٰذا پہلا قول مشدد ہوا اور دوسرے میں کچھ تخفیف۔

اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ غالباً آزاد مرد کامل العقل ہوتا ہے برعکس غلام کے یہی وجہ ہے جو آزاد مرد کا صغیرہ گناہ بھی بڑا ہے نہ غلام کا۔ اِس قاعدہ پر بنا کرکے کہ جسکا رتبہ بلند ہوتا ہے اُس کا چھوٹا گناہ بھی بڑا ہوتا ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ اسّی کوڑے اُس شرابی کے لئے ہوں جو لوگوں کو تکلیف پہونچا دے اور چالیس اُس کے لئے جو (بحالت نشہ) لوگوں کو تکلیف نہ دیتا ہو۔

چوتھا مسئلہ

تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ اگر کسی نے شراب پینے کا اقرار کیا حالانکہ اُس کے منہ سے بدبو نہیں پائی جاتی تو اُسپر حد ماری جائے۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رض کا قول یہ ہے کہ حد نہ ماری جائے پس پہلے قول میں تشدید اور دوسرے میں تخفیف ہے۔

پہلے قول کی وجہ اقرار کی وجہ سے مواخذہ کرنا ہے اور ترتب حکم شراب پینے پر ہے نہ بدبو پر برعکس دوسرے قول کے

پانچواں مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ اگر کسی کے منہ سے شراب کی بو آتی ہو اور وہ اقرار نہ کرتا ہو تو اسپر حد نہ لگائی جائے۔ حالانکہ امام مالک رحمۃ کا قول یہ ہے کہ حد لگائی جائے۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا حد قایم کرنے میں متشدد ہے۔

چھٹا مسئلہ امام مالک رحمۃ اور امام احمد رحمۃ کا قول اور امام شافعی رحمۃ کے اقوال کثیرہ میں سے صحیح تر قول یہ ہے کہ ضرورت کی وجہسے شراب پینا جائز نہیں مثلاً پیاس یا دوا کے طور پر استعمال کرنا۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رحمۃ کا قول یہ ہے کہ پیاس کی وجہ سے جائز ہے دوا کے لئے نہیں۔ اسی طرح امام شافعی رحمۃ کا دوسرا قول یہ ہے کہ دوا کے لئے تھوڑی سی جائز ہے۔ اسی طرح امام موصوف کا تیسرا قول یہ ہے کہ پیاس کے لئے صرف اسقدر پینی جائز ہے جس سے پیاس رفع ہو جائے۔ پس پہلا قول اُس کے بوقت ضرورت پینے کے عدم جواز میں متشدد اور دوسرا مفصل ہے۔ اسی طرح تیسرا۔ اور چوتھے میں کچھ تشدید ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ پہلے قول کو بڑے درجہ کے صابر اور اہل یقین لوگوں پر محمول کیا جائے۔ اس لئے کہ وہ حضرات اسقدر صبر کریں گے کہ اضطرار کی حالت ہو جائے پھر جب موت کا خوف ہو جائے اُس وقت پئیں گے جیسا کہ اُسکو شروع شروع ضرورت کے وقت پر حمل کر سکتے ہیں (یعنی ابھی ضرورت شروع ہوئی ہو اور اُس کا ابتدائی درجہ ہو) اور امام ابو حنیفہ رحمۃ کے قول کی وجہ یہ ہے کہ پیاس کی ضرورت سے پینے میں روح کو باقی رکھنا ہے (جو لازم ہے) اور رہا دوا کرنا سو حدیث شریف میں ہے کہ "خدا تعالیٰ نے میری اُمت کے لئے ایسی چیزوں میں شفا نہیں رکھی جنکو اُس نے حرام فرمایا ہے" اور باقی اقوال کی وجوہ ظاہر ہیں واللہ تعالیٰ اعلم

باب تعزیر کے بیان میں

مسائلِ اجماعیہ

ائمہ کا اسپر اتفاق ہے کہ ہر ایسے گناہ میں جسکے لئے کوئی حد مقررہ اور کفارہ نہو تعزیر مشروع ہے

مسائلِ اختلافیہ

پہلا مسئلہ اس میں اختلاف ہے کہ ہر گناہ میں اُس کے موافق تعزیر کرنا خدا تعالیٰ کا واجب حق ہے یا غیر واجب تو امام شافعی رحمۃ نے اُس کے عدم وجوب کا قول کیا ہے۔ اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اور امام مالک رحمۃ نے فرمایا کہ گمان غالب اگر یہ ہو کہ بدون تعزیر اُس شخص کی اصلاح نہ ہو گی تو واجب ہے اور اگر گمان غالب اُس کے بغیر اصلاح ہو جانے کا ہو تو واجب نہیں۔ اور امام احمد رحمۃ نے فرمایا کہ اگر وہ اپنے فعل کی وجہ سے مستحق تعزیر ہو تو واجب ہے۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مفصل ہے۔ اسی طرح تیسرا۔

اور پہلے قول کی وجہ خدا تعالیٰ کے دربار کو اس سے برتر سمجھنا ہے کہ اُس میں بندہ اپنے پروردگار کی نافرمانی کرے حالانکہ وہ پروردگار عالم اُس کو دیکھ رہا ہو تو اُسوقت دردناک مار اُسپر واقع کرنا واجب ہے تاکہ آیندہ کے لئے

قبیح فعل پر متنبہ ہو جائے اور جب فعل قبیح کی طرف متوجہ ہوا کرے تو اُس مار کو یاد کر لیا کرے جو گذشتہ زمانہ میں اُسپر پڑ چکی ہے اور پھر خدا تعالیٰ سے پناہ طلب کرے اُس گناہ سے باز رہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ دوسرے گناہ کا ترک حق تعالیٰ سے دعا کرنے پر معلق ہوتا ہے کہ وہ دعا کی وجہ سے اُس سے پھیر دیتا ہے۔ ورنہ تقدیر مبرم (جو قطعی ہوتا ہے) کا ترک تو ہو ہی نہیں سکتا۔

اور دوسرے قول یعنی عدم وجوب کی وجہ اُن کمینے لوگوں کے ساتھ خاص ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے دربار کی قدر و منزلت سے ناواقف ہیں اور مارنا اُنپر پورا اثر نہیں ڈال سکتا پس اُنکو آیندہ کے اُن گناہوں سے زجر و توبیخ نہیں ہو سکتی جنکا ترک اُس بندہ کے رنج و الم پر موقوف اور معلق ہو چکا ہو۔

دوسرا مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ حاکم اسلام نے اگر کسی کو تعزیر کی اور وہ مرگیا تو اُسپر ضمان لازم نہیں۔ حالانکہ امام شافعی رح کا قول یہ ہے کہ اُسپر ضمان لازم ہے۔ پس پہلا قول حاکم پر مخفف اور دوسرا اُسپر مشدد ہے۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ حاکم اسلام کا منصب اس سے برتر ہے کہ وہ بلا مصلحت (و بدون خیر خواہی) کسی کو تعزیر کرے۔ برخلاف غیر حاکم کے۔ کیونکہ رعایا کا آپس میں کبھی کینہ ہوتا ہے عداوت سابقہ کی وجہ سے۔ اس لئے ایک دوسرے کو تعزیر کر دیتا ہے۔ اور ہم نے نہیں سنا کہ کسی بادشاہ نے تعزیر سے کسی کو قتل کر ڈالا ہو اور وہ اُسکو بدلہ میں قتل کیا گیا ہو بلکہ اُسپر تاوان اور دیت بھی لازم نہیں۔

دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ شرع شریف میں کسی دوسرے پر احکام میں ترجیح نہیں۔ پس از روئے احکام شریعت حاکم اسلام بھی رعایا کی مانند ہے۔

تیسرا مسئلہ امام مالک رح اور امام احمد رح کا قول یہ ہے کہ باپ جب اپنے لڑکے کو ادب کے واسطے مارے یا معلم متعلم کو ادب کے لئے مارے اور وہ فوت ہو جائے تو اُسپر تاوان لازم نہیں حالانکہ امام ابو حنیفہ رح اور امام شافعی رح کا قول یہ ہے کہ تاوان واجب ہے۔ پس پہلے قول میں تخفیف اور دوسرا مشدد ہے۔ اور دونوں قولوں کی وجہ۔ پہلے مسئلہ کی توجیہہ سے سمجھ میں آسکتی ہے کیونکہ باپ بمنزلہ حاکم اسلام کے ہے اس بارہ میں کہ جب وہ مارے گا محض اصلاح کی نیت سے مارے گا۔ اسی طرح معلم بھی اکثر ایسے ہی ہوتے ہیں اور اسی وجہ سے امام ابو حنیفہ رح اور امام شافعی رح نے اُن سے ضمان لینے کو واجب قرار دیا ہے کہ تاکہ لوگوں کی اولاد میں احتیاط ملحوظ رکھی جائے اور باپ اپنے بیٹے کو مارنے میں حفاظت سے کام لے کیونکہ کبھی باپ کا بیٹے سے دل اُتر جاتا ہے تو اسطرح مارتا ہے جسطرح اجنبی آدمی اس میں اصلاح ملحوظ نہیں ہوتی پس اس کو خوب سمجھ لو۔

چوتھا مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ یہ جائز نہیں کہ تعزیر کی سزا حد دے بڑھا دیجائے حالانکہ امام مالک رح کا قول یہ ہے کہ یہ حاکم کی رائے پر موقوف ہے۔ پس اگر زیادتی کو مناسب جانے تو ایسا کرے۔ معلوم ہوا کہ پہلا قول مخفف اور دوسرے میں تشدید ہے۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ حاکم اسلام اور اُسکا نائب شریعت مطہرہ کے موافق فیصلہ کر سکتے ہیں۔ اور اُنکو ہرگز یہ جائز نہیں کہ شریعت کے مقررہ اندازہ سے ذرہ برابر بھی زیادتی کر سکیں۔

دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ شارع علیہ السلام نے اپنے بعد اپنی اُمت پر حاکم اسلام کو امین قرار دیا ہے اور اُمت کو حکم فرمایا ہے کہ وہ حاکم کے ہر اُس امر میں اطاعت کریں جس میں حق تعالیٰ کی نافرمانی نہ ہو بلکہ محض تمرد

فساق ایسے ہوتے ہیں کہ اُن کو مقررہ حد مارنا باعث زجر نہیں ہوتا لہذا حاکم کو درست ہوگا کہ اپنے اجتہاد سے اسقدر زیادتی حد مقررہ سے کر دے جسمیں فاسق کی خیر خواہی ہو (یعنی وہ اُسقدر تعزیر سے نصیحت پکڑ جائے)۔

پانچواں مسئلہ امام ابو حنیفہ رض اور امام شافعی رض کا قول یہ ہے کہ اسباب کے اختلاف سے تعزیر مختلف نہیں ہوتی۔ مثلاً تعزیر میں اتنی زیادتی نہ کیجائے کہ وہ حدود کے ادنیٰ درجوں کو پہونچ جائے۔ اور امام ابو حنیفہ رض کے نزدیک حدود کا ادنیٰ درجہ شراب نوشی میں چالیس کوڑے ہیں۔ اور امام شافعی رض اور امام احمد کے نزدیک بیس ہیں تو امام ابو حنیفہ رض کے تعزیر کا اعلیٰ مرتبہ اُنتالیس تازیانے ہوئے اور امام شافعی رض کے نزدیک اُنیس اور امام مالک کا قول ہے کہ تعزیر میں جتنے عدد حاکم کی رائے میں آویں تازیانے مارے اور امام احمد رض نے فرمایا ہے کہ اسباب کے اختلاف سے تعزیر کی تعداد مختلف ہوجاتی ہے۔ پس اگر کسی نے شبہ سے کسی عورت کی پیشاب گاہ میں اپنا پیشاب گاہ داخل کر دیا۔ مثلاً ایک لونڈی میں دو شریک تھے تو اُن میں سے ایک نے اُس کے ساتھ یہ کارروائی کی۔ یا عورت کی پیشابگاہ کے علاوہ کسی اور چیز میں داخل کیا تو امام موصوف کے ساتھ اس کی تعزیر میں حد کے ادنیٰ درجہ سے زیادتی کی جاسکتی ہے۔ لیکن حدود کے اعلیٰ درجہ تک زیادتی نہیں کیجاسکتی۔ پس ایکسو تازیانوں سے ایک کم مارے جاسکتے ہیں اور اگر کسی نے اجنبیہ عورت کا بوسہ لے لیا یا کسی کو گالی دیدی یا مقدار نصاب سے کم مال کی چوری کرلی تو اس میں تعزیر کو حدود کے ادنیٰ درجہ تک نہیں پہونچایا جاسکتا۔ پس پہلے قول میں اس اعتبار سے کہ تعزیر میں اُس عدد پر زیادتی نہیں کی جاسکتی جو شرع مطہر میں مقرر ہے تخفیف ہے: اور امام مالک رض کے قول میں جسوقت حاکم کی رائے عدد مقرر پر زیادہ کرنے کی طرف جائے کچھ تشدید ہے۔ اور امام احمد رض کا قول مفصل ہے کہ اُس میں ایک اعتبار سے تخفیف اور ایک اعتبار سے تشدید ہے۔

چھٹا مسئلہ امام ابو حنیفہ رض اور امام شافعی رض کا قول یہ ہے کہ تعزیر کے لئے کھڑا کر کے مار لگائی جائے حالانکہ امام مالک رض کا قول یہ ہے کہ بٹھلا کر مارا جائے۔ اسی طرح امام احمد رض کی دو روایتوں میں سے ایک وہ ہے جو مذہب امام مالک رض کے موافق ہے اور دوسری امام ابو حنیفہ رض اور امام شافعی رض کے مذہب کی مثل۔ پس پہلے قول میں تشدید اور دوسرے میں تخفیف ہے۔ پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ اُس کو کھڑا کر کے مارنا زجر و توبیخ زیادہ پیدا کرے گا اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ مارنے سے مقصود تکلیف پہونچانا ہے اور وہ بٹھلا کر مارنے میں بھی حاصل ہے۔

ساتواں مسئلہ امام ابو حنیفہ رض اور امام شافعی رض کا قول یہ ہے کہ صرف تہمت کی حد میں کپڑے نہ اُتارے جائیں اور اس کے ماسوا تمام حدود میں کپڑے اُتارے جائیں حالانکہ امام مالک رض کا قول یہ ہے کہ تمام حدود میں کپڑے اُتارے جائیں۔ اسی طرح امام احمد رض کا قول یہ ہے کہ کسی حد میں کپڑے نہ اُتارے جائیں۔ بلکہ اُن کپڑوں سمیت ہی مارا جائے جو مار کی تکلیف اور درد رسانی میں مانع نہ ہوں مثلاً ایک کرتہ یا دو۔ پس پہلے قول میں ایک اعتبار سے تخفیف اور دوسرے اعتبار سے تشدید ہے۔ اور دوسرا قول کپڑے نکالنے میں مشدد اور تیسرا مخفف ہے۔ اور تمام اقوال کی وجوہ ظاہر ہیں۔

آٹھواں مسئلہ امام ابو حنیفہ رح اور امام احمد رض کا قول یہ ہے کہ تمام بدن پر سوائے چہرہ اور پیشابگاہ کے متفرق طور پر مار لگائی جائے۔ حالانکہ امام شافعی رض کا قول یہ ہے کہ چہرہ اور پیشابگاہ اور کوکھ اور تمام اُن مقامات پر نہ مارا جائے جو نازک ہیں (اور وہاں مارنے میں خوف جان ہے) اسیطرح امام مالک کا قول یہ ہے کہ

پشت اور اُس کے قریب قریب مار ماری جائے۔ پس پہلے اور دوسرے قول میں تخفیف اور تیسرے میں مقامات استثناء کے سوا تمام بدن پر متفرق مارنے کے حکم کی وجہ سے تشدید ہے۔

نواں مسئلہ امام ابو حنیفہ رحمہ کا قول یہ ہے کہ حدود کے اندر مارنے میں درجات ہیں۔ پس سب سے زیادہ سخت (زور کی) مار تعزیر کے اندر ہونی چاہئے۔ پھر شراب خوری میں پھر تہمت میں۔ حالانکہ امام مالک رحمہ کا قول یہ ہے کہ ان حدود میں مار ایک درجہ کی ہونی چاہئے۔ اسی طرح امام شافعی رحمہ کا قول یہ ہے کہ حد زنا کی مار حد تہمت کی مار سے سخت ہونی چاہئے اور حد تہمت کی مار حد شراب خوری سے زور کی ہونی چاہئے۔ پس پہلے قول میں اس اعتبار سے تخفیف ہے کہ اُس سے بعض حدود میں مار کا خفیف ہونا ثابت ہوتا ہے اور اس اعتبار سے کہ بعض حدود میں مار کا سخت ہونا ثابت ہوتا ہے تشدید ہے۔ اسی طرح امام مالک رحمہ کا قول بھی ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ برعکس ہو اس اعتبار سے کہ تمام حدود کی مار یکساں کرنے میں بعض ادنیٰ درجہ کی حدود کو اعلیٰ درجہ کی حدود کے ساتھ لاحق کرنا ہے۔ اسی طرح تیسرا قول

باب حملہ کرنے اور چوپایوں وغیرہ جانوروں کے ضمان میں

(اس باب میں میں نے کوئی اجماعیہ مسئلہ نہیں پایا۔)

مسائل اختلافیہ

پہلا مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی یا جانور جان یا عضو یا مال و اسباب پر حملہ کرے تو اُسے دفع کرنا جائز ہے۔ پس اگر وہ بلا قتل دفع نہ ہو (اس لئے وہ اُسے قتل کر ڈالے) تو اُس پر ضمان لازم نہیں۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رحمہ کا قول یہ ہے کہ اس پر ضمان لازم ہے۔ پس پہلے قول میں ضمان لازم نہ ہونے کی وجہ سے تخفیف اور دوسرے میں تشدید ہے اور دونوں قولوں میں سے ہر ایک کی صحیح وجہ ہے جو ذہین پر پوشیدہ نہیں

دوسرا مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ اگر کسی نے انسان کے ہاتھ کو منہ سے کاٹا پس جب اُس نے اپنے ہاتھ کو اُس کے منہ سے نکالا تو نکالنے سے اُس کے دانت گر گئے۔ پس ہاتھ نکالنے والے پر ضمان لازم نہیں۔ حالانکہ امام مالک رحمہ کا مشہور قول یہ ہے کہ اُس پر ضمان لازم ہے۔ پس پہلا قول ہاتھ نکالنے والے پر مخفف اور دوسرا اس پر مشدد ہے اور دونوں قولوں میں سے ہر ایک کی ایک ایک وجہ ہے۔

تیسرا مسئلہ امام ابو حنیفہ رحمہ کا قول یہ ہے کہ اگر کسی آدمی نے کسی کے گھر میں جھانکا پس گھر والے نے جھانکنے والے کی آنکھ پھوڑ دی تو اُس پر ضمان لازم ہوگا۔ حالانکہ امام شافعی رحمہ اور امام احمد رحمہ کا قول یہ ہے کہ ضمان لازم نہیں، اور امام مالک رحمہ کی دو روایتوں میں سے ایک مذہب کے موافق اور دوسری دوسرے مذہب کے موافق ہے۔ پس پہلا قول مشدد کی شکل ہے اور دوسرا مخفف اور تیسرا دونوں کو محتمل ہے۔ اور پہلے کو ان لوگوں کے جھانکنے پر محمول کرنا صحیح ہے جو دیندار تقوے والے ہیں۔ اور جن کے جھانکنے سے کوئی بڑا فتنہ پیدا نہیں ہوتا کیونکہ ایسے لوگ خدا تعالیٰ کی حرام کردہ شے کی طرف کم دیکھتے ہیں۔ اور دوسرے قول کو اُن لوگوں پر محمول کرنا صحیح ہے جو پہلوں کی ضد ہیں۔ پس ایسے لوگوں کی آنکھ پھوڑ دینے میں ضمان نہیں تاکہ اُسے اس قسم کی حرکت کرنے سے زجر و توبیخ حاصل ہو

چوتھا مسئلہ امام مالک رضہ اور امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر حاکم اسلام نے کسی کو بطور حد کے مارا اور وہ جان سے مرگیا یا اُس کے ہلاک ہونے کا سبب بنگیا تو حاکم پر ضمان لازم نہیں. حالانکہ امام شافعی رضہ نے تفصیلی قول میں سے ایک قول یہ ہے کہ اگر شراب خوری کی حد مارنے میں مرا ہے اور حال یہ ہے کہ اُس کو جوتوں اور کپڑوں کے کناروں سے مارا تھا تو حاکم ضامن نہ ہوگا اور اگر اُسے تازیانے سے مارا تھا تو اصحاب امام موصوف کے اس میں دو قول ہیں دونوں میں سے صحیح تر قول یہ ہے کہ اُس پر ضمان لازم نہیں اور ابن منذر نے امام شافعی رضہ سے نقل کیا ہے کہ اگر حاکم اسلام نے جوتوں اور کپڑوں کے کناروں سے اسقدر مارا جس نے چالیس تازیانوں سے تجاوز نہ کیا اور وہ شخص اسقدر مار سے مرگیا تو حاکم پر نہ دیت لازم ہوگی اور نہ قصاص اور کفارہ اور اگر اُس کے چالیس سے تازیانے مارے اور وہ مرگیا تو اُس کی دیت حاکم اسلام کے عاقلہ پر لازم ہوگی نہ بیت المال سے. پس پہلا قول حاکم پر مخفف اور دوسرا اختلاف نقل کیوجہ سے مفصل ہے۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ یہ مارنا مشروع ہے لہذا اُس کے قایم کرنے میں ضمان لازم ہونا چاہیے جس طرح باقی حدود میں کیونکہ حدود شارع کی اجازت سے قایم کی جاتی ہیں. اور تفصیل کی دونوں شقوں میں سے دوسرے قول کی وجہ اُس مار کا منجملہ اُن ماروں کے ہونا ہے جو اکثر آدمی کو قتل نہیں کر دیتیں اور اصحاب امام شافعی رضہ کے اس قول کی وجہ کہ ضمان لازم نہیں ہوتا اگرچہ تازیانوں سے مارے یہ ہے کہ شارع علیہ السلام نے اس کی اجازت دی ہے اور یہی تقریر اس تفصیل کی منجملہ دو شقوں کے پہلے قول کی وجہ میں ہے جسکو ابن منذر نے نقل کیا ہے اور اصحاب امام شافعی رضہ کے دو قولوں میں سے دوسرے کی وجہ چالیس تازیانوں کی مار کا منجملہ اُن ماروں کے ہونا ہے جو غالباً آدمی کو بالکل مار ڈالتی ہیں. اور اسکی وجہ کہ حاکم اسلام کے عاقلہ پر دیت لازم ہوتی ہے قصاص نہیں یہ ہے کہ نفس مارنے کی تو اجازت ہے اور حاکم اسلام کا منصب اس سے برتر ہے کہ اُسے قصاص میں قتل کیا جائے کیونکہ اگر ہم اُس پر قصاص واجب کر دیں تو قلب موضوع آئے گا کہ تھا تو حاکم با اختیار اور رہا اُس کو مجبور بنا دینا لازم آئے گا. باینکہ اس میں عوام کے روبرو حاکم کی ہتک حرمت اور توہین ہوگی جس سے اُس کے رعب اور دبدبہ کا کم ہونا لازم آئے گا. اور ہم نے نہیں سنا کہ کوئی حاکم مستحق حد پر حد قایم کرنے کی وجہ سے کبھی قتل کیا گیا ہو۔

پانچواں مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ اگر چوپائے دن میں کسی کا کچھ نقصان کر دیں تو اُن کے مالکوں پر کچھ تاوان لازم نہیں بشرطیکہ مالک اُن کے ساتھ نہ ہو اور اگر رات کے وقت نقصان کر دیں تو مالک پر تاوان لازم ہے. حالانکہ امام ابو حنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ جب تک اُن کا مالک ساتھ نہ ہو. خواہ سوار ہو یا کھینچکر لیے جاتا ہو یا ہانک کر اور یا چھوڑ کر لیجا رہا ہو ضمان لازم نہیں خواہ رات کا وقت ہو یا دن کا. پس پہلے قول میں شرط مذکور کی وجہ سے تخفیف ہے اور دوسرے میں شرط مذکور کی وجہ سے تشدید ہے. اور ائمہ ثلثہ کے کلام میں پہلی شق کے اندر ضمان لازم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ دن کے اندر چوپایوں کو چھوڑ دینے کی عادت ہوتی ہے اور اسی سے اس کی وجہ بھی معلوم ہو سکتی ہے کہ رات کے وقت نقصان کر دینے میں ضمان لازم ہوتا ہے اور امام ابوحنیفہ کے کلام میں سے پہلی شق کی وجہ اُس کا ساتھ میں ہونا ہے خواہ سوار ہو یا ہانکنے والا یا کھینچنے والا. اور اس میں سے دوسری شق کی وجہ چھوڑ دینے کی وجہ سے تعدی کرنا ہے اور اسی وجہ سے حکم میں تعمیم کی گئی کہ چاہے رات کا وقت ہو یا دن کا۔

چھٹا مسئلہ امام ابو حنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر چوپایہ نے کسی چیز کو ضایع کر دیا. حالانکہ مالک اُس پر چڑھا

ہوا ہے تو مالک کو اس کا تاوان دینا ہوگا خواہ ہاتھ سے کیا ہو یا منہ سے اور جو اُس نے پاؤں سے نقصان کیا ہو تو اگر وہ اُسکے پامال کرنے سے ہوا ہو تو سوار ضامن ہوگا اور اگر لات مارنے سے ہوا ہو تو پھر اگر وہ ایسے مقام پر ہو جہاں چلنے کی شرعاً اجازت ہے مثلاً راستہ میں چل رہا تھا یا سوار اپنی مِلک میں کھڑا تھا یا جنگل میں یا چوپایوں کے بازار میں تو ضامن نہ ہوگا۔ اور اگر وہ ایسا مقام ہو جہاں کھڑے ہونے یا جانے کی شرعاً اجازت نہیں مثلاً عام راستہ میں چوپایہ پر سوار ہو کر کھڑا ہو جائے یا کسی کے گھر میں مالک کی بلا اجازت چلا جائے تو ضامن ہوگا۔ حالانکہ امام مالک رض کا قول یہ ہے کہ اُسکا ہاتھ اور پاؤں اور منہ نقصان کرنے میں حکم کے اعتبار سے برابر ہیں وہ یہ کہ اگر سوار یا اُس کے ہانکنے یا کھینچنے والے کی طرف سے کوئی سبب پایا گیا ہو مثلاً ایڑ لگانا یا اُس کو مارنا پیٹنا تو ضمان لازم نہیں۔ اسی طرح امام شافعی رض کا قول یہ ہے کہ پاؤں سے نقصان کیا ہو یا ہاتھ یا منہ یا دُم نے ہر صورت میں ضمان دینا ہوگا خواہ کھینچنے یا ہانکنے والے کی طرف سے سبب پایا گیا ہو یا نہ۔ اسی طرح امام احمد رض کا قول یہ ہے کہ اگر چوپایہ نے اپنے پاؤں سے نقصان کر دیا اور اُس کا مالک اُس پر سوار ہے تو مالک پر تاوان لازم نہیں۔ اور اگر منہ یا ہاتھ سے نقصان کیا تو اُس وقت ضمان لازم ہے پس پہلا قول جو امام ابو حنیفہ رض کا کلام ہے مفصل ہے اور امام مالک رض کے کلام میں تفصیل کے اعتبار سے تخفیف ہے اور امام شافعی رض کا کلام مشدد اور امام احمد کا کلام مفصل ہے اور چاروں اقوال کی وجوہ ظاہر ہیں کہ ذکی پر پوشیدہ نہیں۔

کتاب جہاد کے طریقے بیان میں

مسائلِ اجماعیہ

اماموں کا اس پر اتفاق ہے کہ جہاد کرنا فرض کفایہ ہے پس جب مسلمانوں سے اسقدر لوگ اس فرض کو ادا کریں جو ضروریات جہاد کے لئے کافی ہوں تو باقی مسلمانوں سے فرض ساقط ہو جاتا ہے اور حضرت سعید بن مسیب رض سے منقول ہے کہ جہاد فرض عین ہے۔ اسی طرح اس پر بھی اتفاق ہے کہ ہر سرحدی مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ اپنے سامنے کے کفار سے مقاتلہ کریں اور اگر وہ عاجز ہو جاویں تو اُن کے جو متصل ہوں وہ مدد دیں پھر اُن کے نزدیک والے پھر اُن کے نزدیک والے اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ جس پر جہاد واجب ہو جاوے وہ اپنے ماں باپ کی اجازت بغیر نہ جاوے اگر وہ مسلمان ہوں۔ اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ جس پر قرضہ لازم ہو وہ اپنے قرض خواہ کی بلا اجازت نہ جاوے۔ اور اس پر بھی کہ جب دونوں گروہ ٹھہر جاویں تو تمام اُن مسلمانوں پر جو حاضر ہوں ثابت قدم رہنا واجب ہے اور بھاگنا حرام ہے مگر یہ کہ مقاتلہ کی چال چلتے ہوں یا اپنے گروہ کی طرف جمع ہونے کو جاویں یا ایک مسلمان تین کافروں کے مقابلہ میں ہو یا ایک سو مسلمان تین سو کافروں کے مقابل ہوں تو فرار مباح ہے لیکن پھر بھی ثابت قدم رہنا مندوب ہے بالخصوص جبکہ اُنکو اپنی فتح کا غالب گمان ہو اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ ہر قدرت والے مسلمان پر دار کفر سے ہجرت کرنا واجب ہے۔ اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ اگر کافروں کی عورتیں قتال نہ کریں تو اُن کو قتل نہ کیا جائے۔ الّا اُس صورت میں کہ وہ عورتیں صاحب رائے ہوں۔ اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ نابینا اور شیخ فانی (قریب المرگ بوڑھا) اور گرجوں اور مندروں کے باشندے اگر ذی رائے اور اہل تدبیر ہوں تو قتل کئے جائیں اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ

اگر مشرک لوگ مسلمانوں کو ڈھال بنالیں تاکہ مسلمانوں کی آڑ میں تیروں سے بچے رہیں تو مسلمانوں کو تیر مارنے جائز ہیں لیکن نیت اور مقصد مشرکوں کو مارنے کا ہو۔ اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ اگر مسلمان نے کسی قیدی کو بحالت قید قتل کر دیا تو قاتل پر صرف تعزیر واجب ہوگی اس میں امام اوزاعی رحمہ کا خلاف ہے اُنکا قول ہے کہ دیت واجب ہوگی۔ یہانتک مسائل اجماعیہ ختم ہوئے۔

مسائل اختلافیہ

پہلا مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ جہاد واجب ہونے کے لئے سواری اور زاد کا پایا جانا شرط ہے جسطرح حج میں۔ حالانکہ امام مالک رحمہ کا قول یہ ہے کہ شرط نہیں اور ثمرہ خلاف کا اس صورت میں ہوگا کہ مثلاً شہر کے باشندوں پر جہاد متعین ہو جائے اور اُن کے اور مقام جہاد کے درمیان اتنی مسافت ہو جہاں تک چلے جانے سے بجائے چار رکعت فرض کے دو پڑھنی پڑیں۔ پس پہلا قول اُن لوگوں پر جہاد فرض ہونے میں مخفف ہے (اگر اُن کے پاس سواری اور زاد نہ ہو) اور دوسرا مشدد

اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ جس کے پاس سواری اور زاد راہ نہ ہوگا۔ اُس کا دشمن سے مقابلہ ناقص ہوگا کیونکہ اُسکا دل اسی فکر میں رہے گا کہ کیا کھاؤں کیا پیوں اور کاہے پر سوار ہوؤں اور جب سواری اور زاد اُس کے پاس ہوگا تو اُس کا ارادہ مضبوط ہوگا اور سوائے قتل و قتال کے اور کسی طرف اُس کا دھیان نہ بٹے گا۔

اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ جہاد کے لئے سفر کرنے میں شرط مذکور معتبر ہونے کی کوئی صریح نص نہیں پائی گئی۔ اگرچہ سفر بقدر ایکماہ یا زیادہ کے طویل ہی ہو اور اگر یہ شرط ضروری ہوتی تو ہم کو ضرور معلوم ہوتا اگرچہ حدیث واحد ہی کے ذریعہ سے ہوتا کیونکہ شریعت ہر زمانہ میں علماء موجود رہنے کی وجہ سے ہمیشہ محفوظ رہی ہے اور ہو سکتا ہے کہ تینوں اماموں کا کلام بڑے بڑے لوگوں پر محمول ہو جنکو راہ کے اندر سواری اور زاد کا لوگوں سے سوال کرتے ہوئے حیا آتی ہے اور امام مالک رحمہ کا کلام اُن لوگوں پر جو پہلوں کی ضد ہوں جیسا کہ امام موصوف کے نزدیک جو شخص لوگوں سے سوال کر لینے کے اعتماد پر حج کر سکتا ہو اور وہ ظن کرتا ہو کہ قافلہ میرے سوال کو رد نہ کریگا تو اُسپر حج کرنا واجب ہے

دوسرا مسئلہ امام ابو حنیفہ رحمہ اور امام مالک رحمہ کا قول یہ ہے کہ اگر مسلمان اہل حرب کے اموال پر قابض ہو چکے ہوں لیکن اُن کو دار الاسلام میں لے آنا دشوار ہو تو اُن کو ضائع کر دینا درست ہے پس جانوروں کو ذبح کر ڈالیں اور ہتیاروں کو توڑ ڈالیں اور اسباب کو جلا دیں۔ حالانکہ امام شافعی رحمہ اور امام احمد رحمہ کا قول یہ ہے کہ ایسا صرف مالک ہی کر سکتا ہے اور وہ بعد تقسیم۔ پس پہلا قول مسلمانوں پر مخفف اور دوسرا قول مسلمانوں پر مشدد ہے

پہلے قول کی وجہ مسلمانوں کی مصلحت عامہ کا لحاظ کرنا ہے اس لئے کہ شاید ہمپر کفار چڑھائی کریں اور ان اموال کو لیکر ہم نے اُن سے بطور غنیمت حاصل کیا تھا ہم سے جنگ کرنے میں قوی ہو جائیں اور جس امر کا خیال دوسرے قول کے قائلین نے کیا ہے اس کا پہلے قول والوں نے مصلحت عامہ کو مصلحت خاصہ پر مقدم رکھنے کی وجہ سے نہیں کیا۔

اور دوسرے قول کی وجہ پانے والوں کی ملکیت کا ضعیف ہونا ہے کیونکہ اُس کے ساتھ مجاہدوں کا حق متعلق ہے اور اس کا خوف نہیں کہ کفار مسلمانوں کے ہاتھ میں سے چھین لیں لہٰذا اُن اموال کا بلا تلوث کئے باقی رکھنا اُس وقت مسلمانوں کے لئے زیادہ نافع ہوگا۔

تیسرا مسئلہ امام ابوحنیفہ رضہ اور امام مالک رضہ اور امام احمد رضہ کا قول اور امام شافعی رضہ کے دو قولوں میں سے ایک یہ ہے کہ بوڑھے کافر اور نابینا اگر اہل تدبیر اور اہل الرائے نہ ہوں تو اُن کو قتل کرنا جائز نہیں۔ حالانکہ امام شافعی رضہ کا اظہر قول یہ ہے کہ اُن کو قتل کرنا جائز ہے۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ دراصل قتل اُن لوگوں کے حق میں مشروع ہوا ہے جن سے مسلمانوں کو دکھ پہونچتا ہو اور ان لوگوں سے غالباً دکھ نہیں پہونچتا۔

اور ہم نے سنا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے جب بیت المقدس کو تعمیر کیا تو جب کچھ بنا چکتے تو اُسے صبح کو گرا ہوا پاتے۔ مجبوراً اس کی شکایت پروردگار عالم سے کی تو اُس نے وحی بھیجی کہ میرا گھر ایسے شخص کے ہاتھ سے قایم نہیں رہ سکتا جو خونریزی کرتا ہو تو امام داؤد نے عرض کیا کہ کیا یہ جہاد تیری راہ میں نہیں ہے تو خدا تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں مگر کیا وہ میرے بندے نہیں ہیں اور اس کی تائید حق تعالےٰ کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے کہ (وان جنحوا للسلم فاجنح لہا) کیونکہ اس میں صلح کو قتل پر ترجیح ہے۔

چوتھا مسئلہ امام ابوحنیفہ رضہ اور امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ جس نے اُس شخص کو قتل کر دیا جس کو دعوت اسلام نہیں پہونچی تو اُس پر دیت لازم نہیں۔ حالانکہ امام شافعی رضہ اور اُن کے اصحاب سے اس کے خلاف منقول ہے (مگر وہ قول) غیر راجح ہے۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔

پانچواں مسئلہ امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ جن لوگوں کا مکان ہم سے نزدیک ہو تو پس دعوت اسلام پہونچ چکی۔ اب ہم کو اس کی ضرورت نہیں کہ مقاتلہ سے پہلے ہم اُن کو اسلام کی طرف بلائیں بلکہ شروع سے مقاتلہ شروع کریں گے اور جن لوگوں کے گھر ہم سے دور ہونگے تو اُن کو دعوت دینا شک کو رفع کر دیگا اور امام ابوحنیفہ رضہ نے فرمایا ہے کہ اگر اُن کو دعوت پہونچ چکی ہو پھر بھی بہتر ہے کہ قبل جنگ حاکم اسلام اُن کو اسلام کی طرف بلا دے اور یا جزیہ دینے کی طرف اور اگر اُنکو دعوت نہ پہونچی ہو تو حاکم کو بدون دعوت قتال مناسب نہیں اور امام شافعی رضہ نے فرمایا ہے کہ میں نہیں سمجھتا کہ مشرکین میں سے کسی کو دعوت اسلام نہ پہونچی ہو مگر یہ کہ کوئی قوم مشرکین میں کی ترکستان اور خورستان کے پیچھے ہو (یا قبیلہ جون کی) کہ اُن کو دعوت اسلام نہ دیجائے مقاتلہ نہ کیا جائے۔ پس اگر کسی مسلمان نے اُن کو قبل از دعوت قتل کر دیا تو قاتل کے عاقلہ پر دیت لازم ہوگی اور امام ابوحنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ اُس پر کچھ لازم نہیں۔ اور امام مالک رضہ کا ظاہر مذہب یہ ہے کہ حکم یہی ہے۔ پس اصل مسئلہ میں سے پہلا اور دوسرا قول مفصل ہے اور تیسرا مشدد و اعتبار سے کہ تمام مشرکوں کو آجکل دعوت اسلام پہونچ چکی ہے اور اس اعتبار سے مخفف ہے کہ اُن سے اسلام کی دعوت دینے کے بعد مقاتلہ کیا جائے جیسا کہ مسئلہ مذکورہ کی تفریع میں سے پہلا قول اس اعتبار سے مشدد ہے کہ قاتل کے عاقلہ پر دیت لازم ہے اور تیسرا اور چوتھا اس اعتبار سے کہ دیت واجب نہیں مخفف ہے اور جمیع اقوال کی وجوہ وہ ہیں جو حدیث میں وارد ہیں کہ شارع علیہ السلام اور صحابہ وغیرہ سے سرداران جنگ کے واقعات کا صدور مختلف طریقوں سے ہوا ہے۔

…شا مسئلہ امام ابوحنیفہ رضہ اور امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ کفار کو امن دینا صرف مسلمان بالغ عاقل مختار کی طرف سے صحیح ہے۔ پس مجنون اور نابالغ اگر امن دے تو صحیح نہ ہوگا۔ حالانکہ امام مالک رضہ اور …م احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ اُس نابالغ کا امن دینا جو قریب بلوغ ہو صحیح ہے۔ پس پہلا قول کفار کو امن دینے کی صحت …ں اشد اور دوسرا اُس میں مخفف ہے۔

…ے قول کی وجہ یہ ہے کہ کفار کو امن دینا خطرناک امر ہے کہ جسپر مصالح اور مفاسد دونوں مبنی ہوتے ہیں اس لئے …ری عقل اور انجام سوچنے کی ضرورت ہے اور نابالغ اور مجنون اسدرجہ کے نہیں ہیں۔

…ر دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ جو نابالغ قریب بلوغ ہو وہ بلوغ کے کنارہ پہ ہے اور جو شے کسی دوسری چیز …قریب ہوتی ہے اُسکو دوسری چیز کا بہت سی باتوں میں حکم دیدیا جاتا ہے اور کفار کو امن دینا منجملہ اُن ہی باتوں …ہے۔ پھر اگر امن دینے کے بعد کوئی فتنہ برپا ہو تو حاکم پر اُس کا تدارک لازم ہے وہ یہ کہ کفار پر تشدد کرے یہاں تک …ن کو ذلیل کر کے بلاد اسلام سے نکالدے تو نابالغ کا کفار کو امن دینا صرف اُن کو بلاد اسلامیہ میں داخل ہونے کی …جازت دینا تھا نہ وہاں مقیم ہو جانے کی۔ تاکہ فساد کیا کریں۔

…اتواں مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ اگر مسلمان غلام کسی کافر کو امن دے یا کسی شہر کے باشندوں کو تو وہ صحیح ہے۔ اور تینوں اماموں کے نزدیک جو امن دینے کی شرط ہے اسکر موجود ہوتے ہوئے غلام …ں دی ہوئی باقی رکھی جائے۔ حالانکہ اُن کے ماسوا کا حکم یہ ہے کہ اُس کا امن دینا صحیح نہیں۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا …شند ہے۔

…لے قول کی وجہ یہ ہے کہ غلام کا امن دینا نقصان میں نابالغ کی مثل ہے۔ اور اُس میں جو کمزوری ہے ہم پہلے بیان کر چکے۔ …وسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ امن دینے والا رائے میں کامل ہونا چاہئے اور غلام ناقص العقل اور ناقص الرائے ہوتا ہے …ر ہو سکتا ہے کہ پہلے قول کو اُس غلام پر محمول کیا جائے جسکا عاقل اور صاحب رائے ہونا لوگوں پر ظاہر ہو چکا ہو اور دوسرا …ن پر جو اس کے برعکس ہیں۔

…ٹھواں مسئلہ امام ابوحنیفہ رضہ اور امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ جس وقت کفار نے مسلمانوں کو ڈھال بنالیا تو اگر اُسوقت کوئی مسلمان کسی مسلمان کو قتل کر دے تو نہ اُسپر دیت لازم ہے اور نہ کفارہ حالانکہ …م شافعی رضہ کا قول اور امام احمد رضہ کی دو روایتوں میں سے ایک یہ ہے کہ اُسپر کفارہ لازم ہے نہ دیت۔ اور امام …افعی رضہ اور امام احمد رضہ کا دوسرا قول یہ ہے کہ دیت اور کفارہ دونوں لازم ہیں۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا …ں تخفیف اور تیسرا مشدد ہے۔ اور ان تمام اقوال کی وجوہ ائمہ کے اجتہاد کی طرف رجوع کرتی ہیں۔

…اں مسئلہ چاروں اماموں کا قول یہ ہے کہ مسلمان جب دشمن کے مقابلہ پہ جانا چاہے تو یہ بلا کراہت درست ہے۔ حالانکہ شوافع میں سے ابن ابی ہبیرہ کا قول یہ ہے کہ یہ مکروہ ہے۔ پس پہلا قول مخفف اور …وسرا مشدد ہے۔ اسی طرح تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ مسلمان کا حاکم سے اجازت لیکر مقابلہ پہ جانا مستحب ہے لیکن اگر …اجازت چلا گیا تو جائز ہے۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ حریف کے مقابلہ پر جانا حرام ہے۔ مگر اُس …ورت میں کہ مقابلہ پر جانے والا منجملہ اُن مسلمانوں کے ہو جو دشمن کو دفع کرنے والے اور اس کی روک کے لئے مقرر …ں۔ پس پہلے قول میں تخفیف اور دوسرا مشدد ہے۔ اور دونوں مسئلوں کی وجوہ ظاہر ہیں اور صاحب رائے مسلمانوں کی …حکم پر موقوف ہیں۔

دسواں مسئلہ امام ابوحنیفہ رح کا قول یہ ہے کہ ہر اُس کافر کو غلام بنانا درست ہے جو اہل کتاب ہو اور نہ مشابہ اہل کتاب جس طرح بت پرست لوگ۔ لیکن یہ شرط ہے کہ وہ لوگ عجم کے رہنے والے ہوں نہ عرب کے حالانکہ امام مالک رح اور امام شافعی رح کا قول اور امام احمد رح کی دو روایتوں میں سے ایک یہ ہے کہ یہ مطلقاً جائز نہیں پس پہلا قول مفصل اور دوسرا مشدد ہے۔

پہلے قول کی وجہ اُن عجمی کفار کا احترام نہ کرنا ہے جو نہ اہل کتاب ہیں اور نہ اہل کتاب کے مشابہ۔ اور دوسرے قول کی وجہ اہل عرب کا شریف ہونا ہے۔ پس اُن کو ذلیل نہ کیا جائے گا۔ جس طرح اُن کے ماسوا کو۔

گیارھواں مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ اگر کوئی کافر قید کئے جانے سے پہلے مسلمان ہو جائے تو اُس نے اپنی جان و مال کو بچا لیا اگرچہ مال دار الحرب ہی میں ہو۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رح کا قول یہ ہے کہ اگر دار دار الحرب میں زمین ہو تو وہ تقسیم کر دیجائے اور غیر زمین ہو تو اگر وہ اُس کے یا مسلمان یا ذمی کے ہاتھ میں ہو تو تقسیم نہ کی جائے اور اگر حربی کے قبضہ میں ہو تو وہ غنیمت بنایا جائے۔ پس پہلا قول کافر کو نہ کے معصوم ہو جانے میں مخفف اور دوسرا مفصل ہے اور پہلے قول کی دلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا ہے کہ "میں کفار سے قتال کرنے کا حکم کیا گیا ہوں یہانتک کہ وہ کہدیں لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ اس کے بعد اُنہوں نے اموال اور خونوں کو مجھ سے بچا لیا۔ مگر ہاں اگر کسی وجہ سے اسلامی قوانین کے مطابق اور اُن کا حساب خدا تعالیٰ پر ہے۔" اور امام ابوحنیفہ رح کے مفصل قولوں میں سے شق اول کی وجہ زمین کے دار الحرب کا حکم لگانے کو ترجیح دینا ہے اور اس وجہ سے کہ اسکے اندر اُن کو ہم سے قتال کرنے میں اعانت ہو گی۔ اور تفصیل کی دوسری شق کی وجہ واضح ہے۔

بارھواں مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ اگر دار الحرب کے باشندے دار الاسلام میں داخل ہو جائیں تو اُن کو قید کرنا جائز نہیں۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رح کا قول اس کے جائز ہونے کا ہے۔ پس پہلا قول دار الحرب والوں پر مخفف اور دوسرا اُن پر مشدد ہے۔ اور دونوں قولوں کی توجیہ حاکم جنگ یا لشکریوں میں سے اہل الرائے پر موقوف ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتاب غنیمت اور فے کی تقسیم کے بیان میں

مسائل اجماعیہ

اماموں کا اس پر اتفاق ہے کہ گھوڑوں اور اونٹوں کے دوڑانے سے جو مال کفار کا مسلمانوں کے ہاتھ لگے تو اُس میں سے نقود اور اسباب سب غنیمت ہو گا سوائے لوٹ کے جیسا کہ عنقریب اِس کی تفصیل آجائے گی۔ اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ چار خمس غنیمت کے اُن لوگوں پر تقسیم کر دئے جائیں جو معرکہ میں بہ نیت جنگ شریک ہوئے ہوں بشرطیکہ وہ جنگ کی اہلیت بھی رکھتے ہوں۔ ہر پیادہ کو ایک ایک حصہ دیا جائے۔ اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ جب غنیمت تقسیم ہو جائے اور لوگ اس کو اپنی حفاظت میں لے آئیں پھر پیچھے سے مدد کے واسطے مسلمان لوگ پہونچیں تو اُن کا اس میں کچھ حصہ نہ ہو گا۔ اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ حاکم اسلام اگر دار الحرب ہی میں غنیمت

تقسیم کر دے تو تقسیم صحیح ہوگی۔ اسی طرح اس پر بھی اتفاق ہے کہ حاکم کو جائز ہے کہ بعض غانمین کو بعض پر فضیلت دے اسیطرح اس پر بھی اتفاق ہے کہ حاکم کو قیدیوں کے بارہ میں اختیار ہوتا ہے خواہ انہیں قتل کرے یا غلام بنالے۔ اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ مستحقین غنیمت کو اسیرہ سے ہمبستری کرنا جائز نہیں جب تک تقسیم نہ ہو جائے۔ اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ جو شخص قبل از تقسیم غنیمت میں خیانت کرے تو اُس کا ہاتھ نہ کاٹا جائے بشرطیکہ غنیمت میں اُسکا حق ہو۔ یہاں تک مسائل اجماعیہ ختم ہوئے۔

مسائل اختلافیہ

پہلا مسئلہ امام شافعی رضہ اور امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر کفار کے مال میں لوٹ بھی ہو تو اسکا مستحق قاتل ہوتا ہے نہ وہ حساب اُس کا غنیمت میں ہوگا خواہ حاکم نے لوٹ دینے کو شرط ٹھیرا دیا ہو یا نہ، دونوں اماموں کا قول یہ ہے کہ قاتل اُس وقت مستحق ہوگا کہ جب اُس نے خود بالذات قتل کیا ہو۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ جب تک حاکم نے لوٹ کو قاتل کے لئے شرط نہ ٹھیرا دیا ہو اُسوقت تک وہ اُس کا مستحق نہیں پھر لوٹ نکالکر بعد میں ایک خمس غنیمت کا جدا کر دیا جائے۔ پس پہلا قول شرط مذکور کی وجہ کر مقاتلین پر شدید ہے اور دوسرے قول میں اُن پر تشدید ہے۔

پہلے قول کی وجہ مسلمانوں کو قتال پر آمادہ کرنا ہے۔ کیونکہ اُن کے اندر کچھ تھوڑا سا دنیاوی جزو ہے جو محض دنیا کے لئے مقاتلہ کرتا ہے اور جب اُس کو حصہ نہ دیا جائے گا تو اُس کا قصد مقاتلہ کا کمزور ہو جائیگا اور دوسرے قول کی وجہ حاکم پر لشکر کے ساتھ ادب کا لحاظ رکھنا ہے کہ اگر اُس نے لوٹ کی اجازت دیدی ہو تو ہو سکتا ہے ورنہ نہیں کیونکہ اُس کی نظر تمام لشکر پر ہے۔ اور کبھی تمام لشکریوں کو لوٹ یا اُس کو فروخت کر کے آپس میں تقسیم کرنے کی حاجت ہوتی ہے۔ پس اُس کا قاتل کو لوٹ لینے سے روکنا تمام مقاتلین کے درمیان الفت کا باعث ہوگا۔ بالخصوص اگر قاتل اُن لوگوں میں سے ہو جسکا نفس لوٹ کی طرف متوجہ بھی نہ ہو کیونکہ اس کے مقصد کا زیادہ حصہ اعلاء کلمۃ اللہ کی طرف رجوع ہو نہ مال غنیمت کی طرف۔

دوسرا مسئلہ امام ابوحنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ غنیمت کے ایک خمس کے تین حصے کئے جائیں ایک حصہ یتیموں کے لئے، دوسرا مساکین کے لئے، تیسرا مسافروں کے لئے، اور فقراء ذوی القربیٰ اُنکا میں داخل ہیں نہ اغنیاء ذوی القربیٰ اور رہا نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا حصہ سو وہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول کا خمس ہے اور وہ دونوں ایک ہی خمس ہیں۔ لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا آپکی وفات کے بعد ساقط ہو گیا جسطرح صفی (وہ چیز جو غنیمت کے مال میں سے پسند آجائے) ساقط ہو گیا۔ اور رہے ذوی القربیٰ سو وہ زمانہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم میں حصہ کے مستحق تھے اور آپ کے بعد اُن کا کوئی حصہ نہیں۔ البتہ وہ محض فقیر ہونے کی وجہ سے استحقاق رکھتے ہیں۔ لہذا اُن کے مرد اور عورتیں سب برابر ہونگی۔ حالانکہ امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ اس خمس میں کسی خاص شخص کی تعیین نہیں بلکہ امام کو اختیار ہے جہاں مناسب سمجھے خرچ کرے اور مسلمانوں میں سے جسپر چاہے صرف کرے اور ذوی القربیٰ کو حاکم اسلام خمس اور نے اور خراج اور جزیہ میں سے دیا کرے۔ اگلا امام شافعی رضہ اور امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ خمس کو پانچ حصوں پر تقسیم کیا جاوے۔ ایک حصہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کا اور وہ ہنوز باقی ہے آپ کی وفات سے وہ ساقط نہیں ہوا اور ایک حصہ بنو ہاشم اور بنو المطلب کا نہ بنو عبد شمس اور بنو نوفل کا اور بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب کی خصوصیت کی وجہ یہ ہے کہ ذوی القربیٰ درحقیقت وہی ہیں اور انہیں کو صدقات وخیرات لینے سے منع کیا گیا ہے اس لئے خمس اُن کے واسطے مقرر کیا گیا۔ مالدار اور فقرا اُن میں سب برابر ہیں صرف اتنا ہے کہ اُن میں سے ایک مرد کو دو عورتوں کی برابر حصہ دیا جائے اور اُن میں بیٹیوں کی اولاد حصہ کی اہل مستحق نہیں۔ اور ایک حصہ یتیموں کا ہے اور ایک حصہ مساکین کا اور ایک حصہ مسافرین کا۔ اور یہ تینوں قسمیں اگر فقیر ہوں تو مستحق ہیں ورنہ نہیں۔ پس پہلے قول میں اس اعتبار سے تشدید ہے کہ بیٹیوں کی اولاد مستحق نہیں اور مرد کو دو عورتوں کی برابر ہے اور اس اعتبار سے تخفیف ہے کہ تقسیم کی کیفیت میں سہولت ہے۔ اور دوسرے قول میں اس اعتبار سے کہ حاکم کو اختیار ہے تخفیف ہے۔ اور تیسرے قول میں ایک اعتبار سے تشدید اور ایک اعتبار سے تخفیف ہے۔ جیسا ظاہر ہے۔

تیسرا مسئلہ امام شافعی رح کا قول یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ ضروریات اسلام مثلاً ہتیار اور سامان جنگ کی تیاری میں صرف کیا جائے یا پل باندھنے اور مساجد وغیرہ بنانے میں۔ لہذا اُسکا حکم فئے کی مثل ہے۔ حالانکہ امام احمد رح کی دو روایتوں میں سے ایک یہ ہے کہ اہل دیوان میں صرف کیا جائے اور وہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو اپنے آپ کو قتال کے لئے تیار رکھتے ہیں اور سرحد ولما پر اُن کی حفاظت کے لئے تہنا رہتے ہیں بسطرح صرف کیا جائے کہ ہر ایک کو اسقدر حصہ ملے جو اس کے لئے کافی ہو اور دوسری روایت جسے امام خرقی رح نے اختیار کیا ہے مذہب امام شافعی رح کی مثل ہے پس پہلا اور تیسرا قول موسع ہے اور دوسرا مضیق (تنگ) اور تمام اقوال کی وجوہ ظاہر ہیں۔

چوتھا مسئلہ امام شافعی رح اور امام مالک رح اور امام احمد رح کا قول یہ ہے کہ سوار کو تین حصے دئے جائیں ایک خود اُس کا دو اُس کے گھوڑے کے۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رح کا قول یہ ہے کہ سوار کو دو حصے دئے جائیں ایک اُس کا اور ایک گھوڑے کا۔ قاضی عبد الوہاب کا قول ہے کہ جہاں تک میرا علم ہے امام ابو حنیفہ کا سا قول کسی نے نہیں کیا اور قاضی موصوف سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں اسکو مکروہ جانتا ہوں کہ چوپایہ کو مسلمان پر فضیلت دوں۔ پھر قاضی صاحب نے فرمایا کہ جن لوگوں نے گھوڑے کے دو حصے قرار دئے ہیں اُن میں سے حضرت عمر بن الخطاب رض اور علی بن ابی طالب ہیں۔ اور صحابہ میں سے کوئی انکا مخالف نہیں اور منجملہ تابعین کے (جو گھوڑے کے دو حصے ٹھیراتے ہیں) عمر بن عبد العزیز رح اور امام حسن اور ابن سیرین ہیں۔ اور منجملہ فقہاء کے اہل مدینہ اور امام اوزاعی رح اور اہل شام اور لیث بن سعد اور اہل مصر اور سفیان ثوری رح اور امام شافعی رح ہیں اور منجملہ اہل عراق کے امام احمد رح بن حنبل اور ابو ثور رح اور ابو یوسف رح اور محمد بن حسن رح ہیں۔ الحاصل اس مسئلہ میں سوائے امام ابو حنیفہ رح کے اور کسی کا خلاف نہیں۔ پس اگر ہم اُن کے قول کو کسی دلیل پر محمول کرلیں جو انہیں دستیاب ہوئی ہو تو وہ سوار کے علاوہ دوسروں پر مخفف ہے۔ کیونکہ اُن کو بہ نسبت ائمہ ثلٰثہ کے قول کے حصہ زیادہ ملے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔

پانچواں مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ اگر سوار کے پاس دو گھوڑے ہوں تو صرف ایک ہی گھوڑے کا حصہ ملے گا۔ حالانکہ امام احمد رح کا قول یہ ہے کہ دونوں گھوڑوں کا حصہ دیا جائے گا اور اس سے زیادتی کی جائے گی اور امام ابو یوسف رح نے اسی کی موافقت کی ہے اور امام مالک رح سے بھی ایک روایت یہی ہے

پس پہلا قول مخفف اور دوسرے قول میں غانمین پر صرف دوسرے گھوڑے کا بھی حصہ دیے جانے کی وجہ سے تخفیف ہے۔

چھٹا مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ اونٹ کا حصہ نہ دیا جائے۔ حالانکہ امام احمد رح کا قول یہ ہے کہ اُس کا بھی ایک حصہ دیا جائے۔ پس پہلا قول غانمین پر مخفف اور دوسرے میں اُن پر تشدید ہے۔

ساتواں مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ سوار اگر دار الحرب میں معہ گھوڑے کے داخل ہوا پھر وہ گھوڑا قتال کرنے سے پہلے مرگیا تو اُس کے گھوڑے کا حصہ نہ دیا جائے۔ برخلاف اس صورت کے کہ جب قتال میں یا اُس کے بعد مرجائے تو اُن تینوں اماموں کے نزدیک حصہ دیا جائے گا۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رح کا قول یہ ہے کہ اگر سوار دار الحرب میں معہ گھوڑے کے داخل ہوا پھر قتال سے پہلے گھوڑا مرگیا تو گھوڑے کا حصہ دیا جائے۔ پس پہلا قول سوار پر مشدد اور دوسرا اُس پر مخفف ہے۔

آٹھواں مسئلہ جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ ہر گھوڑے کا حصہ دیا جائے خواہ عربی ہو یا غیر عربی۔ حالانکہ امام احمد رح کا قول یہ ہے کہ ہر گھوڑے کے دو حصے ہیں اور ترکی کا ایک۔ اسی طرح امام اوزاعی اور مکحول سے منقول ہے کہ صرف عربی ہی گھوڑے کو حصہ دیا جائے۔ پس پہلا قول سوار پر مخفف اور دوسرا غانمین پر مشدد ہے۔ کیونکہ غیر عربی گھوڑے کا بھی حصہ ہے اور دوسرا افضل اور تیسرا سوار پر مشدد ہے۔

پہلے قول کی وجہ گھوڑے کا حدیث میں بلا قید ہونا ہے۔

دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ نر گھوڑا ترکی سے اکثر قوی ہوتا ہے۔

اور تیسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ عرب ہی کے گھوڑے اہل عرب کے پاس بکثرت ہیں اسلئے حکم اُن ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔

نواں مسئلہ امام مالک رح اور امام شافعی رح کا قول اور امام احمد رح کی دو روایتوں میں سے ایک جو صحیح تر ہے یہ ہے کہ کفار کو اگر مسلمانوں کے اموال ملجائیں تو وہ اُن کے مالک نہیں ہوتے ابن ابی ہبیرہ رح کا قول ہے کہ احادیث صحیحہ اسپر دلالت کرتی ہیں اس لئے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا گھوڑا بھاگ گیا تھا اور دشمن نے اُسے پکڑ لیا۔ پھر اُن پر مسلمانوں کا غلبہ ہوا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں وہ گھوڑا اُن کو واپس دیا گیا اور اُن کا ایک غلام بھاگ کر روم سے جا ملا تھا پھر جب مسلمانوں کا اُن پر غلبہ ہوا تو اُن ہی کو واپس دیدیا گیا۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رح کا قول یہ ہے کہ مالک ہو جاتے ہیں۔ اور امام احمد رح سے دوسری روایت بھی یہی ہے۔ پس پہلا قول مسلمانوں پر مخفف اور کفار پر مشدد ہے اور دوسرا برعکس ہے۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ اُن کو مسلمانوں کے اموال کا مالک نہ بنانے میں اعلاء کلمہ دین ہے۔

اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ کبھی ایسی مصلحت کی وجہ سے جو مسلمانوں کی طرف عود کرتی ہو کفار سے اُن اموال کا نہ نکالنا زیادہ اچھا ہوتا ہے بہ نسبت نکال لینے کے لہذا اُسے اُن ہی کے ہاتھوں میں چھوڑے رکھنا زیادہ بہتر ہوتا ہے اگرچہ وہ شرعاً مالک نہ ہوں۔

دسواں مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ اگر غلام اور عورتیں اور بچے اور ذمی حاضر ہوں تو اُن کو مال غنیمت سے بطور رضخ کے دیدیا جائے اور رضخ کچھ دیدینے کو کہتے ہیں جس کا اندازہ مقرر نہیں بلکہ حاکم کی رائے پر موقوف ہے لیکن اسقدر ہو کہ اُن سب کو دیا ہوا ملا کر ایک پورا حصہ نہ ہو جائے۔ حالانکہ امام مالک رح کا قول یہ ہے کہ نابالغ جو بلوغ کے قریب ہو اگر اُس کو حاکم نے جنگ میں لڑنے کی اجازت دیدی ہو اور وہ اسقدر طاقت بھی رکھتا ہو تو اُسے حصہ دیا جاوے اگرچہ بالغ نہ ہوا ہو۔ پس پہلا قول مخفف ہے اور اسکی دلیل

اتباع شارع علیہ السلام ہے۔ اور دوسرا غانمین پر شدید ہوا اور بھی وکیل اعتماد ہے کیونکہ قائل نے اس بارہ میں کوئی دلیل نہیں پائی۔

گیارھواں مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ دار الحرب میں تقسیم غنیمت جائز ہے حالانکہ امام ابو حنیفہ رحمہ کا قول یہ ہے کہ یہ جائز نہیں۔ اسی طرح اصحاب امام موصوف کا قول ہے کہ اگر حمال (بوجھ لاد کر لیجانے والے) حاکم کو نہ ملتے ہوں تو اس کے ضائع ہو جانے کے خوف سے تقسیم کرے اور اگر حاکم نے اسی جگہ تقسیم کر لی تو تقسیم بالاتفاق صحیح ہو جائے گی جیسا کہ شروع باب میں گذرا۔ پس پہلے قول میں تخفیف اور دوسرا مشدد اور تیسرا مفصل ہے اور یہ تمام حاکم کی رائے پر موقوف ہے۔

بارھواں مسئلہ امام ابو حنیفہ رحمہ کا قول اور امام احمد رحمہ کی دو روایتوں میں سے ایک یہ ہے کہ طعام اور چارہ (گھاس وغیرہ) اور جانور جو دار الحرب میں ہوں کام میں لانے درست ہیں اگرچہ حاکم کی اجازت نہ ہو اور اگر ان میں سے کچھ بچ رہا اور اس سے دار الاسلام میں لے آئے تو وہ غنیمت میں شمار ہوگا تھوڑا ہو یا بہت حالانکہ امام شافعی رحمہ کا قول یہ ہے کہ اگر بقدر زیادہ ہو کہ اس کی کچھ قیمت ہوتی ہے تو وہ واپس کرنا ضروری ہے اور اگر تھوڑا ہو تو اس میں دو قول ہیں ان میں سے اصح یہ ہے کہ نہ واپس کیا جائے اسی طرح امام شافعی رحمہ سے منقول ہے کہ جو کچھ چیز دار الاسلام کی طرف لائی جائے وہ مال غنیمت ہے۔ پس پہلا قول مسلمانوں پر مخفف اور دوسرا مفصل اور تیسرے میں اس اعتبار سے تشدید ہے کہ جو کچھ دار الاسلام کی طرف لایا جائے وہ مال غنیمت ہوتا ہے خواہ تھوڑا ہی ہو۔

تیرھواں مسئلہ امام ابو حنیفہ رحمہ کا قول یہ ہے کہ حاکم کو یہ درست ہے کہ (من اخذ شیئا فھو لہ) ترجمہ "جو فوجی (جہاد کرنے والا) کوئی چیز لے تو وہ اسی کی ہے"۔ اور یہ بھی امام موصوف کے نزدیک جائز ہے کہ حاکم شرط ٹھیرائے۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ ایسا نہ کرے۔ حالانکہ امام مالک رحمہ کا قول یہ ہے کہ ایسا کرنا مکروہ ہے تاکہ مجاہدین کے قلب میں بوقت جہاد دنیا کا شائبہ نہ آجائے اور وہ دیا جائے گا اصل غنیمت میں شمار نہ ہوگا۔ بلکہ اس کے ایک حصہ (خمس) میں سے اسی طرح جسقدر انفال حاکم مقرر کرے وہ سب خمس میں سے ہونگے۔ اسی طرح امام شافعی رحمہ کا قول یہ ہے کہ حاکم کا پہلے سے کچھ شرط کر دینا لازم نہیں ہوتا اور یہ ان کے دو قولوں میں سے قول اظہر ہے۔ اسی طرح امام احمد رحمہ کا قول یہ ہے کہ وہ شرط صحیح ہے۔ پس پہلا قول غانمین پر مخفف اور دوسرے میں ایک قسم کی تشدید ہے۔ اور تیسرے میں اس وجہ سے تخفیف ہے کہ وہ شرط لازم نہیں ہو جاتی۔ اور چوتھے میں غانمین پر تخفیف ہے۔ اور ان تمام اقوال کی وجوہ ذہین پر پوشیدہ نہیں۔

چودھواں مسئلہ امام مالک رحمہ کا قول یہ ہے کہ اگر کوئی قیدی قید کیا گیا (مسلمان) پھر اسے مشرکوں نے قسم دلائی کہ تو ہمارے ملک سے نکلکر بھاگ مت جانا تو ہم تجھے چھوڑے دیتے ہیں (کہیں) چل، پھر، آ، جا۔ تو اسپر قسم کا پورا کرنا لازم ہوگا بھاگنا جائز نہ ہوگا۔ حالانکہ امام شافعی رحمہ کا قول یہ ہے کہ پورا کرنا قسم کا اس کو جائز نہیں اور اسپر لازم ہے کہ نکل جائے اور اس کی قسم مکرہ (زبردستی کئے گئے) کی سی ہے۔ پس پہلا قول مشدد اور بڑے درجے کے لوگوں کے ساتھ خاص ہے جو خدا تعالیٰ کی قضا و قدر پر صبر کرنے والے ہیں یا ان بڑے لوگوں کے ساتھ خاص ہے جو اپنے وعدہ میں سچے ہیں۔ اور دوسرا قول قیدی پر مخفف اور ان لوگوں کے ساتھ

خاص ہے جو کفار کی خدمت پر صبر نہیں کر سکتے اور وہ وہ لوگ ہیں جو خدا تعالیٰ کے سامنے تسلیم کے ساتھ پیش نہیں آتے او
حکمت الٰہی کے راز نہیں سمجھ سکتے۔۔

پندرھواں مسئلہ

امام ابوحنیفہ رض کا قول یہ ہے کہ حاکم اسلام کو اُن زمینوں میں اختیار ہے جو عراق اور مصر میں جبر کے ساتھ مفتوح کر کے غنیمت بنالی گئی ہو کہ چاہے اُسے تقسیم کر دے یا اُس کے مالک کو اُس پر باقی رکھے اور خراج مقرر کر دے اور یا اُن لوگوں کا تصرف اُس زمین سے اُٹھا کر دوسری قوم کے تصرف میں دیدے او اُن پر خراج مقرر کر دے اور حاکم کو یہ جائز نہیں کہ وہ زمین تمام مسلمانوں یا غانمین پر وقف کر دے۔ حالانکہ امام مالک کی دو روایتوں میں سے ایک یہ ہے کہ حاکم کو اُسے تقسیم کر دینا درست نہیں بلکہ وہ صرف غلبہ پانے سے مسلمانوں پر وقف ہو جاتی ہے۔ اسی طرح امام موصوف کی دوسری روایت یہ ہے کہ حاکم کو اختیار ہے کہ چاہے اُسے تقسیم کر دے اور چاہے مسلمانوں کی مصالح کے لئے وقف کر دے۔ اسی طرح امام شافعی رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ اُسے مثل باقی تمام اموال کے جماعت مجاہدین پر تقسیم کر دینا واجب ہے بجز اس کے کہ اگر وہ تمام مسلمانوں پر وقف کر دینے سے خوش ہوں اور اپنے حقوق کو خود ساقط کر دیں تو وقف بھی کرنا درست ہے۔ اسی طرح امام احمد رض کی روایات متعددہ میں سے اظہر یہ ہے کہ حاکم جس میں مصلحت زیادہ دیکھے وہ کرے خواہ تقسیم اور خواہ وقف۔ پس پہلا قول حاکم پر مصالح عامہ کے لئے قرار دینے کی وجہ سے مخفف ہے اور مسلمانوں یا فاتحین پر وقف کرنے کو ناجائز کہنے میں مشدد ہے اور دوسرا قول حاکم پر اس وجہ کر مشدد ہے کہ اُس کا تقسیم کرنا درست نہیں اور اُس کی بلا اجازت وہ حکماً مسلمانوں پر وقف ہو جاتی ہے۔ اور تیسرے قول میں حاکم پر اس اعتبار سے مخفف ہے کہ اُسے اختیار ہے خواہ تقسیم کرے یا وقف اور امام مالک رض کی دوسری روایت یہی ہے۔ اور چوتھا قول حاکم پر اس اعتبار سے مشدد ہے کہ شرط مذکور کے ساتھ جماعت فاتحین میں تقسیم کرنا واجب ہے اور پانچویں قول میں حاکم پر اس اعتبار سے تشدید ہے کہ اُس پر وہ کام کرنا واجب ہے جس میں مسلمانوں کی مصلحت اور خیر خواہی ہو۔ اور ان تمام اقوال کی وجوہ ظاہر ہیں۔

سولھواں مسئلہ

اُس خراج کے بارہ میں جو قہراً و جبراً فتح کی ہوئی زمین پر مقرر کیا جاتا ہے یہ قول ہے کہ گیہوں کے ہر جریب میں ایک قفیز اور دو درہم لازم ہیں اور جو کے ایک جریب میں ایک قفیز اور ایک درہم۔ حالانکہ امام شافعی رض کا قول یہ ہے کہ گیہوں کے ایک جریب میں چار درہم ہیں اور جو میں دو درہم۔ اسی طرح امام کی روایات متعددہ میں سے اظہر روایت یہ ہے کہ جو اور گیہوں سب برابر ہیں اور سب کے اندر یہ حکم ہے کہ ہر ایک جریب میں ایک قفیز اور ایک درہم لازم ہے۔ اور جس قفیز کا یہاں ذکر ہے اُس سے آٹھ رطل مراد ہیں۔

رہا انگور کا جریب سو اس میں امام ابوحنیفہ رض کا قول یہ ہے کہ دس درہم لازم ہیں اور امام شافعی رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ انگور کا جریب کھجور کے جریب کی مثل ہے اور وہ سو اُس میں امام شافعی رض اور امام احمد رض کا قول یہ ہے کہ بارہ درہم ہیں اور امام ابوحنیفہ رض سے اس بارہ میں تصریح منقول نہیں اور امام مالک رض کا قول یہ ہے کہ خراج کی کوئی تعیین اور اس کا کوئی اندازہ مقرر نہیں بلکہ زمین کی پیداوار پر مدار ہے کیونکہ زمینیں مختلف ہوتی ہیں۔ پس حاکم کو چاہیے کہ زمین کے اوصاف جاننے والے کی مدد سے اُس پر خراج موافق اُس کی آمدنی کے مقرر کر دے۔ ابن ہبیرہ کا قول یہ ہے کہ اختلاف ائمہ حضرت عمر بن الخطاب رض سے مختلف روایات منقول ہونے پر مبنی ہے اور تمام اماموں نے اسی مقدار پر اعتماد کیا ہے جو حضرت عمر رض نے مقرر فرمائی تھی پس حضرت عمر رض کی تمام مختلف روایات جو اُن سے منقول ہیں صحیح ہیں اور ان میں مقدار کا اختلاف نواحی اور اطراف کے اختلاف

کی وجہ سے ہے (انتہیٰ)

نواں مسئلہ امام شافعی رحمہ کا قول یہ ہے کہ حاکم کو یہ جائز نہیں کہ خراج کے اندر اُس مقدار پر زیادتی کرے جسقدر حضرت عمر رضہ نے مقرر فرمایا تھا اور نہ اُس سے کمی کرنی درست ہے۔ حالانکہ امام احمد رضہ کی متعدد روایات میں سے ایک یہ ہے کہ اگر زمین زیادتی کی برداشت کر سکے تو زیادتی کرنا جائز ہے۔ اسیطرح اگر مقدار مقررہ کی زمین برداشت نہ کر سکے تو کمی کر دینا درست ہے۔ اسی طرح امام موصوف سے دوسری روایت یہ ہے کہ بشرط برداشت زیادتی کر دینی تو درست ہے لیکن کمی کرنی کسی وقت میں درست نہیں۔ اسی طرح امام موصوف سے تیسری روایت یہ ہے کہ حضرت عمر رضہ کے مقرر فرمودہ سے نہ کمی درست ہے نہ زیادتی۔ اور امام ابوحنیفہ رحمہ سے اس بارہ میں کوئی تصریح منقول نہیں۔ لیکن قدوری نے امام موصوف سے اُن چیزوں کے ذکر کر دینے کے بعد جنپر حضرت عمر رضہ نے مقرر کردہ خراج کے خلاف خراج مقرر کیا ہے نقل کیا ہے کہ ان اشیاء مذکورہ کے ماسوا میں حسب طاقت زمین خراج مقرر کیا جائے۔ پس اگر کسی وقت زمین مقرر کردہ خراج کی طاقت سے باہر ہو جاوے تو حاکم کو اس سے کمی کر دینی بھی درست ہے۔ اور امام ابویوسف کا قول یہ ہے کہ حاکم کو نہ کمی کرنا درست ہے اور نہ زیادتی (بشرطیکہ زمین مقرر خراج کی برداشت رکھے) اور امام محمد بن حسن رحمہ کا قول یہ ہے کہ باوجود برداشت کے بھی کمی و زیادتی درست ہے اور امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ جسقدر زمین برداشت کرلے زمین کے جاننے والے سے دریافت کرکے اسیقدر مقرر کر دے۔ اور ابن ہبیرہ کہا کرتے تھے کہ زمین پر اسقدر خراج مقرر کرنا جس میں لوگوں کی رعایت اور بیت المال کا نقصان ہو درست نہیں۔ اور نہ اسقدر زیادہ مقرر کرنا جس کے برداشت کرنے کی لوگ طاقت نہ رکھیں پس دارو مدار اسپر ہے کہ زمین کی حسب طاقت اُسپر خراج مقرر کیا جائے اور میرا خیال یہ ہے کہ امام ابویوسف رضہ نے اپنی (کتاب الخراج) میں جو فرمایا ہے جسے انھوں نے خلیفہ رشید کے لئے تصنیف کیا تھا وہ بہت عمدہ ہے انھوں نے فرمایا ہے کہ میرے نزدیک بیت المال کے لئے دانوں میں سے دو خمس اور پھلوں میں سے ایک ثلث لینا چاہئے (انتہیٰ) پس پہلے قول میں حاکم پر اس اعتبار سے تخفیف ہے کہ اُس کو حضرت عمر رضہ کے مقرر فرمودہ خراج سے زیادہ کرنے کی اجازت ہے اور اس اعتبار سے تشدید ہے کہ کمی کرنے کا اسکو استحقاق نہیں اور دوسرا قول مفصل ہے اور امام احمد رضہ سے ایک روایت وہی ہے اور اُن سے دوسری روایت بعینہ امام شافعی رضہ کا قول اور بعینہ وہ ہے جو امام ابوحنیفہ رحمہ سے منقول اور امام محمد بن حسن سے مروی ہے۔ اور رہا امام ابویوسف کا قول سو اُس کی وجہ زیادتی اور نقصان دونوں میں سد باب کر دینا ہے تاکہ حضرت عمر رضہ کے مقرر کردہ خراج پر نہ زیادتی ہو نہ اُس سے کمی اور یہ حضرت عمر رضہ کے ساتھ ادب کی وجہ سے ہے کیونکہ خدا تعالیٰ حضرت موصوف کی زبان سے حق بلواتا ہے (الحدیث) اور اس وجہ سے کہ تمام صحابہ رضہ سے پیچھے اس فعل کی تقریر پائی گئی کہ کسی نے انکار نہ کیا۔ پس حضرت عمر رضہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام اماموں سے نظر میں کامل تھے اور تمام اُن اقوال کی وجہ جن میں حضرت عمر رضہ کے وضع فرمودہ خراج سے کمی زیادتی جائز ثابت ہوتی ہے یہ ہے کہ تمام امام حضرت عمر رضہ کے بعد امت مرحومہ کے لئے امین ہیں پس ممکن ہے کہ بہ نسبت حضرت عمر رضہ کے زمانہ کے بعد میں زمین کی روئیدگی اور قوت میں کمی یا زیادتی ہو گئی ہو اور ایک ہل کی زمین بقدر دس اردب کے اگا دے (اردب ۲۴ صاع کا پیمانہ ہوتا ہے جو مصر میں رائج ہے) تو زیادتی درست ہے اور جب گیہوں ایک ہل کی زمین تین اردب اگا دے تو حضرت عمر رضہ کے مقرر فرمودہ خراج سے کمی کر دینی درست ہے۔ پس خدا تعالیٰ تمام اماموں سے راضی رہے۔

دسواں مسئلہ امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر حاکم اسلام کفار کی کسی قوم سے اس شرط پر صلح کرے کہ اُن کی زمینیں

اُن کے پاس رہیں اور اُن پر جزیہ مقرر کر دے تو اُن کے اسلام لے آنے کے بعد وہ جزیہ ساقط ہو جائے گا۔ اسی طرح (اس صورت میں بھی) کہ اُن کی زمینیں کوئی مسلمان خرید لے حالانکہ امام ابو حنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ دونوں میں سے کسی صورت میں بھی جزیہ اُن لوگوں سے ساقط نہ ہوگا۔ پس پہلا قول کفار پر اسلام لے آنے کی صورت میں اُن سے جزیہ ساقط ہو جانے کی وجہ سے مخفف ہے اور دوسرے میں کچھ تشدید ہے اور دونوں قولوں میں سے ہر ایک کی ایک ایک صحیح وجہ ہے۔

(فائدہ) امام ابو حنیفہ رضہ اور امام مالک رضہ کا قول اور امام احمد رضہ کی دو روایتوں میں سے ایک یہ ہے جو اظہر ہے کہ مکہ معظمہ جبراً فتح کیا گیا ہے اور امام شافعی رضہ کا قول اور امام احمد رضہ سے دوسری روایت یہ ہے کہ وہ از روئے صلح کے فتح کیا گیا ہے اور کتاب (المنہاج) کی عبارت یہ ہے کہ "مکہ معظمہ جبراً فتح کیا گیا ہے لہذا اُس کے وہ مکانات اور اراضی جو آباد کی جائے مملوک ہو جائے گی کہ اُس کو بیچ ڈالنا درست ہوگا۔" (انتہیٰ) پس جس نے کہا کہ جبراً مفتوح ہوا ہے اُس نے اہل مکہ پر تشدید کی ہے اور جس نے صلح سے مفتوح ہونے کا قول کیا ہے اُس نے تخفیف کی ہے۔ واللہ اعلم۔

گیارھواں مسئلہ

امام مالک رضہ اور امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ دار الحرب کے کفار سے مقاتلہ کرنے میں مشرکین سے مدد نہ لی جائے اور اُن کے دشمنوں کے مقابلہ میں مدد دیجائے۔ اور امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر وہ مسلمانوں کے خادم ہوں تو استمداد اور امداد جائز ہے۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر اُن پر حکومت اسلام کا غلبہ ہو تو امداد اور استمداد جائز ہے اور اگر شرک کا غلبہ ہو تو مکروہ ہے۔ اسی طرح امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر دو شرطیں پائی جائیں تو ایسا کرنا جائز ہے۔ پہلی یہ کہ مسلمان قلیل اور کفار کثیر ہوں، دوسری یہ کہ مشرکین اسلام کے بارہ میں اچھی رائے دیتے ہوں۔ (بلکہ اسلام کی طرف مائل ہوں۔) امام موصوف کا قول یہ ہے کہ حاکم اگر اُن سے مدد لے تو اُن کو بطور رضخ (عطیہ) کے کچھ دیدے اور اُن کے واسطے کوئی حد مقرر نہیں۔ پس پہلے قول میں مسلمانوں پر تشدید ہے۔ اگر وہ مشرکوں سے مدد طلب کریں اور بشرطیکہ وہ مسلمانوں کے خدمتگار نہ ہوں اور دوسرا قول شرط مذکور کی وجہ سے مخفف ہے اور یہی گفتگو تیسرے قول میں ہے اور تمام اقوال کی توجیہات ظاہر ہیں اور تمام حاکم اسلام یا اُس کے نائب کی رائے پر موقوف ہیں۔

بارھواں مسئلہ

امام مالک رضہ اور امام شافعی رضہ اور امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ جن لوگوں پر دار الاسلام میں حدود کا قایم کرنا واجب ہو دار الحرب میں بھی اُن پر حدود قایم کی جائیں۔ پس ہر وہ فعل جس کے دار الاسلام میں ارتکاب سے مسلمان پر حد لازم ہوتی ہوگی اگر اُس کا ارتکاب دار الحرب میں کریگا تو بھی حد لازم ہوگی خواہ وہ منجملہ حقوق اللہ کے ہو یا حقوق العباد کے۔ پس جب کسی نے زنا یا چوری یا شراب خوری کی یا کسی کو تہمت لگائی تو اُس پر حد ماری جائے۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ ان تمام امور مذکورہ کی وجہ سے دار الحرب میں حد نہ قایم کی جائے جب کہ وہاں کوئی ایسا اسلامی حاکم موجود نہ ہو جو خود اُس پر حد قایم کر سکے۔ امام مالک رضہ اور امام شافعی نے فرمایا کہ اُس شخص سے دار الحرب میں اقامت حد کا مطالبہ نہ جائے گا تا وقتیکہ دار الاسلام کی طرف نہ لوٹے۔ اور امام ابو حنیفہ رضہ نے فرمایا کہ اگر دار الحرب میں کوئی ایسا حاکم موجود ہو جس کے ساتھ مسلمانوں کا لشکر بھی ہو تو وہ دار الاسلام کی طرف لوٹنے سے پہلے بھی حد قایم کر سکتا ہے اور اگر فوجی افسر ہو تو وہ دار الحرب میں حدود نہیں قایم کر سکتا۔ پھر اگر ایسا آدمی جو سزا وار حد ہو اگر دار الحرب سے دار الاسلام میں واپس آجاوے تو تمام حدود ساقط ہو جائیں گی سوا حد قتل کے کیونکہ اس کے بدلہ میں دیت دینی لازم ہوگی خواہ قتل قصدی ہو یا خطاءً۔

پس پہلا قول مسلمانوں پر شریعت ظاہرہ کی مدد اور اس کی مدد کو اس خوف پر مقدم کرنے کی وجہ سے جو لشکر کے قلوب متغیر ہو جانے سے اندیشہ کیا جاتا ہے مشدد ہے (کیونکہ تغیر قلوب سے عزم قتال کے ضعیف ہو جانے کا خوف ہے)۔ اور دوسرا قول لشکر اسلام پر دار الحرب میں حدود قائم کرنے کے بعد مخفف ہے مگر اس صورت میں کہ حاکم اسلام موجود ہو کیونکہ اسکا وجود اور لشکر کا اس سے ڈرنا ان کے قلوب کو قتال پر مستعد ہونے سے روک دیگا جب کہ حدود ان کے بعض بھائیوں پر قائم کر دی جائیں گی برخلاف اس صورت کے کہ لشکر اپنے افسر کے ساتھ میں ہو۔ جیسا کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ پس امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول کہ اس شخص پر جو افعال موجبہ حدود کا مرتکب ہو جائے حدود واجب ہو جاتی ہیں لیکن ان کا اجرا واجب ہوگا کہ جب وہ دار الاسلام کی طرف لوٹ آوے اس صورت پر محمول ہے کہ لشکر کے قلوب قتال سے ضعیف ہو جانے اور انکا حاکم کی اطاعت سے باہر ہو جانے کا اندیشہ ہو۔ لیکن جس وقت کہ وہ لوگ افسر کے دبدبہ سے خوف کرتے ہوں تو وہ خلیفہ اعظم کے مثل ہے۔ اور اس شخص کے قول کی وجہ جو کہتا ہے کہ دار الاسلام میں داخل ہو جانے کے بعد حد قتل کے سوا تمام حدود ساقط ہو جاتی ہیں جہاد کی ترغیب دینا اور ان کے قلوب میں اس بات کا راسخ کر دینا ہے کہ امیر لشکر نے اجرا حدود کو محض محبت کی وجہ سے ترک کیا ہے۔ لہذا وہ لوگ جہاد میں اس کے حکم سے باہر نہ ہونگے برخلاف اس صورت کے کہ اپنے حدود کو جاری کر دے کیونکہ بہت مرتبہ ان کے نفوس حاکم سے متنفر ہو جائیں گے اور کہیں گے کہ یہ حاکم ہم پر زبردستی کرتا ہے لہذا ہم اس کے ساتھ سفر نہ کرینگے حالانکہ وہ یہ نہیں سمجھیں گے کہ اجرا حدود میں ان کے لئے ہمیشہ کو مصلحت ہے۔ وجہ یہ کہ وہ لوگ اپنی نفسانی خواہشات پر حاکم شارع کی تقدیم کے وجوب کو نہیں سمجھتے اور نیز حقوق اللہ حدود سابقہ میں سوائے قتل کے نرمی پر مبنی ہیں۔ کیونکہ قتل میں غلبہ حق عبد کو ہے۔ لہذا اس کو ساقط نہ کیا جائے گا۔ اس لئے کہ اس کو ساقط کرنے میں قاتل پر دیت واجب کرنے کے فساد سے ایک اور بہت بڑے فساد کا اندیشہ ہے یہ وہ ہے جو ائمہ کے کلام کی توجیہ اسوقت میرے ذہن میں آئی ہے۔ واللہ اعلم۔

اکیسواں مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ جہاد میں کسیکو اپنا نائب بنا دینا صحیح نہیں خواہ مزدوری مقرر کیگئی ہو یا نہ بلکہ تبرع کے طور پر کوئی نائب ہو جائے اور خواہ نائب بنانے والے پر جہاد متعین ہو گیا ہو یا نہ۔ حالانکہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے کہ مزدوری کے ساتھ کسی کو اپنا نائب بنا دینا اس وقت صحیح ہے کہ نائب پر جہاد واجب نہ ہو مثلاً غلام یا باندی ہو۔ امام موصوف کا قول ہے کہ سرحد و نیز سپاہیوں کو حفاظت کی تنخواہیں دینی درست نہیں جیسا کہ لوگوں کا دستور ہے۔ پس پہلا قول مجاہدین پر اسوجہ سے مشدد ہے کہ انہیں خود جہاد میں جانا واجب ہے اور دوسرے قول میں انپر تخفیف ہے۔ پہلے قول کی وجہ اس سے ڈرنا ہے کہ بعض لوگ بعض پر بھروسہ کرکے جہاد سے بیٹھ رہیں گے تو اندیشہ ہے کہ پھر جہاد کے لئے کوئی بھی آمادہ نہ ہوگا جس سے کلمہ اسلام کے ضعیف ہو جانے کا قوی اندیشہ ہے کیونکہ کسل اور مجاہدہ و مقاتلہ سے بزدل ہونا نفس کا خاصہ ہے۔ وجہ یہ کہ اس میں خطرہ موت اور سخت زخموں کا اندیشہ ہوتا ہے۔

دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ قایم مقام بمنزلہ اصل کی ہے جسطرح اصل کو دین اسلام پر غیرت ہے اسیطرح نائب کو بھی۔ اور ممکن ہے کہ پہلے قول کو اس نائب پر محمول کیا جائے جو واقعی قایم مقام ہو اور دوسرے کو اس نائب پر جو صرف حمایت دین اسلام میں قایم مقام ہو جیسا کہ ہم توجیہ مذکور میں اشارہ کر چکے ہیں۔

بائیسواں مسئلہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے کہ اگر کسی فاتح نے قبل تقسیم غنیمت اسیروں میں سے کسی باندی سے ہمبستری کی تو اسپر حد لازم نہیں بلکہ صرف اسپر تعذیب ہوگی۔ اسی طرح اس فاتح سے بچہ اگر

پیدا ہو جائے گا تو نسب بھی نہ ثابت ہوگا بلکہ وہ بچہ غلام ہوگا اور ماں بیٹے دونوں کو مال غنیمت میں شامل کیا جائے گا حالانکہ امام مالک رحمہ کا قول یہ ہے کہ وہ شخص زانی ہے اس لئے اُسپر حد زنا واجب ہوگی۔ اسی طرح امام شافعی رحمہ اور امام احمد رحمہ کا قول یہ ہے کہ اُسپر حد واجب نہیں لیکن نسب ثابت ہو جائے گا اور بچہ آزاد ہوگا نہ غلام۔ بلکہ اُس شخص پر باندی کی قیمت اور مہر لازم ہوگا اور بقیہ غنیمت میں شمار کیا جائے گا۔ رہی یہ بات کہ وہ باندی اُم ولد شمار کیجائے گی یا نہیں سو امام احمد رحمہ نے فرمایا کہ ہاں ہو جائے گی) اور امام شافعی رحمہ کے دو قولوں میں سے صحیح یہ ہے کہ اُم ولد ہوگی پس پہلے قول میں حد واجب نہ ہونے کی وجہ سے ہمبستر ہونے والے پر تخفیف ہے اور نسب نہ ثابت ہونے کی وجہ سے اُسپر تشدید ہے نیز اس وجہ سے بھی کہ وہ بچہ غلام رہے گا جس کو غنیمت میں شمار کیا جائے گا اور دوسرا قول حد واجب ہونے کی وجہ سے مشدد ہے اور تیسرے قول میں اُسپر تخفیف ہے کیونکہ حد واجب نہیں۔ اور بچہ آزاد ہے اور نسب ثابت ہے لیکن اُس میں اس اعتبار سے تشدید ہے کہ اُسپر قیمت اور مہر لازم ہے۔ اور تمام اقوال کی وجوہ ظاہر ہیں ذہین پر پوشیدہ نہیں۔ اور امام احمد رحمہ کے اس قول کی وجہ کہ اُم ولد ہو جاتی ہے یہ ہے کہ نسب ثابت ہوگیا اور انکے قول کے مطابق حد واجب نہیں اور امام شافعی رحمہ کے اس قول کی وجہ کہ ام ولد نہیں بنتی۔ اگرچہ وہ بھی ثبوت نسب کے قائل ہیں اور اس کے کہ حد واجب نہیں احتیاط کا لحاظ کرنا ہے کیونکہ ہمبستر ہونے والے کا اس باندی میں جو کچھ حصہ ہے وہ بہ نسبت تمام فاتحین کے نہایت ہی قلیل ہے۔ یہ وہ توجیہ ہے جو مجھے اسی وقت ظاہر ہوئی ہے۔

تیئیسواں مسئلہ

امام ابو حنیفہ رحمہ اور امام مالک رحمہ کا قول اور امام شافعی رحمہ کی دو روایتوں میں سے ایک یہ ہے کہ ایک گروہ کشتی میں ہو اور اُس کے اندر آگ لگ جائے تو اگر اُن کو کسی صورت میں بھی امید نجات نہ ہو خواہ پانی میں گریں یا کشتی میں بیٹھے رہیں تو اُن کو اختیار ہوتا ہے خواہ صبر کر کے اسی جگہ بیٹھے رہیں یا اپنے آپ کو پانی میں گرا دیں۔ حالانکہ امام احمد رحمہ کا قول یہ ہے کہ اگر انہیں پانی میں گر کر امید نجات ہو تو گر جائیں اور اگر وہیں ٹھیرے رہنے میں امید نجات ہو تو دونوں باتیں برابر ہوں تو جو چاہیں کریں اور اگر ان کو اپنی ہلاکت کا یقین یا گمان غالب ہو تو دو روایتیں منقول ہیں جن میں سے اظہر پانی میں گر جانے کا ناجائز ہونا ہے۔ اور امام محمد بن حسن رحمہ کا قول اور امام مالک رحمہ سے ایک روایت یہی ہے۔ پس پہلا قول مفصل ہے۔ اسی طرح دوسرا اور تفصیل کی دو شقوں میں سے ایک مشدد ہے اور دوسری مخفف۔ پس اس کو خوب سوچ لو۔

چوبیسواں مسئلہ

امام مالک رحمہ کا قول یہ ہے کہ امراء لشکر کے ہدیئے غنیمت میں شمار ہونگے لہذا اُن کے اندر پانچواں حصہ واجب ہوگا اور وہ ہدیئے بالخصوص اُن ہی کے نہ ہونگے۔ امام موصوف نے فرمایا کہ اسی طرح اگر مسلمان امراء میں سے کسی امیر کے پاس ہدیہ بھیجا جائے تو وہ بھی غنیمت میں شمار کیا جائے گا۔) کیونکہ یہ ہدیہ خوف کی وجہ سے بھیجا گیا ہوگا۔ پس اگر دشمن نے کسی ایسے مسلمان کی طرف ہدیہ بھیجا جو امیر نہ تھا تو اسکو لے لینے میں کوئی مضائقہ نہیں اور وہ بالخصوص اُسی کا ہوگا۔ کسی اور لشکری کا نہ ہوگا۔ اور امام محمد بن حسن نے امام ابو حنیفہ رحمہ سے یہی روایت کی ہے۔ اور امام ابو یوسف رحمہ نے فرمایا کہ اگر شاہ روم امیر لشکر کے پاس دار الحرب میں ہدیہ بھیجے تو وہ بالخصوص اُسی کا ہے۔ اسی طرح جو کچھ قاصد کو دیا جائے۔ اور امام ابو حنیفہ رحمہ کا اس میں کوئی خلاف نقل نہیں کیا۔ اور امام شافعی کا قول یہ ہے کہ اگر حاکم کی طرف کوئی ہدیہ بھیجا جائے تو اگر وہ کسی ایسے امر کی وجہ سے بھیجا ہے جسکو بھیجنے والے نے حاکم سے پایا خواہ وہ امر حق تھا یا امر باطل تو حاکم کو اُس کا لینا حرام ہے۔ کیونکہ امر حق کے اجرا پر مزدوری لینی اُس کو درست نہیں جبکہ خدا تعالیٰ نے امر حق کا اجراء اُسپر لازم فرمایا

رہا امر باطل پر اُجرت لینا سو وہ بھی حرام ہے جسطرح خود امر باطل حرام ہے۔ پس اگر کسی اور وجہ سے کسی اور شخص نے اُس کی طرف ہدیہ بھیجا مثلاً بطور شکریہ یا تفضّل کے تو بھی اُسکو قبول نہ کرنا چاہیئے اور اگر قبول کر لیا تو وہ صدقات میں شمار ہوگا اور میرے نزدیک اُس کو سوا اس کے اور کسی امر کی گنجائش نہیں مگر اُس صورت میں کہ بقدر وسعت اُس کا بدلہ دیدے (کہ پھر وہ صدقات میں شمار نہ ہوگا) اور اگر کسی ایسے شخص نے جو حاکم کی رعیت میں نہ تھا اور حاکم کے اُس شہر کا باشندہ تھا جہاں اُس کی حکومت ہے حاکم کے احسان کے شکریہ میں کوئی شے ہدیۃً دی تو اُس کا قبول کرنا مستحب ہے (اور پھر قبول کر کے) اہل ملک کو دیدے (اور اگر قبول نہ کرے) تو چھوڑ دے اور امر خیر پر بدلہ نہ لے اور اگر اُس کو لے کر اپنا مال بنا لیا تو حرام نہیں اور امام احمد رضہ کی دو روایتوں میں سے ایک یہ ہے کہ جس کی طرف ہدیہ کیا گیا ہو وہی اُس کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ وہ مال غنیمت ہوگا اور اُس کے اندر پانچواں حصہ ضروری ہے اور دوسری روایت یہ ہے کہ حاکم مخصوص ہے۔ پس امام مالک رضہ کا قول بوجہ تفصیل کے امر پر مشدد ہے۔ اسی طرح وہ روایت جو امام محمد بن حسن رضہ نے امام ابوحنیفہ رضہ سے روایت کی ہے اور امام ابو یوسف کا قول حاکم پر مخفف ہے اور امام شافعی رضہ کے قول کی دو شقوں میں سے ایک کے اندر تشدید اور دوسری میں تخفیف ہے اور امام احمد رضہ کی پہلی روایت قول امام مالک کے موافق ہے اور دوسری روایت کی وجہ کہ ہدیہ بالخصوص حاکم کا ہوگا یہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی شے کا کسی وقت حاکم کے لئے ہدیہ کرتا ہے تو اکثر اسی نیت سے کرتا ہے (کہ یہ بالخصوص حاکم کا ہے)

پچیسواں ۲۵ مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ جو شخص مال غنیمت کو محفوظ کرنے سے پہلے اُس میں سے چوری کرے تو اگر اُس کا مال غنیمت میں حق ہو تو اُس کے کجاوہ میں آگ نہ لگائی جائے اور نہ اُس کو حصہ سے محروم رکھا جاوے۔ حالانکہ امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ اُس کا وہ کجاوہ جو اُس کے ہمراہ ہے سوا قرآن شریف کے سب جلا دیا جاوے اور وہ جانور جن میں جان ہو اور وہ اشیا جو قتال کے سامان کی ہوں مثلاً ہتھیار نہ جلائے جائیں یہ امام موصوف سے ایک روایت ہے۔ رہا اُس کو اپنے حصہ سے محروم کرنا سو اس میں دونوں روایتیں ہیں پس پہلے قول میں چوری کرنے والے پر تخفیف اور دوسرے میں تفصیل ہے جس کے ضمن میں تشدید ہے اور ہو سکتا ہے کہ پہلے قول کو اس صورت پر محمول کیا جائے کہ اُس کو چوری کی وجہ سے آیندہ چوری کرنے کی جرأت نہ ہوگئی ہو تا کہ زجر و توبیخ کے لئے کجاوہ جلانے کی ضرورت پڑتی

چھبیسواں ۲۶ مسئلہ امام ابوحنیفہ رضہ اور امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ مال فئے (وہ مال ہوتا ہے جو مشرکوں سے بلا قتال لیا جاوے مثلاً جزیہ جو اُن پر مقرر ہوتا ہے اور مثل زمین کے کرایہ کے جو بطریق خراج لیا جاتا ہے اور مثل اُس مال کے جو وہ گھبراہٹ میں چھوڑ کر بھاگ گئے ہوں اور مثل مال مرتد کے جو ارتداد میں قتل کیا گیا ہو اور مثل اُس کافر کے مال کے جسکو وہ چھوڑ کر مر گیا ہو اور وارث کوئی نہ ہو اور مثل اُس دسویں حصہ کے جو اُن سے لیا جاتا ہے یا وہ جس پر اُن سے صلح کی گئی ہو) تمام مسلمانوں کا حق ہوتا ہے پس اُسکا پانچواں حصہ نہ نکالا جائے گا بلکہ وہ تمام مصالح مسلمین میں صرف ہوگا۔ حالانکہ امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ تمام اموال فئے میں پہلے حاکم اپنی حاجت کی بقدر لے لے پھر اُسکو مسلمانوں کے مصالح میں صرف کرے۔ اسی طرح امام شافعی رضہ کا قول ہے کہ اُسکے پانچ حصے کئے جائیں گے اور یہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی کہ آپ کی وفات کے بعد اُس کا کیا کیا جائے اس میں دو قول ہیں ایک یہ کہ مصالح مسلمین میں صرف کیا جائے۔

قول جدید اس کے اندر دو قول ہیں۔ قول جدید یہ کہ مجاہدین و مقاتلین کے کام میں لایا جائے اور جس میں سے خمس نکالا جائے
یہ ہے کہ تمام کے پانچ حصے کئے جائیں اور یہی امام احمد رضہ سے مروی ہے اور قول قدیم یہ ہے کہ صرف اسیقدر مال کو
خمس کئے جائیں جو وہ گھبراہٹ کی وجہ سے چھوڑ کر بھاگ جائیں۔ پس پہلے قول میں حاکم پر اس وجہ سے تشدید
ہے وہ اپنے واسطے اموال مذکورہ میں سے کچھ نہیں لے سکتا بلکہ تمام مسلمانوں کے کام میں لا دے۔ اور امام
رضہ کے قول میں خلیفہ اسلام پر اس وجہ سے تخفیف ہے کہ وہ اپنے واسطے بھی اس میں سے لے سکتا ہے اور
شافعی رضہ کا قول اور اسکے بعد والا واضح ہے۔ والحمد للہ رب العالمین۔

باب جزیہ کے بیان میں

مسائل اجماعیہ

ائمہ کا اسپر اتفاق ہے کہ اہل کتاب پر جزیہ مقرر کیا جائے جو یہود اور نصاری ہیں اسیطرح آتش پرستوں پر بھی
مقرر کیا جائے) پس بت پرستوں سے جزیہ ہرگز نہ قبول کیا جائے۔ اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ اہل کتاب کی عورتوں پر
جزیہ مقرر نہ کیا جائے اور نہ ان کے بچوں پر جب تک بالغ نہ ہو جائیں اور نہ ان کے غلاموں پر اور نہ مجنونوں اور
اندھے اور بوڑھے پر اور نہ گرجاؤں اور حجروں میں رہنے والوں پر یہی قول ابن ہبیرہ کا ہے۔ اور امام شافعی
اور امام نووی رحمۃ اس کے اندر امام شافعی رضہ کا خلاف نقل کیا ہے اور کتاب (المنہاج) میں امام نووی کی
عبارت یہ ہے کہ "اور مذہب یہ ہے کہ لنجے اور بوڑھے پھونس اور اندھے اور راہب اور مزدور پر جزیہ کے واجب ہونے
ہے" اور امام رافعی رحمۃ نے فرمایا کہ جزیہ بمنزلہ مکان کے کرایہ کے ہے لہذا اس کے اندر معذور اور غیر معذور
سب برابر ہیں اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ مشرکہ عورت اگر (دار الحرب سے) بلاد اسلام کی طرف ہجرت کر آوے
حالانکہ خلیفہ اسلام پہلے یہ شرط تسلیم کر چکا تھا کہ جو شخص کفار میں سے مسلمان ہو کر ہماری طرف آجائے گا ہم اسے واپس
دیں گے تو واپس نہ کیجائے گی۔ اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ دار الاسلام کے شہروں میں یہود و نصاری کے جدید
عبادت خانے نہ بنانے دے جائیں۔ یہانتک مسائل اجماعیہ ختم ہوئے۔

مسائل اختلافیہ

پہلا مسئلہ تینوں اماموں کا قول اور امام شافعی رضہ کے دو قولوں میں سے ایک قول یہ ہے کہ آتش پرست
(مجوس) اہل کتاب نہیں ہیں۔ حالانکہ امام شافعی رضہ کا دوسرا قول یہ ہے کہ وہ اہل کتاب ہیں
پس پہلا قول مجوس پر اس وجہ سے مشدد ہے کہ انکا احترام نہیں کیا گیا اور نہ ان سے نکاح کرنا جائز ہے۔ رہا دوسرا
قول سو اسپر مخفف ہے۔
پہلے قول کی وجہ اس کے اندر مسلمانوں کے واسطے احتیاط کا لحاظ کرنا ہے کہ ان سے نکاح کریں اور نہ انکا ذبیحہ کھاویں

جب تک یہ نہ ثابت ہو جائے کہ اُن کے پاس کوئی آسمانی کتاب ہے اور ہمارے نزدیک یہ ثابت نہیں۔
اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے پاس کوئی صحیح دلیل اُن کے اہل کتاب نہ ہونے کی نہیں لہذا جب تک یہ ا
پایۂ ثبوت کو نہ پہونچ جائے اُن سے کسی حال یا حکم میں تعلق نہ کرنا تقوے کی بات ہے۔

دوسرا مسئلہ امام ابو حنیفہ رض کا قول یہ ہے کہ جس کے پاس نہ کتاب ہو اور نہ مشابہ کتاب جسطرح عجم کے بت
پرست تو اُن سے جزیہ لیا جاوے نہ عرب کے بت پرستوں سے۔ حالانکہ امام مالک رض کا قول یہ
کہ ہر کافر سے لیا جاوے خواہ وہ عرب کا ہو یا عجم کا ماسوا مشرکین قریش کے کہ بالخصوص اُن سے نہ لیا جائے
امام شافعی رض کا قول اور احمد رض کی دو روایتوں میں سے اظہر یہ ہے کہ کسی بت پرست سے جزیہ نہ لیا جاوے
تمام اقوال کی وجوہ ظاہر ہیں

تیسرا مسئلہ امام ابو حنیفہ رض کا قول اور امام احمد رض کی دو روایتوں میں سے ایک یہ ہے کہ جزیہ کی کمی
اور زیادتی دونوں مقداریں معین ہیں پس اُس فقیر پر جو مزدوری وغیرہ کر سکتا ہو بارہ د
ہیں اور متوسط الحال پر چوبیس درہم ہیں اور مالدار پر اڑتالیس درہم۔ اور امام احمد رض سے دوسری روایت یہ
کہ اُسکا اندازہ معین نہیں بلکہ وہ حاکم کی رائے پر موقوف ہے۔ اور امام موصوف سے تیسری روایت یہ ہے
کمی کی مقدار تو معین ہے زیادتی کی نہیں۔ اور امام موصوف سے چوتھی روایت یہ ہے کہ بالخصوص اہل یمن پر ایک
دینار کا اندازہ معین ہے نہ اُن کے سوا پر۔ اُس حدیث پر عمل کرنے کی وجہ سے جو اس بارہ میں وارد ہوئی ہے
امام مالک رض کا مشہور قول یہ ہے کہ مالدار اور فقیر سب پر چار دینار یا چالیس درہم کا اندازہ معین ہے کمی کا
کچھ نہیں اور امام شافعی رض کا قول یہ ہے کہ ایک دینار معین ہے خواہ مالدار ہو یا فقیر یا متوسط الحال۔ اور تمام
اقوال کی وجوہ ظاہر ہیں کیونکہ ہر امام کا اجتہاد اپنے شہر والوں کے حالات دیکھنے پر مبنی ہے۔

چوتھا مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ اگر اہل جزیہ میں سے کوئی فقیر بے کسب اور بے معاش ہو جائے اور
اُس کے پاس کچھ نہ ہو تو اُس سے جزیہ نہ لیا جائے۔ حالانکہ امام شافعی رض کے اقوال مختلف
ہے ایک قول یہ ہے کہ اُس شخص کو جو کوئی کسب نہ کرتا ہو اور ادا جزیہ کی قدرت رکھتا ہو بلاد اسلام سے خارج کر
جائے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ نہ خارج کیا جائے بلکہ برقرار رکھا جائے پھر اس صورت میں امام موصوف کے ایک قول
کے موافق اُس سے کچھ نہ لیا جائے اور دوسرے قول کے موافق اُس کے ذمہ جزیہ واجب ہوگا۔ اور جب وہ مالدار
ہو جائے گا تو اُس سے مطالبہ کیا جائے گا۔ اور تیسرے قول کے موافق جب اُسپر ایک سال گذر جائے اور جزیہ ادا
نہ کرے تو دار الحرب میں روانہ کر دیا جائے۔ پس پہلا قول ذمی فقیر پر مخفف ہے اور دوسرے میں اُسپر تشدید ہے
اسی طرح اُس کے بعد والے میں اور ہر قول کی ایک ایک وجہ ہے۔

پانچواں مسئلہ امام ابو حنیفہ رض اور امام احمد رض کا قول یہ ہے کہ اگر ذمی پر جزیہ واجب ہو اور وہ مرجائے
تو وہ مرنے کی وجہ سے ساقط ہو جاتا ہے۔ حالانکہ امام مالک رض اور امام شافعی رض کا قول یہ ہے
کہ ساقط نہیں ہوتا۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔
پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ جزیہ ذمی پر اس لئے واجب تھا تاکہ وہ کمزور رہے اور اس مال کی وجہ سے ہم سے لڑنے پر قوت
اور قوت نہ پا جائے اور یہ امر اُسکے مرجانے سے زائل ہو گیا۔
دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ اُسکے ورثا پس ماندہ مال کے ساتھ قوی ہو جانے میں ذمی فوت شدہ کے قائمقام

گویا کہ وہ مرا ہی نہیں۔

ٹا مسئلہ امام ابو حنیفہ رض کا قول یہ ہے کہ ذمی پر شروع سال ہی میں جزیہ واجب ہو جاتا ہے اور جب جزیہ اُسپر مقرر کر دیا جائے تو اُسکے بعد ہی سے مطالبہ صحیح ہوتا ہے۔ حالانکہ امام شافعی رض اور امام احمد رض کا قول اور امام مالک رض کا مشہور قول یہ ہے کہ سال کے اخیر میں واجب ہوتا ہے اور جب تک سال پورا نہ گذر جائے اُس وقت تک مطالبہ کا حق نہیں ہوتا اور اگر وہ درمیان سال میں مر جائے تو امام ابو حنیفہ رض اور امام احمد رض کا قول یہ ہے کہ جزیہ ساقط ہو جاتا ہے۔ اور امام مالک رض اور امام شافعی رض کا قول یہ ہے کہ سال میں جتنے دن گذر چکے ہیں حساب کر کے اُنکا جزیہ اُس کے مال متروکہ میں سے لے لیا جائے گا پس قول میں ذمی پر تشدید اور دوسرے میں اُسپر تخفیف ہے۔ اور موت کے مسئلہ میں سے پہلا قول مخفف اور دوسرا کچھ تشدید ہے اور ان تمام اقوال کی وجوہ ظاہر ہیں۔

ساتواں مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ جب کسی ذمی پر جزیہ واجب ہو چکا تھا اور پھر اُس نے ادا نہ کیا یہانتک کہ وہ مسلمان ہو گیا تو مسلمان ہو جانے کی وجہ سے جزیہ اُس سے ساقط ہو جائے گا یہی حکم اُس صورت میں ہے کہ چند سال ادا جزیہ کے بغیر گذر جائیں اور پھر قبل ادائگی وہ مسلمان ہو جائے۔ حالانکہ امام شافعی رض کا قول یہ ہے کہ ایک سال گذر جانے کے بعد مسلمان ہونا جزیہ کو ساقط نہیں کرتا کیونکہ جزیہ دار الاسلام میں جگہ دینے کا کرایہ ہے اور اگر ابھی تک پہلے سال کا جزیہ ادا نہیں کیا تھا کہ دوسرا سال آگیا تو امام ابو حنیفہ رض کا قول یہ ہے کہ تداخل کیوجہ سے پہلے سال کا جزیہ ساقط ہو گیا۔ حالانکہ امام شافعی رض اور امام احمد رض کا قول یہ ہے کہ ساقط نہیں ہوگا۔ بلکہ دو سال کا جزیہ واجب ہوگا پس پہلے مسئلہ میں پہلا قول مخفف ہے اور دوسرے میں تشدید ہے اور مسئلہ تداخل میں بھی یہی گفتگو ہے اور ان سب کی توجیہات ظاہر ہیں۔

ٹھواں مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے مشرکین سے جب کوئی معاہدہ کیا جائے تو اس کو پورا کرنا چاہئے حالانکہ امام ابو حنیفہ رض کا قول یہ ہے کہ اس کے اندر بقاء مصلحت شرط ہے پس جب مصلحت فسخ عہد کو تقاضا کرے تو اُن کا عہد توڑ دیا جائے گا۔ پس پہلے قول میں ہم پر تشدید ہے۔ اور دوسرا مفصل ہے اور ہو سکتا ہے کہ پہلے قول کو بقاء مصلحت پر محمول کیا جائے تو پھر یہ مسئلہ مسائل اجماعیہ میں سے ہو جائے گا۔

نواں مسئلہ امام ابو حنیفہ رض کا قول یہ ہے کہ اگر کوئی حربی بلاد اسلام میں مال لے کر گذرے تو اُس سے دسواں حصہ نہ لیا جاوے مگر اس صورت میں کہ وہ بھی ہم لیتے ہوں۔ حالانکہ امام مالک رض اور امام احمد رض کا قول یہ ہے کہ اُن سے دسواں حصہ لیا جاوے۔ امام مالک نے فرمایا کہ یہ جب ہے کہ حربی دار الاسلام میں امن لیکر داخل ہوا ہو اور دسویں حصہ سے زیادہ کی شرط نہ قرار پائی ہو اور اگر داخل ہونے کے وقت دسویں حصہ سے زیادہ کی شرط قرار پا گئی ہو تو اُسی قدر لیا جائے گا۔ اسی طرح امام شافعی رض کا قول یہ ہے کہ اگر دسواں حصہ لینا شرط ہو چکا ہو تو لیا جاوے ورنہ نہیں اور امام موصوف کے بعض اصحاب وہ ہیں جنہوں نے بلا شرط ٹھیرائے بھی دسواں حصہ لینے کا قول کیا ہے۔ پس پہلا اور تیسرا قول مفصل ہے اور دوسرا مشدد اسی طرح اصحاب امام شافعی رض کا قول بھی مشدد ہے اور یہ تمام حاکم اسلام کی رائے پر موقوف ہے۔

دسواں مسئلہ امام مالک رض کا قول یہ ہے کہ ذمی اگر ایک شہر سے (مال لے کر) دوسرے شہر میں تجارت کرتا ہو تو جتنی مرتبہ مال لے جائے (اتنی ہی مرتبہ) اُس سے دسواں حصہ لیا جائے اگرچہ ایک سال

میں چند مرتبہ بے جائے۔ اور امام شافعی رحمہ نے فرمایا ہے کہ جو کچھ شرط قرار پا جائے (اُس کے موافق کیا جائے) اور ا
ابو حنیفہ رحمہ اور امام احمد رحمہ کا قول یہ ہے کہ ذمی سے بیسواں حصہ لیا جائے اور امام ابو حنیفہ رحمہ اور امام احمد
نے اس کے اندر نصاب کا اعتبار کیا ہے۔ پس امام ابو حنیفہ رحمہ کا قول یہ ہے کہ اُس کا نصاب مسلمان کے نصاب کے
برابر ہے۔ اور امام احمد رحمہ نے فرمایا ہے کہ حربی کے لئے نصاب پانچ دینار ہیں اور ذمی کے لئے دس۔ پس اصل
مسئلہ کے پہلے قول میں ذمی پر تشدید ہے اور دوسرا قول مفصل اور تیسرا بیسویں حصہ کی وجہ سے مخفف ہے۔ اور
امام ابو حنیفہ رحمہ کا قول نصاب کے بارہ میں مخفف ہے اور امام احمد رحمہ کے قول میں حربی پر تشدید اور ذمی پر تخفیف
ہے۔ اور ان تمام اقوال کی توجیہات صاحب قول کا اجتہاد ہے۔

گیارھواں مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ اگر ذمی جزیہ دینے سے انکار کر دے اور احکام اسلام کے اپنے
اوپر جاری کرنے سے رُکے باوجود دیکہ ہمارے حاکم نے اُن کے اجرا کا اُس پر حکم کر دیا ہو تو اُس کا
معاہدہ جو ہم سے ہے وہ باطل ہو جائے گا۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رحمہ کا قول یہ ہے کہ صرف اِس سے معاہدہ نہ ٹوٹے گا
جب تک کہ اُن کے پاس فوج نہ ہو اور وہ ہم سے لڑائی لڑ کے دار الحرب میں نہ جا ملیں۔ پس پہلے قول میں تشدید ا
دوسرے میں تفصیل مذکور کی وجہ سے تخفیف ہے۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ مقصد شارع ؑ کا ان کو دار الاسلام میں جزیہ لیکر رکھنے سے اُن کو ذلیل کرنا ہے اور جب
وہ اپنے اوپر احکام اسلام جاری کرنے سے رُکے تو گویا اُنہوں نے کلمۂ کفر کو غالب کر دیا اور خلیفہ اسلام کی طاعت
سے باہر ہو گئے اور دوسرے قول کی وجہ ظاہر ہے اور وہ حاکم اسلام کی رائے پر موقوف ہے۔

بارھواں مسئلہ امام ابو حنیفہ رحمہ کا قول یہ ہے کہ اہل ذمہ کا معاہدہ اُس فعل کے ارتکاب سے نہیں ٹوٹتا جس کا ترک
کرنا یا اُس سے باز رہنا اُن پر واجب ہوا اور وہ منجملہ اُن اُمور کے ہو جن میں مسلمانوں کی جان یا
مال کا ضرر ہو اور وہ آٹھ اشیاء ہیں جن کا ذکر عنقریب کلام امام ابن القاسم میں آجائے گا۔ مگر وہ صورت مستثنیٰ ہے
کہ شہر کیں (اہل ذمہ) کی فوج ہو جس کی مدد سے کسی مقام پر غالب ہو گئے ہوں اور ہم سے محاربہ اور مقاتلہ کرنے لگیں یا
دار الحرب میں جا ملے ہوں۔ حالانکہ امام شافعی رحمہ کا قول یہ ہے کہ ذمی جب مسلمانوں سے مقابلہ کرنے لگے تو اُس کا معاہدہ ٹوٹ
جاتا ہے خواہ عقد جزیہ کے وقت ترک مقاتلہ شرط ٹھیرا ہو یا نہ۔ اور اگر مقاتلہ کے سوا کوئی اور کام کیا تو اُس میں تفصیل
ہے (وہ یہ کہ) اگر انعقاد جزیہ کے وقت اُس فعل سے باز رہنا شرط ہو چکا تھا تو معاہدہ نہ ٹوٹے گا اور اگر شرط ہو چکی
تھا تو امام موصوف کا اصح مذہب یہ ہے کہ معاہدہ ٹوٹ جائے گا اسی طرح امام مالک رحمہ کا قول یہ ہے کہ اگر ذمی
مسلمان عورت سے زنا یا نکاح کرلے تو معاہدہ نہ ٹوٹے گا اور اس کے سوا اور افعال سے ماسوا رہزنی کے ٹوٹ
جائے گا۔ اور اصحاب امام موصوف میں سے امام ابن القاسم کا قول یہ ہے کہ ان آٹھ امور کے ارتکاب سے معاہدہ
ٹوٹ جاتا ہے ایک یہ کہ وہ لوگ مسلمانوں سے مقاتلہ کرنے پر جمع ہوں، دوم یہ کہ اُن میں کا کوئی مسلمان عورت سے
زنا کرے، سوم یہ کہ اُن میں سے کوئی مسلمان عورت سے نکاح کا بہانہ کر کے ہمبستر ہو، چہارم یہ کہ کسی مسلمان کو اُس کے
مذہب سے بہکلا دے، پنجم یہ کہ کسی مسلمان کی رہزنی کرے، ششم یہ کہ مشرکین کی طرف سے جاسوسی کا کام کرے، ہفتم یہ
مسلمانوں پر مشرکوں کی اعانت کرے (مثلاً) اس طرح کہ مشرکوں کو مسلمانوں کی خبریں پہونچا دے، ہشتم یہ کہ کسی مسلمان
مرد، یا عورت کو قصداً قتل کر دے۔ اور یہ آٹھ اُمور وہی ہیں جن کے ارتکاب سے امام ابو حنیفہ رحمہ کے نزدیک
معاہدہ نہیں ٹوٹتا جیسا کہ اس طرف پہلے اشارہ گذر چکا ہے اور امام ابن القاسم کے نزدیک ان کی کوئی تفریق نہیں کہ ان

اُمور کے ترک کی وقت عقد شرط قرار پاچکی ہو یا نہیں۔ پس پہلا قول شرط مذکور کی وجہ سے مخفف اور دوسرے میں شرط مذکور نہ ہونے کی وجہ تشدید ہے۔ اور تیسرے میں ایک اعتبار سے تخفیف اور ایک اعتبار سے تشدید ہے۔ اور چوتھا قول آٹھوں اُمور مذکورہ سے معاہدہ ٹوٹ جانے کی وجہ سے مشدد ہے۔ اور تمام اقوال کی وجوہ ظاہر ہیں۔

تیرھواں مسئلہ امام احمد رحمہ کا قول یہ ہے کہ اگر ذمی نے کوئی ایسا کام کیا جس میں اسلام کی سُبکی یا ہتک ہو تو اُس کا معاہدہ ٹوٹ جائے گا اور وہ چار اُمور یہ ہیں۔ اول خدا تعالیٰ کا ایسے الفاظ سے ذکر کرنا جو اُس کی بزرگی کے خلاف ہوں، دوم قرآن مجید کا الفاظ ناشائستہ کے ساتھ ذکر کرنا، سوم دین اسلام کو بُرے الفاظ سے تعبیر کرنا، چہارم رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو غیر مناسب اوصاف کے ساتھ یاد کرنا (ہر حالت میں ٹوٹ جائے گا) خواہ عقد جزیہ کے وقت اُن کے ترک کی شرط ٹھیرائی ہو یا نہ۔ حالانکہ امام مالک رحمہ کا قول یہ ہے کہ اگر خدا تعالیٰ یا اُس کے رسول صلعم یا اُس کے پاک دین یا اُس کے کلام مجید کی شان میں ایسے بُرے الفاظ استعمال کیے جن سے کفر لازم نہ آتا ہو تو انکا معاہدہ ٹوٹ جائے گا۔ خواہ پہلے سے شرط ٹھیر چکی ہو یا نہ۔ اسی طرح امام شافعی رحمہ کے اکثر اصحاب کا قول یہ ہے کہ اس کا حکم اُن ساتوں افعال مذکورہ کا ہے جن سے مسلمانوں کو ضرر پہنچتا ہو۔ اور وہ حکم یہ ہے کہ اگر عہد کے انعقاد کے وقت اُن کے ترک کی شرط ٹھیر چکی تھی تو اُن اُمور مذکورہ میں سے کسی امر کے ارتکاب کی وجہ سے معاہدہ نہ ٹوٹے گا۔ اور اگر شرط ٹھیر چکی تھی تو اُس میں دونوں قول ہیں۔ اور ابو اسحاق مروزی کا قول یہ ہے کہ انکا حکم پہلے تین افعال مذکورہ کا سا ہے (وہ تین امر یہ ہیں) اول جزیہ سے باز رہنا، دوسرا احکام اسلام کے اجراء سے رُکنا، تیسرا مسلمانوں سے لڑنے پر جمع ہونا۔ اسی طرح امام ابو حنیفہ رحمہ کا قول یہ ہے کہ ان میں کسی فعل کیوجہ سے معاہدہ نہیں ٹوٹتا صرف اُس صورت میں ٹوٹتا ہے کہ اُن کے پاس فوج ہو جسکے ذریعہ ہم سے مقابلہ پر قادر ہوں اور دار الحرب میں جاملیں۔ پس پہلا قول مشدد ہے۔ اسی طرح دوسرا اور تیسرا اور چوتھا، رہا پانچواں سو وہ مخفف ہے۔ اور پانچوں اقوال کی وجوہ ظاہر ہیں سمجھدار سے مخفی نہیں۔

چودھواں مسئلہ امام ابو حنیفہ رحمہ کا قول یہ ہے کہ اہل ذمہ میں سے جسکا معاہدہ ٹوٹ جائے اُس کو جب موقعہ ملے تو قتل کر دینا مباح ہے۔ حالانکہ امام مالک رحمہ کا مشہور قول یہ ہے کہ اُسے قتل کر دیا جائے اور اُس کے حرم کو قید کر دیا جائے جیسا کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے ابن ابی حقیق کے ساتھ کیا تھا اسی طرح امام شافعی رحمہ کے دو قولوں میں سے قول اظہر یہ ہے کہ حاکم کو اختیار ہے خواہ اُسے غلام بنالے یا قتل کرے اور پھر اسکو امن نہ دیجائے۔ پس پہلے قول میں کچھ تشدید ہے اور دوسرا مشدد اور تیسرے میں اختیار مذکور کی وجہ سے ایک قسم کی تخفیف ہے۔

پندرھواں مسئلہ امام ابو حنیفہ رحمہ کا قول یہ ہے کہ کافر کو حرم شریف میں داخل ہونا اور اُس کے اندر بطور مسافرت کے مقیم ہونا جائز ہے لیکن وہاں وطن نہیں بنا سکتا۔ حالانکہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ اُس کو حرم شریف میں داخل ہونے سے منع کیا جائے گا اور امام ابو حنیفہ رحمہ کے نزدیک ایک کافر کو کعبہ کے اندر داخل ہونا درست ہے۔ پس پہلا قول شرط مذکور کی وجہ سے مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔

سولھواں مسئلہ امام ابو حنیفہ رحمہ کا قول یہ ہے کہ حربی اور ذمی کافر کو حجاز میں وطن بنانے سے منع نہ کیا جائیگا اور حجاز مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ اور اُن کے اطراف واکناف ہیں۔ حالانکہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ منع کیا جائے گا۔ الا اس صورت میں کہ وہ کافر سوداگر ہو یا حاکم اسلام نے اجازت دیدی ہو اور

تین دن سے زیادہ نہیں ٹھیر سکتا اور مسجد حرام مکہ کے ماسوا اور مساجد کے اندر امام ابوحنیفہ رحمہ کا قول یہ ہے کہ مشرکین کو اُن میں بلا اجازت داخل ہونا درست ہے۔ اور امام شافعی رحمہ کا قول یہ ہے کہ جب تک مسلمان اجازت نہ دیں اُس وقت تک جائز نہیں۔ اور امام مالک رحمہ اور امام احمد رحمہ کا قول یہ ہے کہ مشرکوں کو کسی صورت میں مساجد کے اندر داخل ہونا درست نہیں۔ پس پہلے مسئلہ میں پہلا قول اور وہ حجاز کو طن بنانا ہے مخفف ہے اور دوسرا قول استثنا مذکور کی وجہ سے مشدد اور دوسرے مسئلہ میں پہلا قول مخفف ہے اور دوسرے میں کچھ تشدید اور تیسرا بالکل مشدد ہے۔ پس تمام امام مخفف اور مشدد کے درمیان درمیان ہیں۔ اور ہو سکتا ہے کہ مخفف اُس کافر پر محمول کیا جائے جس سے یہ اُمید ہو کہ شاید داخل ہونے سے مسلمان ہو جائے اور مشدد کو اُس پر جس سے یہ اُمید نہ ہو۔

سترھواں مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ اُن شہروں میں جو دارالاسلام میں داخل ہوں کوئی جدید عبادتخانہ یہود و نصاریٰ کا بنانا جائز نہیں۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رحمہ کا قول یہ ہے کہ وہ گاؤں جو شہر سے نزدیک ہو (مثلاً) بقدر ایک میل کے یا اس سے بھی کم تو اُس میں بھی نیا عبادت خانہ بنانا درست نہیں۔ اور اگر بقدر ایک میل سے) زیادہ بعید ہو تو جائز ہے۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مفصل ہے اور دونوں قولوں کی وجہ ظاہر ہے۔

اٹھارھواں مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ اگر دارالاسلام میں کسی گرجا وغیرہ کی عمارت میں کا کوئی حصہ گر گیا تو اُس کا درست کرنا درست ہے۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رحمہ نے یہ شرط ٹھیرائی ہے کہ اگر وہ عبادت خانہ ایسی زمین میں واقع ہے جو صلح سے فتح ہوئی ہے تو (درست ہے) اور اگر جبراً فتح ہوئی ہو تو جائز نہیں۔ اسی طرح امام احمد رحمہ کی متعدد روایات میں سے اظہر روایت جسکو امام موصوف کے بعض اصحاب اور علماء شافعیہ کی ایک جماعت نے پسند کیا ہے جسطرح ابوسعید اصطخری اور ابو علی رحمہ اور ابن ابوہبیرہ کا قول یہ ہے کہ نہ ٹوٹے ہوئے اور گرے کو درست کرنا صحیح ہے اور نہ نیا گرجا وغیرہ بنانا۔ اسی طرح امام احمد رحمہ کی دوسری روایت یہ ہے کہ تھوڑا سا گر جائے تو اُسے درست کرنا جائز ہے اور جو بالکل کھنڈر ہو جائے اُسے نہیں۔ اور امام موصوف کی تیسری روایت یہ ہے کہ ہر صورت میں جائز ہے۔ پس پہلے قول میں ذمیوں پر شرط مذکور کی وجہ سے تخفیف ہے۔ اور دوسرا قول تفصیل مذکور کی وجہ سے مشدد اور تیسرے میں کچھ تخفیف اور چوتھا بالکل مخفف ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم:

کتاب مقدمات کے بیان میں

مسائل اجماعیہ

ائمہ کا اسپر اتفاق ہے کہ غلام کو قاضی بنانا جائز نہیں۔ اور اسپر بھی کہ جب قاضی نے قضاۃ رشوت دیکر حاصل کی ہو تو وہ قاضی نہ ہوگا۔ اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ قاضی کو بلا جانے فیصلہ کرنا درست نہیں۔ اور اسپر بھی

اتفاق ہے کہ اگر قاضی مدعی یا مدعا علیہ کی زبان نہ سمجھتا ہو تو اُس کو لازم ہے کہ کوئی ترجمان مقرر کرے۔ اسیطرح اسپر بھی اتفاق ہے کہ قاضی کا دوسرے قاضی کیطرف لکھ دینا حقوق مالیہ میں درست ہے اور مقبول ہے برخلاف حدود و قصاص و نکاح وطلاق وخلع کے کیونکہ اُن کے مقدمات میں قاضی کو (فیصلہ کرنے کے لئے) دوسرے قاضی کی طرف لکھ کر بھیجدینا درست نہیں۔ اسمیں امام مالک رح کا خلاف ہے اُن کے نزدیک ان تمام اُمور میں قاضی کا لکھ دینا صحیح ہے جیساکہ اس کی وجہ مسائل اختلافیہ میں آجائے گی اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ اگر قاضی نے اپنے اجتہاد سے کوئی فیصلہ کیا اور پھر بعد میں دوسری بات اُس کے ذہن میں آئی جو پہلے فیصلہ کے مخالف تھی تو پہلے فیصلہ کو توڑ نہیں سکتا۔ اسی طرح اگر کسی دوسرے قاضی کا حکم صادر ہو چکا ہو تو یہ قاضی اُس کو توڑ نہیں سکتا۔ اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ خدا تعالےٰ کی حدود جاری کرنے میں کسی دوسرے کو حکم بنانا درست نہیں (بلکہ یہ حاکم ہی جاری کرے گا) جیساکہ اسی باب میں عنقریب آنے والا ہے۔ ہاں حدود کے علاوہ اور امور میں حکم بنانا صحیح ہے۔ اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ کسی نے کسی کو وصی (کارکن) بنایا اور اُسے خبر نہ ہوئی تو وہ وصی ہو گیا۔ برخلاف وکیل کے (کہ اُس میں علم ضروری ہے)۔ یہانتک مسائل اجماعیہ ختم ہوئے۔

مسائل اختلافیہ

پہلا مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ جو شخص صاحب اجتہاد نہ ہو اُس کو قاضی بنانا جائز نہیں جسطرح وہ شخص جو احکام شرعیہ سے ناواقف ہو (قاضی نہ بنایا جائے) حالانکہ امام ابو حنیفہ رح کا قول یہ ہے کہ وہ شخص کہ مجتہد نہ ہو اُسے قاضی بنانا جائز ہے اور اصحاب امام موصوف باہم مختلف ہوئے ہیں سو بعض کا قول یہ ہے کہ اجتہاد شرط ہے اور بعض نے عامی آدمی کو بھی قاضی بنانا جائز کہا ہے۔ اور ابن ہبیرہ نے "ایضاح" میں کہا ہے کہ اس مسئلہ میں صحیح بات یہ ہے کہ جس نے اجتہاد کو شرط قرار دیا ہے اُس کی مراد وہ زمانہ ہے کہ جب تک اُن مذاہب اربع کا تقرر نہ ہوا تھا جن میں سے ہر ایک کے ساتھ عمل جائز ہونے پر اُمت کا اجماع ہو چکا ہے کیونکہ ہر مذہب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی طرف منسوب ہے۔ پس اس زمانہ میں قاضی اگرچہ اہل اجتہاد سے نہ ہو اور نہ اُس نے طلب احادیث اور اُن کے طریقوں کے پرکھنے میں دشواری اُٹھائی ہو۔ لیکن صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان (عربی) اسدرجہ کی جانتا ہو جس کے ہوتے ہوئے شرط اجتہاد کی ضرورت نہ پڑے (تو وہ بھی قاضی بنایا جاسکتا ہے) اسلئے کہ یہ مہتم بالشان اور دشوار کام دوسرے حضرات انجام دے چکے اور ائمہ مجتہدین نے جو کام کیا وہ اُن کے بعد کے لوگوں کے واسطے بالکل کافی ہے (کیونکہ) حق اُن کے اقوال میں منحصر ہو چکا اور علوم (پورے طور پر) مدوّن ہو چکے اب تو قاضی پر صرف اُن میں سے کسی کے قول کو لے لینا ضروری ہے جس کا قول اُس کے ذہن میں زیادہ اچھا معلوم ہو کیونکہ جب وہ ائمہ کے باہمی اختلاف کو چھوڑ کر حتی الامکان مواقع اتفاق کا متلاشی بنے گا تو وہ اولیٰ پر عمل کرنے والا ہو گا۔ اسی طرح مواقع اختلاف میں سے بھی اگر اُن احکام پر عامل ہو گا جو اکثر کا قول اور جمہور کا مذہب ہو تو وہ اولیٰ اور دلیل دانائی ہو گی اگرچہ اُس قول پر عمل کرنا جائز ہو گا جو صرف ایک امام کا قول ہو اور جمہور اُس کے خلاف ہوں۔ مگر میں اُس کے لئے اس کو اچھا نہیں سمجھتا کہ فیصلہ کو اپنے باپ یا مثلاً پیر کی پیروی پر موقوف کر دے۔ پس جب اُس کے پاس دو شخص (مدعی مدعا علیہ) آویں اور جس بات میں اُن دونوں کا اختلاف ہو وہ منجملہ اُن اُمور کے ہو جن میں تینوں اماموں کا ایک حکم ہو مثلاً مدمقابل کی بلا اجازت

کسی کو (خلوت) کا وکیل بنانا۔ حالانکہ حاکم حنفی ہے۔ اور جانتا ہو کہ امام مالک رحؒ اور امام شافعی رحؒ اور امام احمد رحؒ بالاتفاق اس توکیل کو جائز فرماتے ہیں۔ صرف امام ابو حنیفہ رحؒ اسے ناجائز کہتے ہیں۔ پھر بھی ان تینوں کے قول کو چھوڑ کر تنہا امام ابو حنیفہ رحؒ کے قول کے مطابق فیصلہ کرے باوجودیکہ نہ اُسے امام موصوف کے قول کی کوئی دلیل ظاہر ہوئی ہو اور نہ اُس کا اجتہاد وہاں تک پہونچا ہو تو مجھے خدا تعالیٰ سے خوف ہے کہ کہیں اُسنے اس میں اپنی خواہش کی پیروی نہ کی ہو اور منجملہ ان حضرات کے نہ ہوا ہو جو باتیں سنکر اُس میں سے اچھی کی پیروی کرتے ہیں اسی طرح اگر قاضی مالکی ہو اور دو شخص کتے کے پس خوردہ میں اُس کے پاس جھگڑا لائیں۔ پس وہ اُس کے طاہر ہونے کا فیصلہ دیدے حالانکہ اُسے معلوم ہے کہ تمام فقہاء نے اُس کے نجس ہونے کا فیصلہ کیا ہوا ہے۔ اسی طرح اگر قاضی شافعی ہو اور دو شخص اُس کے پاس اُس جانور کا جھگڑا لائیں جسپر قصداً اللہ کا نام (وقت ذبح) چھوڑ دیا ہو چنانچہ ایک تو کہتا ہو کہ اِس نے مجھے ذبح کی ہوئی بکری کے فروخت کرنے سے منع کیا۔ دوسرا کہے کہ میں نے تو مردار جانور کے فروخت کرنے سے منع کیا ہے۔ پس قاضی اپنے مذہب کے موافق حکم دیدے حالانکہ اُسے معلوم ہو کہ تینوں امام اسکے خلاف ہیں۔ اسی طرح اگر قاضی حنبلی ہو اور دو شخص اُس کے پاس جھگڑا کرتے ہوئے آویں ایک کہتا ہو کہ اسپر میرا مال آتا ہے، دوسرا کہے کہ مال تھا تو لیکن میں ادا کر چکا ہوں۔ پس قاضی اُس کے بری ہونے کا حکم دیدے باوجودیکہ وہ جانتا ہے کہ باقی تینوں امام اس کے خلاف ہیں ابن ہبیرہ کا قول ہے کہ اگر میں اس بات کو چھوڑ دیتا اور ذکر نہ کرتا اور دوسرے فقہاء کے اس قول پر چلتا کہ قاضی صرف وہی ہو سکتا ہے جو اہل اجتہاد میں سے ہو تو اس سے لوگوں پر بڑی تنگی واقع ہو جاتی کیونکہ اکثر قاضیوں میں اجتہاد کی شروط اصلاً نہیں پائی جاتیں اور پھر اجتہاد کی شرط لگانے میں حکومت شرعیہ کے بالکل موقوف ہو جانے کا اندیشہ تھا اس لئے صحیح یہی ہے کہ حاکم بنانا جائز اور اُن کے احکام نافذ ہیں اگرچہ وہ مجتہد نہوں واللہ اعلم (ابن ہبیرہ کا کلام ختم ہوا) اور وہ نہایت جنچا تُلا کلام ہے۔ پس اب ہم پھر اصل مسئلہ کی طرف لوٹتے ہیں اور کہتے ہیں کہ پہلا وہ امام جس نے قاضی کے اندر اجتہاد ہونا شرط رکھا ہے تشدید کرنے والا ہے اور دوسرا تخفیف کرنے والا۔

پہلے قول کی وجہ سلف صالحین کے ابتدائی زمانہ کے قوانین پر چلنا ہے۔ کیونکہ اُس وقت مجتہدین کی کثرت تھی۔ اور دوسرے قول کی وجہ پچھلے لوگوں کے قوانین پر چلنا ہے۔ پس گویا ائمہ مجتہدین کے مذاہب میں سے کسی مذہب کا مقلد اس زمانہ میں خود اُس امام و مجتہد کے قایم مقام ہے۔ بلکہ ائمہ اربعہ میں سے ایک امام ہے اس لئے کہ دونوں کا قول واحد ہے اور مقلد امام کے قواعد کا پابند ہے کہ ان سے بالکل باہر نہیں ہوتا جیساکہ اس طرف ابن ہبیرہ نے اشارہ فرما دیا۔ واللہ اعلم۔

دوسرا مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ عورت کو قاضی بنانا صحیح نہیں حالانکہ امام ابو حنیفہ رحؒ کا قول یہ ہے کہ تمام اُن امور میں اُس کو قاضی بنا سکتے ہیں جن کے اندر اُس کی گواہی معتبر ہو۔ (لہذا) حدود اور زخموں کے مقدمات میں وہ قاضی نہیں بن سکتی کیونکہ عورت کی شہادت ان کے اندر امام موصوف کے نزدیک مقبول نہیں۔ اسی طرح امام محمد بن جریر کا قول یہ ہے کہ تمام امور میں عورت کو قاضی بنایا جا سکتا ہے۔ پس پہلا قول مشدد اور سلف و خلف کا اسی پر عمل رہتا ہے۔ اور دوسرے قول میں تخفیف اور تیسرا بالکل مخفف ہے۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ قاضی خلیفۂ اعظم کا نائب ہوتا ہے اور علماء کا اسپر اجماع ہے کہ خلافت عظمیٰ کے لئے مرد ہونا شرط ہے۔ دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ جھگڑوں کا فیصلہ کرنا منجملہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ہے اور اس کے اندر عورت بھی شامل ہے۔ تیسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ ابن جریر کے نزدیک بھی مرد ہونا شرط نہیں۔ کیونکہ مقصود شریعت طاہرہ میں حکم شرعی ہے نہ حاکم۔ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ "ہرگز فلاح نہیں پائے گی وہ قوم جو حکومت کی باگ عورت کے سپرد کرے" آپنے اُسوقت ارشاد فرمایا تھا کہ جب ایک جماعت نے شاہ کسریٰ کے مرجانے کے بعد اُس کی بیٹی کو حاکم بنا دیا تھا اور تمام اہل کشف کا اسپر اجماع ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف دعوت دینے والا مرد ہی ہو سکتا ہے ہم نے نہیں سنا کہ سلف صالحین میں سے کوئی عورت ایسی گذری ہو جس نے مریدوں کی تربیت اور روحانی سلوک کو طے کرایا ہو۔ وجہ یہ کہ عورتیں درجہ اور مرتبہ میں کم ہیں اگرچہ بعض عورتیں (فی نفسہا) کاملہ گذری ہیں جسطرح حضرت مریم علیہا السلام اور بی بی آسیہ رض زوجہ فرعون۔ سو یہ کمال بہ اعتبار دینی تقوے کے تھا نہ باعتبار مردوں پر حکومت کرنے یا اُن کو مقامات ولایت طے کرانے کے۔ عورت زیادہ سے زیادہ عابدہ اور زاہدہ ہو سکتی ہے جسطرح حضرت رابعہ عدویہ تھیں۔ الحاصل حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جیسی منجملہ تمام امہات مومنین کے نہ کوئی کامل گذری نہ اجتہاد کرنے والی۔ والحمد للہ رب العالمین۔

تیسرا مسئلہ

تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ قاضی بننا فرض کفایہ ہے اور ہر اُس شخص پر واجب ہے کہ دوسرا موجود نہ ہونے کی صورت میں قضاۃ کے لایق وہی ہو حالانکہ امام احمد رض کی روایتوں متعدد میں سے اظہر یہ ہے کہ نہ وہ فرض کفایہ ہے اور نہ دوسرے شخص کی عدم موجودگی میں کسی پر قضاۃ کا قبول کرنا متعین ہوتا ہے۔ پس پہلا قول شرط مذکور کے وقت قاضی بننے کے وجوب میں مشدد ہے اور دوسرا عدم وجوب کی وجہ سے مخفف۔ اور پہلے قول کی وجہ ظاہر ہے۔ اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ قضاۃ منجملہ امارت کے ہے جسکو طلب کرنے سے شارع علیہ السلام نے منع فرمایا ہے کیونکہ اُس سے صاف چھوٹ جانا اور اُس کے اندر صراط مستقیم پر قایم رہنا (قریب قریب محال کے ہے) لہذا اُس کا ترک کرنا انسان کے لئے دین کے لحاظ سے احتیاط کی بات ہے اور سلف صالحین کو مارا گیا اور قید کیا گیا تاکہ وہ قضاۃ کو قبول کرلیں مگر بالآخر اُنہوں نے قبول نہ کیا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

چوتھا مسئلہ

تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ مسجد میں بیٹھکر فیصلہ کرنا مکروہ ہے لیکن اُس شخص کے لئے جسے کوئی اور جگہ نہ ملتی ہو۔ حالانکہ امام مالک رض کا قول یہ ہے کہ مسجد کے اندر فیصلہ کرنا سنت ہے۔ اسیطرح امام شافعی رض کا قول یہ ہے کہ اگر کوئی شخص مسجد میں نماز کے لئے داخل ہوا پھر اتفاق سے کوئی مقدمہ پیش ہو گیا تو اس کا فیصلہ (مسجد میں) بلاکراہت درست ہے پس پہلے قول میں منع کرنے کی وجہ سے تشدید ہے۔ اور دوسرے میں مسجد کے اندر فیصلہ کرنے پر آمادہ کرنا ہے۔ اور تیسرے قول میں تخفیف ہے۔

پہلے قول کی وجہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کا اتباع ہے کہ "بچاؤ اپنی مساجد کو اپنے بچوں اور اپنی خرید و فروخت اور اپنے جھگڑوں سے" (انتہی) نیز جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جھگڑا اور نزاع حرام ہے اگرچہ آواز بلند نہ بھی ہو جیسا کہ وارد ہوا ہے تو پھر یہ اُمور اس دربار خاص میں کیونکر جائز ہو سکتے ہیں جو مسجد کے اندر ہے۔ بلکہ اگر کوئی شخص (مسجد کے اندر) آواز بلند کرنے کو حرام بھی کہدے گا تو ہم اُسے منع نہ کریں گے۔ کیونکہ وہ خدا تعالیٰ کے ادب و احترام کی طرف مائل ہے جیسا کہ اس کو خدا تعالیٰ کے خاص دربار والے اولیا خوب جانتے ہیں۔

دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ فیصلہ کرنا منجملہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ہے لہذا مسجد میں جائز ہوگا جسطرح جمعہ کے روز مسجد میں خطبہ پڑھا جاتا ہے۔ کیونکہ قاضی مظلوم کو ظالم سے رہائی دلاتا ہے۔ پھر اگر کوئی فریق مسجد میں آواز

اوپچی کرنے لگے تو قاضی کو صرف منع کرنے کا اختیار ہے۔ پس ہر امام کی ایک صحیح دلیل ہے

پانچواں مسئلہ امام ابو حنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر قاضی نے کسی سے قبل از فیصلہ یا بعد از فیصلہ ایسے افعال صادر ہوتے دیکھے جو حد کو واجب کریں تو اُسے اپنے علم کے اعتبار سے فیصلہ کرنا جائز نہیں اور اگر ایسے افعال صادر ہوتے دیکھے جن سے لوگوں کے حقوق اُس کے ذمہ عائد ہوتے ہوں اُن کے اندر اپنے علم کے مطابق فیصلہ کرسکتا ہے۔ حالانکہ امام مالک رضہ اور امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ اپنے علم کے مطابق کسی مقدمہ میں فیصلہ نہ کرے خواہ وہ حق اللہ کا ہو یا حقوق العباد کا۔ اسی طرح امام شافعی رضہ کے دو قولوں میں سے اظہر قول یہ ہے کہ سوا حدود خداوند تعالیٰ کے اور تمام مقدمات میں اپنے علم کے مطابق فیصلہ کرسکتا ہے۔

پس پہلے اور تیسرے قول میں تفصیل مذکور کی وجہ سے قاضی پر تشدید ہے۔ اور اس اعتبار سے کہ حقوق العباد میں اپنے علم کے مطابق فیصلہ کرسکتا ہے اُس پر تخفیف ہے۔

چھٹا مسئلہ امام ابو حنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ قاضی کو خود بیع و شراء کرنا مکروہ نہیں۔ حالانکہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ مکروہ ہے۔ بلکہ اُس کو چاہیے کہ اپنے لئے خرید و فروخت کا سب کو وکیل کردے پس دوسرا قول مشدد اور اُن لوگوں کے ساتھ خاص ہے جو دونوں فریقوں کو قلبی توجہ اور میلان میں برابر کرسکیں جبکہ اُن دونوں میں سے ایک قاضی کے ساتھ محبت رکھتا ہو اور بیع و شراء وغیرہ میں اُس پر احسان کرتا ہو۔ کیونکہ ایسے لوگوں کے واسطے خرید و فروخت میں دوسرے کو وکیل بنانا اولیٰ ہے۔

اور پہلا قول مخفف اور اُن بڑے درجہ کے لوگوں کے ساتھ خاص ہے جو باہمی محبت کے علاقہ کی وجہ سے حق کا طریق نہیں چھوڑتے۔

ساتواں مسئلہ امام ابو حنیفہ رضہ کا قول اور امام احمد رضہ کی دو روایتوں میں سے ایک یہ ہے کہ فریق مخالف کی زبان کے ترجمہ میں قاضی کے پاس صرف ایک شخص کا بیان کافی ہے۔ اسی طرح اُس کے حال معلوم کرنے میں اور قاضی کا پیغام پہونچانے میں اور کسی تضعیف و تذمیم اور تعدیل میں بلکہ امام ابو حنیفہ رضہ نے اُن اُمور کی گواہی کو بھی مقبول فرمایا ہے تو گویا اس بارہ میں عورت کو ایک مرد کا حکم دیا ہے۔ حالانکہ امام شافعی کا قول اور امام احمد رضہ سے دوسری روایت یہ ہے کہ ان امور میں دو مردوں سے کم کی گواہی معتبر نہیں اور یہی قول امام مالک رضہ کا ہے۔ امام موصوف نے فرمایا ہے کہ اگر ایسی بات کے اقرار میں جھگڑا ہو جس کے اندر اُن کے نزدیک ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی معتبر ہو۔ اگر وہ منجملہ احکام ابدان کے ہو تو اُس کے اندر دو مردوں سے کم کی گواہی مقبول نہ ہوگی۔ پس پہلے قول میں تخفیف اور دوسرے میں تشدید اور تیسرے میں کچھ تفصیل ہے۔

پہلے قول کی وجہ ان امور کو روایت کی مثل ٹھیرانا ہے اور دوسرے اور اُس کے بعد کے قول کی وجہ شہادت کی مثل ٹھیرانا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اُس کے اندر اکثر تعدد معتبر ہوتا ہے اور گواہ کی قسم بمنزلہ گواہ کے قرار نہیں دی جاتی

آٹھواں مسئلہ محققین اصحاب امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ قاضی اپنے آپ کو جس طرح معزول کرے معزول ہو جائے گا۔ بشرطیکہ اُس پر قاضی ہونا واجب نہ ہو اور اگر وجوب اُس پر متعین ہو تو دو قولوں میں سے اصح یہ ہے کہ معزول نہ ہوگا۔ حالانکہ ماوردی کا قول یہ ہے کہ اگر کسی عذر کی وجہ سے معزول کرے تو معزول ہو جائے گا۔ اور اگر بلا عذر معزول کرے تو معزول نہ ہوگا لیکن (بہر صورت) حاکم اسلام کو خبر کئے اور استعفا دئے بغیر

معزول کرنا جائز نہیں کیونکہ اُسکے سپرد ایک ایسا کام ہے جسکو ضائع کرنا حرام ہے اور حاکم پر لازم ہے کہ جب وہ دوسرا القضاۃ کے لائق پاوے تو اس کا استعفا قبول کرلے اس کے بعد یعنی جب استعفا دیا جانا اور اُس کا قبول ہوجانا دونوں امر ہوچکیں تو معزولی کامل ہوگی صرف ایک امر سے نہیں اور قاضی کا یہ کہنا کہ میں نے اپنے آپ کو معزول کیا معزول کرنا نہیں ہے اس لئے کہ معزول کرنا قاضی بنانے والے کی طرف سے ہوسکتا ہے اور اُس نے خود تو اپنے کو حاکم (قاضی) بنایا نہیں تو معزول کیسے کرسکتا ہے پس پہلے قول میں لوگوں پر تشدید اور قاضی پر شرط مذکور کی وجہ سے تخفیف ہے اور اگر شرط موجود نہ ہوئے تو دو قولوں میں سے صحیح کے اندر قاضی پر تشدید ہے اور دوسرے قول میں تخفیف اور دوسرا قول مفصل ہے اور دونوں قولوں کی وجہ ظاہر ہے

نواں مسئلہ اصحاب امام شافعی رح کا قول اور خود امام شافعی رح کی تصریح بھی یہی ہے کہ اگر قاضی فاسق ہوکر پھر تائب ہوجائے اور حالت اچھی ہوجائے تو وہ خود قاضی نہ بنے گا جب تک دوبارہ قضاۃ اُس کے سپرد نہ کی جائے برخلاف جنون اور بیہوشی کے کیونکہ ان دونوں صورتوں میں اصح یہ ہے کہ بعد صحت وہوش کے قاضی باقی رہے گا (تجدید عقد قضاۃ کی حاجت نہیں) اسی طرح ہروی رح نے کتاب الاشراف میں یہ کہا ہے کہ قاضی اگر فاسق ہوجانے کی وجہ سے معزول ہوگیا ہو اور پھر وہ تائب ہوجائے تو پھر قاضی باقی رہتا ہے۔ امام شافعی رح نے اس کی تصریح فرمائی ہے کیونکہ اگر ایسا نہ ہو تو حکومت کا دروازہ بند ہوجائے گا اس لئے کہ انسان سے معاصی کا ارتکاب اکثر جدا نہیں ہوتا لہذا حاجت کی وجہ سے جائز کردیا گیا اسی طرح قاضی حسین کا قول یہ ہے کہ اگر قاضی سے فسق سرزد ہو اور توبہ میں تاخیر کرے تو معزول ہوجاتا ہے اور اگر اپنے فعل پر جلد نادم اور پشیمان ہوجائے تو معزول نہیں ہوتا کیونکہ اُسکی عصمت زائل نہیں ہوئی. پس پہلے قول میں تشدید اور دوسرے میں تخفیف اور تیسرا مفصل ہے اور تمام اقوال کی توجیہات ظاہر ہیں۔

دسواں مسئلہ امام ابوحنیفہ رح کا قول یہ ہے کہ حدود اور قصاص میں حاکم کو محض ظاہری عدالت کے موافق فیصلہ نہیں کرنا چاہئے بلکہ پہلے پوشیدہ طور پر شاہد کا عادل ہونا تحقیق کرے اور ان کے ماسوا دوسرے اُمور میں خفیہ تحقیقات کی کوئی حاجت نہیں جب تک فریق مخالف گواہ میں کوئی عیب نہ نکالے اور جب کوئی عیب پیدا کرے تو خفیہ تحقیقات کرے۔ حالانکہ امام مالک رح اور امام احمد رح کی دو روایتوں میں سے ایک روایت اور امام شافعی رح کا قول یہ ہے کہ حاکم کو محض ظاہری عدالت دیکھکر حکم نہیں کرنا چاہئے بلکہ فیصلہ میں توقف کرے جب تک خفیہ طور پر گواہوں کا نیک ہونا نہ معلوم ہوجائے خواہ فریق مخالف اعتراض (گواہ میں) کرے یا نہ کرے اور خواہ گواہی حد کے بارہ میں ہو یا کسی اور مقدمہ میں اسی طرح امام احمد رح سے دوسری روایت یہ ہے کہ حاکم صرف ظاہری اسلام پر اکتفا کرے اور خفیہ تحقیقات کسی حالت میں نہ کرے. پس پہلا قول مفصل اور دوسرے میں تشدید اور تیسرا مخفف ہے اور تینوں اقوال میں سے ہر ایک کی ایک وجہ ضرور رہی۔

گیارھواں مسئلہ امام ابوحنیفہ رح کا قول یہ ہے کہ مطلق جرح (عیب) کا دعوے مقبول ہے (یعنی گواہوں میں) حالانکہ امام شافعی رح کا قول اور امام احمد رح کی دو روایتوں میں سے ایک یہ ہے کہ جب تک عیب کا سبب نہ بیان کیا جائے مقبول نہیں (یعنی یہ نہ کہا جائے کہ ان گواہوں میں فلاں عیب ہے) اسی طرح امام مالک رح کا قول یہ ہے کہ اگر عیب نکالنے والا اس کے عیب کو جانتا ہو تو ہر صورت میں اُس کا مطلق جرح کرنا مقبول کیا جائے گا اور اگر اس صفت سے موصوف نہ ہو تو تا وقتیکہ اُس سبب کو نہ بیان کرے مقبول نہ ہوگا. پس پہلا قول

گواہوں پر تشدد اور دوسرے میں اُن پر تخفیف اور تیسرا معتدل ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ پہلا قول اُن لوگوں پر محمول ہو جنکا ظاہر اُن عیوب سے محفوظ نہ ہو جن کی وجہ سے گواہی مردود ہو جاتی ہے اور دوسرا قول اور اُس کے موافق امام مالک کا قول اُن لوگوں پر جن کی حالت سے عادل ہونے اور نہ ہونے دونوں کا احتمال رہتا ہے کہ ایسے لوگوں کے عیوب کی تعیین ضروری ہے تاکہ حاکم اُس میں غور کرکے یا تو رد کر دے یا قبول۔

بارھواں مسئلہ امام ابو حنیفہ رح کا قول یہ ہے کہ عورتوں کا مردوں کی جرح یا عدالت بیان کرنا مقبول ہے حالانکہ امام مالک رح اور امام شافعی رح کا قول اور امام احمد رح کی دو روایتوں میں سے اظہر روایت یہ ہے کہ عورتوں کو اس میں کچھ دخل نہیں پس پہلا قول گواہوں پر تشدد اور دوسرا اُن پر تخفیف ہے پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ عورت کبھی احکام جرح و تعدیل سے واقف ہوتی ہے بلکہ بعض دفعہ عورت مردوں سے زیادہ جاننے والی ہوتی ہے۔ دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ جرح و تعدیل معلوم کرنے کے لئے اجنبی لوگوں سے ملاقات رکھنے کی سخت ضرورت ہوتی ہے اور یہ بات عورتوں میں کہاں اور اگر ہوئی تو بہت کم۔

تیرھواں مسئلہ امام ابو حنیفہ رح اور امام احمد رح کا قول یہ ہے کہ گواہوں کی تعدیل میں تعدیل بیان کرنیوالے کا صرف یہ کہنا کافی ہے کہ فلاں آدمی عادل اور پسندیدہ ہے۔ حالانکہ امام شافعی رح کا قول یہ ہے کہ یہ کافی نہیں جب تک یوں نہ کہے کہ فلاں شخص عادل ہے پسندیدہ ہے اور نفع نقصان مجھ پر ہے۔ اسیطرح امام مالک رح کا قول یہ ہے کہ اگر عدالت ثابت کرنے والا اسباب عدالت کو جانتا ہے تو اس کا صرف اسیقدر کہنا بھی کافی ہے کہ آدمی عادل اور پسندیدہ ہے یہ کہنے کی حاجت نہیں کہ نفع نقصان مجھ پر ہے۔ پس پہلے قول میں تخفیف اور دوسرے میں تشدید اور تیسرا معتدل ہے اور ہو سکتا ہے کہ پہلا قول اُس شخص پر محمول ہو جو اسباب جرح و تعدیل کا بڑا جاننے والا اور لوگوں کے اسباب و اموال میں محتاط ہو۔ اور دوسرا قول اُس پر جو احتیاط میں کم درجہ ہو۔ کیونکہ ایسے لوگ گواہ کے اوصاف میں تساہل کر سکتے ہیں۔ پس جب وہ یہ کہدیں گے کہ نفع نقصان مجھ پر ہے تو شک دور ہو جائے گا اور اسی سے امام مالک رح کے قول کی توجیہ بھی معلوم ہو گئی۔

چودھواں مسئلہ امام ابو حنیفہ رح کا قول یہ ہے کہ قاضی کو غائب آدمی پر کوئی حکم کرنا جائز نہیں مگر اس وقت کہ غائب کے قایم مقام اُس کا کوئی وکیل موجود ہو یا کارکن (مدار المہام) حالانکہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ ہر صورت میں غائب پر حکم لگانا درست ہے اور جب کسی انسان کے حق کا جو کسی غائب یا بچہ یا مجنون پر لازم تھا۔ قاضی حکم کر دے تو امام احمد رح کے نزدیک ان میں کسی کو قسم دلانے کی ضرورت نہیں۔ اور اصحاب امام شافعی رح کا قول یہ ہے کہ قسم دلانے کی ضرورت ہے۔ پس پہلا قول قاضی اور قرضخواہ پر تشدد ہے اور شرط مذکور کی وجہ سے مقروض پر تخفیف اور دوسرا قول پہلے کا برعکس ہے اور قسم دلانے کے مسئلہ میں پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ صاحب حق بہ نسبت وکیل یا کارکن کے اپنے دعوے کے ثابت کرنے میں زیادہ دانا ہوتا ہے اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ کبھی دونوں برابر ہوتے ہیں اور قسم دلانے کے مسئلہ میں پہلے قول کی وجہ قاضی کے حکم کر دینے پر اکتفا کرنا اور مدعی کو سچ پر محمول کرنا ہے۔ اور دوسرے قول کی وجہ لوگوں کے اموال میں احتیاط سے کام لینا ہے اور ہو سکتا ہے کہ پہلا قول اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں پر محمول کیا جائے اور دوسرا جو اس کے خلاف اور برعکس ہیں اُن پر۔

(میں کہتا ہوں) اور اسی پر علم توحید کا مسئلہ مبنی ہے اور وہ یہ ہے کہ جس نے کہا کہ غائب پر حکم کرنا درست ہے اُس نے صفات باری تعالیٰ میں غائب کو حاضر پر قیاس کرنا جائز رکھا ہے اور کہا ہے کہ صفات حق تعالیٰ اُس کی غیر ہیں نہ عین انسان پر قیاس کر کے کیونکہ (ہم دیکھتے ہیں) کہ کبھی اُس سے علم و بصیرت مسلوب ہوتی ہے۔ حالانکہ اُس کا جسم صحیح و سالم ہوتا ہے۔ اور جو کہتا ہے کہ غائب پر حکم کرنا جائز نہیں وہ اس قیاس کو حرام بتلاتا ہے اور جو کہتا ہے کہ صفات حق تعالیٰ اُس کی عین ہیں نہ غیر کیونکہ اُس کی مخلوق کی صفات باہم متبائن ہیں اور اہل کشف کا یہی مذہب ہے۔

یہانتک کہ شیخ محی الدین بن عربی کا قول ہے کہ خدا تعالیٰ امام ابوحنیفہ رضہ پر رحم فرمادے اور ہر خطرہ سے اُنکی حفاظت فرمادے کیونکہ وہ غائب پر کسی قسم کا حکم کرنے کے قائل نہیں (انتہی)

پندرھواں مسئلہ

تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ ایک قاضی کا دوسرے قاضی کی طرف لکھنا حدود اور قصاص اور نکاح اور طلاق اور خلع میں مقبول نہیں۔ حالانکہ امام مالک رح کا قول یہ ہے کہ ان تمام امور میں ایک قاضی کا دوسرے کی طرف لکھنا معتبر ہے۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے پہلے قول کی وجہ حدود قایم کرنے اور اُن حقوق کے ثابت کرنے میں جو آدمیوں سے تعلق رکھتے ہیں احتیاط سے کام لینا ہے۔ پس حد قایم کرنے یا مثلاً طلاق کا حکم کرنے پر آمادہ نہ ہو مگر بعد سوچ لینے کے۔ اور ہوسکتا ہے کہ کوئی قاضی کی طرف سے جھوٹی تحریر لکھ لے اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ قاضی کا منصب وہ ہے کہ اُس پر بہتان بہت ہی نادر ہوتی ہے اور جب تک دوسرے قاضی کو اُس قاضی کے خط ہونے کا غالب گمان نہ ہو جائے اُس وقت تک وہ فیصلہ کب کرے گا۔ اور ہو سکتا ہے کہ دوسرا قول اُس صورت پر محمول ہو کہ حامل تحریر عادل پسندیدہ شخص ہو اور پہلا قول اس صورت پر کہ حامل تحریر ایسا نہو۔

سولھواں مسئلہ

امام ابوحنیفہ رح اور امام شافعی رح اور امام احمد رح کا قول یہ ہے کہ اگر دو قاضی ایک ہی شہر میں تحریر بازی کریں تو وہ قبول نہ ہوگی۔ امام بیہقی کا قول ہے کہ میرے نزدیک یہی زیادہ ظاہر ہے اور امام طحاوی نے جو امام ابوحنیفہ رح سے روایت کی ہے کہ وہ قبول کی جائے سو وہ امام ابو یوسف کا قول ہے اور بر تقدیر قبول نہ ہونے کے دوسرے قاضی کے پاس (فیصلہ کے لئے) گواہوں کا دوبارہ گواہی دینا ضروری ہے کیونکہ تحریر کے مطابق فیصلہ دور و دراز کے شہروں میں ہوتا ہے (نہ ایک شہر میں) پس پہلا قول قاضی پر اس وجہ سے مشدد ہے کہ اُسے تحریر کی حاجت نہیں بلکہ اپنے سامنے گواہ سنکر حکم دے اور دوسرا قول جو امام ابو یوسف رح کا ہے مخفف ہے کیونکہ واقعہ اور مقدمہ کی اطلاع دینے میں اس کے اندر کوئی تفریق نہیں خواہ ایک ہی شہر ہو یا دو، قرب و بعد سے اس میں کچھ فرق نہیں ہوتا۔

سترھواں مسئلہ

تینوں اماموں کا قول اور امام مالک کی دو روایتوں میں سے ایک یہ ہے کہ ایک قاضی کی تحریر دوسرے قاضی کے ہاں جو قاصد پیش کرے گا اُس کی صورت یہ ہے کہ دو گواہ قاضی مکتوب الیہ سے کہیں کہ ہم شہادت دیتے ہیں کہ یہ فلاں قاضی کی چھٹی ہے کہ اُس نے یہ ہمیں پڑھکر سنادی ہے یا اُس کے سامنے (کسی اور نے) ہمیں سنائی ہے حالانکہ امام مالک رح کی دوسری روایت یہ ہے کہ دو گواہوں کا صرف اتنا کہنا کافی ہے کہ یہ فلاں قاضی کی چھٹی ہے اور یہی قول امام ابو یوسف رح کا ہے۔ پس پہلے قول میں تشدید ہے اور وہ اُن لوگوں پر محمول ہے جو احکام سے واقفیت نہیں رکھتے اور دوسرا قول مخفف ہے اور وہ اُن لوگوں پر محمول ہو

جو اُن تمام احکام سے واقف ہیں کہ حکومت میں جن کی حاجت پڑتی ہے۔

اٹھارھواں مسئلہ

امام مالک رحمہ اور امام احمد رحمہ کا قول اور امام شافعی رحمہ کے دو قولوں میں سے ایک قول یہ ہے کہ اگر دو آدمیوں نے ایک ایسے شخص کو جو مجتہد تھا کسی معاملہ میں حکم بنایا اور دونوں نے بالاتفاق کہا کہ ہمارے اس معاملہ میں آپ جو کچھ حکم کر دیں گے ہمیں منظور رہے تو حکم نافذ ہوگا۔ امام مالک اور امام احمد رحمہ نے یہ قید اور لگائی ہے کہ اگر وہ قاضی شہر کی رائے کے موافق ہوا تو قاضی شہر اُسے باقی رکھے جب اُس کے پاس یہ مقدمہ جائے اور اگر اُس کے موافق نہ ہو تو اُسے اُس حکم کو فسخ کر دینا درست ہے۔ اگرچہ اس معاملہ کی حکم میں اماموں کا اختلاف ہی ہو۔ حالانکہ امام شافعی رحمہ کا قول یہ ہے کہ جب تک دونوں فریق راضی نہ ہوں اُس حکم پر اُن کو عمل کرنا لازم نہیں بلکہ یہ بمنزلہ فتوے کے ہے۔ پھر جاننا چاہیے کہ حکم بنانے کے مسئلہ میں جو اختلاف مذکور ہوا وہ اموال کے اندر حکم کرنے کے بارہ میں ہے۔

رہا نکاح اور لعان اور تہمت اور قصاص اور حد و سو ان سب میں بالاتفاق کسی کو پنچ بنانا ناجائز ہے۔ پس پہلا قول اُس شرط کے لحاظ سے جو امام مالک اور امام احمد رحمہ نے بیان کی مشدد ہے۔ اور دوسرے قول میں اسوجہ سے تخفیف ہے کہ جب تک دونوں راضی نہ ہوں اُسوقت تک اُس کے حکم پر عمل کرنا لازم نہیں۔ اور وجہ دونوں کی ظاہر ہے۔

اُنیسواں مسئلہ

امام مالک رحمہ اور امام احمد رحمہ کا قول یہ ہے کہ حاکم اگر اپنے دئے ہوئے حکم کو بھول جائے اور پھر دو گواہ یہ گواہی دیں کہ حاکم مذکور نے یہ حکم دیا تھا تو وہ گواہی قبول کی جائے گی۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رحمہ اور امام شافعی رحمہ کا قول ہے کہ اُن کی گواہی قبول نہ کی جائے گی اور انکی گواہی پر عمل نہ کیا جائے گا جب تک اُسے خود اپنا جاری کردہ حکم یاد نہ آجائے پس پہلا قول مخفف اور دوسرا اشد ہے۔

بیسواں مسئلہ

امام ابو حنیفہ رحمہ کا قول اور امام شافعی رحمہ کے دو قولوں میں سے اصح قول اور امام احمد رحمہ یہ فرماتے ہیں کہ قاضی اگر اپنی حکومت کے زمانہ میں کہے کہ میں فلاں شخص پر کسی کے حق یا حد کی ڈگری کرچکا ہوں تو اُس کا قول مقبول ہوگا اور حق اور حد وصول کئے جائیں گے۔ حالانکہ امام مالک رحمہ کا قول یہ ہے کہ اُسکا قول جب تک دو مرد عادل یا ایک عادل گواہی نہ دے قبول نہ کیا جائے گا۔ اسی طرح امام شافعی رحمہ کا دوسرا قول امام مالک کے مذہب کا مثل ہے۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرے میں کچھ تشدید ہے۔ اور ہوسکتا ہے کہ پہلا قول اُس قاضی پر محمول ہو جو عادل اور یاد رکھنے والا ہو اور دوسرا اُسپر جو اس کے خلاف ہو۔

اکیسواں مسئلہ

تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ قاضی نے اگر اپنے معزول ہو جانے کے بعد کہا کہ میں نے اپنی حکومت کے زمانہ میں یہ حکم کیا تھا تو وہ قبول نہ کیا جائے گا۔ حالانکہ امام احمد رحمہ کا قول یہ ہے کہ قبول کیا جائے گا۔ پس پہلے قول میں تشدید اور دوسرے میں تخفیف ہے۔ اور ہوسکتا ہے کہ پہلا قول اُس قاضی پر محمول ہو جو دینی امور میں لاپروا اور کمزور مشہور ہے۔ اور دوسرا قول اُس قاضی پر جو متدین اور یادداشت میں ضرب المثل ہو۔

بائیسواں مسئلہ

امام مالک اور امام شافعی رحمہ اور امام احمد رحمہ کا قول یہ ہے کہ حاکم کا حکم صرف ظاہر ہی میں جاری ہوتا ہے۔ اُس سے یہ ثابت نہیں کہ باطن میں بھی یہی حکم تھا۔ پس جب کوئی شخص دوسرے پر کسی حق کا دعوے کرے اور پھر اُسپر دو گواہ بھی گذار دے اور حاکم اُن کی گواہی کی وجہ سے حکم کر دے تو اگر وہ گواہ (واقع میں) سچے تھے تو وہ چیز مدعی کے لئے ظاہر اور باطن دونوں کیلئے جائز اور مقتضی ہوسکتی ہیں: اگر اُنہوں نے جھوٹی گواہی دی تھی تو صرف ظاہر میں وہ شے مدعی کی ہوگی اور باطن یعنی خدا تعالیٰ اور اُس بندے کے درمیان میں وہ چیز مدعا علیہ کی

ملک ہے جیسے کہ پہلے (قبل از حکم) اُس کی ملک تھی عام ہے چاہے وہ شے منجملہ اموال کے ہو یا غیر اموال کے۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر حکم کسی امر کے منعقد یا فسخ کرنے کا ہو تو وہ ظاہراً اور باطناً ہر طرح نافذ ہوگا۔ پس پہلا قول مشدد اور متقین محتاط لوگوں کے ساتھ خاص ہے۔ اور دوسرا قول مخفف اور اُن لوگوں کے ساتھ خاص ہے جو اُن کی ضد ہوں۔

پہلے قول کی وجہ اموال والا باب میں احتیاط سے کام لینا ہے اور بہت مرتبہ حاکم حکم کر دیتا ہے اور پھر بعد میں گواہ جھوٹے ثابت ہوتے ہیں۔ پس اس لئے وہ صرف ظاہر ہی میں نافذ ہوتا ہے۔ اس کی توضیح یوں ہے کہ شارع علیہ السلام نے ہم کو دنیا میں ظاہری احکام جاری کرنے کا حکم فرمایا ہے جیسا کہ اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ "مجھے حکم کیا گیا ہوں کہ (کفار سے) مقابلہ کروں یہانتک کہ وہ لا الہ الا اللہ کہدیں پس جب وہ کہدیں گے تو وہ اپنے اموال اور خون مجھ سے بچالیں گے سوائے حق خداوند تعالیٰ کے اور اُن کا حساب خدا تعالیٰ کے سپرد ہے۔" (انتہیٰ)
پس غور کرو کہ آپ نے اُن کے باطن کو حق تعالیٰ کے سپرد فرمایا جو اُن کے اندرونی حالات سے خوب واقف ہے کیونکہ بعض لوگ (ڈر کر) صرف زبان سے کلمہ توحید کہدیتے ہیں اور دل میں اعتقاد نہیں ہوتا۔

دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ شرعی حاکم کا مرتبہ اس سے برتر ہے کہ اُس کا حکم آخرت میں توڑ دیا جائے۔ کیونکہ شارع ؑ نے اُس کو اجازت دی ہے کہ وہ دنیا میں اپنے اجتہاد سے حکم کرے اور ظاہر ہے کہ ظاہر کے موافق جو لوگوں پر اُس نے احکام جاری کرنے کی اجازت دیدی اُس کو کوئی منسوخ کرنے والا نہیں جسطرح یہ بھی معلوم ہے کہ خدا تعالیٰ اُن لوگوں سے مواخذہ نہ کرے گا جو اُس کے شرائع کے مطابق حکم کرتے ہیں اور یہاں سے اُن لوگوں کا قول خوب ثابت ہوتا ہے جو کہتے ہیں کہ حقیقت شریعت کے مخالف نہیں اسیطرح اُن کا بھی جو کہتے ہیں کہ کبھی مخالف بھی ہو جاتی ہے جیسا کہ ہم اس مضمون کو اُس باب میں خوب بسط سے بیان کر چکے ہیں جس کے اندر ائمہ فقہا اور صوفیہ کرام کی طرف سے پسندیدہ جوابات دئے گئے ہیں۔ پس خدا تعالیٰ امام ابوحنیفہ رضہ پر رحم فرمائے کہ کسقدر باریک بین اور صاحب سمجھ تھے۔ ورضی اللہ عن بقیۃ المجتہدین۔

تینتیسواں مسئلہ امام ابوحنیفہ رح کا قول یہ ہے کہ وکالت ایک شخص کی خبر سے ثابت ہو جاتی ہے اور وکیل کی معزولی یا تو ایک عادل آدمی کی گواہی سے ثابت ہوتی ہے اور یا دو شخصوں مستور الحال کی گواہی سے۔ حالانکہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ وکالت اور معزولی دونوں کے اثبات کے لئے دو عادل گواہوں کی ضرورت ہے۔ پس پہلے قول میں تخفیف اور دوسرے میں تشدید ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ پہلا قول اُن لوگوں پر محمول ہو جن کے قول پر پورا اعتماد ہو۔ اور دوسرا اُن لوگوں پر جو ایسے نہ ہوں کہ اُن کی تنہا کی شہادت یا خبر پر اعتماد کیا جا سکے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

باب تقسیم کے بیان میں

مسائل اجماعیہ

اماموں کا اسپر اتفاق ہے کہ (مشترکی مال کو) تقسیم کرنا جائز ہے وجہ یہ کہ شرکا کبھی شرکت میں ضرر پاتے ہیں

صرف یہی ایک مسئلہ اجماعیہ ہے۔

مسائل اختلافیہ

پہلا مسئلہ امام مالکؒ کا قول یہ ہے کہ تقسیم اپنا اپنا حصہ جدا کرنا ہے۔ اگر مال مشترکہ کی ذوات اور صفت میں برابری ہو تاکہ دونوں شریکوں میں سے ہر ایک کا حصہ ممتاز ہو جاوے اور پھر وہ اپنا حصہ (چاہے) تو فروخت کر دے۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رضہ اور امام شافعی کا قول یہ ہے کہ تقسیم کرنا معنے کے اعتبار سے بیع کرنا ہے۔ لیکن ان اشیاء میں جو باہم متفاوت ہوں جسطرح کپڑے اور زمین۔ اور اُن اشیاء میں جو باہم متفاوت نہ ہوں تقسیم جدا کر دینے کا نام ہے جسطرح کیلی اور وزنی اور عددی چیزیں مثلاً اخروٹ انڈے وغیرہ اور یہی قول امام احمد رضہ کا ہے اور دونوں قولوں پر ایک ایک بات مبنی ہے کہ جو تقسیم جدا کرنے کے معنے لیتا ہے اُس کے نزدیک اُن پھلوں میں بھی تقسیم درست ہے جن میں اندازہ سے سود لازم آجاتا ہے۔ اور جس نے کہا کہ تقسیم بیع کا نام ہے تو وہ اسے ناجائز کہتا ہے پس پہلا قول مفصل ہے اور دوسرا بھی اور ہر ایک میں ایک اعتبار سے تخفیف اور ایک اعتبار سے تشدید ہے

دوسرا مسئلہ امام ابو حنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر ایک شریک مال کو تقسیم کرنا چاہے اور دوسرے کو اس میں ضرر ہو تو اگر طالب تقسیم کو بھی تقسیم میں ضرر ہے تو تقسیم نہ کی جائے گی اور اگر اُس کو تقسیم میں نفع ہو تو دوسرے کو جو تقسیم نہیں چاہتا تقسیم کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔ اسی طرح امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ تقسیم سے باز رہنے والے کو ہر صورت میں مجبور کیا جائے گا۔ اسی طرح امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر طالب تقسیم کو ضرر ہو تو دوسرے کو مجبور کر سکتے ہیں۔ اسی طرح امام احمد رحمہ کا قول یہ ہے کہ تقسیم نہ کیا جائے بلکہ فروخت کر دیا جائے اور اُس کی قیمت تقسیم کر دیجائے پس پہلا قول مفصل اور دوسرا مشدد اور تیسرا مفصل اور چوتھا ترک تقسیم کی وجہ سے مخفف ہے۔ اور ان تمام اقوال کی وجوہ ظاہر ہیں ذہین پر پوشیدہ نہیں۔

تیسرا مسئلہ امام ابو حنیفہ رضہ کا قول اور امام مالک رضہ کی دو روایتوں میں سے ایک یہ ہے کہ تقسیم کرنے والے کی مزدوری حصہ لینے والوں کی تعداد کے اندازہ پر ہوگی۔ حالانکہ امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ حصوں کے اندازہ کے مطابق ہوگی پھر وہ مزدوری صرف طالب تقسیم ہی پر لازم ہوگی یا دونوں پر۔ امام ابو حنیفہ رضہ کا پہلا قول اور امام مالک رضہ اور امام شافعی رضہ اور اصحاب امام احمد یہ کہتے ہیں کہ مزدوری سب پر لازم ہوگی اور تمام اقوال بعض اعتبار سے مشدد اور بعض اعتبار سے مخفف ہیں

چوتھا مسئلہ امام ابو حنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ اُس غلام کی تقسیم جائز نہیں جو بہت لوگوں میں مشترک ہو اور اُن میں سے (صرف) ایک اُس کی تقسیم چاہے۔ حالانکہ باقی اماموں کا قول یہ ہے کہ اُس کے اندر تقسیم صحیح ہے جس طرح دوسرے حیوانات میں اگر صفات و ذوات میں مساوات ہو تو قرعہ اندازی سے تقسیم درست ہوتی ہے۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتاب دعووں اور گواہوں کے بیان میں

مسائل اجماعیہ

اماموں کا اسپر اتفاق ہے کہ جب کسی ایسے شخص پر دعوی کیا جائے جو کسی اور شہر کا رہنے والا ہو جہاں حاکم شرعی موجود ہو اور اس شخص کو مدعی اپنے شہر مین حاضر کرانا چاہے تو اُس کی خواہش پوری نہ کی جائے گی۔ اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ حاکم حاضر کا دعوے جو اُس نے غائب پر کیا ہے اور اُس کے گواہ سُن سکتا ہے اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ اگر دو شخص ایک دیوار میں نزاع کریں جو اُن دونون کی ملک کے درمیان واقع ہو لیکن ان میں سے کسی کی عمارت سے ملی ہوئی نہ ہو تو دونوں کو دلائی جائے گی۔ اور اگر اُن میں ایک شخص کی اسپر کڑیاں رکھی تھیں تو اُس کو دوسرے پر ترجیح دیجائے گی۔ اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ اگر کسی آدمی کی قبضہ میں کوئی لڑکا بالغ عقل والا ہو اور وہ شخص دعوے کرے کہ یہ میرا غلام ہے۔ اور لڑکا اُس کی تکذیب کرے تو لڑکے ہی کا قول معتبر ہوگا۔ پھر اگر کسی نے اُس کے بیٹے ہونے کا دعوے کیا تو وہ بلا گواہوں کے مقبول نہ ہوگا۔ اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ اگر حاضر آدمی پر دو عادل گواہوں سے مدعی کا حق ثابت ہو جائے تو قاضی کو حکم دیدینا چاہیے گواہوں کے ہوتے ہوئے مدعی کو قسم نہ دیجائے گی۔ اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ گواہ مدعی پر لازم ہوتے ہیں۔ اور قسم انکار کرنے والے پر۔ یہان تک مسائل اجماعیہ ختم ہوئے۔

مسائل اختلافیہ

پہلا مسئلہ امام ابوحنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر ایسے شخص پر دعوے کیا جو دوسرے شہر کا باشندہ ہے جہاں کوئی حاکم شرعی نہیں اور مدعی نے اپنے شہر میں اُسے حاضر کرانا چاہا ہو تو حاضر ہونا اُسپر لازم نہ ہوگا جب تک اُن دونوں شہروں کے درمیان اتنی مسافت نہ ہو کہ اُس شہر میں جاکر اُسی دن میں اپنے گھر واپس چلا جائے حالانکہ امام شافعی اور امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ حاکم اُسے حاضر کرائے خواہ مسافت تھوڑی ہو یا زیادہ پس پہلا قول مدعا علیہ پر مخفف اور شرط مذکور کی وجہ سے مدعی پر مشدد ہے اور دوسرا قول پہلے کا برعکس ہے۔ اور ہوسکتا ہے کہ پہلا قول اُن بڑے درجہ کے لوگوں پر محمول ہو جنہیں اُس شہر میں حاضر ہونا مشکل ہو جسطرح مریض اور معذور لوگ اور دوسرا قول اُن لوگوں پر جنکو حاضر ہونا کچھ دشوار نہ ہو۔

دوسرا مسئلہ امام ابوحنیفہ رضہ کا قول ہے کہ حاکم غائب آدمی پر گواہوں کی وجہ سے ڈگری نہ کرے اور اُسپر جو حکم دینے سے پہلے اور گواہ گذر جانے کے بعد بھاگ جائے لیکن حاکم کی طرف سے تین آدمی اُس شخص کے دروازہ پر بلانے کو آئیں۔ پس اگر وہ چلا آئے تو خیر ورنہ دروازہ کھول کر (اُسے پکڑ لیا جائے)۔ اور امام ابویوسف سے منقول ہے کہ اُسپر حکم کیا جائے۔ اور امام ابوحنیفہ رضہ نے فرمایا کہ غائب پر کسی صورت میں

حکم نہ کیا جائے گا اس صورت میں کہ حکم جن لوگوں سے متعلق ہو اُن میں سے ایک موجود ہو مثلاً غائب آدمی وکیل تھا
ایک چیز میں بہت لوگ شریک تھے اور اُن سب میں سے ایک پر دعوے کیا جو حاضر تھا تو اُسپر بھی کیا جائے گا اور
کے ساتھ میں غائب پر بھی اور امام مالک رحمہ نے فرمایا کہ حاضر کی طرف سے غائب پر ڈگری دیسکتا ہے جبکہ حاضر
گواہ قایم کر دیے ہوں اور وہ اپنے واسطے اُسپر حکم کرانا چاہے اور امام شافعی رحمہ نے فرمایا کہ جب مدعی کی طرف سے
گواہ گذر جائیں تو ہر صورت میں حاکم غائب پر حکم دیسکتا ہے اور امام احمد رحمہ کی دو روایتوں میں سے ایک یہی ہے
پس پہلا قول غائب پر مخفف اور مدعی پر شرط مذکور کی وجہ سے مشدد ہے اور دوسرا غائب پر شرط مذکور کی وجہ سے مشدد
اور تیسرا مطلقاً اُسپر مشدد ہے۔ اور جس نے کہا کہ غائب پر حکم نہ کیا جائے اُس کی وجہ احتیاط پر عمل کرنا ہے کہ شاید وہ
اپنی حجت میں کامل اُترتا اور حاکم کے نزدیک ثابت کر دیتا اگر حاضر ہوتا کہ میں مظلوم ہوں اور جس نے کہا ہے کہ
حکم کر دیا جائے اُس کی وجہ یہ ہے کہ گواہ حاکم کے لئے کافی اور غائب کے وجود ہی کے قایم مقام ہیں کیونکہ جس کے
گواہ مدعا علیہ کے غائب ہونے کی صورت میں گواہی دیں وہ بعینہ وہی ہے کہ اگر غائب حاضر ہوتا تو اُس کے گواہ
گواہی دیتے

تیسرا مسئلہ امام مالک رحمہ کا قول اور امام شافعی رحمہ کا صحیح مذہب یہ ہے کہ جب غائب پر یا نابالغ یا مجنون
پر گواہ گذر جائیں تو باوجود گواہوں کے مدعی کو قسم دینا بھی ضروری ہے اور امام احمد
سے دو روایتیں ہیں ایک یہ کہ نہ دی جائے۔ پس پہلے قول میں تشدید اور غائب و نابالغ و مجنون کے لئے احتیاط ہے
اور دوسرے قول میں امام احمد رحمہ کی دوسری روایت کے اعتبار سے تخفیف ہے۔ اور ہوسکتا ہے کہ جو یا جو
گواہوں کے قسم دلانے کا قائل ہے اُس کا قول اُس صورت پر محمول کیا جائے کہ گواہوں میں کوئی کلام ہو لیکن
وہ ثابت نہ ہوا ہو اور دوسرے قول کو اس صورت پر محمول کیا ہے کہ گواہ یقیناً عادل ہوں مثلاً علما و صلحا۔

چوتھا مسئلہ امام ابو حنیفہ رحمہ کا قول یہ ہے کہ اگر کوئی شخص مرگیا اور اُس نے ایک بیٹا مسلمان اور ایک
نصرانی زندہ چھوڑا اور پھر ہر ایک نے دعوے کیا کہ میرا باپ میرے دین پر فوت ہوا ہے
اس لئے اس کا میں ہی وارث ہوں یا وہ شخص مرگیا جس کا نصرانی ہونا مشہور تھا۔ لیکن گواہوں نے گواہی دی کہ وہ
مسلمان ہوکر مرا ہے۔ اور دوسرے گواہوں نے یہ گواہی دی کہ وہ کفر پر مرا ہے تو اسلام کی گواہی دینے والے
مقدم کئے جائیں گے۔ حالانکہ امام شافعی رحمہ کے دو قولوں میں سے ایک یہ ہے کہ جب گواہ متعارض ہو جائیں تو ساقط
کر دئے جائیں۔ اور ایسا کر دیا جائے کہ گویا گواہ موجود ہی نہیں اور نصرانی کو (اس صورت میں) قسم دیجائے
(اور جب وہ قسم کھالے) تو اسی کے موافق حکم دیا جائے۔ اسی طرح امام موصوف کا دوسرا قول یہ ہے کہ دونوں
کے درمیان قرعہ اندازی کی جائے اور میت کو غسل دیکر اُسپر نماز پڑھی جائے اور مقابر مسلمین میں دفن کیا جائے۔ پس پہلا
قول جس کے امام احمد رحمہ بھی قائل ہیں ثبوت اسلام کو ترجیح دیتا ہے۔ اور دوسرا قول ثبوت کفر کو۔ اور باقی اقوال
ظاہر ہیں۔

پانچواں مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ اگر مدعی نے کہا کہ میرے پاس گواہ نہیں ہیں۔ یا کہا کہ
میرے گواہ سب جھوٹے ہیں پھر گواہ گذارے تو اُن کی گواہی مقبول ہوگی۔ حالانکہ امام احمد
کا قول یہ ہے کہ قبول نہ ہوگی۔ پس پہلے قول میں مدعی پر تخفیف ہے کیونکہ احتمال ہے کہ شاید اُس نے غصہ یا غفلت
کی حالت میں ایسا کہدیا ہو۔ اور دوسرے قول میں اُسپر تشدید ہے اور عذر کچھ نہیں جب اُس نے گواہوں کی

۔۔۔ دروغ کا خود اقرار کیا)۔

چھٹا مسئلہ امام ابو حنیفہ رضہ کا قول اور امام احمد رضہ کی دو روایتوں میں سے ایک یہ ہے کہ خارج (جو چیز کا قابض نہو) کے گواہ ملک مطلق میں قابض کے گواہوں سے مقدم رہیں گے نہ اس ملک کے جو دعوے میں کسی ایسے سبب کی طرف منسوب کرے جو مکرر نہ ہوتا ہو۔ مثلاً بنا ہوا کپڑا جو صرف ایک ہی دفعہ بنا جاتا ہو اُس کے اپنے ہاتھ سے بننے کا دعوے کرے۔ کیونکہ اس صورت میں قابض کے گواہ معتبر ہونگے اور اگر مالک ہونے کی دونوں فریق تاریخ بیان کریں تو اگر قابض کی تاریخ مقدم ہوگی تب بھی اسی کے گواہ مقدم کئے جائیں گے۔ حالانکہ امام مالک رضہ کا اور امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ قابض کے گواہ ہر حال میں مقدم رکھے جائیں گے۔ پس پہلا قول تفصیل مذکور کی وجہ سے قابض پر مشدد ہے اور دوسرا اُس پر مخفف۔ پہلے قول کی وجہ ہو لہ غیر قابض کے گواہ کبھی قابض سے زیادہ قوی ہوتے ہیں۔ کیونکہ ہر قابض اپنے قبضہ میں حق پر نہیں ہوتا۔ اور دوسرے قول کی وجہ پہلے کا برعکس ہے کیونکہ تمام گواہ سچے ہی نہیں ہوتے ہیں اور ہو سکتا ہے کہ پہلا قول دیندار تقوے والوں پر محمول ہو۔ اور دوسرا غیر جو ایسے نہوں اور اسکے برعکس بھی ممکن ہے جبکہ قابض دیندار او تقوے والا ہو نہ غیر قابض۔ پس حاکم کی رائے پر موقوف ہے جیسا حکم وہ اپنے یا فریقین یا اُن میں سے ایک کے ذمہ سے بری ہونے کا سبب جانے دیسا دے اور حاکم بالہم آگ کے کنارہ پر ہے خدائے مہربان سے پناہ مانگتے ہیں۔

ساتواں مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ جب دو فریق گواہوں کے متعارض ہوجائیں اور اُن میں سے ایک فریق عدالت میں زیادہ مشہور ہو تو اُس سے اسکو ترجیح نہوگی۔ حالانکہ امام مالک کا قول یہ ہے کہ اس سے اُس فریق کو ترجیح ہوگی۔ پس پہلے قول میں گواہوں کے اُس فریق پر جو عادل زیادہ مشہور ہے تشدید ہے۔ اور دوسرا دونوں فریقوں پر مخفف ہے اور دار و مدار حاکم رائے پر ہے۔

آٹھواں مسئلہ امام ابو حنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے دعوے کیا کہ وہ چیز جو فلاں شخص کے قبضہ میں ہے وہ میری ہے اور گواہوں کے فریق متعارض ہوئے تو اُن دونوں کو ساقط نہ کیا جائے گا۔ بلکہ وہ چیز دونوں پر تقسیم کردیجائے گی۔ حالانکہ امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ اُن دونوں کو قسم دیجائے گی اور پھر وہ دونوں میں تقسیم کردی جائے گی اور اگر ایک نے تو قسم کھالی اور دوسرے نے انکار کیا تو قسم کھانے والے کو دیجائے گی نہ انکار کرنے والے کو۔ حالانکہ امام شافعی رضہ کے دو قولوں میں سے ایک یہ ہے کہ دونوں ساقط۔ جس طرح اگر گواہ نہوتے تو (یہی حکم ہوتا)۔ پس پہلے قول میں قابض پر اس وجہ سے تشدید ہے کہ اُس کو صرف آدھی ملے گی اور دوسرے قول میں بھی یہی بات ہے اور تیسرا قول ظاہر ہے کیونکہ مرجح کوئی ہے نہیں پس حاکم چاہے تو تقسیم کردے اور چاہے قرعہ ڈال لے اور چاہے تو توقف کرے۔

نواں مسئلہ امام ابو حنیفہ رضہ اور امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ اگر کسی نے دعوی کیا کہ میں فلاں عورت سے صحیح نکاح کرچکا ہوں تو اُس کا دعوی سنا جائے گا بلا ذکر شرائط صحت۔ حالانکہ امام شافعی رضہ اور امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ حاکم کو اُس کا دعوی جبتک کہ شروط صحت نکاح نہ بیان کرے سننا درست نہیں اور وہ اسطرح کہ یوں کہے کہ میں نے اس عورت سے بذریعہ اُس کے بالغ ولی اور دو عادل گواہوں کے اور اُس کی خود کی رضامندی کے ساتھ (اگر رضا شرط ہو) نکاح کیا پس پہلا قول مدعی پر مخفف ہے اور دوسرے میں اس پر تشدید ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ پہلا قول اُن لوگوں پر محمول ہو جو دینداری اور تقوے

اور علم میں مشہور ہیں۔ اور دوسرا اُن پر جو ایسے نہ ہوں۔

دسواں مسئلہ امام ابوحنیفہ رح کا قول یہ ہے کہ اگر مدعا علیہ قسم سے انکاری ہو جائے تو قسم مدعی پر نہ عائد کی جائے بلکہ اس کے انکار کی وجہ سے (مدعا علیہ پر) حکم کر دیا جائے (کہ دعویٰ ثابت)۔ حالانکہ امام احمد رح کا قول ہے کہ قسم مدعی پر عائد کی جائے گی اور انکار کی وجہ سے (مدعا علیہ پر) حکم کیا جائیگا اسی طرح امام مالک رح کا قول یہ ہے کہ قسم مدعی کی طرف عائد ہو گی۔ اور مدعا علیہ پر اُس کے انکاری ہو جانے کی وجہ سے اُن معاملات کا حکم کر دیا جائے گا جو ایک گواہ اور ایک قسم سے ثابت ہو جاتے ہوں یا ایک مرد گواہ اور دو عورتوں سے اسی طرح امام شافعی رح کا قول یہ ہے کہ پھر مدعی کو قسم دیجائے گی اور تمام معاملات میں مدعا علیہ کے انکاری ہو جانے کی وجہ سے اُسپر حکم کر دیا جائے گا۔ پس تمام ائمہ بعض امور میں مشدد اور بعض میں مخفف ہیں۔

گیارھواں مسئلہ امام ابوحنیفہ رح کا قول یہ ہے کہ قسم کسی (خاص) زمانہ یا جگہ کی وجہ سے سخت نہیں ہوتی حالانکہ امام مالک رح اور امام شافعی رح کا قول اور امام احمد رح کی دو روایتوں میں سے ایک یہ ہے کہ سخت ہو جاتی ہے۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے اور ہو سکتا ہے کہ سخت ہو جانے کا قول اہل شک پر محمول ہو اور جو سختی کے قائل نہیں اُن کا قول دیندار سچے لوگوں پر۔

بارھواں مسئلہ امام ابوحنیفہ رح کا قول یہ ہے کہ اگر دو عادل آدمیوں نے کسی پر گواہی دی کہ اُس نے اپنے غلام کو آزاد کر دیا ہے اور مولا نے انکار کیا تو گواہی صحیح نہ ہو گی۔ حالانکہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ اُس کے آزاد ہونے کا حکم دیدیا جائے گا۔ پس پہلا قول مولیٰ پر مخفف اور دوسرا اُس پر مشدد ہے۔ پہلے قول کی وجہ آدمی کے حق کی رعایت کرنا ہے۔ دوسرے قول کی وجہ اللہ کے حق کی رعایت کرنا ہے اور اس مقام پر چند راز ہیں جو کتاب میں مذکور نہیں ہو سکتے۔

تیرھواں مسئلہ امام ابوحنیفہ رح کا قول ہے کہ اگر میاں بیوی اُس گھر کے اسباب میں جہاں دونوں رہتے ہیں جھگڑا کریں اور اس سامان پر قبضہ دونوں کا موجود ہو اور گواہ کسی کے پاس نہ ہوں تو جو چیز علانیہ اُن دونوں کے ہاتھ میں ہو تو دونوں کی ہے اور جو چیزیں حکماً اُن کے قبضہ میں ہیں تو اُن میں وہ چیز جو مردوں کے کام کی ہو مرد کی ہو گی اور اس میں اُسی کا قول معتبر ہو گا اور جو چیز عورتوں کے کام کی ہو گی وہ عورت کی ہو گی اور اُس میں اُسی کا قول معتبر ہو گا اور جو چیز دونوں کے کام کی ہو تو وہ زندگی بھر تو مرد کی ہو اور بعد مرنے کے جو اُن میں سے زندہ رہے اُس کی ہے۔ حالانکہ امام مالک رح کا قول یہ ہے کہ ہر وہ شے جو دونوں کی ہو سکے تو وہ بالکل مرد کی ہے۔ اسی طرح امام شافعی رح کا قول یہ ہے کہ پہلے دونوں کو قسم دیجائے گی اور بعد میں اُس کو دونوں پر تقسیم کر دیا جائے گا۔ اسی طرح امام احمد رح کا قول یہ ہے کہ وہ شے جس میں جھگڑا ہے مردوں ہی کے کام کی ہے جسطرح عمامہ وغیرہ تو اُس میں مرد کا قول معتبر ہے۔ اور اگر وہ چیز عورتوں کے کام کی ہو جسطرح برقعہ وغیرہ تو اُس میں عورت کا قول معتبر ہے۔ اور اگر ایسی چیز ہو جو دونوں کے کام میں آتی ہو تو وہ بعد وفات دونوں میں تقسیم کی جائے گی۔ پھر اس میں کوئی تفریق نہیں کہ اُس چیز کا قبضہ کھلم کھلا ہو یا حکم کے۔ اور یہی حکم اُس وقت ہے کہ جب میاں بیوی کے مرجانے کے بعد دونوں کے وارث خانگی اسباب میں جھگڑا کریں۔ اسی طرح امام ابویوسف کا قول یہ ہے کہ اُن چیزوں میں عورت کا قول معتبر ہے جو حسب دستور عورت کو جہیز میں دیجاتی ہیں۔ پس پہلا قول مفصل اور دوسرا عورت پر مشدد ہے اور تیسرا ظاہر ہے۔ کیونکہ مرجح موجود نہیں۔ اور چوتھا قول نہایت توضیح

وتنقیح کے ساتھ مفصل ہے اور پانچواں قول خاوند پر مشدد ہے۔

چودھواں مسئلہ امام ابو حنیفہ رحمہ کا قول یہ ہے کہ اگر کسی کا دوسرے پر قرضہ ہو اور وہ انکاری ہو جائے اور قرضخواہ مقروض کے مال پر قابو پاوے تو اُسے جائز ہے کہ اپنا قرضہ اُس میں سے بلا اجازت لے لے لیکن یہ شرط ہے کہ جس جنس کا قرضہ ہو اُسی جنس سے مال ہو۔ حالانکہ امام مالک کی دو روایتوں میں ایک یہ ہے کہ اگر مقروض پر اُس کے قرضہ کے سوا اور کسی کا قرض نہ ہو تو بلا اجازت اپنا قرضہ وصول کر سکتا ہے اور اگر اس کے قرضہ کے سوا کسی اور کا قرضہ بھی ہو تو بقدر اپنے حصہ کے اُس میں سے مجرا کرے جو کچھ بچے وہ اُسے واپس دیدے اسی طرح امام مالک رحمہ کی دوسری روایت یہ ہے کہ بلا اجازت نہ لے اور اگر اُس کے اوپر اس کے قرضہ کے سوا کسی اور کا بھی قرض ہو تو لے سکتا ہے خواہ مقروض اپنے اوپر کے قرضہ کا نادہند ہو یا نہیں اور خواہ اُس کے قرضہ کے گواہ ہوں یا نہ اور خواہ وہ مال قرضہ کی جنس سے ہو یا نہ۔ اسی طرح امام شافعی رحمہ کا قول یہ ہے کہ ہر صورت میں بلا اجازت لینا جائز ہے۔ اسی طرح اگر اُس کے پاس گواہ ہوں اور بذریعہ عدالت وصول کرنا ممکن ہو تو امام موصوف کا اصح مذہب یہ ہے کہ لے لینا جائز ہے اور اگر وہ قرضہ کا اقرار کرتا ہو لیکن اپنے غلبہ کی وجہ سے دیتا نہ ہو تو بھی (جب قابو پائے) تو اپنا قرضہ وصول کرلے۔ پس پہلا قول شرط مذکور کی وجہ سے قرضخواہ پر مخفف ہے اور دوسرا مفصل اور تیسرا اجازت کی شرط کی وجہ سے مشدد اور لینا جائز ہونے کی وجہ سے مخفف ہے اگرچہ انکار کرنے والے (مقروض پر) کسی اور کا بھی قرض ہو اور چوتھا قول بالکل مخفف ہے۔

اور ان تمام اقوال کی وجوہ ظاہر ہیں۔ کیونکہ ان تمام صورتوں میں اپنا قرضہ لے لینا طریقہ شرعیہ کے موافق ہے اور اس مسئلہ کا مسئلۃ الظفر نام ہے لیکن یہ بات ظاہر ہے کہ اس کی اجازت سے لینا بہتر ہے۔ اس لئے کہ احتمال ہے کہ یہ مال اُس کی ملک نہ ہو اس قرینہ سے کہ جسطرح اُس نے اس کے قرضہ کا انکار کر دیا کیا عجب ہے کہ اُس نے دوسرے کا مال بلا حق شرعی لے لیا ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتاب شہادتوں کے بیان میں

مسائل اجماعیہ

اماموں کا اسپر اتفاق ہے کہ نکاح میں گواہ ہونا شرط ہے اور باقی معاملات جسطرح خرید و فروخت وغیرہ سو اُن میں گواہ بنانا شرط نہیں اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ قاضی کو یہ جائز نہیں کہ گواہوں کو گواہی سکھلا وے (کہ یوں کہو گے تو مقدمہ جیت جاؤ گے) بلکہ جو کچھ وہ کہیں اُسے سُنے۔ اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ عورتوں کی گواہی حدود اور قصاص میں مقبول نہیں اور صرف عورتوں کی گواہی اُن معاملات میں مقبول ہے جن کی لوگوں کو اطلاع کم ہوتی ہے۔ اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ شطرنج سے کھیلنا مکروہ ہے اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ ایک گواہ اور ایک قسم کے ساتھ فیصلہ کرنا مالی حقوق میں صحیح ہیں۔ اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ فرعی گواہ (یعنی وہ جنکو اصلی گواہوں نے اپنی طرف سے گواہ بنا دیا ہو) اگر اصلی گواہوں کی صفائی بیان کر دیں لیکن قاضی کے سامنے اُن دوں کا نام و نسب بیان

کریں تو اُن کی گواہی (جو اصلی گواہوں کی گواہی پر دہ دیں) مقبول نہ ہوگی۔ امام ابن جریر طبری کا اس میں خلاف ہے وہ کہتے ہیں مسموع ہوگی اُس کی صورت یہ ہے کہ اُن میں سے ہر ایک یوں کہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ مجھے فلاں شخص عادل نے اپنے اس امر پر گواہ ہونے کا گواہ بنایا کہ فلاں بن فلاں کے فلاں آدمی پر ایک ہزار روپے لازم ہیں۔ اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ اصلی گواہوں کے موجود ہوتے فرعی گواہوں کی گواہی جائز نہیں مگر اس صورت میں کہ اصلی گواہوں کو کوئی عذر گواہی سے روکے۔ اسی طرح اس پر بھی اتفاق ہے کہ اگر دو گواہ کسی بات پر گواہی دے چکیں اور پھر حاکم کے حکم دینے کے بعد لوٹ جاویں تو وہ حکم حاکم کا نہ ٹوٹے گا جو اُن کی گواہی کی بنا پر دیا جاچکا۔ اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ اگر دونوں گواہ حاکم کے حکم دینے کے بعد پھر جاویں تو ان کی گواہی کی بنا پر حکم نہیں دیسکتا۔ یہانتک مسائل اجماعیہ ختم ہوئے۔

مسائل اختلافیہ

پہلا مسئلہ امام ابو حنیفہ رحمہ کا قول یہ ہے کہ مقدمہ کے وقت ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے نکاح کا ثبوت ہوجاتا ہے حالانکہ امام مالک رحمہ اور امام شافعی رحمہ کا قول یہ ہے کہ ثابت نہیں ہوتا اور امام احمد رحمہ کی دو روایتوں میں سے اظہر روایت یہی ہے۔ پس پہلے قول میں تخفیف اور دوسرے میں تشدید ہے۔

دوسرا مسئلہ امام شافعی رحمہ وغیرہ کا قول یہ ہے کہ دو غلاموں کے سامنے نکاح منعقد نہیں ہوتا۔ حالانکہ امام احمد رحمہ کا قول یہ ہے کہ دو غلاموں کی گواہی سے بھی منعقد ہوجاتا ہے۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے اور دونوں میں سے ہر ایک کی وجہ ضرور ہے۔ پس پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ نکاح بہ نسبت اموال کے زیادہ خطرناک امر ہے کیونکہ اُس کے اندر بیشبا نگاہوں کی احتیاط اور انساب کا اثبات اور زانیوں کی حرکات سے بچنا ہے۔ لہذا گواہوں میں پوری صفات ہونی چاہئیں اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ بعض روایات میں مطلق دو گواہوں کا لفظ آیا ہے اور اُس میں دو غلام بھی داخل ہیں۔ اگر وہ عاقل بالغ مسلمان ہوں بلکہ غلام کبھی دینداری میں بہت سے آزادوں سے بہتر ہوتا ہے جیسا کہ لوگوں میں دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے۔

تیسرا مسئلہ ائمہ کا قول ہے کہ بیع میں کسیکو گواہ بنالینا مستحب ہے۔ حالانکہ امام داؤد رحمہ کا قول یہ ہے کہ واجب ہے۔ پس پہلا قول مخفف اور دیندار سچے متقی لوگوں پر محمول ہے۔ اور دوسرا مشدد اور اُن لوگوں پر محمول ہے جو ایسے نہ ہوں۔

چوتھا مسئلہ امام ابو حنیفہ رحمہ کا قول یہ ہے کہ اُن معاملات میں جنکی اطلاع اکثر مردوں کو بھی ہوجاتی ہے عورتوں کی گواہی مقبول ہے جسطرح طلاق، غلام کو آزاد کرنا وغیرہ۔ خواہ تنہا عورتیں ہی ہوں یا مرد بھی ساتھ ہوں۔ حالانکہ امام مالک رحمہ کا قول یہ ہے کہ مقبول نہیں۔ ہاں اُن کے نزدیک اُن اُمور میں گواہی عورتوں کی مقبول ہے جو منجملہ اموال کے نہ ہوں یا وہ عیوب ہوں جو عورتوں کے ساتھ مخصوص اور اُن اعضا میں ہوتے ہیں جنپر عورتوں کے سوا کوئی مرد آگاہ نہیں ہوسکتا۔ اور یہی قول امام احمد رحمہ اور امام شافعی رحمہ کا ہے۔ پس پہلے قول میں مدعی پر تخفیف اور مدعا علیہ پر تشدید ہے۔ اور دوسرے قول میں تشدید ہے اور دونوں قولوں میں سے ہر ایک کی وجہ ہے۔

پانچواں مسئلہ امام ابو حنیفہ رحمہ کا قول اور امام احمد رحمہ کی دو روایتوں میں سے اظہر روایت یہ ہے کہ عورتوں کی گواہی میں کوئی عدد معتبر نہیں بلکہ ایک عورت کی گواہی بھی مقبول ہے۔ حالانکہ امام مالک رحمہ کا قول اور امام احمد رحمہ کی دوسری روایت یہ ہے کہ دو عورتوں سے کم کی گواہی مقبول نہیں۔ اسی طرح امام شافعی رحمہ کا قول یہ ہے کہ چار عورتوں سے کم کی گواہی مقبول نہیں پس پہلا قول مخفف اور دوسرے میں تشدید اور تیسرا اشد ہے اور یہ سب اقوال اجتہاد پر مبنی ہیں۔

چھٹا مسئلہ امام ابو حنیفہ رحمہ کا قول یہ ہے کہ پیدا ہوئے بچہ کے زندہ پیدا ہونے کا ثبوت دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے ہوگا کیونکہ اس کے ثبوت سے توریث (بچہ کا وارث اور مورث) ہونا ثابت ہوگا۔ رہا غسل دینے اور اس پر نماز پڑھی جانے کے لئے صرف ایک عورت کی گواہی بھی کافی ہے۔ حالانکہ امام مالک رحمہ کا قول یہ ہے کہ دو عورتوں کی گواہی قبول ہوگی۔ اسی طرح امام شافعی رحمہ کا قول یہ ہے کہ تنہا عورتوں کی گواہی مقبول ہوگی مگر ان کے قاعدہ کی بنا پر چار ہونی چاہئیں۔ اسی طرح امام احمد رحمہ کا قول یہ ہے کہ پیدا ہوئے بچہ کی زندگی معلوم کرنے کے لئے صرف ایک عورت کی گواہی کافی ہے پس پہلا قول مفصل اور دوسرے میں تشدید ہے اور تیسرا بھی ایسا ہی ہے۔ اور چوتھا اس اعتبار سے کہ بچہ کی زندگی صرف ایک عورت سے بھی ثابت ہو جاتی ہے تخفیف ہے اور یہ تمام مجتہدین کے اجتہادوں کے نتائج ہیں

ساتواں مسئلہ امام ابو حنیفہ رحمہ کا قول یہ ہے کہ اشاعت کا ثبوت بغیر دو مردوں یا ایک مرد اور ایک عورت کی گواہی کے نہیں ہوتا اور تنہا عورتوں کی گواہی اس بارہ میں بالکل مقبول نہیں لیکن امام مالک کا مشہور قول یہ ہے کہ دو عورتوں کی گواہی کافی ہو سکتی ہے اور امام شافعی رحمہ کم از کم چار عورتوں کی گواہی اس بارہ میں مقبول سمجھتے ہیں۔ اسی طرح امام مالک رحمہ کا دوسرا قول یہ ہے کہ اس بارہ میں ایک عورت کی گواہی بھی مسموع ہوگی جبکہ آس پاس کے لوگوں میں رضاعت مشہور ہو گئی ہو۔ اسی طرح امام احمد رحمہ کا قول یہ ہے کہ اس بارہ میں تنہا عورتوں کی گواہی معتبر ہے اور امام موصوف کے مشہور قول کے مطابق رضاعت میں ایک عورت کی گواہی کافی ہوتی ہے۔ پس پہلے قول میں تشدید اور دوسرے میں تخفیف ہے۔ اسی طرح تیسرا قول شرط مذکور کی وجہ سے اور امام احمد رحمہ کا قول مخفف ہے اور یہ تمام اجتہاد مجتہدین کے ثمرات ہیں اور ہر قول کی ایک وجہ ضرور ہے

آٹھواں مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ نابالغ بچوں کی گواہی مقبول نہیں حالانکہ امام مالک رحمہ کا قول یہ ہے کہ زخم کر دینے کے بارہ میں انکا قول معتبر ہے اگرچہ وہ کسی ایسی بات کے لئے جمع ہوئے ہوں جو مباح ہو اور متفرق ہونے سے پہلے (زخم کئے جانے کو دیکھ لیں) اور امام احمد رحمہ سے بھی یہی منقول ہے اور امام موصوف سے ایک اور روایت یہ ہے کہ ہر معاملہ میں ان کی گواہی مقبول ہے یعنی بشرطیکہ ان کی مقررہ تعداد پوری موجود ہو۔ پس پہلے قول میں مدعی پر تشدید اور دوسرے میں شرط مذکور کی وجہ سے اس پر تخفیف اور تیسرا اس پر مخفف ہے پس بعض اماموں نے ارواح کے مقتضا کو غالب رکھا۔ کیونکہ تمام ارواح کا ادراک برابر ہے خواہ وہ صغیر السن کی ہوں یا کبیر السن کی پس بچہ کی روح مثل بڑے کی روح کے ہے اور اہل کشف کا اس پر اجماع ہے کہ روح بالغ سمجھدار اور بات پہچاننے والی پیدا کی گئی ہے کہ یہ امر خدا تعالیٰ کے لئے (تسلیم کرنا واجب ہے) اور یہ امر اس پر محال ہوا ور روح کے اندر فرشتوں کی طرح ترقی مقامات ناممکن ہے برعکس اس امام کے جس نے ارواح پر اجسام کو غالب مانا ہے کیونکہ جسم اپنی ذات میں زیادت اور نمو کو قبول کرتا ہے جیسا کہ مشاہدہ سے معلوم ہوتا ہے اور اسی حیثیت

میں اُس طرف اشارہ بھی کیا گیا ہے کہ تین شخصوں سے قلم اُٹھا دیا گیا ہے (یعنی اُن کے افعال لکھے نہیں جاتے) منجملہ جن کے بچہ سے بھی جب تک کہ وہ بالغ نہ ہو (انتہی) برخلاف ارواح کے کیونکہ وہ پہلے ہی سے بالغ پیدا کی گئی ہیں اور اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ حق تعالیٰ کے رب ہونے کا اقرار کیسے کرتیں اور وہ اقرار قبول کیوں کیا جاتا) حالانکہ انکا اقرار یوم الست میں قبول کیا گیا اور اس مقام پر اسرار ہیں جنکو اللہ والے خوب جانتے ہیں کتاب میں درج نہیں ہو سکتے :-

نواں مسئلہ امام ابو حنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ جس کو تہمت لگانے کی وجہ سے حد ماری جا چکی ہو تو اُسکی گواہی مقبول نہ ہوگی اگرچہ وہ تائب ہی ہو گیا ہو (اگر بعد حد کے توبہ کی ہو) حالانکہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ جب توبہ کر لیتا ہے تو اُس کی گواہی مقبول ہوتی ہے خواہ حد کے بعد توبہ کرے یا پہلے مگر امام مالک رضہ نے یہ شرط کی ہے کہ باوجود توبہ کے اُس معاملہ میں گواہی نہ لی جائے جس میں اُسپر حد ماری جا چکی۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے۔

پہلے قول کی وجہ آیات و احادیث کے ظاہر معانی پر عمل کرنا ہے جسطرح خدا تعالیٰ کا قول ہے کہ (ولا تقبلوا لھم شھادۃ ابدا اولئک ھم الفاسقون) الا اللذین تابوا من بعد ذلک و اصلحوا) اور یہیں سے امام مالک رضہ نے فرمایا کہ تہمت لگانے والے کی توبہ صحیح ہونے کے لئے اعمال کا درست ہونا گناہوں سے بچنا اور نیک کاموں کی طرف راغب ہونا شرط ہے۔ اور امام احمد رضہ نے فرمایا کہ صرف توبہ کر لینا کافی ہے یعنی اگرچہ اُسکے اعمال درست نہ ہوئے ہوں۔ پس علماء توبہ کو مقید کرنے اور مطلق رکھنے میں مشدد اور مخفف کے درمیان دریا ہیں اور ہو سکتا ہے کہ جس نے کہا کہ توبہ صحیح ہونے کے لئے اتنی مدت تک گناہوں سے باز رہنا شرط ہے کہ جس کے بعد اُس کے نیک ہو جانے کا ظن غالب ہو جائے اُن لوگوں پر محمول ہو جن کے توبہ کر لینے کے بعد کچھ میلان گناہوں کی طرف پایا جائے۔ اور جس نے کہا کہ صرف توبہ کر لینا کافی ہے اُن لوگوں پر محمول ہو جنکا گناہ کی طرف میلان نہ ہو۔

دسواں مسئلہ امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ تہمت لگانے والے کی توبہ کا طریق یہ ہے کہ وہ یوں کہے کہ میرا تہمت لگانا فلاں آدمی کو باطل اور حرام تھا اور اب میں نادم اور پشیماں ہوں آیندہ ایسا نہ کرونگا۔ حالانکہ امام مالک رضہ اور امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ اُس کا طریق یہ ہے کہ اپنی تکذیب کرے۔ علماء نے کہا کہ حرامی کی گواہی زنا میں معتبر ہے۔ پس پہلے قول میں تشدید اور دوسرا مخفف ہے۔

گیارھواں مسئلہ امام ابو حنیفہ رضہ اور امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ شطرنج کھیلنا حرام ہے۔ اور اگر اس کی کوئی کثرت کرے تو اُس کی گواہی مقبول نہیں۔ حالانکہ امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ حرام نہیں مگر جب (جیتنے والا) کچھ شرط کرے یا اُس کھیلنے میں فرض نماز جاتی رہے پس پہلا قول نرد شیر کھیلنے کی ممانعت پر قیاس کر کے مشدد ہے اور دوسرے میں شرط مذکور نہ پائے جانے کی صورت میں تخفیف ہے۔ پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ اُس کا کھیل خدا تعالیٰ کی یاد اور اکثر نماز سے بھی غافل کر دیتا ہے۔ لہٰذا اُس کا حرام ہونا مناسب ہے۔
دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ اس سے کفار اور باغیوں سے لڑنے کے ڈھنگ اور چالیں معلوم ہوتی ہیں۔ لہٰذا اس کا حرام نہ ہونا مناسب ہے وجہ یہ ہے کہ اُس کے اندر بعض لہو ہے ہی نہ وا جو حرام ہے۔ پس اس کو خوب سمجھ لے

بارھواں مسئلہ امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ جب شیرہ (انگور یا کھجور) میں اختلاف ہے اس کے پینے والے کی گواہی مردود نہیں جب تک اس سے نشہ نہ آ دے۔ حالانکہ امام مالک کا قول اور امام احمد رضہ

کی مورد ریتوں میں سے ایک یہ ہے کہ حرام ہے اور اُس کا پینے والا فاسق ہے اور اُس کی شہادت بھی مقبول نہیں اسیطرح امام احمد رض کی دوسری روایت ہے۔ یہی جو امام ابوحنیفہ رض کا مذہب ہے۔ پس پہلے قول میں تخفیف اور دوسرا مشدد ہے اور اسی طرح وہ جو اس کے موافق ہے۔ (امام احمد رض کی روایت)۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ کسی کو فاسق صرف اس امر کے ارتکاب سے کہا جاسکتا ہے جس سے باجماع ائمہ فسق لازم آتا ہو۔

دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ گواہ کا مرتبہ گناہ سے بلند تر ہے ورنہ لوگوں کے حقوق و اموال خوب ضائع ہوا کریں گے۔

تیرھواں مسئلہ امام ابوحنیفہ رض کا قول یہ ہے کہ نابینا کی گواہی بالکل معتبر نہیں۔ حالانکہ امام شافعی رض اور امام احمد رض کا قول یہ ہے کہ اُن امور میں مقبول ہے جو سُننے سے تعلق رکھتے ہیں جس طرح نسب اور کسی کا مرجانا اور کسی کا کسی شے کا مالک ہونا اور کسی شے کا وقف ہونا، کسی غلام کا آزاد ہونا، اور باقی عقود جیسے نکاح، بیع، صلح، اجارہ، اقرار وغیرہ۔ خواہ اُن اُمور کے پائے جانے کی اطلاع (نابینا کو) اسی معذوری کی حالت میں ہوئی ہو یا اُس وقت بینا تھا اور بعد میں نابینا ہوا۔ اسی طرح امام شافعی رض کا قول یہ ہے کہ تین چیزوں میں مقبول ہے ایک اُن امور میں جو مشہور ہوتے ہوں دوسرے اس صورت میں کہ مثلاً نابینا نے کسی سے اقرار کا لفظ سُنا پھر اُس کو ہاتھ سے پکڑے رکھا۔ یہانتک کہ اُسی حالت میں اقرار کی گواہی دی۔ پس پہلے قول میں صاحب حق پر تشدید اور دوسرے میں تخفیف اور تیسرے میں کچھ تشدید ہے اور تمام اقوال کی وجوہ ظاہر ہیں۔

چودھواں مسئلہ امام ابوحنیفہ رض اور امام احمد رض کا قول یہ ہے کہ گونگے کی گواہی مقبول نہیں اگرچہ وہ اشارہ سے بات سمجھا دیتا ہو۔ حالانکہ امام مالک رض کا قول یہ ہے کہ مقبول ہے۔ بشرطیکہ اُس کا اشارہ سمجھ میں آتا ہو۔ اور اصحاب امام شافعی رض کے دو قولوں میں سے ایک یہی ہے۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرے میں شرط مذکور کی وجہ سے کچھ تخفیف ہے۔ پہلے قول کی وجہ اموال و اسباب میں احتیاط سے کام لینا ہے۔ پس اس کی گواہی کے موافق عمل کرنا مناسب نہیں۔

دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ جو اشارہ سمجھ میں آجائے وہ تصریح کے قائم مقام ہے۔ بلکہ بعض محققین کا قول ہے کہ اشارہ تصریح سے زیادہ فصیح ہوتا ہے۔ اس قرینہ سے کہ فقہا کا قول ہے کہ اگر کسی نے زید کے پیچھے نماز کی نیت کی پھر ظاہر ہوا کہ عمرو ہے تو جب تک نیت کے ساتھ اُسکی طرف اشارہ نہ کرے نماز صحیح نہیں۔ مثلاً یوں کہے "اس امام کے پیچھے"۔ دوسرا قرینہ یہ ہے کہ اشارہ میں تاویل کا احتمال نہیں ہوتا۔ برخلاف تصریح کے۔

پندرھواں مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ غلاموں کی گواہی مطلق مقبول نہیں۔ حالانکہ امام احمد رض کی مشہور روایت یہ ہے کہ حد اور قصاص کے سوا دوسرے معاملات میں مقبول ہے پس پہلا قول مشدد اور دوسرے میں ایک اعتبار سے تشدید اور ایک اعتبار سے تخفیف ہے۔

پہلے قول کی وجہ اموال و اسباب و حقوق میں احتیاط کرنا ہے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ غلام جھوٹ کہتا ہو یا اُسے یاد نہ رہا ہو۔ وجہ یہ کہ وہ کم عقل ہوتا ہے لہذا وہ کے ساتھ مشابہ ہے۔

دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ کبھی غلام عقلمند اور یاد رکھنے والا ہوتا ہے۔ جسطرح آزاد مرد اور حق تعالے

کا ارشاد ہے کہ "تم میں سب سے زیادہ بزرگ تم میں کا زیادہ تقویٰ والا ہے" اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "خبردار عربی آدمی کو عجمی پر یا عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں اور نہ سرخ کو سیاہ پر ترجیح ہے مگر تقویٰ کی وجہ سے"۔

سولھواں مسئلہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے کہ اگر غلام کو حالت غلامی میں کسی واقعہ کی اطلاع ہوئی اور اس کی گواہی آزاد ہونے کے بعد دی تو قبول کی جائے گی۔ حالانکہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے کہ اگر اس نے حالت غلامی میں گواہی دی تھی اور وہ رد کر دی گئی تھی تو اب بعد آزادی کے بھی قبول نہ ہوگی۔ اور یہی اختلاف اس کافر کے اندر ہے جسے اسلام لانے سے پہلے کسی واقعہ کی اطلاع ہوئی ہو یا بچہ کو بالغ ہونے سے پہلے کہ ان سب صورتوں میں ہر امام کے نزدیک وہی حکم ہے جو اس کے نزدیک غلام کے بارے میں ہے پس دونوں مسئلوں میں سے پہلے مسئلہ کے اندر تخفیف اور دوسرے میں تشدید ہے اور دونوں مسئلوں میں سے پہلے کی وجہ یہ ہے کہ اعتبار ادائے گواہی کے وقت کا ہے۔ اور دوسرے قول کی وجہ یہ کہ اطلاع واقعہ کے وقت کا اعتبار ہے۔

سترھواں مسئلہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے کہ شہرت کی وجہ سے پانچ امور میں گواہی درست ہے اول نکاح، دوم ہمبستری، سوم نسب، چہارم موت، پنجم کسی کا قاضی ہونا۔ حالانکہ اصحاب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا صحیح تر مذہب یہ ہے کہ آٹھ چیزوں میں درست ہے۔ نکاح، اور نسب، اور موت، اور قاضی ہونا، اور کسی چیز کا مالک ہونا، غلام کا آزاد ہونا، کسی شے کا وقف ہونا، کسی مال کا ولاء ہونا، (یعنی آزاد شدہ غلام کا مال متروکہ) اسی طرح امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے کہ نو چیزوں میں درست ہے آٹھ تو وہی جو اصحاب امام شافعی کے قول میں مذکور ہیں اور نویں شب زفاف (ہمبستری) کا ہو جانا۔ پس تمام امام زیادتی تعداد اور کمی کے اندر تخفیف اور تشدید کے درمیان درمیان ہیں اور ان کے اقوال کی وجوہ ظاہر ہیں۔

اٹھارھواں مسئلہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے کہ کسی نے کسی کو کسی چیز پر قابض اور اس میں سے تصرف کرتے دیکھا تو اسے جائز ہے کہ اس کے قبضہ کی گواہی دے۔ رہا یہ کہ اس کے مالک ہونے کی دیکھتا ہے یا نہیں سو اس میں دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ اگر شہر ہو تو ملک کی گواہی جائز ہے اور یہی قول ابو سعید اصطخری کا ہے اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی دو روایتوں میں سے ایک روایت بھی یہی ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ جائز نہیں اور یہ قول امام اسحاق مروزی کا بھی ہے۔ اسی طرح امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ قول یہ ہے کہ ملک کی گواہی شہرت کی وجہ سے جائز ہے اور قبضہ دیکھ کر بھی اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے بھی دوسری روایت یہی ہے۔ اسی طرح امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے کہ اگر تھوڑی مدت تک تصرف کرتا رہا تو صرف قبضہ کی گواہی دینی درست ہے ملک کی نہیں اور اگر بہت زمانہ تک تصرف رہا ہو۔ مثلاً دس سال یا اس سے بھی زیادہ تو اس کی ملک کا قطعی حکم دیا جائے گا بشرطیکہ مدعی اس کے تصرف کے متعلق موجود نہ ہو۔ الا یہ کہ مدعی اس کا رشتہ دار یا اس کو تصرف سے منع کرنے میں بادشاہ سے ڈرتا ہو۔ پس امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام اصطخری اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول مخفف ہے اور امام مروزی رحمۃ اللہ علیہ کا قول مشدد اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی مخفف ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے قول میں اگر شرط مذکور کی پائی جائے تو ملک کی گواہی ناجائز ہونے کے اعتبار سے تشدید ہے اور تمام اقوال کی وجوہ ظاہر ہیں۔

انیسواں مسئلہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے کہ جزیہ دینے والوں کی آپس میں (ایک دوسرے پر) جائز ہے اور یہی امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے۔ حالانکہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

اور امام احمد رضہ کی دوسری روایت یہ ہے کہ وہ مقبول نہیں۔ پس پہلے قول میں تخفیف اور دوسرے میں تشدید ہے۔
پہلے کی وجہ یہ ہے کہ کفار کے معاملات اپنے اعتقاد کے موافق ہیں کیونکہ اُن کے ہم مذہب اُن کے نزدیک عادل (نیک) ہیں۔
دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ اُن کے معاملات مسلمانوں کے سے ہیں۔

بیسواں مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان سفر میں مرنے لگے اور اُس وقت ذمی کے سوا اور کوئی نہ ہو پس اُسی کو وصیت کر دے تو اُس کی گواہی مقبول نہ ہوگی۔ حالانکہ امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ گواہی مقبول ہے اور دونوں کو اس طرح قسم دلائی جائے کہ قسم خدا کی نہ ہم نے خیانت کی اور چھپایا اور نہ تبدیل و تغییر کی اور بیشک فلاں آدمی نے یہ وصیت کی (مرتے وقت) پس پہلا قول مشدد اور دوسرے میں شرط مذکور کی وجہ سے تخفیف ہے۔
پہلے قول کی وجہ کافر کے قول پر اعتماد نہ کرنا ہے۔ دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ کبھی حاکم کے نزدیک اُس کا سچا ہونا ظاہر ہو جاتا ہے۔ بالخصوص جب وہ تعداد میں کثیر ہوں۔ پس اگر حاکم کا ظن غالب اُن کے سچ بولنے کا نہ ہو تو قواعد شرعیہ کی بنا پر اُسے قبول کرنا مناسب نہیں۔

اکیسواں مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ اموال اور حقوق میں ایک گواہ اور ایک قسم سے فیصلہ دینا جائز ہے۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ جائز نہیں۔ پس پہلے قول تخفیف اور دوسرے میں تشدید ہے۔

بائیسواں مسئلہ تینوں اماموں کا قول اور امام احمد رضہ کی دو روایتوں میں سے ایک یہ ہے کہ غلام کے آزاد ہونے میں ایک گواہ اور ایک قسم سے فیصلہ نہ کیا جائے۔ حالانکہ امام احمد رضہ سے ایک روایت یہ ہے کہ غلام کو ایک گواہ ہونے کی صورت میں قسم دیجائے اور اُس کے مطابق فیصلہ کیا جائے۔ پس پہلا قول مشدد ہے اور شاید یہ اُس وقت ہے کہ آزاد کرنے والا آزادی کا انکار کرتا ہو نہ اُس صورت میں کہ جب وہ ساکت ہو۔ اور دوسرے قول میں ایک گواہ کے ساتھ قسم لیکر فیصلہ جائز ہونے کے اعتبار سے تخفیف اور قسم دینے کے اعتبار سے تشدید ہے۔

تئیسواں مسئلہ امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ اموال اور حقوق مالیہ میں دو عورتوں کی گواہی ایک قسم کے ساتھ درست ہے۔ حالانکہ امام شافعی رضہ اور امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ درست نہیں۔ امام شافعی رضہ کا قول ہے کہ جب ایک گواہ اور ایک قسم سے فیصلہ دیدیا جائے تو گواہ پر نصف مال کا ڈانڈ لازم ہوگا۔ حالانکہ امام مالک رضہ کا اور امام احمد رضہ کا قول یہ ہے کہ گواہ تمام مال کا ضامن ہوگا۔ پس پہلے قول میں تخفیف اور دوسرے میں تشدید ہے۔

چوبیسواں مسئلہ امام ابوحنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ دشمن پر دشمن کی گواہی قبول ہوگی جب اُن کی عداوت موجب فسق نہ ہوئی ہو۔ حالانکہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ مطلق (ہر صورت میں) مقبول نہیں پس پہلے قول میں مدعی پر تخفیف ہے اور دوسرا برعکس ہے اور بعض علماء نے بنی وائل کی گواہی بنی حرام پر اور بنی حرام کی بنی وائل پر قبول نہیں کی تو اُن کے ہمعصر دوسرے علماء اس میں مخالف ہوئے پس خوب سوچلو۔

پچیسواں مسئلہ امام ابوحنیفہ رضہ اور امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ باپ کی گواہی بیٹے کے نفع کے لئے مقبول

نہیں۔ اسی طرح برعکس (بیٹے کی گواہی باپ کے نفع کے لئے) حالانکہ امام شافعی رح کا قول یہ ہے کہ ماں اور باپ دونوں کی گواہی (اگرچہ دور تک چلے جاویں یعنی باپ، دادا، ماں، یا نانی وغیرہ ہوں) اور نہ برعکس مرد اور عورتیں اور نزدیک اور دور کے سب برابر ہیں۔ اسی طرح امام احمد رح کی روایات متعددہ میں سے ایک روایت یہ ہے کہ بیٹے کی گواہی باپ کے نفع کے لئے مقبول ہے۔ اسی طرح امام موصوف کی دوسری روایت یہ ہے کہ ہر ایک کی گواہی دوسرے کے لئے مقبول ہے جب تک کہ اس گواہی کا نفع گواہ کی طرف نہ عائد ہوتا ہو۔ اور امام موصوف کی دوسری روایت اور ائمہ کی مثل ہے۔ رہا ان میں سے ہر ایک کی گواہی دوسرے کے مضر دینا سو وہ سب کے نزدیک مقبول ہے سوا اس روایت کے جو امام شافعی رح سے منقول ہے کہ بیٹے کی گواہی باپ پر حد و دیا قصاص لازم ہونے کی بنا مقبول نہیں کیونکہ اس میں گواہ پر تہمت لگ سکتی ہے کہ شاید وارث ہونے کی وجہ سے گواہی دیتا ہو (یعنی باپ مارا جائے تو میں اس کے متروکہ مال کا مالک ہوں) پس علماء تشدید و تخفیف کے درمیان درمیان ہیں۔

چھبیسواں مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ بھائی کی بھائی کے لئے اور دوست کی دوست کے لئے گواہی مقبول ہے۔ حالانکہ امام مالک رح کا قول یہ ہے کہ مقبول نہیں۔ پس پہلے قول میں لوگوں پر اس وجہ سے تخفیف ہے کہ بھائیوں اور دوستوں کی محبت باپ اور بیٹے کی محبت سے کم ہوتی ہے۔ لہذا بھائیوں اور دوستوں کی محبت آدمی کو اس پر آمادہ نہ کرے گی کہ وہ ان کی جھوٹی گواہی دے۔ برخلاف باپ اور بیٹے کے جیسا کہ مشاہدہ سے معلوم ہوتا ہے۔ اور دوسرے قول میں لوگوں پر تشدید ہے کیونکہ اکثر ہر شخص کے لئے کوئی دوست یا بھائی ضرور ہوتا ہے سو ممکن ہے کہ اس معاملہ کے وقت بھائی یا دوست ہی حاضر ہو۔ پس اگر قاضی اس کی گواہی کو قبول نہ کرے گا تو اس کا حق جاتا رہے گا۔

ستائیسواں مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ میاں بیوی میں سے کسی کی گواہی دوسرے کے نفع کے لئے مقبول نہیں۔ حالانکہ امام شافعی رح کا قول یہ ہے کہ مقبول ہے۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے۔

پہلے قول کی وجہ احتیاط سے کام لینا ہے کیونکہ ممکن ہے کہ شہوت کے غلبہ میں ایک دوسرے کے نفع کے لئے جھوٹی گواہی دیدے۔

دوسرے قول کی وجہ ایسے واقعہ کا نادر ہونا ہے۔

اٹھائیسواں مسئلہ امام ابوحنیفہ رح اور امام شافعی رح کا قول یہ ہے کہ اہل بدعت اور متبعین خواہشات کی گواہی اگر جھوٹ سے بچتے ہوں تو مقبول ہے سوائے فرقہ خطابیہ کے جو روافض کی ایک قوم ہے۔ حالانکہ امام مالک رح اور امام احمد رح کا قول یہ ہے کہ ان کی گواہی بالکل مقبول نہیں۔ پس پہلے قول میں شرط مذکور کی وجہ سے تخفیف اور دوسرے میں تشدید ہے۔

انتیسواں مسئلہ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رح کا قول یہ ہے کہ جنگلی آدمی کی گواہی بستی والے کے نفع ہر چیز میں مقبول ہے۔ حالانکہ امام احمد رح کا قول یہ ہے کہ بالکل مقبول نہیں۔ اسی طرح امام مالک رح کا قول یہ ہے کہ بالخصوص قتل اور زخم کر دینے کی گواہی مقبول ہے اور ان کے ماسوا ان حقوق میں جن کے اندر موجود شخص کو گواہ بنانا ممکن ہے مقبول نہیں۔ مگر اس وقت کہ جنگل ہی میں اس پر مطلع ہوا ہو پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد اور تیسرا مفصل ہے۔

تیسواں مسئلہ چاروں اماموں کا قول یہ ہے کہ جبکہ گواہی دینا متعین ہو گیا ہو اُسے گواہی پر مزدوری لینا جائز ہے (یعنی جس کے سوا کوئی گواہ نہو) اور جبکہ متعین نہ ہوئی ہو تو اُسے مزدوری لینی درست ہے۔ سوا امام شافعی رحمۃ کے ایک قول کے۔

اکتیسواں مسئلہ امام مالک رحمۃ کا مشہور قول یہ ہے کہ گواہی پر گواہی ہر معاملہ میں درست ہے۔ خواہ وہ حقوق اللہ میں سے ہو یا حقوق العباد میں سے اور خواہ وہ حد ہو یا مال یا قصاص۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ کا قول یہ ہے کہ حقوق العباد میں سوائے قصاص کے درست ہے۔ اسی طرح امام شافعی رحمۃ کے دو قولوں میں سے اظہر یہ ہے کہ حقوق اللہ میں مقبول ہے جسطرح حد زنا اور حد سرقہ (چوری) اور شراب خوری کی حد۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مفصل اور تیسرے میں گواہوں پر تخفیف۔ اور محدود (جسپر حد جاری ہو) پر تشدید ہے۔

بتیسواں مسئلہ امام ابوحنیفہ رحمۃ کا قول یہ ہے کہ فرعی گواہ عورتیں بن سکتی ہیں۔ حالانکہ امام مالک رحمۃ اور امام احمد رحمۃ کا قول یہ ہے کہ عورتیں نہیں بن سکتیں پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔

تینتیسواں مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ دو گواہ ہوں اور اُن میں سے ہر ایک اصلی گواہ کی گواہی پر گواہی دے تو جائز ہے اور یہی امام شافعی رحمۃ کے دو قولوں میں سے قول اظہر ہے اور دوسرا قول امام موصوف کا یہ ہے کہ چار گواہ ہونے ضروری ہیں کہ ان میں سے دو گواہ اصلی گواہوں میں سے ایک کی گواہی پر گواہی دیں اور دوسرے کی گواہی پر۔ پس پہلے قول میں تخفیف اور دوسرے میں تشدید ہے۔

چونتیسواں مسئلہ امام مالک رحمۃ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ کا قول اور امام شافعی رحمۃ کا قدیم قول یہ ہے کہ اگر دو گواہوں نے مال کی گواہی دی پھر جب اُن کی گواہی کے مطابق فیصلہ دیچکا تو وہ اپنی گواہی سے پھر گئے۔ تو اُن پر تاوان لازم ہوگا اور یہی قول امام احمد رحمۃ کا ہے حالانکہ امام شافعی رحمۃ کا جدید قول یہ ہے کہ اُن پر کچھ لازم نہیں۔ پس پہلے قول میں گواہوں پر تشدید اور دوسرا اُنپر مخفف ہے
پہلے قول کی وجہ گواہوں کو آیندہ کے لئے ڈرانا ہے تاکہ پھر کبھی کسی معاملہ کی تاوقتیکہ اُس کا یقین نہ ہو گواہی نہ دیں۔
دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ دار و مدار حکم پر ہے نہ اُن گواہوں پر۔

پینتیسواں مسئلہ امام ابوحنیفہ رحمۃ کا قول یہ ہے کہ حاکم اگر دو فاسقوں کی گواہی پر حکم سنادے بعد میں اُن کا حال فسق ظاہر ہو تو وہ حکم نہ توڑا جائے گا۔ حالانکہ امام مالک رحمۃ اور امام احمد رحمۃ کا قول اور امام شافعی رحمۃ کے دو قولوں میں سے ایک قول یہ ہے کہ حکم توڑ دیا جائے۔ پس پہلا قول حاکم پر مخفف اور دوسرا اُسپر مشدد ہے اور اُسپر عمل کرنے میں دینی احتیاط زیادہ ہے

چھتیسواں مسئلہ امام ابوحنیفہ رحمۃ کا قول یہ ہے کہ جھوٹے گواہوں پر تعزیر نہ کی جائے۔ البتہ اُس کی قوم میں شہرت کر دیجائے اور اُن سے کہدیا جائے کہ یہ جھوٹے گواہ ہیں۔ حالانکہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ تعزیر کی جائے اور اُس کی قوم میں شہرت بھی تاکہ انہیں انکا جھوٹا ہونا معلوم ہو جائے اور امام مالک رحمۃ نے یہانتک زیادتی فرمائی ہے کہ یہ مسجدوں اور بازاروں اور لوگوں کے مجمعوں میں اُس کا جھوٹا ہونا مشہور کر دیا جائے۔ پس پہلے قول میں تخفیف اور دوسرے میں تشدید ہے اور دونوں قولوں میں سے ہر ایک کے لئے وجہ ضرور ہے اور ہو سکتا ہے کہ پہلا قول اُن لوگوں پر محمول ہو جن کی عادت جھوٹ کی نہیں اور دوسرا ان لوگوں پر جو بارہا جھوٹ بول چکے ہوں واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتاب غلام آزاد کرنے کے بیان میں

مسائل اجماعیہ

اماموں کا اسپر اتفاق ہے کہ غلام کو آزاد کرنا افضل قربات مستحبہ ہے۔ صرف یہی مسئلہ اجماعیہ اس باب میں ملا

مسائل اختلافیہ

پہلا مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ اگر کسی نے مشترک غلام میں سے اپنا حصہ آزاد کر دیا اور وہ شخص مالدار تھا تو تمام غلام اُسپر آزاد ہو جائے گا۔ اور شریک کے حصہ کی قیمت اُس کے ذمہ لازم ہوگی۔ اور اگر تنگدست تھا تو صرف اسی کا حصہ آزاد ہوگا۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رض کا قول یہ ہے کہ دونوں صورتوں میں صرف اُسی کا حصہ آزاد ہوگا۔ پس اگر وہ مالدار ہو تو اُس کے شریک کو تین باتوں میں اختیار ہوگا یا اپنا حصہ بھی آزاد کر دے یا غلام سے کموالے یا آزاد کرنے والے سے ضمان لے لے اور اگر تنگدست ہو تو صرف دو باتوں میں اختیار ہے کہ یا غلام میں سے اپنا حصہ بھی آزاد کر دے اور یا غلام سے کموا لے اس صورت میں ضمان نہیں لے سکتا۔ پس پہلے قول میں مولیٰ پر تشدید اور غلام پر شفقت ہے اور دوسرے قول میں مولیٰ پر تخفیف ہے۔ اور اسی طرح تفصیل مذکور کے موافق شریک پر بھی۔

دوسرا مسئلہ امام مالک رض کا مشہور قول یہ ہے کہ اگر ایک غلام تین شخصوں میں مشترک ہو اس تفصیل سے کہ ایک آدھے کا مالک دوسرا ایک تہائی کا تیسرا چھٹے حصہ کا۔ پس آدھے اور چھٹے حصہ کے مالک نے ایک وقت میں دونوں نے اپنے اپنے حصہ کو آزاد کر دیا۔ یا دونوں نے ایک شخص کو اپنے اپنے حصہ کے آزاد کرنے کا وکیل بنایا پھر اُس نے ایک وقت میں آزاد کر دیا تو تمام غلام آزاد ہو جائے گا اور اُنپر تیسرے شخص کے حصہ کی قیمت بقدر ہر ایک کے حصہ کے لازم ہوگی اور اس غلام کی ولا (جو مال وہ چھوڑ کر مرے گا) دونوں کو بقدر ہر ایک کے حصہ کے ملے گا۔ حالانکہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ اُن دونوں میں سے ہر ایک پر تیسرے شخص کے حصہ کی آدھی قیمت لازم ہوگی اور امام مالک رض سے دوسری روایت یہی ہے پس پہلے قول میں دونوں مالکوں پر اس وجہ سے تشدید ہے کہ تمام غلام کی آزادی اُن ہی پر پڑے گی اور دوسرے قول میں تہائی کے مالک پر بہ نسبت آدھے کے مالک کے تخفیف ہے اور چھٹے حصہ کے مالک پر اس وجہ سے کہ اُس کو آدھے کے مالک کی برابر قیمت دینی لازم ہوگی۔ پس اس کو خوب سوچ لو۔

تیسرا مسئلہ امام ابو حنیفہ رض کا قول یہ ہے کہ کسی نے مرض الموت میں اپنے تمام غلاموں کو آزاد کر دیا اور سوائے غلاموں کے اور مال کچھ نہ تھا اور وارثین نے تمام کے آزاد ہونے کی اجازت نہیں دی تو ہر غلام میں سے ایک تہائی آزاد ہوگا اور باقی کی قیمت کما کر دینی ہوگی۔ حالانکہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے

کہ تمام غلاموں میں سے جتنے غلام ایک تہائی میں بیٹھیں گے وہ قرعہ اندازی سے آزاد کئے جائیں گے۔ پس پہلے قول میں باقی حصہ کمانے کی وجہ سے کچھ بوتشدید کی ہے اور دوسرے میں تخفیف ہے۔ اور ہر قول کی وجہ ظاہر ہے۔

چوتھا مسئلہ امام ابوحنیفہ رضؓ اور امام شافعی رحؒ کا قول یہ ہے کہ کسی نے اپنے بہت سے غلاموں میں سے ایک کو بلا تعیین آزاد کر دیا تو اسے جائز ہے کہ جونسے کو چاہے معین کر لے۔ حالانکہ امام مالک رحؒ اور امام احمد رحؒ کا قول یہ ہے کہ قرعہ ڈال کر ان میں سے ایک کی تعیین کی جائے گی۔ پس پہلے قول میں مولیٰ پر تخفیف۔ اور دوسرے قول میں قرعہ کی وجہ سے اُس پر تشدید ہے۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ مولیٰ نے آزاد کرنے کے ساتھ احسان کیا ہے لہٰذا اُس کو اختیار ہونا چاہئے کہ جسکو چاہے معین کرلے کیونکہ کسی خاص کا حقدار ہونا تو ثابت نہیں اور ظاہر ہے کہ قرعہ اس ڈر کی وجہ سے مشروع ہوا ہے کہ کہیں اپنی پسند کی شے آدمی نہ لے اور اپنے بھائی کو ردی چیز دے اور مولا اور غلاموں کے اندر یہ بات (ڈر) موجود نہیں اور اسی سے دوسرے قول کی توجیہ بھی سمجھ میں آ گئی۔

پانچواں مسئلہ امام ابوحنیفہ رضؓ کا قول یہ ہے کہ اگر کسی نے مرض موت میں اپنا غلام جس کے سوا اور مال اُس کے پاس کچھ نہ تھا آزاد کر دیا۔ حالانکہ اُس پر (یعنی غلام پر) اسقدر قرض تھا کہ اُس کی گردن قرض میں گھری ہوئی تھی تو غلام پہلے اپنی قیمت کما کر لا دے پھر آزاد ہو گا۔ حالانکہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ آزاد کرنا ہی صحیح نہ ہو گا۔ پس پہلا قول غلام پر مخفف اور دوسرا اُس پر مشدد ہے۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ مولیٰ اپنی جان اور اپنے تمام اعضا کو دوزخ سے آزاد کرنے کی طرف سبقت کرتا ہے جیسا کہ (حدیث صحیح) میں وارد ہے۔

اور دوسرے قول کی وجہ اُس قرض کی ادائیگی کی طرف سبقت کرنا ہے جسکا دیندار جنت میں نہ داخل ہو سکے گا جب تک قرض خواہوں کو ادا نہ کر چکے کیونکہ آخرت میں بندے پر قرض سے زیادہ سخت چیز کوئی نہ ہو گی۔ اور رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے شب معراج میں چند لوگ دیکھے جو آگ کے صندوقوں میں بند تھے آپ نے جبریل علیہ السلام سے دریافت فرمایا کہ یہ کون لوگ ہیں اُنھوں نے جواب دیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو دوسرے لوگوں کے حقوق اپنی گردنوں پر لیکر مرے ہیں (دنیا میں ادا نہیں کئے) پس ہر قول کی ایک وجہ ظاہر ہے۔

چھٹا مسئلہ امام ابوحنیفہ رضؓ کا قول یہ ہے کہ کسی نے اپنے سے بڑی عمر والے غلام کو کہا کہ تو میرا بیٹا ہے تو وہ آزاد ہو جائے گا اور نسب نہ ثابت ہو گا۔ حالانکہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ صرف اتنا کہنے سے آزاد نہ ہو گا۔ پس پہلا قول آزاد ہو جانے کی وجہ سے مشدد اور دوسرا مخفف ہے۔

پہلے قول کی وجہ شارع عؑ کا آزادی مخلوق کو پسند کرنا ہے تاکہ وہ بندوں کی غلامی سے آزاد ہو کر اُس کے اپنے جو مالک حقیقی ہے غلام بنیں۔

دوسرے قول کی وجہ اُس کے قول کو غلام کے ساتھ محبت کرنے پر محمول کرنا ہے جس طرح باپ بیٹے سے شفقت میں کہا کرتا ہے نیز غلام جب تک مخلوق کی غلامی میں رہے گا اُس سے (گناہ ہو نیز) بہ نسبت اس صورت کے مواخذہ کم ہو گا جبکہ وہ خالص خدا تعالیٰ کا غلام ہو جائے (اور پھر گناہ کرے) کیونکہ ہر شخص خدا تعالیٰ کے آداب عبودیت سے واقف نہیں تو گویا غلام آدمی کے واسطے اُس کا مولیٰ خدا تعالیٰ سے پردہ ہے اور وہ غلام اُس پردہ کے پیچھے ہے اس لئے اُس کو ایک قسم کے عذر کی گنجائش ہے۔ پس اس مسئلہ میں ہر امام کی ایک دلیل ظاہر ہے۔

ساتواں مسئلہ امام ابو حنیفہ رحہ کا قول یہ ہے کہ اگر کسی نے اپنے غلام کو کہا کہ تو اللہ واسطے ہے اور ارادہ اس کے آزاد کرنے کا کیا تو وہ آزاد نہ ہوگا۔ حالانکہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ آزاد ہو جائے گا۔ پس پہلا قول آزادی ثابت نہ ہونے کی وجہ سے مولی پر مخفف ہے اور دوسرا اشد دار اور ہر قول کے لئے دلیل ہے۔

آٹھواں مسئلہ چاروں اماموں کا قول یہ ہے کہ اگر کسی نے اپنے اس غلام کو جو عمر میں چھوٹا تھا یہ کہا کہ اے میرے بیٹے تو وہ آزاد نہ ہوگا سوا امام شافعی رحہ کے ایک قول کے اور امام موصوف کے بعض اصحاب نے اسی قول کو صحیح کہا ہے۔ اور مذہب مختار یہ ہے کہ اگر اس کی بزرگی کا قصد کیا تو آزاد نہ ہوگا اور اس مسئلہ میں گفتگو وہی ہے جو اس سے پہلے اس مسئلہ میں ہے کہ جب غلام عمر میں بڑا ہو۔

نواں مسئلہ امام مالک رحہ کا قول یہ ہے کہ جو شخص اپنے ماں باپوں یا اپنی اولاد یا ماں باپ میں سے ایک کا یا اپنے دادوں یا دادیوں (یا نانا نانی) کا مالک ہو جائے خواہ یہ سب رشتہ دار بلا واسطہ ہوں یا بلا واسطہ (یا حقیقی دادا ہو مثلاً یا دادے کا باپ یا اس کے باپ کا باپ وغیرہ اسی طرح باقیوں میں) تو وہ سب صرف مالک ہوتے ہی آزاد ہیں اور یہی حکم امام مذکور رحہ کے نزدیک اس صورت میں ہے کہ جب کوئی شخص اپنے بھائیوں یا بہنوں کا مالک ہو جائے خواہ وہ ماں کی طرف سے ہوں یا باپ کی طرف سے۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ کا قول یہ ہے کہ مذکورین بھی سب آزاد ہو جاتے ہیں اور تمام رشتہ دار بھی جو نسب کے اعتبار سے رحم کا تعلق رکھتے ہوں۔ اور اگر وہ (بالفرض) عورتیں ہوتیں تو ان میں سے کسی کے ساتھ اس شخص کا نکاح صحیح نہ ہوتا اسی طرح امام شافعی رحہ کا قول یہ ہے کہ جو شخص اپنی اصل کا مالک ہو جائے خواہ باپ کی طرف سے یا ماں کی جانب سے یا اپنی فرع کا اگرچہ نیچے تک جائے اور خواہ وہ مرد ہو یا عورت تو وہ (مملوک) آزاد ہو جائے گا۔ خواہ باپ بیٹوں کا اتفاق ہو یا نہیں اور خواہ ملک جبراً ہوئی ہو یا مثلاً وراثت کے ذریعہ سے یا اختیاراً جس طرح خرید لینے یا کسی کے ہبہ کر دینے سے اسی طرح امام داؤد کا قول یہ ہے کہ رشتہ داری کی وجہ سے آزادی نہیں ہوتی اور مذکورین میں سے کسی کا آزاد ہو جانا مالک پر لازم نہیں ہوتا۔ پس پہلے قول میں تشدید اور دوسرا پورا مشدد ہے اور یہی حال تیسرے قول کا ہے کہ وہ بھی پورا مشدد ہے اور تمام اقوال کی وجوہ ظاہر ہیں کیونکہ (آزاد ہونے میں) اصول اور فروع اور دیگر رشتہ داروں کا اعزاز ہے پس مذکورین کے اعزاز میں تمام امام متفق ہیں مگر کسی نے اس میں بہت فراخی کر دی ہے اور کسی نے تنگی۔ اور رہی امام داؤد کے قول کی وجہ سو وہ اس شخص سے جو اسرار کو سمجھنے والا ہو وبدو ذکر کیجا سکتی ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتاب غلام کو مدبر بنانے کے بیان میں

مسائلِ اجماعیہ

اماموں کا اس پر اتفاق ہے کہ جب مولیٰ اپنے غلام کو یوں کہدے کہ تو میرے مرجانے کے بعد آزاد ہے تو وہ غلام مدبر ہو جاتا ہے (یعنی) مولیٰ کے جانے کے بعد آزاد ہو جاتا ہے۔ یہی مسئلہ اجماعیہ ملا۔

مسائلِ اختلافیہ

پہلا مسئلہ امام مالک رضہ کا قول یہ ہے کہ زندگی (مولیٰ) میں مدبر کو فروخت کرنا جائز نہیں اور اگر مولیٰ پر قرضہ ہو تو اُس کے مرنے کے بعد فروخت ہو سکتا ہے اور اگر اُس پر قرض نہ ہو اور غلام (کی قیمت) اُس کے تمام مال کا ثلث ہو تو تمام آزاد ہو جائے گا اور اگر پورا غلام ثلث مال نہ ہو تو جسقدر ثلث ہوگا وہ آزاد اور امام موصوف کے نزدیک مدبر مطلق اور مقید کی کوئی تفریق نہیں۔ حالانکہ امام شافعی رضہ کا قول یہ ہے کہ ہر صورت میں مدبر کو فروخت کرنا درست ہے۔ اسی طرح امام احمد رضہ کی دو روایتوں میں سے ایک یہ ہے کہ اُن کو فروخت کرنا جائز ہے بشرطیکہ مولیٰ پر قرض ہو۔ اور اگر اُس پر قرض نہ ہو تو جائز نہیں۔ پس پہلا قول مفصل اور امام شافعی رضہ کا قول مولیٰ پر مخفف ہے اور امام احمد رضہ کے قول میں تفصیل ہے۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ آزاد کرنا منجملہ صدقات کے ایک صدقہ ہے لہذا وہ جب تک غنی (مالدار) سے نہ صادر ہو گا جائز نہ ہوگا اور حدیث میں مذکور ہے کہ پہلے اپنے نفس پر خرچ کر پھر اپنے عیال پر اور حضرت عمر رضہ کا قول کہ نزدیکی رشتہ دار بھلائی کے زیادہ مستحق ہیں (اور بعض نے کہا ہے کہ یہ الفاظ حدیث کے ہیں) اور سب سے زیادہ نزدیک انسان کے لئے اُس کی اپنی جان ہے اور یہیں سے اُس کے قول کی توجیہ بھی سمجھ میں آتی ہے جو کہتا ہے کہ ہر صورت میں مدبر کا فروخت کرنا درست ہے چہ جائیکہ اُس کی جو ایک شرط کے ساتھ اس کی بیع کو درست کہتا ہے

دوسرا مسئلہ امام ابو حنیفہ رضہ کا قول یہ ہے کہ مدبر کے بچہ کا حکم مدبر کا سا ہے۔ مگر امام موصوف کے نزدیک مدبر مطلق اور مقید میں فرق ہے وہ یہ کہ اگر مدبر مطلق ہو تو اُس کو بیچنا جائز نہیں اور اگر کسی شرط کے ساتھ مقید ہو تو اُس کو بیچنا درست ہے۔ اور یہی قول امام مالک رضہ اور امام احمد رضہ کا ہے۔ صرف اتنا فرق ہے کہ ان دونوں نے مطلق اور مقید کی کوئی تفریق نہیں کی۔ حالانکہ امام شافعی رضہ کے دو قولوں میں سے ایک قول یہ ہے کہ اگر ماں مدبرہ ہو تو بچہ اُس کے تابع نہ ہوگا (یعنی) مدبر نہ بنے گا۔ پس پہلا قول اس وجہ سے کہ مدبر کا بچہ (مدبر ہونے میں) مدبر کا تابع ہے مخفف ہے۔ مع تفصیل مذکور کے اور دوسرا قول مشدد ہے۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ شارع کو یہ خواہش ہے کہ جو انسان غلامی کے نام سے نامزد ہو وہ آزاد ہو جائے چاہے اُس کی آزادی کو کسی شرط کے ساتھ مقید کیا ہو یا نہ۔

دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ بندے کے خدا تعالیٰ کے ساتھ کسی معاملہ میں اخلاص ہونا چاہئے اسطرح کہ بچہ کو بالتعیین مدبر بنایا جائے اور صرف اُس کی ماں کے تابع کر دینے پر اکتفا نہ کیا جائے۔ پس تمام علما تخفیف و تشدید کے درمیان درمیان ہیں۔ علاوہ بریں یہ ہے کہ اپنے غلام کو وہی شخص مدبر بنائے گا جس میں کچھ بخل ہو ورنہ اُس کو فی الحال آزاد کر دے گا اور جلدی سے (اُس کو آزاد کر کے) اپنے اعضاء کو دوزخ کی آگ سے نجات دے گا (یہ تو آخرت میں) اور دنیا میں اُن آفات و بلیات سے بچے گا جن سے عموماً کوئی بنی آدم خالی نہیں ہوتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتاب غلام کو مکاتب کر دینے کے بیان میں

مسائل اجماعیہ

اماموں کا اسپر اتفاق ہے کہ اُس غلام کو جو محنت مزدوری کر سکے مکاتب کر دینا مستحب ہے۔ برخلاف امام احمد رض کی ایک روایت کے کہ اُن کے نزدیک اگر غلام مولا سے بقدر قیمت یا اُس سے زیادہ کما کر دینے کی استدعا کرے تو مولے کو اُسے مکاتب بنانا واجب ہے اور اُس کی صورت یہ ہے کہ مولی اپنے غلام سے کہدے کہ اسقدر مال کما کر لے آ تو تو آزاد ہے۔ اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ لونڈی کو مکاتب بنانا مکروہ ہے (بشرطیکہ وہ محنت مزدوری نہ کر سکتی ہو) اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ جب مولا اپنے غلام کو مکاتب بنادے تو اُسے اپنے پاس سے بھی کچھ مال دے تاکہ حق تعالیٰ کے اس ارشاد کی تعمیل ہو جائے کہ (واٰتوھم من مال اللّٰہ الذی اٰتاکم) یہانتک مسائل اجماعیہ ختم ہوئے۔

مسائل اختلافیہ

پہلا مسئلہ تینوں اماموں کا قول اور امام احمد رض کی دو روایتوں میں سے ایک یہ ہے کہ اُس غلام کو جو محنت مزدوری نہ کر سکے مکاتب بنانا مکروہ نہیں۔ حالانکہ امام احمد رض کی دوسری روایت یہ ہے کہ مکروہ ہے۔ پس پہلے قول میں تخفیف اور دوسرے میں تشدید ہے۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ شاید حق تعالیٰ اپنے بندوں میں سے کسی کو مسخر فرمادے تاکہ وہ غلام کی طرف سے بدل کتابت ادا کر دے تو اس اعتبار سے وہ اُن ہی غلاموں میں داخل ہے جو محنت مزدوری کر سکتے اگر مکاتب بنایا جائے تو اُس کا نفس غلامی سے نکلنے کی طرف راغب ہوگا اور بعد سکون کے اس میں حرکت (جوش حریت) پیدا ہوگا پھر جب تک وہ غلام رہے گا ایک دن اُسپر ایک سال کی برابر گذرے گا۔ تو شاید وہ اس اثنا میں اپنے مولی یا کسی دوسرے کا مال چوری وغیرہ سے لینے پر آمادہ ہو جائے۔ پس خوب سمجھ لو۔

دوسرا مسئلہ امام ابو حنیفہ رض اور امام مالک رض کا قول یہ ہے کہ نقد مال پر مکاتب بنانا صحیح ہے اور اُدھار بھی اگرچہ اصل مکاتب بنانے میں یہی ہے کہ وہ اُدھار پر ہو حالانکہ امام شافعی رض اور امام احمد رض کا قول یہ ہے کہ نقد مال پر مکاتب کرنا درست نہیں بلکہ صرف قسط وار رقم لی جائے تو صحیح ہے اور کم از کم اُس کے اندر دو قسطیں ضروری ہیں پس پہلے قول میں مولی پر تخفیف ہے نہ غلام پر۔ اور دوسرے قول میں اُسپر تشدید ہے نہ غلام پر۔

پہلے قول کی وجہ مولی کا غلام کو مکاتب بنانے کے بدلہ میں نقد مال لینا ہے اگر غلام بھلائی والوں میں ہو۔ دوسرے قول کی وجہ شارع ؑ کا مولی سے پورا فضل وکرم مکاتب پر کرانا ہے (اور وہ اسطرح) کہ بدل کتابت قسط مقرر کرے۔ پس خوب سمجھ لو۔

تیسرا مسئلہ امام ابو حنیفہ رض کا قول یہ ہے کہ اگر مکاتب کے قبضہ میں بدل کتابت ادا کرنے قابل مال ہو

اور وہ ادا نہ کرے تو اُسے ادا کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔ اور اگر اُسکے قبضہ میں مال نہ ہو تو محنت و مزدوری کرنے پر اُسے مجبور نہ کیا جائے (اگر اپنی خوشی سے نہ کرے)۔ حالانکہ امام مالک رحمہ کا قول یہ ہے کہ اگر مکاتب کمانے کی قدرت رکھتا ہو تو اُسے (قصداً) اپنے آپ کو (بدل کتابت ادا کرنے سے) عاجز بنانا جائز نہیں (اور اُس نے ایسا کیا) تو کمانے پر مجبور کیا جائے گا۔ اسی طرح امام شافعی رحمہ اور امام احمد رحمہ کا قول یہ ہے کہ مجبور کیا جائے گا بلکہ مولی کو جائز ہو گا کہ (کتابت کا عقد) فسخ کر دے پس پہلا قول مفصل اور دوسرے میں مکاتب پر کچھ تشدید اور تیسرا اُسپر بالکل مخفف ہے اور ہر قول کی ایک وجہ ضرور ہے۔

چوتھا مسئلہ امام ابو حنیفہ رحمہ اور امام مالک رحمہ کا قول یہ ہے کہ مولی کا مکاتب غلام کو کچھ (مال) دینا مستحب ہے حالانکہ امام شافعی رحمہ اور امام احمد رحمہ کا قول یہ ہے کہ یہ واجب ہے دلیل وہ آیت ہے جو مذکور ہوئی۔ پس پہلے قول میں تخفیف اور دوسرے میں مولی پر کچھ تشدید ہے۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ ایسا کرنا تفضل و اکرام ہے اور اُس کا مستحب ہی ہونا مناسب ہے نہ واجب۔

اور دوسرے قول کی وجہ خدا تعالیٰ کا اہتمام کے ساتھ فرمانا ہے کہ مولی اپنے مکاتب کو کچھ دیوے اور اللہ والوں کے نزدیک ایسے امر کا واجب ہونا مناسب ہے۔

پانچواں مسئلہ امام شافعی رحمہ کا قول یہ ہے کہ مولی جو کچھ اپنے غلام مکاتب کو دے اُس کا کوئی اندازہ مقرر نہیں حالانکہ امام احمد رحمہ کا قول یہ کہ مقرر ہے اور وہ یہ کہ مولی بدل کتابت میں سے چوتھائی مال کم کر دے یا جب اُس سے وصول کر چکے تو اُس میں سے چوتھائی اُسے واپس کر دے۔ اسی طرح بعض علماء کا قول یہ ہے کہ جو کچھ غلام کے دل کو خوش کر دے اُسقدر دے۔ پس پہلے قول میں تخفیف اور دوسرے میں چوتھائی حصہ واجب ہونے کی وجہ سے تشدید ہے اور اُس کے بعد کے قول میں تخفیف ہے۔

چھٹا مسئلہ امام ابو حنیفہ رحمہ اور امام مالک رحمہ کا قول یہ ہے کہ مکاتب کو فروخت کرنا جائز نہیں۔ مگر امام مالک رحمہ نے مکاتب کا مال فروخت کرنے کی اجازت دی ہے اور وہ قرض ہے جسکی کوئی میعاد مقرر ہو (کہ اُسے) نقد قیمت کے بدلہ میں فروخت کر دیا جائے اور اگر وہ نقد ہو تو اسباب کے بدلہ میں اور اگر پونجی ہو تو نقد کے بدلہ میں اور جدید مذہب امام شافعی رحمہ کا بھی یہی ہے حالانکہ امام احمد رحمہ کا قول یہ ہے کہ مکاتب کو فروخت کرنا جائز ہے اور اُسکا فروخت کرنا کتابت کو فسخ نہ کرے گا۔ کیونکہ اُس کا خریدار (اب) قایم مقام مولی کے ہو جاوے گا۔ پس پہلے قول میں تشدید اور دوسرے میں مولی پر تخفیف ہے اور ہو سکتا ہے کہ پہلا قول مالدار لوگوں پر محمول ہو اور دوسرا اُن لوگوں پر جن کو قرضہ وغیرہ ادا کرنے کے لئے غلام کی قیمت کی ضرورت ہو۔

ساتواں مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ اگر کسی نے اپنے غلام کو کہا کہ میں نے تجھے ایک ہزار درہم پر مکاتب بنا دیا پس جب وہ ادا کر دے گا آزاد ہو جائے گا۔ اس کی حاجت نہیں کہ یہ بھی کہے کہ جب تو ادا کر دے گا آزاد ہو جائے گا۔ اور نہ آزادی کا ارادہ کرنے کی حاجت ہے۔ حالانکہ امام شافعی کا قول یہ ہے کہ اِن الفاظ کی ضرورت ہے۔ پس پہلا قول اُن بڑے درجہ کے لوگوں کے ساتھ خاص ہے جو کسی کے ساتھ احسان کا قصد کر لینے کے بعد اُس سے پھرتے نہیں اور دوسرا اُن لوگوں کے ساتھ خاص ہے جو ایسے نہ ہوں۔

آٹھواں مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ اگر کسی نے اپنی لونڈی کو مکاتب بنایا اور اُس سے یہ شرط ٹھیرالی کہ کتابت کے زمانہ میں تجھ سے ہمبستر ہوتا رہونگا تو یہ جائز نہیں حالانکہ امام احمد رحمہ کا قول یہ ہے

کہ جائز ہے پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتاب ام ولدوں کے بیان میں

مسائل اجماعیہ

اماموں کا اس پر اتفاق ہے کہ ام ولد نہ فروخت کی جائے اور نہ اس کا ہبہ کیا جائے اور تمام فقہا متقدمین و متاخرین کا یہی مذہب ہے اور امام داؤد نے فرمایا کہ ام ولد کی بیع درست ہے اور یہی قول بعض صحابہ کا بھی ہے پس پہلا قول مولیٰ پر مشدد اور دوسرا مخفف ہے۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ اخلاق حسنہ اسی کو تقاضا کرتے ہیں کیونکہ مولیٰ کا لونڈی کو نطفہ سپرد کرنا اور اس کا بذریعہ اس کے اپنی حاجت رفع کرنا لونڈی کی فضیلت کا باعث ہے۔ لہذا اولیٰ یہی ہے کہ وہ مولیٰ کے مرجانے کے بعد آزاد ہو۔ دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ مولیٰ کو احسان مذکور نہ کرنا درست ہے جب تک شارع علیہ السلام سے اس کے فروخت کرنے کی ممانعت نہ ثابت ہو جائے۔ پس پہلا قول بڑے درجہ کے متقی لوگوں پر جو مالدار ہوں محمول ہے۔ اور دوسرا ان کے خلاف دوسری قسم کے لوگوں پر۔

مسائل اختلافیہ

پہلا مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ اگر کسی نے دوسرے کی لونڈی سے نکاح کیا پھر اس سے بچہ پیدا ہوا اس کے بعد وہ شخص (اسے خرید کر) مالک ہو گیا تو وہ ام ولد نہ ہوگی اور اس کا فروخت کرنا جائز ہوگا۔ اور اس شخص کے مرجانے کے بعد وہ آزاد نہ ہوگی۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رح کا قول یہ ہے کہ وہ ام ولد ہو جائے گی۔ پس پہلا قول مولیٰ پر مخفف اور دوسرا اس پر مشدد ہے۔

دوسرا مسئلہ امام ابوحنیفہ رح کا قول اور امام مالک رح کی دو روایتوں میں سے ایک یہ ہے کہ اگر کسی نے اس لونڈی کو خرید لیا جو اسی سے حاملہ تھی تو وہ ام ولد نہ بنے گی۔ حالانکہ امام شافعی رح اور امام احمد رح کا قول اور امام مالک رح سے دوسری روایت یہ ہے کہ وہ ام ولد بنے گی۔ بلکہ اس کی بیع جائز ہے۔ اور اس کے مرنے کے بعد لونڈی مذکور آزاد نہ ہوگی۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے۔

تیسرا مسئلہ تینوں اماموں کا قول ہے کہ اگر کسی نے اپنے بیٹے کی لونڈی کو ام ولد بنا لیا تو وہ ام ولد ہو جائے گی۔ حالانکہ امام شافعی رح کے دو قولوں میں سے زیادہ صحیح یہ ہے کہ ام ولد نہ ہوگی۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے۔

چوتھا مسئلہ امام ابوحنیفہ رح اور امام مالک رح کا قول یہ ہے کہ اگر کسی نے اپنے بیٹے کی لونڈی کو ام ولد بنایا تو اسے صرف لونڈی کی قیمت دینی پڑے گی۔ حالانکہ امام شافعی رح کے دو قولوں میں

ایک قول یہ ہے کہ اُس کی بھی قیمت دینی ہوگی اور بچہ کی بھی (جو اس سے پیدا ہوا ہے) اور اس کا مہر بھی لازم ہوگا اور امام موصوف کا دوسرا قول یہ ہے کہ بچہ کی قیمت لازم نہیں۔ اسی طرح امام احمد رح کا قول یہ ہے کہ کچھ نہ لازم ہوگا نہ مہر نہ قیمت بچہ کی نہ خود اُس کی پس پہلے قول میں تخفیف اور دوسرے میں تشدید اور تیسرا بالکل مخفف ہے۔

پانچواں مسئلہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ مولیٰ کو جائز ہے کہ اپنی ام ولد کا بیہ (مزدوری) پر دیدے حالانکہ امام مالک رح کا قول یہ ہے کہ یہ جائز نہیں۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے اور دونوں قولوں کی وجوہ ظاہر ہیں۔ والحمد للہ رب العالمین۔

تنبیہ۔ اور اب یہ آخر ہے "میزان الشعرانی"، کا جس نے تمام مجتہدین و مقلدین کے اقوال کو شریعت محمدیہ میں داخل کر دکھایا اور ہر ایک کی ساتھ ساتھ دلیل بھی معلوم ہوگئی اور ثابت ہوگیا کہ جمیع ائمہ و مقلدین کے اقوال برحق ہیں اور یہ اس لئے کیا گیا تاکہ ایک زبانی دعوے کہ تمام ائمہ مسلمین اپنے پروردگار کی طرف سے ہدایت پر ہیں جو محض تسلیم و ایمان پر مبنی تھا اعتقاد قلبی کے ساتھ منضم ہو جائے کہ پہلے سے وہ اسکو بلا دلیل مانتے تھے اور اب بعد دلیل کے یقین کرلیں جیسا کہ خطبہ (دیباچہ) کتاب میں گذرا اس کا ثمرہ اُن کو یہ ملے گا کہ قیامت کے دن ہولناک مصائب میں ائمہ مجتہدین اُن کی دستگیری فرمائیں گے اور ہر مجتہد اُس روز ہر ایک ماننے والا کا ہاتھ پکڑ کر چہرہ بشاش کے ساتھ ملاقات کرے گا۔ برخلاف اُن کے منکرین کے کہ اُن کے بے ادب ہونے کی وجہ سے غصہ کی نظر سے دیکھیں گے اور جبکہ تمام امام باہم ایک دوسرے کا ادب کرتے ہیں تو عامی آدمی کی اُن کے سامنے کیا ہستی ہے۔

ایک مرتبہ امام مالک نے مدینہ طیبہ سے امام لیث بن سعد رض کے پاس کسی کو ایک مسئلہ دریافت کرنے کے لئے بھیجا تو انہوں نے جواب دیا کہ اے بھائی تم امام ہادی ہو اس مسئلہ میں حق تعالیٰ کا وہی حکم ہے جو تمہارے نزدیک ثابت ہے (انتہیٰ) پس اس کو خوب جان لو۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ والحمد للہ رب العالمین۔

خاتمہ

یہ وہی ہے جس کے بیان کرنے کا دیباچہ میں وعدہ کیا گیا تھا اس کے اندر احکام شریعت کے بعض وہ اسرار بیان ہوںگے جن کا نفاست اور عمدگی میں کتاب "میزان الشعرانی"، سے خاص تعلق ہے اور وہ تمام عارف کامل سیدی علی خواص رضی اللہ عنہ کے ملفوظات سے ہیں ان تمام اسرار سے یہ معلوم ہو جائے گا کہ حق تعالےٰ نے ہر زمانہ میں جو اپنے بندوں کو اوامر و نواہی کا مکلف فرمایا ہے سو اُن کی مشروعیت حضرت آدم علیہ السلام کی گندم خوری کا کفارہ بنانے کے لئے ہوئی ہے جس طرح کتاب "میزان الشعرانی"، نے تمام مجتہدین و مقلدین کے مذاہب شریعت کے دو مرتبوں (تخفیف و تشدید) کی طرف رجوع کر دیے۔ اسی طرح یہ خاتمہ تمام ابواب اور احکام فقہیہ کو حضرت ابونا آدم علیہ السلام کی گندم خوری (کے کفارہ کی طرف) رجوع کر دے گا۔

ایک دفعہ میں نے شیخ موصوف سے دریافت کیا کہ خدا تعالیٰ نے باوجود تمام عالم اور اُن کی عبادات سے غنی ہونے کے اپنے بندوں کو تکالیف (اوامر و نواہی) کا مکلف کیوں فرمایا تو آپ نے جواباً یہ ارشاد فرمایا کہ تاکہ اُن لوگوں کے گناہ کا جو وقتاً فوقتاً حق تعالیٰ کی نواہی میں واقع ہوتے رہے ہیں اُن کے ذریعہ سے کفارہ ہے تو میں نے عرض کیا کہ بعض بنی آدم ایسے بھی ہیں جو خدا تعالیٰ کی نافرمانی کسی وقت نہیں کرتے (جیسے انبیا مثلاً) تو آپ نے جواب دیا کہ اگر گناہ ہونگے تو کفارہ ہو جائے گا اور اگر گناہ نہ ہونگے تو ترقی مراتب ہوگی جس طرح انبیاء علیہم السلام

کے بارہ میں۔ پھر میں نے حضرت موصوف کے سامنے یہ شبہ پیش کیا کہ اگر اُن کے درجات و مراتب کی ترقی ہوتی ہے تو پھر خداتعالیٰ کے اس ارشاد کا کیا مطلب ہے کہ "وعصیٰ آدم ربہ فغویٰ"، تو آپ نے جواب دیا کہ لڑکے جس جگہ خداتعالیٰ نے انبیا علیہم السلام پر معصیت یا خطا کے لفظ کا استعمال کیا ہے وہ مجازاً کیا ہے۔ وجہ یہ کہ ان میں سے کوئی دید یا رات کو ایک لحظہ کے لئے بھی مرتبہ احسان سے باہر نہیں ہوتا اور یہ وہ مرتبہ اور مقام ہے جس میں ہر وقت خداتعالیٰ کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ پس ایسے حضرات سے باوجود اس مقام کے حاصل ہونے کے خداتعالیٰ کی نافرمانی کیونکر ممکن ہے۔ ہاں نافرمانی اُس سے ہو سکتی ہے جو حق تعالیٰ کے مشاہدہ سے غائب ہو جائے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ انبیا علیہم السلام پر خطا کے لفظ کا استعمال محض صورت کے اعتبار سے ہے نہ حقیقت کے اور یہ اس لئے کہ تاکہ وہ اپنی قوم کے گناہ سرزد ہو جانے کے بعد باطن میں اُن کی طرف سے معذرت کر سکیں اور یہ بتلا دیں کہ جب کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو اُس کی معافی اسطرح مانگنی چاہئے اور تاکہ اُن کو خداتعالیٰ سے دوری کا نقصان بھی معلوم ہو جائے جس طرح قرب کے مزے سے وہ خبردار ہو چکے ہیں۔ کیونکہ اشیا اپنی ضدوں سے خوب ظاہر ہوتی ہیں۔ اور اے لڑکے میں تجھے اس سے بھی زیادہ واضح آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واقعہ کی ایک مثال بتلاتا ہوں وہ یہ کہ اُن کی مثال اُس ذی اقتدار بادشاہ کی ہے جس نے ایک دن اپنے خاص درباریوں سے کہا کہ میں ایک چیز کو وجود میں لانا اور ایک مرد تو انہی بھیجنے کے لئے رسول کرنے چاہتا ہوں جو اُن اطاعت کرے گا اُن کے لئے ایک مکان بناتا ہوں جسکا جنت نام ہوگا۔ اور نافرمانی کرنے والوں کے لئے ایک دوسرا مکان بناتا ہوں جس کا دوزخ نام ہوگا اور یہ چاہتا ہوں کہ اپنے بندے آدم (علیہ السلام) کی پشت سے اولاد پیدا کر دوں جو زمین میں بسیں اور پھر جب آدم (علیہ السلام) کو اُس درخت کے پاس جانے سے منع کر دوں اور وہ (حسب نوشتہ) اُس درخت سے کچھ کھالیں تو میں خود آدم پر اور اُن کی اُس اولاد پر جس نے کوئی گناہ نہیں کیا مجازاً اور صورتاً جرم فرض کر دوں اور اُس اولاد پر جو گناہ سے نہ بچے حقیقتاً فرض کروں اس کے بعد آدم کو اُس جنت سے جہاں وہ درخت سے کچھ کھالیں نکالکر دوسرے گھٹیا مکان میں جس کا نام دنیا ہو بھیجدوں اور وہاں اُن کو ایک بلند مرتبہ پر رکھوں اور جو شخص آدم علیہ السلام کی جگہ (خلیفہ) ہونا چاہے تو وہ آگے بڑھے۔ پس اُس وقت کوئی (آدم مذکور بننے کے لئے) آگے نہ بڑھا سوائے حضرت آدم علیہ السلام کے کہ آپ آگے بڑھے اور عرض کیا کہ "ان واقعات کے واسطے میں حاضر ہوں" تو اُس وقت جو حاضر ہوگا ہرگز آدم علیہ السلام کے نافرمان ہونے کا حکم نہ لگائے گا۔ بلکہ اور حق تعالیٰ کا (گندم خوری میں) مطیع اور فرمانبردار کہیگا (کہ اُنہوں نے حق تعالیٰ کی مرضی کو پورا کیا) برخلاف اُس کے جو اُس وقت غائب تھا کیونکہ وہ آپ کو نافرمان کہے گا اور ضرور کہے گا جسطرح اولاد آدم میں کے مجحوب لوگوں کی شان ہے۔ پس اس میں خداتعالیٰ کی بڑی مصلحت ہے تاکہ لوگ حق تعالیٰ کے تقدیر میں لکھدینے کی وجہ گناہوں کے مرتکب ہوں۔ پھر اُس کے حلم اور عفو کو دیکھیں اور کبھی اُس کی فرمانبرداری میں مشغول ہو کر اُس کے کرم و بزرگی کا مشاہدہ کریں تو گو حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی محجوب اولاد کی طرف سے اُس جرم صوری کے ارتکاب کو برداشت کرلیا جو آپ سے وقوع میں آیا اور اُس واقعہ سے جو اپنی اولاد کے لئے دروازہ مغفرت کھولدیا۔ پس اے بھائی تم جان گئے ہوگے کہ تمام وہ تکالیف جو خداتعالیٰ نے دنیا میں مشروع فرمائیں ہیں وہ سب حضرت آدم علیہ السلام کی صوری مخالفت حق تعالیٰ کے بالمقابل ہیں اور آپ کی اولاد میں سے ہر ایک نے سوائے انبیا علیہم السلام کے ضرور یا کوئی گناہ کیا یا کسی گناہ یا امر مکروہ یا خلاف ادبی کا قصد کیا۔

پس اُن بنی آدم کے لئے جنہوں نے گناہ نہیں کیا تمام تکالیف مشروعہ باعث ترقی مراتب اور گنہگاروں کے لئے باعث

گناہوں کا کفارہ یا سزائیں ہیں جیسے حدود خدا تعالیٰ کی مقرر فرمائی ہوئی ہیں۔

اور میں نے سیدی علی خواص رضی اللہ عنہ کو فرماتے سنا کہ حضرت آدم علیہ السلام سے جو کچھ ظاہری نافرمانی کا صدور ہوا تھا وہ (در حقیقت) خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری تھی کیونکہ وہ حضرت آدم سے گندم خوری کے وقت اسیقدر راضی تھا جسقدر اُن کے نماز پڑھنے سے۔ اور جس نے اپنے باپ کے بارہ میں کوئی کمزور کلمہ کہا اور نبی آدم پر قیاس کر کے تو وہ قیامت کے دن اُن کے ذمہ سے بری ہوگا۔ اور اُنھوں نے یہ جو کہا تھا کہ "ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفر لنا وترحمنا لنکونن من الخاسرین" تو اس سے اپنی اولاد کی بخشش مطلوب تھی تو گویا (ان کلمات سے) آپ نے اپنی اولاد کی خدا تعالیٰ سے سفارش کی تھی اور یہ جو واقعات آپ پر پیش آئے کہ آپ کا تاج سر سے اُڑ گیا اور کپڑے بدن سے نکل گئے اور آپ روئے اور پشیمان ہوئے تو یہ سب ظاہری تھے تاکہ اس واقعہ کی خبر آپ کی اُس اولاد کو بھی پہونچ جائے جو آپ کے زمین میں اُترنے کے وقت موجود تھی اور گندم خوری کے بعد آپ کو قضائے حاجت کی ضرورت اس لئے ہونے لگی تاکہ آپ کو اپنی اولاد پر بھی یہ ضروریات پیش آنی یاد آویں اور جب آپ پیشاب یا پاخانہ پھریں تو اپنی اولاد کے لئے مغفرت طلب کریں اور شریعت محمدیہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں انسان کو پاخانے سے باہر آنے کے وقت طلب مغفرت کا حکم ہے۔ اسی طرح حضرت حوا علیہا السلام میں قضائے حاجت سے ایک امر پیدا ہوگیا یعنی ہر ماہ میں حیض تاکہ وہ اپنی بیٹیوں کے گناہوں کو یاد کر کے اُن کے لئے طلب مغفرت کریں اور حضرت آدم علیہ السلام پر حضرت حوا میں ہر مہینہ حیض کی زیادتی اس لئے کی گئی کہ درخت سے کچھ کھانے کا ظاہری سبب وہ ہی تھیں۔ بلکہ وہ خود درخت انجیر یا درخت گندم سے پھل کاٹ کر لائیں تھیں اور حضرت آدم کو کھانے کو دیا تھا۔ اور ظاہر ہے کہ جو گناہ کا کام آگے اچھا جانکر کرے اُسکا ظاہری گناہ اُس سے بہت بڑا ہوگا جو بھولے سے گناہ کر بیٹھے۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا۔ "ولقد عہدنا الی آدم من قبل فنسی ولم نجد لہ عزما" بالخصوص جبکہ ابلیس لعین نے آپ سے قسم کھا کر کہا کہ میں آپ کا خیرخواہ ہوں۔ بعض کاملین سے مجکو پہونچا ہے کہ اُنھوں نے شیطان مردود سے دریافت کیا کہ تو نے جھوٹی قسم آدم علیہ السلام سے کیوں کھائی تو اُس نے جواب دیا کہ اور کیا کرتا جب میں نے دیکھا کہ حق تعالیٰ کی قضا و قدر میں تغیر نہیں ہوتا اور میں دیکھتا ہوں کہ انبیاء کے قلوب (خدا تعالیٰ کی جناب میں) عاجز اور برے خطرات سے بچنے والے خدا تعالیٰ کی پوری تعظیم کرنے والے ہیں (تو مجبوراً) میں نے اُس معبود کی قسم کھائی جسکا تخیل آدم علیہ السلام کے ذہن میں ہے اور حق تعالیٰ تو اُنکی چیزوں میں سے ہے نہیں جو دل میں گذرتی ہیں تو میں نے اُس اللہ کی قسم نہیں کھائی جسکی مثل کوئی نہیں۔ البتہ اُس معبود کی قسم کھائی جس کی صورت خیالیہ آدم (علیہ السلام) کے ذہن میں تھی۔

پھر بھائیو! یہ بھی جان لینا چاہیے کہ جس وقت جنت میں آدم علیہ السلام رہا کرتے تھے وہ بڑی جنت نہیں تھی جو علم خداوندی میں مقرر کی ہوئی ہے جیسا کہ متبادر یہی سمجھ میں آتا ہے بلکہ وہ جنت برزخ تھی جو جبل یاقوت کے اوپر ہے جیسا کہ اہل کشف نے بھی بیان کیا ہے اور دلیل اُنھوں نے یہ بیان کی ہے کہ بڑی جنت میں لوگ اُس وقت داخل ہو سکیں گے جب مر جائیں گے اور حساب ہو چکے گا اور پل صراط سے پار اُتر جائیں گے اور (جنت برزخی) وہ جنت ہے جو مومن کو قبر میں دکھلائی جاتی ہے۔ اور اُس کی کھڑکی تلذذ و تنعم کیلئے کھلی چھوڑ دی جاتی ہے اور یہی بات اُس دوزخ میں بھی جو دنیا میں کسی کو خواب کے بیچ نظر آتی ہے یا بطریق کشف معلوم ہوتی ہے کہ وہ دوزخ برزخ ہے (بڑی دوزخ نہیں ہے)۔ اہل کشف کا بیان ہے کہ یہی وہ دوزخ ہے جس میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن لُحَی کو پڑا دیکھا تھا۔ یہ وہ شخص ہے جس نے جانوروں کو سانڈ کرنے کی رسم ایجاد کی اور اسی میں اُس عورت کو پڑا دیکھا تھا جس میں

اس کو باندھ رکھا تھا یہاں تک کہ وہ مرگئی۔ اہل کشف نے بیان کیا کہ آدم علیہ السلام نے اسی جنت کے درخت سے کھایا تھا اور اسی سے دنیا میں اتارے گئے۔ اور پھر اس بنی آدم کی روح جو خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری میں مرتا ہے اسی جنت کی عود کرتی ہے اور اگر نافرمان مرتا ہے تو اس کی روح دوزخ برزخ میں جاتی ہے اور ان دونوں میں بنی آدم ہمیشہ رہیں گے یہاں تک کہ دنیا ختم اور زمانہ معدوم ہو جائے اور پھر دوسری بار صور پھنکے اور لوگ حساب دے لیں تو پھر وہ بڑی جنت اور بڑی دوزخ میں داخل ہونگے اور اگر یوں کہا جائے کہ مومن کے لئے جو کہ ملکی جنت کی کھولی جاتی ہے یا کافر کے لئے دوزخ کی تو وہ بڑی جنت اور بڑی دوزخ ہوتی ہے تو حشر و نشر اور حساب و پل صراط وغیرہ جو احادیث میں وارد ہیں بالکل باطل ہو جائیں گے (انتہی)۔

حضرت سیدی علی خواص رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ چونکہ جنت برزخ جنت کبریٰ کے ساتھ صفائی اور ستھرے پن میں بہت مشابہت رکھتی ہے۔ اسلئے وہ نجاست مثلاً پیشاب و پاخانہ و خون و رشک وغیرہ کی جگہ نہیں تھی جو درخت سے کھا لینے کے بعد نکلنی لازمی تھیں۔ لہذا خدا تعالیٰ نے آدم علیہ السلام اور حوا علیہا السلام کو زمین میں اتار دیا جو تعفنات کی جگہ ہے تاکہ وہاں اس نجاست کو خارج کریں جو ان دونوں کے حق میں صوری تھی اور نافرمان و گنہگار آدمیوں کے حق میں حقیقی۔ (انتہی)۔

اور میں نے اپنے بھائی افضل الدین رحمۃ اللہ علیہ سے سُنا ہے کہ جب آدم و حوا علیہما السلام نے منع کئے ہوئے درخت سے کھا لیا تو اُن کے اندر پیشاب اور پاخانہ اور خون اور لذت ہمبستری و مساس پیدا ہو گئے اور یہی وجہ ہے جب ان کی اولاد نے اس درخت سے کھایا جو اُن کے ساتھ مخصوص ہے اور وہ حرام یا مکروہ یا خلاف اولےٰ کام کرنا ہے تو آدم اور حوا علیہما السلام کے اندر جو صورۃً نجاستیں پیدا ہو گئیں تھیں ان کے اندر ان سے بھی زیادہ مفاسد پیدا ہو گئے۔ مثلاً مجنون ہو جانا اور بلا مرض بیہوش ہو جانا اور پیپ و رشک، تکبر و ظلم کرنا منہ سے ہنسنا، تہبند حد سے زیادہ لٹکانا، یا پاجامہ و کرتہ اور عمامہ کو تکبر سے بڑا اور حد سے زیادہ نیچا کرنا اور غیبت و چغلی، اور برص و جذام، اور کفر و شرک اور ان کے سوا وہ چیزیں جو احادیث میں وارد ہیں اور اُن سے طہارت ٹوٹ جاتی ہے پس جو شخص تمام نواقض طہارت میں غور کرے گا اس کو ظاہر ہو گا کہ یہ تمام کھانے سے پیدا ہوتی ہیں اور ہمارے اندر کوئی ناقض طہارت ایسا نہیں جو کھانے سے نہ پیدا ہوتا ہو۔

اس لئے کہ جو نہ کھاتا ہو اس کی شان فرشتوں کی سی ہے کہ اُس کے اندر نواقض مذکورہ اور غیر مذکورہ میں سے کوئی ناقض وقوع میں نہ آئے گا کیونکہ فرشتے نہ پیشاب کرتے ہیں نہ پاخانہ پھرتے ہیں اور نہ ان میں خون جاری ہوتا ہے، اور نہ انکو مردوں یا عورتوں کی خواہش ہے اور نہ انہیں مساس و ہمبستری میں لذت آتی ہے اور نہ وہ کبھی مجنون ہوتے ہیں اور نہ اُن پر بیہوشی طاری ہوتی ہے اور نہ وہ کفر و شرک وغیرہ سے خدا تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہیں کیونکہ غلام اپنے آقا کی نافرمانی جب ہی کر سکتا ہے کہ بندہ (غلام) خدا تعالیٰ (آقا) کے مشاہدہ سے غائب (پوشیدہ) ہو جائے اور اس کے مشاہدہ سے پوشیدگی صرف کھانے ہی سے ہوتی ہے۔ پس اگر بندہ کھایا نہ کرتا تو کبھی خدا تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرتا یہی وجہ ہے جو شارع علیہ السلام اور ائمہ مجتہدین رضی اللہ عنہم نے ہمکو حکم کیا ہے کہ جب ہمارے اندر کوئی شے ناقض طہارت پیدا ہو تو پانی یا اُس کے خلیفہ (مٹی) سے طہارت حاصل کر لیں چنانچہ شارع علیہ السلام اور تمام مجتہدین کا حکم ہے کہ بذریعہ پانی کے نجاست سے پاکی حاصل کی جائے اور استنجا کرنے یا جوتے کی نجاست دور کرنے یا عورت کے دوپٹہ کا پلو اسقدر لمبا ہو کہ زمین میں گھسٹے اور کسی جگہ نجاست سے ملوث ہو جائے تو اُس کو پاک کرنے کے لئے مٹی کو کام

میں لایا جائے (اسطرح کہ ڈھیلوں سے استنجا کیا جائے اور جوتہ کو زمین پر چلنے سے (وعلی ہذا دوپٹہ پاک زمین پر گھسٹنے سے) پاک سمجھا جائے ، اور بچہ کو اس کا بھی حکم دیا ہے کہ جو نجاست پیشاب یا پاخانہ کے مقام سے نکلے اس سے پرہیز اور اجتناب کریں یہانتک کہ اس جگہ چھونے سے بھی جہاں سے پیشاب یا پاخانہ کا خروج ہوتا ہے اور ہمکو شارع علیہ السلام نیز (اکثر) علماء نے بھی یہ حکم دیا ہے کہ پاجامہ پر پانی چھڑک دیا کریں کیونکہ وہ پیشاب گاہ سے لگتا ہے جو نجاست کے خروج کی جگہ ہے اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم طہارت کے وقت تہبند پر بھی پانی چھڑک دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ جبرئیل نے یہ حکم کیا ہے اور احکام کی توجیہات میں عنقریب آجائے گا کہ پیشاب گاہ چھونے سے وضو کا ٹوٹنا بڑے درجہ کے علماء صلحاء کے ساتھ خاص ہے اور نہ ٹوٹنا عوام الناس کے ساتھ اور اس کی وجہ شارع علیہ السلام نے دودھ پیتے بچہ کے پیشاب سے صرف اس جگہ پانی کا چھینٹا دینے کا حکم فرمایا نہ دھونے کا ہم پر سہولت کرنا ہے۔ پس جو دھو دے تو یہ بھی جائز ہے اگرچہ چھینٹا دینا (دھونے سے) افضل ہے کیونکہ احکام شرعیہ کی بنا آنحضرت ؐ کے ارشاد پر ہے نہ عقلیات پر (اگر کوئی کہے) کہ تم نابالغ بچوں کے پیشاب کو نجس کیوں کہتے ہو۔ حالانکہ انہوں نے ممنوعات کے درخت سے کچھ بھی نہیں کھایا (کیونکہ وہ مکلف ہی نہیں) تو جواب یہ ہے کہ بعض اہل کشف نے یہ بیان کیا ہے کہ نابالغ بچوں کی ارواح نافرمانی کرنے سے گناہگار ہوتی ہیں جس طرح فرمانبرداری سے (ان کی ارواح مستحق وجود ہوتی ہیں) اور نیز بعض علماء سے ثابت ہے کہ وہ دودھ پیتے بچہ کے پیشاب لگ جانے سے دھونے کا حکم دیتے تھے اور یہ فرماتے تھے کہ اس کی ماں نے اس وقت حرام یا مشتبہ رزق کھایا ہے تو اس اعتبار سے اس بچہ کا پیشاب بہ نسبت حلال خور کے پیشاب کے زیادہ ناپاک ہوا۔ (انتہی)۔ اور پیشاب گاہ چھونے سے وضو ٹوٹنے میں اقوال مجتہدین دو قسم پر ہیں بعض تشدد اور بعض تخفف اور ہر ایک قول قرآن وحدیث کی طرف منسوب ہے جسطرح بعض مجتہدین وہ ہیں جنکا قول تخفیف وتشدید کے درمیان ہے مثلاً وہ مجتہد جسکا قول (اس باب میں) مفصل ہے۔

اسی کے مثل وہ بعض نواقض (طہارت) ہیں جن پر ائمہ کا اتفاق ہے۔ مثلاً پیشاب یا پاخانہ، ہمبستری، مجنون ہونا۔ اور بعض وہ جن میں اختلاف ہے جیسے محرم عورت یا یہودی کو ہاتھ لگا دینا۔ علی ہذا منجملہ نواقض مختلف فیہا کے بدن سے بہتے خون کا نکلنا ہے اور قہقہہ سے ہنسنا اور مشرک یا جزامی یا برص والے یا صلیب یا بت وغیرہ کو ہاتھ لگانا اور حدثوں کے باب میں یہ گذر گیا ہے کہ پیشابگاہ چھونے سے وضو کا ٹوٹنا پیشابگاہ کی ذات کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اسوجہ سے ہے کہ وہ اس چیز کے خروج کی جگہ ہے جو کھانے سے پیدا ہوتی ہے کیونکہ اگر نفس پیشابگاہ کے کھانے سے پیدا ہونے کی وجہ سے وضو ٹوٹتا ہو تو تمام اعضاء کا یہی حکم ہونا چاہئے تھا کیونکہ تمام بدن کھانے ہی سے بڑھا اور پیدا ہوا ہے (اگر تم کہو) کہ اگر کوئی شخص کنکریاں نگل جائے پھر وہ پاخانہ کے راستہ سے نکلیں تو علماء وضو ٹوٹ جانے کا حکم دیتے ہیں۔ حالانکہ وہ یقیناً کھانے سے پیدا نہیں ہوئیں (تو جواب یہ ہے) کہ محض ان کے نکلنے سے وضو نہیں ٹوٹتا بلکہ اسوجہ سے ٹوٹتا ہے کہ چونکہ کنکریوں پر وہ نجاست لتھڑی ہوتی ہے جو کھانے سے پیدا ہے اور بالفرض اگر ان پر نجاست لگی ہوئی نہ ہو تو علماء ان کے نکلنے سے وضو ٹوٹنے کا حکم نہ دیں گے۔ کیونکہ درحقیقت ناقض وضو نہیں فضلہ کا خروج ہے جو کھانے اور پینے اور شہوت لانے اور حق تعالیٰ سے غافل ہو جانے کے سبب پیدا ہوا ہے اور کنکریوں کے نگلنے اور نکلنے میں کوئی بات امور مذکورہ میں سے نہیں پائی گئی۔ پس خوب سمجھ لو کہ حدث اصغر اور حدث اکبر سے طہارت کے حکم کا یہی سبب ہے۔

(اگر تم کہو) کہ کیا وجہ کہ منی کے نکلنے سے تمام بدن کے دھونے کا حکم ہے۔ حالانکہ وہ پیشاب وپاخانہ سے پلید ہوتے ہیں

یقیناً کم ہے (تو جواب یہ ہے) کہ منی نکلنے اور ہمبستر ہونے سے (اگرچہ منی نہ نکلے) تمام بدن کو دھونے کا حکم اُس کے ناپاک ہونے کی وجہ نہیں بلکہ اُس لذت کی وجہ سے ہے جو تمام بدن میں سرایت کرکے اُس کو مردہ بنا دیتی اور خدا تعالیٰ کی یاد سے غافل کر دیتی ہے یہی وجہ ہے جو تمام سطح بدن پر پانی بہانے کا حکم فرمایا کیونکہ لذت ہی تمام بدن میں سرایت کر جاتی ہے پس گو اگرچہ پیشاب و پاخانہ کی فرع ہے لیکن لذت میں اُن دونوں سے زائد ہے اسی لئے وہ ہمکو پانی بہانے کا حکم کر دیا گیا جو بدن کا کمزوری یا سستی یا مُردگی کو دفع کرنے والا ہے۔ تاکہ مکلف جب اپنے پروردگار سے سرگوشی کرنے کھڑا ہو تو وہ زندہ بدن کے ساتھ ہو لہذا ہر جگہ جس کو (غسل میں) پانی نہ پہونچا ہو شل مردہ یا قریب المرگ عضو یا بیہوش آدمی کے بدن کی شل ہے۔ پس وہ جگہ نماز کے اندر حق تعالیٰ کے سامنے حاضر نہ ہوگی اور جب وہ حاضر نہ ہوئی تو اُس کی نماز ہی نہ ہوئی۔ اس لئے کہ نماز تمام بدن کے ساتھ صحیح ہوتی ہے جس طرح اللہ والوں کے نزدیک بلا حضور قلب نماز صحیح نہیں ہوتی پس خوب سمجھ لو۔ اور اس کی وجہ کہ پانی نہ ہونے کے وقت خواہ حقیقت میں موجود نہ ہو یا شرعی طور پر اس کے نہ ہونے کا حکم دیا جائے (مثلاً مریض یا خوف دشمن ہو اگر پانی موجود ہے) تیمم کرنا واجب ہے۔ سو یہ ہے کہ مٹی میں کچھ بو پانی کی ہے اس لئے کہ وہ اُس پانی کا تلچھٹ ہے جو مخلوقات پیدا کئے جانے کے وقت موجزن ہوا تھا پس اگر موجود نہ ہو تو پتھر سے تیمم کرے کیونکہ اُس کا اصل بھی پانی ہے اور وہ موجزن پانی کے جھاگ سے بنایا گیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ جب پتھر کو آگ میں جلایا جاوے تو اُس سے قطرات پانی ٹپکتے ہیں۔ پس اگر اس میں پانی نہ ہوتا تو آگ میں جلانے سے پانی نہ دیتا کیونکہ انقلاب ماہیات ناممکن ہے۔

اور میں نے سیدی علی خواص رضی اللہ عنہ کو فرماتے سنا ہے کہ خروج منی سے تمام بدن دھونے کا حکم فرمانے کی وجہ یہ ہے کہ منی نکلنے میں جس قدر حق تعالیٰ سے غفلت ہوتی ہے اسقدر غفلت پیشاب و پاخانہ پھرنے میں نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے جو امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نماز میں قہقہہ مار کر ہنسنا وضو توڑ دیتا ہے کیونکہ دو تو یہ اُس کا نماز کے اندر صرف اُسی شخص سے ہوگا جو اس مشاہدہ سے غائب ہوگا کہ حق تعالیٰ مجھکو دیکھ رہا ہے اور اللہ والوں کے نزدیک اس سے نماز و طہارت سب باطل ہو جاتے ہیں۔

رہی یہ بات کہ حیض و نفاس والی عورت کو تمام بدن پر پانی بہانا کیوں واجب ہے جب وہ بند ہو جائیں سو اُس کی وجہ سخت پلیدی کا ہے جو حیض و نفاس سے پیدا ہوئی ہے بالخصوص اُس وقت کہ عورت کو پسینہ آیا ہو اور خون بدن پر پھیل گیا ہو۔ اور خدا تعالیٰ نے خون حیض کے بارہ میں لفظ (اذی) پلیدی کا استعمال کیا ہے اور خون کے نکلنے کے زمانہ میں اُسکی نماز کو باطل قرار دیا ہے اور بعد بند ہو جانے کے بھی جب تک یا صرف خون کے نشان کو نہ دھووے یا تمام بدن پر پانی بہاوے یا تیمم کرے اور امام ابو حنیفہ رحمہ نے حیض و نفاس والی عورت سے جب خون بند ہو چکے اور وہ اپنی پیشابگاہ کو دھولے ہمبستری کو جائز رکھا ہے اور شاید یہ قول اُن لوگوں کے ساتھ خاص ہے جنہیں ہمبستری کی سخت حاجت ہو اور زنا میں واقع ہو جانے سے ڈرتے ہوں (اگر تم کہو) اس کی کیا وجہ کہ آدمی کے پیشاب و پاخانہ کے ناپاک ہونے میں تمام علماء کا اتفاق ہے اور بعض حیوانات کے پیشاب و پاخانہ کے پلید ہونے میں اختلاف ہے۔ حالانکہ آدمی چوپایوں سے یقیناً اشرف ہے کیونکہ درخت (ممنوعات) سے کھانے کی ممانعت کا یہی سکا یہ ہو نہ کوئی اور (تو جواب یہ ہے) کہ علماء کا اُس کے پیشاب و پاخانہ کے ناپاک ہونے پر جو اتفاق ہے وہ محض اس کی شرافت اور بلند مرتبہ ہونے کی وجہ سے ہے۔ پس اُس کی شرافت کا تقاضا یہ تھا کہ جو چیز اُس کے ساتھ مخلوط ہو جائے وہ پاک ہیں لیکن جب وہ اپنے پروردگار سے حکم عاص اور لذات نفسیہ اور خواہشات طبعیہ کے تابع ہو گیا تو حکم

برعکس ہوگیا کہ جو چیز اچھی بو والی اور پاک بھی اُس سے مخلوط ہو جاتی ہے تو وہ بھی ناپاک اور بدبو دار ہو جاتی ہے۔ (جسطرح) پیشاب و پاخانہ، ریزش بینی، تھوک، بغل کا پسینہ۔ اور یہ قانون (مسلم ہے) کہ جس کا مرتبہ بڑا ہوتا ہے اُس کی چھوٹی خطا بھی بڑی ہوتی ہے (اگر تم کہو) کہ آدمی کے پیشاب و پاخانہ کے ناپاک ہونے کی علت جو اُس کی شرافت بیان کی گئی وہ گدھے کے پیشاب و پاخانہ میں تو نہیں ہے کیونکہ اُس کے ناپاک ہونے پر بھی تمام علماء کا اتفاق ہے حالانکہ اُس میں شرافت مفقود ہے تو اس کا کیا جواب ہے (ہم جواب دیں گے) کہ اُس کے پلید ہونے کی علت کھاتے وقت خدا تعالیٰ سے غافل ہو جانا ہے۔ اسی طرح اُن جانوروں میں جنکا گوشت کھایا نہیں جاتا برخلاف اُن جانوروں کے جن کا گوشت کھایا جاتا ہے کیونکہ خدا تعالیٰ سے کم غافل ہوتے ہیں اسی لئے بعض علماء نے اُن پیشابوں اور گوبروں میں تخفیف کی ہے اس کی تائید ہم پر خدا تعالیٰ کے یہ احسان فرمانے سے ہوتی ہے کہ اُس نے چوپایوں کا کھانا ہمارے لئے حلال فرما دیا اور اگر وہ ہمارے لئے خچروں اور گدھوں کو حلال فرما دیتا تو اُن کے کھانے سے ہماری غفلت اور بڑھ جاتی جسطرح اُس ذبیحہ کو بھی فرما دیا جس پر (ذبح کے وقت) خدا تعالیٰ کا نام نہ پڑھا گیا ہو (اگر کہا جائے) کہ کیا وجہ جو گدھے کے باقی فضلات (ریزش بینی پسینہ وغیرہ) کے ناپاک ہونے پر علماء کیوں نہ متفق ہوئے۔ حالانکہ یہ تمام چیزیں بھی پیشاب و پاخانہ کی طرح کھانے سے پیدا ہوتی ہیں (تو جواب یہ ہے) کہ ان چیزوں میں تخفیف کرنے کی وجہ ان کی ناپاکی اور برائی کا ہلکا ہونا اور ان کی صورتوں کا کھانے اور پینے کی چیزوں کی صورتوں سے بہت بعید ہونا ہے برخلاف پیشاب و پاخانہ اور قے کے کیونکہ یہ سب اکثر رنگ میں پلید چیزوں کے مشابہ ہوتی ہیں پس جس نے ان کے سخت پلید ہونے کیطرف نظر کی اُس نے ناپاک کہدیا اور جس نے کم درجہ کی ناپاکی کیطرف نظر کی اُس نے ناپاک نہیں کہا جیسا کہ کتاب میں اس کی پوری تفصیل گذر چکی ہے۔ پس یہ علت ہے حدث کی جو کھانے اور پینے سے پیدا ہے اور طہارت کے لئے مٹی اور پانی کا استعمال واجب ہونے کی۔ اور اگر ہم (ممنوعات) کے درخت سے کچھ نہ کھاتے یہاں تک کہ وہ سے بھی اجتناب کرلیتے تو نہ ہمکو حدث (ناپاکی) لاحق ہوتی اور نہ ہمکو طہارت کا حکم کیا جاتا بلکہ ہمیشہ فرشتوں کی طرح پاک رہا کرتے اور اگر خدا تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام کی صبوری توبہ کا قصہ ہمیں نہ سناتا تو ہم کو اپنے گناہوں سے توبہ کرنے کی ہدایت ہوتی اور نہ یہ جانتے کہ گناہوں سے خلاصی کیونکر ہوا کرتی ہے اور نہ خدا تعالیٰ یہ ارشاد فرماتا کہ "ان اللہ یحب التوابین ویحب المتطہرین" فالحمد للہ رب العالمین۔

رہی یہ بات کہ نمازوں کی (فرضیت کا) کھانے پینے سے تعلق کیونکر ہے سو اُس کا بیان یہ ہے کہ نماز ہماری توبہ اور استغفار کے لئے مشروع ہوئی ہے کیونکہ جب ہمارے بدن گناہوں کی وجہ سے مردہ یا حسب خواہش چیزیں کھانے یا غفلتوں میں پڑجانے سے کمزور و سست ہو جاتے ہیں تو اس وقت خدا تعالیٰ کے سامنے پھر کھڑے ہونے سے روحانی قوت حاصل ہوتی ہے۔ اس لئے حق تعالیٰ نے ہمکو پانی یا مٹی سے طہارت حاصل کرنے کا حکم فرمایا جس سے بدن میں زندگی اور قوت آتی ہے پھر اپنے سامنے کھڑے ہونے کا حکم دیا جس سے روح میں زندگی پیدا ہوتی ہے تاکہ ہم اپنے پروردگار سے زندہ ارواح و ابدان کے ساتھ سرگوشی کریں بعد اس کے گناہوں میں پڑنے سے مردہ ہو چکے تھے تو گویا ہم نے بذریعہ ان افعال کے خدا تعالیٰ سے نزدیکی اور اُس کے ہم سے راضی رہنے کا دروازہ کھول لیا بعد اسکے کہ وہ ہم سے اس درجہ کا راضی نہ تھا جتنا اُس وقت ہوگا جب ہم اُس کے سامنے کھڑے ہونگے اور (اُس کا ہم سے اسقدر راضی نہ ہونا) اس وجہ سے تھا کہ ہم خواہشات نفسانی اور کھانے پینے میں مشغول اور جائے ضرور میں اخراج نجاست کے لئے جو اُس کے دربار ذیشان کے مناسب نہیں داخل ہو کر اس سے غافل

ہوگئے یہی وجہ ہے جو ائمہ رضوان اللہ علیہم کھانے میں کمی رکھتے تھے اور فرماتے تھے کہ خدا تعالیٰ کے سامنے ہم کو ستر کھولنے سے شرم آتی ہے (یعنی پیشاب و پاخانہ پھرتے وقت) جیسے حضرت امام مالک رضؓ اور امام اوزاعی رضؓ اور امام بخاری رضؓ چنانچہ امام مالک رضؓ اور امام بخاری ہفتہ میں ایک دفعہ پاخانہ پھرتے تھے اور امام اوزاعی رضؓ مہینہ میں ایک دفعہ۔ پس جب ان کا پیٹ بہت بتلا ہوگیا تو مہینہ میں دو دفعہ پھرنے لگے تو اُن کی والدہ فرمایا کرتی تھیں کہ عبدالرحمٰن کو تو پیٹ کی بیماری ہوگئی (کیونکہ مہینہ میں دو دفعہ جاتے ہیں اللہ اکبر) اور حدیث شریف میں ہے کہ جب نماز کا وقت آتا ہے تو فرشتے پکار کر کہتے ہیں کہ اے بنی آدم تم اپنی اُس آگ کو بجھاؤ جو تم نے جلائی ہے (اگر کوئی کہنے والا کہے) کہ کیا وجہ دن رات میں پانچ نمازیں فرض ہوئیں (تو جواب یہ ہے) کہ یہ خدا کی رحمت ہے تاکہ ہم طہارت حاصل کرتے وقت اپنے گناہ یاد کر لیا کریں اور جب اُسکے سامنے کھڑے ہوا کریں تو ہم کو شرف اور اُس کی رضامندی حاصل ہوجایا کرے اور اس سے فائدہ یہ ہو کہ ایک نماز سے دوسری نماز تک کے درمیان جو جو نقص ہمارے اندر ہو گئے ہوں اُن کی مکافات ہوتی رہے اور ہر نمازی اور پاکی حاصل کرنے والا حسب مراتب اپنے کئے ہوئے گناہوں کی اسطرح معافی مانگ لیا کرے۔ جس طرح متوضی اگر وضو کرتے میں وہ دعا پڑھا کرے جو حدیث میں وارد ہے تو اُسکے مخصوص گناہ بخشے جاتے ہیں۔ پھر جب وہ نماز کے لئے کھڑا ہوجاتا ہے تو وہ گناہ بخشے جاتے ہیں جو نماز کے ساتھ مخصوص ہیں۔ کیونکہ ہر شرعی حکم کسی نہ کسی فعل کا کفارہ بنایا گیا ہے جس میں بندہ واقع ہوتا رہتا ہے۔ منجملہ اُن افعال کے جن سے خدا تعالیٰ راضی نہیں جیسا کہ اہل کشف اُس کو خوب جانتے ہیں اور اگر کسی بندہ کو کشف ہوجاتا ہے تو وہ دیکھتا ہے کہ اللہ اکبر کہنے کے وقت جس کے معنے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی ذات ہر اُس صفت تعظیم سے برتر ہے جن کا قلوب میں گذر ہوتا ہے۔ اُس کے گناہ دہنی اور بائیں جانب جھڑ رہے ہیں۔ پھر جب قرأت پڑھتا ہے تو اور گناہ داہنے اور بائیں جھڑتے ہیں۔ اسی طرح رکوع اور قومہ اور سجدہ وغیرہ کے وقت گناہ جھڑتے ہی رہتے ہیں۔ پس جب وہ نماز سے فارغ ہوتا ہے تو اُس پر اُن گناہوں میں سے کوئی گناہ باقی نہیں ہوتا جو نماز کی وجہ سے بخشے جاتے ہیں۔

اسقدر تقریر سے اُس کا بھی جواب معلوم ہوگیا جو کہے کہ حدیث میں وارد ہے کہ جب نمازی وضو کرتا ہے تو اُس کے تمام گناہ جھڑ جاتے ہیں اگر وہ وضو کرنے کے ساتھ ہی نماز کو کھڑا ہوجائے تو نماز سے جھڑنے کے لئے گناہ اتنی دیر میں کہاں سے آجائیں گے۔ پس خوب سمجھ لو۔

اور ابواب طہارت میں ہم کہہ چکے ہیں کہ بندہ کے جسقدر گناہ زیادہ اور بخس ہوں اُسیقدر زیادہ پانی سے لطافت حاصل کرے تاکہ وہ بدن قوی اور زندہ ہوجاوے جو کثرت معاصی سے مردہ ہوگیا ہے۔ برخلاف مستعمل پانی کے۔ خدا تعالیٰ رحم فرماوے امام ابو حنیفہ رضؓ پر کہ آپکا استنباط کسقدر باریک ہے، اور آپ نے اس اُمت کے لئے کسقدر احتیاط کی ہے کہ مستعمل پانی سے طہارت حاصل کرنے کو ناجائز فرمایا اگرچہ وہ قلتین سے بھی زیادہ ہو کیونکہ اُس میں گناہوں کے جھڑ جانے سے کمزوری اور ضعف آگیا ہے اور تمام مجتہدین پر رحم فرماوے (اگر کہو) کہ جب پانچوں وقت کی فرض نمازیں اُن گناہوں کا کفارہ ہوگئیں جن کا نماز سے تعلق ہے تو پھر نوافل کی مشروعیت کیوں ہوئی۔ کیا اُن گناہوں کے کفارہ کے واسطے جو آئندہ زمانہ میں واقع ہونگے یا اُن نقصانات کو پورا کرنے کے لئے جو فرائض میں رہگئے ہوں جیسا کہ اہل کشف کا بیان ہے کہ (لا نفل الا عن کمال فرض) "نفل کی مشروعیت نہیں ہوئی مگر فرض پورا کرنے کے لئے" اس کی وجہ یہ ہے کہ جب نمازی تکبیر تحریمہ پڑھ لیتا ہے تو سلام پھیرنے تک اُس کے دل میں دنیا کی کسی چیز کا گذر نہیں ہوتا (تو جواب یہ ہے) کہ نوافل اُن نقصانات ہی کو پورا کرنے کے لئے مشروع ہوئے ہیں جو فرائض میں رہجاتے ہیں۔

اور یہ اپنے اپنے مرتبہ کی موافق اور نوافل درحقیقت نوافل اسی شخص کے واسطے ہیں جس کے فرائض بلانقص ادا ہوچکے
ہوں اور وہ اولیاء اللہ ہیں اسی سے حق تعالیٰ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ کو فرمایا کہ (ومن الیل فتہجد بہ نافلۃ
لک) تو یہ نافلۃ کا لفظ دال ہے اسپر کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض بے نقص تھے اسی طرح جو کمال مقام میں
آنجناب کے وارثین اور خدا تعالیٰ کے اولیاء ہیں داخل ہیں اُن کا بھی یہی حال ہے۔ اور ہم جیسے لوگ بذریعہ نوافل کے
صرف نقصانات پورے کر سکتے ہیں اور اُس کی تائید بخاری شریف کی اس حدیث سے ہوتی ہے کہ "بیشک قیامت کے
دن فرائض (کے نقصانات) نوافل سے پورے کئے جائیں گے" پس اسکو خوب سمجھ لو (اگر تم کہو) اس کی کیا وجہ
کہ شارع علیہ السلام نے بعض نوافل کو موکد بنایا اور بعض کو نہیں (تو جواب یہ ہے) کہ امت پر سہولت و وسعت
کرنے کے لئے ایسا کیا کیونکہ اگر تمام نوافل کی تاکید فرماتے تو بہت بار ہو جاتا جس کے تحمل کی طاقت کم لوگ رکھتے
اور نبی کریم علیہ التسلیم حتی المقدور امت پر تخفیف و تسہیل کو پسند فرماتے تھے کیونکہ آپ جانتے تھے کہ خدا تعالیٰ ان تمام
عبادات سے غنی ہے۔ اور نبی کریم علیہ السلام نے ایک دفعہ مغرب سے پہلے دو رکعتیں پڑھیں پھر نہیں پڑھیں چھوڑ دیں
اور یہ فرمایا کہ مجھے ڈر ہے کہیں لوگ ان سنت نہ بنالیں یعنی ہمیشہ ادا کیا کریں جس طرح سنن موکدہ ادا کی جاتی ہیں۔
(اگر تم کہو) کیا وجہ جو اسباب کی وجہ سے بھی نوافل ہوئے جیسے سورج گرہن اور طلب باراں اور عیدین اور جنازہ
کے لئے (تو جواب یہ ہے) کہ چونکہ بندہ کھانے پینے سے خدا تعالیٰ کی ان نشانیوں سے جن کے ذریعہ وہ اپنے بندوں
کو ڈراتا ہے پردہ میں پڑ گیا تھا بالخصوص اس وقت جب کہ اُس نے حرام رزق اور نفسانی خواہشات کی چیزیں
کھائی ہوں جن کی وجہ سے اس کے دل میں قساوت (سختی) پیدا ہو گئی ہو کیونکہ وہ خدا تعالیٰ سے اسدرجہ کا نہ ڈریگا
جو اسے گناہوں سے باز رکھے۔ پس اگر کھانے پینے کی وجہ سے پردہ میں نہ پڑتے اور خدا تعالیٰ سے غافل نہ ہوتے تو ہمیں انکی
کی کوئی ضرورت نہ ہوتی۔ یہی وجہ ہے جو خدا تعالیٰ نے نوافل مذکورہ میں خطبہ مشروع فرمایا ہے جس میں وعظ و تخویف
دونوں ہوں تاکہ وہ قلوب جو خدا تعالیٰ کے دربار سے پھر گئے ہوں پھر اس کی طرف لوٹ آویں اور نماز جنازہ میں
خطبہ کا مشروع نہ ہونا اُس کا قرینہ ہے کیونکہ موت فی نفسہ عاقل اور بصارت دینے کے لئے بہت بڑی نصیحت ہے
اور اگر رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم یہ جانتے کہ قلوب کا خدا تعالیٰ کی طرف رجوع اور ان دعاؤں اور استغفاروں کے
بغیر بھی ہو سکتا ہے جو بعض نمازوں میں مشروع ہیں تو آپ ہرگز اُن نمازوں میں خطبہ مشروع نہ فرماتے۔
رہی یہ بات کہ عیدین میں تکبیرات زیادہ کیوں ہوتی ہیں سو اُن کی وجہ یہ ہے کہ مخلوق کی کثرت سے لوگ وحدت حق تعالیٰ
سے پردہ میں پڑ جاتے ہیں اور جنازہ کی نماز اُن مسلمان بھائیوں کے حقوق ادا کرنے کے لئے مشروع ہوئی ہے کہ اُن کی
زندگی میں ہم نے ادا حقوق کے اندر کوتاہی کی اسمیں غسل دینا کفن پہنانا، دفن کرنا۔ اور اُن پر نماز پڑھنا گویا اُن
نقصانات کا پورا کرنا ہے جو ہماری طرف سے اُن کے حقوق میں رہ گئے تھے۔ سو صرف اسوجہ سے ہم کھانے اور پینے کی
پردہ میں پڑے تھے اور دونوں عیدوں کے اندر کھانے اور پینے اور عمدہ لباس پہننے میں فراخی کرنے کا حکم فرمایا ہے
کہ ان کی مشروعیت ان قلوب میں باہمی اُلفت پیدا کرنے کے لئے ہوئی ہے جو معاملات دنیویہ اور اغراض نفسانیہ کی کثرت
سے باہم متنافر ہو گئے تھے اور یہ اس وقت کہ جب ہم بوجہ کھانے پینے کے آخرت اور اس احوال کے مشاہدہ سے
غائب ہو گئے اور اس اصلی وجہ ہے کہ قلوب کی باہمی اُلفت سے شیرازہ دین کا اجتماع اور شعائر دینیہ کی اقامت ہی
ہوتی ہے برخلاف باہمی نفرت کے کہ اس سے شیرازہ دین کمزور اور پراگندہ ہو جاتا ہے۔
اور اس کی وجہ کہ عیدین میں جماعت جمعہ سے تکبیروں میں زیادتی کی گئی ہے سو یہ ہے کہ یہ دونوں دن (عید) چونکہ

(عید الفطر) فرحت وسرور کے ہیں کہ ان دنوں میں جاوتا خدا تعالیٰ سے بہ نسبت روز جمعہ کے غفلت زیادہ ہوتی ہے۔ اور اس کی وجہ کہ ان میں فرحت وسرور کا حکم ہمیں کیوں دیا گیا سو وہ یہ ہے کہ تاکہ ہم ظاہری افعال سے بھی خدا تعالیٰ کا شکر یہ ادا کریں صرف دل کے باطنی شکریہ پر اکتفا نہ کریں پس بوڑھے آدمی کو بھی) مناسب ہے کہ وہ اظہار مسرت اور اپنے پاس کے اچھے کپڑے پہننے میں بچوں اور خدمت گاروں اور لڑکوں کی موافقت کرے۔

اور میں نے سیدی علی خواص رضی اللہ عنہ کو فرماتے سنا ہے کہ مسلمان کے لئے یہ مناسب نہیں کہ وہ جمعہ اور عیدین وغیرہ کی نمازوں میں آوے حالانکہ اُس کے اندرون میں کسی کی طرف سے بغض یا کینہ یا مکر وفریب یا کسی مسلمان پر تکبر ہو۔ کیونکہ ایسے شخص کا قلب حق تعالیٰ کے دربار میں حضوری نہیں حاصل نہیں کر سکتا اور شیخ موصوف سے یہ بھی سنا ہے کہ آپ ایک مرتبہ اپنے اصحاب سے فرماتے تھے کہ اپنے آپ کو اس سے بچاؤ کہ تم پر ایک جمعہ یا دو عیدیں گذریں حالانکہ تمہارے دل میں کسی مسلمان بھائی کی طرف سے کینہ یا حسد ہو اور یہ امر (یعنی کینہ وحسد نہ رکھنا) اگرچہ تمام اہل اسلام سے ہر وقت مطلوب ہے۔ لیکن بالخصوص جمعہ اور عیدین میں اس کی زیادہ تاکید ہے اور خاصکر اس کے لئے جو حج کے ارادہ سے حرم شریف میں گیا ہو اس لئے کہ حرم شریف زمین میں خدا تعالیٰ کا دربار ہے اور اس حدیث میں کہ "وہ عداوت وکینہ رکھنے والوں کے اعمال اوپر نہیں چڑھتے جب وہ صلح نہ کرلیں" مضمون مذکور کی طرف اشارہ ہے کیونکہ قطع تعلق کرنا اور عداوت رکھنا مخلوق پر رحمت نازل ہونے سے مانع ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے علماء نے اس کو مستحب کیا ہے کہ جب مسلمان طلب باراں اور توبہ کرنے کے لئے جانے لگیں تو پہلے ہر ایک اپنے دشمن سے صلح کرلے اور اگر کسی پر ظلم کیا ہو تو اُس کا بدلہ دیدے۔ پس اس کو خوب سمجھ لو۔

رہا یہ کہ زکوٰۃ کی تمام اقسام کھانے پینے سے کیسے تعلق رکھتی ہیں سو وہ ظاہر ہے کیونکہ جب ہم ایسی چیز کھالیتے ہیں جو شرعاً ہمارے لئے مناسب نہیں تو پھر ہم یہ نہیں سمجھتے کہ ہمارے قبضہ میں جسقدر مال ہے وہ سب خدا تعالیٰ کا ہے۔ بلکہ مالک حقیقی سے غافل ہو کر ہم اپنی ملک کا دعویٰ کرنے لگتے ہیں چنانچہ بہت سا مال جمع کرکے اپنی نفسانی شرارت اور بخل کی فقراء اور مساکین کو نہیں دیتے اور اُن لوگوں کو جن کی تالیف قلوب کی جاتی ہے اور مقروض آدمیوں کو تنگ رکھتے ہیں اور اُن مصالح میں جنکا نفع مخلوق کی طرف رجوع ہوتا ہو۔ اور مجاہدین ومکاتبین ومسافرین پر خرچ نہیں کرتے اور حق تعالیٰ کے اس فرمان کو بھول جاتے ہیں کہ "وآتوا الزکوٰۃ" نیز اسکو کہ "وانفقوا مما رزقناکم" اور نیز اس قول کو کہ "وما انفقتم من شیئ فھو الخ" اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کو کہ "صدقہ دیتے رہنے سے مال میں کمی نہیں ہوتی۔ اور خدا تعالیٰ صدقہ کئے ہوئے ایک درہم کو ستر گنہ تک بڑھاتا ہے" اور نیز ہم زکوٰۃ کے معنے کو بھی بھول جاتے ہیں کیونکہ خدا تعالیٰ نے زکوٰۃ نام (جسکے معنی بڑھنے کے ہیں) اسی وجہ سے رکھا ہے تاکہ بندہ اس میں غور کرکے اپنی رضامندی وخوشی کے ساتھ زکوٰۃ ادا کرے۔

اور میں نے شیخ الاسلام ذکریا رحمۃ اللہ علیہ کو فرماتے سنا ہے کہ خدا تعالیٰ نے ہم پر زکوٰۃ اس لئے فرض فرمائی کہ اُس کو جان لیا تھا کہ ہم اُس کے بندوں پر بخل کریں گے اور ان کو موٹی لے مال سے جس کے اندر اُس نے ہمیں خلیفہ بنایا ہے نہ مالک حقیقی محروم رکھیں گے پس اسوجہ سے اُس نے ہر قسم کے مال میں سے ایک معین حصہ نکالنے کو ہم پر فرض فرما دیا ہے وہ بھی مال اور ارواح اُس پلیدی سے پاک ہو جائیں جو بوجہ بخل اور خدا تعالیٰ کے حکم (ادائے زکوٰۃ) کی نافرمانی اس کی وجہ یہ ہے کہ تم ہو اور ہمارے رزق میں برکت اور ترقی ہو کیونکہ فرشتوں نے اپنی پروردگار سے دعا کی ہے کہ وہ ہر خرچ کا جواب یہ ہے کہ تو زیادتی کرے اور جو روکنے والے کو تلف مال اور فرشتوں کی دعا ضرور مقبول ہوتی ہے۔ پس اگر لوگ

اندرونی حالت پر غور کریں تو پھر بھی اللہ و رسول کے کلام پر ایمان لانے کے مدعی نہیں کیونکہ اُس نے ہم سے وعدہ لیا ہے کہ ہم اُس کی راہ میں بلا خرچ کرنے کی خلافت کو انجام دیں گے۔ اسی طرح اس کے رسول نے بھی باوجود اس کے پھر بھی زکوۃ نہیں نکالتے اور نہ اُس کی راہ میں مال خرچتے ہیں مگر قلیل لوگ۔ اور صوفیہ کا بیان ہے کہ ایمان کامل کے لئے یہ شرط ہے کہ مومن کے نزدیک وہ غائب جس کا اُس نے وعدہ کیا یا اس پر وعید فرمائی ہو مثل حاضر کے ہو تو پھر حقوق خداوندی میں بخل کرنے والے کا اب ایمان کیونکر جا سکتا ہے جس کا وہ دعویدار ہے۔ باوجودیکہ اگر وہ کسی یہودی کو سونے کے ڈھیر پر بیٹھا دیکھے اور وہ یہ کہتا ہو کہ جو مجھے آدھا درہم دے میں اس کو ایک دینار (اشرفی) دوں تو بعید لوگ اُس کے پاس جمع ہو کر اشرفیاں لینے کے لئے دراہم (چونیاں) دیں۔ اور اگر اُس وقت کوئی انسان اُن سے کہنے لگے کہ اپنے دراہم دیکر اس سے اشرفیاں مت لو تو اُسے بیوقوف بتلائیں اور اس کی بات پر ہرگز کان نہ رکھیں۔ پس اے بھائی تم غور کر کے دیکھو کیونکہ تم احوال زمانہ جانتے ہو اس کے بعد مدعی ایمان ہو اور یا اُس دعوے کو چھوڑ دو اور حق تعالیٰ سے مغفرت چاہو۔

اور میں نے سیدی علی خواص رضی اللہ عنہ کو فرماتے سنا ہے کہ جس نے زکوۃ کا حکم ہونے پر حق تعالیٰ کا شکر یہ نہ ادا کیا تو وہ اجہل الجاہلین میں سے ہے کیونکہ اخراج زکوۃ کا حکم محض اس لئے فرمایا کہ تاکہ اپنا فضل ادا کرنے والے پر زیادہ کرے لہذا اُس کو خوش ہونا مناسب ہے نہ غمگین (انتہی)۔

رہے نفلی صدقات سو اُن کی مشروعیت اُس نقصان کے دور کرنے کے لئے ہوئی ہے جو فرض زکوۃ ادا کرنے میں رہ جاتا ہے جس طرح روزہ اور نماز میں۔ کیونکہ بعض لوگ مقدار واجب سے کم نکالتے ہیں اور بعض ادا زکوۃ پر مسرت میں جو مناسب تھی کمی کر دیتے ہیں اس لئے اُن کے ثواب میں بھی کمی ہو جاتی ہے۔ اور حدیث میں ایسے الفاظ وارد ہیں جن سے سمجھا جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے جو زکوۃ دینے والوں کو اجر و ثواب کا وعدہ کیا ہے وہ انہیں کے ساتھ مخصوص ہے جو آنکھ کی ٹھنڈک اور سینہ کی فراخی کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ اور سیدی علی خواص رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے نفلی صدقہ کم اس لئے مشروع فرمایا تاکہ اس سے وہ بلائیں دفع ہوں جو ہمارے ابدان پر نازل ہوتی ہیں کیونکہ فرض زکوۃ سے تو مال اور ارواح کی تطہیر ہوتی ہے اور نفلی صدقہ بدن کو نجاست حسیہ اور معنویہ سے پاک کر دیتا ہے۔ پس جس نے نفلی صدقہ نہ کیا اور فرض زکوۃ میں جو نقص رہ گیا تھا اُس کی مکافات نہ کی تو گویا اُس نے اپنے بدن کو برص، اور بہق، اور خارشت، اور پھوڑوں اور زخموں اور تمام اُن امراض کے واسطے پیش کر دیا جن سے بدن کو تکلیف ہوتی ہے۔ (انتہی)۔

رہی یہ بات کہ صدقہ فطر کس لئے مشروع ہوا سو اُس کی وجہ یہ ہے کہ رمضان شریف کے روزے صدقہ فطر ادا کئے بغیر معلق رہتے ہیں اور جب وہ ادا کر دیا جاتا ہے تو آسمان کی طرف اٹھائے جاتے ہیں اس کا ثبوت اُس حدیث سے ہے جس کو بعض نے حسن کہا ہے۔ اور نیز اہل کشف کا اس پر اجماع ہو چکا ہے اور اس کی وجہ کہ رمضان شریف کے روزے بغیر ادا فطرہ آسمان پر کیوں نہیں اٹھائے جاتے سو وہ یہ ہے کہ صدقہ فطر اُن خرابیوں کا کفارہ ہے جو روزوں میں غیبت و چغلی وغیرہ سے واقع ہوئیں اور جڑ اُن سب خرابیوں کی کھانا اور پینا ہے کیونکہ جب بندہ نے کھایا تو خدا تعالیٰ کے مشاہدہ سے غائب ہو گیا۔ لہذا روزہ میں اُس سے نقص واقع ہوا وجہ یہ کہ اُس نے روزہ کی وجہ سے کھانا پینا وغیرہ ترک کر کے جب سے صفت صمدانیت کے ساتھ تشبہ حاصل کیا ہے اُس وقت سے خدا تعالیٰ کے عالی شان دربار میں باادب نہیں رہا۔ پس اگر نہیں کھاتا تو اُس کے مشاہدہ سے نہ غائب ہوتا اور نہ روزہ کے اندر کچھ

نقص ہونا۔ والحمد للہ رب العالمین
اور روزہ کا تعلق (ممنوعات کے) درخت سے کھانے کے ساتھ خواہ وہ فرضی ہو یا نفلی سو وہ یہ ہے کہ روزہ کی مشروعیت
تطہیر اور خدا کی طرف اپنے اُن تمام گناہوں کی معافی کے لیے جو سال بھر کھانے پینے کی غفلت سے پیدا ہوتے رہے ہیں متوجہ ہونے
کی تقویت کے لیے ہوئی ہے۔ اور میں نے سیدی علی خواص رضی اللہ عنہ کو فرماتے سنا ہے کہ روزہ رمضان شریف اسی لئے
مشروع ہوا ہے تاکہ ایک ماہ تک شیطان کے ابدان مکلفین میں سرایت کرنے کی آڑ رہے۔ پس اگر روزہ دار کما حقہ
روزہ ادا کرے تو وہ کبھی وسوسہ اندازی میں شیطان کا اپنے اوپر تسلط نہ پاوے لیکن چونکہ روزہ دار روزوں کو
نقصانات کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ اس لئے شیطان اُس آڑ کو پھاڑ کر اندر گھس جاتا ہے اور قلب میں وسواس و خطرات
ڈال دیتا ہے اس لئے ضرورت ہے کہ یوم پیر اور جمعرات اور ہر چاند کی تاریخوں میں روزہ رکھ کر
اُن نقصانات کی مکافات کریں۔

اور شیخ موصوف سے میں نے یہ بھی سنا ہے کہ روزہ کی تاثیرات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ قلب میں رقت آجاتی ہے اور اعضاء ڈھیلے
پڑ جاتے ہیں اس لئے پھر وہ گناہ کی خواہش نہیں کرتے کیونکہ شیطان کے اندر جانے کے منافذ بند ہو جاتے ہیں جو مشتہاۃ
اشیاء کے کھانے سے کھل گئے تھے یہاں تک کہ بدن مثل جالی کے ہو گیا تھا جس میں سوراخ ہوتے ہیں۔ پس جب اُس نے
روزہ رکھا تو وہ سوراخ بند ہو گئے اور حدیث بخاری شریف میں اسی طرف اشارہ ہے کہ (الصوم جنۃ) ''روزہ
بمنزلہ ڈھال کے ہے،، جس کے ذریعہ بندہ اپنے دل کو آفات دینیہ نہیں داخل ہونے دیتا (انتہی) اور اس کی
وجہ کہ رمضان شریف کے تیس یا انتیس دن مقرر کئے گئے سو وہ یہ ہے کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ وہ
دانہ جو حضرت آدم علیہ السلام نے صورۃً کھا لیا تھا۔ آپ کے پیٹ میں ایک مہینہ یا انتیس دن باقی رہا تھا (اگر کہا جائے)
کہ حدیث شریف سے تو یہ سمجھا جاتا ہے کہ کھائی ہوئی چیز آدمی کے اندر چالیس روز تک رہتی ہے۔ کیونکہ حدیث
شریف میں ہے جو شخص ایک لقمہ حرام کا کھا لیتا ہے اُس کی چالیس روز تک نماز قبول نہیں ہوتی (تو جواب یہ ہے
کہ کھانے کا ہضم ہونا قوت ہاضمہ کی تیزی پر موقوف ہے تو ممکن ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی قوت ہاضمہ میں سخت گرمی
ہو جس سے وہ ایک ہی مہینہ میں ہضم ہو گیا (انتہی)

تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر روزہ کو صرف اُس شہوت کے کمزور کرنے کے لیے فرض کیا ہے جو کھانے سے پیدا ہوتی ہے
لہٰذا جو شخص ماہ رمضان میں عمدہ عمدہ اشیاء اور گھی وغیرہ کھانے میں مبالغہ کرتا ہے اُس نے اپنے اندر روزہ کی حکمت
کو باطل کر دیا اور منافذ شیطان کو اپنے بدن میں بند نہیں کیا پس شیطان اُس کے اندر اپنے سواروں اور پیادوں
سے خوب پامال کرے گا اور اُس کے دین کو بالکل برباد کر دے گا۔ معلوم ہوا کہ اگر کھانا نہ ہوتا تو روزوں کی کوئی ضرورت
نہ ہوتی اور ہمارا حال فرشتوں کا سا ہوتا کہ کبھی تمام عمر میں گناہ کا وقوع نہ ہوتا۔

(اگر کہا جائے) کہ ماہ رمضان میں دن کے اندر ہمبستر ہو جانے سے کفارہ کیوں لازم ہوتا ہے (تو جواب یہ ہے) کہ چونکہ
ہمبستر ہونے والے نے اپنے پروردگار کے حکم کی نافرمانی کی اور اُس کی رضامندی پر اپنی خواہش کو مقدم کیا جس سے
لازم آیا کہ وہ اپنے اوپر بلائیں نازل کرانے کو تیار ہے پس اُس پر عذاب نازل ہونے سے مانع ہو جائے گا۔ اور یہی گفتگو
ظہار و قتل وغیرہ کے کفارات میں ہے اور نیز جب روزہ دار حق تعالیٰ کی نہ کھانے پینے کی صفت کے ساتھ موصوف
ہوا ہے تو اُس کے لئے یہ مناسب نہیں کہ وہ ہمبستری کرے جس سے خدا تعالیٰ منزہ ہے۔ پس تم جان گئے ہو گے کہ اگر کھانا
نہ ہوتا تو ہرگز روزوں کی حاجت نہ ہوتی جس سے ہماری خواہشیں کمزور اور ہاتھ پاؤں وغیرہ بے طاقت ہو جاتے ہیں

اور اس کی وجہ کہ اعتکاف (ممنوعات کے) درخت سے کھانے کے ساتھ کیوں ہے سو وجہ یہ ہے کہ اعتکاف ہمارے ان
دلوں کو جو خدا تعالیٰ سے پراگندہ اور کھانے کی وجہ سے غفلتوں کے جنگلوں میں متفرق ہو گئے ہوں اکٹھا کر دیتا ہے۔ لہٰذا
اعتکاف ہمکو حضوری حاصل ہونے میں معین ہوگا بالخصوص رمضان شریف میں کیونکہ (حالت اعتکاف میں)
جب شب قدر آئے گی جو ایک ہزار راتوں سے بہتر ہے تو ہمارے دلوں کو پوری حضوری حاصل ہوگی۔

اور حج وغیرہ کا درخت (ممنوعات سے) کھانے کے ساتھ تعلق سو وہ اس لئے کہ حج وغیرہ ان بڑے گناہوں کے لئے کفارہ بن جاتے ہیں جو کھانے کی غفلت سے پیدا ہوتے ہیں۔ پس اگر کھانا نہ ہوتا تو ہم ان گناہوں میں ہرگز واقع نہ ہوتے اور ان کے کفارہ کی ضرورت ہوتی۔ اور پہلے گذر چکا ہے کہ ہر شرعی حکم کے مقابلہ میں ایک گناہ ہوتا ہے جسکا (وہ حکم) کفارہ بنتا ہے خواہ وہ طہارت ہو یا نماز یا روزہ یا حج وغیرہ۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے جب ایسی شے (کھائی) جسکا کھانا شرعاً ہمکو جائز نہ تھا تو ہم غفلت میں پڑ گئے اور گناہگار ہوئے اور اگر ہم وہ شے کھاتے جو شرعاً روا تھی تو کوئی گناہ ہم سے وقوع میں نہ آتا یہ ہمارے حق میں گفتگو ہے۔ رہے حضرت آدم علی نبینا وعلیہ السلام سو ان سے جو گناہ یا معذرت و توبہ صادر ہوئی وہ سب صورت کے لحاظ سے تھی نہ حقیقی جیسا کہ ابتداء بحث میں گذرا۔ اور حج آخر ان چیزوں کا ہے جو مکفرات بندے کے حق میں باقی رہتے ہیں۔ اور نیز حضرت آدم علیہ السلام نے اسی جگہ کلمات کو حاصل کیا اور خدا تعالیٰ نے ان کی صوری توبہ کو قبول کیا نہ حقیقی کو جیسا کہ ان کی اولاد میں سے انبیاء کی یہی شان ہے۔

پس اگر تم کہو کہ کیا وجہ جو تمام عمر میں حج وعمرہ صرف ایک ہی مرتبہ واجب ہے اور نماز وروزہ کی طرح کہ جنہیں مقرر فرمایا (تو) جواب یہ ہے کہ اس میں حق تعالیٰ کی رحمت ہے کیونکہ اس کی رحمت غضب پر غالب ہے پس چونکہ اکثر حج وعمرہ میں مشقت زیادہ ہوتی ہے اس لئے ان میں خدا تعالیٰ نے تخفیف فرمائی۔ بالخصوص ان لوگوں کے لئے جو بعید مسافت کر کے حج کر سکیں برخلاف طہارت و نماز و روزہ وغیرہ کے۔ اور بعض ائمہ نے روزہ کو صرف مستحب اس لئے کہا ہے کہ عمرہ افعال حج میں داخل ہے۔ اس لئے وہ ایسا ہوا جیسا کہ فرائض کے ساتھ نوافل ہوتے ہیں۔ پھر اس کے اندر ہمارے لئے آئندہ اور گذشتہ گناہوں کی مغفرت کی بڑی خوشخبری ہے جبکہ ہم عمر بھر میں ایکدفعہ حج کر لیں اور اور اگر یہ مغفرت نہ ہوتی تو وہ حج کو ہر سال میں ایک دفعہ واجب کرتا تاکہ ہر سال کے لئے ہوئے گناہ اس سے معاف فرما دے۔ پس اسے خوب سمجھ لو۔ (پس اگر تم کہو) اس کی کیا وجہ کہ وقوف عرفہ حج کے ارکان میں سے بڑا رکن قرار دیا گیا نہ طواف وسعی وغیرہ (تو جواب یہ ہے) کہ اس کی وجہ حضرت آدم علیہ السلام کا پیروی کرنا ہے کیونکہ آپ جب جنت سے اترنے کے بعد جو یاقوت کے پہاڑ پر سے بلاد ہندوستان سے مکہ معظمہ پہنچے تو سب سے پہلا کام جو انہوں نے کیا وہ عرفہ میں ٹھیرنا تھا کیونکہ عرفہ حق تعالیٰ کا پہلا دروازہ ہے اور خدا تعالیٰ کی مثال اس سے بھی یہ ہے پھر اس کے متصل مزدلفہ ہے سو وہ دوسرے دروازہ کی مثل ہے کیونکہ وہ (مزدلفہ) ازدلاف سے ماخوذ ہے جس کے معنے قرب کے ہیں اور وہ بھی مکہ معظمہ سے نزدیک ہے (اگر تم کہو کہ شہری آدمی کے حج میں یہ نرمی کیوں کی گئی کہ اسے وقوف عرفہ سے پہلے مکہ معظمہ میں داخل ہونے کا حکم کیا گیا (جواب یہ ہے) کہ اس میں خدا تعالیٰ کی مخلوق پر رحمت ہے کیونکہ ان کو اشتیاق ہوتا ہے کہ وہ اپنے پروردگار کے خاص گھر کو دیکھیں اس لئے ان کی مثال ایسی ہوتی ہے جیسے وہ شخص جو اپنے مولیٰ کے مکان کی طرف ہجرت کرے اور پھر اس کے سامنے تھوڑی دیر اس انتظار میں کھڑا رہا کہ مولیٰ کیا حکم فرماتا ہے پس جب اس نے فرمادیا کہ جا عرفات میں جہاں میرا برگزیدہ بندہ (حضرت آدم علیہ السلام) گیا تھا تو سوائے

اطاعت کے امور کیا چارہ ہے۔

(اگر تم کہو) کیا وجہ جو محرم کو سلا ہوا کپڑا پہننے کی ممانعت فرمائی حالانکہ اب کی بات یہ ہے کہ جب آدمی بڑے لوگوں سے ملاقات کرے لباس فاخرہ پہنے ہو (تو جواب یہ ہے) اس طرف اشارہ کرنے کے لئے اس کا حکم فرمایا کہ ہر گنہگار کو اپنے پروردگار کے سامنے ذلیل وخوار ناداز علائق دنیویہ سے بالکل بری ہو کر جانا چاہئے تو کہ مولے اُس کو قبول کرے اور اپنی رضامندی کی پوشاک اُسے پہنا دے خدا تعالیٰ نے فرمایا "انما الصدقات للفقراء والمساکین الخ" کیونکہ مالدار جو مزین لباس پہنے ہو حق تعالیٰ کی جانب سے مستحق صدقہ کا نہیں۔

اور میں نے سیدی علی خواص رضی اللہ عنہ کو فرماتے سنا ہے کہ بندہ کے حج مقبول ہونے اور خدا تعالیٰ کے اُس کو اپنی رضا کی پوشاک پہنانے کی علامت یہ ہے کہ جب وہ حج کر کے واپس آوے تو وہ اخلاق محمدیہ کے ساتھ موصوف ہو کہ نہ وہ کسی گناہ میں واقع ہو اور نہ امور دنیویہ میں سے کسی پر مزاحم ہو یہانتک کہ مرجائے اور قبول نہونے کی علامت یہ ہے کہ پھر اُس کی وہی حالت ہو جائے جو حج کرنے سے پہلے تھی جیسا کہ خدا تعالیٰ کے اُسپر غصہ ہونے کی علامت یہ ہے کہ جب وہ حج سے لوٹے تو یہ سمجھتا ہو کہ میرا حج بہ نسبت دوسروں کے قبول کرنے کے ساتھ زیادہ لایق ہے اس لئے کہ میں نے مناسک وارکان حج بجالا ادا کئے ہیں اور اُن میں کوئی کام ایسا نہیں کیا جس میں علماء کا خلاف ہوتا۔ لیکن اس غصہ کو ہر کوئی نہیں سمجھ سکتا صرف اہل کشف ہی جانتے ہیں۔ بس خوب سمجھلو اور حج مشروع ہونے کا سبب درخت ممنوعات سے کھانا ثابت ہوا۔ والحمد للہ رب العالمین

اور بیع وشرا اور تمام معاملات درخت ممنوعات سے کھانے کے ساتھ تعلق ظاہر ہے۔ کیونکہ جب ہم نے کھایا پیا تو اس نے ہمارے اپنے بھائیوں کے ساتھ پوری محبت اور اُن کے ساتھ اکرام و انعام و اعطاء کا معاملہ جاتا رہا۔ اور ہم نے بخل وغیرہ سے حدود خداوندی سے تجاوز کیا۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے ہمکو بیع وشرا کی اجازت دی اور سود کو حرام فرما دیا۔ نیز ہمارے لئے بیع وشرا اور خیار کو مشروع فرما دیا تاکہ وہ ندامت دور ہو جو اُس وقت کہ ہمارے نے اپنے لئے پورے حصہ (نفع) کی رعایت کرلی ہو اور ہم سے وہ عیوب بیان فرما دئے جن ہم یا دوسرے لوگ ضامن ہوئے ہیں اور وہ چیزیں بھی بتا دیں جو گھروں یا باغوں کے فروخت کرنے میں داخل ہوتی ہیں۔ اسی طرح وہ اشیا بھی جن میں بدلنا اور رہن صحیح ہے اور دیوالہ نکل جانے اور تصرف سے روک دینے اور صلح وحوالہ کرنے اور شرکت و وکالت و قرض دینے اور بیع کو فسخ کرنے اور درختوں کے پھلوں کے حصہ پر کسی سے پرورش کرنے اور کرایہ پر کوئی شے دینے اور بنجر زمین کو قابل کاشت بنانے کے احکام بھی بتلا دئے۔

علی ہذا القیاس پڑی ہوئی چیز یا پڑا ہوا بچہ انسان کا اُٹھا لینے۔ اور مزدوری اور مواریث وصدقات ووصایا اور امانت کے احکام اور نے وغنیمت کو تقسیم کرنے کے طریقے تبلا دئے اور ان تمام کی اصل ہمارا اُن چیزوں کے کھالینے کی غفلت میں پڑجانا ہے جن کے کھانے کی شارع علیہ السلام نے اجازت نہیں دی۔ خواہ بعینہ کھانا ہو یا وہ کھانا جس سے مزاہو ممنوع فعل کا ارتکاب ہوتا ہے۔ اور اس کی پوری تفصیل میں نے اپنے رسالہ "الانوار القدسیہ" میں لکھی ہے۔ اگر چاہو تو اُسے دیکھو۔ والحمد للہ رب العالمین۔

اور اس کی وجہ کہ نکاح اور اُس کے لوازم کا درخت ممنوع کھانے کے ساتھ کیو نکر ہے سو وہ یہ ہے کہ بندہ جب کھاتا ہے تو اس کی خواہش ہمبستری یا اُس کے مقدمات (بوسہ لینا اور گلے سے چمٹانا وغیرہ) کی طرف حرکت کرتی ہے اور اگر نکاح مشروع نہ ہوتا تو احتمال تھا زنا کر بیٹھنے کا پھر وہ یا شرعاً قتل کیا جاتا ہے یا غیرۃً مرجاتا تو فساد بہت بڑھتا ہے

پس اسی واسطے ولی کی اجازت اور دو گواہ اور مہر ہونا بھی شارع نے ضروری فرما دیا۔

اور بیویوں میں تعدیل و تقسیم کرنے کا حکم کھانے سے اس لئے تعلق رکھتا ہے کہ جب بندہ کھاتا ہے تو بیوی کے حقوق واجبہ سے غفلت میں پڑتا ہے اس لئے اُس کو تنگ کرتا ہے اور باوجود اُس کے دوسری عورت سے نکاح کر لیتا ہے اور اسکو تکلیف دیتا ہے یہاں تک کہ (مجبور ہو کر) عورت اُس سے طلاق مانگ لیتی ہے اور اس کے بدلہ میں مال دیدیتی ہے۔ اور بعض وقت بلا مانگے ہی طلاق دیدیتا ہے پھر بعد میں ندامت حاصل ہوتی ہے لہذا اللہ تعالیٰ نے رجوع کر لینے کو مشروع فرمایا اور بہت مرتبہ وہ شخص اپنی بیوی سے ایلا کر لیتا ہے یا ظہار یا لعان کی نوبت آتی ہے اور اس عورت سے نکاح کر لیتا ہے جس نے اُس کو دودھ پلایا ہو اور لونڈی سے بلا صفائی رحم ہمبستری کر لیتا ہے یا عدت کے اندر مطلقہ عورت سے نکاح کر لیتا ہے باوجود اس کے حاملہ ہونے کے اور بہت مرتبہ بیوی اور ماں باپ اولاد کے نفقہ میں بخل کر جاتا ہے اور کبھی اولاد اور نوکروں اور حیوانوں چوپایوں کو کھانے کو نہیں دیتا جن پر سوار ہوتا ہے اور اُن سے نفع اٹھاتا ہے اور اُن کے تمام حقوق سے غافل ہو جاتا ہے محض کھانے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے اُن کے حقوق ادا کرنے کا حکم فرما دیا۔

والحمد للہ رب العالمین۔

اور اس کی وجہ کہ جنایات اور اُن چیزوں کا جو اُس کے اندر مذکور ہوتی ہیں مثلاً نذر اور ایمان (قسمیں) اور قضاء و آزادی غلام اور مکاتب بنانا اور ام ولدوں کے احکام کھانے کے ساتھ کیونکر تعلق رکھتے ہیں۔ سو اُس کی وجہ ظاہر ہے۔ اور وہ یہ کہ بندہ جب کھا کر پیٹ بھر لیتا ہے تو اُس کے ہاتھ پاؤں وغیرہ سرکش ہو جاتے ہیں پس وہ اُس نفس کو قتل کر بیٹھتے ہیں جس کو خدا تعالیٰ نے حرام کر دیا ہوتا ہے یا ہاتھ پاؤں اُس کے کاٹ ڈالتے ہیں یا قصداً یا خطاءً اُس کو زخمی بنا دیتے ہیں یا چوری زنا یا کسی انسان پر حملہ کر جاتے ہیں یا نشہ آور شے کو پی لیتے ہیں یا لوگوں کو تہمت لگا کر اُن کی آبروریزی کرتے ہیں یا خدا تعالیٰ کی جھوٹی یا سچی قسم کھا لیتے ہیں یا مال خرچ کرنے میں بخیل ہو جاتے ہیں کہ محتاجین و فقراء پر نہیں خرچتے اگر اُس وقت کہ نذر مانیں یا قسم و عہد کریں تو اُس وقت خدا تعالیٰ نے نذر پورا کرنے کو واجب فرمایا اور یہ صرف اُس شخص پر عذاب ڈالنے کے لئے جو نذر مانے نہ انعام و اکرام کی غرض سے اور یہ اس لئے کہ اُس نے شریعت کا مقابلہ کیا کہ جس کام کو شارع علیہ السلام نے صرف مباح یا مستحب کیا تھا اُس نے اُسے اپنے اوپر واجب کر لیا پس اگر حدود کی مشروعیت نہ ہو تو عالم کا انتظام فاسد ہو جاتا اس طرح کہ قتل و قتال کی کثرت ہو جاتی اور لوٹ کو لوگ معمولی بات سمجھنے لگتے اور اس کی وجہ کہ بعض حدود میں غلام کی آزادی مقرر کی ہے یا کھانا کھلانا یا کپڑا پہنانا سو وہ یہ ہے کہ تاکہ یہ کفارہ خدا تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والے عذاب کو دور کر دے اور اس میں اُس کے بندوں پر رحمت ہے اور یہ تمام احکام اُن چیزوں کے کھانے کی وجہ سے صادر ہوئے جن کی خدا تعالیٰ نے اجازت نہیں دی۔ پس اس کو خوب سمجھ لو۔

اور اس کی وجہ کہ غلام کو آزاد کرنا اور اُس کے بعد کے احکام درخت ممنوعات سے کھانے کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ سو وہ یہ ہے کہ مولیٰ جب کھالے تو حجاب میں پڑ جاتا اور غلام کی خدمت اور اُس پر احسان کرنے کو بھول جاتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس جب غلام کھا لیتا ہے تو فاسق اور اپنے آقا کی اطاعت میں کمی کر دیتا ہے اور یہ چاہتا ہے کہ میں اس کی (غلامی کی) قید سے نکل جاؤں اور ایسا ہی مالدار ہو جاؤں جیسا مولیٰ ہے اور یہ نہیں جانتا کہ یہ غلامی مولیٰ اپنے سے اُس کے لئے بہت اچھی ہے کیونکہ جب تک مولیٰ کی غلامی میں ہے اُس وقت تک اُس کے مال کی وجہ سے اپنی ضروریات بہم پہونچانے کے لئے تحصیل مال سے لاپرواہ ہے کیونکہ اب تو جس شے کی ضرورت ہوتی ہے مولیٰ کے گھر سے لے لیتا ہے اور جب اُس نے یہ چاہا تو خدا تعالیٰ نے اُس کی طرفداری میں مولیٰ کو اُس کے آزاد کرنے کی ترغیب دی اور مکاتب بنانے کا حکم کیا کیونکہ

مولیٰ کو دیکھا کہ وہ دنیا کی حرص کرتا ہے اسی لئے اُس کا نفس زندگی میں غلام آزاد کرنے سے خوش نہ ہوا پس اگر مولیٰ کو
دنیا کی حرص نہ ہوتی تو فوراً ہی آزاد کرنے کا حکم کیا جاتا نہ مکاتب یا مدبر بنانے کا۔
رہی ام ولد کہ اس کے آزاد کرنے کا مولیٰ کو حکم نہ دیا گیا۔ اس کی وجہ اُس پر رحمت کرنا ہے یا یہ کہ مولیٰ ام ولد کے اپنے اوپر
حقوق ادا کرنے سے بے خبر ہے حالانکہ اُس سے اس نے نفع حاصل کیا اور اپنی خواہش اُس سے پوری کی اس لئے شارع ؑ
نے اُس کے مرنے کے بعد ام ولد کی آزادی پسند کی تاکہ مولیٰ پر غضب ظاہر ہو اور زندگی بھر اُس کے حقوق ادا کرتا رہے
اور پھر یہ مولیٰ کے لئے کفارہ ہو جائے اور اس کی اصلی وجہ کہ مولیٰ اُس کے حقوق میں غلط اندازی کی کھاتا ہے کیونکہ جب
اُس نے کھایا تو حجاب میں پڑ گیا اس لئے اُس نے اپنے خدمت گار کا حق پورا نہ دیا حالانکہ اُس سے نفع اُٹھایا بلکہ مال کے
بدلہ میں آزادی سے راضی ہوا۔ اور اگر حجاب میں نہ پڑتا تو مکاتب سے ہرگز مال نہ لیتا اور غلام کو بلا مکاتب و مدبر بنائے
آزاد کر دیتا۔ پس اس کو خوب سمجھ لو۔
اور اس کی وجہ کہ خلیفہ اعظم اور اُس نائب کا مقرر کرنا کھانے کے ساتھ کیوں تعلق رکھتا ہے سو وہ ظاہر ہے کیونکہ تمام دنیا
میں اگر خلیفہ اعظم اور اُس نائب وزیر اور امیر اور قاضی وغیرہ نہ ہوتے تو کوئی شخص اجراء احکام شرعیہ پر قادر نہ ہوتا اور
عالم کا تمام انتظام درہم برہم ہو جاتا کیونکہ لوگ باہمی ایک دوسرے کے حقوق طلب کرتے اور کوئی نہ دلا سکتا۔
اور خلقت کثیر مقتول ہو جاتی اور جب قاتل کا قتل واجب ہوتا اُس کے قتل پر کسی کو قدرت نہ ہوتی۔ اسی لئے علماء کا قول
ہے کہ حد وہی شخص قایم کرے جو قصاص دلوا دے اور اُس سے کوئی قصاص نہ لے سکے جیسے حاکم۔ برخلاف اُس کے
جو دوسرے کو مارے اور دوسرا اُسے مارے۔ پس اس کو خوب سمجھ لو۔
پھر یہ جاننا چاہئے کہ ان تمام امور کی اصل کھانا ہی ہے کیونکہ اگر کھانا نہ ہوتا تو کوئی آدمی حجاب میں نہ پڑتا اور
نہ ان حقوق کو ترک کرتا جو خدا تعالیٰ نے اُس پر واجب کئے ہیں مثلاً اگر کھانا نہ ہوتا تو باہمی تنازع اور خصومت نہ واقع
ہوتی بلکہ ہر شخص اپنے اوپر کے حق کو بلا مقدمہ اور حاکم کے پاس جائے اور بلا قید و تعزیر کئے جانے ادا کر دیتا جیسا کہ
علماء اور اولیاء اللہ کی اب بھی یہی حالت ہے۔ پس خدا تعالیٰ کا بڑا رحم ہے کہ اُس رعیت کو الہام کیا اس امر کا کہ
وہ کوئی حاکم مقرر کریں جو اُن کے اموال اور جانوں کی حفاظت کرے اور یہ اُنہوں نے جب کیا کہ جب جان
لیا اس کے بغیر شعائر دین کا قیام ناممکن ہے اور یہ قانون کہ جس چیز پر واجب کا توقف ہو وہ بھی واجب ہی ہوتی
ہے اور اس کی وجہ کہ کوئی حدیث اس بارہ میں وارد نہ ہوئی جس میں حاکم مقرر کرنے کا حکم ہوتا یہ ہے کہ حاکم کے
اندر تکبر اور ریاست ہوتی ہے جس سے وہی آدمی بچ سکتا ہے جسے خدا تعالیٰ محفوظ رکھے۔ پس اگر امارت طلب کرنے
کا حکم شارع ؑ کی طرف سے ہم کو صریحی ہوتا تو اس میں فتنہ کی ترغیب ہوتی اور ظاہر ہے کہ شارع ؑ اس امر کا
حکم نہیں فرما سکتے جس میں فتنہ ہو۔ بلکہ بندہ کو منع کر دیا کہ وہ امیری کو خدا سے مانگے۔ مگر ہاں اگر بندہ کو خود
مل جائے (تو وہ دوسری بات ہے) واگر دبدبہ و رعب والے حکام نہ ہوتے تو کوئی شخص اپنے گھر بیٹھا چین سے
نہ بیٹھ سکتا۔ چہ جائیکہ جنگلوں والے۔ اور نہ کوئی کاشتکاروں سے خراج لے سکتا اور نہ جہاد ہو سکتا۔ اور نہ اس قدر
مال مہیا ہو سکتا جو مجاہدین اور سرحدیوں پر خرچ کیا جاتا۔ الحاصل تمام مخلوق کے مصالح و کاروبار خراب ہو جاتے
والحمد للہ رب العالمین۔
اور اب یہ خاتمہ کتاب "میزان الشعرانی" کا بھی آخر ہے جس نے تمام اقوال مجتہدین و مقلدین کو شریعت محمدیہ میں
داخل کر دیا۔ (الحمد للہ الذی ھدانا لھذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللہ لقد جاءت رسل

(ربنا بالحق)

اور دنیا میں علماء مذاہب اربعہ سے جو اس کتاب کو دیکھیں یہ التماس کرتا ہوں کہ اگر اس کتاب میں کوئی غلطی یا خطا انکی
نظر پڑے تو اصلاح فرمادیں لیکن بعد اس کے کہ ادلہ و علل و توجیہات میں غور فرمالیں اور مذاہب اربعہ میں سے
کسی خاص مذہب کے ساتھ تعصب نہ رکھتے ہوں نیز پہلے اپنی دلیل کی صحت اور مخالف کی کمزوری جان لیں اور
اُن فصول کے مضامین سے آگاہ ہو جائیں جو میں نے مقاصد کتاب میزان الشعرانی سے ذکر کی ہیں اور بعد اس
کہ شریعت مطہرہ کی اُس چشمہ کا مشاہدہ کر چکے ہوں جس سے تمام مجتہدین و مقلدین متقدمین و متاخرین کے اقوال
متفرع ہوتے ہیں اور یہ بھی جان لیا ہو کہ شریعت کی مثال ہتھیلی کی ہے اور مذاہب اُس کی انگلیاں ہیں جو ہتھیلی
سے نکلتی ہیں پس جس طرح ہاتھ میں کوئی انگلی دوسری سے بہتر نہیں ہے اسی طرح کوئی مذہب دوسرے سے بہتر نہیں
ہے جیساکہ اس کی پوری تفصیل اُن فصلوں میں گذر چکی ہے جو مجتہدین کے کلام کی توجیہات سے پہلے ہیں۔
اور جب کوئی مؤلف کسی فن میں پہلی مرتبہ قلم فرسائی کرتا ہے تو ایسے شخص کی ضرورت پڑتی ہے جو بعد میں اُس کے کلام
پر غور کرے کیونکہ تالیف کے وقت مؤلف کو تمام اُن شکوک کا استحضار دشوار ہوتا ہے جو کلام منطوق یا مفہوم
پر واقع ہوتے ہوں اور اگر دشوار نہ ہوتا تو لوگوں کو متون کی شرح کرنے کی ضرورت نہ ہوتی اور نہ شروح حواشی
کی محتاج ہوتیں اور نہ حواشی کو حواشی کی ضرورت پڑتی (اور خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے) کہ (ولو کان من عند غیر اللہ
لوجدوا فیہ اختلافا کثیرا) اور ہم نے بارہا ذکر کیا ہے کہ جتنی کتابیں ہم نے تالیف کی ہیں وہ سب اسطرح
لکھی ہیں کہ خدا تعالیٰ وقت تالیف دل پر القا کرتا گیا ماسوا اُن کتابوں کے جن کو مطولات سے مختصر کیا ہے پس خدا تعالیٰ
اُس شخص پر رحم فرمادے جو مجھے وقوع خطا میں معذور رکھے کیونکہ اس کتاب کا مضمون قول جنب رکھتا ہے اور
خدا تعالیٰ اُسپر بھی رحم فرمائے جس کے دل پر کسی امام کے قول کی توجیہ میری بیان کردہ توجیہ سے زیادہ واضح منکشف ہو
اور وہ کتاب میں اُسی مقام پر چسپاں کردے۔ اور پھر میں نے جو تمام مذاہب مستعملہ اور متروکہ کے کلام کی توجیہ
کا التزام کیا ہو اس میں بھی مجھے معذور سمجھے کیونکہ یہ ایک ایسا علم ہے کہ میں نہیں جانتا کہ مجھ سے پہلے کسی اور نے اس کا
التزام کیا ہو۔ اور جو شخص اس میں غور کرے گا اور سمجھے گا تو وہ تمام مجتہدین کے مذاہب اس طرح بیان کرنے لگے
گا کہ گویا یہی صاحب مذہب ہے اور مستحق ہوگا کہ اُس کو اپنے زمانہ میں شیخ اہل السنۃ والجماعۃ کا لقب دیا جاوے
اور جو نہ دے گا وہ ظالم ٹھیرے گا۔ پس اے بھائیو! میری نصیحت سن لو اور اس کتاب کا غور سے مطالعہ کرو
اور تمام مجتہدین کے ساتھ ادب کو لازم پکڑو تاکہ وہ بروز قیامت اُس کے ہولناک وقائع میں تمہاری دستگیری
فرماویں۔ والحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ علی سیدنا محمد وعلی آلہ وصحبہ اجمعین وحسبنا اللہ ونعم الوکیل
ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم

تمت تمام شد

الحمد للہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔ اما بعد۔ خدا تعالیٰ کا بے شمار احسان ہے کہ اُس نے مجھ حقیر کے ہاتھ سے کتاب
میزان الشعرانی کا اردو ترجمہ آج مورخہ ۲۲ جمادی الاول سنہ ۱۳۳۱ ہجری المقدس بوقت صبح صادق مقام لاہور زمانہ
تدریس بمدرسہ دار العلوم نعمانیہ اتمام کو پہونچایا۔ فالحمد للہ علی ذالک۔

حقیر محمد حیات عفی عنہ
سنبھلی موطنا حنفی مذہبا

شرح

معانی الآثار

المعروف بہ

طحاوی عربی

مصنفہ امام المشائخ الکبار راس المحدثین حافظ ابی جعفر الطحاوی جو کہ عرصے سے نایاب تھی اور شائقین اس کے نقد جان سے خریدار تھے اور ناکامیابی کی وجہ سے فائز المرام نہ ہو سکتے تھے چونکہ یہ کتاب علمائے مذہب حنفیہ کے لئے حرز جان بنا ہوئی تھی۔ اور اس پایہ کی کوئی کتاب حدیث حاوی کل ابواب حنفیہ حنفیہ کی نہ تھی۔ اور علمائے متبعان مذہب حضرت امام اعظم ابو حنیفہ نعمان رضی اللہ عنہ بوجہ نایابی سخت حیران تھے اسلئے چند قلمی نسخے نہایت سعی و کوشش سے بصرف زر کثیر بہم کر کے باہم مقابلہ کرا کے نہایت محنت و جانفشانی سے صحت کرا کر خوشخط اعلےٰ کاغذ ولایتی مصری خوشرنگ تقطیع ۲۰×۲۶ کلاں پر چھپوایا گیا ہے۔ جس کی زاید تعریف لکھنے کی ضرورت نہیں علمائے اس کے اوصاف و خوبی سے بخوبی واقف ہیں ہاں اس قدر لکھنا ضروری ہے۔ کہ کوئی مسئلہ کا استنباط قرآن و حدیث سے نہ کیا گیا ہو یہ کتاب جیسے کہ علمائے احناف کیلئے کار آمد ہے۔ ویسے ہی بقیہ اہل مذاہب اربعہ کے لئے بھی مفید ہے اس کتاب کے ہوتے ہوئے اور فقہ کی کتاب کی ضرورت نہیں رہتی۔ قیمت صرف بارہ روپیہ (عہ)

کشکول کلیمی اردو

حاوی مسائل تصوف و ذکر و اشغال مصنفہ حضرت شاہ کلیم اللہ صاحب جہان آبادی قدس سرہ العزیز اس کے مطالعہ سے کل درجات تصوف و ذکر و طریق زکوٰۃ وغیرہ حل ہو سکتے ہیں اور اس کے ہوتے ہوئے کسی دوسری کتاب تصوف کی ضرورت نہیں نہیں رہتی ہے قیمت بغرض افادہ عوام صرف چار آنہ رکھی ہے۔ محصول ڈاک بذمہ خریدار (۴)

المشتہر

شیخ الٰہی بخش محمد جلال الدین تاجران کتب کشمیری بازار لاہور

فہرست مضامین مذہب رحمانی ترجمہ اردو میزان شعرانی جلد اول

مضامین	صفحات
دیباچہ مترجم سلمہ اللہ تعالےٰ یعنی مقدمہ ترجمہ میزان شعرانی	۱
حقانیت کو شرف ہے	〃
ثبوت اجتہاد و استنباط احکام شرعیہ	۲
اجتہاد ہر شخص کا منصب نہیں بلکہ اسکے لئے شرائط ہیں	۴
بعض جلیل القدر مجتہدین حضرات کے نام	۶
تقلید شخصی کا ثبوت	〃
تقلید شخصی کا نہ کرنا سخت مضر ہے	۸
حضرت فاروق اعظمؓ سے تقلید شخصی کا ثبوت	۹
مجتہد بننے کے لئے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ کے بیان کردہ شرائط	۱۰
تقلید شخصی پر اہل زمان کے مطاعن اور اوران کے جوابات	〃
طعن ۱ اور اُس کا جواب	〃
طعن ۲ و ۳ اور اُن کے جواب	۱۱
تقلید شخصی کے معنے اور ائمہ مجتہدین کے صفات لازمہ	۱۲
حسب بیان ماہرین شرع صفات لازمہ کے جامع پر یہی چار امام ہیں	〃
علامہ شہزادی کی اس امر پر شہادت	۱۴
ائمہ اربعہ کی حقانیت پر ایک شبہ اور اس کا ازالہ	〃
میزان شعرانی کی خوبیاں	۱۵
کتاب مذکور سے شبہ مذکور کا تفصیلی جواب	〃
تالیف میزان شعرانی کی ضرورت	۱۶
میزان شعرانی ائمہ مجتہدین پر سے تمام شبہات دور کرنے کی کفیل ہے	۱۷
شبہ نمبرا کا جواب بالتفصیل	۱۷
شبہ مذکورہ کا میزان سے مکمل جواب	۱۸
ہر مجتہد برسر حق ہے اور اختلاف کچھ نہیں	۱۹

مضامین	صفحات
ہر شرعی قول میں دو مرتبے ہیں ایک تشدید دوسرا تخفیف	۱۹
اُس کی پہلی نظیر	〃
دوسری نظیر	۲۰
تیسری نظیر	〃
شبہ ثانیہ کی جلد اول و دوم کا جواب میزان شعرانی سے	۲۰
امام صاحبؒ کے بارہ میں امام مالک کا مقولہ اور اُس کے معنے کے متعلق ایک لطیفہ	〃
امام شعرانی کی طرف سے اُس کا مقولہ کی ایک نایاب توجیہ	〃
امام اعظم کی منقبت میں کمی کرنے والوں کا حشر اور امام شعرانی رح کی شہادت	〃
شبہ ثانیہ کی تیسری وجہ کا جواب میزان شعرانی سے	〃
امام اعظم رح کہاں تک حدیث کا تتبع فرماتے تھے	۲۲
امام اعظم رح صحابہ رضہ کی رائے بھی نہیں چھوڑتے تھے	〃
حضرت سفیان ثوری و مقاتل و حماد وغیرہم کی امام صاحب سے کوفہ میں گفتگو	〃
شبہ ثانیہ کی چوتھی وجہ کا جواب میزان شعرانی سے	۲۳
شبہ ثانیہ کی پانچویں وجہ کا جواب میزان شعرانی سے	〃
تیسری اور چوتھی گندگی کا ازالہ میزان شعرانی سے	۲۴
میزان شعرانی کا اُردو میں ترجمہ کرنیکی ضرورت	〃
مختصر حالات مصنف کتاب علیہ الرحمۃ	۲۵
نام و نسب و ولادت	〃
زمانہ طفولیت اور تحصیل علم	〃

مضامین	صفحات
وہ متون جو مصنف کو حفظ تھے	۲۶
مصنف رح کا خداداد حافظہ دیکھ کر شیخ بہلول رح کا مقولہ	〃
مصنف کے شیوخ میں سے بعض حضرات کے اسماء گرامی معہ کتابوں کے جو جس سے پڑھی	〃
علمی تبحر اور تالیفات	۲۷
حنفی مذہب میں بڑے بڑے محدث ہو گذرے ہیں اُن میں سے بعض حضرات کے نام	۲۸
ابو قتادہ رح جو اسحاق بن راہویہ کے استاد ہیں باوجود حافظ حدیث ہونے کے امام اعظم کی تقلید کرتے تھے	〃
علماء کی ایک نادر الوجود نوع کہ جن میں سے مصنف کتاب تفوق کا رتبہ رکھتے ہیں	〃
مصنف کتاب میزان کی جملہ تالیفات کا احاطہ مشکل ہے	۹
مؤلف کی اُن تیئیس کتابوں کے نام جن کی نظیر میں ایک کتاب بھی تالیف نہ ہوئی	۳۰
اُن علماء کے اسماء گرامی جنہوں نے مصنف میزان کی تالیفات پر زور تقاریظ لکھی ہیں	۳۱
مصنف میزان کے مجاہدات	〃
شیخ سنجلامرشد کے مجاہدات کی اُنکی مفصل کیفیت	۳۲
آپ کے خوارق و کرامات	〃
شیخ ابو صالح طیبی شافعی نے کتاب تذکرۃ اولی الالباب میں میزان کا ایک عجیب واقعہ نقل فرمایا	۳۴
ترجمہ میزان شعرانی اور اُس کا دیباچہ	۳۶
اُردو ترجمہ میزان شعرانی جلد اول	۴۰

مضامین	صفحات
میزان کی تالیف کا باعث اعظم	۴۰
دوسری غرض تالیف	〃
تیسری غرض تالیف۔	〃
تمام آئمہ مجتہدین اور مقلدین کے اقوال شریعت کے ماتحت ہیں اسکی مستحکم دلیل	۴۱
میزان کے مضامین کا اسکے منکر سے اعتراف کرانے کی عمدہ تدبیر	۴۴
اختلاف مذاہب میں حکمت الٰہی	۴۶
مصنف میزان کی بیان کردہ فہرست مضامین کتاب ہذا	〃
فصل اس سوال کے حل کہ ہر قول کو علیحدہ محل پر محمول کرنے سے رفع تعارض کیونکر ہوسکتا ہے	۴۹
فصل اس بیان میں کہ میزان کے دونو مرتبے اختیاری نہیں ہیں	۵۰
فصل اس سوال کا پورا حل کہ کیا اس میزان کے ناواقف کو اپنے مذہب کے دو قولوں یا دو دلیلوں میں سے قوی پر عمل کرنا واجب ہے	۵۲
فصل اس کا بیان کہ تمام اماموں کو ہدایت پر یقین کرنے کے لئے کتاب میزان سے دلچسپی لازم ہے	〃
فصل اس کا جواب کہ یہ کتاب اسکو ہدایت نہیں کرسکتی جو تمام اماموں کو برحق نہیں جانتا	۵۳
فصل اس سے بچو کہ اس کتاب کا نام ہی سنکر مصنف رح کا انکار کرنے لگو	۵۴
فصل اس بیان میں کہ طلباء علوم کی بارہا درخواست پر کتاب میزان تالیف ہوئی	۵۵
فصل کتاب میزان کے اندر رخصت اور عزیمت سے ... ان کی ... اور رخصت مراد ... لو	۵۶
فصل رخصت پر عمل کرنیوالا اس کی شرط موجود ہونیکی صورت میں اور عزیمت پر عمل کرنیوالا اس کی شرط موجود ہونیکی صورت بدیں ہدایت ہے	〃
فصل اس سوال کا جواب کہ تمام اماموں کے کلام کو دو مرتبوں پر محمول کرنے کی کسی عالم کے کلام میں نظیر موجود ہے یا نہیں۔	۵۷
ان حضرات کے نام جو چاروں مذہب میں فتوے دیتے تھے	۵۸
فصل اس میں میزان کے دونوں پہلوؤں کے اجزاء کا صحیح ہونا مدلل بدلائل کیا گیا ہے۔	۶۰
فصل اس بیان میں کہ قیاس کے اندر اسکو دلیل شرعی ماننے والوں کے نزدیک بھی دونوں مرتبے میزان کے جاری ہوتے ہیں۔	۶۳
فصل اس بیان میں کہ اس میزان پر عمل نہ کرنیوالا ثواب میں ناقص اور علماء کے ساتھ بے ادب ہے	۶۴
فصل مومن کے لئے لازم ہے کہ ہر حدیث ثابت اور ہر استنباطی قول پر جس کی شرطیں موجود ہوں عمل کرے	۶۵
فصل اس کا جواب کہ شریعت کے اس سرچشمہ پر جہاں سے تمام مجتہدین پانی لیتے ہیں کیونکر آگاہی ہوسکتی ہے	۶۷
فصل اس سوال کا جواب کہ جب ہم تمام اماموں کے اقوال ایک چشمہ سے نکلتا دیکھکر تو لیستے بھی چھوڑ دے تو مرید کو کسی معین مذہب کی تقلید کا حکم کیونکر دیسکتا ہے	۷۰
فصل اس سوال کا جواب کہ احکام شریعت وطریقت کے سوا کیا اور علوم میں بھی میزان کے دونوں مرتبے جاری ہوتے ہیں	۷۲
فصل اس سوال کے جواب میں کہ جب تمام ائمہ شریعت سرچشمہ سے واقف ہیں تو باہم مناظرہ کی نوبت کیوں آئی	۷۳
فصل اس سوال کے جواب میں کہ مجادل آدمی جو یہ کہے کہ میزان کے مضامین ہم نے کسی عالم سے سنے نہ اسکی صحت پر کوئی دلیل واثر شرعیہ سے معلوم ہوئی تو ہم اسکو کیا جواب دیں	۷۵
فصل اگر کوئی عالم اس کتاب میزان کے ساتھ ذوق کا مدعی بنے تو کیا ہم اسکی تصدیق کریں	۷۹ ۸۲
فصل اس بیان میں کہ اگر تم اس میزان کے ساتھ کامل دلچسپی حاصل کرنی چاہو تو ریاضت پر کمربستہ ہوجاؤ	۸۵
فصل مجتہدین کے حق پر ہونے میں دو مذہب اور اس امر کا بیان جو مباحث میزان کی تدبیر کرتا ہے	۸۷
فصل کسی کامل ولی یا مجتہد کا ایک قول پر عمل کرنا دوسرے قول کے باطل جاننے کی دلیل نہیں ہوسکتا	۹۰
فصل کسی طالب العلم سے تمام اماموں کے حق رسیدہ ہونیکی دلیل نہ طلب کرنے کے بیان میں	۹۴
فصل علماء شریعت کے تمام اقوال چشمہ شریعت سے اس طرح متصل رہنے کے بیان میں جس طرح سایہ تیر کر متصل رہتا ہے	۹۷
فصل میزان کی ایک اور تائید کے بیان میں	۱۰۰
فصل اس بیان میں کہ مجتہدین میں سے کسی کا قول شریعت سے خارج نہیں	۱۰۸
فصل اس سوال کے جواب میں کہ اس میزان کے تالیف سے کیا فائدہ	۱۱۵
فصل مجتہدین کے تمام اقوال چشمہ شریعت سے متصل ہونے کی حسی مثالوں کا بیان؟	〃
حسی مثالوں کا موعودہ نقشہ	۱۱۶
نقشہ درخت جس سے چشمہ شریعت کو تشبیہ دی گئی ہے	۱۱۷
اقوال مجتہدین کے اصل شریعت سے متصل ہونیکی دوسری مثال نقشہ دائرہ	۱۱۸
تیسری مثال نقشہ جال	۱۱۹
میزان اعمال کے نزدیک ائمہ کے اپنے اپنے مقلدوں کی شفاعت کیلئے کھڑے ہونے کا نقشہ	۱۲۰